شیخ الاسلام حضرت العلام بابا داؤد خاکی کا مایہ ناز شاہکار،

وِردُ المُرِیدِین

کا منظوم عربی مع حلِ لُغات و اُردو شرح
مُسمّیٰ بہ

تاجُ العارِفین

مُکمّل

از:
الحاج مولانا سید محمد قاسم صاحب بُخاری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محمد عُثمان اینڈ سنز تاجرانِ کُتب
فیر ڈیل مارکیٹ ریذڈنسی روڈ سرینگر کشمیر
مدینہ چوک، گاؤکدل سرینگر، کشمیر

شیخ الاسلام حضرت العلام بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ کا مایہ ناز شاہکار

وِردُ المُریدین کا

منظوم عربی مع حلِّ لغات و اردو شرح

مسمّٰی بہ

تاج العارفین

مکمل

از

الحاج مولٰنا سیّد محمد قاسم شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ
(سابق صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر و مہتمم اعلےٰ حنفیہ عربی کالج نور باغ سرینگر)
و سابق صدرِ محکمۂ شرعیّہ جموں کشمیر

ناشر

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجرانِ کتب
مدینہ چوک گاؤکدل سرینگر کشمیر

Email: sh_usman@rediffmail.com

نام کتاب : ورد المریدین
مصنف : شیخ الاسلام حضرت بابا داؤد خاکیؒ
تعریب، ترجمہ شرح : مسمی بہ تاج العارفین
اثر خامہ : حضرت امیر شریعت علامہ مولانا سیّد قاسم شاہ بخاری
زیر اہتمام : شیخ اعجاز احمد
ہدیہ : ۵۵۰ روپے (ڈیلکس ایڈیشن)
ISBN : DELUX 81-86714-45-6

پبلشرز:
گلشن پبلشرز
فیرڈیل مارکیٹ، ریذیڈنسی روڈ، سرینگر۔ کشمیر

تقسیم کار:
شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کُتب
فیرڈیل مارکیٹ، ریذیڈنسی روڈ، سرینگر۔ کشمیر

برانچ:
مدینہ چوک، گاؤکدل سرینگر۔ کشمیر

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

امّا بعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج ہم اپنی فرم کی جانب سے محسن کشمیر محبوب العالم حضرت سلطان العارفین جناب شیخ حمزہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک حالات وواقعات کے متعلق ایک تاریخی وعلمی دستاویز موسوم بہ "تاج العارفین" شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

تاج العارفین ریاست بلکہ برصغیر کے مشہور ومعروف عالم دین حضرت امیر شریعت علامہ مولٰنا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر وبانی مہتمم حنفی عربی کالج نور باغ سرینگر کی وہ تصنیف لطیف ہے جو تفسیر کفایت البیان کے بعد (ان کے جملہ تصانیف میں، جن کی تعداد تقریباً سو سے زائد ہے۔) ایک امتیازی شان کی حامل ہے۔

کتاب مذکورہ دراصل حضرت شیخ حمزہ مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اول شیخ الاسلام حضرت بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ کے بلند پایہ فارسی قصیدہ (جو حضرت خاکیؒ نے حضرت شیخ حمزہ مخدوم کشمیریؒ کے

شان میں تصنیف فرمایا ہے) "وِرد المریدین" کا منظوم عربی ترجمہ ہے ـــــ ساتھ ہی حضرت علاّمہ بخاری مرحوم ومغفور نے عصری تقاضات کے پیشِ نظر اُردو میں اس کی شاندار شرح تحریر کی اور اس شرح کا منبع و مصدر حضرت علاّمہ خاکی رحمتہ اللہ علیہ کی بلند پایہ تصنیف "دستور السالکین" ہے۔

کتاب تاج العارفین کی مقبولیت کا یہ ہے کہ مختصر وقت میں اس کے دو ایڈیشن مصنّف مرحوم کی حیاتِ ظاہری میں شائع ہوئے۔ لیکن پھر بھی یہ علمی و تاریخی دستاویز کم یاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہے۔

علمی و عوامی حلقوں میں کتاب کی زبردست مانگ ہے ـــ اسی ضرورت کے پیشِ نظر آج ہم تاج العارفین حصّہ اوّل و دوم کو ایک ہی جلد میں مبسوط و مربوط طریقے پر دوبارہ شائع کرتے ہیں ـــ امید ہے کہ علمی و عوامی حلقوں میں یہ تحفۂ بے نظیر ایک بار پھر سرمۂ چشمِ بصیرت کے طور قبول کیا جائے گا۔

والسلام

شیخ محمد عثمان

دیباچہ طبع سوم

حضرت الاستاذ علامہ بخاری صاحب قدس اللہ سرہٗ کی حیاتِ ظاہری میں جب تاج العارفین کا حصہ دوم طبع ہوا تو آپ نے ایک روز مجھے اس حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیا کہ کتاب میں اکثر مباحث تشنۂ تکمیل ہیں ۔ لہٰذا مستقبل میں تکملۂ تاج العارفین کے نام سے ایک ضخیم کتاب کی تصنیف ضروری امر ہے ۔ چنانچہ فرصت کے لمحات میں آپ اس موضوع پر کچھ نہ کچھ تحریر فرماتے تھے ـــــ ان کے ناگہانی حادثۂ وفات سے ان کا غیر مطبوعہ تحریری سرمایہ بغیر ترجمۃ القرآن ان کے بلند پایہ کتب خانہ میں مقفل ہوا ، لہٰذا میں یہ کہنے سے معذور ہوں کہ وہ کام کہاں تک مکمل ہوا ہے ـــــ پھر بھی اصل کتاب کے نسخہ جات کو اہلِ علم حضرات نے اس طرح حرزِ جان بنایا کہ آج طبع ثالث کے وقت حصہ اوّل و دوم کے مطبوعہ نسخہ جات کتب خانہ حنفی عربی کالج سے مستعار لینے پڑے ۔

اگر جناب شیخ محمد عثمان (ناشر کتاب ہذا) طبع ثالث میں پہل نہ کرتے اور باجازت فرزندانِ مرحوم سعیٔ بلیغ اشاعت نہ فرماتے تو مستقبل قریب میں اس مایہ ناز کتاب کا وجود کالعدم ہوتا ـــــــــ مجھے امید ہے کہ شیخ صاحب طبع ثالث پر ہی اکتفا نہ فرمائیں گے ، بلکہ متعدد ایڈیشن شائع فرما کر دربارِ سلطانیہ کے ساتھ اپنی گہری عقیدت اور علم دوستی کا ثبوت فرمائیں گے ۔

شوکت حسین گیننگ

استاد حنفی عربی کالج و رکنِ انجمن تبلیغ الاسلام

۷۸۶

گذارشِ احوالِ واقعی

بارک اللہ من مقاماتِ مشائخ خواندہ ام
حالِ او با حالِ ایشاں مستوی یکسر شدہ است (علامہ خاکیؒ)

بیجا نہ ہوگا اگر وردالمریدین اور دستورالسالکین کو مقاماتِ سلطان العارفین رضؓ کے نام سے موسوم کریں گے، کیونکہ حضرت شیخ الاسلام علامہ خاکی رحمتہ اللہ علیہ کی یہی وہ مبارک کتابیں ہیں جن میں آپ نے کتبِ اولیاءِ سابقین کے طرز پر اپنے پیر روشن ضمیر حضرت مخدوم اعظم رضؓ کے مقامات و واقعات تحریر فرمائے ہیں۔ اور یہی وہ دو مبارک کتابیں ہیں جن کا مطالعہ حضرت محبوب العالم رضؓ نے خود فرمایا اور حضرت علامہ خاکی رحمتہ اللہ علیہ کو سندِ منظورِ ممدوح سے نوازا۔

حضرت والد ماجد مفسرِ قرآن شیخ الحدیث علامہ سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے "قصیدۂ وردالمریدین" (فارسی) کو ارشادِ باطنی پر منظوم عربی کا جو جامہ پہنایا وہ موصوف کا حیرت انگیز علمی کارنامہ ہے، کیوں کہ حضرت موصوف شاعر نہیں تھے۔ پھر اردو شرح لکھ کر دو جلدوں میں تاج العارفین کے نام سے اسے طبع کیا ــــــ آپ کے شاگردانِ رشید میں دو جید شاگرد یعنی جناب مولنا مولوی محمد امین واجدی صاحب

مرحوم (المتوفی ۱۳ ماہِ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ) اور برادرِ مکرّم فاضلِ عصر مولانا شوکت حسین صاحب کینگ سلمہ اللہ نے ہر اس علمی کام میں آپ کا ہاتھ بٹایا۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء

حضرت مرحوم نے تکمۂ تاج العارفین کے نام سے ایک اور کتاب لکھنے کا عزم صمیم فرمایا تھا، مگر بدقسمتی سے آپ یکم ذی قعدہ الحرام ۱۴۲۰ھ کو نمازِ عصر پڑھ کر اچانک رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ اِنّا للہِ واِنّا الیہِ راجعون۔ لہٰذا وہ خواب تشنۂ تعبیر رہا۔

آپ کے انتقالِ پُرملال سے عوامی و علمی حلقوں میں ماتم کی لہر دوڑ گئی ارباب علم و فضل نے بار بار آپ کے تحریری سرمایہ کو محفوظ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس تحریری سرمایہ میں "تاج العارفین" ایک بیش بہا خزینہ ہے اور آجکل ڈھونڈے سے بھی اس کا کوئی نسخہ نہیں ملتا ہے۔

ریاست کے مشہور تاجر کتب جناب الحاج شیخ محمد عثمان صاحب نے کتاب کا تیسرا شاندار ایڈیشن شائع فرما کر قارئین کرام کی دیرینہ مانگ پوری کی۔ میں ذاتی طور موصوف کو اس کام کے لئے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

والسلام

سید فرید الرحمٰن بخاری

(صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر و بانی مہتمم حنفی عربی کالج نور باغ سرینگر)

تاج العارفین

تعریب و ترجمہ

منظوم عربی مع حلّ لغات و اردو شرح

وردالمریدین

حصّہ اوّل

ناشر :- شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب
مدینہ چوک گاؤکدل سرینگر

پبلشرز :- گلشن پبلشرز مدینہ چوک گاؤکدل سرینگر

فہرست

ہم نے قارئینِ کرام کی سہولت کے لئے ہر شعر کا پہلا مصرعہ ترتیب وار دیا ہے تاکہ مطلوبہ شعر کی تحقیق و تشریح اور اس کا منظوم عربی، حلِ لغات وغیرہ آسانی سے مِل سکے۔ فہرست یہ ہے :-

مصادر و مآخذ

۱۔ وِردُ المریدین ۲۔ دستور السالکین ۳۔ تذکرۃ العارفین ۴۔ بزمِ صوفیہ۔ ۵۔ حالاتِ حضرت خاکیؒ از مفتی سعادت ۶۔ عوارف المعارف ۷۔ کشف المحجوب ۸۔ احیاء علوم الدین ۹۔ تفسیرِ خازن ۱۰۔ تفسیرِ بغوی ۱۱۔ قول الجمیل ۱۲۔ تاریخ حسن ۱۳۔ عروض المفتاح ۱۴۔ محیط الدائرہ ۱۵۔ مختصر المعانی ۱۶۔ صحیح بخاری و دیگر کتبِ حدیث ۱۷۔ المنجد ۱۸۔ مفتاح اللغات۔ ۱۹۔ شرحِ فقہ اکبر ۲۰۔ مطالبِ رشیدیہ ۲۱۔ ہدایہ وغیرہ

دیباچہ طبع دوم

حامِدًا وَ مُصَلِّیًا وَ مُسَلِّمًا

۱۴۰۲ھ میں تاج العارفین حصۂ اول زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ اور پورے دس سال کے بعد ۱۴۱۲ھ میں کتاب کا حصۂ دوم شایع ہوا۔ حسب وعدہ عزم تھا کہ کتاب کا تکملہ جو تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہونے کا اندازہ تھا، پیش کیا جائے گا اور ساتھ ہی آں جناب قدس اللہ سرہٗ کی مکمل سیرت بھی نذرِ قارئینِ کرام کی جائے گی مگر کتاب کے حصۂ دوم کی اشاعت کے بعد تمام علمی صحافتی اور عوامی حلقوں سے اصرار ہوا کہ تاج العارفین کا حصۂ اول پھر سے شایع کیا جائے کیونکہ حصۂ اول کم یاب ہی نہیں بلکہ بالکل نایاب تھا۔ میں نے ناشرِ کتاب عزیزِ گرامی فاضلِ عصر مولینا الحاج محمد امین صاحب واجدی مالک کتب خانہ ہمدرد سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا۔ دوسرے ایڈیشن کے وقت ترمیم و اضافات کرنا مصنفین کا دستور رہا ہے مگر میرے پاس اتنا وقت کہاں؟ اب جب کہ بڑھاپے میں بعض اہم تصنیفات و تالیفات خاص کر ترجمہ و تفسیر قرآنِ مجید میں مصروف ہوں، نظرِ ثانی کا موقع نہیں ملا۔ لہٰذا جلدِ اوّل بعینہٖ شایع کیا جا رہا ہے۔

بفحوائے سیّد المرسلین حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللہَ میں جناب عزیز موصوف واجدی صاحب، جناب مولینا الحاج شوکت حسین صاحب کینگ اُستادِ حنفی عربی کالج نور باغ سرینگر

کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں جن کی مساعی جمیلہ سے یہ ایڈیشن پیش خدمت ہے۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَا فِي الدَّارَيْنِ۔

میں ذاتی طور تمام اہل علم حضرات کا جنہوں نے تاج العارفین حصۂ دوم میں گراں قدر تقاریظ، تبصرے اور تاثرات تحریر کئے، شکر گذار ہوں۔ اور ساتھ ہی تمام عوامی اور علمی حلقوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کتاب کو اپنی لائبریریوں کی زینت بنایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں وسعت وبرکت عطا کرے۔ آمین ؛

تاج العارفین کی اشاعت کے وقت قارئین کرام نے حضرت محبوب العالمؒ کے بعض وظائف مثلاً حزب البحر، مسبعات عشر، سبع منجیات، دعائے مونس اولیاء وغیرہ کو شایع کرنے کی ترغیب دی تھی۔ میں نے ایسا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ وظائف کے متعلق میری اہم تالیفات اشغالِ نقشبندیہ، معمولاتِ اہلِ صفا اور وظائفِ سلسلۂ قادریہ منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ ان شاء اللہ ان سب کو مربوط کرکے ایک کتابی شکل دی جائے گی جس میں وظائفِ سلسلۂ سہروردیہ بھی درج ہوں گے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ؛

کمترین :
بخاری عفی عنہ

عید گاہ، سرینگر
۱۷ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله القادر العلی الولی الذی اکمل لنا منهج الدین والایمان و سهل لنا الوفاق لاهل الحق والسلوک الی دار السلام وجلی لنا صراط المنعمین من النبیین و الصدیقین والشهداء و الصالحین البررة الکرام و من تبعهم من المفسرین و المحدثین والفقهاء المجتهدین الاخیار الاعلام والزهاد والعرفاء و الاقطاب و الاغواث و النجباء الکمل ذوی السلاسل المبارکة و الاحوال العظیمة والشان الرفیع و الاحتشام المتنزهین من الشرک الجلی والخفی و الاوهام و الاسقام من الکذب و النمیمة و الغیبة و البهتان و الحسد و الشنان و غلبة الرقود والغفلة و الکسل فی العبادة وکسر الاسنان وکثرة الکلام المریدین فی کل لحظة و نفس رب السموات و الارض الذی فطرالشهاب الثاقب و النجوم الثواقب التی تمحی ظلام التارکین وراء ظهورهم زینة الدنیا الدنیة المملوة بالتکدر والتحسر و المتبدلة بالفناء و الزوال و التغیرات التی لا تصل الیها العقول و الاوهام والصلوة والسلام علی سید الانبیاء و سند الاصفیاء وخاتم الانبیاء و انیس الغرباء و المساکین الذی جاء

بالملّة الحنیفیّة السّہلۃ السّمحۃ البیضاء الّذی امرنا بصدق المقال و اکل الحلال و ذِکر اللہ ذی الجبروت و الجلال والجمال بالحتم والاتمام وعلٰی اٰلہٖ واصحابہ الرّکّع السّجّد یبتغون فضلاً مِّن اللہ ورضوانًا سیماھُم فی وجوھھم مِّن اثر السّجود القائمین لہٗ و النّاسُ نیامٌ وعلٰی صُلحاءِ اُمّتِہ الّذین اھتدوا بھدیھم و بذلوا جُھدَھُم لِاتباعِ اٰثارِھِم فنالوا بِبَرکتِہٖ دولۃَ الاسلام و السّلطانِ علی المارقین من السُّنّۃِ و الجماعۃ والمُخلطین فیھا مالیسَ لہٗ اَصلٌ ولاقِوام ما دام یتلو عِبادُ الرّحمٰن اٰیاتِ القُراٰن بالاتقان و یتأمل فیھا العُلماء الرّاسخون واھلُ الحال من الشّیوخ العِظام۔

اَمّا بعدُ

تاجُ العارفین

کا

مختصر تعارُف

معزّز مشائخ کرام اور اہلِ اعتقاد حضرات اس حقیقت سے واقف ہیں کہ قصیدہُ وِردُالمریدین مصنفہٗ شیخ الاسلام حضرت شیخ داؤدخاکی کشمیری رحمہ اللہ کا وہ قصیدہ ہے جو آں جناب نے اپنے مُرشدِ کامل، مجدّدِ زمان حضرت محبوب العالم شیخ حمزہ مخدومی و محبوبی قدس اللہ سرہٗ کی مدح، احوال، مقامات و کمالات، واردات و ںصادرات، روحانی تطوّرات و ارتقاآت، آپ کے مشائخ اور علمِ تصوّف کے اصول و فروع، شریعت و طریقت، معرفت و حقیقت، آداب مریدین و معتقدین اور بہت سے اربابِ سلوک کے حالات و واقعات کے بیان میں لکھا ہے۔ قصیدہ شریفہ کی اصل

زبان فارسی ہے اس لئے اردو اور کشمیری میں نظم کی صورت میں اس کے تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ چونکہ حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کے احسانات ہم کشمیری مسلمانوں پر بے انتہا و بے شمار ہیں جن کی وجہ سے ہمارے دلوں میں آپ کی محبت و عقیدت کا ہونا قدرتی امر ہے۔ صحیح اور پائدار محبت و احترام یہ ہے کہ آپ کی اِتباع و پیروی کی جائے اور آپ کی اِتباع و پیروی کرنا آں جناب کو اصلی حالات و اعتقادات معلوم کئے بغیر ناممکن ہے اور ہم اپنی عقیدت و محبّت کی بنا پر ہمیشہ آں جناب کے کچھ حالات اپنے ماہنامہ اور اخبار میں عوامُ النّاس کی واقفیّت کے لئے لکھتے رہتے ہیں۔

چند سال کی بات ہے کہ نیازمند نے ایک خواب دیکھا جس کے اظہار سے ہم اس وقت معذور ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ نیازمند کو اس کی تعبیر اسوقت سمجھ میں نہیں آئی تھی اسی اثنار میں وِردُ المُریدین اور اس کی شرح دستور السالکین ماہنامہ التّبلیغ کے لئے ایک مضمون مُلخص کرنے کے لئے سامنے تھی۔ یکایک دِل میں خیال آیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ وِردالمریدین کے ابیات کا عربی منظوم ترجمہ اس طرح کیا جائے کہ اصل ابیات کا وزن اور بحر بھی باقی اور محفوظ رہے۔ غالباً یہ خیال اس لئے آیا کہ فارسی زبان کا مذاق اب مسلمانوں میں نہیں رہا۔ اس کے برخلاف عربی سے ابھی بہت حد تک شُدھ بُدھ باقی ہے۔ خاص کر واعظین، اِمامانِ مساجد اور دوسرے اہلِ علم و مشائخ عربی کے ساتھ کئی وجوہ سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ بہرحال خیال تو آیا پھر دل و دماغ سے رخصت ہوا۔ دوسرے روز پھر یہی خیال آیا تو دو شعروں کا منظوم عربی ترجمہ کرکے اپنے ایک خاص شاگرد کو دِکھایا۔ اور کُچھ مدّت کے بعد رفتہ رفتہ وِردُ المریدین کے تمام ابیات کا وزن و بحر کی رعایت رکھ کر عربیت کا جامہ پہنانے میں بفضل اللہ و توفیقہ کامیابی ہوئی۔ الحمد للہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتمُّ الصالحات۔ مگر کثرتِ مشاغل اور خاص کر ذخیرۂ شریف کے ترجمہ و شرح اور دار العلوم حنفیہ کی تعمیر میں مصروفیت کی وجہ سے نظرِ ثانی کی نوبت نہیں آئی اگرچہ ایک سو سے زاید اشعار کا ہم ماہنامۂ التّبلیغ اور الاعتقاد میں ترجمہ اور تشریح بابتِ اِصلاح ہدیۂ قارئینِ کرام کرچکے ہیں۔

اب دوستوں، مخلصوں اور اربابِ ذوق خاص کر عزیزی محترم شوکت حسین صاحب کینگ سلمہ اللہ تعالیٰ ابن المغفور و المرحوم لہٗ محمد صدیق کینگ علیہ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ ماواہُ نے اس کتاب کی نشر و اشاعت کے لئے اصرار کیا تاکہ اس کے ضمن میں اہلِ اسلام کو حضرت محبوبُ العالم قدس اللہ سرہٗ اور دوسرے اولیاءِ عظام کے حالاتِ طیبات کے پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا موقعہ فراہم ہو جائے اور اس کے علاوہ عرب دنیا بھی اس ولیِ اکمل اور مجددِ ملت کے حالاتِ طیبات سے واقف ہو جائے اور اس منظوم عربی ترجمہ کا نام تاج العارفین رکھا گیا ہے۔

تاجُ العارفین میں مندرجۂ ذیل امور کا التزام اور پورا خیال رکھا گیا ہے:۔

۱۔ وِردُ المریدین کے اصل اباتِ شریفہ پوری تحقیق و تفتیش سے اس میں درج کئے گئے ہیں۔

۲۔ ہر فارسی شعر کے بعد عربی شعر دیا گیا ہے۔

۳۔ متن کے ابیات میں جو عربی الفاظ تھے ان کو بطور تبرک جوں کے توں رہنے دیا۔

۴۔ ہر شعر کا بامحاورہ اُردو ترجمہ کیا گیا ہے تاکہ عوام و خواص کو قصیدۂ وِردُ المریدین کو سمجھنے کا موقع ملے۔

۵۔ عربی الفاظ اور اُن کے توابع و متعلقات کی عربی میں نحوی اور لغوی تحقیق کی گئی ہے اور اگر ان الفاظ کو جمع کیا جائے تو اچھی خاصی عربی ادب کی کتاب تیار ہوگی۔

۶۔ ضروری ابیات کی تشریح دستورِ السالکین پیشِ نظر رکھ کر نہایت اختصار کے ساتھ کی گئی ہے۔

۷۔ کہیں کہیں زمانہ کے نئے تقاضوں کے پیشِ نظر مزید اضافات اور زوائد سے کام لیا گیا ہے۔

۸۔ کہیں متن کے اصل مسائل کی مضبوطی اور تائید کی خاطر استدلال کا طریقۂ متنوع دکھایا گیا ہے۔

غرض تاج العارفین فارسی المتن، عربی تحقیق و تدقیق اور بامحاورہ اردو ترجمہ و تشریح کا ایک انمول مجموعہ ہے جو کہ اس وقت ہم پندرھویں صدی کے استقبال میں

۴۔ اشتیاق ۱۶ شوال المکرم ۱۳۹۲ھ روز شنبہ، عرض مرزا [illegible]

ہدیہ بارگاہِ محبوبی میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ تاجُ العارفین میرے، میری اولاد، میرے دوستوں اور کرم فرماؤں کے لئے قیامت کے دن بارگاہِ ایزدی میں موجبِ شفاعت ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ بھی واضح رہے کہ ہم اسوقت تاجُ العارفین کا صِرف حصّہ اول ایک سو پچاس ابیات پر مشتمل پیشِ خدمت کر رہے ہیں۔

تاجُ العارفین کے شروع میں آپ ایک مختصر مقدمہ دیکھیں گے جس میں مختصر حالات طیبات شیخ الاسلام قندیل عرش رحمانی حضرت شیخ داؤد خاکی رحمۃ اللہ آپ پڑھیں گے جس سے آپ کی عظمت کا کچھ اندازہ ہوسکے اور آپ کے خُلفاء و مُریدین، آپ کے مُعاصرین اور ان کے کارناموں کا مفصل تذکرہ تاج کے حِصّہ ثانی کے شروع میں ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

اس مقام پر دو باتوں کا خیال رکھئے:

۱۔ ایک یہ کہ وِردِ المریدین کے اشعار کا وزن ہر شعر میں فاعلاتُن، فاعلاتُن، فاعلاتُن، فاعلُن دو مرتبہ آتا ہے جیسا کہ اس شعر کی تقطیع سے معلوم ہوگا ؎

شکر للہ حالِ من ہر لحظہ نیکوتر شد است
شیخِ شیخاں شیخ حمزہ تا مرا رہبر شد است

شکر للہ، فاعلاتُن۔ حالِ من ہر، فاعلاتُن۔ لحظہ نیکو، فاعلاتُن۔ تر شُدَاست، فاعلُن۔
شیخِ شیخاں، فاعلاتُن۔ شیخ حمزہ، فاعلاتُن۔ تا مرا رہ، فاعلاتُن۔ بر شداست، فاعلُن۔

اسی طرح اس شعر کی تقطیع ملاحظہ فرمائیے:۔

بہرِ امدادِ مُریداں زود حاضر می شود
صورتِ پاکیزہ اش ہر جا کہ مُصَوّر[1] شداست

بہر امدا، فاعلاتُن۔ دِ مریداں، فاعلاتُن۔ زود حاضر، فاعلاتُن۔ می شود، فاعلُن
صورتے پا، فاعلاتُن۔ کیزہ اش ہر، فاعلاتُن۔ جا کہ مُصَوّ، فاعلاتن۔ وَر شداست، فاعلُن۔

---

[1] مُصَوّر اس جگہ اسم مفعول بابِ اِفْعَلْ کا ہے۔ اِصْوَرَّ، یَصْوَرُّ، اِصْوِرَاراً۔ فتأمّل

یہی وزن تقریبًا سارے ابیاتِ شریفہ کا ہے۔ البتہ کہیں کہیں زحافات بھی آتے ہیں مگر بہت کم۔ راقم السطور نے اس وزن پر غور وفکر کیا تو صاف معلوم ہوا کہ یہ بحرِ رمل کا وزن ہے مگر مشکل تو یہ ہے کہ عروضیوں کے اصل دائرہ میں بحرِ رمل کے ارکان صرف فاعلاتُن، فاعلاتُن، فاعلاتُن دُو مرتبہ آتے ہیں اور پورے شعر میں چھ مرتبہ اور پھر یہ بحر تامّ الوزن قلیلُ الاستعمال ہے۔ بعد غور معلوم ہوا کہ جو وزن بحرِ رمل کا ہم نے دکھایا وہ قدماءِ عرب کے دستور کے مطابق ہے۔ اور مُولّدین خاص کر شعراءِ عجم بحرِ رمل کو اُسی وزن کے مطابق استعمال کرتے ہیں جیسا کہ حضرت شیخ خاکی قُدّس سرّہٗ نے وِردُ المریدین میں استعمال فرمایا ہے۔ اسی طرح مولینا وصی احمد صاحبؒ نے حضرت ابوالحسنات مولینا عبدالحی صاحبؒ لکھنوی رحمہ اللہ کا مرثیہ بحرِ رمل کے اُنہیں اوزان پر لکھا ہے جو اوزان ہم نے وِردُ المریدین کے دکھائے ہیں۔ مثلاً ملاحظہ ہو ؎

اِنّما الدُّنیا فناءٌ لیسَ للدُّنیا بقا
اِنّما الدُّنیا وما فیہا کنسجِ العنکبوت

اس کی تقطیع اس طرح ہوگی:

اِنّما الدُّن، فاعلاتُن۔ یا فناءٌ، فاعلاتُن۔ لیس لِلدُّن، فاعلاتن۔ یا بقا فاعلن۔ اِنّما الدُّن، فاعلاتن۔ یا وما فی، فاعلاتُن۔ ھا کنسجِل، فاعلاتن۔ عَنکبوت، فاعلن۔

اسی طرح علامہ اقبالؒ کے اِس شعر کی تقطیع بھی یہی ہوگی:۔

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ اِنّ الملوک
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اِک جادوگری

آ بتاؤں، فاعلاتن۔ تجھ کو رمز، فاعلاتُن، آیۂ اِن، فاعلاتن۔ نَ لملوک، فاعلُن
سلطنت اَق، فاعلاتن۔ وامِ غالب، فاعلاتُن۔ کی ہے اِک جا، فاعلاتُن۔ دوگری، فاعلُن۔

اسی طرح درج ذیل شعر بھی بحرِ رمل سے ہے۔ اس کی تقطیع بھی اسی طرح خود فرمائیے۔ شعر یہ ہے:۔

حق پہ رہ ثابت قدم باطل کا شیدائی نہ ہو
گر تجھے ایمان پیارا ہے تو مرزائی نہ ہو

حق پہ رہ ثا، فاعلاتن۔ بت قدم با، فاعلاتن۔ طل کا شیدا، فاعلاتن۔ ئی نہ ہو، فاعلن + گر تجھے ای، فاعلاتن۔ مان پیارا، فاعلاتن۔ ہے تو مرزا، فاعلاتن۔ ئی نہ ہو، فاعلن۔

اس موقع پر ہم ایک اہم بات کی طرف قارئینِ تاج العارفین کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اکثر علماء و مشائخ فرماتے ہیں کہ وردُ المریدین کے تقریباً اسّی ابیات ضایع ہوئے ہیں یعنے کسی نے دانستہ طور خیانت کر کے اسّی ابیات کو اصل کتاب سے خارج کر دیا ہے یا بد قسمتی سے حوادثِ زمانہ نے ان ابیات کو نابود بنا دیا۔ کیونکہ دسویں صدی ہجری میں طباعت ونشر و اشاعت کے وہ اسباب مہیّا نہ تھے جو ہمارے عہد میں ہیں۔ وہ ان ابیات کے ضایع یا خیانت ہونے پر حضرت شیخ خاکی قدس اللہ سرہٗ کے اس شعر سے استدلال کرتے ہیں ؎

چار صد با چہل و چند ابیات گوہر بار او
بہرِ ہر صوفی بمعنی سُبحۂ گوہر شد است

اس شعر سے واضح ہے کہ وِردُ المریدین کے اصل ابیات چار سو چالیس سے زائد ہیں اور اس وقت ورد المریدین کے جو نسخے راقم کے پیشِ نظر ہیں اُن میں سے بھی خصوصیّت کے ساتھ وہ نسخہ جس کی نشر و اشاعت کا اہتمام ادارۂ عالیہ درگاہِ حضرت محبوب العالمؒ نے کیا جس کے آغاز میں پیرایۂ آغاز مرحوم و مغفور داراب صاحب اور حرفِ آغاز جناب محترم میرزا کمال الدین صاحب شیدا صدر اوقافِ درگاہِ عالیہ سلطانیہؒ کا ہے۔ ان تمام نسخوں میں کُل ابیات صرف تین سو ساٹھ ہیں۔ مفتی محمد سعادت صاحبؒ نے وضاحت سے لکھا ہے کہ کسی بد دیانت نے بد دیانتی کی ہے۔ اس طرح موصوف نے دوسرے پیرایہ میں اس کتاب کو مشکوک بنایا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس طرح جواب دیا کہ حضرت خاکیؒ نے دوسرا رسالہ جو تقریباً سو ابیات پر مشتمل ہے، اُسے وِردُالمریدین کے ساتھ ضم کیا یعنے دو رسالوں کو ایک کر کے چار سو چالیس ابیات سے

کچھ اوپر پورے کر کے کتاب کی اصلیت بے کم و کاست پوری رکھی۔

مگر یہ جواب نہایت نامکتفی ہے کیونکہ وِردُ المریدین کا موضوع حضرت محبوبُ العالمؒ ہے اور دوسرے رسالہ کا موضوع علم فقہ کے مسائل ہیں۔ ایک علم دوسرے علم سے جو ممتاز ہوتا ہے، وہ صرف اپنے موضوع کی بنا پر ہی ہوتا ہے اور پھر اس رسالۂ فقہیہ کے اشعار وِردُ المریدین کے ساتھ ملاکر بھی ابیات کی وہ تعداد پوری نہیں ہوتی جس کی صراحت حضرت شیخ خاکی قدس سرہٗ نے مقدمُ الذکر شعر میں فرمائی ہے اور شعر صاف بتاتا ہے کہ یہ صرف صوفی مشرب کے طالب علم ہی کے لئے کافی ہے اور فقہ کے طالب علم کے لئے نہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کہ مقدمُ البیان جواب درست اور چسپاں نہیں ہوتے تو پھر صحیح جواب کیا ہے ؟ جہاں تک اس ہیچمدان خاکسار سلطانیؒ نے اس سوال پر غور کیا تو دو قسم کے جواب میرے ذہنِ نارسا میں آئے ہیں :-

۱۔ ایک یہ ہے کہ ہر مصنّف و مؤلّف اور شاعر و ناظم جب پہلی بار کوئی کتاب یا قصیدہ لکھتا ہے تو اس کو اصطلاح میں تسوید یا مُسوّدہ کہتے ہیں اور جب اس مسودہ کی نظرِ ثانی، قطع و بُرید، محو و اثبات اور زوائد نکال کر مزید مزایا و محاسن سے آراستہ پیراستہ کرتا ہے تو اس کو مُبیّض یا تبییض کہتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ حضرت خاکیؒ نے قصیدۂ وِرد المریدین سے ۹۶۱ھ ہجری میں فراغت پائی اور ۹۹۶ھ میں آپکا وصال ہوا ہے۔ گویا پینتیس ۳۵ سال قصیدۂ شریفیہ مرتّب کرنے کے بعد آپ دنیا میں قرار پذیر ہوئے اور اسی پینتیس ۳۵ سال کے عرصہ میں آپ نے وِرد المریدین کی شرح دستور السالکین بھی لکھی ہے تو خیانت اور اشعار کے ضائع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ورنہ وِرد المریدین کے ابیات کی ترتیب بالکل شکستہ اور بے جوڑ ہو جاتی حالانکہ اس کے ابیاتِ شریفیہ اس وقت کمال حسنِ ترتیب سے آراستہ ہیں۔ پس ہوسکتا ہے کہ تسوید اور مسودہ کے وقت ابیات کی تعداد چار سو چالیس سے زائد تھی مگر تبییض و نظرِ ثانی اور ترتیب دیتے وقت صرف تین سو ساٹھ ابیات باقی رکھے ہوں مگر کسی وجہ سے تبییض میں بھی مذکورہ شعر کو بدستور باقی رکھا ہے۔ اس پر قرینہ اور دلیل یہ ہے کہ

مصنفِ تذکرۃ العارفین حضرتِ خاکیؒ کے مُلتان کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ آپ نے مجھے وہاں (ملتان میں) وِردُ المریدین) دِکھائی اور فرماتے ہیں کہ "ترتیب دادہُ اوست"۔ کہ یہ آپ ہی کی ترتیب دی ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ ترتیب میں کانٹ چھانٹ ضروری اور یقینی ہوتی ہے کیونکہ ترتیب کا معنیٰ علماء نے یوں لکھا ہے وضعُ کلّ شیئٍ فی محلِہ۔ ہر چیز کو اپنے موقع و محل میں رکھنا۔ غالباً یہ اشارہ اسی تبییض کی طرف ہے ورنہ علی بن عثمان رینہ کو یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ " ترتیب دادہ اوست " واللہ اعلم۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مذکورۂ بالا شعر جس سے چار سو چالیس شعر کے زیادہ ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے وہ شعر خود میرے نزدیک قابلِ بحث ہے کہ کاتبوں کی غلطی سے وہ شعر غلط طریقہ سے پڑھا جاتا ہے جس نے بہت سی مشکلات پیدا کیں یعنے ایک بیمار نے ہزاروں تندرستوں کو بیمار کر دیا۔ لیکن یہ کوئی سوچتا تک نہیں کہ کیا یہ واقعی بیمار ہے یا صحیح و توانا ہے۔؟ مذکورہ شعر دراصل یوں ہونا چاہیئے : (واللہ اعلم)

سہ صد و با شصت و چند ابیات گوھر بارِ او

تقطیع یوں ہوگی :- سہ صدو با ، فاعلاتُن ۔ شصت وچند اَب ، فاعلاتُن یاتِ گوہر، فاعلاتُن ۔ بارِ او ، فاعلُن :: بہرِ ہر صو، فاعلاتن ۔ فی لمعنی ، فاعلاتن ، شُبحۂ گو ، فاعلاتُن ۔ ہر شُداست ، فاعلُن ۔

لہٰذا آپ اس ایک شعر کو اصلی بحر و وزن کا لحاظ رکھ کر پڑھیں گے تو ان شاء اللہ تمام اعتراضات اور شکوک و شبہات کا خاتمہ ہوجائے گا اور کتاب کی اصلی اور واقعاتی پوزیشن برقرار رہے گی۔ البتہ لفظِ چند کا سوال باقی رہے گا تو خود مصنّف نے تبییض کے وقت ان کو کتاب سے نکال دیا ہوگا تاکہ ترتیب کا حق ادا ہوگا۔ یا ضرورتِ شعری کی وجہ سے یہ لفظ زائد ہے وھذا کثیرٌ فی کلام الفُصحاء والبُلغاء۔ اسی طرح سہ صد کے بعد کا واو زاید بھی ہوسکتا ہے اور اصل بھی فافہم ولا تکن من الممترین المتأنفین

۳۔ تیسرا جواب بھی ذہن میں آتا ہے اُس کا ماحصل یہ ہے کہ بَا کی جگہ اصل مُسودہ میں بے تھا۔ بَا اور بے معنے میں ایک دوسرے کے متضاد اور برخلاف ہیں کہ بَا

بمعنی ساتھ اور بے بمعنی سوا اور بغیر کے آتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے مَتن کا زیر بحث شعر اصل مسودہ میں اس طرح تھا۔

چار صد بے چہل و چند ابیات گوہر بارِ او

یعنی کُل ابیات چالیس سے کم چار سو ہیں جو تین سو ساٹھ شعر ہو جاتے ہیں جو اسوقت وِردُ المریدین کے نسخوں میں مزبور اور موجود ہیں۔ لہٰذا کتاب محفوظ ہے اور اس کا کوئی شعر ضائع نہیں ہوا بلکہ تبییض کے وقت حضرت خاکی رحمہ اللہ نے کچھ اشعار اضافہ فرمائے ہیں لہٰذا باکوتے پڑھنے سے تمام مشکلات کا خاتمہ بالخیر ہو جاتا ہے۔

بہرحال یہ نکات بعدالوقوع ہیں اور فوقَ کلِّ ذی علمٍ علیم ملحوظِ نظر رہنا چاہیئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ ہم نے مقدمۂ کتاب میں حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کے حالات طیبات اس لئے نہیں دیئے کہ آپ کے حالات ہم نے ایک مستقل کتاب میں لکھے ہیں اور یہ کتاب اب تک دو مرتبہ شائع ہو چکی ہے اور پھر محبوب العالم رضی اللہ عنہ اس مصرعہ کے پورے مصداق ہیں کہ ع

"حاجتِ مشّاطہ نیست روی دل آرام را"

ربنا تقبّل مِنّا اِنکَ انت السمیع العلیم۔

وصلّی اللہ علی سیّدنا محمّدٍ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ اجمعین ٭

بُخاری
(عفی عنہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر حالاتِ طیبات سیدنا محبوب العالمؒ

حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات طیبات پر ہم نے آج سے تقریباً بیس سال پہلے ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ایک کتاب "حالاتِ سلطان العارفینؒ" کے نام سے قلمبند کی ہے۔ کتاب کے چار ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔ کثرتِ مشاغل کی وجہ سے اس کتاب کے باقی دو حصے طبع نہیں ہوسکے۔ کتاب کے موضوع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آج ہم تاج العارفین کے اس ایڈیشن میں مختصر حالاتِ طیبات کے عنوان سے یہ مقالہ نذرِ قارئین کرتے ہیں۔ البتہ وصالِ مقدس کا اقتباس "تحفۂ محبوبی" مصنفہ جناب مولینا غلام محی الدین صاحب امرتسریؒ سے ماخوذ ہے

ولادت باسعادت:- سلطان محمد شاہ (جو سلطان زین العابدین بڈشاہ کے احفاد میں سے تھا) کے دورِ حکومت کے تیسرے سال یعنی ۹۰۰ھ ہجری میں آپؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ جیسا کہ مورخ کشمیر خواجہ محمد اعظم دیدہ مری علیہ الرحمۃ تاریخ اعظمی میں رقمطراز ہیں:-

"حضرت محبوب العالم شیخ حمزہؒ کا وطن علاقۂ زینہ گیر موضع تجر ہے۔ آپکی پیدائش ۹۰۰ھ ہجری میں ہوئی۔ خاص دھو آپکی تاریخ پیدائش ہے۔ ذاتی صلاحیت، فطری عظمت اور راست بازی کی وجہ سے سرینگر پہونچے اور بچپن ہی سے آں جناب کو خدا پرستی، سلوک و تصوف اور اسرار و معانی کی طرف رغبت و کشش تھی یہی وجہ ہے کہ آپ عبادت و ریاضت اور بے شمار اوراد و وظائف (جس کی اجازت صلحاءِ وقت سے حاصل کی تھی) میں رات دن گذارتے تھے۔ اسکے علاوہ آپ نے خواب و بیداری میں بھی عالمِ غیب سے بکثرت تربیت پائی۔ اس لحاظ سے آپکو اویسی بھی کہا جاسکتا ہے۔"

اس اجمال کی تفصیل تاریخِ حسن میں اس طرح کی گئی ہے :- "والدِ ماجد نے آپ کا اسمِ مبارک حمزہ (شبیر) رکھا حسب تصریحات علامہ خاکیؒ و دیگر سوانح نگار آپؒ مادرزاد ولی تھے۔ ولادت کے چند ہی دنوں کے بعد ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ حضرتِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابۂ کرام اور بزرگانِ دین کی محفل آراستہ تھی جس میں آپ ایک نومولود بچے کو شفقت و عنایت سے پیار کرتے ہیں اور اسکی پیشانی کو بوسہ دیتے ہیں اور اسکے لیئے خیر و برکت کی دعا فرماتے ہیں۔ اس بزرگ نے نزدیک آکر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ نوزائیدہ بچہ کس کا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "یہ عثمان رینہ کا بیٹا ہے مگر معنوی لحاظ سے یہ ہمارا فرزند ہے۔ یعنی اس فرزند میں بے پناہ دینی اور روحانی صلاحیتیں ہوگی اسلئے بمقتضائے کُلُّ تَقِیٍّ آلی ہر پرہیزگار مسلمان میرے آل و اولاد میں داخل ہے۔ اسی قاعدۂ کلیہ کے تحت آپ کی اپنی طرف نسبت فرمائی۔

خاندانِ عالیشان

اس امر پر تقریباً تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ قدیم ہندوستان پر دو ہی خاندانوں کا تسلّط اور راج تھا۔ ایک خاندان کو "سورج بنسی" اور دوسرے خاندان کو "چندر بنسی" کہا جاتا تھا۔ اسی خاندان کے ایک فرد جو کشمیر میں مدارُالمہام کے منصب پر فائز تھا، نے حضرت سید عبدالرحمٰن بلبل شاہ صاحب ترکستانی رضی اللہ عنہ کے دستِ اقدس پر بیعت کر کے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ نسب نامہ یہ ہے :-

شیخ حمزہ ابن عثمان رینہ ابن زینی رینہ ابن جہانگیر رینہ ابن دولت رینہ ابن ابدال رینہ ابن احمد رینہ ابن رادن رینہ ابن رام چندر ابن سگرام چندر ابن بلاد چندر ابن ملچندر ابن سوسرم چندر۔

زمانۂ رضاعت کا خاص واقعہ :- آپؒ کے سوانح نگاروں نے آپؒ کے زمانۂ رضاعت کا یہ واقعہ بھی تحریر کیا ہے کہ جن دنوں آپؒ دودھ پی رہے تھے تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی مریم علیہا الرحمۃ کے دودھ میں کچھ کمی واقع ہوگئی، مجبوراً قریبی گاؤں سے دودھ پلانے کے لئے ایک انا لائی گئی مگر آپؒ نے دودھ نہیں پیا۔ سب

کو فکر لاحق ہوئی کہ آخر یہ بچہ بغیر دودھ پئے کیسے زندہ رہیگا لیکن یہ دیکھ کر کہ دودھ نہ پینے کے باوجود آپ کی نشوونما اور صحت میں کوئی فرق نہیں آیا، سب حیران رہ گئے۔ بعدِ تحقیق معلوم ہوا کہ یہ عورت اپنے شوہر سے اجازت لئے بغیر چار ماہ کی لڑکی کو گھر پر چھوڑ کر آئی تھی۔

تعلیم وتربیت: آپ کا خاندان علم وعمل اور عمدہ تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھا۔ اس لئے آپؒ کے والدِ محترم نے آپ کو حسبِ روایات اپنے گاؤں کے قرآنی مکتب میں بھیج دیا، آپ وہاں ابھی زیرِ تعلیم ہی تھے کہ ایک دن آپ کے والد ماجد نے آپکو راستے میں کھیل کود میں محو دیکھا۔ پوچھا "کیا مدرسہ نہیں گئے؟" آپؒ سے کوئی قابلِ تشفی جواب بن نہ پایا تو والد صاحب نے زبردست تنبیہہ کی اور ایسی تادیب کی جس سے آپ کی پوری رہبری ہوئی۔ آپ اس تنبیہہ وتادیب سے سخت بیمار ہوئے اور اثنائے علالت ہی میں سرینگر جاکر اکتسابِ علوم کا عزم کیا۔ چنانچہ صحت یاب ہونے کے بعد آپ اپنے دادا زینی رینہ کے ساتھ ان کے پیرِ طریقت حضرت بابا فتح اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ایک سال آپ کی خدمت میں رہ کر آپ نے قرآنِ شریف کی تعلیم پوری کی۔

مدرسۂ دار الشفاء میں داخلہ: بابا صاحب موصوف کے اشارہ سے آپ نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدرسۂ دار الشفاء میں داخلہ لیا۔ یہ مدرسہ کوہِ ماران کے جنوب میں مشرق کی طرف ایک خانقاہ کیساتھ واقع تھا۔ یہاں آپ نے علم تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، منطق فلسفہ اور تصوّف کی تعلیم جناب بابا فتح اللہ آخوند مُلا درویش اور حضرت شیخ لُطف اللہ سے حاصل کی اور عربی وفارسی میں پوری دستگاہ حاصل کی۔ اس کے علاوہ آپ خانقاہِ شمسی چک میں جاکر علمِ سلوک کی کتابوں کا درس اور ذکر واذکار کی مشق کرتے تھے۔

تلاشِ مرشدِ کامل: حضرت علامہ بابا داؤد خاکیؒ، علامہ بابا داؤد مشکوتیؒ

حضرت میرم بزازؒ، خواجہ اسحاق قاریؒ اور آپ کے دیگر سوانح نگار اور کشمیر کے باقی اربابِ تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ اگرچہ آپ مادرزاد ولی تھے اور ابتداء ہی سے سلسلۂ اُویسیہ سے منسلک رہے پھر بھی اطمینانِ قلب اور تکمیلِ ارشاد کے لئے آپ مُرشدِ کامل کی تلاش میں رہے۔ مدرسۂ دارُالشّفاء میں آپ نے اپنے اساتذۂ کرام کی صحبت میں سحر گاہی، نمازِ تہجّد، شب بیداری، حفظِ قرآن اور اکلِ حلال و صدقِ ملال کی دولت حاصل کی۔ اس میں روز افزوں اضافہ کی وجہ سے باطنی عنایات کی آپؒ پر بارش ہونے لگی چنانچہ آپنے عالمِ ارواح سے حرزِ یمانی کی اجازت حاصل کی اور اگر آپ سے کبھی کوئی غلطی سرزد ہوتی تھی یا عبادات و ریاضات میں کسی نوع کی سستی واقع ہوتی تھی تو معًا آپ کو عالمِ غیب سے متنبہّ کیا جاتا تھا۔ جیساکہ خود فرماتے ہیں :-

" اگر کبھی مجھ سے نمازِ تہجّد میں غفلت ہوتی تھی تو کوئی آکر میرے کمرے کے دروازہ کو دستک دینے لگتا تھا اور بلند آواز سے کہتا تھا اٹھو وقت سے اس کو پالے۔" (اسرار الابرار)

فہم و فراست :- آپؒ فرماتے ہیں کہ زمانۂ طالب علمی میں بار بار عالمِ غیب کی جانب سے میری رہبری کی گئی۔ چنانچہ میری فہم و فراست اتنی ممتاز ہوئی تھی کہ میرے استاد یہ سمجھ رہے تھے کہ میں کسی اور سے پڑھ کر ان کے پاس آیا ہوں اور اسباق کی جو تقریریں اُن کے سامنے کرتا تھا تو استاد یہ سمجھتے تھے کہ یہ تقریر کسی دوسرے استاد کی ہے، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ صرف غیبی رہنمائی سے میں بہرہ ور ہوتا تھا۔

حقّانیتِ اہلِ سُنّت :- آپ کا زمانہ مذہبی اور سیاسی حیثیت سے پُر آشوب تھا کیونکہ ہمارا ملک ہمیشہ

غیرملکی سازشوں کا گہوارہ رہا ہے۔ چنانچہ اس معاملہ میں بھی جب مسلکِ اہلسنت وجماعت یہاں سازشوں کے بھینٹ چڑھ گیا تو حضور علیہ السلام اور خلفاء راشدین رض نے غیب سے آپ کی رہنمائی فرمائی۔ علامہ خاکی فرماتے ہیں ؎

مصطفیٰ را ہم مع الاصحاب دیدہ بارہا
زان سبب در مذہبِ سُنّیہ راسخ تر شُد است

اس کے باوجود آپؒ محبتِ اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار تھے اور اپنے لاکھوں معتقدین کو غلبۂ محبتِ اہلِ بیت کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ آپ کے خلیفۂ خاص علامۂ خاکیؒ قصیدۂ ضروریہ میں جو علمِ کلام کے بارے میں ہے بطورِ تحدیثِ نعمت فرماتے ہیں ؎

ما محبِّ اہلِ بیتیم و بجان محبوبِ ما
حضرتِ شبّیر رض دیگر حضرتِ شبّر رض شد است

حضرتِ سیّد جمالُ الدّین بُخاریؒ:۔ آپ حضرت حاجی عبد الوہاب سہروردیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ کا شجرۂ سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت مخدومِ جہانیاں جناب سیّد جلالُ الدّین بخاری رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ دہلی میں تشریف فرما تھے وہاں سے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ مدینۂ طیبہ میں قیام پذیر تھے کہ ایک روز حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، انہوں نے آپ کو تاکید فرمائی کہ آپ کشمیر جائیں اور وہاں حضرت شیخ حمزہ کشمیری کی تربیت کریں۔ چنانچہ آپ فوراً مدینہ سے ہندوستان وارد ہو کر کشمیر تشریف لائے۔ یہاں آپ نے سرینگر آکر خانقاہِ ملک شاہ صاحب سفاکدل میں قیام فرمایا چنانچہ یہیں حضرت محبوبُ العالمؒ نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور سلسلۂ سہروردیہ میں باضابطہ شمولیت اختیار کی۔

علامہ خاکیؒ فرماتے ہیں ؎

اوبارشاد رہِ شیخ المشایخ وقطبِ حق
بندگی سید جمال الدین بحق رہبر شدہ است

وِصال:- رُشد و ہدایت کی کامل زندگی گذار کر بالآخر چوراسی (۸۴) سال کی عمر میں صرف سات دن کی مختصر علالت کے بعد ۲۴ رماہِ صفر المظفر ۹۸۴ھ میں وِصال فرمایا۔ حضرت خواجہ محمد طاہر رفیق عشائیؒ علیہ الرحمۃ نے غسل دیا اور نمازِ جنازہ پڑھائی۔ لاکھوں بندگانِ خدا، اولیاء وصلحائے نے بشمولِ والیٔ ریاست جناب علی شاہ چک تجہیز و تدفین میں شرکت کی اور کوہِ ماران کے جنوبی گوشہ میں جہاں حضرت مخدومِ جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ نے دورۂ کشمیر کے دوران قیام فرمایا اور جہاں خود آپ محوِ عبادت رہا کرتے تھے، دفن کیے گئے۔ آپؒ کی تاریخ ہائے وفات اور دردانگیز مراثی اکثر شعرائے وقت نے لکھے ہیں جن میں سے حضرت علامہ خاکیؒ کا یہ طبع زاد قطعہ درج کیا جاتا ہے ؎

غریقِ رحمت آں مخدوم حمزہ — کہ بودہ سالکاں را شیخ و مخدوم
بروزِ بست و چہارم از خدا شُد — خطِ روزی و دُنیا یش مختوم
چو جُستم سالِ تاریخِ وفاتش
مناسب یافتم مخدوم مرحوم

مقدّمہ :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکرِ جمیلِ آفتابِ حقیقت، ماہتابِ طریقت، پیشوائے شریعت و مقتدائے اربابِ معرفت امامِ حقانی، ابوحنیفۂ ثانی حضرتِ شیخ بابا داؤد خاکی قدس اللہ سرّہ و روّح اللہ روحہٗ۔

آنجناب کا نام و نسب

آنجناب کا اسمِ گرامی "دولت" داؤد لقب، بابا[۱] بھی آپ کا لقب ہے۔ خاکی تخلّص، والدِ بزرگوار کا نام خواجہ حسن گنائی جدِّ امجد یعنی دادے کا نام نتو گنائی ہے۔

سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آنجناب کی ولادتِ باسعادت ۹۲۸ھ میں ہوئی ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش "دیدہ رشادت" کے لفظ سے صادر ہوتی ہے۔ حُسنِ اتفاق سے حضرت جامع الکمالات شیخ یعقوب صرفی رحمۃ اللہ کا بھی یہی سالِ پیدائش ہے۔ یعنی سلطان محمد شاہ، شاہ میری کے تخت نشینی کے چوتھے سال حضرت خاکیؒ کی ولادت ہوئی۔

آنجناب کا خاندان

واضح رہے کہ آپ کے آبا ر کرام "گنائی" سے مشہور و معروف تھے۔ زمانۂ سابق میں "گنائی"

---

[۱] آپ عموماً بابا کے لقب سے ملقب کئے جاتے ہیں جس کے معنیٰ بڑے عالم اور گرجے کے پوپ کے آتے ہیں جیساکہ "المنجد" میں لکھا ہے۔ البابا بڑا عالم، گرجے کا سردار پوپ جمع بابوات آتی ہے۔ دیکھو "المنجد" بحث ب چونکہ پہلے زمانہ میں بابا بڑے عالم کو کہتے تھے اس لئے حضرت خاکی رحمۃ اللہ کمالِ علم و فضل کے سبب اس لقب سے نوازے گئے مگر یہ لفظ عصر میں اس معنیٰ کے لحاظ سے متروک الاستعمال ہے اور غالباً کثرتِ علم و عبادت کی وجہ سے آپ کو داؤد کا لقب دیا گیا ہو ورنہ آپ کا پدری نام دولت ہے۔

انشاء پرداز اور "میر منشی" کو کہتے تھے۔ چونکہ آپ کے آباؤ اجداد انشاء پردازی اور خوش نویسی میں یکتائے روزگار تھے۔ اس لئے آپ کے آباء کرام گنائی کے لفظ سے پکارے جاتے تھے۔

خاص کر حضرت علامہ خاکی رحمۃ اللہ علیہ عنفوانِ جوانی میں فنِ کتابت و خوشنویسی میں درجۂ امتیاز حاصل کر چکے تھے تو یہ لفظ آپ کے لئے اور بھی زیادہ باعثِ امتیاز و خصوصیت بنا۔ آپ کے والدِ بزرگوار حسن رحمہ اللہ نہایت نیک اور پارسا تھے۔ منقول ہے کہ آپ اجازت حاصل کئے بغیر دعائے سیفی پڑھتے تھے جس سے بجائے فائدہ نقصان ہوا کہ سخت علیل ہو کر راہئ ملکِ بقا ہوئے۔

تعلیم و تربیت

حضرت خاکی کی عمر شریف بہت کم تھی۔ جب آپ کے والدِ بزرگوار نے وفات پائی، ان کے سانحۂ وفات کے بعد تھوڑے ہی زمانہ کے بعد اس مصیبت پر یہ اضافہ ہوا کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی بھی جلدی وفات ہو گئی۔ جس سے آپ کا خاطر عاطر اور بھی رنجیدہ ہوا۔ بایں ہمہ آپ نے ہمت و ثابت قدمی سے کام لے کر گھر کی ذمہ داری اور امورِ خانہ داری انجام دی۔ اس کے ساتھ ساتھ تحصیلِ علم خطاطی و خوشنویسی میں یدِ طولیٰ اور پوری مہارت حاصل کی۔ اور سلسلۂ تحصیلِ علم کو بدستور جاری رکھا۔

اساتذۂ کرام کا اجمالی ذکر

آنجناب کا عہدِ علمی لحاظ سے نہایت محمود و مبارک تھا اور جگہ جگہ اسلامی مدارس اور دینی مکاتب قائم تھے۔ ہر چند کہ کشمیر کے لوگ بہت دیر کے بعد اسلام سے باقاعدہ متعارف ہوئے۔ مگر حضرت شاہ ہمدان رضی اللہ عنہ کی مساعئ جمیلہ کی بدولت اسلامی علوم و فنون نے کشمیر میں مقدم الذکر دو سو سال کے اندر بہت زیادہ نشو و نما پائی تھی۔ منجملہ آں خانقاہِ معلیٰ کے اردگرد محلہ بہاؤ الدین پورہ میں ایک اچھا خاصہ مدرسہ تھا جس کے صدر مدرس سید اسمٰعیل شامی رضی اللہ عنہ تھے۔ آنجناب نے بھی اس مدرسہ میں جا کر ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملا البصیر سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ یہ استاد نہایت باکمال اور تجربہ کار تھے۔ اپنی مسجد واقع خندہ بھون نوا کدل میں

درس وتدریس فرماتے تھے۔

ملا بصیرؒ کی وفات ۹۶۴ھ میں ہوئی حضرت صرفی نے مرثیہ لکھا جس کا آخری شعر یہ ہے ؎

آں فاضلِ علم و ادب بود بصیر از فضلِ رب
تاریخ فوتش زآں سبب شد "عالمِ تفسیر دان"

حضرت خاکی نے ملا بصیر سے پورا استفادہ نہیں کیا۔ تکمیل علم کے لئے میر رضی الدین کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے موصوف (یعنی میر رضی الدین) خاندانی مجد و شرافت کے علاوہ میرزا حیدر کاشغری کی علمداری کے زمانہ میں دارالعلوم محلہ قطب الدین پورہ سرینگر کے تقریباً تین سال صدر مدرس اور متولی رہ چکے تھے۔ اس درسگاہ میں ملا فیروز گنائی جو کہ مفتی اعظم اور بلند پایہ مدرس تھے اس وقت مدرس تھے۔ انہوں نے بھی میر رضی الدین سے استفادۂ علم کیا تھا۔ میر رضی الدین کی وفات کے بعد حضرت خاکی نے ملا فیروز گنائی ہی سے علم و ادب حاصل کیا۔ اس مدرسہ سے فراغت کے بعد آنجناب نے مزید تعلیم مرزا افضل سے پائی ہے اور روایت ہے کہ آنجناب نے علمِ حدیث کی تکمیل حضرت جامع الکمالات شیخ یعقوب صرفیؒ سے فرمائی ہے اگرچہ حضرت صرفی آپ کے ہم سبق رہے تھے مگر آپ نے علمِ حدیث کی تکمیل اُن سے اسلئے فرمائی کہ انہوں نے حضرت حافظ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ سے علم حدیث کی سند حاصل کی تھی۔

علمی وذہنی قابلیت وبرتری

صاحب "تذکرۃ العارفین" لکھتے ہیں۔

"در شش سالگی قرآنِ مجید را ختم کردہ تراویح خواندی بعد ضبطِ فرقانِ حمید در خواندنِ علوم اشتغال آوردہ و در ھجدہ سالگی از درس و تحصیل فارغ شدہ در فقہ وغیرہ ہرچہ از مشکلاتِ فقہ وغیرہ در حدیث ایشان رسیدہ ہمہ را درس گفتے و ہرچہ از علوم عربی و معماتِ نظم در نظر فیض اثر ایشاں درآمدے باندک ارمغانی عقدار مغانی آں وا شُد در آخر چوں اختر سعادت ایشاں از مطلعِ اقبال طالع گشت حضرت شیخ حمزہ را دریافت و بخدمت ایشان بہ شتافت

حاصل ترجمہ ــ " آپ نے چھ سال کی عمر میں کلام اللہ حفظ کیا اور تراویح میں ختم قرآنِ کریم فرماتے تھے اس کے بعد آپ نے اس عہد کے قواعد وضوابط کے مطابق تمام علوم متداولہ مروّجہ میں دستگاہ اور پوری مہارت حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔ فقہی مشکلات اور دیگر علوم کا درس نہایت بیدار مغزی سے دیا کرتے تھے۔ فقہ کے علاوہ تمام علومِ عربیہ اور شعروشاعری کے معمولی توجہ سے حاصل فرمایا کرتے تھے۔ آخرالذکر جب کہ آپ کا طالع بلند ہونے لگا اور قسمت یاوری کرنے لگی اور ربانی عنایت ومہربانی نے اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ کو چن لیا۔ تو آنجناب کو حضرت محبوب العالم قطبِ مکرم جیسا رہنما نصیب ہوا۔

شاہی دربار میں رسائی

بہر حال حضرت علاّمہ خاکی پہلے علم وہنر وشعروسخن میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ اتنا کمال ہر علم وفن میں حاصل کرتے ہیں کہ شاہی دربار تک رسائی ہوتی ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے آباء کرام کو فنِ خطاطی کی مہارت کی بناء پر دربارِ شاہی سے کچھ تعلق تھا ہی تو جب سلطان علی شاہ والیٔ ملک تک آپ کی علمی قابلیت وصلاحیت کی باتیں پہنچیں تو آنجناب کو بادشاہ نے اپنے مخصوص خوشنویسوں اور میر منشیوں میں شامل فرمایا۔ سلطان علی شاہ اگرچہ شیعہ مسلک کا علمبردار تھا۔ بایں ہمہ علم نواز اور اہلِ علم کا قدر شناس ضرور تھا۔ اس لئے جوں جوں آپ کی قابلیت کے جواہر پارے بادشاہ کے سامنے ظاہر ہونے لگے تو وہ اسی قدر آپ کی قدر ومنزلت میں اضافہ کرنے لگا۔ چنانچہ اُس نے آپ کو (حضرت خاکی) اپنے بیٹے یوسف[۱] شاہ چک کا اتالیق بھی مقرر کیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آنجناب کو سرکاری مدارس کا ناظمِ تعلیمات اور ساتھ ہی مفتیٔ اعظم

---

[۱] ــ نوٹ: یہی یوسف شاہ چک آخر میں علمائے اسلام کا دشمن بنا اور شیخ موسیٰ شہید کو شہید کیا۔ حضرت محبوبِ العالمؒ اور بڑے اکابرین کو شہر بدر کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ جب فطرت کج اور طبیعت ناری ہو تو وہ کب سیدھی اور نوری بن جائے۔ ؎

بناداں آں چناں کردن چناں ست
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں (سعدیؒ)

(قاضی القضاۃ) کا عہدہ بھی سونپا اور گذر اوقات کے لئے سالانہ ایک سو خروار شال اور دو ۲ اشرفیاں روزانہ تقرر کیں۔ اس طرح حضرت خاکی اپنے عہدوں پر فائز رہ کر نہ صرف شاہی دربار میں معتمد علیہ تھے بلکہ شعبۂ فتویٰ۔ شعبۂ تعلیم اور درس و تدریس میں سرآمدِ روزگار اور فخرِ اہلِ زماں بن گئے

حضرت محبوب العالم سے بیعت و خلافت

غرض آپ شاہی دربار سے وابستہ ہو کر علم و فضل کے باوجود شاہانہ زندگی گذارنے لگے تھے مگر بقول رومیؒ

ہر کسے را بہرِ کارے ساختند

اسی دوران ایک دن آپ مسکنت خانہ نادہ پورہ سے کشتی میں سوار ہو کر نالہ مار سے شاہی دربار کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور جب ملّاح یعنی کشتیاں کلاش پورہ سرینگر کے نزدیک مخدوم منڈو پہنچے تو ملاّحوں نے شور و غل مچایا کہ "ملّا دولت حضرت خاکی" شاہی دربار میں تشریف لے جارہے ہیں۔ حُسنِ اتفاق سے اُس وقت حضرت محبوب العالم سلطان شیخ حمزہ کشمیری مسجد شریف میں تشریف فرما تھے اور آپ کے مبارک کانوں تک ملاّحوں کی آواز اور شور و غل پہنچا تو آپ نے حاضرین سے دریافت کیا کہ یہ شور و غل کیسا ہے؟

حاضرین نے عرض کیا کہ "ملا دولت" دربار میں جارہے ہیں۔ یہ جواب سُن کر آنجناب (محبوب العالم) نے علماء دین کی جاہ طلبی اور دُنیوی ناپدار ہوس اقتدار پر اظہارِ افسوس کرتے ہُوئے یہ ابیات پڑھے ہیں۔

گفت اے وائے آنچہ مُردہ دِل اسۡت
کہ بایں علم در چناں عمل اسۡت
ہر کہ علم از برائے دنیا خواند
ہمچو خر پای او بگل درماند
بارِ خر گر ہمہ کتب باشد
سود ندہد چو در عجب باشد

ترجمہ

(۱)۔ افسوس یہ لوگ کیسے مُردہ دِل ہیں کہ اس قدر علم وفضل ہوتے ہوئے بھی دُنیا طلبی اور جاہ پرستی میں مبتلا ہیں۔
(۲)۔ جس نے دُنیا کمانے کے لئے علمِ دین حاصل کیا وہ گدھے کی طرح کیچڑ کے دلدل میں جا پھنسا
(۳)۔ نا عاقبت اور مردہ دل اگر تمام کتابوں کا حامل اور عالم بھی ہو تو بے کار اور بے سُود۔

اشعار کے پڑھنے کے بعد حضرت محبوب العالم نے اپنے ایک خادمِ خاص کو حکم دیا کہ اسی طرح حضرتِ خاکیؒ کے پاس جاؤ اور آپ کو میرا سلام ودُعا پہنچاؤ۔ بعد سلام اُن سے میری طرف سے کہنا کہ سائل ایک دینی مسئلہ آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہے۔ اگر آپ ابھی مخدوم منڈو میں تشریف لائیں گے تو کمالِ مہربانی ہوگی۔

قاصد نے حضرتِ خاکی تک سلام وپیام پہنچایا۔ حضرتِ خاکی فوراً بارگاہِ سلطانی میں حاضر ہوئے۔ یکایک مجلس معلّٰی میں پہنچتے ہی آنجناب کے دل ودماغ سے جاہ طلبی اور نفس پرستی کی نفرت ہوئی۔ علیک سلیک کے بعد حقائق آگاہ محبوب العالم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ

حق انسان بدیں شمائل کرد
نسخہ جامع وفضائل کرد
باگمانے کہ بوالعجب دارد
چند انفاس روز وشب دارد

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہزاروں خوبیوں سے آراستہ کرکے پیدا کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ذاتِ قدیم الصفات نے تو اس کو اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک اعجوبہ بنایا ہے تو فرمائیے اے خاکیؒ یہ عجیب وغریب مخلوق رات دن میں کتنے سانس لیتا ہے۔؟ حضرتِ خاکی نے جواب میں فرمایا کہ علماً کے فرمانے کے مطابق اُتنے سانس رات دن لیتا ہے جتنے حضراتِ مرسلین کی تعداد وشمار ہے۔ اس پر اُن پُرحقیقت تنویر نے فرمایا جس نے ایک سانس غفلت میں کھینچی انصاف کی رد سے اس کا کیا حکم ہے۔؟ حضرتِ خاکی نے جواب میں فرمایا گویا اس نے ایک پیغمبر کو شہید کیا۔ یہ جواب سُن کر حضرت محبوب العالم نے حضرت خاکی سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ خاکی صاحب جبکہ

آپ اتنے بڑے عالم وفائق ہیں تو اس غفلت وجاہ پرستی اور اس حشمت وجاہ پرستی کے کیا معنیٰ ہیں ؟
حضرت پیر افلاکی کی اس تنبیہہ پر حضرت خاکی پر بیخودی کا عالم طاری ہوگیا اور ہوش میں آتے ہی عرض کرنے لگے کہ حضور ! بندہ کو اپنی خدمت و چاکری کا شرف عنایت فرمایئے۔ حضرت محبوب العالم نے حضرت خاکی کی التجا قبول فرمائی اور آپ کو استنجا کے ڈھیلے اور نمازِ تہجّد کے لیے پانی مہیّا کرنے کی ذمّہ داری سُپرد کی۔ اور حضرتِ خاکی نے اس خدمت کو سچّے دل اور پورے فخر وانبساط سے قبول کیا کیونکہ تمام بھلائی اسی میں تھی۔ یہ خدمت آپ نے لگاتار دو سال تک انجام دی۔ آنجناب کا یہ ذمّہ داری سونپنے اور تفویض کرنے سے یہ مقصد تھا کہ حضرت خاکی کا دل ودماغ جاہ پرستی اور انانیت کو رخصت کرے اور معرفتِ الٰہی قبول کرنے کے لئے اُن کا نفس و رُوح مستعد وآمادہ ہو جائے ؎

بندگی باید پیمبر زادگی منظور نیست

اور اس خدمت کے عوض میں حضرت محبوب العالم نے آپ کو کُلاہِ مبارک عنایت کی جس کا ذکر خود حضرتِ خاکی اس طرح فرماتے ہیں۔

ایں کلاہِ پوستین ؎ سرقۂ پشمین کہ داد
بندہ را یہ از قبائی و شاہی و افسر شدہ است

اب حضرتِ خاکیؒ نے باقاعدہ بیعت کرنے اور مریدوں کی فہرست میں شامل ہونے کی درخواست کی آپ (محبوب العالم) نے فرمایا تو پہلے اس بارے میں استخارہ کیجئے اور میں بھی کروں گا اور دونوں دیکھیں گے مُرید اور مُراد میں کوئی رُوحانی ربط و ضبط ہے بھی کہ نہیں چُنانچہ حضرتِ خاکی رحمۃ اللہ علیہ پیر افلاکی کے ارشاد سے رات کو استخارہ فرماتے ہیں اور خود بھی محبوب العالم استخارہ فرماتے ہیں۔ جو اصل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی بناء پر سنّت ہے۔
استخارہ کرنے کے بعد صبح کو جب حضرتِ خاکی شیخ العرفا کی خدمت میں پہنچتے ہیں تو حضرت شیخ آپ سے دریافت فرماتے ہیں۔ کیا کچھ دیکھا ؟ مرید صادق نے جواباً عرض کیا کہ یوں دیکھا گویا صبح کے وقت نمازِ فجر پڑھنے کے لئے گھر سے نکلا اور اچانک آفتابِ عالمتاب پوری رعنائیوں سے مشرق کی طرف سے ضوفشاں ہُوا اور اس کی شعائیں ہم پر پڑیں اور نمازِ فجر میں تاخیر ہوئی جس کے

سبب میں حیران ہوا حضرت سلطان العارفین نے اس خواب کی تعبیر میں فرمایا صبح کا ظاہر ہونا اس وقت کی روحانی دولت پانے کی طرف اشارہ ہے۔ اور طلوعِ آفتاب نورِ معرفت حاصل ہونے کی آگاہی بخشتا ہے۔ پھر آنجناب ہمایوں خطاب نے اپنا خواب فرمایا کہ میں نے آنحضور صلعم کو ایک گھنے درخت والے باغ میں گل گشت کرتے ہوئے دیکھا اور آنجناب کی زبانِ نبوت ترجمان صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ شعر جاری تھا کہ فرماتے تھے۔

قلم گفتا کہ من شاہِ جہانم
قلم کش را بہ دولت می رسانم

حضرت محبوب العالم رض نے خود تعبیر فرمایا کہ " اس سے آپ ہی مراد و مقصود ہیں کیونکہ منشی و انشا پرداز آپ ہی ہیں کہ اس فن میں آپ ہی کمال اور مہارت رکھتے ہیں اور فرمایا کہ لفظ " دولت " سے آپ کی طرف اور زیادہ عجیب و غریب اشارہ ہے کہ آپ کا اصلی نام تو دولت ہے۔

مختصر ان کے استخارہ سے پیر کامل اور مریدِ صادق بہت زیادہ خوش ہوئے اور حضرتِ خاکی نے پورے ولولہ اور عشق و محبت سے پیرِ افلاکی کی طرف بیعت کرنے کے لئے اپنے ہاتھ بڑھائے اور آنجناب نے آپ کو اپنی بیعت میں لے کر اپنا حلقہ بگوش (مریدِ صادق) بنایا اور اس وقت مشائخ کرام کی عادتِ قدیم کے مطابق شیخ خاکی کو اپنے کچھ تبرکاتِ شریفہ عنایت کئے جن کا ذکر وردالمریدین کے ان ابیات میں آپ فرماتے ہیں ؎

درجہادِ نفس ہمچوں جبہ شد ایں خرقہ ام
ایں عصا چوں نیزہ و ایں طاقیہ مغفر شدہ است
آں مصلّیٰ و عبائے فقر کاں لطفم نمود
بہر جنگِ نفس ہمچوں قیزم و نختر شدہ است

مجھے امید ہے یہاں قارئینِ کرام بخوبی اندازہ کر لیں گے کہ پیر مریدی کس چیز کا نام ہے؟

عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

دو تاریخی واقعات

(۱)۔ ایک دن پیر و مرشد حضرت محبوب العالم کو پانپور جانا تھا تو آپ کی سواری کے لئے ایک مخصوص گھوڑا جو درنامی تھا۔ آپ نے صوفی الہداد کو ہدایت کی کہ گھوڑے کی زین کسنے کے بعد حضرت خاکی کو حکم دینا کہ کمربند باندھ کر گھوڑے کے آگے آگے دوڑیں۔ آپ نے یہ خدمت خندہ پیشانی سے انجام دی مگر جب آپ اپنے دولت خانہ کے نزدیک ناوہ پورہ پہنچے۔ بنا بر بشریت تھوڑے شرمائے کہ کل کے وزیر تعلیم اور مفتی اعظم آج ایک خرقہ پوش ملک صفت پادشاہ کے گھوڑے کے آگے کمربند خدمت باندھے آگے آگے دوڑ رہے ہیں اس لئے طبعی شرم کی وجہ سے اپنے دامان سے اپنا منہ ڈھانکا تاکہ پہچانے نہ جائیں۔ بس اتنا کرنا تھا کہ پیر حقیقت رس مرید کی یہ حرکت تاڑ گئے اور بھانپ لیا کہ ابھی مرید کا نفس توسن کماحقہٗ رام نہیں ہوا۔ اس لئے اور بھی زیادہ سخت طریقہ سے علاج فرمایا وہ یہ ہے کہ پانپور کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کرنا تھا کہ حضرت خاکی کو حکم سلطانی ملتا ہے۔ زعفران زار زمین کے شگوفے دیکھنے کے لئے پانپور جانا ہے۔ لہٰذا آپ (خاکی) کمربند کے بجائے گھاس کی رسی باندھیں اور پاؤں میں چولہ گھاس کا جوتا پہن کر سلطانی گھوڑے کے آگے آگے دوڑیں۔ آپ نے یہ حکم بھی پورے فخر و انبساط سے قبول کیا۔

(۲)۔ اس کے بعد حضرت پیر کامل نے مرید صادق کو شنگھ پال پہاڑ پر چالیس چلہ ساڑھے چار سال تک پورے تسلسل کے ساتھ کرنے کا حکم دیا جس میں خلوت نشینی ذکر و مراقبہ کرنے کا حکم دیا اور پابندی لگائی کہ صرف ذکر و فکر اور مراقبہ میں رہیں اور تخلیہ میں علم ظاہر کی باتوں سے دور رہیں حضرت خاکی نے اس نسخہ کیمیا کو قبول کیا اور مکمل طور پر عامل ہوئے البتہ آخری ایام میں ایک دن ایک علمی اشکال پیش آیا تو آپ نے اپنے خادم کو ایک پرچہ اس مضمون کا لکھ کر دیا کہ میرے گھر جا کر تفسیر مدارک لا کر دو۔ اتفاق سے یہ خبر حضرت پیر روشن ضمیر تک پہنچی تو آپ ناراض ہوئے اور حضرت خاکی کو پیغام بھیجا کہ اب خلوت نشینی کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے گھر جا کر اپنا پیشہ درس و تدریس اختیار کریں۔

بعد میں حضرت خاکی نے اپنے مرشد سے معافی چاہی اور ان کے حکم سے اس کوہ پر دوسری

دفعہ خلوت نشینی اختیار کی۔ اسی زمانہ میں سنگھ پال پہاڑی پر سلطان سکندر کاشغری کی فوج کو کشمیری فوج کے ساتھ آمنا سامنا ہوا مگر آپ اذکار و اسرار میں اس قدر مشغول و مصروف تھے کہ اس لڑائی کی خبر تک نہ ہوئی۔ خلوت نشینی کا وقت پورا کرنے کے بعد آنجناب اپنے مرشد کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے۔

سفرِ ملتان

مصنفِ "تذکرۃ العارفین" علی بن عثمان رینہ برادر حضرت محبوب العالمؒ لکھتے ہیں کہ جب علامہ خاکی نے اپنے مرشد پر اپنے وارداتِ قلبی پیش کئے تو آنجناب رفعت خطاب نے حضرتِ خاکی کو ملتان جانے کا حکم فرمایا جہاں سلسلۂ سہروردی کے بڑے بڑے مشائخ کے مراقد اور خوانق ہیں۔ اور حکم ہوا کہ ان حضرات کی خانقاہوں میں چندے قیام کر کے اُن کے روحانی فیوض و برکات سے مستفید و مستفیض ہوں۔ اور فرماتے ہیں کہ جب حضرتِ خاکی ملتان میں تھے تو میں بھی ان دنوں میں وہاں تھا۔ اتفاق سے میں نے آپ کو ملتان میں دیکھا مگر حضرت شیخ نے مجھے پہچانا نہیں۔ اتفاق سے شبانہ ہمارا رہنا اور قیام ایک جگہ واقع ہوا پھر جب آپ نے سلسلۂ سہروردیہ کے بعض مشہور اوراد و وظائف پڑھے اور آخر میں اسی سلسلۂ عالیہ کا شجرہ مبارکہ پڑھا اور میں نے وہ پورے دھیان سے سنا تو میرے دل میں آیا کہ یہ محترم عزیز حضرت شیخ حمزہ مخدوم کشمیری رحمۃ اللہ کے مریدِ خاص ہوں گے چنانچہ میں نے نزدیک آکر آپ سے دریافت کیا کہ کشمیر میں حضرت شیخ حمزہ رحمۃ اللہ مخدوم کشمیری رہتے ہیں وہ اس وقت بقیدِ حیات ہیں؟۔ آپ نے اصل بات کا جواب تو نہیں دیا البتہ میرا سوال سُن کر میرے ساتھ لطف و مدارات کے ساتھ پیش آئے۔ اسی دوران حضرت شیخ حمزہ کشمیری روحانی طریقہ پر جلوہ گر ہوئے اور حضرت شیخ خاکی کو میری اصلیت و قرابت سے آگاہ کیا تو یہ سُن کر آپ نہایت محظوظ ہوئے آپ نے وِردالمریدین مجھے اسی وقت دکھائی جس کے مطالعہ سے میرے سینہ کی تختی صاف و شفاف ہوئی اور آنکھ کی پُتلی پر نور کی کرنیں بڑھنے لگیں۔

مزید برآں حضرت مصنف مذکور لکھتے ہیں۔

میں ملتان سے خُراسان گیا اور حضرت شیخ خاکیؒ حضرت مخدوم جہانیاں کے روضۂ مبارک پر قیام

پذیر ہوئے۔ وہاں پر آپ نے اپنے سوالات کے جوابات برابر پائے اور مصنّف مذکور لکھتے ہیں کہ جب میں خراسان سے واپس آیا تو حضرت مخدوم جہانیاں کے آستانۂ عالیہ کے مجاوروں کی ایک جماعت نے آپ کے بارے میں مجھ سے فرمایا کہ حضرتِ خاکیؒ نے فلانی شب آستانۂ عالیہ میں سوال کیا اور اُس کا جواب بھی سُننے میں آیا۔ امّا ایشان بہ کسے ظاہر نہ فرمودند۔ مگر آپ نے خود اپنی زبانِ ترجمانِ ولایت سے اس کا اظہار کسی سے نہیں کیا۔ اسی طرح آپ (خاکیؒ) ہے حضرت مخدوم جہانیاں کے آستانۂ فیض کا شانہ میں نمازِ ظہر کے بعد سورۂ اِنّا فتحنا لک فتحاً مُّبیناً تلاوت کی کہ یکایک خوانچۂ نعمت روضۂ مبارک کے اندر سے ظاہر ہُوا حالانکہ اس مکرّم روضہ کے باہر سے کوئی یہ خوانچۂ نعمت نہیں لایا تھا بلکہ خالص حضرت شیخ خاکی کے لئے مِن جانب اللہ ظاہری وسائل و اسباب کے بغیر نمودار ہُوا جو آپ نے مجاورین اور حاضرین میں تقسیم فرمایا۔ اس قسم کی بہت سی کرامتیں وہاں ظاہر ہوئیں۔ یہ قبر پرستی نہیں بلکہ روحانی اسرار و معارف اور بزرگانِ دین کے معنوی کمالات ہیں جن کو تمام مسلم الثبوت علماء اُمّت نے قبول کیا حتٰی کہ علّامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ علیہ نے رُجحاناتِ خاصہ رکھنے کے باوجود مشاہد کے فوائد سے انکار نہیں کیا بلکہ اُن کو مان لیا کما لا یخفی علیٰ من طالع کتبہٗ بالامعان والاتقان البتہ اس قسم کی کرامتیں اور فتوحات سالک کے مقاصدِ ذاتیہ سے بالکل الگ ہیں۔

مختصر یہ کہ آنجناب نے مُلتان سے فیوض و برکات حاصل کر کے کشمیر کی طرف مراجعت فرمائی اسی دوران کچھ مولوی صاحبان نے بغض و حسد کی وجہ سے مشہور کیا کہ حضرت خاکی نے سفر میں انتقال فرمایا لیکن مگر حضرت محبوب العالم فرماتے تھے کہ میں اُن کو زندہ دیکھتا ہوں اور وہ عنقریب بصد کرامت و سعادت واردِ وطنِ مالوف ہوں گے چنانچہ آپ کی پیشگوئی سچی ثابت ہوئی اور علّامہ خاکیؒ صحت و سلامتی کے ساتھ کشمیر تشریف لائے۔

لہ۔ غور کیجئے آج کے اِن علماء کرام کے آباواجداد نے حضرت شیخ الاسلام علّامہ بابا داؤد خاکی کو نہیں چھوڑا تو ہم کس قطار میں ہیں۔

خصوصًا اس وقت جن علماء کرام کے ساتھ ہمارا واسطہ پڑا ہے۔ جَلَّ جلالہٗ

حضرتِ خاکیؒ اور سید اسماعیل شامیؒ

یہ بھی واضح رہے جس طرح حضرتِ خاکیؒ سلسلۂ سہروردیہ کے درخشندہ سیّارہ ہیں اسی طرح آنجناب دوسرے سلاسلِ عالیہ کے بھی ضوفشاں ستارہ سے کم حیثیت کچھ کم مقام نہیں رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ سلسلۂ قادریہ کے بھی بدرِ منیر اور آفتاب تاباں ہیں۔ آنجناب تقدّس مآب نے حضرت سیّد اسماعیل شامیؒ واردِ سرینگر سے بھی خرقۂ خلافتِ قادریہ حاصل کیا اور اس کے عوض میں حضرت سیّد نے حضرتِ خاکیؒ سے سلسلہ سہروردیہ کا خرقہ زیب تن فرمایا ہے۔ یہ حضرات فی الحقیقت اللہ والے تھے اور جہاں اور جس کے ہاں ایمان واتقان ویقین وعرفان کا اُبلتا ہوا چشمہ دیکھتے تھے تو اُن سے اس چشمۂ فیض وبرکت کے گھونٹ مانگنے اور حاصل کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ علامہ خاکیؒ سید میر اسماعیل شامی قادریؒ سے خرقۂ خلافتِ قادریہ حاصل کرنیکے بعد بہت محظوظ ہوئے

حضرت علاّمہ خاکیؒ کا اپنے عہد کی مُلکی سیاست پر گہرا اثر

عام طور پر تصوّف اور علمِ سلوک کے دشمن یہ کہتے ہیں کہ علمِ تصوّف گوشہ نشینی اور رہبانیت اور ترکِ دُنیا کی ترغیب دیتا ہے جو اسلامی تعلیم اور اسکے آفاقی ہونے کے بالکل برخلاف ہے۔ اس لئے علمِ تصوّف علمِ سلوک کے پڑھنے پڑھانے، سیکھنے اور سکھلانے سے دُور رہنا چاہیئے۔ جہاں تک واقعات وحقائق کا تعلق ہے، یہ الزام واقعات وحقائق کی روشنی میں بالکل بے بُنیاد اور غیر واقع ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حضرت شیخ نجم الدین احمد کبریٰؓ بانی سلسلۂ کبرویہ کی حیاتِ مقدّسہ پر نگاہ ڈالیئے تو دیکھیئے آنجناب آخری دَم تک تاتاریوں سے کس طرح مقابلہ کیا اور میدانِ جہاد میں آکر کس طرح جامِ شہادت بھی نوش فرمایا۔ حضرت شاہِ ہمدان اگرچہ عملاً سیاست میں دخل نہیں دیتے مگر شاہانِ کشمیر اور شاہانِ دہلی کے درمیان معاہدۂ صلح اُن کی خُداداد قابلیت کا زندہ ثبوت ہے۔ تفصیل کے لئے راقم کی کتاب "التاثیر فی حالات الامیرؓ" کا مطالعہ کیجیے۔

آیئے اس وقت حضرت علاّمہ خاکیؒ کی سوانح ہم لکھ رہے ہیں۔ آنجناب نے جیّد صوفی، عالم ومدرّس ہونے کے باوجود اپنی ملکی سیاست پر کیا اثر ڈالا ہے۔ مختصر لفظوں میں عرض کریں گے۔

جب آپ کے عہد میں حکمرانوں نے اپنے حقوق اور واجبات سے بہت زیادہ تجاوز کیا۔ جمہور کے مذہب میں مداخلتِ بے جا کی اس وقت کے علامۃ الدہر قاضی شیخ موسیٰ کو شہید کیا اور علماءِ اسلام کو سخت اذیتیں دیں۔ حضرت سلطان العارفین کو ملک بدر کیا۔ حضرت صرفیؒ کا عظیم الشان کتب خانہ جوکہ (دُنیا کی سیر و سیاحت کرکے اُن کی محنتِ شاقہ کا عجیب کرشمہ تھا) نذرِ آتش کر ڈالا اور ملک کا امن و امان اپنی غلط حکمتِ عملی سے خاک و خون کے ساتھ بدل دیا۔ آخر علماءِ اسلام کب تک اس قسم کا ظالمانہ اور بہیمانہ طریقہ سہتے اور برداشت کرتے۔ انھوں نے پہلے حکمرانوں کو نہایت نرمی اور مدارات سے سمجھایا تھا مگر ان کا طالع غروب ہونے کو پہنچا تھا اس لئے باہمی رسہ کشی اور باہمی جنگ و جدال کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہ منظرِ عام پر آہی گیا۔

اُدھر اکبر اعظم بھی کشمیر کی طرف ٹکٹکی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اندرونی خانہ جنگی اور باہمی رسہ کشی کی وجہ سے وہ کسی بھی وقت کشمیر کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ جس سے اس زمینِ جنت تمکین کا اور بھی زیادہ نام و نشان مٹنے کا قوی امکان تھا تو اِن خاص وجوہ یعنی اندرونی سیاسی رسّہ کشی اور مذہبی معاملات میں بے جا مداخلت کی وجہ سے حضرتِ صرفیؒ اور حضرت علامہ خاکی وغیرہم نے دہلی جاکر کشمیر کے بارے میں اکبر اعظم سے بات چیت کی اور اہم معاہدات باہم دیگر طے پائے جیسا کہ تاریخ میں مذکور ہے۔ ہاں ان کی تفصیل میرے سامنے نہیں ہے اور یہ نہیں کہہ سکتا ہوں کہ وہ معاہدات عصرِ حاضر کے معاہدہ اور دفعہ (۳۷۰) سے بہتر تھے یا نہ۔ کیونکہ میں سیاسی دُنیا سے الگ ہوں۔ اور اس سلسلہ میں خواجہ اعظم دیدہ مری مصنّف " واقعاتِ کشمیر" لکھتے ہیں۔ ترجمہ

جب فرقۂ غیر سنّی کے ہاتھوں حضرت قاضی موسیٰ شہید نے جامِ شہادت نوش کیا تو حضرت خاکیؒ مجبوراً پھر ہندوستان تشریف لے گئے اور چک حکومت کے خلاف دعاءِ بد کی اور آپ نے لوگوں کو صبر و تحمّل سے کام کرنے کی اپیل کی اور اُن کو خوش خبری دی کہ عنقریب ظالم حکومت کی جڑیں کھوکھلی ہوجائیں گی تو آپ اکبری لشکر کے ساتھ واپس آئے۔

مگر تذکرۃ العارفین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر اعظم کی فوج جب کشمیر پہنچی تو اس وقت آپ لاہور اور دوسرے اطرافِ ہند میں تھے۔ چلئے اب تو بات آسان ہوگئی کہ آپ پر کوئی اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا ہے جس کے جواب دینے کی ضرورت پڑے۔ ہاں اس مقام پر ایک اہم سوال

پیدا ہوتا ہے۔ جس کا جواب دینا ہم پر فرض ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اکبرِ اعظم دینِ الٰہی اور صُلحِ کل کا علمبردار تھا جس کی وجہ سے اکثر و بیشتر علمائے حق اس سے ناراض تھے تو ان حالات میں حضرت صَرفی اور علّامہ خاکی نے کیونکر اکبر بادشاہ کے دامان میں پناہ لی۔

جواب (۱)۔ اوّل تو یہ ہے کہ اکبر بادشاہ نے اپنا مذہبی زوایہ ماننے پر کسی کو مجبور نہ کیا۔ اس کے برخلاف یوسف شاہ چک نے غیر ملکی لوگوں کے اشاروں پر ناچ کر سخت رویّہ اختیار کیا اس لحاظ سے دونوں حکمرانوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(۲)۔ حضرت صرفی کی بات ہی کیا کہ معاذاللہ دینِ الٰہی کے حامی ہوتے۔ اُن کے شاگردِ خاص حضرت مُجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے تو اس خود ساختہ دین کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دیں اور اس طرح اس دین کا خاتمہ ہُوا۔

(۳)۔ اکبر کے اس دین کو اُن کے احفاد نے بھی تسلیم نہ کیا چہ جائیکہ حضرتِ خاکیؒ، حضرتِ صَرفی اور مولانا جوہر کشمیری جیسے علماء جو حضرت حافظ حجر مکیؒ کے تلامیذہ تھے اور علمِ سلوک کے رہنمایان تھے اس دین کو تسلیم کرتے؛ حضرت صرفیؒ اور علّامہ خاکیؒ کے متوسلین و تلامیذہ اور خود اُن کی تصانیف قرآن و حدیث اور علمِ سلوک کے اسرار و معانی سے پُر ہیں اگر وہ دینِ الٰہی کے حامی ہوتے تو معاذاللہ قرآن و حدیث کی جگہ دینِ الٰہی کے خود ساختہ اصول آج ہم اُن کی تصانیف میں دیکھتے۔

(۴)۔ حضرت علّامہ خاکی رحمۃ اللہ علیہ کا سالِ وصال ۹۹۴ھ ہے اور اکبر بادشاہ کا سنہ وفات ایک ہزار چودہ ہجری ہے۔ دونوں کی وفات میں تقریباً بیس سال کا فرق ہے یعنی جس وقت علّامہ خاکی علیہ الرحمہ وفات پاگئے اُس وقت تو ابھی دینِ الٰہی مدوّن ہی نہیں ہوا تھا۔

باقی اِن حضرات پر اکبر کی کشمیر پر چڑھائی کرنے کی کوئی ذمّہ داری اور کوئی اعتراض نہیں ہے قابلِ اعتراض تو اُس وقت کے حکمران تھے جن کی مذہبی مداخلت اور دینِ حق سے بے پروائی برتنے سے کشمیر فتنوں کی آماجگاہ بن گیا تھا اور سیاسی حیثیت سے اس مقام پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ شاہمیری خاندان کے زوال کے اسباب اور چک حکومت کے برسرِ اقتدار آنے کے وجوہ کیا تھے اور اس میں غیر مُلکی ہاتھ تھا یا نہیں۔ تاریخ کے طالبِ علم یہ مسئلہ ٹھیک جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اس لئے ہم اس جگہ اِس بحث کو قلم انداز کر دیتے ہیں۔

کرامات

عام طور پر یہ بات درجۂ تواتر تک پہنچ گئی ہے کہ اولیاء اللہ سے کرامتیں صادر ہوتی ہیں۔ کرامتوں سے مُراد ایسے امورِ خارقہ للعادۃ ہیں جو ایسے شخص سے سرزد ہوتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم قدم پر پیرو اور اتباع کرنے والا ہو۔

آیئے تاریخ کی روشنی میں حضرت شیخ بابا داؤد خاکی کی چند کرامتیں مُلاحظہ فرمایئے۔

(۱)۔ ایک روز حضرت خاکیؒ اپنے مرشد کی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ اسی اثنا میں حضرت محبوب العالمؒ کی خانقاہ میں اُنچاس بیمار پہنچے جو بظاہر لاعلاج تھے۔ یہ سب آنجناب کے پاس دُعاء شفا کرنے کے لئے پیش کئے گئے تھے۔ آں پیر حقائق نے حکم فرمایا کہ اِن تمام بیماروں کو حضرت شیخ خاکیؒ کے پاس لے جاؤ وہی اِن بیماروں کے لئے دُعا شفا فرمائیں گے۔ چنانچہ حسب حکم سلطانی وہ تمام بیمار شیخ خاکی کے پاس لائے گئے اور آپ کی دُعا سے اللہ تعالیٰ نے اُن سب بیماروں کو شفا بخشی۔

رہا یہ امر کہ ایک آدمی کی نگاہ سے اُنچاس بیمار کیسے اور کیونکر ٹھیک ہوں گے تو ہم کہتے ہیں کہ معجزات و کرامات کا اصل خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اولیاء اللہ اور انبیاء کی طرف اِن چیزوں کی نسبت مجازی ہے جیسا کہ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا ذکیا میں جبریل امین کی طرف نسبت مجازی ہے۔ یہ نصِ قرآن ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

(۲)۔ صاحب تذکرۃ العارفین لکھتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت خاکیؒ کے ساتھ علاقہ بانگل کا سفر کیا تو اس علاقہ میں پہنچ کر راستہ میں ایک شیر نمودار ہوا جسے دیکھ کر میں گھبرا اُٹھا آنجناب نے میری گھبراہٹ محسوس کر کے فرمایا "غم مخور ایں ہم بندۂ حق است" و گفتہ بزرگان (بیت)

اگر تیغِ عالم بہ جنبد ز جائے
نہ بُرّد رگِ کس چوں نخواہد خدائے

یعنی آنجناب نے فرمایا ڈرومت اور فکر نہ کرو یہ بھی خدا تعالیٰ کا بندہ ہے کیا تم کو بزرگان کے اس فرمان کا علم نہیں کہ اگر روئے زمین کی تلواریں اپنی جگہ سے حرکت میں آئیں گی تو اگر مرضیٔ خدا نہ ہو تو وہ کسی کو کاٹ نہیں سکتیں۔ چنانچہ وہ شیر ہمارے نزدیک آ پہنچا تو اُس نے نہایت عاجزی اور انکساری سے حضرت شیخ خاکیؒ کے سامنے اپنا سر جھکایا اور آنجناب کا استقبال کیا۔

(۳)۔ صاحب تذکرۃ العارفین لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرتِ خاکیؒ اپنے مرشد کے قریبی حجرہ

ہیں مراقبہ میں مشغول تھے مراقبہ سے فارغ ہونے کے بعد نمازِ چاشت ادا کی۔ اسی اثنار میں ایک باوقار بزرگ حضرت شیخ کے پاس تشریف لائے اور بعد میں حضرتِ خاکیؒ کے ساتھ حضرت محبوب العالم کے حجرہ میں داخل ہوئے۔ بعد میں استفسار کرنے پر معلوم ہوا وہ حضرت خضر تھے۔ مؤرخ فرماتے ہیں کہ خواجہ خضر کا نام سُن کر مجھے آپ کی مُلاقات کا شوق ہوا پھر اس حجرہ کے دروازے پر باہر اسی غرض سے ٹھہرتا تھا کہ آپ کی مُلاقات سے بہرہ ور ہو جاؤں۔

وصال

حضرت علامہ خاکی نے ۳ر صفر المظفر ۹۹۴ھ میں وصال فرمایا۔

دورہا باید کہ تا صاحبدلے پیدا شود
بایزید اندر خراسان یا اویس اندر قرن

آپ کے خلفار، ہم عصر اولیار کرام اور شعرار عظام نے آپ کے انتقالِ پُر ملال پر مراثی لکھے اور آپ اپنے مرشدِ ربانی کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔ حضرت میر بابا حیدر (خلیفۂ محبوب العالمؒ) اسی روضۂ اطہر کی شان میں فرماتے ہیں ؎

کشورِ کشمیر از وی شُد بہشتِ بے نظیر ٭ مقبرش در کوہِ ماران کعبۂ عالم شُدہ است

باقی حضرت علامہ خاکی مُفصّل سوانح حیات اور آپ کے معاصرین، خلفار اور تصنیفات و تالیفات اور دیگر امور پر مفصّل تبصرہ "تاج العارفین" کے حصّۂ دوم میں (انشار اللہ) پیش خدمت کریں گے اور مطالعہ کرنے والے حضرات سے گذارش ہے کہ اگر اُن کو اس کتاب کے مطالعہ سے کسی قسم کا دینی فائدہ پہنچا تو بہ[illegible]ردِ فرد کے لئے سعادتِ دارین کی دُعا فرماتے رہیں گے۔

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ وآلہٖ واصحابہٖ وعلماءِ شریعتہٖ واولیاءِ اُمّتہٖ اجمعین
اٰمین یا ربّ العالمین ٭

خاکپائے اولیار:
السیّد محمّد قاسم شاہ بُخاری

دار التحریر عیدگاہ: ۱۷ر ذوالحج ۱۴۰۰ھ ہجری
مطابق ۲۷ر اکتوبر ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاجُ العارفِین

شکر للہ حالِ من ہر لحظہ نیکوتر شداست　　　شیخ شیخان شیخ حمزہ تا مرا رہبر شداست

شُکرَ رَبِّیْ صَارَ حَالِیْ کُلَّ حِیْنٍ مُثْمِرًا
مُذْ هَدَانِیْ شَیْخُ شِیْخَانَ شَیْخُ حَمْزَةَ مُوْثِرًا

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے، میرا حال اُس وقت سے بہتر سے بہتر اور نتیجہ خیز ثابت ہو رہا ہے جب سے خصوصیت کے ساتھ میری رہنمائی اس برگزیدہ خلائق نے کی ہے جو مشائخ زمانہ کا رہنما ہے اور جس کا اسم مبارک حضرت شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔
حمزہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے شیر کے آتے ہیں۔ شرح ضمیمہ صـ ۲۹۴ میں دیکھئے۔

یافت چوں ہم نامیٔ آں غازئی نامی دین　　　پہلوانے در جہاد نفس زور آور شُداست

اِنَّہٗ اَضْحیٰ سَمِیًّا مَعَ عَمِّ الْمُصْطَفیٰ
حَمْزَةَ کَانَ شَدِیْدًا فِی الْجِهَادِ بَاتِرًا

ترجمہ :- حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ

۱؎ منصوبٌ لکونہٖ المفعولَ المطلقَ لفعلٍ محذوفٍ وھو "اَشْکُرُ"۔ ۲؎ قال فی مفتاح اللغات جمعُ الشیخ شُیُوخٌ وَاَشْیَاخٌ وَشِیْخَةٌ وشیخان ومشیخۃ وجمعُ الجمع مَشَائِخُ وَاَشَایِخُ الخ ۳؎ بدلُ الکلّ من شیخِ شیخان۔
۴؎ معنی الایثار یفھم بتقدیم "مرا" فی المتن کما لایخفی علی مھرۃ الفن۔
۔۔۔ انظر والصفحۃ الآتیۃ۔

وسلم کے عم[۵] محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہم نام ہیں اور حضرت حمزہ رضؓ ظاہری اور باطنی جہاد میں بہت بڑے پہلوان اور شہرۂ آفاق تھے۔

ظاہری جہاد سے مُراد کلمۃ اللہ بلند کرنے کے لیے اُس کے مخالفوں سے سرگرم عمل ہونا اور باطنی جہاد سے مطلب عبادت و ریاضت سے نفسِ امارہ کے ناکارہ جذبات کا مقابلہ کرنا اور یہ دونوں صفتیں آپ میں بطریقِ اَتم پائی جاتی ہیں۔ (شرح ضمیمہ صـ۳ میں دیکھیے)

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا[۶] خوانده چو سعی و جهد کرد — حق نمودش راه پس هادی بحر و بر[۷] شد است

قَدْ تَمَنّٰی[۸] وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا ثُمَّ سَعٰی[۹]
فَالْخَبِیْرُ[۱۰] سَاقَهٗ لِلْخَلْقِ طُرًّا مُنْذِرًا[۱۱]

ترجمہ: "حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ نے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا کی تلاوت کی اور اس کے معانی و مطالب پر غور و فکر کیا تو آپ نے اس کے مُطابق عمل کیا اصلاحِ نفس اور تزکیۂ قلب کی طرف اپنی تمام توجہاتِ عالیہ مبذول کرتے ہوئے میدانِ تقوٰی و طہارت میں آپ نے اتنا اونچا مقام حاصل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بحر و بر، خشکی و تری کے مُسلمانوں کا مُصلح اور رہبر بنایا۔"

چنانچہ آپ نے بے شمار لوگوں کی رہبری اور رہنمائی فرمائی اور مخالفینِ دین سے اخلاقی و روحانی جنگ کی جس کی کچھ تفصیل متن کے بعض اشعار تا بدارمیں آئے گی۔ گو اس وقت شرح

---

[۵] بدل من عم بید انہ منصوب لکونہ غیر منصرف
[۶] الالف واللام عوض من مضاف الیہ ای فی جہاد النفس کمافی "والعاقبۃ للمتقین" ای حسن العاقبۃ للمتقین.
[۷] قال فی المصباح البائر والبتار والبتاء شمشیر بران جمعہ بواتر والباقی المظہر.
[۸] بمعنی قرأ کمافی قولہ تعالیٰ "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ"۔ وتفسیرہ التمجیح عسیر جداً عند المحققین رحمہم اللہ.
[۹] اشارۃ الی قولہ تعالیٰ عزوجل "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" ففی الشعر صنعۃ التلمیح ÷ [۱۰] من اسماء الحسنٰی ÷ [۱۱] بمعنی ھاد فان الانذار والتبشیر لازمان من اجل ذلک قال اللہ فی شان نبینا الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم "انا ارسلناک بشیراً ونذیراً"

کی گنجائش نہیں تاہم بطورِ تنبیہہ کے یہ ضرور عرض کریں گے کہ حضرت علامہ خاکی قدس اللہ سرہ العزیز نے متن کے شعر مذکور میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ مسلمانوں کا رہبر و پیشوا جو ہو گا اس کے لئے علم و تقویٰ کا ہونا ضروری ہے "کہ بے علم نتواں خدا را شناخت" اور اس کے علاوہ رہبر اور پیر طریقت بننے کا حقدار صرف وہ شخص ہے جو قرآنِ مجید اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و صحابہ وسلم کی مقدس تعلیم کے مطابق عمل پیرا ہو اور جس کا قال و حال میزانِ شریعت کے عین مطابق ہو اور وہ شخص مسلمانوں کا رہبر اور پیشوا بننے کا ہرگز حق نہیں رکھتا جس کا ظاہر اور جس کا عمل آپ کی تعلیمات کے برخلاف ہو اور نہ وہ مسلمانوں کے رہبر طریقت بن سکتے ہیں کہ جو ختمِ نبوت کے منکر ہوں۔ یا در پردہ ان سے تعلقات استوار رکھتے ہوں۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب سالک راہ طریقت اور طلب کا جادۂ استقامت آدابِ شریعت کا پابند رہے اور نفسِ امّارہ کی خواہشات سے جنگ کرے تو پھر حق تعالیٰ ضرور اس کے حال پر رحم فرماتے ہیں۔

استقامت چون نمود اندر عمل در ما علم — علم ما لم یعلمش حق داد و دین پرور شد است

وَهُوَ حِينَ اِسْتَقَامَ عَامِلاً فِيمَا دَرَى
صَارَ لِلْعِلْمِ اللَّدُنِّي وَالشَّرِيعَةِ عَامِرًا

ترجمہ: اور جب کہ حضرت محبوب العالم نے پوری استقامت اور تن دہی سے اپنے علم کے مطابق عمل کیا، اذکار و اوراد میں مداومت اور پابندی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی آپ پر

۱ـ وهو من الاستقامة فالهمزة للوصل فحركتها للضرورة الشعرية
۲ـ حالٌ من فاعلِ استقام۔ ۳ـ متعلقٌ بعامل
۴ـ اللدنی منسوبٌ الی لدن بمعنی عند ظرف زمانٍ ومکانٍ لکنّه اخصّ منه والعلم اللدنی عندهم ما اُعطی العبدُ من عند الله العزيز العليم من غير واسطةٍ وفيه اشارةٌ الى قوله عزّ وجلّ "وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا"
۵ـ منصوبٌ لکونه خبرٌ لصار۔

علمِ لدنی اور علمِ شریعت کے خزانوں کے دروازے کھول دیئے کہ اب آپ طریقت شریعت کو آباد کرنے والے اور تروتازگی بخشنے والے ہوگئے۔

حضرت خاکی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر میں تین نکات فرماتے ہیں (۱) سالکِ راہِ طریقت کے لئے بقدرِ ضرورت دینی احکام سے واقف ہونا ضروری ہے۔ (۲) علم کے بعد عمل کا درجہ آتا ہے اور عمل میں استقامت اور ثابت قدمی ضروری ہے۔ (۳) ان دو چیزوں کے بعد سالکِ راہِ طریقت علمِ لدنی اور اسرار و معارف سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔

شعر کی مکمل تشریح ضمیمہ ۔ میں دیکھئے۔

چوں خدا علمِ لدنی کرد تعلیمش ز مہر   بہرِ اسرارِ الٰہی عالمِ انہر شد است

رَبُّهٗ[1] اَعْطَاهُ عِلْمًا[2] مِنْ لَدُنْهُ رَأْفَةً[3]
فَهُوَ اَمْسٰى كَشْفَ[4] اَسْرَارِ الْاِلٰهِ اَمْهَرًا[5]

ترجمہ:۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی عنایت و مہربانی سے علمِ لدنی عطا فرمایا تو آپکا سینہ بے کینہ اسرارِ الٰہی کا منبع اور مصدر بنا اور علمِ کشف میں آپ بہت بڑے عالمِ حاذق ہوگئے
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

علمُ الشریعۃ اور علمُ الاسرار میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس کی تفصیل اور اس شعر اور اس کے ماقبل شعر کا باہمی فرق ضمیمہ ۲۹۴ میں دیکھئے۔

مشکلاتِ واقعاتِ سالکاں راز یں سبب   پیشِ او تعبیر کردن اسہل و ایسر شد است

مُعْضَلَاتِ[6] وَارِدَاتِ السَّالِكِيْنَ شَرْحُهَا
عِنْدَهٗ قَدْ صَارَ جِدًّا لِلْمُرِيْدِيْنَ اَيْسَرًا

---

[1] الضمیر المنصوب راجعٌ الی حضرۃ الشیخ رحمہ اللہ وکذا ضمیرُ اَعطاہٗ راجعٌ الیہ
[2] مفعولٌ ثانٍ لِاَعطاہٗ ؛ [3] منصوبٌ لکونہٖ مفعولاً لہٗ ؛ [4] منصوبٌ بنزعِ الخافض ای لکشفِ اَسرارِ الالٰہ۔ وَالاَسرارُ جمعُ سِرٍّ والمعنیٰ ظاہرٌ یقال "صدورُ الاحرارِ قبورُ الاسرار"
[5] منصوبٌ لکونہٖ خبرًا لِاَمسیٰ ؛ [6] جمعُ المُعضلۃ بمعنی پیچیدہ ومشکل ومنہُ داءٌ مُعضَلٌ

ترجمہ:۔ حضرت محبوب العالمؒ نہایت آسانی کے ساتھ علمِ سلوک میں قدم رکھنے والوں کے خطرات و مشکلات اپنے مریدین کے سامنے بیان فرماتے ہیں۔ اسی علم لدنی کے باعث سالکوں کے مشکل مسائل، خطرات اور مختلف واردات و کیفیات کی تشریح کرنا حضرت محبوب العالمؒ کے لئے نہایت سہل اور آسان ہے کیونکہ وہ ان منازل کو طے کر چکے ہیں۔ حقائق سے پورے آگاہ ہیں۔ پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت آپکے شامل حال ہے۔ رہبر کامل کی بڑی پہچان یہ ہے کہ جو اپنے مریدوں کے واقعات و واردات سے آگاہ رہے اور انکے خطرات کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور مرید کو بھی اپنے پیر کامل پر پورا اعتماد ہونا چاہئیے۔ کما قیل

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید ؎ کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزل ہا

واضح رہے کہ اس شعر میں مے سے عام شراب مراد نہیں بلکہ مئے معرفت مراد ہے۔ یا شعر بر بناء فرض و تقدیر کے ہے۔

روشنش انوارِ قرآں گشت و ہم اسرارِ آں ہم خواصش دید و ہم الفاظہاش از بر شد است

اِنْجَلَتْ اَنْوَارُ قُرْاٰنٍ وَّ اَسْرَارُہٗ لَہٗ
فَخَوَاصَّہٗ رَاٰی وَحِفْظُہٗ قَدْ یُسِّرَا

متعلق بالصفحۃ الماضیۃ۔ ؎ الضمیر یرجع الی معضلات و شرحہا مبتدأ و عندہ خبرہ

؎ لیس المراد منہ المعنی الظاہر بل السلوک علم مستقل یُبحث فیہ عن احوال النفس وتطہیرہا بالریاضات والعبادات۔

؎ القرآن کتاب اللہ المنزل علی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلاً متواتراً بلا شبہۃ۔

؎ انوار القرآن معانیہ الظاہرۃ واسرارہ خبیاتہ المکنونۃ ورموزہا الشریفۃ کما قال الامام الغزالی رحمہ اللہ فی "احیاء العلوم" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للقرآن ظہرًا وبطنًا وحدًا ومطلعًا وقال بعض العلماء لکل اٰیۃ ستون الف فہم وما بقی من فہمہا اکثر وقال اٰخرون القرآن یحوی سبعۃ وسبعین الف علم اذکان کلمۃ علم ثم یتضاعف ذلک اربعۃ اضعاف اذ لکل کلمۃ ظاہر وباطن وحد ومطلع وتردید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمن الرحیم عشرین مرۃ لا یکون الا لتدبر باطن معانیہا

ترجمہ:۔ "قرآنِ کریم کے ظاہری معانی اور اس کے پوشیدہ رموز و نکات حضرت محبوب العالمؒ پر اچھی طرح واضح ہوگئے۔ چنانچہ آپ نے قرآنِ مجید کے خواص اور اس کے مخصوص فوائد بھی مشاہدہ کئے اور اللہ تعالےٰ نے آپ کے لئے قرآنِ کریم یاد کرنا سہل اور آسان بنادیا۔"

اَنوار، نور کی جمع ہے بمعنی روشنی۔ اور بقولِ بعض نور اس کیفیت کا نام ہے جس کو بینائی کی طاقت اوّلاً اِدراک کرتی ہے اور پھر اسی کے واسطے سے مُبصرات کو محسوس کرتی ہے۔ اَنوار سے قرآنِ مجید کے ظاہری معانی مُراد ہیں اور اَسرار سے قرآنِ مجید کے نکات و رموز مقصود ہیں۔ اِن دونوں قسموں کے معانی کا دروازہ اللہ تعالےٰ نے محبوبُ العالمؒ کے لئے کھولا تھا۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآنِ کریم تو سارے کا سارا رحمت وہدایت ہے بایں ہمہ ہر سورۂ قرآن بلکہ ہر آیتِ قرآن کے علیحدہ علیحدہ برکات ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے فضل سے محبوبُ العالمؒ اُن کے مُشاہدہ سے حظِ وافر پا چکے تھے اور قرآنِ مجید کے یاد کرنے میں آپ کو کوئی مُشکل پیش نہیں آئی بلکہ نہایت سہولت سے اس کے الفاظ یاد فرمالئے۔ مطلب یہ کہ آپ شریعت وطریقت کے عالم ہی نہیں بلکہ ان دونوں میں اِمام و پیشوا ہیں۔ جیساکہ دوسرے شعر میں خود اسکی تصریح فرمائیں گے۔ ؎

اوشریعت راست ناصر در طریقت مُجتہد ۔۔۔ بہر اَسرارِ حقیقت صدر او مصدرُ شد است

وَهُوَ لِلشَّرْعِ مُعِينٌ وَالطَّرِيقَةِ حُجَّةٌ
صَدْرُهُ قَدْ صَارَ لِلْأَسْرَارِ حَقًّا مَصْدَرًا

متعلق بالصفحۃ الماضیۃ: و الا فترجمتہا و تفسیرہا ظاہر لا یحتاج مثلہ الی تکریر وقال ابنُ مسعود رضی اللہ عنہ من اراد علم الاولین والاخرین فلیتدبر القرآن وذلک لا یحصل بمجرد تفسیر الظاہر وبالجملۃ فالعلوم کلہا داخلۃ فی افعال اللہ عزوجل وصفاتہ وفی القرآن شرح ذاتہ وافعالہ وصفاتہ ثم قال الغزالیؒ بل کل ما اُشکل علیہ علی النظار واختلف فیہ الخلائق فی النظریات والمعقولات ففی القرآن الیہ رموز ودلالات یختص اھل الفہم بدرکہا فکیف یفی بذلک ترجمتہ الظاہرۃ وتفسیرہ وان اردت التفصیل فارجع الی ذلک الکتاب۔

؎ فیہ اشارۃ الیٰ ان الشیخ کان مُعیناً وناصراً للامور الشرعیۃ وما کان یتجاوز عما ورد

ترجمہ:۔ حضرت محبوب العالمؒ اپنے خداداد علم و تقویٰ کی بنا پر شریعت کے مددگار اور طریقت کے امام اور پیشوا ہیں۔ بلاشبہ آپؒ کا سینۂ بے کینہ اسرارِ الٰہی کا مصدر اور منبع بنا ہوا ہے

بار ریاضت ساختہ علم الیقین عین الیقین ؛ پس ہم از حق الیقین از لطف حق در شد است

بِالرِّيَاضَةِ صَيَّرَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ عَيْنَ الْيَقِيْنِ
ثُمَّ لِلْحَقِّ الْيَقِيْنِ مِنْ لُطْفِ حَقٍّ صُدِّرَا

ترجمہ:۔ آپ نے عبادت و ریاضت سے علم الیقین کو عین الیقین بنایا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حق الیقین کے صدر نشین بنائے گئے۔

علم کے تین درجے ہیں ابتدائی درجہ علم الیقین کا، دوسرا درجہ عین الیقین کا اعلیٰ درجہ حق الیقین کا ہے۔ پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محبوب العالمؒ نے ریاضت اور تزکیۂ نفس سے علم کے تینوں درجے حاصل کئے ہیں۔ یہ معمولی بات نہیں۔ سورۃ التکاثر میں ان تینوں علموں کی طرف اشارہ ہے

در ریاضت سالہا نہادہ پہلو بر زمین ؛ حاصلش ایں رتبہ چوں ذکر و اشہر شد است

لَمْ يَمَسَّ جَنْبُهُ أَرْضًا سِنِيْنَ عَابِدًا
نَالَ عِزًّا حِيْنَ كَانَ أَذْكَرًا وَأَشْهَرَا

ترجمہ:۔ حضرت محبوب العالمؒ نے اس قدر کثرت کے ساتھ خداتعالیٰ کی عبادت کی کہ سالہا

فیہ الشرعُ فالشعرُ دلیلٌ علی من یدعی الطریقۃَ و یخالفُ الشرعَ عملاً فلیس ہو بشیخٍ بل ہو ملحدٌ

لہ قال فی المفتاح الریاضۃ جسمانی ورزش۔ بری حالت کو اچھی حالت سے بدلنا۔ اخلاقِ نفسانی کی تہذیب عبادت اور حقائقِ ایمانی میں غور و فکر کرنا ؛ لہ صَیَّرَہٗ و اصارہٗ اِصارۃً ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف کر دینا ؛ لہ مفعولٌ ثانٍ لِصَیَّرَ ؛ لہ الالف للاشباع

لہ مفعولُ لم یمسّ ؛ لہ مفعولٌ لاجلہ ؛ لہ نوّنہ لاجل الضرورۃ الشعریۃ کما فی قولِ الشاعر ۔ صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّہَا ؛ صُبَّتْ علی الایامِ صِرْنَ لیالیا۔

سال تک اپنا پہلوی مبارک زمین پر نہیں رکھا۔ یہ عزت وارجمندی آپ نے اُسوقت پائی جب کہ آپ بہت زیادہ یادِ خدا فرماتے اور راتوں کو بیدار رہتے تھے۔"

ان اشعار سے صاف طور واضح ہُوا کہ عارف، سالک، صوفی، فقیر، درویش، مولوی، پیر اور مُرشد کامل کے لئے سب سے پہلے شریعت کی پابندی اور عبادتِ الٰہی میں محو اور مستغرق ہونا شرط اوّلین ہے۔

بود مُرغِ روح اور امنظرِ عرش آشیاں　　پس بدُنیا بیقرار از شوقِ آں منظر شد است

كَانَ طَيْرًا عُشُّ عَرْشٍ مَنْظَرٌ[1] لِرُوحِهٖ
فَبِحُبِّهٖ يَدُوْمُ فِي اضْطِرَابٍ حَايِرًا

ترجمہ :- وہ ایسے طائر لاہوتی ہیں کہ جن کی روح کا مقام و مَنظر عرشِ معلّٰے ہے اسلئے وہ دُنیا میں اُنکی عارضی مفارقت کی وجہ سے مضطرب اور بے قرار رہتے ہیں۔

---

[1] مومنین کی ارواحِ طیبہ کا مقر جوارِ قدس ہے جس کا خالص لگاؤ اور تعلق عرشِ معلّٰے کے ساتھ ہے۔ اپنی جس صاف باطن اور روشن ضمیر کو اس بات کا علم ہوا کہ اس کا دائمی مقام جوارِ قدس میں ہے تو وہ قدرتی طور پر دُنیا میں اسکی محبت اور شوق میں بے چین اور بیقرار ضرور ہوگا اور اُسے دُنیا کے ساتھ کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہوگی۔ اس طرح حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا آخری مقام معلوم کرلیا تھا جس کے لئے دُنیا میں بیقرار رہتے تھے۔ حدیث شریف میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ مرنے سے پہلے ہر ایک شخص کو اُس کا آخری مقام دکھایا جاتا ہے۔ حضرت خاکیؒ نے خود شعر کی بھرپور وضاحت فرمائی ہے۔ ان شاء اللہ ہم بھی بوقتِ شرح اس شعر کے تمام متعلقات عرض کرینگے کہ شعر کا مفہوم تشبیہ پر مبنی ہے یا استعارہ پر اور یہ کہ عرش سے کیا مقصود ہے؟ اور الرحمٰن علی العرش استوٰی کے بارے میں مفسرین کے خیالات کیا ہیں؟ (اس کے لئے آپ ضمیمہ دیکھئے)، شعر کا یہ مفہوم ہم نے از روئے لغت اس طرح سمجھا ہے جیسا کہ صراح اللغات میں عرش کے معنے اس طرح لکھے ہیں:۔ عَرَشَ (ض) عرشًا بالمکان اقامت کرنا۔ عَرِشَ (س) عَرَشًا و عَرْشًا متحیر ہونا۔ عَرِشَ بغریمہ سخت پکڑنا۔ عَرِشَ عَنْہُ پھرنا چھوڑنا۔ العَرْش تختِ شاہی۔ العرش کسی چیز کا رکن۔ کسی چیز کا قوام۔ و منہ قولہ تعالیٰ "الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى"۔

[2] اَلْمَنْظَرُ دیکھنے کی جگہ، خوشنما ہو یا بدنما۔ دیکھنے بھالنے کی بلند جگہ۔ فَاِنْ قلتَ ماذا یعنون من الحجابات؛ فَاِن عنوا منہا المنازلَ البعیدۃ والمسافاتِ المدیدۃ فھو باطلٌ لانّہٗ یستلزمُ الجھۃ للہ تعالیٰ وھو منزّہٌ عنہا کما ثبت فی علم الکلام۔ وَاِنْ عَنَوْا منہا غیرھذا فما ذا ھو؟ قلتُ انّھم یعنون منہا الاوّلَ حتمًا واما لزومُ الجھۃ لہ تعالیٰ فغیرُ مُسَلَّمٍ کما لا یخفٰی علٰی مَن لہٗ ادنٰی تأمّل۔

بازپران در سلوک تا مقامِ اصل رفت　　　از جناحِ جذبۂ حق چوں ببال و پر شد است

وَهُوَ بَازِي فِي السَّلُوكِ لِإِلَى أَصْلٍ انْتَهٰى
بِجَنَاحِ جَذْبَةِ اللّٰهِ تَرَقّٰى طَائِرًا

ترجمہ:۔ حضرت مخدوم حمزہؒ علم سلوک کے منازل و مقامات سرعت کے ساتھ طے کرنے میں تیز رفتار باز کے مشابہ ہیں۔ چناں چہ آپؒ اپنے اصل اور منتہیٰ تک پہنچنے میں بغیر کسی دقت کے کامیاب ہوئے ہیں۔ دوسرا مصرعہ سوالِ مقدر کے جواب میں واقع ہے کہ گویا کوئی شخص دریافت کرتا ہے کہ آنجناب کی اتنی کیا خصوصیت ہے کہ آپ نے سلوک کے مقامات تھوڑے وقت میں طے فرمائے؛ حضرت خاکیؒ جواب میں فرماتے ہیں کہ ربانی عنایت اور اس کی کشش نے ایسے بازو عطا کئے کہ آپ اس روحانی سفر میں سراپا بال و پر بن گئے اور منزلِ مقصود طے کر گئے۔ یعنی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

طیرِ طورِ جن و طورِ نفس و قلب و روح و سر　　　ہم خفی کردہ بغیب الغیب اطیر شد است

طَارَ طَوْرَ الْجِنِّ وَالنَّفْسِ وَقَلْبٍ ثُمَّ رُوحٍ
ثُمَّ سِرٍّ وَخَفِيٍّ غَيْبٍ طُيْرًا

ترجمہ:۔ آنجنابؒ منازلِ سلوک طے کرتے ہوئے سات طور طورِ جن، طورِ نفس، طورِ قلب، طورِ روح، طورِ سر، طورِ خفی، طورِ غیب الغیب اچھی طرح طے فرمائے ہیں۔ حضراتِ صوفیہ رحمہم اللہ ان منازل کو اطوارِ سبعہ کہتے ہیں۔ ایک طور سے دوسرے طور تک دس ہزار حجابات اور پردے ہیں۔ اس طرح آپ نے ستہر ہزار حجابات طے فرما کر قربِ ربانی حاصل کیا۔

حضرت شارحؒ نے اس شعر میں علمِ سلوک کے وہ سات مقامات بیان فرمائے ہیں جن کو حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں اطوارِ سبعہ کہتے ہیں۔ سالکوں اور رہبرانِ طریقت کے لئے ان سات منزلوں کا جاننا اور طے کرنا ضروری ہے۔ ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان سات مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں مگر حق تو یہ ہے کہ ان مقامات کی صحیح طور پر شرح کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے لہٰذا اس قسم کے

مقامات میں پیرانِ طریقت ہی کی طرف رجوع کیجئے یا خود دستور السالکین دیکھا کریں۔

طورِ اوّل (پہلی منزل) جسم اور قالب کی ہے کہ سالک راہِ طریقت پر فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے جسم اور جسدِ عنصری کی تمام حرکات و سکنات کو ضبط کرلے اور اُن کو شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ فرمان لائے اور اپنے اعضاء و جوارح سے ایسی کوئی حرکت نہ کر بیٹھے جو شریعتِ مقدسہ کی تعلیمات کے برخلاف ہو بلکہ مِن وعَن اپنے جسم کو فرمانِ شریعت کے تابع کرلے۔

اس کے بعد **طورِ ثانی** (دوسری منزل) کا نمبر آتا ہے۔ اس طور کا نام **طورُ النفس** ہے۔ اس منزل میں آکر سالک نہ صرف اپنے نفس کی خواہشات ضبط کرتا بلکہ نفس کی بُری صفتوں اور ناپسندیدہ چیزوں سے بچ کر عمدہ اور بہترین اوصاف اور صفاتِ حمیدہ اختیار کرتا ہے اور تمام حجاباتِ طلسماتی سے نجات پاتا ہے۔

نفس کو اچھی صفتوں سے آراستہ کرنے کے بعد سالک **طورِ ثالث** (تیسری منزل) کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس منزل کا نام طورُ القلب ہے۔ سالک اس منزل میں پہنچ کر ولایت کے سمندروں میں غوطہ زنی کرتا ہے اور غفلت و فضول اور دراز کار باتوں سے پرہیز کرتا ہے اور بلند مقامات کے حصول کی طرف سالک کا دل کشش کرتا ہے۔

اس کے بعد **طورِ رابع** (چوتھی منزل) کی طرف سالکِ طریقت رجوع کرتا ہے۔ اس طور کا نام طورُ السِر ہے۔ اس منزل میں سالک پر تجلیات و مکاشفات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ مناجات میں مشغول ہوجاتا ہے اور ماسوی اللہ سے بالکل الگ ہوجاتا ہے اور دیدارِ الٰہی کے لئے اس کا جوش و خروش بڑھ جاتا ہے۔

اس کے بعد **طورِ خامس** (پانچویں منزل) کی طرف سالک قدم رکھتا ہے۔ اس منزل کا نام طورُ الروح ہے۔ اس منزل میں اسے تجلیاتِ افعالِ الٰہیہ کی حکمت نظر آتی ہے اور اس کا جوش و خروش اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ آفات سے محفوظ ہوجاتا ہے اور اس منزل میں سالک ملک و ملکوت کے قفس کو توڑ کر اپنے آپ کو **طورِ سادس** (چھٹی منزل) میں ڈالتا ہے۔ اس کا نام طورِ خفی ہے۔ اس منزل میں سالک اللہ تعالیٰ کی تجلیاتِ جمالیہ و جلالیہ سے لطف اندوز اور بہرہ مند ہوجاتا ہے اور اسی منزل میں سالک پر عواطفِ لطیفہ اور خواطفِ قہریہ مرتب ہوجاتی ہیں اور خوارقِ

عادت امور اسی منزل کی برکت سے سالک اور عارفین سے صادر ہو جاتی ہیں اور اس سے انانیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد ساتواں سفر غیب الغیب کا ہے۔ اس منزل میں سالک کی سیر و احوال میں کوئی حد و نہایت نہیں ہوتی۔ اس مقام کو مقام مخنوطیت بھی کہتے ہیں۔ یہ منزل ولایت کی اعلیٰ اور سب سے آخری سرحد ہے۔ واضح رہے ایک منزل سے دوسری منزل تک دس ہزار حجابات طے کرنا ضروری ہے۔ حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ نے بفضلِ اللہ یہ سب حجابات طے فرمائے تھے۔ ان سات مقامات کی طرف آیات اور احادیث میں بھی اشارات ملتے ہیں۔ پوری تشریح ضمیمہ ۲۹۴ میں دیکھیے۔

واضح رہے کہ بعض حضرات نے بجائے سات طور کے پانچ پر کفایت کی ہے اور انہوں نے ان اطوارِ خمسہ کو منطقیوں کے کلیاتِ خمسہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور بعض حضرات نے مذکورہ اطوار کے اور بھی نام تجویز کئے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ طورِ جن سے طورِ قالب ہی مراد ہے۔ وجہ استعارہ ظاہر ہے۔

قال السیّد محمد بن الامیر السیّد علی الھمدانی قدس اللہ اسرارھما اعلم انّ مراتبَ السّالکین الیٰ حضرتہ سبعٌ طورُ الجنّ وطورُ النفس وطورُ القلب وطورُ الروح وطورُ السّرّ وطورُ الخفی وطورُ غیب الغیب قالوا ففی الطّورِ الاوّلِ یتصرّف بتصرفاتٍ جنسیّۃٍ فی قلوب الغافلین مثل الدھش المکدّر بتصوّرِ ونَ انّ المتصرّفَ من الکُمّلِ لرویتھم امراً خارقاً للعادۃ وھٰذا من ادنیٰ مقاماتِ السّالکین و اشنع مواقفِ المتصوّفین والسّالکُ مالَمْ یبلغ فی الطّورِ السّابع لم یمکنہ الوصول الیٰ مقامِ التّمکین وَ مِن کُلِّ طورٍ الیٰ طورٍ اخرَ عشرۃُ الافِ حجابٍ مِن نورٍ وظلمۃٍ وقیلَ انّ الحُجبَ کلّھا فی النّفسِ والقلبِ والرّوحِ لاغیرَ ولا یخطرُ ببالی انّ الحُجبَ الظّلمانیّۃَ کائنۃٌ فی ھٰذہِ الاطوارِ والحُجبَ النّورانیّۃَ حاصلۃٌ فی الطّورِ الخفی ولا یتوھّمُ المحجوبُ انّ الحُجبَ حاصلۃٌ للّٰہِ تعالیٰ کما یفھم من لفظ الحدیث بل الحجابُ مِن طرفِ العبدِ لِانّ الحُجبَ کلّھا تولّدت مِن وحشۃ العبد الی اللہ والشّغل بغیرہٖ لاغیر فیکون الحُجبُ مِن طرفِ العبدِ کیف وانّ اللہ تعالیٰ اقربُ الینا مِن ورِیدِنا وھو یعلم ویبصرُ ما یخفی وما یعلن۔ در نسخۂ دیگر متن این بیت بایں عبارت مسطور بود۔

ہم خفی کردہ بغیب الغیب ہم اطیر شد است — طیر طور قالب و ہم نفس و قلب و سر و روح

بازدر لاہوت مرغِ جانِ او اسیر شد است — سیر کردہ عالمِ ملکوت را جبروت ہم

سَارَ فِیْ عَالَمِ مَلَکُوْتٍ[1] وَجَبَرُوْتٍ[2] سُوٰی[3]

ثُمَّ فِی اللَّاھُوْتِ[4] طَیْرُ رُوْحِہٖ قَدْ سُیِّرَا[5]

ترجمہ :- "آپ نے عالمِ ناسوت سے گذر کر عالمِ ملکوت و جبروت کی برابر سیر فرمائی۔ ان عالموں کے اسرار و حقائق جاننے کے بعد آپ کی عقابی روح عالمِ لاہوت کی طرف پرواز کر گئی اور ربانی تجلیات کے دیدار سے پورے طور پر مشرف ہوئے"۔

حضراتِ صوفیہ کے نزدیک ہر ایک شیخِ طریقت اور ہر ایک رہبرِ کامل کے لئے درج ذیل چار عالموں کی سیر کرنا اور ان کا عبور کرنا نہایت ضروری ہے۔ وہ چار عالم یہ ہیں :- (۱) عالمِ ناسوت۔ (۲) عالمِ ملکوت (۳) عالمِ جبروت (۴) عالمِ لاہوت۔ عالمِ ناسوت سے وہ عالم مراد ہے جس کا علم و ادراک حواسِ خمسہ سے ہوتا ہے۔ اس عالم کو عالمِ مُلک، عالمِ خلق، عالمِ محسوس، عالمِ شہادت اور عالمِ صورت بھی کہتے ہیں۔ عالمِ امر، عالمِ معقول، عالمِ غیب یعنی امورِ غیر مشخصہ کو عالمِ ملکوت کہتے ہیں۔ عالمِ جبروت سے عالمِ روح، عالمِ ماہیات اور اشیاء بالقوت مراد لیتے ہیں۔ عالمِ لاہوت سے مراد وہ عالم ہے جو مادہ، صورت، امر، روح، ماہیات اور امورِ موجودہ بالقوۃ سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ اس میں خالص مظاہرِ رحمانیہ اور صفاتِ الٰہیہ ہیں۔ ان کا تعلق ان حواس اور مادی مشاعر سے نہیں ہوتا اور ظاہری عقل و خرد اور فلسفیانہ خشک تخیل اس عالم میں کام نہیں آتا۔ اس میں صرف وہ مقدس اربابِ معرفت غوطہ زنی کرتے ہیں جو عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ وَاَحْسَنَ اَدَبِیْ کی بارگاہ سے خوشہ چین اور ریزہ چین ہوتے ہیں اور جب تک مرشدِ حقانی اور پیرِ مغاں ان عالموں کی سیر نہ

---

[1] قال فی المنجد الجبروت والجبروت والجبروت صیغۃ مبالغۃ بمعنی القدرۃ والسلطنۃ والعظمۃ۔

[2] الملکوت ملک عظیم۔ العز و السلطان والملکوت السماوی۔ وھو محل القدسیین۔

[3] ماخوذ من قولہ عز وجل "فاجعل بیننا وبینک موعدا لا نخلفہ نحن ولا انت مکانا سوی"۔

[4] عالم لاہوت عالم ذاتِ الٰہی جس میں سالک کو مقام فنا فی اللہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات)

[5] الالف للاشباع۔

کرے اور جب تک وہ ان عوالم کے اسرار سے واقفیت بہم نہ کرے تو وہ اس وقت تک اپنے مریدوں کو نفسانی خطرات و وساوس اور شیطانی خیالات و مہالک سے بچا نہیں سکتا۔ حضرت شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پیر کامل مخدومنا، محبوبنا و محبوب العالم نے ان عالموں کی خوب سیر فرمائی ہے اس لئے وہ اصلاح باطن کے بہت بڑے طبیب اور شہسوار ہیں۔

ما نشانِ سیرِ محبوبی بسیرش یافتیم　　زانکہ کشفش از عبادت بیشتر مظہر شُداست

فِیْ سِیَرِہٖ وَجَدْنَا سَیْرَ مَحْبُوْبِیَّتِہٖ
کَشْفُہٗ قَبْلَ الْعِبَادَۃِ کَثِیْرًا اَظْھَرَا

ترجمہ:۔ "ہم نے آپ کی سیر و احوال میں آپ کے محبوب و مطلوب ہونے کے نشانات پائے ہیں کہ آپ نے بلوغیت، سخت عبادتوں اور دشوار ریاضتوں سے پہلے ہی کشف و کرامات ظاہر فرمائے۔"

محبوب اس ولی کامل کو کہتے ہیں کہ جس سے عبادت و ریاضت سے پہلے ہی کشف و کرامات کا صدور ہو جائے۔ حضرت ناظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت محبوب العالم کے حالات مبارکہ پڑھنے اور سننے سے ہمیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ آپ بارگاہ الٰہی میں محبوب و مطلوب ہیں کیونکہ آپ سے ولادت کے ایام ہی سے کشف اور خارق عادت امور سرزد ہوئے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ولایت دو قسم پر ہے۔ ایک عطائی اور دوسری کسبی۔ ولایت عطائی وہ ہے کہ ولی مجذوب ربانی کشش اور اس کی عنایت سے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچ جائے۔ اس قسم کی ولایت نادر الوجود اور بہت کم ہوتی ہے۔ ولایت کسبی اس ولایت کو کہتے ہیں کہ سالک راہ طریقت سخت مجاہدہ اور بے انتہا عبادت و ریاضت سے ولایت کے درجہ تک پہنچ جائے۔ گو اس قسم کی ولایت میں بھی یک گونہ عنایت الٰہی صاحب ولایت کے شامل حال ہوتی ہے۔ جس ولی کا جذبہ اور کشف ریاضت سے پہلے ہی ظاہر ہو جائے، حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں اسکو مجذوب، محبوب، مراد، مخفوظ اور

ے الضمیر راجع الی الشیخ ۔ ے المُرادُ بالسیر ھنا ارتقاءُ الشیخ الی منازل السلوک و صعودہ الی حضرۃ القدس بحیث یظنّ اللبیب انّہ محبوبٌ و مُرادٌ ۔ ے المصرع الثانی واقع فی مقام التعلیل ۔ وکشفہ مفعولٌ مقدّمٌ لاظھرا والالف فیہ للاشباع ۔

معصوم کہتے ہیں۔ محبوب جو بھی کام کرے اُس کو اُس پر گرفت اور مواخذہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے منشأ کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ محبوبیت کی شان ہمارے پیغمبر کریم حضرت محمد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں بطریق اتم پائی جاتی ہے۔ اُسی محبوبیت کی ایک جھلک اور آپ ہی کی معصومیت کی ایک شعاع خاص خاص اولیاء میں بالطبع پائی جاتی ہے۔ حضرت محبوب العالمؒ بھی محبوبیت میں ممتاز ہیں مگر یہ سب کچھ آپ کو حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہوگیا۔ پھر سمجھ لیجئے کہ ہزاروں اولیاء اُمت اور ہزاروں محبوبانِ بارگاہِ جباریت کی ولایت و رفعت حضرت خاتم المرسلینؐ کی نبوتِ عالیہ اور رسالتِ کاملہ کے سامنے وہی نسبت رکھتی ہے جو جرمِ زمین کی آسمانی فضا اور اس کی وسعت کے سامنے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے اس شعر سے آنچہ دادست ہر نبی را جام ؛ داد آں جام را مرا بتمام اور اسی قسم کے دوسرے شعروں میں آفتابِ نبوتِ محمدیؐ پر اپنی برتری و بالاتری کا ادعا کیا تو تمام علماءِ اُمت نے اس کو اور اس کے پیروؤں کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا۔ حفظنا اللہ من شرورہ وَوَسَاوِسِہٖ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت ناظم فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت محبوب العالمؒ سے شروع ہی سے کمالات و کرامات اور کشف و خوارقِ عادت امور صادر ہوئے ہیں اس لئے ہم قدرتی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ آپ محبوب اور مُراد ہیں کیونکہ محبوبیت کی علامت ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ محبت کی علامت پوشیدہ ہوتی ہے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ شیخ کامل اور پیرِ طریقت کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ بیک وقت مُحب، محبوب، طالب، مطلوب، عاشق، معشوق، کامل، مکمل، سالکِ مجذوب، مجذوب سالک ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ متحیر، مستغرق رہ کر سکر و صحو اور استغراق و محو اس کی حرکت و رفتار برابر جاری رہتی ہے۔ حضرت محبوب العالمؒ میں یہ تمام مدارج حاصل ہی نہ تھے بلکہ آپؒ ان مدارج و مقامات کے منبع اور سرچشمہ تھے۔

ہوش در دم خلوت اندر انجمن ہم حالِ اوست ؛ او مربی ہم بخلوت ہم بصحبت رُشد اوست

حِفْظُ نَفْسٍ فِی التَّخَلِّیْ وَالتَّجَلِّیْ شَانُہٗ
وَھُوَ مَوْلَائِیْ وَھَادِیْ کَامِنًا وَظَاھِرًا

ترجمہ:۔ "خلا ملا اور وحدت و اجتماع میں آپ کی ہر سانس یادِ خدا میں گذرتی ہے اور آپ کا حال یہ ہے کہ اپنی ہر سانس کو غفلت طاری ہونے سے بچاتے ہیں۔ وہ باطن و ظاہر میں میرے مُربّی اور رہبر کامل ہیں۔"

حضرت شارح رحمہ اللہ نے شرح اصطلاحِ نقشبندیہ کے حوالہ سے ہوش در دم کی اس طرح تعریف کی کہ:۔ "ہر نفس کہ از سالک بر می آید و فرو میرود واقف باشد از سر حضور بود و غفلت راہ نیابد" کہ ہوش در دم سے یہ مطلب ہے کہ سالک راہِ طریقت نَفَس یعنی سانس چڑھانے اور سانس اُتارنے میں حاضر دل ہو اور غفلت و بے حضوری سے کوئی سانس نہ لے۔ اور خلوت اندر انجمن کا یہ مطلب بتایا ہے کہ "بظاہر درمیانِ مردم باشد و بباطن از حق سبحانہٗ وتعالیٰ غافل نباشد۔ خلوت در انجمن سے یہ مراد ہے کہ سالک وہ ہے کہ جو جلوت یعنی مخلوق میں رہ کر بھی یادِ خدا میں لگا ہُوا ہو۔ بعض ارباب حال نے ہوش در دم سے یہ مراد لیا ہے کہ ایک سانس سے دوسری سانس کی طرف جو انتقال ہوتا ہے اس میں بھی آگاہ اور حاضر دل ہو یعنے یادِ خدا سے غافل نہ ہو۔ تقریبًا دونوں تعریفوں کا مآل اور مطلب ایک ہی ہے۔ ہم نے ہوش در دم کا جو ترجمہ حِفظُ النفس سے کیا ہے وہ بحمد اللہ دونوں تعریفوں پر چسپاں ہوتا ہے۔ حضرات نقشبندیہ کثّر اللہُ امثالہم ہوش در دم میں ممتاز ہیں چنانچہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:۔ "بنای طریقۂ ما خلوت در انجمن است بظاہر با خلق بباطن با حق۔

لہ عرّفہ المحدّث الکبیر الشاہ ولی اللہ الدھلوی رحمہُ اللہُ فی قولِ الجمیل ھٰکذا یَتَیَقَّظُ فی کُلِّ نفسٍ فلا یزالُ متیقظًا مُتَفَحِّصًا عن نَفْسِہٖ فی کُلِّ نَفَسٍ ھل ھو غافلٌ او ذاکرٌ۔ ھٰذا طریقُ التدریجِ اِلی دوامِ الحضورِ وھٰذا للمبتدی فاذا توسّط فی السلوکِ فلیکن مُتَفَحِّصًا عَنْ نفسِہٖ فی کُلِّ طائفۃٍ من الزمان مثلًا اَن یتأمّلَ بعدَ کُلِّ ساعۃٍ۔ ھل دخلتْ فیہِ غفلۃٌ او لا فاِن دخلت غفلۃٌ استغفرَ وعزمَ علی ترکِہا فی المستقبلِ وھٰکذا حتّی یصلَ الی الدوامِ ویُسمّی ھٰذا الاخیرُ بوقوفِ الزمانی واستخرجہٗ خواجہ نقشبندؒ لما رأی اَنَّ التوجّہَ الی علمِ العلمِ فی کُلِّ نفسٍ یشوّشُ حالَ المتوسّطِ فانما اللائقُ بہا الاستغراقُ فی التوجّہِ الی اللہ بحیثُ لا یُزاحمہٗ علمُ ھٰذا التوجّہِ۔ انتھیٰ ما فی قولِ الجمیل۔

ٹہ قال المُتنبّی ؎

وَیومٍ کلیلِ العاشقینَ کَمَنْتُہٗ ؁ اُخَبِّرُ اَنَّ المانویّۃَ تکذبُ
وقاکَ ردی الاعداءِ تسری الیہمِ ؁ وزارکَ فیہ ذو الدلالِ المحجّبُ

ہمارے روحانی سلسلہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ سالک بظاہر محافل و مجالس میں ہو مگر اس حال میں بھی اُس کا دِل حضرتِ حق کی یاد سے معمور اور منوّر ہو۔ حضرتؒ نے اس مضمون کو شعر میں یوں ادا کیا ہے

اندروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش ٭ این چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

ہوش در دم چہ بود ہست بیدار و شہودش دائماً ٭ زانکہ بینا دیدۂ سرش ز بی یبصر شدہ است

حِفْظُ نَفَسٍ لَيْسَ اِلَّا وَصْلُ حَقٍّ سَرْمَدًا

لُطْفُ بِيْ يَبْصُرُ عَيْنِيْ سِرِّهٖ قَدْ اَبْصَرَا

ترجمہ:۔ "آپ کے ہوش در دم ہونے سے یہ مطلب ہے کہ آپ ہمیشہ محبوبِ حقیقی کے دیدار سے سرفراز ہوتے ہیں۔ کیونکہ بِی یَبصُر کی عنایتِ الٰہی نے آپ کی دیدۂ باطن کو بینا بنا رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی کوئی سانس یا ایک سانس سے دوسری سانس کی طرف انتقال غفلت سے نہیں ہوتا بلکہ آپ کو مقامِ شہود اور حضور علی الدوام حاصل ہے۔ یہ سعادت بہت کم خوش نصیبوں کو مُیسّر ہوتی ہے۔"

اِس شعر میں بِیْ یَبْصُرُ کا لفظ آیا ہے۔ ب حرفِ جر اور ی ضمیر متکلم مجرور ہے۔ جار اپنے مجرور سے مِل کر یَبْصُرُ سے متعلق ہے۔ یَبْصُرُ صیغہ واحد مذکر غائب فعلِ مضارع معروف ہے۔ پس اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مجھ ہی سے یا میری مدد سے یا میری ہی آنکھ سے دیکھتا ہے در اصل یہ لفظ حدیثِ قدسی کا ایک جملہ ہے۔ پوری حدیثِ قدسی با ترجمہ ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم حضرتِ حق سے حکایۃً بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ ما تقرّب الیّ متقرّبٌ بمثلِ اداءِ ما افترضتُ علیہ ولا یزال العبدُ یتقرّبُ الیّ بالنوافلِ حتّی اُحبّہٗ فاذا احببتُہٗ کنتُ لہٗ سمعًا وبصرًا

لہ قولہ "لطفُ بی یبصُرُ" مبتدأ وقولہ "قد ابصرا" خبرہ۔ وعینی سرّہٖ مفعولہ مقدم۔ لا یبصر من الابصار بمعنی بینا کردن کذا فی مفتاح اللغات والباقی اظہر واشہر۔ واضاف لفظ اللطف لرعایۃ المعنی والقرینۃ المعنویۃ۔ ثم لا یخفی ان فی الشعر صنعۃ تلمیح وہی من المحسنات۔

وَلِسَانًا وَیَدًا وَرِجلاً فَبِی یَسمَعُ وَبِی یَبصُرُ وَبِی یَبطِشُ وَبِی یَمشِی کہ فرضوں کے بعد سب سے بہتر عمل جو میری نزدیکی اور میری رضامندی کا موجب اور نجات کا سبب بن جاتا ہے وہ یہ ہے کہ میرا بندہ کثرت سے نوافل پڑھتا رہے۔ پس جب کہ میرا بندہ پیوستہ نوافل کے ذریعہ میری نزدیکی اور رضامندی ڈھونڈتا رہے تو اس کے حق میں اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اسے اپنا محبوب و مخصوص بنانے کے بعد میں اُس کا کان، اُس کی آنکھ، اُس کی زبان، اس کا ہاتھ اور اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں تو وہ اس حال میں پہنچ کر میرے ہی کان سے سنتا، میری ہی آنکھ سے دیکھتا، میرے ہی ہاتھ سے پکڑتا اور میرے ہی پاؤں سے چلتا ہے یعنی اس کے باطنی اور ظاہری اعضاء میری مرضی کے تابع بن جاتے ہیں اور وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو ربانی مقصد کے برخلاف ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس حال میں پہنچ کر اس کے ساتھ میری نصرت و مدد ہمرکاب رہتی ہے کہ اُس کا ظاہر و باطن جس چیز کا طلب گار اور خواہشمند ہو وہ ضرور ہو کر رہیگا۔ جیساکہ صحیح بخاری کی حدیث رُبَّ اَشعَثَ الخ سے اسکی تائید ہوتی ہے۔

یہ حدیثِ قدسی سمجھنے کے بعد متن کے شعر کا مقصد سمجھ لیجئے۔ حضرت خاکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت محبوبُ العالم ہمیشہ ہُشیار دم اور بیدار دل رہتے ہیں۔ آپ کی سانس غفلت و بے حضوری سے صادر نہیں ہوتی بلکہ آپ مقامِ شہود اور حضورِ تجلیاتِ الٰہیہ میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ یہ بڑا مقام آپ کو اس لئے حاصل ہوا کہ آپ متذکرہ حدیثِ قدسیہ کے مصداق ہو چکے ہیں۔ حضرت سیدنا و مولینا میر سید علی ہمدانی قدس اللہ اسرار نے متن کے شعر کا مطلب اس طرح ادا فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

ہر کو ندید رویش کور در دو عالم آمد ٭ آنرا کہ دیدہ واشد بلینا بود ہمیشہ

اور فرماتے ہیں ؎ از کنارِ خویش می یابم دمادم بوی یار
زاں ہمی گیرم ہمیشہ خویشتن را در کنار

واضح رہے کہ عارف باللہ اور ولی باصفا کو ہرگز اُسوقت تک دوامِ حضور حاصل نہیں ہو گا جب تک کہ وہ وحدتُ الوجود کے اونچے مقام تک نہ پہنچے۔

عارف است و کاین و باین ز سرّ وحدتش ؎ نیست مانع صورت چیزی کہ متکثر شد است

عَارِفٌ بِاللّٰہِ کَائِنٌ بِخَلْقٍ بَائِنٌ
لَمْ تَعُقْہُ الْکَثْرَۃُ عَنْ سِرِّ وُحْدَتٍ عَابِرًا

ترجمہ:۔ "آپ عارف باللہ ہیں۔ ظاہری طور مجالس و مخلوقات میں شامل اور دل کے اعتبار سے اُن سے الگ اور اللہ تعالیٰ سے واصل ہوتے ہیں"۔

شارح اپنے پیر کامل حضرت محبوبُ العالم کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ سچے طور پر خدا شناس ہیں کہ اس کی یاد اور ذکر و فکر کے ساتھ ہمیشہ ہوتے ہیں اور جس وقت آپ جلوت اور مجلسوں میں ہوتے ہیں اُس وقت بھی آپ کا دلِ مُبارک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ آپ مخلوقات و گوناگون تشخصات اور بے شمار تعینات و جزئیات کو مظاہر حق سمجھتے ہیں۔ اور ہر چیز کی طرف آپ چشمِ عبرت بین سے دیکھ کر اُس سے پند و نصائح حاصل کرتے ہیں۔ اس بنا پر جب عارف کے متعلق یوں سوال کیا جاتا ہے کہ مَنِ العَارِفُ ؟ عارف باللہ کی جامع تعریف کیا ہے ؟ اہل اللہ نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے :۔ ھو کائنٌ بائنٌ یعنی مع الخلق بالظاھر وبائنٌ عنھم بالسِّرّ۔ عارف باللہ وہ ہے جو بظاہر خلقِ خدا کے ساتھ رہتا ہو

؎ مرفوعٌ علی الخبر و اصلُ العبارۃ ھو کائنٌ مع الخلق بائنٌ منھم۔ وبائنٌ خبرٌ ثانٍ لھُو۔

؎ فی ھٰذا الشعر صَنعۃُ الطباق والتضاد وھو من المحسنات المعنویۃ عرّفھا مصنف تلخیص المفتاح۔ الجمعُ بین متضادین ای معنیین متقابلین فی الجملۃ۔ وھٰذا المعنی یحصل فی کاین وبایَن کما لا یخفی۔ ؎ المراد من سرّ الوحدت اَسرار وحدۃ الوجود واسرار الوھیۃ۔

؎ حالٌ من الضمیر المنصوب فی "لم تعقہ" ومعنی العابر ھٰھنا عبرت پکڑنے والا۔ ومنہ قولُ اھلِ العرب اللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ یعبرُ الدُّنیا ولا یعبرھا اے اللہ ہم کو ان لوگوں سے بنا جو دُنیا سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور بغیر تیری رضا مندی حاصل کئے جلدی مرتے نہیں وبابُہٗ سَمِعَ۔ کُلّ ذٰلِکَ مِن مِصباحِ اللّغات۔

اور دُنیا کی ذمہ داری بھی نبھاتا ہو اور زندگی کے ہر پہلو سے آگاہ ہو کر عملاً اس سے پورا وابستہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا دِل غافل نہ ہو اور ہر آن اور ہر سانس میں یادِ خُدا میں محو اور مستغرق ہو۔ اسی بنا پر بعض اربابِ حال نے فرمایا الصُّوفی کاینٌ باینٌ" حقیقی صوفی بظاہر خلقِ خدا کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے مگر اُس کا دِل اُن سے الگ اور ربُّ الارباب کی یاد میں مست ہوتا ہے اور وحدتُ الوجود کے رموز و اسرار کے ساتھ معمور و سرشار ہوتا ہے۔ متنوّع کلیّات اور قسم قسم جزئیات وحدتُ الوجود کے اسرار سے اُسے مانع نہیں بن جاتی۔ اور یہ وصف اور یہ کمال حضرت محبوبُ العالمؒ میں پورے طور پر پایا جاتا ہے۔

مُخلصان را صحبتِ او موجب جمعیت است تا یبان را بیعتِ او سدِّ اسکندر شُد است

صُحبَتُہُ الشَّیخ تکونُ رَوحَۃً لِلمُخلِصِین
بَیعَتُہُ لِلتَّائِبِینَ سَدُّ سِکَندَرَ مَنصَرٗ

ترجمہ:۔ "آں جناب کی صحبت اخلاص مندوں کے لئے اطمینانِ قلب اور پریشانی دور ہونے کی موجب اور سبب ہے اور سچے دِل سے توبہ کرنے والوں کے لئے آپ کی بیعت مدد اور قوت میں سکندر ذوالقرنین کی دیوار کی طرح ہے"۔

حضرت شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت محبوبُ العالم کی صحبت سے بشرطیکہ وہ اخلاص و نیاز اور عاجزی و انکساری سے ہو اطمینانِ قلب اور حضورِ دِل حاصل ہوتا ہے یہ آپ کے کامل و مکمل ہونے کا بڑا ثبوت اور برہان ہے کیونکہ صوفیاءِ کرام نے مُرشدِ کامل اور رہبرِ طریقت کی یہی علامت بتائی ہے کہ انکی صحبت و رفاقت سے نفسِ اَمّارہ کی کشمکش اور بوالہوسی دور ہو جائے اور دِل میں حضور اور عشقِ الٰہی کی آگ بڑھک جائے۔ اگر مُرشد کی صحبت سے یہ بات حاصل نہ ہو جائے تو اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ جیسا کہ اس میدان کا ایک شہسوار کہتا ہے۔

ع

با ہر کہ نشستی و نشُد جمع دِلت ٭ وز تو نرمید ند زحمت
زنہار ز صحبتش گریزان می باش ٭ ورنہ کُند روح عزیزان بحلت

کہ اگر مُرشد کی صحبت سے تم کو اطمینانِ قلب نصیب نہ ہو جائے اور اس کی توجّہ اور مہربانی سے

بشریت کے گندہ اور ناکارہ خطرات تم سے زایل نہ ہو جائیں تو ایسے مُدّعی ارشاد سے دور رہو جاؤ۔ ورنہ وہ تم کو مُکدّر اور خفت میں ڈالیگا۔

واضح رہے کہ اِس شعر سے بزرگوں کی صحبت کی افادیت اور پیرانِ طریقت سے بیعت حاصل کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اِشارہ ہے۔ اِن دونوں باتوں کے بغیر روحانی کمال اور نیک اعمال میں برکت اور خطراتِ بد سے نجات پانا بہت مُشکل ہے جس کی کچھ تفصیل ہم نے سیرتِ سُلطانُ العارفین حِصّہ اوّل میں کی ہے۔ اس وقت ہم حضرت پیر رومی رحمۃ اللہ کے اس شعر پہ کفایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :- ؎

بی عنایاتِ حق و خاصانِ حق ⁂ گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

کہ اللہ تعالیٰ کی ازلی عنایت اور اس کے مقرب اور پارسا بندوں کی رہبری و توجہ کے بغیر کوئی بھی بندہ قرب و نجات سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ چیز مُیسّر نہ ہو آدمی کیا اگر بالفرض فرشتہ بھی ہو اُس کا دفتر بھی سیاہ اور ناصاف ہو کر رہ جائے گا۔ اس لئے سعادتمند اشخاص قرآن و حدیث جانتے اور اُس کے مُطابق عمل کرنے کے باوجود مرشدِ کامل کی تلاش اور نیک لوگوں کی صحبت کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

سالہا شُد رخصتِ ارشاد و بیعت یافت لیک ⁂ مُحترز از شیخی و بابائی لنگر شُد است

مُذْ سِنِیْنَ نَالَ اِرْشَادًا وَبَیْعَۃَ الشُّیُوْخ

مِنْ دَعَاوِیْ وَعِظَامَۃٍ وَشُھْرَۃٍ نَافِرًا

ترجمہ :- آپ نے کئی سال سے پیرانِ طریقت اور اربابِ معرفت سے اَذکار و اَوراد کی اجازت و بیعت پورے تسلسل کے ساتھ حاصل کی ہے مگر کمال احتیاط یہ ہے کہ شہرت سے بچنے کے لئے اس کا اظہار عام نہ کیا۔ اور اسی طرح آپ شیخیت کے اِدّعاء اور لنگر سازی سے پرہیز فرماتے ہیں کیونکہ ان چیزوں سے آدمی کی شہرت ہوتی ہے جسے اہلُ اللہ اور خاصانِ خدا پسند نہیں فرماتے ہاں اگر اُنہیں شہرت و فتنہ میں پڑنے کا احتمال نہ ہو تب وہ بقدرِ ضرورت خانقاہوں، لنگروں اور مریدوں کی طرف بھی توجہ دیتے ہیں مگر ابتدائی احوال میں خلوت گزینی، گوشہ نشینی اُنہیں بہت

زیادہ بھاتی ہے جیسا کہ رسالۂ قشیریہ میں مذکور ہے:۔

مِنْ آدابِ المُرِیدِ مِنْ اَنْ لَا یتعرّضوا للتصدّرِ وَاَنْ یکونَ لهم تِلمیذٌ اَو مُرِیدٌ فَاِنَّ المُرِیدَ اِذا صارَ مُرادًا قبلَ خمودِ بشریّتِہ وسقوطِ آفاتہ فھو مَحْجُوبٌ عَنِ الحقیقۃِ لا ینفعُ اَحَدًا ارشادُہٗ وتعلیمُہٗ۔

(ترجمہ) مُریدوں کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تکلّف کر کے اپنی طرف سے کچھ نہ کہا کریں اور شاگردوں اور مُریدوں کے بنانے سے بھی کنارہ کش رہا کریں کیونکہ اگر مُرید بشریّت کی آلائش و جراثیم اور آفت و شہرت کی آگ بُجھنے سے پہلے مُراد اور شیخ بن جائے تو وہ خود حقیقت و اصلیت سے محجوب ہوگا اور اس کا قلب و دماغ ناصاف ہوگا۔ اس کا ارشاد و تعلیم ذرہ برابر فایدہ نہیں دیگی۔ مثل مشہور ہے "خُفتہ را خُفتہ کے کُند بیدار" سوتے ہوئے کو بیدار ہی ہوشیار کر سکتا ہے اور جو سویا ہو اور خوابِ غفلت میں پڑا ہوا ہو وہ دوسرے کو کیا بیدار کر سکتا ہے بلکہ وہ دوسروں کی گمراہی اور شقاوت کا سبب بن جائے گا۔

یہ وہ تشریح ہے جو قریب قریب مصنّف نے خود دستورُ السالکین میں اپنے قلم گوہر رقم سے فرمائی ہے۔ افسوس ہے کہ ایک طرف بزرگوں کی یہ تحقیق اور احتیاط اور دوسری طرف عصرِ حاضر کے مذہبی طبقہ کی طرف نظر ڈالئے خواہ وہ شریعت کے مقدس تخت پر متمکن ہوں یا طریقت کے سجادہ پر فایز ہوں تو ایمانداری سے معلوم ہو جائے گا کہ شریعت و طریقت کے بگڑنے اور عام لوگوں کے اسلام سے دور ہونے کے باعث یہی حضرات ہیں کہ خود حقیقتِ حال سے پورے نابلد ہونے کے باوجود امامت و خلافت اور دینی ولایت کا دعویٰ کر کے بندگانِ حق کو حق سے بیگانہ اور تہی مایہ بناتے ہیں۔

لے حرفُ جرٍ متعلّقٌ بفعلٍ بعدہٗ۔

ٹے فاعلہٗ ھُوَ المستترُ الراجعُ الی حضرۃِ الشیخ حمزۃ رحمۃُ اللہ علیہ۔

ٹے مع معطوفہٖ مفعولٌ بہٖ لِیَنالَ۔

ٹے مِن دعاوی مع معطوفیہٖ متعلّقٌ بِنافرا بعدہٗ۔

گرچہ اندر عالمِ ارشاد سر لشکر شد است — بیشتر خواہد ملومی و خمول و نیستی

رُبَّمَا يَهْوِي[1] الْمَلَامَةَ[2] وَالْخُمُولَ وَالْفَنَا
وَهُوَ فِي عَالَمِ إِرْشَادٍ[3] لَأَضْحَى[4] أَمْرَا[5]

ترجمہ :۔ "آپ منبع کمالات اور سرچشمۂ روحانیت ہونے کے باوجود شہرت وریا سے بچنے کی غرض سے عام طور پر ملامت، گمنامی اور فنا و نیستی کے خواہشمند اور طلب گار رہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ عامِ ارشاد اور ربانی لشکر (عرفا و کاملین) کے سردار اور بہت بڑے امیر ہیں۔"

حضرت محبوبُ العالم اخلاص کی بنا پر گاہ گاہ ایسے کام کرتے ہیں جو شریعت کے پورے طور پر مطابق ہوتے ہیں مگر لوگوں کے رسم و عادت کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس سے آپ کا مقصد عوام کی نظروں سے دور رہنا ہوتا ہے کیونکہ شہرت میں پڑنا اور عوام کے معاملات کے ساتھ شریک رہنے کی وجہ سے آدمی یادِ خدا سے غافل رہتا ہے۔ اس کے برخلاف خلوت گزینی میں ذکر و فکر کا بھی پورا وقت ملتا ہے اور شہرت و ریا سے بھی حفاظت ہوتی ہے۔ اسی نکتہ کی طرف آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے الخمولۃُ راحۃٌ لا یرضاھا واحدٌ والشّہرۃ آفۃٌ کلٌّ یرضاھا (کذا فی الشرح)

گمنامی اور تنہائی موجب راحت ہے مگر اسے ایک شخص بھی پسند نہیں کرتا اور شہرت اور حد سے زیادہ عوام کے معاملات میں گرفتار ہونے سے آدمی آفت اور غفلت میں پڑ جاتا ہے مگر سب لوگ اس کی طرف لپکتے ہیں۔

امام قشیری رحمۃ اللہ سورۂ بقرہ کی اس آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ

---

[1] مِن هَوِيَهُ يَهْوَاهُ هَوًى محبت کرنا، خواہش کرنا۔ صفت هُوَ۔
[2] لَامَهُ يَلُوْمُهُ لَوْمًا وَمَلَامًا وَمَلَامَةً فِي كذا وعلى كذا۔ ملامت کرنا۔ صفتِ فاعلی لائم وصفتِ مفعولی ملوم وملیم۔
[3] مصدرُ اَرْشَدَ يقال رَشَدَهُ وارشدہ الی کذا وعلیہ ولہ: ہدایت اور رہنمائی کرنا۔
[4] اللامُ للتاکید
[5] اسمُ تفضیلٍ مِنْ اَمَرَ والمعنیٰ ظاہرٌ۔

مِنَ الکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ الخ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ اَلْعُلَمَاءُ مُطَالَبُوْنَ بِنَشْرِ دَلَائِلِ العِلْمِ وَ الاولیاءُ مامورونَ بحفظ ودائع السِّرِّ فَاِنْ کَتَمَ ھٰؤُلَاءِ براھینَ العلوم اُلجِمُوا بلجامٍ مِنَ النَّارِ وَاِنْ اَظْھَرَ ھٰؤُلَاءِ مِنَ السِّرِّ عُوْجِلُوْا بِبِعَادِ الاَسْرَارِ وسلبِ مَا اوتوا مِنَ الانوارِ وَلِکُلٍّ حَدٌّ وَعَلٰی کُلٍّ اَمْرٌ۔

ترجمہ:۔ عُلمائے اسلام اِس بات کے مُکلّف ہیں کہ وہ دینِ اسلام کو دلائل و براہین سے پھیلائیں اور توحید و رسالت اور احکامِ شرعیہ کی حکمت و اصلیت بندگانِ خدا کے سامنے پیش کریں اور اس کے برخلاف اولیاء اللہ کو حکم ہے کہ وہ اپنے حاصل شدہ اسرار و معارف لوگوں سے چھپائیں اور انہیں ان پر واقف نہ کریں ورنہ فتنہ و فساد اور تعطّلِ شرائع ہونے کا خطرہ ہے۔ فرماتے ہیں پس اگر علماءِ دین احکام اور اوامرِ شرعیہ کو چھپائیں گے تو قیامت کے دن اُن کے مُنہ میں جہنم کی لگام ڈالی جائے گی کہ یہ کِتمانِ علم کی سزا ہے۔ اور اگر اولیاء اللہ اپنی کیفیات عوام کے سامنے ظاہر کریں گے تو اُن سے فوراً حاصل شدہ معارف و اسرار سلب ہونگے۔ ہر جماعت کے لئے ایک مقررہ حد ہے اور ہر ایک گروہ ان میں سے خاص خاص احکام کے تابع اور مُکلّف ہے۔

اسی اصل کی بنا پر حضرت سُلطانُ العارفین رحمۃ اللہ علیہ بھی گوشہ نشینی اور تنہائی کے طلب گار تھے۔ یہ آپ کے کمالِ اخلاص اور باخدا ہونے کی دلیل ہے۔ حضرات صوفیہ کی کئی جماعتیں ہیں جن میں سے ایک فرقۂ ملامیہ ہے وہ قصداً ایسا کام کرتے ہیں جس سے عوام اُنکی ملامت کرنے لگتے ہیں اس سے اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عوام پر ان کا کمال و جمال پوشیدہ رہے۔ اس فرقہ کے بھی تین گروہ ہیں:۔ (۱) آدمی خود اپنے معاملات میں ٹھیک ہو پھر بھی اگر مخلوق اس کو ملامت کرے تو اس کی مُطلق پروانہ کرے۔ مثلاً شیخ ابو طاہر حرمی ایک بار بازار میں جا رہے تھے۔ ایک آدمی نے ان سے کہا اے پیر زندیق کہاں جاتا ہے؟ اُن کے ایک مُرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا مگر پیر نے مُرید کو اس سے روکا اور جب گھر آئے تو مُرید کو بہت سے خطوط دکھائے جن میں اُن کو کسی نے شیخ زکی، کسی میں شیخِ زاہد، کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں

شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا اور مرید کو فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے۔ یہ سب القاب ہیں۔ لہٰذا کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لئے جھگڑا کیوں کیا جائے۔

(۲) دوسری وہ جماعت ہے کہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو۔ اور لوگوں کی ملامت کو روا رکھتی ہو کہ دنیا کی طرف مایل نہ ہونے پائے۔ مثلاً ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ رمضان کے مہینے میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے تو لوگوں نے بہت ہی اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا۔ اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے۔ انہوں نے اسی وقت علانیہ طور پر اپنی آستین سے ٹکیہ نکالکر کھانا شروع کر دیا۔ یہ اس لئے ان کے لئے جایز تھا کہ ابھی سفر کی حالت میں تھے مگر جب عام لوگوں نے ٹکیہ کھاتے دیکھا تو انکی ملامت کرنے لگے۔ ان سے برگشتہ ہو گئے۔ ابویزید نے قصداً ایسا کیا تا کہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں۔

(۳) تیسرا وہ گروہ ہے کہ ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہو اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو۔ یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو۔ یہ ہرگز جایز نہیں کیونکہ شریعتِ مقدسہ کے خلاف کرنا کسی بھی حال میں اور کسی بھی شخص کے لئے ہرگز جایز نہیں ہے۔ یہ حضرت سید علی ہجویری قدس سرہ کی تحقیق کا خلاصہ ہے۔

حضرت علامہ خاکی رحمۃ اللہ دستور السالکین میں ملامت کی فضیلت و سند کشف المحجوب مصنفہ حضرت سید علی ہجویری کا اقتباس نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"حق تعالیٰ صفتِ محبّان خود کردہ لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ یعنے ایشان از ملامت کنندگان نترسند، ملامتِ خلق غذای دوستانِ حق است و این قسم غیرت است کہ حق تعالیٰ محبانِ خود را از ملاحظہ غیر محفوظ دارد تا چشمانِ نامحرمان بر جمالِ ایشان نیفتد و ایشان نیز نظر بر جمالِ خود نہ کنند چہ ایشان نیکو کار و محبّ و محبوب حضرتند و نفس لوامہ بر ایشان تسلط نیابد الخ۔

یعنے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ملامت کرنے والوں سے نہیں ڈرتے کیونکہ لوگوں کی ملامت دوستانِ خدا کے لئے روحانی غذا ہے۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی عنایت اور غیرت ہے کہ وہ ان کو عوام کی نظروں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے تا کہ

نامحرموں اور نا اہلوں کی نظریں اُن پر نہ پڑیں اور یہ کہ دوستانِ خدا بھی اپنے جمال و کمال پر نظریں نہ ڈالیں تاکہ نفسِ امارہ اُن پر غالب نہ آجائے کیونکہ وہ ربُّ العالمین کے مُحبّ و محبوب ہیں۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ صوفیہ حضرات میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو نہ صرف خلق اللہ سے اپنا کمال و جمال چھُپاتی ہے بلکہ قصداً ایسا کوئی ناجائز کام کر بیٹھتی ہے جس سے عوام مسلمین نہ صرف اُن سے برگشتہ ہوجاتے ہیں بلکہ اُن کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اس سے وہ شہرت کے فتنہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اخلاص کی بناء پر اُن کے روحانی مدارج میں ترقی اور اضافہ ہوتا ہے۔

تنبیہ :- یہ تو با خدا حضرات کی حالت ہے کہ ارباب کمال ہونے کے باوجود لوگوں سے اپنا قیمتی جوہر چھُپاتے ہیں کہ کہیں شُہرت میں نہ پڑیں۔ دوسرے ہیں ہم کہ کمال و جمال سے بالکُل خالی ہونے کے باوجود عوام میں اپنے آپ کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا کہ ہم فی الواقع علمِ تصوّف کے مَنبع اور سرچشمہ ہیں۔ مقصود اس سے صرف یہ ہے کہ ملک میں ہمارا چرچا اور شہرت ہو۔ گویا خدا ہی نہیں اور آخرت کا کوئی نام و نشان ہی نہیں۔ مَعَاذَ اللہِ مِنْ ذٰلِکَ واستغفر اللہ تعالیٰ مِنْ قولٍ بِلَا عَمَلٍ ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ٭ کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

تا یابانِ صادقاں رامی کند توبہ قبول   طالبی کو یافت تلقین ذکر او ذکر شد است

تَوْبَۃَ اَھْلِ الصَّفَا یَقْبَلُ جِدًّا وَالَّذِیْ
نَالَ مِنْہُ ذِکْرَ تَلْقِیْنٍ لَاَضْحٰی اَذْکَرَا

ترجمہ :- "آپ اہلِ صفا اور سچے لوگوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور جس سچے ارادت مند نے آپ سے کوئی ذکر یا اجازت حاصل کی وہ بفضل اللہ بہت بڑا اللہ والا ہوگیا۔"

اس شعر میں مُرشدِ کامل کی دو صفتوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ وہ دونوں صفتیں یہ ہیں جو دونوں آنجناب میں پائی جاتی ہیں۔ پہلی صفت تو یہ ہے کہ لوگ جو آپ کے پاس توبہ

کی نیت سے اور اپنا مستقبل سنوارنے کے لئے آتے ہیں آپ اُن کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ اور اُن کو زجر و توبیخ یا اپنی درگاہِ فیض پناہ سے محروم نہیں بناتے۔ دوسری صفت جو آپ میں بطریقِ اَتم پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ طالبانِ حق اور راغبانِ صدق و صفا کو اُن کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اَذکار و اَوراد کی بھی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اِشارہ ہے کہ آں جناب بعض رسمی اور مقلد پیرانِ طریقت کی طرح ہر کس و ناکس کی توبہ قبول نہیں فرماتے اور ہر بوالہوس کو تلقینِ ذکر نہیں فرماتے بلکہ آپ پہلے طالبِ توبہ کے بارے میں اِستخارہ فرماتے ہیں اور روحانی طور پر معلوم کر لیتے ہیں کہ اس کی فطرت و قسمت میں سعادت و نجابت کے آثار بھی ہیں کہ نہیں ورنہ اگر آپ کو از روئے روحانیت یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں "زمینِ شورہ سنبل برنیارد ✽ درو تخمِ عمل ضایع مگرداں" والا قصہ ہے تو تب نہ تو اس کی توبہ قبول فرماتے اور نہ ایسے بوالہوسوں کو تلقینِ ذکر فرماتے ہیں۔ یہ مفہوم "صادقاں" کی قید سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ اسی کے قریب امام قشیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:-

"قبولُ قلوبِ المشائخ للمرید اصدقُ شہادۃٍ لسعادتہٖ"

حضرات مشائخ جب اپنے مُریدوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں تو یہی قبولِ توبہ اس بات پر بہترین گواہ ہے کہ وہ مُرید سعادت مند اور مقبولِ بارگاہِ اِلٰہی ہے۔ ورنہ یہ حضرات آسانی سے مُریدین اور طالبین کی توبہ قبول نہیں کرتے۔

نیز واضح رہے کہ متن کے شعر میں حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کی بھی پوری مدح و تعریف پائی جاتی ہے کہ آپ کو نورِ فراست اور قوتِ معرفت سے مُرید کا حال و انجام پہلے ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ آپ کی تلقین و تذکیر سے مُریدِ صادق بہت زیادہ ذکر و اَشغال میں رہتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ حقیقی عِلم تو وہ ہے کہ جس سے نفس میں اِصلاح، نرمی اور تواضع اور خدا طلبی حاصل ہو جائے جیسا کہ اِرشادُ المرشدین میں ہے کہ:-

"علمِ نافع آں است کہ در نفس تقویٰ و نیستی و تواضع زیادہ گردد و آتشِ طلب و شوق را مُشتعل گرداند۔"

"اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ عِلم فائدہ دیتا ہے کہ جس سے نفس میں تقویٰ، نیستی، نرمی و بردباری

اور خدا طلبی بڑھ جائے۔"

ورنہ جس علم سے یہ باتیں حاصل نہ ہوں وہ علم وبالِ جان اور باعثِ عذاب ہے اور سچ پوچھئے کہ جس علم سے خدا طلبی حاصل نہ ہو اس سے ناآشنا اور انجان رہنا اچھا ہے جیسا کہ حضرت سعدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ؎

جز ذکرِ دوست ہر چہ کنی عمر ضایع است — جز سرِّ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوی لوحِ دل از نقشِ غیرِ حق — علمی کہ راہ بحق ننماید جہالت است

مشائخ کرام ؒ کا خاص خاص اذکار و اوراد سے اپنے متعلقین کے دلوں کو چمکانا اور اُن کے دلوں سے ابلیسوں اور شیطانوں کے وسوسوں کو دور کرنا اور انہیں روحانی منازل تک پہنچانا یا سرفراز کرنا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ خود حضرت علامہ خاکیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے قول الجمیل میں ایک حدیث اس مضمون کی لائی ہے۔ یہ حدیث خصوصیت کے ساتھ مشائخ کے ہاں زیادہ مشہور و معروف ہے۔ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا عَلِّمْنِیْ عِلْمًا یُوْصِلُنِیْ اِلَی الرَّبِّ۔ کہ مجھے ایسا علم سکھایئے جو مجھے پروردگارِ کریم تک پہنچائے۔ آں حضرت ﷺ یہ سن کر نہایت محظوظ ہوئے اور فرمایا بہت وقت سے میرے دل میں اس بات کی خواہش تھی کہ میں تم کو ایسا علم و ذکر سکھاؤں مگر اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ پہلے تمہارے دل میں اسکی تڑپ ہو تاکہ اس کی برکت تم کو پہنچے اور اللہ تعالیٰ سے ملائے۔ اس کے بعد آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو روبقبلہ بٹھایا اور کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی ذکر کی تلقین فرمائی اور اس کے پڑھنے کا طریقہ سکھایا۔ حضرت علی نے امام حسین علیہ السلام کو، انہوں نے امام زین العابدین کو سکھایا۔ پھر اُن سے معنعن اور مسلسل طریقہ سے مشائخ کرام ؒ نے اس طریقہ کو حاصل کیا۔ اس سے صفائے قلبی اور خدا شناسی کا جذبہ حقیقی مرید کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ یہی پیری مریدی کا اصل مدعا اور مقصود ہے۔ اسی بنا پر اہلِ حق نے لکھا ہے کہ ذکر و اذکار اور اوراد و وظائف از خود پڑھنے سے اتنا نفع حاصل نہیں ہوتا جتنا کہ پیرِ کامل کی تلقین و اجازت سے اس کا فایدہ پہنچتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ تلقینِ ذکر کرنے والا اور رہبر خود بھی کامل و مکمل ہونا چاہیئے۔ خاص کر علم الشریعہ کا بھی بقدرِ ضرورت اسے علم حاصل

ہو۔ یہ صاف بات ہے کہ تم باغ میں درخت لگاتے ہو اور مطابق ہدایات موذی چیزوں اور مضر امور سے بچنے کے لئے اس کا علاج کرتے ہو اور دوائیاں ڈالتے ہو۔ درخت تھوڑے عرصہ میں میوہ دیتا ہے اور میوہ لذیذ ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ درخت زیادہ لمبا اور پُر حجم نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف جنگل کے خودرَو درخت میں یہ بات نہیں ہوتی اور اُس کا میوہ بھی نسبتاً لذیذ نہیں ہوتا۔ غرض دنیا میں جو نعمتیں خواہ وہ زمینی ہوں یا آسمانی مختلف واسطوں سے ملتی ہیں اسی طرح سلسلۂ روحانیت کا پورا حظ اور لذت اُسی وقت اُٹھاؤ گے جبکہ اس سلسلہ کے بزرگوں سے پہلے نفسِ امارہ کا علاج کراؤ گے۔ باقی رہا نفسِ ثواب وہ تو ہر صورت میں ملیگا۔ اس سے ہماری بحث نہیں، ہماری بحث صفائی قلبی اور روحانی ترقی کے متعلق ہے کہ تمام اعیانِ اُمت کا اس کے متعلق یہی اعتقاد ہے جو ہم نے عرض کیا ہے۔ مزید مطالعہ کے لئے دیکھو ہماری کتاب حالاتِ سلطان العارفین رحمۃ اللہ حصۂ اوّل۔ آپ اس وقت صرف اتنا سمجھ لیں ؎

از ذکر ہمہ نور فزاید مہ را ✿ در راہِ حقیقت آورد گمرہ را
ہر صبح و نماز شام وِردِ خود ساز ✿ خوش گفتن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ را

وِرد و ملک اور دعا ہائے معظّم بے شمار ہر کہ وِرد از وی حوالہ یافت مُستنصر شد است

شُغْلُہٗ بِالْوِرْدِ وَالْمَلِکْ دُعَاءٌ اَعْظَمْ
وَالَّذِیْ اسْتَجَابَ مِنْہُ یُوْجَدُ مُسْتَنْصِرًا

ترجمہ:۔ "آپ کے اوراد و اذکار بے شمار دعاؤں پر مشتمل ہیں جن سے آپ کی ظاہری اور باطنی

ا؎ قولہ توبۃ اھل الصفا" مفعول مقدم لیقبل وقولہ "والذی نال منہ ذکرا تلقین" مبتدأ وخبرہ "لاضحی اذکرا" واللام فی "لاضحی" للتاکید واذکرا منصوب لانہ خبر اضحی۔ ثم فی باب فضائل الذکر تدورت احادیث صحیحۃ فی الصحاح والسنن ترکنا ذکرھا وبیان فضائلھا اعتمادًا علی شہرتہا۔ فکن من الذاکرین والمذکرین والراغبین الی اللہ والمرغبین الیہ ولا تصغ الی بعض من یقول خلافہ والحق الجلی ما ذکرت لک انفا والحمد للہ ظاھرا وباطنا۔

حفاظت ہوتی ہے اور جس کسی نے آپ سے اذکار و اوراد کی اجازت حاصل کی اور پھر پابندی کے ساتھ آپ کے فرمانے کے مطابق اُن پر عمل کیا وہ یقیناً کامیاب ہُوا۔"

حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کا اکثر مشغلہ اوراد، حفاظتی اذکار اور بڑی بڑی دُعاؤں کے ساتھ رات دن رہتا ہے۔ ان اذکار اور محافظ وظائف پر آپؒ کا اتنا قابو اور ملکہ ہے کہ جو شخص بھی آپ سے ان اوراد و اذکار کی اجازت حاصل کر کے ان پر پابندی کریگا اور انکی شرطوں کی پوری رعایت رکھیگا وہ یقیناً کامیاب اور کامران ہوگا۔ حضرت شارحؒ ان اوراد کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ دُعای سیفی، دعای حزب البحر، دعای مونس اولیاء اور مسبعات عشر کے پورے پابند تھے کہ کبھی اُن کا پڑھنا ناغہ نہیں فرماتے تھے۔ چناں چہ ایسا ہوا بھی کہ جس کسی کو آپ نے اس قسم کے وظائف عطا فرمائے اور اس نے انکی پابندی کی تو وہ ضرور اس سے منصور و مظفر ہوا۔ اس اعتبار سے مستنصر کی ضمیر اور ضمیر و کا مرجع حضرت شیخ کا وہی مرید ہو سکتا ہے جس نے آپ سے وظائفِ مذکورہ کی تعلیم پائی۔ اور یہ ضمیریں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہیں۔ تب یہ معنیٰ ہونگے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ اس اجازت اور تحویل میں کامیاب ہوتے ہیں۔ کیونکہ وظائف اور اجازات کا اثر اور نتیجہ اسی وقت برآمد ہوگا جبکہ شیخ خود کامل و مکمل ہو ورنہ اجازت و وظیفہ سے کوئی نتیجہ خیز امر ثابت نہ ہوگا۔ ایسی ہی نتیجہ خیز اجازتوں کو اصطلاح صوفیہ میں دعوت کہتے ہیں مگر یہ واضح رہے کہ جیسا کہ مجیز کا کامل ہونا ضروری ہے اسی طرح مرید کا با اخلاص ہونا اور مرشد کی تعلیمات پر عمل کرنا بھی نہایت لابدی ہے۔ چناں چہ ایک درویش نے اپنے بزرگوار سے عرض کیا کہ مجھے اس بات کی نصیحت فرمائیے کہ میں کیا کام کروں، اپنا دوست کس کو بناؤں اپنی صحبت و رفاقت کے لئے کس کو منتخب کروں اور اپنا انس و محبت کس سے قائم رکھوں؟ مرشد کامل نے جواب دیا کہ اگر دوست چاہتے ہو تو خدا تعالےٰ تمہارے لئے کافی ہے۔ اگر صحبت و رفاقت کے طلب گار ہو تو کراماً کاتبین تمہارے لئے بہترین رفیق و مصاحب ہو سکتے ہیں۔ اگر مونس اور غم خوار چاہتے ہو تو تلاوتِ قرآن کریم نہ چھوڑو۔ اور اگر واعظ کو ڈھونڈتے ہو تو ملک الموت تمہارے لئے بہترین واعظ اور ناصح ہے۔ اس سے مرشدِ کامل کا یہ مقصد تھا کہ مرید ہمیشہ ذکرِ حق میں مشغول ہو جائے اور متبرک وظائف کو کبھی نہ چھوڑے۔

اسی کے قریب یہ حکایت بھی قابلِ غور ہے کہ ۔ دُو صوفی حضرت خواجہ حسن نوری کی ملاقات کے لئے سفر کو نکلے ۔ایک صوفی حیوانات کی زبان جانتا تھا، جب وہ حضرت خواجہ حسن نوری کے شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ دُو بلیاں آپسمیں یہ کہہ رہی ہیں کہ خواجہ حسن نوریؒ وفات پاگئے۔ انہوں نے فوراً اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ بلیاں یوں کہہ رہی ہیں۔ بہرحال جب دونوں صوفی شیخ کی خانقاہ میں پہنچے تو شیخ کو زندہ دیکھا اور انہوں نے بلیوں کی باتیں شیخ موصوف سے بیان کیں۔ شیخ نے یہ سُن کر ایک ٹھنڈی سانس نکالدی۔ فرمایا انہوں نے سچ کہا کہ آج میرے وظیفوں میں سے ایک وظیفہ چھوٹ گیا۔ یہ بھی مَوت ہی ہے۔ اس سے یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اوّل مرشد واقعی مرشد صاحب کمال اور مجاز ہو، بداَعمال اور بَد اَطوار نہ ہو۔ پابندِ شرع ہو اور مشائخ کرام کی محبت اور فیوض و برکات سے فیض یاب ہو۔ مُرید کو بھی چاہئیے کہ اُن کی ھدایات و اجازات پر پابندی کرے۔ تب اِن شاء اللہ اس کا فائدہ ہوگا۔

یہاں پر تین باتیں قابلِ ذکر ہیں ۔ وِرد کی تعریف، ملک کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ۔

مِصباح اللغات میں الوِرد کے یہ معنےٰ لکھے ہیں :۔ بُخار، پانی پر پہنچنا۔ وظیفہ۔ اس کی جمع اوراد۔ پیاس، پانی کا حصہ، وہ پانی جس پر لوگ پہنچیں، پانی پر پہنچنے والے لوگ یا اونٹ، لشکر، پرندوں کی ڈار۔ یہاں پر صرف وہ وظیفہ مُراد ہے جو کلماتِ مُعظّمہ کا نام ہے جنکی تعلیم پیر کامِل اپنے مُرید کو کرتا ہے ۔ اسی کی تعبیر حضرت شارح رحمہ اللہ نے طریقۂ پیغمبری سے کیا ہے اور وِرد جُزءٌ مِنْ شَیْئٍ کسی چیز کا کوئی حصہ بھی گاہے مُراد ہوتا ہے ۔ جیسا کہ قرأتُ وِردِی (میں نے اپنا حصہ پڑھ لیا) بولتے ہیں۔ وِرد کی اور بھی تحقیق حضرت شارح نے عالمانہ انداز میں فرمائی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ ہاں حضراتِ صوفیہ کو اس حدیث کا مطلب بیان کرنے میں بہت دِقت پیش آئی ہے ۔ حدیث یہ ہے صَاحِبُ الوِردِ مَلعُونٌ (وہ مخصوص وظیفہ والا لعنتی ہے) حضرت شارحؒ نے اس حدیث کو اُس یہودی یا آتش پرست پر محمول کیا جس کے متعلق کہا گیا تھا کہ یہ وظیفہ پڑھتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا بایں ہمہ وہ لعنتی ہے کہ ایمان سے ان کا دِل خالی ہوتا ہے اور تمام اعمال اسوقت مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہیں کہ جب پہلے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مقدس تعلیمات پر ایمانِ کامِل ہو۔ جب ایمان ہی نہ ہو تو وظیفہ کیا کریگا۔ تو اس اعتبار سے یہ حدیث خاص شخص پر محمول ہے ۔ بعض لوگ اس حدیث کو اُن

حکام پر محمول کرتے ہیں کہ جن کے دروازوں پر غریب و غرباء، حاجتمند اور رعایا اپنے ضروری کاموں کے لئے آئیں گے مگر یہ اُن کی طرف متوجہ نہ ہوں بلکہ اپنے وظیفہ پر جمے رہیں گے۔ تو ایسے لوگ وظیفہ کی وجہ سے لعنت کے مستحق نہیں ہیں بلکہ اس لئے کہ انہوں نے بندگانِ خدا کے واجبی حقوق پامال کئے کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے کہ یہاں دین بھی ہے دُنیا بھی۔ بادشاہی کے فرائض کے ساتھ شبانہ ربُّ الاَرباب کے دروازے پر ایستادہ گری بھی ضروری ہے۔

مَلک لغت میں حفظ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی تفسیر بعض علماء نے "حافظ اعمالِ بندگان" سے کی ہے تاکہ عدل و انصاف میں کسی قسم کی کمی بیشی قیامت کے دن نہ ہونے پائے۔ شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر مُلک سے وہ وظیفہ مراد ہے کہ جس پر وظیفہ خوان کا ظاہر و باطن اس طرح غالب آجائے کہ اگر وہ کسی خواب یا واقعہ میں کوئی ڈراؤنی صورت دیکھے تو وہ وظیفہ اس کو فوراً یاد آجائے اور اس کے پڑھنے سے وہ ڈراؤنی صورت دفع ہوجائے یا اگر کسی دن وہ وظیفہ اس سے ازدست ہوجائے تو وہ جسمانی صورت میں متمثّل بن کر اُس شخص کو بیدار کرے یا وہ وظیفہ اس میں ایسا تصرّف کرے کہ اس کی آواز حسِ ظاہری اور حسِ باطنی سے سُنے اور اس کی بعض خاصیّات کو مشاہدہ کرسکے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مِلک بکسرِ میم نہیں بلکہ بفتحِ میم و سکونِ لام ہے جس کے اصلی معنے اختیار کے ہیں جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا الخ اس کی تفسیر خازن نے بملكِ امرنا و قيلَ باختيارنا سے کی ہے۔ والمُناسبةُ ظاهرةٌ۔ بہرحال اس شعر کی تفصیل مطلوب ہو تو وِردُ المریدین کی شرح ملاحظہ فرمائیے۔

اب رہی تیسری بات یعنے مُسبعاتِ عشر۔ حضرت شارح رحمہ اللہ نے اُن کی تشریح کسی وجہ سے نہیں فرمائی۔ لہٰذا تتمیماً للفائدہ ہم من وعن ان کی وضاحت عوارفُ المعارف سے نقل کرکے پیشِ خدمت کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو عوارفُ المعارف کا ترجمہ:-

"صوفی کو چاہیئے کہ جب طلوعِ آفتاب قریب ہو تو وہ مُسبعاتِ عشرہ پڑھنا شروع کرے جو حضرت خضرؑ نے حضرت ابراہیم تیمی کو سکھایا تھا۔ انہوں نے یہ مُسبعاتِ عشرہ جناب رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے سیکھے تھے۔ لہٰذا جب کوئی ان کا ورد کرے تو تمام اذکار اور متفرق دعاؤں کو جمع

کرلیا کرے۔ یہ مسبعاتِ عشرہ دس چیزیں ہیں جو سات سات بار پڑھی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔
سورۂ فاتحہ سات بار، معوذتین یعنی قُل اعوذ برب الناس سات بار اور قُل اعوذ برب الفلق سات بار، قُل ھُوَاللہُ اَحد سات بار، قُل یاایہا الکافرون سات بار، آیۃ الکرسی سات بار سُبحانَ اللہ سات بار، الحمدُللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہُ اکبر سات بار۔ اور رسولِ اکرم ؐ اور آپ کی آل پر درود بھیجنے اور اپنے والدین، تمام مومن مردوں، عورتوں اور اپنی ذات کے لئے استغفار کرے اور سات دفعہ یہ دُعا پڑھے:۔

اللھُمَّ افعَل بی وَبِھِم عَاجِلاً و اجلاً فی الدین والدُّنیا والاٰخرۃ ما انت لہٗ اَھلٌ ولا تفعَل بنا یا مولٰینا مانحنُ لہٗ اھلٌ اِنکَ غفورٌ حلیمٌ جوّادٌ کریمٌ رءُوفٌ رَحِیمٌ۔

روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم تیمیؒ نے ان کلمات کو حضرت خضر علیہ السّلام سے سیکھ کر پڑھا تو انھوں نے خواب میں اپنے آپ کو بہشت میں دیکھا، وہاں فرشتے اور انبیاء علیہم السّلام بھی موجود تھے۔ انہوں نے بہشت کا کھانا بھی کھایا۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد انہوں نے چار مہینے کھائے بغیر بسر کئے۔ بعض کے نزدیک اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بہشت کا کھانا کھایا تھا۔
مُسبعات سے فارغ ہونے کے بعد وہ تسبیح و استغفار اور تلاوت میں مشغول رہے۔ یہ معمول اُس وقت تک جاری رہے جب تک آفتاب ایک نیزہ کے برابر بلند ہو۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا اگر میں ایک ہی مجلس میں نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہوں تو یہ فعل مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں چار غلام آزاد کر دوں۔

نمازِ اشراق کا وقت اور اہمیت

چونکہ بعض حضرات نے نیازمندے نمازِ اشراق کے وقت اور اس کی اصلیت و ثواب کے متعلق سوالات کئے ہیں اس لئے اس کا جواب عوارفُ المعارف کی درج ذیل عبارت سے دیا جاتا ہے:۔

"جب آفتاب اچھی طرح بلند ہو جائے تو اپنے مقام سے اُٹھنے سے پہلے دو رکعت نفل نماز ادا کرے کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اس وقت دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اگر اس دوگانہ نماز کو دلجمعی حضورِ قلب اور سمجھ کر پڑھا جائے تو اس سے پڑھنے والے کا باطن نورانی اور

پُرسکون ہوجاتا ہے بشرطیکہ اس میں خلوص اور صداقت ہو۔ اگر کوئی اس کا فوری ثواب اور برکت حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلی رکعت میں آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں اٰمَنَ الرَّسُوْلُ اور اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آخر آیت تک پڑھے۔ یہ نماز پڑھتے وقت اس کی نیت یہ ہو کہ شب و روز میں خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔ اس کے بعد مزید دو رکعتیں پڑھے۔ پہلی رکعت میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور دوسری رکعت میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے۔ یہ دوگانہ نماز اس لئے ہے کہ وہ رات دن کے شر سے محفوظ ہے۔ ان دو رکعتوں کے بعد وہ پناہ مانگنے کے لئے مندرجہ ذیل کلمات کہے۔

اَعُوْذُ بِاسْمِكَ وَكَلِمَتِكَ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ السَّامَّةِ وَالْهَامَّةِ وَاَعُوْذُ بِكَلِمَتِكَ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ عَذَابِكَ وَشَرِّ عِبَادِكَ. وَاَعُوْذُ بِاسْمِكَ وَكَلِمَتِكَ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ مَا يَجْرِيْ بِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ اِنَّ رَبِّيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔

پہلی دو رکعت کے بعد یہ پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَصْبَحْتُ لَا اَسْتَطِيْعُ دَفْعَ مَا اَكْرَهُ وَلَا اَمْلِكُ نَفْعَ مَا اَرْجُوْ وَاَصْبَحْتُ مُرْتَهِنًا وَاَصْبَحَ اَمْرِيْ بِيَدِ غَيْرِيْ فَلَا فَقِيْرَ اَفْقَرُ مِنِّيْ اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ بِيْ عَدُوِّيْ وَلَا تَسُؤْ بِيْ صَدِيْقِيْ وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّيْ وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِيْ وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ مَنْ لَا يَرْحَمُنِيْ. اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالنِّقْمَةِ وَتَبَدُّلِ النِّعَمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الذُّنُوْبِ الَّتِيْ تُوْجِبُ النِّعَمَ۔

ان دو رکعتوں کے بعد مزید دو رکعتیں اس نیت سے پڑھے کہ وہ اس کے دن رات کے اعمال کے لئے استخارہ ثابت ہوں۔ یہ استخارہ صرف دعا کے مفہوم کے مطابق ہے۔ ورنہ استخارہ جس کا احادیث میں ذکر ہے، وہ ہے جو کام کرنے سے پہلے پڑھا جائے۔ ان دو رکعتوں میں قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی سورتیں اور وہ دعا پڑھی جائے جس کا ذکر ہو چکا ہے آخر میں یہ کہے "میرے آج کے ہر فعل و عمل میں صبر عطا فرما۔"

اس کے بعد مزید دو رکعتیں پڑھی جائیں۔ پہلی رکعت میں سورۂ واقعہ اور دوسری رکعت میں

سورۃ الاعلےٰ پڑھی جائے۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھی جائے :۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَیَّ وَخَشْيَتَكَ اَخْوَفَ الْاَشْيَاءِ عِنْدِیْ وَاقْطَعْ عَنِّیْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِكَ وَاِذَا اَقْدَرْتَ اَعْيُنَ اَهْلِ الدُّنْيَا بِدُنْيَاهُمْ فَاقْرِرْ عَيْنِیْ بِعِبَادَتِكَ وَاجْعَلْ طَاعَتَكَ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ مِّنِّیْ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔

پھر مزید دو رکعت ادا کرے جن میں قرآن کریم کا مقرر ورد پڑھا جائے۔ بعد ازاں اگر کوئی دُنیاوی کاموں سے آزاد ہو تو چاہیئے کہ وہ دوپہر تک نماز، تلاوت اور اوراد و اذکار میں مصروف رہے اور اگر اپنے یا اہل و عیال کے لئے روزی کمانے میں مصروف ہو تو وہ اپنے کام پر جائے مگر جانے سے پہلے گھر سے نکلنے کی دو رکعت نماز ادا کرے بلکہ اس کا ہمیشہ یہ ورد ہونا چاہیئے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر گھر سے نکلا کرے تاکہ اللہ تعالےٰ اسے باہر نکلنے کی بُرائیوں سے محفوظ رکھے۔ اسی طرح گھر میں آنے سے پیشتر بھی دو رکعت نفل ادا کرے تاکہ اللہ تعالےٰ اُسے گھر میں داخل ہونے کی بُرائیوں سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد گھر میں داخل ہو کر اپنی بیوی اور دوسرے گھر والوں کو سلام کرے اور اگر گھر میں کوئی بھی نہ ہو تو اس صورت میں بھی سلام کرے اور یہ کہے :۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

آفتابِ عالمِ ارشاد و تکمیل است لیک — ناقص از نقصانِ خود خفاش وش اعور شد است

شَمْسُ[1] اِرْشَادٍ وَّتَكْمِيْلٍ هُوَ فِی الْعَالَمِ
وَالْبَلِيْدُ[2] صَارَ مِنْهُ كَالْخُفَّاشِ[3] اَعْوَرًا[4]

---

[1] قولہ "شمس ارشاد" خبر لمبتدأ محذوف ای ھو شمس ارشاد و تکمیل۔

[2] البلید الاحمق، قلیل العقل ۔ [3] الخفاش : چمگادڑ۔ اس کی جمع خفافیش آتی ہے۔ یہاں پر ضرورتِ شعری کی وجہ سے لفظاً حذف کی گئی۔ اصل میں خَفَشَ خفشاً کے معنے چھینکنے کے آتے ہیں۔ اس معنے کے اعتبار سے باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے مستعمل ہوتا ہے اور کبھی سَمِعَ یَسْمَعُ سے کمزور ہونا، پیدائشی کمزور ہونا۔ اور صفت خفش و اخفش آتی ہے۔

[4] قولہ "اعورا" منصوب لانہ خبر صار ۔

ترجمہ:۔ "آپ (حضرت محبوب العالمؒ) واقع کے لحاظ سے عالمِ ارشاد و تکمیل کے آفتابِ عالمتاب ہیں مگر ناقص اپنے نقصان اور نادانی کی وجہ سے چمگادڑ کی طرح آپ کے نورِ ہدایت کے پانے اور حاصل کرنے سے اندھا ہوگیا ہے۔ یہ تو اُسے اپنا قصور ہے ورنہ آنجناب کے ارشادات و کمالات اصحابِ بصیرت کے دلوں میں پیوستہ ضَو فشانی کر رہے ہیں"۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بُخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں لکھا ہے کہ صوفیاءِ کرام کی تین قسمیں ہیں:۔ (۱) صوفی مقلّد، کہ جو کچھ اپنے بزرگوں سے سُنا، اُس پر عمل کیا اس سے آگے اس کا کوئی کام اور مقصد نہیں ہوتا۔ (۲) صوفی کامل وہ ہے جس نے بزرگوں سے بہت کچھ سُنا اس پر اچھی طرح عمل بھی کیا یہاں تک درجۂ کمال کو پہنچا مگر خود تو کامل ہوگیا اور دوسرے کو درجۂ کمال تک پہنچانا اُس کے بس اور طاقت میں نہ ہو۔ (۳) وہ صوفی کامل و مکمل ہے جو خود بھی کامل ہو اور دوسرے کو بھی کامل بنا سکے اور اپنے طالب اور مرید خاص کو بھی درجۂ کمال تک پہنچا سکے اور اس قسم کے شیوخ اور اربابِ باطن بہت کم ہوتے ہیں کہ خود بھی کامل ہوں اور دوسرے کو درجۂ کمال تک پہنچا سکیں۔ اس کے متعلق حضرت خاکی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ آنجناب مقاماتِ سلوک کے اعلیٰ مقام پر فائز المرام ہیں۔ خود کیا بلکہ موصوف اپنے سچے مریدوں کو بھی درجۂ کمال تک پہنچاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جن لوگوں کو آپ کا یہ بلند مقام دکھائی نہ دے تو ان کی مثال چمگادڑ کی سی ہے جو آفتاب کا نور دیکھنے سے عاجز اور معذور ہے۔ ظاہر ہے کہ آفتاب ہمیشہ نور افشانی کرتا رہتا ہے مگر چمگادڑ کے انکار یا اُس کے نورِ آفتاب نہ دیکھنے کی وجہ سے آفتاب کے کمال میں کوئی نقصان اور کمی نہیں ہے۔ خواجہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ارشاد و تکمیل کی دو شرطیں ہیں یعنی رہبرِ کامل و مکمل اس وقت تک آدمی نہیں بن سکتا جب تک اس میں درج ذیل دو شرطیں نہ پائی جائیں:۔ (۱) ایک تو مرشد اپنے عملوں اور اجازتوں کا پورا یقین رکھتا ہو کہ یہ اُن کی فیض و برکت سے مقصد کے قریب ہوجائے گا اور اُسے مقصد ضرور حاصل ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ظاہری اشغال و اعمال اس کو شہودِ الٰہی اور حقیقتِ حال کی آگاہی سے اُسے مانع بن جائیں۔ جب کوئی صوفی اس درجہ کو پہنچ جائے تب صوفیہ کی اصطلاح میں اُسے بالغ کہتے ہیں۔ خواہ بظاہر اس کی عمر تھوڑی ہو یا بہت۔ اس مقام پر حضرت خاکیؒ فرماتے ہیں:۔ "اگر کوئی یہ شخص یہ سوال

کرے کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ حضرت محبوب العالمؒ کامل اور مکمل ہیں؟ فرماتے ہیں ہم اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ ہم نے بزرگانِ دین سے مرشدِ مکمل کی جو علامتیں اور نشانات کتابوں میں پڑھے اور دیکھے ہیں وہ تمام علامتیں آپ پر ایک ایک کر کے صادق اور منطبق ہو رہی ہیں اور پھر ہم نے اپنی آنکھوں سے آپ کے حالاتِ طیبات ملاحظہ کئے ہیں۔ ان سے ہم بلاشبہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ماشاء اللہ آپ ارشاد و اجازت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ حضراتِ صوفیہ رحمہم اللہ مرشدِ کامل و مکمل کو آفتاب کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اسی بنا پر مصنف نے آپ کو آفتاب قرار دیا ہے۔ کہ آفتاب ظاہری آنکھوں کو منور کرتا اور بینائی بخشتا ہے۔ مرشدِ حق اور رہنمائے شریعت و طریقت دل کی آنکھوں کو منور کرتا ہے۔ شکوک و شبہات سے نکالکر یقین و معرفت تک پہنچاتا ہے اس لئے اُسے آفتاب کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح رہنی چاہیئے کہ مُرشد کی طرح مُرید کی بھی تین قسمیں ہیں۔ (۱) حقیقی (۲) رسمی (۳) صوری۔

مُریدِ حقیقی وہ ہے کہ جو اپنے مُرشد کی ظاہر و باطن اور قول و فعل میں اِتباع و پیروی کرے رسمی مُرید وہ ہے جو بقدرِ طاقت و امکان اپنے آپ کو رہبرِ کامل کے ظاہر و باطن میں مُشابہ بنائے۔ مُریدِ صوری وہ ہے جو کہ صرف ظاہر میں اپنے مُرشد کی نقل اُتارے اور اُمیدوار ہو کہ اسی ظاہری نقل و مشابہت سے اللہ تعالیٰ اس کو نیک بخت بنائے جیسا کہ حدیثِ شریف میں آیا ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کہ آدمی قیامت کے دن اُن لوگوں کے ساتھ ہو گا جن کی محبت سے دُنیا میں وہ سرشار ہو

کشورِ کشمیر اور امولد و مسکن شُد ہمولدِ این مخلص او ہم ہمیں کشور شد است

اَصْبَحَ الْكَشْمِيْرُ مَوْلِدُ اٰلِهٖ وَمَسْكَنًا
مَوْلِدُ هٰذَا الْفَقِيْرِ اَضْ اَيْضًا كَشْمَرًا

لہ اصلُ العبارۃ انّ کشمیر اصبح مولدًا ومسکنًا لہٗ۔ فالحرف الجارّ متعلّقٌ بکلٍ واحدٍ من المعطوف علیہ والمعطوف کما لایخفی وھما ای المعطوف علیہ والمعطوف منصوبان علٰی انّھما خبرانِ لاصبح۔ وقولہ اض ایضًا۔ مصدرٌ اض یُستعمل کثیرًا بغیر فعلٍ والظھر المترجم ھٰھنا فعلہٗ للضرورۃ الشعریۃ وحذف الیاءَ من کشمیر کما حذف الماتنُ رحمہ اللّٰہ لاجل ھٰذہ الضرورۃ۔ واللّٰہ اعلم۔

ترجمہ :- "حضرت محبوب العالمؒ کی جای پیدائش اور سکونت گاہ مُلکِ کشمیر ہے۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کے اس مُخلص اور مُرید کا وطن بھی یہی خطۂ کشمیر ہے۔"

حضرت خاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آں جناب کی پیدائش گاہ اور وطن ملکِ کشمیر ہے اور میری جای پیدائش اور وطن یہی خطۂ کشمیر ہے۔ جس طرح پیر کامل اور مُرید با اختصاص اعتقادات و خیالات میں وحدتِ تامہ رکھتے ہیں اسی طرح وطنیت میں بھی وحدت دیکھتی ہے جس سے اور بھی زیادہ موانست اور اُلفت بڑھ جاتی ہے۔ آں جناب کی جای پیدائش علاقۂ زینہ گیر تجُر میں ہے۔ یہیں پر آپ کے والد ماجد حضرت باباعثمان رینہ اور آپ کے دادا زیتی رینہ کی پیدائش بھی ہوئی ہے اور وہ تجُر میں ہی آسودہ اور آرام فرما ہیں۔ اس جگہ ان بزرگوں کے کچھ آثارِ متبرکہ بھی موجود ہیں، جن کی نشان دہی ہر سال عرسِ مبارک کے وقت کرائی جاتی ہے اور حق یہ ہے کہ یہ جگہ قابلِ دید ہے چونکہ ہم نے علیحدہ کتاب میں آپ کے اور آپ کے اسلافِ کرام کے حالات لکھے ہیں اس لئے اس مقام پر کوئی اور بات عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مطالعہ کا شوق ہو تو ہماری کتاب سلطانُ العارفین حصۂ اول کا مُطالعہ فرمایئے۔

این گواہی گو بہر محضر دہیدای جن وانس   کاین فقیر از جان غلام آنکہ محضر شد است

جِنٌّ وَ اِنْسٌ اِشْهَدُوْا لِیْ فِی النَّوَادِیْ کُلِّهَا
اَنَّمَا صِرْتُ لَهُ الْمُرِیْدَ حَقًّا فَاخِرًا

"ترجمہ :- اے جِنّو! اور انسانو! ہر مجلس اور ہر مقام میں اس بات کی گواہی دو کہ میں سچے دل سے اُس پاکیزہ لقا پیر کامل کا پورے اخلاص و فخر کے ساتھ مُرید بن چکا ہوں۔"

جنّ و انس مُنادیٰ حرفِ ندا محذوف۔ اصل میں یا جنُّ و یا انسُ تھا۔ جن اور انس اسمِ جنس ہیں۔ جنس سے حرفِ ندا حذف کرنا اگرچہ زیادہ طور پر مستعمل نہیں ہے مگر پھر بھی بطورِ شاذ اسمِ جنس سے حرفِ ندا کا حذف کرنا ثابت ہے۔ خاصکر جہاں ضرورتِ شعری ہو۔

مَحْضَر : حضرت شارحؒ فرماتے ہیں پس محضر اول بمعنی مجلس اول اسم مکان است یعنی جای حاضر شدن مرد ماں۔ کہ پہلا محضر بمعنے مجلس اسم مکان ہے کہ جہاں پہ لوگ جمع ہوتے ہیں

اور دوسرا محض مصدر میمی ہے یعنی نکو حضور و نکو دیدار، اچھی طرح حاضر ہونا اور بہترین دیدار کا نام ہے۔ حضرت مصنف اس شعر میں تمام جنوں اور تمام انسانوں کو (جنمیں انبیاء، اولیاء، رجالِ غیب اور تمام متقدمین و متاخرین داخل ہیں مخاطب بنا کر فخر و مباہات کے ساتھ فرماتے ہیں کہ مجھے جو ارادت و اعتقاد اس پیر رہبر کے ساتھ حاصل ہے تم بھی اس پر گواہ رہو کہ میں اس اظہار میں سچا ہوں۔ نیک کاموں پر باخدا انسانوں اور ملائکہ کو گواہ بنانا صوفیہ حضرات کے کلام میں شایع اور ذایع ہے جیسا کہ اورادِ فتحیہ میں ہے وَاشْهَدْ اَبَا کَاتَانَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الخ (ترجمہ :- اور اے کراماً کاتبین! آپ بھی اس بات پر گواہ رہیں کہ ہم بجان و دل اقرار کرتے ہیں کہ معبودِ برحق صرف ذاتِ پاکِ حضرت اللہ ہے۔)

فوائد السالکین میں حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے :-

" ارادت دولتے بزرگ و سعادتی شگرف است و از پرتوِ صفاتِ لاہوتی است نہ از صفاتِ ناسوتی است چہ صفتِ مریدی از صفاتِ ذاتِ حق تعالیٰ است بر روحِ بندہ کہ حضرت حق تجلی بدیں صفت کند نورِ ارادت در دلِ آنکس ظہور یابد مرید گردد "۔

فرماتے ہیں کہ " بزرگوں کی ارادت اور اُن سے اخلاص سے پیش آنا بڑی دولت اور بہترین سعادت ہے۔ یہ عالمِ لاہوت کے پرتووں میں سے ایک پرتو ہے۔ اس کا تعلق عالمِ ناسوت اور عالمِ مادی کے ساتھ نہیں ہے۔ کیونکہ ارادت اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ہے جس کا ورود تجلیاتِ ربانی سے بندہ کی روح پر ہوتا ہے اور باخدا انسانوں کا وہی شخص مرید اور مخلص بن سکتا ہے جس کے دل میں ارادت مندی کا نور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضان ہو جائے۔

اس بنا پر حضرت خاکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری ارادت مندی اپنے پیرِ کامل کے ساتھ عنایتِ الٰہی ہے جس کا میں تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ لہٰذا اے انسانو اور جنو! تم بھی میری اس ارادتمندی پر گواہ رہو۔ آپ بھی ذرا غور فرمایئے کہ حضرت خاکی اپنی نسبت و اخلاص پر فخر کرتے ہیں۔ مگر آج کل بزرگوں سے نسبت و اخلاص کی توقع کہاں؛ ہاں اس زمانے میں بزرگوں اور باخدا انسانوں کی ہجو اور عیب جوئی کرنا کمال جانا جاتا ہے۔ "ببیں تفاوتِ رہ از کجا تا بکجا"۔

پھر مرید کی دو قسمیں ہیں :- (۱) مرید اسمی (۲) مرید حقیقی۔ مرید اسمی وہ ہے کہ جس کو پیر کامل

کلماتِ طیّبات کی تلقین کر کے یوں کہے کہ اہلِ سنت و جماعت کے طریقہ کے پابند رہنا اور منہیات و بدعات سے دور رہنا۔ مُریدِ حقیقی وہ ہے جس کو پیر کامل پہلے توبہ و ارادت کے فوائد سے نوازے اور فرمائے کہ تم ہماری صحبت میں رہنا اور ہم تمہاری صحبت میں رہیں گے۔ اور اگر پیر طریقت تلقینِ توبہ کے وقت یہ نہ فرمائے بلکہ اپنے حال و مراقبہ میں ایسا فرمائے تو وہ بھی مُریدِ حقیقی کے قریب قریب ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ارادت مندی اور حقیقی پیری مُریدی عنایتِ الٰہی ہے کہ پیر کامل اپنے مُرید کو نفسِ امّارہ کے ناجائز اور اس کے سوار ہونے سے بچاتا ہے اور تمام سلف صالحین اس کے پابند تھے اس سے انکار مُکابرت اور ہَوا پرستی ہے مگر آج کل کی پیری مُریدی جس کا حاصل مُریدوں کے لوٹنے اور ان پر ڈاکہ زنی کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں، اسلام میں اسکی کوئی اصلیت نہیں ہے مگر اب بھی بہت سے اللہ والے ہیں کہ مُریدوں کی تلقین و تربیت محض اللہ تعالےٰ کی رضامندی کے لئے کرتے ہیں۔ لہٰذا سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا ٹھیک نہیں ہے اور اسکی پوری تفصیل شرح میں مذکور ہے اور یہ بات واضح رہے کہ ارادت کی حقیقت حضرت سیدنا و مولینا شیخ عبد القادر الجیلانی رضی اللہ عنہ نے غُنیۃ الطالبین میں ان لفظوں میں کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

فَبَانَ بِذٰلِكَ اَنَّ حَقِيْقَةَ الْاِرَادَةِ اِرَادَةُ وَجْهِ اللّٰهِ فَحَسْبُ دُوْنَ زِيْنَةِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاُخْرٰى۔ "ارادہ سے مُراد اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ کرنا ہے اور اُس سے دنیوی زندگی اور اُخروی زندگی کی زینت کا ارادہ کرنا مُراد نہیں ہے۔" آگے فرماتے ہیں کہ سچا مُرید وہ ہے جس میں یہ صفت موجود ہو۔ فَتَفَكَّرْ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمَغْرُوْرِيْنَ ؂

پیرِ من حقّانی است و ہست لازم پیرویش ٭ زانکہ از بہرِ سلوک او راست چوں مسطر شدست

مُرْشِدِی الْحَقَّانِیُّ اِتِّبَاعُهٗ لِیْ فَرْضُ عَیْنْ
فَلِاَجْلِهٖ تَجَلّٰی لِلسُّلُوْكِ مِسْطَرْ[1]

---

[1] قوله مُرشدی خبر لمبتدءٍ محذوف وهو الراجع الی الشیخ رحمه الله۔ الحقانی صفته وقوله اتباعُهٗ خبره وقوله فرض عینٍ معناه عند الفقهاء ظاهرٌ وعلیك ان تسکّن النون من عین للضرورة الشعریة

۱ انظر الصفحة الآتیة

ترجمہ:۔ "آپ میرے خدائی رہبر ہیں اور آپ کی اتباع و پیروی نہایت ضروری ہے کیونکہ علم سلوک کے طلب گاروں کے لئے آپ مسطر کتابت کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جس طرح مسطر سطروں کو ٹیڑھا ہونے سے بچاتی اور حفاظت کرتی ہے اسی طرح آپ کی ھدایت و رہبری سے بھی کجروی اور گمراہی سے نجات مل جاتی ہے۔"

حقانی حق کی طرف منسوب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کے معنے سزاوار اور رہبری کے لائق ہونے کے آتے ہیں۔ اسی سے حقیقت واقعیت کو بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح لفظ بول کر وہ معنیٰ مراد لینا جس کے لئے واضع نے اُسے وضع کیا ہو حقیقت کہلاتا ہے اور لفظ بول کر معنے غیر موضوع لہ مراد لینا مجاز کہلاتا ہے۔ حقیقۃ الشیئ چیز کا منتہیٰ اور اصل۔ اس کی جمع حقائق آتی ہے۔ حق کے معنیٰ سچائی، راستی، انصاف، ثابت شدہ حصہ، مال اور ملک، ہوشیاری، فیصل شدہ معاملہ اور موت کے بھی آتے ہیں۔ ھُوَحَقٌ بِکذا کے معنے وہ اس کے لائق ہے۔

توقیع العارفین میں لکھا ہے کہ شیخ برحق وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف پہنچنے کا راستہ جانتا ہو اور اس نے اس کے منازل پہلے خود طے کئے ہوں۔ ایسا ہی پیر مُریدوں کو ٹھیک راستہ اور صراط مستقیم پر لگا سکتا ہے۔ ورنہ مُریدوں کو بھی گمراہ بنائے گا۔ ایسے ہی پیر طریقت کی اتباع و پیروی لازم ہے اور مُرید کو چاہیئے کہ ایسے سچے رہبر طریقت کا تصوّر اس طرح کرے جیسا کہ کاتب کتابت کے وقت سطروں کے ٹیڑھا ہونے کے خطرہ سے مسطر کا تصوّر اور دھیان رکھتا ہے اور اپنے قلم کو قائم کردہ مسطر کتابت کے مطابق حرکت دیتا ہے۔ مصباح وغیرہ میں لکھا ہے المسطرۃ والمسطرۃ لکیریں کھینچنے کا رولر۔ اس کی جمع مَساطر آتی ہے۔

حضرت شارح قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ پیر حقانی سے وہ رہبر کامل مراد ہو جو محقق ہو اور اپنے نورِ بصیرت سے حق و باطل اور مفید و غیر مفید میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور کمالِ معرفت سے مُریدوں کے مزاج اور اُن کے مُناسب علاجوں سے واقف ہو۔ جب

وقولہ فلاجلہ الخ علۃ لما قبلہ وقولہ مسطراً منصوب بنزع الخافض ای لجلی للسلوک کالمسطر للکتابۃ وقد اوضحنا معنی السلوک من قبل وسنفصلہ فی بعض الابیات الآتیۃ ان شاء اللہ تعالیٰ ؞

رہبر طریقت اِس درجہ پر فائز ہو تو اس کی اطاعت و فرمانبرداری ایسی ہی ضروری ہے جیسی کاتب کے لئے ہر مسطر کی پیروی ضروری ہے۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیرِ حقانی سے مُراد وہ خدا رسیدہ بزرگ ہو جو از خود فنا ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے ساتھ باقی اور واصل ہو۔ لہٰذا ایسا رہبر جو مُرید کی رہبری فرمائے وہ اس کے لئے بلا شبہ ربانی خلعت و عنایت ہے اور جہاں مُرید جائے گا وہ اس خلعت کی حفاظت و حمایت میں ہو گا اور ایسے رہبر کے خِلاف کرنا موجب کُفر ہے۔ مگر افسوس کہ اب ایسے حقانی کہاں۔ اس وقت تو ہم مار گزیدہ کی طرح ہیں مگر تریاق نہیں بلکہ اب روحانی بیماروں کو پیرِ حقانی نہ مِلنے کی وجہ سے تریاق نہیں بلکہ اکی جگہ زہر اور سمِ قاتِل دیا جاتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بیمار اور بھی زیادہ بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور یہ ضرور ہے کہ میدان خالی ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ طریقت و پیشوائی کے مُدعی ہیں مگر ان کے ظاہر و باطن پر نظر ڈالئے تو آپ خود فرمائیں گے ؎ ایں مُدعیاں در طلبش بے خبر انند ÷ کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

ہاں اس زمانہ میں بھی کچھ لوگ صوفیائے کرام اور دوستانِ خدا کی طرح باتیں کرتے ہیں۔ اور اپنے ظاہر کو بزرگوں کی شکل وصورت میں پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں لہٰذا طالبِ حق کو ان کی باتوں میں نہ آنا چاہیئے۔ بایں ہمہ انکار بھی نہیں کر سکتے اس لئے کہ طالبین آخرت اور سعادت مندانِ ازلی کو چاہیئے کہ وہ پہلے علمِ تصوّف کی کتابوں کا خود مُطالعہ کریں تب سوچ سمجھ کر کسی مردِ حق آگاہ کے دستِ حق پر بیعت کریں۔ صِرف کسی کی بھی باتوں میں مبتلا نہ ہو جائیں کیونکہ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسا کہ فتوح الغیب کی شرح میں لکھتے ہیں ؎

پوشیدہ مُرقع اند ایں خامی چند ÷ نا رفتہ براہِ صدق وصفا گامی چند

بگرفتہ بطامات الف لامی چند ÷ بدنام کُنندۂ نکو نامی چند

ایضاً: درکسوت خاص آمدہ عامی چند ÷ بدنام کُنندۂ نکو نامی چند

سخن وحدت آنکہ از عامی ÷ زانچہ خیزد بغیر بدنامی

لہٰذا پیرِ کامِل کے لئے علمِ دین سے واقف ہونا نہایت لابدی اور پھر اس کی اتباع ہی اکی صداقت وہدایت کی نشانی ہے۔ یقین رکھنا چاہیئے کہ پیرِ کامِل کی رہنمائی کے بغیر آتا رُشد وہدایت اور برکات

وثمرات بہت کم نصیب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت شارح قدس اللہ سرہٗ نے خود فرمایا ؎

ہر کہ سر بر خطِ فرمانِ دلیلے ننہد ٭ کی مُیسّر شودش روی براہ آوردن

ہر کہ خواہد بسر منزلِ مقصود رسد ٭ بایدش پیروئ راہ نمایاں کردن

پیر کامل کی اِطاعت حقیقت میں حضرتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت ہے اور آپؐ کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اِطاعت اور موجبِ سعادت ہے۔

ہاں یاد رکھنا چاہیئے کہ پیر کامل کا اصلی کام خطرات اور وساوسِ قلب سے نہ صرف حفاظت کرنا بلکہ مُریدوں کے دِل کو اَنوارِ الٰہی اور اَسرارِ ربّانی سے مزیّن کرنا بھی ہے۔ پس جس طرح دوسرے علوم وفنون سیکھنے کے لئے اُستاد کی ضرورت ہے اسی طرح باطنی کمالات کے لئے رہبرِ طریقت کی اشد ضرورت ہے۔

وقتِ بیعت چوں یدِ بیضای آں عیسیٰ نفس
دَاد دستم در زماں دِل زندہ وَانور شدہ است

ذَاکَ عِیسَی النَّفَس لَمَّا مَدَّ اَیدِیَهِ اِلَیَّ
عِندَ بَیعَةٍ بِفَورٍ صَارَ قَلبِی اَنوَرَا

ترجمہ۔ آں مسیحا وصف پیر صداقت تنویر نے جب بیعت لیتے وقت اپنے مبارک ہاتھ میری طرف دراز کئے (مجھے اپنا مرید بنالیا) تو بلا کسی تاخیر کے میرا مُردہ دل زندہ اور روشن ہوگیا۔

خُلاصہ: حضرت خاکی قدس سرہٗ اپنے پیر کامل کو حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ اس امر میں تشبیہ دیتے ہیں کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو باذن اللہ زندہ فرماتے تھے اسی طرح ہمارے پیر کامل بھی اپنے انفاسِ قدسیہ سے مُردہ دِلوں کو نورِ ایمان بخش کر زندہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ اپنا حال بتلاتے ہیں کہ بیعت ہوتے ہی میرا دل زندہ اور منوّر ہونے لگا۔

کچھ جدت پسند لوگ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث ہوتے ہوئے پیری مریدی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے القول الجمیل میں اس آیتِ مبارکہ سے دیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا (الفتح)

(ترجمہ) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں در اصل وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ خدا کا دستِ قدرت تو ان کے ہاتھوں پر ہے پس جو شخص عہد توڑے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بیعت کو پورا کرے گا جس پر اس نے عہد کیا تو عن قریب اللہ تعالیٰ اسکو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

اس آیت کو بیعت کی اصل قرار دیتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام سے کبھی ہجرت، کبھی جہاد، کبھی ارکانِ دین پر پابند رہنے، کبھی کفار کے ساتھ معرکہ آرائی میں ثابت قدم رہنے پر اور کبھی تمسک بالسّنۃ اور بدعت سے دور رہنے اور عبادات سے شغف و دلچسپی لینے پر بیعت لیتے تھے۔ لہٰذا بیعت کی چند قسمیں ہوئیں:

۱۔ بیعتِ اسلام، ۲۔ بیعتِ خلافت، ۳۔ بیعتِ تمسک بحبل التقویٰ ۴۔ بیعتِ ہجرت، ۵۔ بیعتِ جہاد، ۶۔ بیعتِ توثق علی الجہاد۔

زیرِ بحث بیعت پیری مریدی کی سُنّت ہے اور تکرارِ بیعت بھی علی الصحیح مزید استفادہ کی نیت سے درست ہے۔ بیعت لینے والے کے لئے ضروری ہے کہ: (۱) بقدرِ کفایہ اُسے قرآن و حدیث کا علم ہو۔ (۲) علماءِ عاملین اور صلحاءِ زمانہ سے بہت زیادہ صحبت یافتہ ہو۔ (۳) اس میں عدالت اور تقویٰ ہو۔ (۴) دُنیا سے بے رغبت اور طالبِ آخرت ہو (۵) عبادات

اور اذکارِ ماثورہ کا پابند ہو۔ (۶) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خوگر اور عادی ہو تو ایسے پیر کی بیعت کرنا اور ان سے نورِ باطن حاصل کرنا دُرست اور سنّت ہے۔ ورنہ جس میں یہ شرائط نہ ہوں اس کی بیعت کرنا قطعاً جائز نہیں۔ حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ میں یہ تمام شرطیں موجود تھیں۔ اس لئے حضرتِ خاکیؒ آپ کے سُدّۂ عالیہ کے غلام بنے۔

التّحقیق:

مَدَّ اَیۡدِیَہٖ اِلَیّ۔ مَدَّ (ن) مَدًّا الشَّیۡئَ وبالشَّیۡئِ۔ پھیلانا، کھینچنا۔ مَدَّ اللہُ عُمۡرَہٗ: زندگی دراز کرنا۔ مِنَ الدَّوَاتِ دوات سے روشنائی لینا۔ البَحۡرَ و البَحۡرُ دریا یا سمندر کا چڑھنا (لازم و متعدی)۔ مَدَّ نَظۡرَہٗ اِلَیۡہِ اس نے اس کی طرف نگاہ کی۔ مَدَّ الارضَ۔ زمین میں مٹی یا کھاد ڈالنا۔ قرآنِ مجید میں ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡکَ

اِلَیّ کی یٖ ضرورتِ شعری سے ساکن کی گئی۔ اَلۡبَیۡعَۃ عہد و پیمان اَلۡبِیۡعَۃُ کلیسا، گرجا، یہودیوں کا عبادت خانہ۔ اسکی جمع بِیَعٌ و بِیَعَاتٌ و بیعات ہے۔ بَایَعَہٗ بالخلافۃ اس نے اس کی خلافت پر بیعت کی، اسکی خلافت کو مان لیا اور تسلیم کیا۔ بَاعَ۔ یبیعُ بیعًا۔ بیچنا اور فروخت کرنا۔ اجوفِ یائی۔ بفور میں ب زائد ہے۔ الفور بہت جلدی کرنا۔ کہا جاتا ہے رَجَعَ مِنۡ فَوۡرِہٖ۔ بلا تاخیر۔ اَلۡمَوۡلیٰ اسمیں الف اشباعی ہے

این کُلاہِ پوستین و این خرقۂ پشمیں کہ داد
بندہ را بہ از قبائے شاہی و افسر شداست

ذَالِکَ مِنۡ طَاقِیَۃٍ وَالۡخِرۡقَۃِ مَالِیۡ قَدۡ عَطَا
فَوۡقَ تَاجٍ وَقَبَاءٍ لِلَّذِیۡ قَدۡ اَخۡبَرَا

ترجمہ: آں پیرِ حقائق آگاہ نے اپنی چہار گوشہ والی کُلاہِ شریف اور خرقۂ مبارک جو مجھے عطا فرمائے وہ مجھے علی الترتیب تاج شاہی اور بادشاہی چوغہ سے بہت اونچے اور بابرکت دکھائی دیتے ہیں۔

خلاصہ: مشائخ کے ہاں یہ دستور ہے کہ وہ اپنے بعض مریدوں کو اپنے زیبِ تن کئے ہوئے ملبوسات جیسے عمامہ، کلاہ، ردا، مبارک وغیرہ عطا فرماتے ہیں۔ یہ چیزیں بظاہر معمولی ہیں مگر حقیقت میں سائیہ الٰہی ہیں اور مُریدینِ صادقین کو ان مبارک چیزوں سے روحانیت کے منازل طے کرنے میں مدد مِل جاتی ہے۔ طاقیہ کے بارے میں خود مصنف رحمہ اللہ نے کافی تحقیق کی ہے تو اس کا مطالعہ کیجئے۔ پھر ایک طاقیہ وہ ہے جس کو لاطیہ بھی کہتے ہیں اور دوسری طاقیہ وہ ہے جس کو ناشزہ کہتے ہیں۔ طاقیہ کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے اس لئے وہ لاطیہ ٹوپی سے بہتر ہے۔ باقی نکات دوسرے اشعار میں آئیں گے۔

در جہادِ نفس شد چوں جُبّۂ ایں خرقہ ام
ہم عصا چوں نیزہ و ایں طاقیہ مِغفر شد است

فِی جِہَادِ النَّفْسِ خِرقتی کمثل جُبَّۃٍ
العصا وَ الطَّاقِیۃ صارا قنًا و مِغفرًا

ترجمہ: نفس کُشی کے لئے میرا خرقہ (جو آپ کا عطا کیا ہوا ہے) چوغہ اور خلعتِ شاہی کے برابر ہے اور آں جناب کا عطا کردہ عصای مبارک نفس توسن کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نیزہ کا کام دیتا ہے اور آپ کی بخشی ہوئی کُلاہِ شریف میرے لئے خود اور شیطان سے

بچنے کے لئے ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

لُغتحقیق :-

اَلجِہاد : یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جَھَدَ فی الامر سے نکلا ہے جس کا معنے بہت کوشش کرنا۔ جَاھَدَ العدُوَّ دشمن سے جنگ کرنا وغیرہ۔

اسلام میں جہاد دو طرح کا ہوتا ہے اور دونوں کا مقصد اعلاءِ کلمۃ اللہ اور نفسِ امّارہ کو رام کرنا ہے۔ (۱) یعنے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جو جہاد غیر مسلموں سے کیا جاتا ہے اس کی بہت سی شرطیں ہیں مثلاً امامِ عادل کی اجازت سے ہو۔ (۲) نفسِ امّارہ پر قابو پانا، اس کو خلافِ شرع امور سے روکنا اور نفس و روح کو مقدس و مطہر بنانا اور روحانی منازل طے کرنا۔ اس کے لئے مرشدِ کامل اور ایسے رہبرِ دین کی سر پرستی اور تربیت کی ضرورت ہے جو خود کسی مرشدِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان منازل و مقامات کو طے کر چکا ہو۔ حدیث رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔ جو حضراتِ صوفیہ کے ہاں مشہور ہے، اسی بات کی تائید کرتی ہے۔

بعض الفاظ کی تحقیقِ مزید :

اَلخِرقَۃ : کپڑے کا چیتھڑا، دھجی۔ جمع خِرَق آتی ہے۔ اس جگہ زیبِ تن کیا ہوا جامۂ مبارک سُلطانی مُراد ہے

قَبَا : چوغہ، شیروانی۔ قَنَا : نیزہ۔ جمع قِنَاء۔ جُبّہ : زرہ

طاقیہ : ترکی الاصل، چہار گوشہ والی ترکی ٹوپی۔

اَلمِغفَر و المِغفَرہ : خود، جمع مَغَافِر۔ خُود وہ آہنی ٹوپی ہے جو فوجی لوگ جنگ کرتے وقت سر پر رکھتے ہیں۔

(کُلّ ذٰلک فی المنجد)

آں مُصلّٰے و عبائے فقر کاں لُطفم نمود　　بہرِ جنگِ نفس ہمچوں قرزم و بختر شدست

خُمْرَۃٌ ثُمَّ عَبَاءُ الْفَقْرِ مَا قَدْ نِلْتُ وَلَا
لِجِهَادِ النَّفْسِ خَيْرٌ مِنْ بَعِيرٍ أَحْمَرَا

وہ جائے نماز اور فقر کا وہ چوغہ جو آپ نے مجھے عنایت فرمائے ہیں وہ مجھے نفسِ سرکش کے ساتھ جہاد اور مقابلہ کرنے کے لئے (خیر و برکت میں) عُمدہ قسم کے اونٹوں سے زیادہ بہتر ہیں۔

فقر سے فقرِ اضطراری نہیں بلکہ فقرِ اختیاری مُراد ہے اور مطابقِ تصریح شارح رحمۃ اللہ

ؔ۱ قولہ ثمّ عباءُ الفقر فان قلتَ اِنّ ثُمَّ یاتی للتراخی وھو لا یوجد فی الشعر لفظًا ولا معنًی قلتُ اِنّ ثُمَّ قد یاتی للعطف خالصًا من غیرِ معنی التراخی کما قال بعضھم فی "ثُمَّ استوٰی اِلَی السَّمَاءِ" انہٗ للعطف خالصًا من غیر اعتبار معنی التراخی دفعًا

تعالیٰ سب سے پہلے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبائے فقر زیب تن فرمایا۔
شیخ فرید الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم درویشی (فقر حقیقی) اختیار نہ فرماتے اور اگر آپ کی فقرِ حقیقی اختیاری کی برکتیں دُنیا میں موجود نہ ہوتیں تو کوئی بھی شخص دنیا میں صحیح سلامت نہ رہتا بلکہ سب ہلاک ہو جاتے۔
نیز شارح قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت محبوب العالمؒ ہمیشہ ہندوستانی کمل پہنتے تھے فرماتے ہیں کہ میں جس وقت آپ کو اس کمل میں تشریف یا آرام فرما دیکھتا ہوں تو امیر خسروؒ کا یہ شعر یاد آ جاتا ہے

مرد نہاں در گلیم و پادشاہ عالم است
تیغ خفتہ در نیام و پاسبانِ کشور است

ترجمہ:۔ ایسے باخدا لوگ ظاہر میں ایک کمبل میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور باطن کے لحاظ سے ساری دُنیا کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نیام اور پردے تلے میں چھپی ہوئی تلوار عالم کی محافظ اور نگران ہوتی ہے۔
خلاصۂ شعر یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ جب پیرِ کاملؒ نے مجھے فقرِ اختیاری کے یہ ظاہری اسباب عنایت فرمائے تو فوراً میرے دل سے دُنیا کی محبت و رغبت دور ہو گئی اور مالداروں کی صحبت کی نفرت ہونے لگی اور آپ کے مُصلّے و عبائے مُبارک کی برکت سے ظاہری جسم سے قلب تک اثر پہنچا اور اب دل ایسا صاف و شفاف ہو گیا کہ وسوسۂ نفس اور شیطان کو میرے اوپر کوئی دستگاہ اور قوت نہ رہی۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب آپ نے مجھے مشائخ کرام کا لباس پہنایا تو

للتعارض بین الآیتین الشھیرتین ؛ قولہٗ مَا بمعنی الموصول اور اپنے ماقبل کے لئے باعتبار مذکور یا بتاویل مجموع کے صفت ہے ؛ قولہٗ ناولا مِن المناولۃ یقال ناول الشیئ اس نے دیا۔ یا ہاتھ بڑھا کے دیا اور الف اس میں اشباع کے لئے ہے۔ ناوَلَ کا فاعل حضرت محبوب العالمؒ ہیں ؛
قولہٗ مِن بعیرٍ احمرا اونٹوں کے ناموں میں سے ایک نام بعیر ہے۔ یہ مذکر و مونث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اس کی جمع ابعرۃ ابعر و جمع الجمع اباعیر آتی ہے۔ احمر کی صفت ہے۔ اہلِ عرب سُرخ رنگ کے اونٹوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں اس لئے یہ نہایت قیمتی ہوتے ہیں۔ اس صفت سے وہ معنی حاصل ہوئے جو قیمتی و بہترین میں محذوف ہے ؛

مجھے اُن کے مُشابہ بنایا اور بمقتضائے حدیث مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت قائم کرے تو وہ انہیں میں سے شمار ہوتا ہے تو امیدوار ہوں کہ ان کی برکت سے ایسی خوش نصیبی حاصل کروں گا کہ خطرات نفسانی کا میرے دِل پر کوئی اثر نہیں رہے گا۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ پیر روشن ضمیر حضرت سیدنا شیخ حمزہ رحمہ اللہ کی عطا کی ہوئی جانماز اور فقر وہ روشنی کا عنایت کیا ہُوا لِباہ جو عمدہ قسم کے اونٹوں سے بہتر اور افضل ہیں بشرطیکہ ظاہری بینائی کے ساتھ باطنی بینائی بھی ہو اور بزرگانِ دین اور رہبرانِ طریقت کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے مُریدوں اور طالبوں کو اپنے استعمال کی کوئی چیز عنایت فرماتے ہیں۔ یہ چیزیں ان کے لئے باعثِ برکت و سعادت ہوتی ہیں۔

وِرد کاں کردہ حوالہ ذکر کاں تلقین نمود آں کمان و تیر و ایں شمشیر با جوہر شدہ ست

وِرْدُہُ الَّذِیْ اَجَازَنِیْ بِہٖ وَذِکْرُ حَقٍّ
ذٰلِکَ قَوْسٌ وَرَمْیٌ ذَاکَ سَیْفٌ شُہِّرَا

ترجمہ :۔ وہ وِرد اور وہ ذکرِ حق جس کی آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی ہے پہلا تو کمان اور تیر جیسا ثابت ہُوا اور دوسرا یعنی ذکرِ حق آبدار شمشیر کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح :۔ حضرت مصنفؒ نے اوراد و وظائف کو تیر و کمان کے ساتھ اس بناء پر تشبیہہ دی کہ جس طرح تیر و کمان ٹھیک نشانہ پر بیٹھ جانے سے سُرعت کے ساتھ حصولِ مقصد کا ذریعہ بن جاتا ہے اسی طرح اوراد و وظائف بھی اجابت و قبولیت کے درجہ میں پہنچ

لہ قولہ وِرْدُہٗ مبتدءٌ وخبرہٗ ذٰلِکَ الیٰ اٰخرہٖ۔ قولہ ذکرِ حقٍّ مرفوعٌ علیٰ اَنَّہٗ معطوفٌ علیٰ وِرْدُہٗ " ثم لایخفیٰ علی اللبیب اَنَّ فی الشّعر لفٌّ ونشرٌ مرتّبٌ لِاَنَّ قولہ ذٰلک قوسٌ ورمیٌ متعلق الیٰ قولہ وِرْدُہٗ وقولہ ذاک سیفٌ شُہِّرَا متعلّقٌ بحسب المعنی بذکرِ حقٍّ۔ وحذف حرفُ العطف من ذاک للاضطرارِ الشّعریۃ وھو جائزٌ عندھم ؞ وقولہ شُہِّرَا فعلٌ ماضٍ مجہولٌ مشتقٌ من قولھم شَہَرَہٗ شَہْرًا وشُہْرَۃً بکذا مشہور کرنا۔ شَہَرَ وشَہَّرَ السَّیْفَ تلوار کو سونت کر بلند کرنا۔ مشہور و معروف تلوار کے لئے آبدار اور تیز ہونا لازمی ہے اور الف اس میں اشباع کے لئے ہے۔

کر فوری طور پر حصولِ مُدعیٰ کے وسیلہ بن جاتے ہیں اور نفس و شیطان کی طرف سے پیش آنے والے موانع ان کی برکت سے دور ہو جاتے ہیں۔ اسی مناسبت کی بناء پر حضرت جامی رحمہ اللہ نے ناوک (تیر) کی نسبت دُعا کی طرف اس شعر میں کی ہے

ہر ناوکِ دُعا کہ کُشادند اہلِ راز
از بازوئے نیاز ہمہ بہدف رسید

(ترجمہ) اہلِ دل نے عجز و اخلاص کے بازوؤں سے دعا کا جو بھی تیر نکالا وہ ہمیشہ ٹھیک نشانہ پر پیوست ہُوا۔ اسی طرح ذکرِ حق کو تیز تلوار کے ساتھ تشبیہہ دینے میں یہ حکمت ہے کہ ذکرِ حق بھی ذاکر کو ما سوی اللہ سے جُدا کرتی ہے جیسا کہ حضرت شیخ عطار رحمہ نے اس شعر میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے

غیرِ حق ہر ذرہ کاں مقصودِ تُست
تیغِ لا برکش کہ آں معبودِ تُست

اس سلسلہ میں حضرت شارح رحمہ اللہ اپنا ایک خواب بیان فرما رہے ہیں کہ میں نے ابتدائے زمانۂ بیعت میں خواب دیکھا کہ میرا بدن برہنہ اور بہترین تلوار میری کمر میں لٹکی ہوئی ہے اور عُمدہ قسم کی کمان اور کچھ تیر کمربند میں رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے اپنے ہاتھ میں ایسا خنجر بھی دیکھا جس کی دھار میں کچھ زخم پڑے ہوئے تھے اور کُند ہو گیا ہے۔ فرماتے ہیں میں نے پیرِ روشن ضمیر حضرت محبوبُ العالم سے اسکی تعبیر دریافت کی۔ تو فرمایا کہ آپ نے اپنے اوراد و وظائف کی حقیقی صورت مشاہدہ کی ہے کہ ذکرِ الٰہی شمشیر ہے اور کمان وہ وِردِ اعظم ہے اور وہ متفرق ادعیہ ہیں جو آپ پڑھتے ہیں اور خنجر میں آپ نے جو زخم دیکھے ہیں یہ قصور و کوتاہی کی علامت ہے۔ وہ تو دو چیزوں کی وجہ سے ہو سکتی ہے یہ کہ اجازت میں غلطی ہو یا اذکار کے پڑھنے میں غلطی ہوئی ہو۔ یہ دونوں چیزیں ہمارے وظیفہ میں نہیں ہیں۔ پھر فرمایا غالباً کوئی ایسا وظیفہ بھی آپ پڑھتے ہیں جس کی ہم نے آپ کو اجازت نہیں دی ہے۔ حضرت خاکیؒ فرماتے ہیں میں نے عرض کی جی ہاں میں از خود دعائے سیفی پڑھتا ہوں۔ آپ نے یہ سُن کر فرمایا ہاں یہی کوتاہی آپ نے دیکھی ہے کہ اس وظیفہ کی نہ میں نے آپ کو اجازت دی ہے اور نہ مجھے مشائخ کرام کی طرف سے اسکی

اجازت حاصل ہے۔ اور فرمایا بلا اجازت کوئی وظیفہ نہ پڑھا کریں۔ اس سے واضح ہوا کہ اذکار داوراد میں خیر و برکت حاصل ہونے کے لئے پیران طریقت سے اجازت لینا ضروری ہے۔

او بارشادِ رہِ شیخ المشائخ قطبِ حق بندگی سید جمال الدین بحق رہبر شد است

ھُوَ بِاِرْشَادِ طَرِیْقِ شَیْخِ شَیْخَانِ قُطْبِ حَقْ
حَضْرَتِ السَّیِّد جَمَالُ الدِّیْنِ اِلَی اللّٰہِ سَیْرًا

ترجمہ:۔ حضرت محبوب العالمؒ نے شیخ المشائخ قطبِ حق حضرت سید جمال الدین بخاریؒ کے طریقۂ ارشاد کے مطابق اپنے مریدین و معتقدین کو اللہ تعالیٰ کی طرف رہبری فرمائی۔

تشریح:۔ اس شعر سے حضرت محبوب العالمؒ کے مشائخ طریقت کا اجمالی بیان ہے۔ اس سلسلہ میں خود حضرت ناظم رَوّح اللہ روحہٗ اپنے پیر روشن ضمیر کا واقعہ نقل کرکے فرماتے ہیں کہ حضرت محبوب العالمؒ فرماتے تھے کہ جب میں خانقاہ ملک شمس میں پہنچا تو نہایت کم عمر اور خورد سال تھا۔ خورد سالی کی وجہ سے مجھے الگ کمرہ نہیں دیا گیا بلکہ خانقاہ کے ایک نیک اور باوقار شخص صوفی صالح کی تحویل میں رہ کر انہیں کے ساتھ خانقاہ میں رہائش کرتا تھا۔ صوفی صالح کی یہ عادت تھی کہ وہ آدھی رات کو اُٹھ کر عبادات و ریاضات میں مشغول ہوتے تھے اور خاصکر نمازِ تہجد میں ہمیشہ سورۂ کہف اس طرح تلاوت فرماتے تھے کہ میں قرأت اچھی طرح سُن لیتا تھا۔ اللہ کے فضل سے چند ہی دنوں میں صوفی صاحب کی قرأت کی طفیل سے مجھے پوری سورۂ کہف ازبر اور یاد ہوئی۔ اس پر صوفی صاحبؒ نے تعجب سے فرمایا کہ میں بہت دنوں سے یہ سورۂ شریف پڑھتا ہوں پھر بھی کماحقہٗ یاد نہیں ہے تو تم کو باوجود خورد سالی تھوڑے ہی دنوں میں میرے پڑھنے سے کیونکر یاد ہوئی؟ آخر قرآن شریف کھول کر فرمایا اچھا شروع کیجئے۔ فرماتے ہیں وہ قرآن شریف کھولے ہوئے تھے میں اپنے حفظ سے سورۂ کہف پڑھ رہا تھا موصوف سُنتے جاتے تھے یہاں تک پوری سورہ یاد سُنائی تو صوفی صالح بہت خوش ہوئے اور میرے ہاتھوں کو چوما کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ ؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست ؛ تا نہ بخشد خدای بخشندہ

حضرت محبوب العالمؒ فرماتے ہیں صوفی صالح کی اسی صحبتِ نیک کی بنا پر مجھے بچپن سے ہی شب خیزی کی عادت ہوگئی تھی۔ اس کے علاوہ آپ کی روحانی تربیت بھی باخدا انسانوں کی طرف سے ہوئی۔ بارہا آں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صحابہ کرام نے خواب میں آپکی روحانی تربیت فرمائی اور اذکار و اوراد کی تلقین کی اور ان کی پاک تعلیمات و ارشادات پر جب عمل کرتے تھے تو ان کے ثمرات و برکات چشم عبرت بین سے ملاحظہ فرماتے جاتے تھے۔ خواب ہی کی حالت میں بعض اولیاء اللہ نے دعائے سیفی کی اجازت مرحمت فرمائی اور جب بیدار ہوئے تو دعائے سیفی پوری یاد تھی، پھر اسے ترک نہیں کیا۔ غرض آپؒ آغازِ عمر سے ہی اذکار و اوراد کے پورے پابند تھے۔ کچھ اہل کشف جیسے حاجی اللہ داد نے آپ کو بہت سی بشارتیں دی تھیں جو پوری ہو کر رہ گئیں مگر ابھی سلسلہ بعیت کسی صاحب سے ظاہری طور پر عمل میں نہیں آیا تھا۔ فرماتے ہیں اس لئے میں اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتا تھا کہ اے اللہ میری ہدایت و رہبری کے لئے کسی ایسے پیر روشن ضمیر کو بھیجے جو سچے طور پر آپ سے واصل ہو اور آپ کی رضامندی سے بہرہ اندوز ہو چکا ہو۔ یہاں تک کہ حضرت سید جمال الدین بخاری کی تشریف آوری سری نگر میں ہوئی اور آپ نے پائین شہر خانقاہِ احمد یتو محلہ ملک شاہ صاحب میں نزولِ اجلال فرمایا۔ اسی رات آپؒ نے ایک خواب دیکھا کہ آپ سے کہا جاتا ہے اس دُنیا میں قانونِ قدرت یہ ہے کہ اسباب و ذرائع سے وہ خاص فائدے حاصل ہوتے ہیں جو براہِ راست میسر نہیں ہوتے۔ پھر مثال سے آپ سمجھائے گئے کہ جنگل کے درخت آپ اُگتے ہیں اس لئے موٹے اور لمبے ہونے کے باوجود ان کے پھل نہیں ہوتے اور اگر ہوتے بھی ہیں تو کم ہوتے ہیں اور ان میں پوری مٹھاس نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف وہ درخت جن کو باغبان لگاتا ہے اور ان کی پرورش کرتا ہے وہ بظاہر زیادہ موٹے اور لمبے نہیں ہوتے مگر ان کے میوے وافر اور لذیذ ہوتے ہیں۔ اسی قاعدے کے تحت عنایتِ ایزدی آپ کی شاملِ حال ہوگی کہ آپ کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت سید جمال الدین بخاریؒ کو بھیجا لہٰذا ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کیجئے۔ ان کو رسول اللہ تک پورا تسلسل اور اتصال ہے۔

حضرت محبوب العالمؒ نے دوسرے دن سویرے حضرت سید جمال الدین کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ آپ کی محفل زائرین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اس لئے دروازہ کے پاس کچھ دیر قرار کر کے واپس تشریف لے آتے ہیں۔ دوسرے دن پھر تشریف لے جاتے ہیں۔ جوں ہی خانقاہ میں قدم جمائے تو اُدھر سے حضرت سید جمال الدین بخاریؒ نے آپ پر نظرِ عنایت فرما کر آپ کو اپنے قریب لایا اور فرمایا کہ میں آج رات تمہارے تمام حالات پر آگاہ ہوا۔ درحقیقت میں تمہاری تربیت اور صفائی قلب کے لئے آیا ہوں اس لئے آج سے آپ میری تحویل میں کردئے گئے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت محبوب العالمؒ کو اذکار و اوراد کے ذریعہ رفتہ رفتہ تدریجی طور پر ایک حال سے دوسرے حال اور ایک مقام و کیفیت سے دوسرے مقام و کیفیت کی طرف پھیر کر وہ روحانی مقام عطا فرمایا جو اربابِ باطن اور اہلِ دل پر پوشیدہ نہیں ہے۔ سید صاحب نے چھ ماہ تک آپ کی روحانی تربیت فرمائی پھر [illegible]زت نامہ عطا فرمایا۔ جب سید صاحب ہندوستان واپس ہوتے تو حضرت محبوب العالمؒ نے بھی اپنے پیرِ کامل کے ساتھ جانے کی خواہش کی مگر آپ نے فرمایا کہ اللہ آپ کے ذریعہ بشمار مخلوق کو ہدایت فرمائے گا لہٰذا آپ کا کشمیر میں ہی رہنا ضروری ہے اور پھر سفر کی مشکلات و صعوبتیں آپ کی صحت کے لئے سازگار نہیں ہیں اور فرمایا ظاہری فراق و دوری کے باوجود ہم قلبی اور باطنی طور پر آپ کے ساتھ ہیں ؎

گر درمنی چو بامنی پیش منی

در پیش منی چو بے منی درمنی

یہ ہے اس اجمالی تفصیل کا خلاصہ جو اس مقام پر حضرت شارح نے دستور السالکین میں بیان فرمایا ہے۔ اب ہم پھر اصل شعر کی طرف رجوع کرتے ہیں:-

قولہٗ ارشاد۔ رَشَدَہٗ وَاَرْشَدَہٗ اِلیٰ کذا او علیہ ولہٗ ہدایت کرنا۔ رَشَدَہٗ

الفاضی قاضی نے اُسے سیدھے راستہ پر چلایا۔ اس کا مادہ رُشد ہے جس کا معنے راہِ راست پانے کے ہے۔ الرَّشدۃُ والرِّشدۃُ حلال زادہ۔

قطب لغت میں فرقدین اور جدی کے درمیان ایک ستارہ کا نام ہے جس سے قبلہ کی تعیین کرتے ہیں۔ قطب کا اِطلاق مدار پر بھی کرتے ہیں۔ ھُوَ قطبُ ذٰلکَ الامر وہ اس کام کا مدار ہے۔ اسی طرح اس کا اِطلاق سردارِ قوم پر بھی کیا جاتا ہے۔ فلانٌ قطبُ بنی فلان کہ فلانی فلان قوم کا سردار ہے۔ اس کی جمع اقطاب، قطوب، قطبۃٌ آتی ہے۔ اہلِ جغرافیہ زمین کے محور کے کنارہ پر لفظِ قطب اِطلاق کرتے ہیں اور وہ دو ہیں قطبِ شمالی اور قطبِ جنوبی ؛

وی ہم از ارشاد قطب عالم و نوّاب او
درمیانِ مرشدانِ سلسلہ مفخر شد است

قَدْ ھَدیٰ ھٰذا بِقُطْبِ عَالَمٍ وَنَائِبِیہ
ھٰذِہٖ سِلْسِلَۃٌ اَضْحَتْ لَدَیْھِمْ مَفْخَرًا

ترجمہ: حضرت سیّد جمالُ الدین بُخاری رحؒ نے قطبِ عالمؒ حضرت سیّد جلالُ الدین بخاری رحؒ اور آپ کے نامدار خُلفاءَ کی تربیت و رہنمائی سے مسندِ ارشاد حاصل کیا اور ان حضرات کا یہ مبارک سلسلہ مشائخ طریقت یا سلسلۂ چشتیہ کے بزرگانِ کرام کے ہاں باعثِ صد فخر و مباہات ہے۔

تحقیق: حضرت سیّد جمال الدین بُخاری اور حضرت سیّد جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان سات واسطے اور تقریباً زمانہ کے لحاظ سے دوسو ۲۰۰ برس کا فاصلہ ہے تو پھر اس شعر کا کیا مطلب ہے کہ حضرت محبوب العالم رحمہُ اللہ کے پیر روشن ضمیر حضرت سیّد جمال الدین بخاری نے قطب عالمؒ سے براہِ راست فیض حاصل کیا؟ حضرت علّامہ خاکی رحمہُ اللہ نے اس سوال کا جواب یوں دیا ہے کہ: حضرت سیّد جلالُ الدین بُخاری رحؒ کے نامدار خلفاء میں سے کسی ایک سے جس آدمی نے بھی فیوض و برکات حاصل کئے اُس نے حکماً براہِ راست حضرت سیّد جلالُ الدین بخاری سے استفادہ کیا ہے۔ کیونکہ آپ کے برگزیدہ خُلفاء نے وہی فرمایا جس کی تعلیم و تلقین حضرت سیّد جلال الدین بخاری نے فرمائی تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ گاہ گاہ واقعات و مکاشفات میں بھی حضرت سیّد جلال الدین بخاری رحؒ کی روحِ مُعلّٰے اپنے مُریدوں کو براہِ راست راہنمائی فرماتی تھی۔

بہر حال حضرت سیّد جلال الدین بخاری کی ولادت باسعادت بمقامِ اُچہ ۷۰۷ھ اور وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کا اسمِ گرامی

حُسین اور کُنیت ابوعبداللہ تھی۔ (آپ کے مزید حالات ہماری کتاب سلطان العارفین حِصّہ اوّل میں مُطالعہ فرمائیے)

حضرت سیّد جمال الدین بُخاریؒ کے پیرانِ طریقت کے اسماء گرامی یہ ہیں :۔

۱۔ سیّد جمالُ الدین بخاریؒ ۲۔ سیّد عبدالوہاب دہلویؒ ۳۔ مخدوم شیخ سیّد محمدؒ ۴۔ شیخ سیّد حامد اُچہ بُخاریؒ ۵۔ مخدوم شیخ سیّد ابوالقاسمؒ ۶۔ شیخ سیّد حامد کبیرؒ ۷۔ سیّد محمود ناصر الدینؒ۔ ۸۔ مخدومِ جہانیاں قطبِ عالم حضرت سیّد جلالُ الدین بخاریؒ

آں بُخاری نسبت و سیّد جلالُ الدّین لقب
قطبِ عالم بودن و مخدومیش اشہر شُد است

کَانَ نِسبَۃً بُخَارِیُّ لَقَبًا سَیِّدُ جلال
کَوْنُہٗ قُطبًا وَمَخدُومًا لِلدُّنیَا حُرِّرَا

ترجمہ : آپؒ (مخدومِ جہانیاں) نسبت کے لحاظ سے بخاری ہیں، لقب سیّد جلال الدین ہے، آنجناب کا قطبِ عالم اور مخدومِ جہانیاں ہونا دُنیا بھر میں مشہور ہے۔

تحقیق : حضرت علامہ خاکیؒ نے اپنی شرح میں آپکا شجرۂ نسب یوں دیا ہے :

سیّد جلالُ الدین بخاری ابن سیّد علی ابن سیّد جعفر ابن سیّد محمّد ابن سیّد محمودؒ۔ ابن سیّد احمد ابن سیّد عبداللہ ابن سیّد علیؒ اشقر ابن سیّد جعفر ثانیؒ ابن سیّد علی الہادی النقی ابن الامام الجواد محمّد التقی ابن الامام علی موسےٰ الرضا ابن الامام علی موسےٰ الکاظم ابن الامام جعفر الصّادق الخ

(متعلق صفحہ گذشتہ) قولہٗ بقطبِ عالمٍ، المضاف محذوفٌ واصلہٗ بارشادِ اوبدلالۃ قطبِ عالمٍ۔ وحذفُ المضاف فی القرآن وکلامِ الفُصحاءِ شایعٌ قال اللہ تعالےٰ واسئلِ القریۃ ای اھلَ القریۃ۔ وقولہٗ لدیہم فان قُلت ماھو مرجعُ ضمیرہٖ فہذا الضمیر یرجع الیٰ اھلِ السلسلۃ المفھومین من التابعین)۔ واما قولہٗ مفخرًا فنصبہٗ علیٰ انّہٗ خبرٌ لاصبحت ؛

حضرت شارحؒ نے بحوالۂ خلاصۃ المناقب قطب کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہر زمانہ میں اہل اللہ میں سے کوئی صاحب ولایت و روحانیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتا ہے جس کے ساتھ باطنی نظام بامر اللہ وابستہ ہوتا ہے۔ اس کا نام قطب اور غوث ہے۔ قطب کا وظیفہ ذکرِ مجرّد اَللّٰہ بسکونِ ہٗ ہوتا ہے۔ قطب تمام صفاتِ کمالیۂ ممکنہ کے ساتھ آراستہ ہوتا ہے۔ صرف وجودِ ذاتی کے ساتھ وہ موصوف نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وجودِ ذاتی خاصۂ حضرت باری تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا جتنے بھی مخلوق ہیں سب کے سب وہ ممکن ہیں۔ تمام اولیاء اللہؒ قطب ہی سے اکتسابِ فیض کرتے ہیں۔ ہاں اولیاء اللہؒ کی وہ قسم جو افراد کے نام سے موسوم ہے وہ قطب کے تابع نہیں ہے۔ کیونکہ قطب عالمِ جبروت، ناسوت اور لاہوت کا خلیفہ ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اقطاب و افراد وہ اولیاء اللہؒ ہیں جو ولایت کی سرحد تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، اُن کا مرتبہ صدیقوں سے کمتر ہوتا ہے۔ نیز اقطاب کا علم محیط ہوتا ہے مگر محیط بالذات نہیں کہ وہ خاصۂ سُبحانی تعالیٰ ہے۔ باقی اولیاء اللہ کا علم ان سے کمتر اور غیر محیط ہوتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ حضرتِ حق کا علم شہودی ہوتا ہے جبکہ اقطاب و افراد کا علم غیر شہودی یعنی بنا بر علم و ادراک منِ جانب اللہ ہوتا ہے۔ اقطاب و افراد میں تمام علمی صورتیں قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے۔ دستور السالکین، فتوح الغیب اور اسکی شرح مؤلفہ حضرت مولٰنا الشیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اقطاب، اغواث اور ابدال قریب قریب ہم معنی ہیں۔

فتوح الغیب کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے ولایت کے تین درجے ہیں: (۱) ابتدائی درجہ جو عام صلحاء مومنین کو حاصل ہے۔ (۲) ابدال و اغواث (۳) صدیقین۔ اگر ابدال اور اقطاب میں کوئی فرق ہوتا تو آپ اقطاب کا ذکر بھی فرماتے مگر بیشتر عبارت سے معلوم ہوا کہ افراد کا درجہ اقطاب سے بالا اور برتر ہے تو پھر وہ بھی علیحدہ قسم ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ افراد بھی اقطا

ہی قسم کے اعلیٰ و افضل ترین قسم ہیں پس وہ مستقل قسم نہیں ہیں۔

واضح رہے کہ غوثیت، ولایت کی آخری کڑی ہے۔ اس کے بعد صرف ایک مرتبہ ہے جسے نبوت اور رسالت کہتے ہیں جس کا دروازہ حق تعالیٰ نے تاجدار عرب و عجم حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بند فرمایا ہے۔ آپؐ کے بعد کسی قسم کی نبوت و رسالت حقیقی، مجازی، بروزی ٹروزی کا کوئی امکان ہی نہیں جیسا کہ فرمایا: وَخَتَمَتْ بِهِ الرِّسَالَةَ وَالدَّلَالَةَ وَالْبِشَارَةَ وَالنِّذَارَةَ وَالنُّبُوَّةَ جس نے اس مقدس امانت کو آپؐ کے بعد اپنی طرف کسی بھی قسم کی نسبت کی مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ہم خیال و مددگاروں کی طرح فَقَدْ ضَلَّ سواءَ السبیل وحُرِّم ابد الآباد مِن دارِ النعیم۔

بہرحال ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ قطب، غوث، ابدال، افراد اور باقی اولیاء و صدیقین کا مرتبۂ جلیلہ حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی ہی سے حاصل ہوتا ہے اور یہ سب کے سب آپ ہی کی عنایت و مہربانی کی طرف محتاج ہیں۔ ان کا کمال چاند کی طرح ہے کہ جس کا نور ذاتی نہیں بلکہ اس پر آفتابِ عالمتاب کا پرتو ہے۔ اسی طرح آفتابِ نبوت ہی کا پرتو اُن حضرات پر پڑتا ہے لہٰذا یہ نبوت و رسالت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے بلکہ یہ بھی شرعیات میں ہماری طرح اور باقی اُمتیوں کی طرح مُکلف اور پابند ہیں۔

اسی طرح صفحہ ۲۸۹ نصِ حکمتِ رحمانیہ کے ذیل میں حضرت شیخ محی الدین اکبرؒ فرماتے ہیں بے شک قطبِ زمانہ حاکم علی الاطلاق ہوتا ہے، اسی میں تجلی اعظم رہتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مُراد ملک سے ظاہری و عالم شہادت کی حکومت اور تصرفِ عام ہے۔ فرماتے ہیں دیکھو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے سب کچھ دے رکھا تھا۔ آپؐ کی باطنی حکومت اُس سے زیادہ ہی تھی مگر آپ نے عالمِ شہادت میں اس کو ظاہر نہیں کیا۔

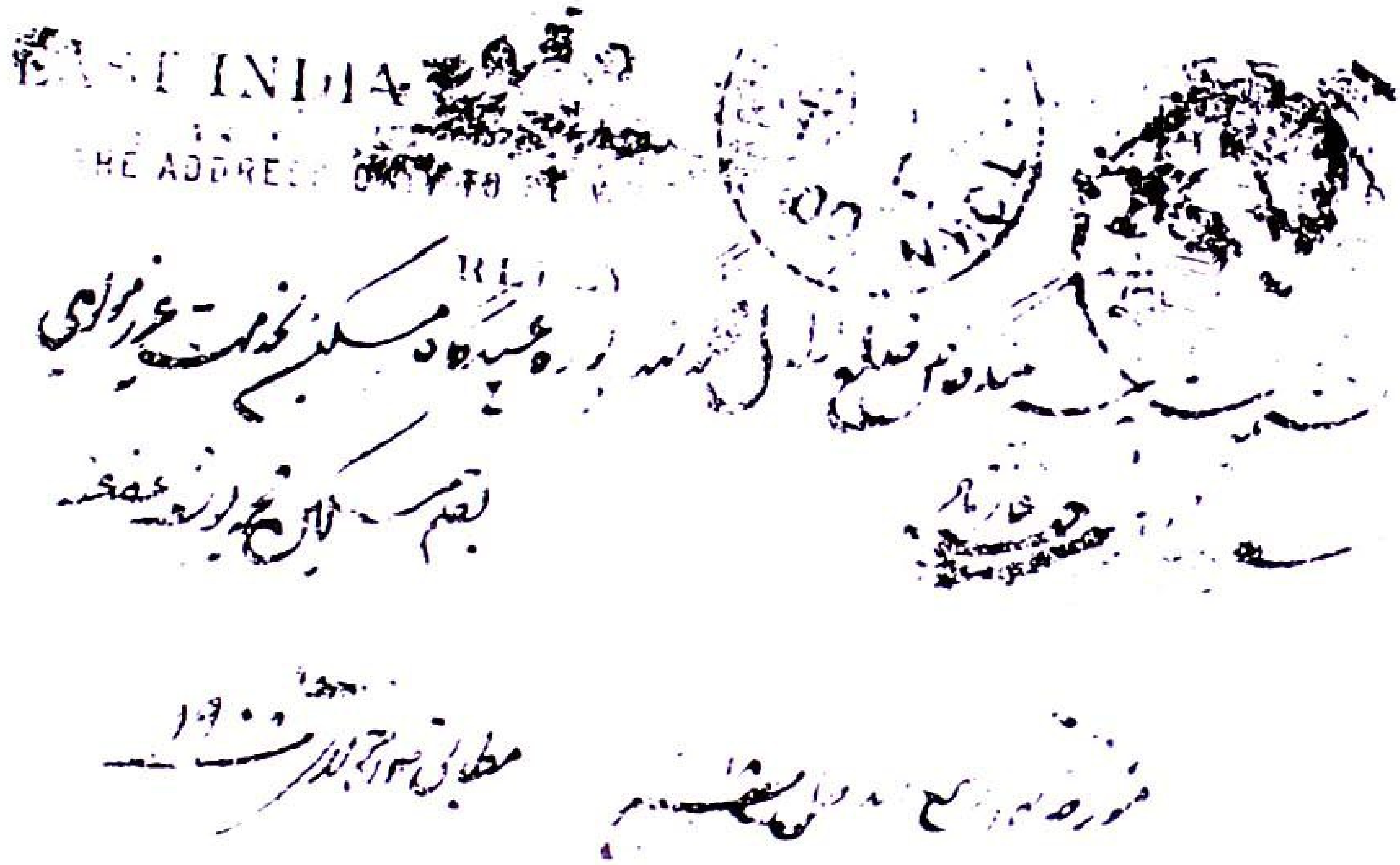
رفع الاشتباہ

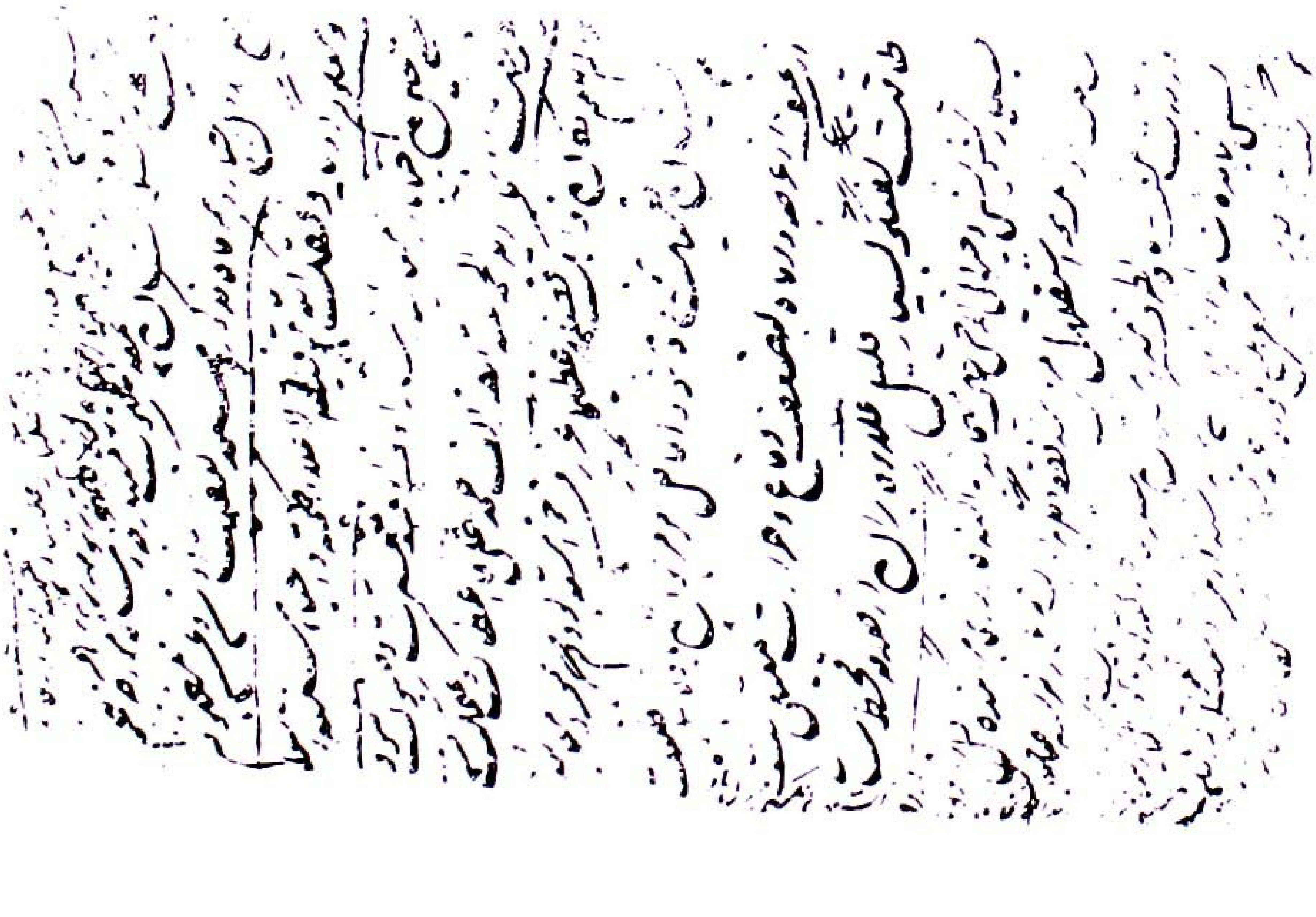
چونکہ ملکِ کشمیر میں بہت سے خاندان بخاری کہلاتے ہیں اس لئے رفع اشتباہ کے طور پر چند سطریں سپردِ قلم کرتا ہوں۔ ہمیں حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری رحمہ اللہ سے سلسلۂ انتساب نہیں صرف انکی مقدس عظمت کا یقین و اتقان ہے۔ نیازمند کا سلسلۂ انتساب حضرت قاضی سید عبدالغفار بخاری فرزند ارجمند حضرت سید محمد بخاری تک تو اتراً پہنچتا ہے۔ آں جناب نے بخارا سے ہجرت کر کے کشمیر میں نزولِ اجلال فرمایا اور آں جناب کا سلسلۂ انتساب حضرت سید عبداللہ ابن شیخ الجن والانس الشیخ محی الدین عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ فتح المبین مطبوعہ مصر میں مرقوم ہے کَانَ مِنْ اَسَنِّ اَوْلَادِہٖ اور ہمارے خاندان کا مطبوعہ شجرہ جو مصدق مِنَ العلماء الکبار والاولیاء العظام والسادات ذوی الاحترام ہے۔ اس خاندان کی دو مشہور شاخیں ہیں ایک کشمیر میں دوسری پنجاب ملتان میں۔ اور اسی شاخ سے حضرت امیر شریعت مولینا و مقتدانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۂ اللہ ہیں چنانچہ حضرت شاہ صاحب کے اس گرامی نامہ کا عکس جو آپ نے ۱۳۶۵ھ میں ہمارے بڑے برادرِ محترم، استاذِ مکرم اور زاہدِ وقت جناب سید غلام حسن شاہ صاحب بخاری کے نام پنجاب سے تحریر فرمایا ہے اور اس کے ساتھ سابقہ زمانہ کے پوسٹ لفافہ و پوسٹ کارڈ کی ہیئت و ضخامت کا بھی اندازہ ہوگا۔

عکس مکتوبِ گرامی، پوسٹ لفافہ و پوسٹ کارڈ
اگلے صفحہ پر دیکھئے

نوٹ: میں نے یہ چند سطریں اسلئے لکھی ہیں کہ بعض بزعمِ خود تاریخوں والوں کے مطالعہ کا اندازہ ہو جائے گا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ "بندگی باید ، ہمزادگی در کار نیست"۔ اور کُنْ ابنَ مَنْ شِئْتَ وکُنْ مُؤَدَّبًا پر ہمارا ایمان ہے۔

ملاحظہ ہو عکس پوسٹ کارڈ جو موصوف کے عموی مولوی سید یوسف صاحب
نے ۱۳ جولائی ۱۹۵۵ء کو حضرت والد ماجد کے نام لکھا ہے۔


EAST INDIA



ملاحظہ ہو عکس گرامی نامۂ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ بخاری

[illegible] ۱۳۷۰ھ

[illegible] ۹ [illegible] رمضان

[illegible] اللہ

برادر محترم المقام [illegible] سلمہ

السلام علیکم

گرامی نامہ شرف صدور لایا یاد فرمائی کا شکر گذار ہوں

اور [illegible] جواب کیلئے معافی کا خواستگار ہوں۔ عزیزی مولوی محمد [illegible] سلمہ

کی دختر کے انتقال کی خبر پڑھی انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ

نعم البدل عطا فرمائے اور [illegible] ان کو [illegible] صبر و تحمل سے [illegible]

میرے پردادا السید محمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال کے وقت جو

شعر پڑھا تھا جو دادا پیر شاہ صاحب مرحوم و مغفور کی زبانی سنا تھا اسکے علاوہ

[illegible] سنی نہ دیکھی شعر یہ تھا

شد علم از تیغ لا برہان ما

داد [illegible] اللہ جان ما

[illegible] قریب ہے۔ [illegible] کی [illegible] ہے نہ ادھر [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اسکے نام رسالہ رکھدیا ہے میرے سبب ہونگی طرف آپ تمام صفوات

کہندہ ہیں ہو دیا ہے [illegible]۔ قبول ہو میرے گھر والونکی طرف

آپکے تمام اہل بیت کو السلام علیکم۔ جو کہ دائیں اور دعا ہو سکیگا۔

میں امیدکرتا ہوں کہ ملاقون کیلئے اپنے دعا فرماتے رہینگے اہل [illegible]

دعاگو ہیں۔ عزیزی مولوی رشید سلمہ [illegible]۔ برادر محترم جناب مولوی محمد امین صاحب

وعزیز مولوی محمد یوسف [illegible]۔ کہندہ ہیں السلام علیکم اور [illegible] رسان حال

ہو [illegible] السلام علیکم۔ والسلام مع الاکرام دعاگو [illegible] طلب

[illegible]



[illegible]

بخدمت [illegible] جناب مولوی [illegible]

سرینگر کشمیر — ڈاک خانہ [illegible]

صدقہ [illegible] محلہ [illegible]

ملا [illegible] برسد

نوٹ: اسی قسم کا ایک اور تاریخی پوسٹ کارڈ صفحہ نمبر ۲۰۳ پر ملاحظہ کیجیے

در تصرف کردن اندر اولیاء دستی تمام ٭ داتش زانرو بداد و اخذ مشتہر است

فِی تَصَرُّفِ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ کَانَ مَاھِرًا
اِنَّ فِی جُوْدٍ وَسَلْبٍ فِی الْوَرٰی اِسْتَشْھَرَا

ترجمہ:۔ آپ یعنے جناب مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری رح اولیاء اللہ کے روحانی کمالات پر تصرف کرنے میں بہت ماہر اور ید طولیٰ رکھتے تھے چنانچہ روحانی عطیات کی داد و دہش اور لوگوں کے دلوں سے ان کے سلب کرنے اور چھیننے میں دُنیا بھر میں مشہور و معروف ہیں۔

تشریح:۔ حضرت شارح رحمہ اللہ اس شعر کی تفصیل اس طرح فرماتے ہیں کہ حضرت جلال الدین بخاری رحمہ اللہ ولایت اور تصرفات میں اتنے کامل تھے کہ آپ کی عادت تھی کہ جس وقت کسی صاحبِ کمال فضائل دستگاہ ولیٔ خدا سے ملاقات فرماتے تھے اور نورِ ولایت سے معلوم کر لیتے کہ اس مردِ خدا میں یہ کمال اور پاک جوہر ہے تو اس کو اس سے خالی کر کے اپنی ذاتِ عالی میں جذب فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایسی پاک اور مقدس امانت کے لئے پاک پاکیزہ ہونا چاہیئے تو وہ بعونِ اللہ

مجھ میں بطریقِ اتم و اکمل موجود ہے۔ اس طرح اس فقیر کو حاصل کردہ محنت سے خالی ہاتھ فرماتے تھے چنانچہ اثنائے سفر میں اس قسم کے واقعات آپ سے بکثرت صادر ہوئے یہاں تک کہ جب حضرت شیخ نصیرالدینؒ چراغ دہلوی کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ نصیرالدین صاحب سلسلہ چشتیہ سے وابستہ تھے۔ ابھی آپ کی ملاقات حضرت شاہ چراغ صاحب سے نہ ہونے پائی تھی بلکہ آپ کے ایک خلیفہ سے ملاقات ہوئی اور انہیں بہت بڑا صاحب کمال پایا اور حسبِ عادت دلِ مبارک میں خیال آیا اس خلیفہ سے بھی ایسا ہی معاملہ کریں کہ انہیں جو کمال حاصل تھا اُس کو اُن سے چھین لیں۔ مگر اس دفعہ آپکو یہ کامیابی نہ ہوئی بلکہ بجائے لینے کے دینے پڑے یعنی خود حضرت سید کے کمالات پر تصرف کیا گیا یا چھاپہ مارا گیا۔ آخرکار جب آپ کی براہِ راست حضرت نصیرالدین صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حضرت سید کی بڑی تعظیم فرمائی اور ساتھ ہی نصیحت کی اور معذرت فرمائی کہ جو کچھ ہم نے آپ کے کمالات پر تصرف اور چھاپا مارا ہیں ہمیں معذور فرمائیے حقیقت میں یہ من جانبِ اللہ جناب کو امتحان و آزمائش ہے کہ آپ جیسے بلند پایہ شخص کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ فقیروں اور درویشوں نے محنت و مشقت کر کے جو کمالات حاصل کر لئے ہیں، وہ آپ اُن سے غصب اور سلب کریں اور ان بیچاروں کو خالی ہاتھ چھوڑ دیں۔ آپ یہ نصیحت سُن کر بہت مُتاثر ہوئے اور جواب میں فرمایا کہ حق تعالےٰ نے مجھے بڑی دستگاہ عطا فرمائی ہے، جس کسی دوست خدا سے میں نے کچھ سلب کرلیا ہے دُعا کر کے اُنہیں وہ امانتیں اور جواہر واپس کروں گا۔ چنانچہ آپ نے دُعا فرمائی حقداروں کو ان کے لئے حقوق اور روحانی فیوضات واپس فرمائے بلکہ اس سے زیادہ سے اسی طرح حضرت شاہ نصیرالدینؒ نے بھی آپ کے حق میں دُعا فرمائی تو آپ کو اپنی امانت سے بڑھ کر روحانی برکات و ہدایات سے نوازا۔ حضرت سید نے اس انعام و اکرام کے عوض شاہ نصیرالدین صاحبؒ کی خلافت منظور فرمائی اور

شکرانِ نعمت بجالانے کی غرض سے اس واقعہ کے بعد آپ کے جو مُرید ہوئے ان کو سلسلۂ چشتیہ کے طریقہ ہی سے تربیت فرماتے تھے اور اس واقعہ سے پہلے اپنے مُریدوں کو سلسلۂ سہروردیہ کے مشائخِ عظام کی ہدایات و ارشادات کے مُطابق تربیت و رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح حضرت سید جمال الدین رحمہ اللہ متعدد سلسلوں کی نسبتوں کے حامل اور مَنبع قرار پائے اور نیا سلسلۂ ممزوجہ وجود میں آگیا۔ اس سلسلۂ عالیہ کو سلسلۂ مخدوم جہانیاں کہتے ہیں۔ یہ دونوں سلسلے خصوصیت کے ساتھ حضرت سید کی اولاد و احفاد میں مُسلسل اور مُعنعن تا سید جمال الدین بخاری جاری و ساری تھے جس کا مکمل فیض و برکت اور جوہر و خلاصہ حضرت محبوبُ العالم سُلطان العارفین شیخ حمزہ مخدومی و محبوبی تک پہنچا۔

یہ ہے خُلاصہ اُس تحقیق کا جو حضرت پیر خاکی رحمہ اللہ نے اس مقام پر تحریر کی۔ باقی رہا تصرُّف کرنا، داد و دہش اور اخذ و سلب کرنا عقلاً و نقلاً ممکن ہے کہ نہیں؟ اس علمی بحث کو ہم اور کسی مقام پر تفصیلاً عرض کریں گے۔ البتہ اس جگہ صِرف یہ بات عرض کریں گے کہ روحانی فیوض و برکات اساتذہ اور مشائخِ طریقت سے حاصل کرنا باتفاق جمہور اہلِ سنت وجماعت دُرست اور ممکن ہی نہیں بلکہ تمام باخدا انسانوں کا معمول بہ رہا ہے۔ پس جو شخص دینے پر قادر ہوگا اگر واقعی وہ کامل ہوگا تو وہ لینے پر بھی طاقت رکھتا ہوگا ورنہ اس کا ناقص ہونا ظاہر ہے۔ بہترین کمہار وہ ہے کہ جو برتن بنانے کے بعد اُن کے توڑنے اور ان کی ہیأت وصورت بگاڑنے پر بھی دستگاہ رکھتا ہو جیساکہ مثنوی معنوی میں اسکی تفصیل ہے۔

تصرُّف اور اخذ کی لغوی تحقیق :-

قولہٗ فی تصرُّف" قال فی المِصباح تصرّفَ فی الامر کسی معاملے میں تصرُّف کرنا۔ تصرّفت بِہِ الاَحوالُ . مصائب و آفات کا غالب آجانا۔ ومِنہُ صَرَفَ اللہُ

قُلُوبَہُمْ اللہ تعالےٰ نے ان کے دِل پھیر لئے یعنے گمراہ کئے۔ صَرَفَ الدَّنَانِیرَ

درہم یا دوسرے دنانیر سے بدلنا

قولہٗ اَخَذَ۔ اَخَذَ اَخْذًا وتَاخذًا۔ لینا اَخَذَ بِہٖ پکڑنا۔ اخذہٗ

بذنبہٖ سزا دینا و مواخذہ کرنا۔ اَخَذَ عَلٰی یَدِہٖ کرنے سے روک دینا۔ اَخَذَ

عَنْہُ نقل کرنا، سیکھنا۔ اَخَذَ عَلٰی نَفْسِہٖ نگرانی کرنا۔ اَخَذَ فِیْہِ الخَمْرُ شراب

نے اس میں اثر کیا۔ اَخَذَ یَفْعَلُ شروع کرنے لگا۔

مُستَشْہِر بروزنِ مُستفعل اسم مفعول مِن بابِ اِستفعال۔ بمعنےٰ مشہورتر

بہرِ اِثباتِ نسب از روضہ پاکِ نبیؐ ٭ از جوابِ یا ولد مخصوص در مختصر شد است

اِنَّہٗ مِنْ رَوْضَۃِ طٰہٰ لِاِثْبَاتِ النَّسَبْ
نَالَ فَضْلَ یَا بُنَیَّ فِی الْجَوَابِ مُخْتَصَرًا

ترجمہ:۔ حضرت سید جلال الدین بُخاری نے اپنا نسب ثابت کرنے کے لئے آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدس سے یا جدی! کے جواب میں برملا یا بُنَیَّ اے میرے بیٹے کے جواب سے فضیلت اور خصوصیت پائی۔

مختصر تشریح:۔

ایک مرتبہ حضرت سید جلال الدین بُخاریؒ مدینہ شریف میں تشریف فرما تھے تو وہاں کے سادات سے سیادت کے ثبوت پر کچھ بحث چھڑ گئی۔ آپؒ نے فرمایا بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں بلکہ مدعیانِ سیادت یکے بعد دیگرے روضۂ اقدس پر حاضری دے کر "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا جَدِّی" اے دادا جان آپ پر سلام ہو" کہیں اور جس کو برملا اور کھلے طور پر اُدھر سے وعلیک السلام یا ولدی کا جواب ملے تو سید وہی متصور ہوگا۔ ہوا یہ کہ جب سب سادات نے سلام کیا تو جناب سید جلال الدین کے سوا کسی کو وعلیک السلام

یا ولدی کا برملا جواب نہیں ملا۔ اس واقعہ سے حضرت سید کی سیادت کا طنطنہ اور نقارہ تمام عالم میں بجنے لگا۔ اس تاریخی واقعہ اور ہمچو قسم جیسے تاریخی واقعات سے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا روضہ پاک میں زندہ ہونا واضح ہوتا ہے۔

قولہ اِنَّہٗ الضمیرُ راجعٌ الی حضرۃ الشیخ جلال الدین بُخاری۔

قولہ طٰہٰ اراد بہ المترجم غفراللہُ ذنوبَہٗ سیدنا ومولٰینا النبیّ الاُمّی صلّی اللہُ علیہ وسلم کما خاطبہُ اللہُ سُبحانہٗ وتعالٰی فی القراٰن الکریم " طٰہٰ مَا اَنزلنا علیکَ القراٰنَ لِتشقٰی " قال فی الخازن معناہُ یا رجلُ والمرادُ بہ النبیّ صلّی اللہُ علیہ وسلم وکذالک یا انسانُ۔ ثُمّ قال بعدَ اَسْطُرٍ معناہُ طأ الارضَ بقدَمیکَ یُریدُ بہ فی التہجّدُ و ذٰلک لما نزل الوحیُ علٰی رسولِ اللہِ صلّی اللہُ علیہ وسلم بمکّۃَ اجتہد فی العبادۃ حتّٰی کان یُراوحُ بینَ قدمَیہِ فی الصّلوٰۃ لطولِ قیامِہٖ وکانَ یُصلّی اللّیلَ کُلّہٗ فانزل اللہُ ھٰذہِ الاٰیۃَ وامرہُ انْ یُخفّفَ علٰی نفسِہٖ۔

انتھٰی مافی الخازن وغیرہٖ۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس طرح المزمل، المدثر یٰسین آپ کے اسماءِ مبارکہ اور القاب شریفہ میں سے ہیں۔ اسی طرح طٰہٰ بھی آپ کا اسم مبارک اور لقب شریف ہے۔ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ چنانچہ صاحب دلائل الخیرات وغیرہ نے آپ کے اسماءِ شریفہ کی جو فہرست دی ہے ان میں طٰہٰ بھی شامل ہے۔ اسی وجہ سے شیخنا الجیلی رضی اللہ عنہ نے کبریتِ احمر میں آپکی توصیف طٰہٰ، یٰسین المزمل، المدثر، سید المرسلین سے کی ہے۔ اس لئے نبی کا ترجمہ طٰہٰ سے کرنا بالکل درست اور صحیح ہے۔

قولہ فَضلَ۔ منصوبٌ علٰی اَنّہٗ مفعولٌ لِنداءٍ وفاعلہٗ ھو مقدرٌ عائدٌ الی الشیخ رحمہُ اللہ ثُمّ اِنّہٗ فضلَ مُضافٌ اِلی یاءٍ نیٍّ ونِداءُ ھٰذا اللفظ الی الخصوصیۃ اَیضًا۔

پس از انجا بہر ارشاد و ہدایت سوی ہند * ہم مرخص زان رسول اطیب و اطہر شدست

ثُمَّ مِنْ ثَمَّہ لتبلیغ و رُشدِ اَھلِ ھند
نَالَ اِذْنًا مِنْ رَسُوْلٍ قَبْرُہٗ قَدْ عُطِّرَا

ترجمہ :- پھر آپ نے وہاں سے اہل ہند کی تبلیغ و ہدایت کے لئے پاک ترین پیغمبر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اذن و اجازت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر اطہر کو اور بھی زیادہ لمعطر اور منور کرے۔

خلاصۂ بیت یہ ہے کہ عالم مکاشفہ میں حضرت آں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت شیخ کو ہندوستان میں دینی دعوت اور دین اسلام پھیلانے کے لئے حکم دیا۔ جس پر آپ نے عمل کیا اور ہندوستان تشریف لے آئے۔ یہاں آکر آپ نے دین قیم کی جو خدمت فرمائی وہ اظہر من الشمس اور تاریخوں میں مذکور و مزبور ہے۔ ادنیٰ یہ کہ حضرت شیخ ہی کی ذریت سے حضرت سید جمال الدین بخاری پیدا ہوئے اور ہمارے محبوب العالم حضرت شیخ حمزہ مخدومی کی خصوصیت کے ساتھ رہنمائی فرمائی۔ کفیٰ بہ فضلاً۔

قولہ من ثمہ اشارۃٌ الی مدینۃ الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم متعلقٌ بنال وھو ان کان متقدمًا لفظًا لکنہ مؤخرٌ معنیً۔

قولہ اذنًا مفعولٌ بہ لنال۔ قولہ قبرہ قد عطرا جملۃٌ دعائیۃ تمیمًا للشعر و توضیحًا لما اتی بہ الناظم العلام افاضنا اللّٰہ ببرکاتہ الی یوم القیام

کی بیاں کردن مقاماتش مجالِ من بُوَد ٭ خود زبان لال و عبارتِ زیں بیاں اقصر شدست

کَیْ اُطِیْقَ اَنْ اُبَیِّنَ مَقَامَاتٍ لَهٗ
لِلِسَانِیْ وَ بَیَانِیْ مِنْ بَیَانٍ اَقْصَرَا

ترجمہ :۔ میری مجال کیا کہ میں آپ کے مقامات اور مراتب عالیہ بیان کر سکوں بے شک میری زبان اور میرا بیان اُن کے اظہار سے قاصر اور عاجز ہے۔

تشریح :۔ حضرت خاکی رحضرت سید کے حالاتِ طیبات میں اختصار کرکے فرماتے ہیں کہ میری طاقت نہیں کہ میں آں جناب کے حالات اور کشف و کرامت کی تفصیل کرلوں کیونکہ اولیاء اللہ کی شان ایسی ہے کہ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی کہ اولیاء میری قدرت کے علم و احاطہ کے جوغہ میں روپوش ہیں، انہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قولہٗ اقصرا، من الاقصار، صیغۃ التثنیۃ للمذکر وضمیر التثنیۃ یرجع الی اللسان والبیان ومعنی الاقصار کما فی المفتاح اقصرہٗ چھوٹا کرنا، طول کم کرنا۔ نہانٌ، شام کے وقت داخل ہونا۔ اَقْصَرَتِ المرأۃُ چھوٹے چھوٹے بچے جننا۔ اَقْصَرَ المَطَرُ بارش رک جانا۔ الکلامَ مختصر کلام کرنا۔ مِنَ الصَّلٰوۃِ بجای چار کے دو رکعت پڑھنا

خطۂ پاکِ زمینِ اُچہ در ہندوستان ٭ از صفائی مرقدش با زینت بافر شدست

قِطْعَةٌ مِّنْ اَرْضِ قُدْسٍ اُجَّةٌ فِیْ مُلْكِ هند
قَدْ تَنَاهَتْ لِاَجْلِ جَدْثِهٖ حَبْرَةً وَّ مَنْظَرًا

ترجمہ :۔ جب آپ ہندوستان تشریف لائے تو اُچہ میں فروکش ہوئے اور اسی

جگہ آپ ہمیشہ کے لئے آرام فرما ہیں۔ یہ شہر اچہ آپکی تشریف آوری اور پھر آپ کے روضۂ شریف کی وجہ سے معنوی اعتبار سے اونچے اور انتہائی مرتبہ میں پہنچ گیا اور جو روحانی انوار و برکات اور روحانی شادمانیاں اچہ میں دکھائی دیتی ہیں بھلاوہ دوسرے مقامات میں کہاں۔ گو تمام اولیاء اللہ کے مزاراتِ مقدسہ انوار و برکات سے معمور ہیں۔

تشریح :۔ مَرقد خوابگاہ سونے کی جگہ مجازاً قبر کو کہتے ہیں کیونکہ اولیاء اللہ کی موت نیند کے مُشابہ ہے اس لئے اس کا ترجمہ ہم نے جَدَث سے کیا ہے۔ اس کی جمع اَجْدَاث ہے۔ اِرشادِ ربانی ہے فَاِذَاھُم من الاجداثِ اِلیٰ ربّھم ینسلون۔

قولہ حَبَرَۃ۔ وھو کما قال عُلَمَاءُ اللغۃ العربیۃ خوشی، نعمت، ہر عُمدہ راگ اور حَبَرَ الشَّیئَ کے معنے مُزیّن کرنا، منقش کرنا۔

قولہ مَنظَرًا۔ اَلمَنظَرُ دیکھنے کی جگہ چاہے خوشنما ہو یا بدنُما اور کہا جاتا ہے فلانٌ فی منظری و مُستمعیَ فلاں ایسی جگہ ہے کہ میں اسکو دیکھ سکتا اور اسکی باتیں سُن سکتا ہوں۔ یہاں پر قرینۂ حالیہ و مقالیہ کی بنا پر خوشنما جگہ ظاہرًا و معنیً مُراد ہے اُچہ غیر منقسم ہندوستان کا ایک مخصوص اور مُردم خیز علاقہ ہے اور اِس وقت اُچہ ریاستِ بہاولپور پاکستان کے بالکل قریب واقع ہے ؎

بود از ہر خانوادہ مُستفید تمامیے ؎ سہروردی را و چشتی مُظہر و مَظہر شدہ است

كَانَ مِنْ كُلِّ السَّلَاسِلِ مُسْتَفِيدًا بَيْدَ اَنْ
لِلشِّهَابِي وَالْمُعِينِي مُظْهِرًا وَ مَظْهَرًا

ترجمہ :۔ آپ (حضرت سید جلال الدین بُخاری) کثر بلکہ تمام سلسلوں اور پیرانِ طریقت کے خانوادوں سے مُستفید و مُستفیض تھے لیکن سلسلۂ مُقدسہ سہروردیہ اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے بہت زیادہ ظاہر کرنے والے اور انہیں دو سلسلوں کے مَظہر و منبع

قرار پائے کہ اپنے مُریدوں کو اِن ہی دو سلسلوں کے مُطابق روحانی تربیت فرماتے تھے۔

۱؎ یہ منسوب ہے حضرت شیخ الشیوخ مرشد ربانی شہاب الدین ابو عبداللہ عمر البکری سہروردی کی طرف۔ یہ اُن روحانی پیشواؤں اور اربابِ سلاسل میں سے ایسے اونچے پایہ کے بزرگ ہیں جو تعارف سے بے نیاز اور تعریف و تلقیب سے مستغنی ہیں۔ سلسلۂ سہروردیہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے چونکہ عربی نظم میں سہروردی کا لفظ وزنِ شعر سے بالاتر تھا اس لئے براہِ راست اس صاحب کا لقب ظاہر کیا کہ جن کے وجودِ گرامی سے سہرورد شہرۂ آفاق ہُوا۔

۲؎ المعینی سے سلسلۂ چشتیہ مُراد ہے کیونکہ ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت حضرت معین الحق والدین ہی سے ہوئی ہے پس گویا کہ آپ ہی اس سلسلہ کے موجد ہیں ورنہ از روئے حقیقت اس سلسلہ کے موجد آپ کے ساتویں پیر مُرشد حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی سالارِ چشتیاں ہیں۔ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی قصبۂ چشت کے رہنے والے تھے اسی لئے چشتی کہلائے اور اُن کا سلسلہ بھی چشتی سے موسوم ہوا ورنہ حضرت خواجہ اجمیری کے مولدِ شریف کا نام دارانجان یا بلدۂ سجستان تھا

سراج الھدایہ کی روایت کے مُطابق حضرت سید والا جاہ نے شجرۂ سلسلۂ سہروردیہ اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

الٰہی بحُرمتہ شیخ رکن الدین، الٰہی بحُرمتہ شیخ صدر الدین، الٰہی بحُرمتہ شیخ بہاؤ الدین زکریا۔ الٰہی بحُرمتہ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ الٰہی بحُرمتہ شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقاہر۔ الٰہی بحُرمتہ شیخ وجیہہ الدین ابو حفص۔ الٰہی بحُرمتہ شیخ محمد عبداللہ السہروردی۔ الٰہی بحُرمتہ شیخ احمد اسود دینوری۔ الٰہی بحُرمتہ شیخ ممشاد دینوری۔ الٰہی بحُرمتہ شیخ جُنید بغدادی۔ الٰہی بحُرمتہ شیخ سری سقطی۔ الٰہی بحُرمتہ شیخ معروف کرخی۔ الٰہی بحُرمتہ شیخ داؤد طائی۔ الٰہی بحُرمتہ خواجہ حبیب عجمی

الٰہی بحُرمۃ شیخ حسن بصری[۱۵]۔ الٰہی بحُرمۃ امیرالمومنین علی[۱۶] کرم اللہ وجہہٗ۔ الٰہی بحُرمتِ حضرت محمد[۱۷] مُصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم۔

نوٹ: اس طرح اگر کوئی نسبت کا یہ شجرہ پڑھ کر بارگاہِ الٰہی میں دست بدُعا ہو جائے تو امیدِ قوی ہے کہ ان پاکبازوں کی برکت اور وساطت سے اللہ تعالیٰ اس کی دُعا قبول فرمائیں گے۔

اس اعتبار سے حضرت سید جلالُ الدین اور آں حضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے درمیان سولہ واسطے ہیں اور حضرت والاجاہ کا سِلسلۂ چشتیہ وِرد المریدین کے مُطابق یہ ہے:۔

الٰہی بحُرمۃ شیخ نصرُ الدین محمود۔ الٰہی بحُرمۃ شیخ نظامُ الدین مداوانی۔ الٰہی بحرمۃ شیخ قطبُ الدین بختیار کاکی۔ الٰہی بحُرمۃ شیخ معینُ الدین سنجری۔ الٰہی بحرمۃ خواجہ عثمان ہارونی۔ الٰہی بحُرمۃ حاجی شریف زندانی۔ الٰہی بحرمۃ شیخ مودود چستی۔ الٰہی بحرمۃ شیخ ابو یوسف چستی۔ الٰہی بحُرمۃ ابو محمد چستی۔ الٰہی بحرمۃ شیخ ابو چستی۔ الٰہی بحرمۃ شیخ ابو اسحاق شامی۔ الٰہی بحُرمۃ شیخ علی دینوری۔ الٰہی بحُرمۃ شیخ ابو ہبیرہ بصری۔ الٰہی بحُرمۃ شیخ ابو حذیفہ حبشی۔ الٰہی بحُرمۃ شیخ ابراہیم[۱۵] ادہم۔ الٰہی بحرمۃ خواجہ فضیل بن عیاض۔ الٰہی بحُرمۃ خواجہ عبدُالواحد بن زید۔ الٰہی بحُرمۃ خواجہ حسن بصری۔ الٰہی بحُرمۃ امیرالمومنین علی بن ابی طالب[۱۹] کرم اللہ وجہہٗ۔ الٰہی بحُرمۃ خاتم الانبیاء حضرت محمد مُصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم۔

اس سلسلہ میں حضرت سید اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے درمیان ۱۹ واسطے ہیں۔ اللّٰھُمَّ احشُرنا معھُم وانفعنا بمحبّتھِم اجمعین۔

قولہٗ مُظہر علے وزن مُفعِل من الاظہار وھو کما فی المنجد مِن اَظھَرَ الشَّیئَ۔ بیّنتہ۔ جعلہ وراءَ ظھرہ۔ الکتاب قراۃ علی ظھرا۔ بانہ اظھرہ علی عَدُوِّہٖ جعلہ یغلبہ۔ اظھرہ علے السّر اظھرہ بہ رفع قدرہ واما مظہر الثانی فھو مصدرٌ میمیٌ اوظرفٌ معناہ واضحٌ کما لا یخفے۔

قولہٗ للشہابی اِمدادَ المترجمُ غفراللہ لہٗ شیخَ الشیوخ المرشد الربانی شہاب الدین اباعبداللہ عمر البکری السہروردی والیہ ینتھی سلسلۃُ مشائخ سہروردیلین۔

رُشدِ وآثارِ ہدیٰ زین مُبارک سلسلہ ٭ این زمان در ہر ولایت شامل و منتشر است

فَیْضُ ھٰذِہِ السَّلَاسِلِ الْکَرِیْمَۃِ اِنْفَا
فِیْ بِلَادِ اللّٰہِ کُلِّھَا لَاَضْحیٰ مُنْتَشِرًا

ترجمہ:۔ اس زمانہ میں ان مبارک سِلسلوں کے فیوض و برکات اللہ تعالیٰ کے تمام ملکوں اور مقامات میں پھیلے ہوئے ہیں۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں سِلسلۂ سہروردیہ اور سلسلۂ چشتیہ کے فیوض و برکات ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کوئی قطعۂ زمین ان سے محروم یا خالی نہیں ہے خاصکر ہمارا ملک کشمیر خصوصیت کے ساتھ بواسطۂ حضرت سلطانُ العارفین جناب شیخ حمزہ مخدومی رحمۃ اللہ علیہ ان مقدس سِلسلوں کا حامی اور علمبردار رہا ہے۔ جن بزرگوں نے خرقۂ خلافت حضرت سید جلالُ الدین بُخاری رح کو عطا فرمایا ہے ان کے اسماءِ گرامی حسبِ بیانِ بزمِ صوفیہ ترتیب وار یہ ہیں:۔

(۱) والدِ بزرگوار سید کبیرالدین (۲) والدِ ماجد نے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کا بھی خرقہ پہنایا (۳) حضرت شیخ رکنُ الدین (خواب میں) (۴) حضرت شیخ نظام الدین اولیاء (خواب میں) (۵) حضرت شیخ قوام الدین خلیفہ حضرت شیخ رُکنُ الدین (خط کے ذریعہ) (۶) حضرت شیخ قطبُ الدین منور (خط کے ذریعہ) (۷) حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی (۸) شیخ مکہ عبداللہ یافعی (۹) شیخ مدینہ عبداللہ المطری (۱۰) حضرت شیخ قطب عدن فقیہہ (۱۱) شیخ مُرشد ابواسحاق کازرونی (۱۲) شیخ امام الدین برادر شیخ امینُ الدین (۱۳) حضرت سید جہدہ حمید حُسینی (۱۴) حضرت شیخ معمر شرف الدین محمود شاہ نستری خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شہابُ الدین سہروردی (۱۵) سید احمد کبیر

رفاعی کبیر (۱۶) حضرت شیخ نجم الدین صنعانی (۱۷) حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ۔ (خوا
ہیں) (۱۸) حضرت خضر علیہ السلام (۱۹) حضرت اوحدالدین حسینی (۲۰) حضرت شیخ نورالدین
انتہی ماثی بزم الصوفیہ۔ باقی سلسلۂ مشائخ سہروردیہ و چشتیہ از حضرت محبوب العالم
تا حضرت سید جلال الدین بخاری اور آپ سے تا حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ و
سلم اصل کتاب میں مذکور و مزبور ہے وھو المعتمد عندنا کیف لاو شیخنا
الخاکی الاعلم الاقدم۔

چشمِ فیضِ از لطفِ او دارم کہ فیضِ عامِ او ٭ تا دمِ منشر پئے اتباعِ مستفشر شد است

وَ لَا اَرْجُوْ مِنْ فُیُوْضِ مَنْ لَہٗ فَیْضٌ عَمِیْم
لَا یَزَالُ فَیْضُہٗ لِـذُوِیْہِ مُمْطِرًا

ترجمہ:۔ حضرت خاکیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے آپ کے فیضِ عام اور لطف و کرم
کی پوری امید ہے کیونکہ آپ کے مریدوں اور پیروؤں کے لئے ہمیشہ آپ کی عام
فیض و برکت سدا بہار ثابت ہوگی۔

تشریح:۔ از لطفِ او، فیضِ عامِ او کا مرجع حضرت سید جلال الدین بخاری
ہیں۔ تا دمِ منشر سے قیامت کا دن مراد ہے۔ اس لئے شعر میں صنعت تعلیق بالدوام
ہے۔ چشمِ فیض سے فیض و برکت کی امید مراد ہے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ کی طرف
اشارہ ہے کہ حضرت سید نے ایک دن کعبہ شریف میں دعا کی کہ بارالٰہا! میں نے کوئی
عبادت آپ کے دربار کے لایق نہیں کی بلکہ ساری عمر گناہوں اور معصیت میں گذاری
فرماتے ہیں اس عاجزی و درخواست کے جواب میں ایک آواز آئی کہ خوش رہو کہ ہم نے
تمہاری سب عبادتیں اور نیکیاں قبول کیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جو لوگ تمہاری اتباع اور
پیروی کریں گے ان کی عبادتیں اور نیکیاں بھی قبول فرمائیں۔ مصرع ثانی میں اسی
واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس لئے اس شعر میں از روئے علم بدیع صنعتِ تلمیح ہے۔
پوری شرح دیکھنی ہو تو اصل کتاب دیکھئے۔

اوست یک صاحب قرآن یک قرن را مشہور لیک ¤ زیں مشائخ ہر یکے ارشاد را محور شدست[۵]

كَوْنُهٗ صَاحِبَ قِرَانٍ لِقَرْنٍ اَشْهَرٌ
كَانَ لِلْاِرْشَادِ مِنْهُمْ كُلُّ شَيْخٍ مِحْوَرًا

ترجمہ:- آپ کا اپنے قرن اور اپنے زمانہ کا صاحب قرآن، بارگاہِ ربانی کا انتہائی سعادتمند اور فیروز بخت ہونا تو زبان زدِ خلائق ہے اور آپ کے طفیل سے آپ کے سلسلہ کے مشائخ میں سے ہر ایک بزرگ تلقین و ارشاد کا محور اور مرکز بنا ہوا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

ہر یکی زیں مقتدایان ابر ساں فیاض بود ¤ فیض شاں بر مخلصاں باراں صفت ممطر شدست

كُلُّ شَيْخٍ مِنْ اُولَاءِ كَالسَّحَابِ هَاطِلٌ
فَيْضُهُمْ فِيْ مُخْلِصِيْهِمْ مِثْلُ غَيْثٍ اَمْطَرَا

ترجمہ:- اس سلسلہ کے پیرانِ طریقت میں ہر ایک پیر طریقت ابرِ بہاری کی طرح فیض بخش تھا، مُردہ دلوں کو زندہ کرتا تھا اور اُن کے مخلصوں اور ارادتمندوں

متعلق صفحہ گذشتہ:- [۱] اسمُ فاعلٍ مِنَ الامطارِ اَمطَرَتِ السَّماءُ نزل مطرُھا۔ امطر السَّماءُ القومَ اَصابتھم بالمطر۔

[۲] قولہ قرن۔ قال فی المنجد القرنُ فی الانسان موضعُ مِن رأسہ۔ قرن الشمس اوّل ما یبدو منھا۔ القرن من المطر الدفعۃُ یقال ھو علیٰ قرنی ای علیٰ سنّی وعُمری۔ القرنُ ایضًا مائۃ سنۃ۔ اھلُ زمانٍ واحدٍ۔ اُمّۃٌ بعدَ اُمّۃ۔ الوقتُ ھو الزمان وھو المراد ھٰھُنا۔ لا کما زعم بعضُ المترجمین۔ [۳] قال فی المنجد المِحور فی الھندسۃ الخطُّ المستقیم الموصل بین قطبی الکرہ۔ القطعۃ التی یدور علیھا الشیئُ اسکی جمع محاوِر آتی ہے

پر بھی اُن کا فیض بارش کی طرح برس رہا ہے۔

تشریح:۔ حضرت ناظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح میں اپنے قلم گوہر رقم سے خوب تشریح فرمائی ہے لہٰذا آپ وہاں مطالعہ فرما سکتے ہیں۔ البتہ ہم اتنا عرض کریں گے کہ مشائخ کی طرف سے اپنے مُریدوں پر فیوض و برکات کا نازل ہونا امر اتفاقی ہے۔ مولینا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق ⁂ گر مَلک باشد سیاہ گردد ورق

پیرِ طریقت حقیقت میں اصلی مُربی ہوتا ہے۔ اس کے مخلصین خواہ وہ ذاتی ہوں یا بالواسطہ اپنے بزرگوں کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے مشائخِ طریقت کے ہاں پیرانِ طریقت کا شجرہ پڑھنا معہود اور مُروّج ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ حضرت خاکیؒ کی کلامِ شریف کی تشریح اس سے کہیں زیادہ ہے جو آپ نے فرمائی۔ چنانچہ گاہ گاہ ہم ان خصوصی نکات و مباحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اصلی مباحث کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ مگر جب شعر تفصیل کا مقتضی ہو۔ مثال کے طور پر اس شعر میں حضرت خاکیؒ نے فرمایا "ہر یکے زیں مقتدایاں ابر ساں فیاض بود" کہ آپ نے مشایخِ طریقت کے فیوض و برکات کو بادل سے تشبیہہ دی کیونکہ بادل کی بارش خشک زمین کو تر اور سیراب کرتی ہے۔ اسی طرح حضرات صوفیہ کے فیوضات و ارشادات بھی مُردہ دِلوں اور قلوبِ قاسیہ کو زندہ کرتے ہیں اور دوسرا نکتہ اس تشبیہہ میں یہ ہے کہ ابر ہر جگہ اپنے حکم سے نہیں بلکہ ربانی حکم کے تحت خاص جگہ برستا ہے۔ اسی طرح مشائخ بھی صرف ان لوگوں کی تربیت فرماتے ہیں جن کے متعلق انہیں پہلے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو ہماری تربیت سے فائدہ ہوگا۔

سبلۂ گذشت یقال قَلِقَتْ مَحاوِرُہٗ ای اضطرب امرہٗ۔ ۲؎ قولہٗ ہاطلٌ۔ الھطل والھاطل یقال مطرٌ ھطلٌ وسحابٌ ھطلٌ یقال دیمۃٌ ھطلاءُ ای ھاطلۃٌ ولا یقال سحابٌ اھطلُ ⁂

ایں مشائخ را مسلسل اندر ارشاد و ادب
تا نبیٔ اللہ وسیلہ مرتضیٰ حیدر شداست

تَتَوالیٰ للشیوخ فی السُّلوکِ سِلسِلَۃٌ
وَ اِلیٰ النَّبیِ الوَسِیلَۃُ مَنْ لکان حَیْدَرا

ترجمہ: مذکورُ الذکر مشائخ کرام کو علمِ سلوک کے آداب میں مُسلسل سلسلہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم تک پہنچتا ہے اور آپ تک پہنچنے کے لئے ایک بڑا وسیلہ شیرِ خدا حضرت علے مرتضےٰ کرم اللہ وجہہٗ ہیں کیونکہ سلوک و تصوف کی تعلیم کے منبع اور سرچشمہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے

خلاصہ: واضح رہے کہ بعض مشائخ کرام کا سلسلہ سلوک و ارشاد میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر جا لگتا ہے۔ یہ وہ صاحب ہیں جن کے متعلق آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے : سَلمانُ مِنّا اَھلَ البَیتِ " سلمان ہمارے اہلِ بیت میں داخل ہیں۔" اور بعض مشائخ کرام کا سلسلۂ انتساب حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے جیسے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ روحانیت خلیفۂ اوّل سے مِل جاتا ہے لہٰذا اب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی فضیلت حضرتِ صدیقِ اکبرؓ پر ثابت نہیں ہوتی اور بالفرض اگر سلسلۂ روحانیت میں آپ کی فوقیت بھی مان لی جائے تو یہ فضیلت جُزئی ہے جو فضیلتِ کُلی کی متعارض اور مقابل نہیں ہوسکتی۔ جب بعض اہلِ شیعہ نے یہی سوال شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ سے کیا تو آپ نے جواباً فرمایا کہ شیخین میں نبوّت کی جھلک ختنین کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں تھی اور ختنین میں شانِ ولایت غالب تھی۔

بہرحال اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ ہم تمام صحابۂ کرام کی عظمت کے

قائل ہیں اور ان سب کا احترام اپنا دین و ایمان جانتے ہیں اور کسی صحابی پر نقد و تبصرہ کرنا گناہِ کبیرہ اور ناقابلِ معافی جرم سمجھتے ہیں اور خود حضرت خاکیؒ فرماتے ہیں ؎

ما سُنیانِ اُمتِ پیغمبریم نیز ٭ ما ہستیم ز سلسلۂ مرتضےٰ علی رضؓ
خاکی دریں لقب کہ تو داری اشارت است ٭ با بوتراب رضؓ نسبتِ حُبّی کُنی جلی

التحقیق :

۱۔ تَتَوَالِیٰ : از بابِ مفاعلہ، پے در پے کرنا ، اِسْتَوْلیٰ : اس نے غلبہ پایا مادہ وَلِیَ ہے جس کے بہت سے معانی ہیں ۔ ۲۔ السلوك : وہ علم جس سے تزکیۂ اخلاق اور منازلِ عالمِ قدس کے طریقے سکھائے جاتے ہیں ۔
مَسْلَك : راستہ ۔ جمع مَسَالِك ۔ ۳۔ اَلْوَسِیْلَۃ : وَسَلَ ، یَسِلُ وَسِیْلَۃً و وَسَّلَ و تَوَسَّلَ اِلی اللّٰہِ بعملٍ او وَسِیْلَۃِ اللہ تعالیٰ تک نزدیکی حاصل کرنا ۔ جمع وُسُل اور وسائل اور وسل آتی ہے ۔

غم نباید خورد مارا روزِ حشر از تشنگی ٭ منبعِ ایں سلسلہ چوں ساقیِٔ کوثر شدا ست

مَا لَنَا مِنْ اِغْتِمَامٍ یَوْمَ حَشْرٍ لِلْاُوَامِ
سَاقِیُ الْکَوْثَرِ اَضْحیٰ لِلشَّہَانِیْ مَصْدَرًا

ترجمہ :۔ قیامت کے دن ہمیں پیاس کا کوئی خوف نہیں ہو گا کیونکہ اس سلسلے یعنے سلسلۂ سہروردیہ کے مرشدِ اعظم حضرت علی مرتضےٰ رضؓ ہیں ۔ وہی حوضِ کوثر کا پانی پلانے والے ہیں ۔

مفہومِ شعر یہ ہے کہ سلسلۂ سہروردیہ شاہِ ولایت حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر منتہی ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے مُریدوں کو قیامت کے دن ضرور یاد فرما کر شفاعت فرمائیں گے کہ جس کو دُنیا میں آپکی سچی محبت ہو اور دل میں احترام ہو پھر عملاً آپکی پیروی کرے تو آپ اس کو ضرور یاد کریں گے کہ آپکی اقتداء اور محبت نہایت مفید

اور ثمر آور ہے۔ واضح رہے کہ حقیقت میں ساقیٔ کوثر صرف حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور حضرت علیؓ کے لئے ساقیٔ کوثر کا وصف ثابت کرنا نیابۃً اور بالتبع ہے۔ اس سے سلسلۂ سہروردیہ کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے کہ اس سلسلۂ رفیعہ کے منبع حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں۔

عُروۃ الوثقیٰ وحبلُ اللہ بیانِ این سلسلہ ❊ ہر کہ زد چنگش بعصمت تالب مقبر شد است

عُرْوَۃُ الْوُثْقیٰ وَحَبْلُ اللّٰہِ تِلْکَ السِّلْسِلَۃ
قَدْ نَجیٰ مَنْ عَضَّہَا حَتّٰی اَتیٰ مَا اَقْبَرَا

ترجمہ:۔ یہی سلسلۂ سہروردیہ عروۃ الوثقیٰ اور حبل اللہ کی بہترین تفسیر ہے جس کسی نے مضبوطی سے اس سلسلہ کو پکڑا وہ مرتے دم تک آفات وخطرات سے محفوظ ہوگیا۔ یہ شعر اپنے ماقبل کی تاکید ہے۔ یہ سبب اور علت ہے کہ حضرت ماتن رحمۃ اللہ علیہ

ؔ قولہ لِلْاُوام۔ قال فی المنجد الأوامُ العطشُ دُوارُ الرأس۔ والایامُ الدُخان، جمعہٗ اُیَمٌ ❊ ؔ قولہ للشہابی، الادمنہ المترجم سِلسِلَۃَ الشّہابیۃ ای السہروردیہ بحذف المضاف علی القرینۃ الحالیۃ والمقالیۃ کما حُذِفَ مِن قولہ والعاقبۃُ لِلمُتّقین۔ ای حسنُ العاقبۃ للمُتّقین۔ وکما حُذِفَ من قولہ عزوجل وَاسْئَلِ القریۃَ ای اھل القریۃ۔ ثم لا یخفی علیک اَنَّ المرامَ مِن ھٰذہ السِّلسلۃ الواقعۃ فی المتن سلسلۃُ الامام شہاب الدین عمر السہروردی صاحب ھٰذہ السلسلۃ الکریمۃ۔

قولہ الکوثر۔ فی الخازن الکوثرُ نھرٌ فی الجنۃ اَعطاہُ اللّٰہُ محمّدًا صلی اللّٰہُ علیہ وسلم وقیل الکوثرُ القرآن العظیم وقیل ھو النبوّۃ والکتاب والحکمۃ وقیل ھو کثرۃ اَتباعِہ وَاُمّتِہ وقیل ھو الخیرُ الکثیر واَولیَ الاقاویل فی الکوثر ھو المعنی الاول۔ ثم اعلمْ اَنّ الکوثر علی وزنِ فوعل مِنَ الکثرۃ والعرب تُسمّی کُلَّ شیئٍ کثیرٍ فی العدد وکثیرِ القدر والخطرِ کوثرًا۔ وقیل الکوثرُ الفضائلُ الکثیرۃ التی فُضِّلَ بھا علی جمیع الخلق انتہی ما فی الخازن۔

اس شعر میں سلسلۂ سہروردیہ کے دوسرے سلاسل پر راجح ہونے کی وجہ بتاتے ہیں کہ یہ طریقہ عُروۃ الوثقیٰ اور حبلُ اللہ کی بہترین تفسیر و توضیح ہے کیونکہ سلسلہ ہٰذا کے پیرانِ طریقت کا پہلا درس کلمۂ نفی و اثبات کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے ہوتا ہے۔ جو توحید الٰہی کا عطر اور نچوڑ ہے۔

تشریح:۔ ربانی ارشاد ہے کہ دینِ اسلام قبول کرنے کے لئے کسی طرح کا جبر و اکراہ درست نہیں بلکہ یہ عاقل و بالغ، صاحب عقل و فراست کی مرضی ہے کہ تمام تعصبات اور ضد نفرت چھوڑ کر حق و صداقت اختیار کرے کیونکہ اب کفر و ظلمت اور حق و باطل میں امتیاز ہو گیا ہے اور اسلام کی سچائی پر دلیلیں قائم ہو گئی ہیں تو پھر زبردستی اور جبر و اکراہ سے کیا فائدہ؛ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس نے طواغیت یعنے شیطانوں کا، جادوگروں اور معبودانِ باطل کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا کہ بس وہی حقیقی کارساز اور معبودِ برحق ہے تو ایسے شخص نے اس نفی و اثبات سے مضبوط دستاویز حاصل کیا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ جب تک وہ اسے جنت کے دروازہ تک نہ پہونچائے گا۔ بعض مفسرین نے اس سے دینِ حق مُراد لیا ہے۔

طاغوت بروزن فاعول طغیان سے مشتق ہے اس میں تا لام فعل سے بدل ہو کر آتی ہے جیسا کہ حانوت اور تابوت کی تا تانیث کی عوض ہے۔ انتہیٰ۔ اہلِ سالکینِ راہِ حقیقت اور ذائقینِ بادۂ معرفت طاغوت ہر اُس چیز کو قرار دیتے ہیں جو عرفانِ الٰہی حاصل کرنے میں آڑ اور حائل ہو جائے۔ چنانچہ سرتاج اولیاء نقشبندیہ حضرت خواجہ

من بعد هذه الاقاويل الشريفة الماثورة من كبار المحدثين والمفسرين تبينا ان صاحب الكوثر بالذات والاصالة هو سيدنا محمد صلى الله عليه وآله وسيدنا على المرتضى بالتبع والنيابة كما لايخفى على ذوى الرواية والدراية وبقال ان المراد فى المتن من ساقى كوثر رسول رب العلمين محمد صلى الله عليه وعلى آله واصحابه اجمعين۔ وهو الاقوى والانسب۔ فيكون فى الشعر اشارة الى ان تربية السهروردية اشد مطابقة تعليمات الشرعية وامتزاج اللطيفة كما هو مبرزة فى الجو فيه ۔

بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں مذکور ہے۔ تصوّف و سلوک میں ہر وہ چیز طاغوت میں داخل ہے جسے ربُّ الارباب سے کوئی تعلق نہ ہو۔

ہر کہ اندر کشتیِ ایں سلسلہ تشریف یافت ؛ بے مشقت سیر او سوی خدا منجر شد است

مَنْ اَتیٰ مُسْتَنْجِیًا فِی فُلْکِ تِلْکَ السِّلْسِلَۃ
سیرہٗ مِنْ غَیْرِ صَعْبٍ اِلَی اللّٰہِ یُسْـــرًا

ترجمہ :۔ جو شخص اس سلسلۂ عالیہ کی کشتی میں سوار رہا تو اس کی سیر خدا تعالیٰ کی طرف نہایت آسانی سے جاری ہوگئی۔

تشریح :۔ اس شعر میں آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے فرمایا :۔ انا و اصحابی کسفینۃ نوح مَنْ رکب فیھا نجی و مَنْ تخلف عنھا ھلک وھوی۔ وفی روایۃ انا و اھلُ البیتِ کسفینۃِ نوح۔ کہ میں اور میرے صحابۂ کرام رضی حضرت نوح علیہ السّلام کی کشتی کی طرح ہیں کہ جو شخص اُس میں سوار ہوا تو اس نے نجات پائی اور جو کوئی اُس سے علیحدہ اور پیچھے رہا وہ ہلاک اور گمراہ ہوگیا۔ دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ میں اور میرے اہلبیت نوح کی کشتی کی طرح ہیں۔

حضرت خواجہ حافظ اسی کشتیِ نوح کے متعلق فرماتے ہیں ؎

حافظ از دست مدہ صحبت کشتی نوح
ورنہ طوفانِ حوادث ببرد بنیادت

اسی طرح کتاب لبُّ اللباب میں مرقوم ہے۔ سلوک (تزکیۂ باطن) مرشد کامل کے بغیر طے کرنا ناممکن ہے کیونکہ اس راستہ میں بہت سے خطرات اور غول بیابان سامنے آتے ہیں۔ اس لئے تمام بزرگانِ دین کا دستور ہے کہ وہ کسی پیر روشن ضمیر کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں اور ان کی ہدایات و احکام پر عمل پیرا

ہوتے ہیں۔ کسی پختہ کار عالم نے اس سے انکار نہیں کیا اور نہ خود بخود کوئی شخص بغیر کسی اُستاد اور شیخ کے واصل باللہ ہوا ہے۔ اور اگر ایسی صورت کہیں پائی بھی جائے تو وہ شاذ اور عنایتِ الٰہی ہے۔ ورنہ ظاہر یہی ہے کہ فیوض و برکات کا حصول اور اصلاحِ باطن شیخ طریقت کی رہنمائی پر موقوف ہے جیساکہ حضرت پیر رومی فرماتے ہیں ؎ اندریں رہ ترک کن طاق و طرنب

تا قلاوزی نجنبد تو مجنب

اے عارف خود نمائی اور خود سری چھوڑ دے جب تک پیر طریقت اور رہبر کامل میسر نہ ہو تو اسوقت تک اس راہ میں اپنے قدم آگے نہ بڑھاؤ۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث ہوتے ہوئے پیر کامل کی کوئی ضرورت نہیں۔ دولتِ ایمان اس کے بغیر بھی بدست آتی ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بے شک ایمان کی دولت قرآن وُ سنت کی اتباع و پیروی ہی سے حاصل ہوتی ہے پیر کامل کیطرف اس لیۓ حاجت پڑتی ہے کہ وہ نورِ باطن سے کھرے کھوٹے، سچے اور جھوٹے عالموں اور راہبروں کے مابین فرق کر کے سالک کو حقیقت کی راہ پر لگاتا ہے۔ ورنہ قرآنِ کریم کی یہ شان ہے یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا اللہ تعالےٰ فرقانِ حمید سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں ڈالتا ہے اور اس سے بہتوں کو ہدایت بھی کرتا ہے۔ اسی طرح خود سرکارِ دو عالم ؐ کا فرمانا ہے کہ میری اُمت بہت فرقوں میں بٹ جائیگی صرف وہ جماعت نجات و سعادت سے ہمکنار ہو گی جس نے انکار کیا۔ صحابۂ کرام نے اس کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ کہ ایمان اور نجات کی دولت صرف ان لوگوں کے حصہ میں آئے گی جو میری اور میرے صحابہ کی پیروی کریں گے وہ اہلِ سنت و الجماعت ہیں اور اہلِ سنت و الجماعت کے نزدیک پیرِ طریقت سے استفادہ کرنا اور انکی ہدایات و صحیح تعلیمات پر عمل کرنا ہمیشہ سے معہود اور مسلوک ہے۔

یا علی صحبت بہ پیران بہتر از ہر طاعت است ٭ ایں وصیت از نبی باآں شہ خیبر شدہ است

صُحْبَةُ الْاَبْرَارِ خَيْرٌ يَا عَلِيْ مِنْ طَاعَةٍ
هٰكَذَا اَوْصَى النَّبِيُّ مَنْ لَاَبْلٰى خَيْبَرَا

ترجمہ:۔ نیکو کاروں اور پیرانِ کامل کی صحبت تمام عباداتِ نافلہ سے بہتر اور مفید تر ہے۔ یہی وصیت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحِ خیبر حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کو کی جنہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے فتح فرمایا تھا۔ حضرت پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف کے دفتر اول میں فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰ کو اس بات کی وصیت فرمائی ہے کہ جب لوگ قربِ الٰہی کسی عبادت کے ذریعہ حاصل کرنے لگیں گے تو تم اے علی عاقل اور خاصانِ الٰہی کی محبت تلاش کرنا۔ اس سے عبادت کرنے والوں پر تم کو سبقت حاصل ہوگی۔ فرماتے ہیں ؎

حاشیہ متعلق شعر سابق:۔ قولہ مستنجیاً مِنَ الاستنجاء نجات طلب کرنا۔ قال فی المنجد واستنجی مِن کذا خلص الشجرة قطعها ۔ الشيئ من فلانٍ استخلصه وهو منصوبٌ لانّہ حالٌ من الضمیر المستتر فی اتیٰ۔ الفُلك السفينة ۔ ترنث وتذکر۔ کذا فی المنجد۔ قولہ يُسْرًا مِنَ التيسير وهو التسهيل والالف فيه للاشباع والباقی اظهر مِن اَن يُرقم و يُذكر۔

۱؎ الابرار۔ برّ والده اطاعه۔ احسن معاملته؛ یعنی اس نے اپنے باپ کی فرمانبرداری کی، اس کے ساتھ بہترین معاملہ کیا۔ بَر کی جمع اَبْرار، بارًّا، بَرَرَةٌ آتی ہے۔

۲؎ قولہ ابلٰی۔ قال فی المنجد ابلی فی الحرب بلاءً حسنًا۔ اظهر فيها باسه حتی بلاهُ النّاسُ وامتحنوه یعنی اس نے جنگ میں بڑی بہادری دکھائی یہاں تک کہ لوگوں نے اس کو آزمایا اور اس کا امتحان لیا۔ یہ لفظ بلحاظ مفہومِ شعر بہت مناسب ہے۔ اس کے شروع میں لام تاکید کے لئے ہے۔ یہ باب افعال سے ہے۔ اس کا مادہ مختلف معنوں پر بولا جاتا ہے۔ خیبرا

گفت پیغمبر علی را کاے علی ⁂ شیرِ حقی پہلوان پُر دلی

کہ اے علی تم شیرِ خدا اور قوی دِل پہلوان ہو مگر اس پہلوانی پر اعتماد نہ کرنا۔ بلکہ درختِ اُمید کے سایہ میں آنا۔ وہ یہ ہے کہ اس عقلمند باخدا آدمی کے سایہ میں آنا جو تم کو غفلت سے نکال کر راہِ خدا پر لگائے۔ وہ اس شان اور اس صفت کا ہوتا ہے کہ اس کا سایہ کوہِ قاف کی طرح زمین پر ہے اور اس کی روح سیمرغ کی طرح بلند پرواز ہوتی ہے۔ ؎

اندر آ سایۂ آن عاقلے ⁂ کش بداند برد از رہ غافلے

ظلِ او اندر زمین چوں کوہِ قاف ⁂ روحِ او سیمرغ عالی طواف

گر بگویم تا قیامت نعتِ او ⁂ ہیچ اور ا مقطع و نہایت مجو

در بشر روپوش کردست آفتاب ⁂ فہم کُن واللہُ اعلم بالصواب

کہ وہ عاقل و باخدا ایسا ہے کہ اگر میں قیامت تک اس کے روحانی مراتب بیان کروں تو پھر بھی اس کا پورا حق ادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ روحانیت کے مراتب قال سے نہیں بلکہ حال سے طے ہوتے ہیں۔ مختصر یوں سمجھ لیجئے کہ حضرت اللہ نے انسان کے اندر دِل کا ایک ایسا آفتاب ودیعت اور پوشیدہ کر رکھا ہے جو معنوی صلاحیت کا ایسا عظیم بادشاہ ہے کہ جس طرح ظاہری آفتاب ہے کہ زمین سے نو کروڑ میل دور ہونے کے باوجود اس کو اپنے نور سے منور کرتا ہے۔ اسی طرح آدمی کا دِل بھی جب شریعت، حقیقت اور معرفت کے جام سے صاف و شفاف ہوتا ہے تو وہ بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح ہزاروں میل دور ہونے کے باوجود یاساریۃُ الجبلَ کا نعرہ بلند کرتا ہے کہ اے ساریہ پہاڑ کی طرف لپک جاؤ اور اسی پر اپنی پوزیشن سنبھالو۔ پوری شرح دیکھنی ہو تو دستورُ السالکین کی طرف رجوع کیجئے۔

منصوب بنزعِ خافض ہے۔ دراصل فی خیبر تھا۔ اس میں الف اشباعی ہے ⁂

گفتن ذکر است سوئے حق راہے نزدیک است ٭ ہر طریقے کز نبی تلقین آں صفدر شد است

اَقْرَبُ الطُّرُقِ اِلٰی رَبِّ دَوَامًا ذِکْرُہٗ
بطریقِ خَیْرِ خَلْقٍ لِلْعَلِی قَدْ اَظْهَرَا

ترجمہ:۔ قربِ خدا حاصل کرنیکا نزدیک ترین راستہ وہ ہے جس میں ذکر و فکر اس طریقہ سے ہو جس کی تلقین و رہنمائی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ ولایت حضرت علی مرتضےٰ رض کو فرمائی ہے۔

مختصر تشریح:۔ رسالہ لطیفہ غیبیہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک دن شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ نے آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے قربِ خدا حاصل کرنیکا نزدیک اور آسان ترین راستہ دریافت کیا تو آپ نے علیكَ بمداومة الذِكرِ في الخلوات فرمایا کہ پوری پابندی کے ساتھ تخلیہ اور تنہائی میں یادِ خدا کرتے رہو۔ حضرت علی رض نے یہ ارشاد سن کر اس کا طریقہ اور کیفیت دریافت کی اور عرض کیا کَیْفَ اذکرُ اللّٰہَ یادِ خدا کرنے کی کیفیت بیان فرمائیے۔ نے درجواب فرمایا: اَغْمِضْ عینَیْكَ واسمع مِنّی ثلٰث مرّاتٍ وعلیٌّ یسمعُ ثُمَّ قال علیٌّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ثلٰث مَرّاتٍ والنبیُّ یَسْمَعُ ثُمَّ لَقَّنَ عَلِیٌّ لِلحسنِ البصری وھو لقّنَ حبیبَ الْاَعْجَمِی وھٰکذا وصل الی المشائخ۔

اپنی دونوں آنکھیں بند کرو اور مجھ سے کلمہ لا الٰہ الّا اللہ تین بار سنو۔ آپ نے کلمۂ توحید (یعنے کلمۂ نفی و اثبات) خاص کیفیت اور خاص حال کے ساتھ پڑھا۔ حضرت علی سنتے رہے۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تین بار کلمۂ شریف دھرایا۔ آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سنتے رہے۔ پھر اپنے وقت میں شاہِ ولایت نے حضرت خواجہ حسن بصری اور انہوں نے حبیب اعجمی کو اسکی اجازت دی۔ آخر الذکر نے اپنے شاگردوں اور طالبینِ آخرت کو اس مقدس کلمہ کی تلقین کی۔ یہاں تک تمام مسلّم الثبوت اربابِ سلاسل اور پیرانِ طریقت نے اس تعلیم و تلقین کو اپنا شعار

خلوات و جلوات میں بنالیا۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیثِ بالا کو کم و بیش الفاظ و کلمات کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو قول الجمیل) مختصر یہ ہے کہ اس کلمۂ توحید کو خاص قواعد و ضوابط کے ساتھ پڑھا جائے اور اس کا وِرد رکھنا چہار ضرب کہلاتا ہے۔

سُنّیانیم و مَوالی ھسم برغمِ رافضی ✿ ما و شیخاں را چو مولیٰ خواجہ قنبر شد است

اَھلُ سُنّۃ وَالمَوالی نحنُ رَغمَ اَھلِ رَفض
اِذ لَاَضحٰی خواجہ قنبر للشّیُوخ نَاصِرَا

ترجمہ:۔ ہم رفض کرنے والوں کی مرضی کے برخلاف سنی مسلمانوں اور حضرت علی رضؓ کے دوستدار ہیں۔ اس لئے ہمارے اور ہمارے مشائخ کرام کے مولیٰ اور پناہ دینے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ قرار پائے۔

بعض الفاظ کی تشریح:۔ سُنّی وہ مُسلمان ہیں جن کے عقائد قرآن و سنّت کے موافق ہوں اور تمام اصحابِ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی عزّت و احترام کرتے ہوں عام طور پر سُنّی مسلمان احناف، شوافع، مَوالک اور حنابلہ پر اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ یہی حضرات تمام اصحابِ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مُحب اور ان کے فضائل و مناقب کے علمبردار ہیں۔

مَوالی، مولیٰ کی جمع ہے۔ مفتاح میں المولیٰ کے یہ معنے بتائے گئے ہیں:۔ سردار، غلام آزاد کرنے والا۔ آزاد شدہ، انعام دینے والا، جس کو انعام دیا جائے۔ محبت کرنے والا۔ ساتھی، رشتہ دار، حلیف، پڑوسی، مہمان، شریک، بیٹا، چچا کا بیٹا، بھانجا، چچا، داماد، ولی، تابع۔ اور کہا جاتا ہے فھو یتمولی علینا وہ ہمارا سردار بننا چاہتا ہے۔ الموالیا ایک قسم کے اشعار جن کو سنایا کرتے تھے۔ المولیٰ بچہ جس پر ولی مقرر کیا گیا ہو۔ المولوی مولیٰ کی طرف منسوب ہے۔ زاہد، عالمِ دین، المولویہ ایک قسم کی لمبی ٹوپی جس کو فرقۂ مولویہ پہنا کرتے تھے۔ اور کہا جاتا ہے

فیہ مولویہ کہ اسمیں سرداروں کی مشابہت ہے۔ اس کا مادہ اور اصل وَلِی۔ یَلِیْ وَلْیًا سے ہے جس کے معنے قرب اور متصل ہونے کے ہیں۔ یہ معنی اس کے تمام مواقع استعمال میں پایا جاتا ہے۔

رافضی اسم فاعل ہے۔ اس میں یٰ نسبت کے لئے ہے۔ الرّافضہ وہ جماعت ہے جو جنگ وغیرہ میں اپنے قائد و رہنما کو چھوڑ دے۔ اسکی جمع روافض ہے۔ اسی لئے اہلِ عرب لاخلق فی الروافض کہتے ہیں۔ کہ رافضوں میں کوئی خوبی نہیں جو وقت آنے پر اپنے آقا سے غداری کرے۔ الرّفاض پریشان راستے کو کہتے ہیں۔

قنبر حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہٗ کا ایک غلام تھا۔ خواجہ قنبر بمعنی صاحب و مالک کے ہیں۔ القنبرۃ کے اصلی معنے سر پہ کچھ زاید پَر اور کلغی کے ہیں۔ دَجَاجَۃٌ قنبرانیہ کلغی دار مرغی کو کہتے ہیں۔

خلاصۂ شعر یہ ہے :۔ حضرت خاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم بیک وقت اہلِ سُنّت اور محبانِ حضرت شاہِ ولایت کرم اللہ وجہہ ہیں کیونکہ حقیقی سنیت یہ ہے کہ تمام اصحاب نبیؐ کی تعظیم و تکریم کی جائے۔ اور فرماتے ہیں کہ ہم رفض کرنے والے نہیں ہیں۔ جس طرح وہ کچھ لوگ ہیں جو ایک وقت حضرت شاہِ ولایت کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور عظیم المرتبت صحابیوں کا کینہ ان کے سینوں میں موجود ہے۔ اور فرماتے ہیں ہم کو اور ہمارے بزرگوں کو جو روحانی فیوض و برکات عنایت ہوئے ہیں وہ اسی سلسلۂ عالیہ کے منبعُ حضرت علی مرتضےٰ خواجۂ قنبر سے عنایت ہوئے ہیں۔ پھر آپ کی اطاعت و محبت کا عملی ثبوت نہ دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عربی شعر کی ترکیب اس طرح ہے :۔

نحنُ مُبتدا اھلُ سُنّۃ اس کی خبر ہے۔ رفض مع اپنے مضاف الیہ کے مفعول لہٗ ہے۔ کما لایخفی اور ناصِرًا منصوب ہے کیونکہ یہ اضحی کی خبر ہے ؎

شیعه وسُنّی یکے ہستند اَمّا ز اہلِ رفض
اِدّعایِ شیعگی وسَبّ وبُغض انکر شُد است
اَہلُ سُنَّۃٍ وَ شِیعَۃٌ غَیرُ رَفضٍ مُستَوُن
والتّشیُّع مَعَ حِقدٍ مِنہُم قَد اُنکِرَا

ترجمہ: شیعہ وسُنّی ایک اور برابر ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ شیعہ ہونے کا دعویٰ کرنا اور پھر صحابۂ کرام کا بغض وعداوت رکھنا اور معاذ اللہ سرکردہ اصحاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے نام صراحۃً یا کنایۃً سب وشتم کرنا نہایت منکر، ناپسندیدہ اور موجب رسوائی دارین ہے۔

خلاصہ:۔ جو شخص آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سچا اور پکا اُمتی ہوگا وہ آپؐ کے تمام صحابہؓ اہلبیت اور ازدواج طاہرات سے نہ صرف محبت رکھیگا

(صفحہ نمبر ۸۰ کا بقیہ)

وباطنًا۔ والالف فی قولہ مَصدرًا للاشباع۔ والمناسبۃُ بینہٗ وبینَ المَنبَعِ اشہر۔

قال فی لُبابِ التفسیر فی تفسیرِ العروۃ الوثقیٰ المذکور فی قولِ اللہِ عزّوجل فَمَن یّکفُر بالطاغوتِ ویُومِن باللہِ فقد استمسکَ بالعُروۃِ الوُثقیٰ لا انفصامَ لہا واللہُ سمیعٌ علیمٌ۔ ای فقد استمسکَ واعتصَمَ بالعقدِ الوثیقِ المحکمِ فی الدین والوُثقیٰ تانیثُ الاوثق، وقیل العروۃ الوثقیٰ السببُ الذی یوصلُ الی رَضاءِ اللہ تعالیٰ وھو دینُ الاسلام۔

بلکہ ان کا احترام اپنے اوپر لازم جانے گا۔ اور جو بے راہ اور بدنصیب ہوگا وہ ان حضرات کی محبت و احترام بجالانے سے ہزاروں حیلے بہانے تراشتا ہے۔ ایسا شخص ہرگز آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اُمتی نہیں ہے افسوس ہے کہ ایک گروہ محبتِ اہلبیت میں اتنا گرویدہ ہوگیا کہ باقی صحابہؓ کرام کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ سے اِفراط و تفریط میں گرفتار رہا۔ وہ اپنے آپ کو اہلبیتؑ کے محبّوں میں شمار کرتا ہے مگر وَلَيْسَ مِنْهُمْ۔ عصرِ حاضر میں بھی سُنّیوں میں سے کچھ بہترین اِنشا پرداز پیدا ہوئے انہوں نے حضرت عُثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر وار کیا جسکی وجہ سے جمہور اہلِ اسلام نے ان کو خوارج کی صف میں داخل کیا۔ یہ گستاخی اور بے ادبی کا نتیجہ ہے۔ حضرت مولٰنا رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

از خدا جوئیم توفیقِ ادب ؛ بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

اہلسنّت کی مخصوص علامتیں یہ ہیں :

۱۔ شیخین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ پر فوقیت و فضیلت دینا۔ ۲۔ ختنین حضرت عُثمان اور حضرت علی مُرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے محبّت کرنا۔ ۳۔ باقی اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عادل جاننا ۴۔ قبلتین کعبہ شریف اور مسجدِ اقصٰے کو اپنا قبلہ تسلیم کرنا۔ گو اب ہمارا قبلہ تا قیامت کعبۂ شریف رہے گا مگر مسجدِ اقصٰے کا احترام کرنا بدستور فرض ہے۔

۵۔ مسلمان میت نیک ہو یا بد اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا۔ نیکو کار اور بدکار کے پیچھے اِقتدا کرنا دُرست ہے۔ ۶۔ کسی آدمی کے بارے میں قطعی طور پر جنتی یا جہنمی ہونے کا حکم نہ لگانا۔

یہ ہیں سُنّی مسلمانوں کی مخصوص علامتیں۔ اہلِ رفض اس کے برعکس ہیں۔

سوی حق آں راکہ سودائی سلوک اندر سرست ٭ گو رعایت کن دل این ہشت ادب معتبر شدست

اَلَّذِیْ فِیْ رَأْسِهٖ طَیْفُ السُّلُوْكِ قَدْ سَرٰی
قُلْ لِیَحْفَظِ الثَّمَانَ مِنْ شُرُوْطٍ صَابِرًا

ترجمہ :- جس شخص کے دل و دماغ میں علم سلوک کے قواعد کے مطابق زندگی گذارنے کا خیال آ جائے اُسکو نصیحت کے طور پر اس بات کی تاکید کرو کہ وہ نہایت صبر و ضبط کے ساتھ آٹھ شرطوں کی پابندی کرے۔ وہ آٹھ ادب یہ ہیں :-

وحدت و ذکر و وضو نفی خواطر ربط قلب ٭ صمت و تقلیل و رضا کاندر سلوک انصر شدست

وَحْدَةٌ ذِكْرٌ وُضُوْءٌ نَفْیُ الْخَوَاطِرِ رَبْطُ قَلْبٍ
صِمْتَةٌ وَالْقِلُّ وَالرِّضْوَانُ فِیْهِ اَنْصَرَا

ترجمہ :- وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں :- (۱) تنہائی اختیار کرنا (۲) ذکر کا سلسلہ جاری رکھنا (۳) باوضو رہنا (۴) بقدر امکان خطرات نفسانی کا علاج کرنا (۵) اپنے مرشد کامل اور مُربّی مجازی کے ساتھ دلی تعلّق پیدا کرنا۔ (۶) خاموشی اختیار کر کے دور از کار باتوں سے بچنا (۷) قِلّتِ غذا یعنے کم خوری اختیار کرنا (۸) خدا تعالےٰ کے حکم و مشیت اور اُس کے قضا اور فیصلہ پہ راضی رہنا۔

مختصر تشریح نمبر وار ملاحظہ فرمائیے :-

ولایت کی دو قسمیں ہیں ایک ولایتِ عامہ جو تمام با ایمانوں میں مشترک ہے۔ قرآنِ مجید کی یہ آیت اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ اسی ولایتِ عامہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

ولایت کی دوسری قسم ولایتِ خاصہ ہے۔ یہ مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اس پر گواہ اور شاہدِ عدل ہے۔ پس مذکورہ بالا آٹھ شرائط اُن لوگوں کے لئے ضروری اور

واجبُ التعمیل ہیں جن کے دل و دماغ میں علمِ سلوک کے عمل کرنے کی کشش اور خواہش ہے اور اگر عوام مسلمین بھی مذکورہ آداب پر عمل کریںگے تو زہے سعادت۔

(۱) **وحدت:۔** تنہائی میں رہنا اور خلوت و بازار سے کنارہ کشی اختیار کرنا۔ اس میں یہ فائدہ ہے کہ سالک راہِ طریقت کی پوری توجہ حضرت اللہ کی طرف رہتی ہے اور جلوت و بازار میں رہنے سے مفاسد و موانع لاحق ہوتے ہیں اُن کا اِمکان بہت کم رہتا ہے۔ اس پر بہترین شرعی دلیل نیازمند کے نزدیک یہ ہے کہ خود حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم نبوّت سے پہلے غارِ حرا میں تخلیہ اور تنہائی اختیار فرماتے تھے۔ اور بعدِ عطائی نبوّت مسجد نبوی میں اعتکاف فرماتے تھے جس کے فوائد بے شمار ہیں مزید وضاحت کے لئے صحیح بُخاری اور اسکی شرح ملاحظہ فرمایئے۔

(۲) **ذکر:۔** زبان کو دل کا ترجمان کہا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت و عنایت ہے اس کو بیکار رکھنا ناسپاسی ہے اس لئے اس کو اس بادشاہ کے شکر و ثنا میں استعمال کرنا جس نے خصوصی طور پر انسان کو اس احسان سے نوازا عین شکر ہے اس لئے ربانی ارشاد ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اچھی طرح سُن لو کہ خدا تعالٰے کے ذکر و فکر سے ہی دلوں کو حقیقی چین اور سکون نصیب ہوتا ہے۔

(۳) باوضو رہنے سے یہ فائدہ ہے کہ ظاہر کی صفائی و پاکی سے قلب و دماغ بھی پاک و صاف رہتا ہے اور کراماً کاتبین جو انسان کے ہمراہ رہتے ہیں انہیں بھی کوئی اذیت اور تکلیف نہیں پہنچتی اور ارواحِ مقدسہ کے فیوض و برکات کا فیضان کا سلسلہ بھی پاکی کی حالت میں رہتا ہے۔ مومن کا دل مہبطِ اَسرارِ الٰہی ہے اس لئے اس کو پاک و صاف رہنا چاہیئے۔ اور پھر باوضو رہنا سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلّم کی سنّت ہے تو اس پر اگر اپنی جان بھی نثار ہوجائے تو کیا غم۔ تذکرۃ اولیاء میں مرقوم ہے کہ آخری مرتبہ جب سرتاج فقہاء و محدثین حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے تو معدہ کی شکایت میں مبتلا ہوئے، ایک ہی رات میں ساٹھ مرتبہ بیتُ الخلا جانے کی ضرورت ہوئی۔ ہر بار وضو فرماتے تھے۔ خادموں نے عرض کیا کہ آپ

تیمّم یا صرف اِستنجاء پر ہی اِکتفا کریں تاکہ زیادہ کمزوری لاحق نہ ہو جائے۔ جواب میں فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ بارگاہِ الٰہی میں کس طرح حاضر ہو جاؤں۔

(۴) خَواطِر خطرہ کی جمع ہے حرکتِ قلبی۔ خواہ وہ نیکی کی طرف ہو یا بدی اور گناہ کی طرف کشش کرے۔ عوارفُ المعارف میں ہے معرفۃ الخواطر و تفصیلہا فریضۃ" انّ الخواطر ھِیَ اصلُ الفعل فلا یصح الفعل الّا بصحتہا فصار علم ذٰلك فرضٌ وھو ما یزداد بہ الصّدر یقیناً۔ یعنی خطراتِ قلبی کی شناخت کرنا اور اُنکی تفصیل سے واقف ہونا اہم فریضہ ہے کیونکہ انسان سے جو افعال و حرکات سرزد ہوتی ہیں اُن کا اصل و سبب خواطرِ قلبی ہی ہیں۔ ان کے بغیر کوئی عمل درست نہیں ہوگا اور جو ہمچو قسم کی اشیاء سے بحث کرتا ہے اسکا نام علم سلوک ہے کہ اس سے مومن کا یقین و ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہو جاتا ہے۔

(۵) رَابطِ قلب :۔ مُرید کا اپنے مُرشد کے ساتھ اپنا دِل باندھنا اور اس بات کا یقین رکھنا کہ وہ اپنے نورِ باطن اور قوتِ ایمان سے میری جان پر آگاہ کئے جاتے ہیں۔ اس قسم کے تصوّر سے مُرید پر بہت سی عنایتیں اور فائدے مُرتب ہوتے ہیں جن کی یہاں پر بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ قولُ الجمیل اور خاصکر شرح ملاحظہ فرمایئے۔ دستورُ السالکین میں کیا خوب فرمایا کہ مِنَ القلُوبِ الیَ القلُوبِ روزنۃ" دلوں سے دِلوں کی طرف حصولِ فیضان و برکات و معارف کا ایک قوی اور غیر مخصوص راستہ ہے خاصکر سالک اور مُرید کو چاہیئے کہ وہ مرشد پر اعتراض نہ کرے اور انکے کاموں پر ناقدانہ نگاہیں نہ ڈالے بلکہ صبر و سکون سے کام لیکر انکی اتباع کرے جبکہ ان کے کام ذمہ دار سادات صوفیہ کے اِرشادات و تعلیمات کے مطابق ہوں۔ (۶) طریقِ کار سے دل خطرات و اغیار سے محفوظ رہے گا۔ جیساکہ اس میدان کے ایک شہسوار نے فرمایا ہے

دِل از اغیار خالی کُن چو عزمِ کوئی ما داری
نظر بر غیر ما مفگن چو قصدِ روئی ما داری

(۷) خاموشی اختیار کرنا :۔ مشائخِ کرام نے فرمایا :۔ المومنُ فی السّکوت

ورضاء الرّب نے التسکوت مومن کی تکمیل سکوت اور خاموشی سے میسّر ہوتی ہے اور پروردگار کریم کی رضامندی بھی اسی سکوت سے حاصل ہوتی ہے۔ سکوت سے یہ مطلب ہے کہ کلام کم کرنا چاہیئے خواہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو۔ حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ؎

دل ز پُر گفتن بمیرد در بدن
گرچہ گفتارش بود دُرِ عدن

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تعریف میں لکھا ہے کہ آپ بہت کم بولتے تھے۔ پھر فرماتے وَمَنْ اُوْتِیَ الصَّمْتَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا کہ جس شخص کو قدرت کی طرف سے خاموشی اور قلت کلام کی نعمت و دولت ودیعت ہوئی اس کو بڑی عنایت و سعادت نصیب ہوئی۔ علماء اسلام نے لکھا ہے۔ العافیۃُ عشرۃ اجزاء تسعۃ منہا فی التسکوت وواحدۃ منہا فی الوحدۃ آفات وخطرات سے بچنے کے دس اجزاء ہیں۔ نو جزء خاموشی اختیار کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اور ایک جزء تنہائی اور تخلیہ سے حاصل ہوتا ہے۔

بازِ اخضر گلشنِ ارشاد و رُشدِ شیخ ما ٭ ہم زسقائی لُطفِ خضر پیغمبر شُد است

شَیْخُنَا فِیْ رَوْضَۃِ الْاِرْشَادِ بَازٌ اَخْضَرٌ
ثُمَّ مِنْ اِفْضَالِ خَضِرٍ نَالَ حَظًّا اَوْفَرَا

ترجمہ:- ہمارے پیر طریقت حضرت محبوب العالم باغ رُشد و ہدایت کے سبز رنگ کے باز اور متصرف ہیں۔ مزید برآں حضرت خضرؑ کی عنایت و مہربانی نے بھی آپ کے رُشد و رہبری کے باغ کی سیرابی کی ہے جو آپ کی روحانی تربیت و ترقی کے لئے سونے پہ سہاگا ثابت ہوگئی۔

التحقیق:- البازُ ایک شکاری پرندہ ہے۔ اس کی جمع بیزان اور ابوازُ آتی ہے۔ البُوزُ و البُوزَۃ: دودھ اور شکر کی جمائی ہوئی برف (آئس کریم)
اخضر:- صیغہ اسم تفضیل بہت زیادہ سرسبز۔ سیرابی کا نباتات کو سبز و شاداب کرنا۔

باب سَمِعَ یَسمَعُ سے عموماً مستعمل ہوتا ہے۔ خَضَّرَ الشَّیئَ کسی چیز کو سبز کرنا۔

سَقَّائیَ: سقائی کے معنے پانی دینے کے ہیں جس کا لازمی معنے مہربانی کرنا ہے جس کا ترجمہ ہم نے اِفضال سے کیا ہے۔ کیونکہ المنجد وغیرہ میں اَفْضَلَ عَلَیہ کے معنے بھلائی کرنا اور مہربانی کرنا وغیرہ لکھا گیا ہے۔

باز اخضر کی ترکیب توصیفی ہے اضافی نہیں یعنے اخضر باز کی صفت ہے۔ پھر یہ صفت ہونے کی صورت میں صفتِ مُخَصِّصَہ اور صفتِ موضحہ دونوں ہو سکتی ہے کیونکہ باز کا رنگ عام طور پر سبز ہی ہوتا ہے۔ اور صفتِ مُخَصِّصَہ ہونے کی صورت میں یہ توجیہہ کی جا سکتی ہے کہ بعض قسم کے وہ باز جو سبز رنگ کے نہیں ہوتے ہیں تو ان کی شکاری قوت اور متصرفانہ طاقت کمزور ہوتی ہے۔ پس باز کی صفت اخضر لانے سے حضرت ناظم رحمہ اللہ اس لطیف مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ اپنے مریدوں اور طالبینِ سعادت کو شکار کرنے اور تصرف کرنے میں پوری دستگاہ اور کمال و جلال رکھتے ہیں جیسا کہ آنجناب نے حضرت خواجہ ؒ اور اجلّۂ علماء و مشائخ کو تختِ طریقت پر متمکن بنایا۔

خلاصۂ شعر:- حضرت ناظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کا سلسلۂ رُشد و ارشاد پورے اِتصال و تسلسل کے ساتھ حضرت مخدوم جہانیاں رحمہ اللہ تک پہنچا ہے جس کے آثار و برکات اور نتائج و ثمرات آفتاب تاباں سے بھی زیادہ روشن ہیں۔ بایں ہمہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے آپکو روحانی فیوض و برکات اور اوراد و اذکار کی اجازت حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے بھی حاصل ہے جس سے آپ کے رُشد و رہبری کے باغ کو اور بھی چار چاند لگ گئے۔ چنانچہ حضرت محبوب العالم قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ مجھے شروع ہی سے بزرگوں کی صحبت اور اُنکی پند و نصائح سننے کا انتہائی شوق تھا اور اس مطلب کے حصول کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دُعائیں بھی کرتا تھا کہ بارخدایا! مجھے اپنے نیک بندوں کی ملاقات سے بہرہ اندوز بنانے اور فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن جامع مسجد میں نمازِ جمعہ پڑھی تو نماز کے بعد ایک سبز پوش، سفید ریش

نورانی رنگ بزرگ نے میرے ساتھ مصافحہ کیا۔ اس کے مبارک ہاتھ نہایت ٹھنڈے اور خنک تھے اور اس بزرگ نے میرے ہاتھ پکڑ کر مجھے ذالڈ گر تک پہنچایا۔ یہاں قبلہ کی طرف روی مبارک فرما کر دیر تک دعا و مناجات میں مصروف ہوئے پھر وہاں سے براستہ لوکھری یار مجھے خندہ بھون پہونچایا۔ وہاں بید کے درخت کے نیچے پانی کے کنارہ پر دونوں بیٹھے۔ پھر اس بزرگ نے مجھے بہت سی نصیحتیں کیں کہ میری زبان ان کے بیان اور ادا کرنے سے قاصر و عاجز ہے جس سے بہت سخت اثر ہوا اور مجھ پر اسقدر رعب پڑا کہ اُن سے اُن کا اسم مبارک تک دریافت نہ کر سکا۔ پھر بھی انکی عظمت و بزرگی دیکھ کر اُن سے عرض کیا کہ مجھے کچھ مخصوص دعاؤں اور خاص قسم کے اذکار سے بہرہ ور فرمائیے تاکہ میں انکی برکت سے جلدی کسی بہتر نتیجہ اور کشف حقائق تک پہنچ جاؤں۔ آپ نے یہ سن کر میری طرف نگاہ ڈالکر فرمایا کہ جو اذکار و اوراد آپ پڑھتے ہیں' اُن سب کی اجازت آپ کو دیتا ہوں اور آئندہ بھی اِن شاء اللہ ہم آپ کی روحانی امداد فرماتے رہیں گے۔

حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسوقت اس بزرگ نے بہت سے خوارقِ عادت امور مجھ کو دکھلائے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ مجھے بذریعہ طےِ مکان ملک لَدوبٹ کے مکان تک پہنچا کر فرمایا کہ اس نے سخت بے ادبیاں اور گستاخیاں کیں اور پھر توبہ تک نہیں کی اسلئے یہ خود بخود جلدی اندھا ہو جائے گا۔ پھر ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے پیشین گوئی کی تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ایک ساتھ نماز عصر پڑھی اور وہ بزرگ یکایک غایب ہوئے اور میں حیرانی کے عالم میں خانقاہ پہنچا۔ رات کو خواب میں ایک بزرگ نے فرمایا کہ یہ خواجہ خضر علیہ السلام تھے۔ اس تحقیق کے اعتبار سے اس شعر میں صنعتِ تلمیح ہے

واضح رہے کہ اس کتاب میں ہمارا وظیفہ صرف اتنا ہے کہ ہم فارسی نظم کو عربی نظم کے لباس کی صورت میں پیش کریں۔ مزید تحقیق سے ہمارا سروکار نہیں مگر بعض حالات کی بناء پر ہم عوام مسلمین کے فائدہ کی خاطر ناظرین کتاب کو متوجہ کرتے ہیں تاکہ

ہمارا نیک مقصد بار آور ہو جائے اور ہماری اس محنت و کد و کاوش سے دونوں قسم (عوام و خواص) بھرپور فائدہ اُٹھا سکیں گے۔

اس سلسلہ میں مندرجۂ ذیل چند سطروں میں حضرت خواجہ خضر علیہ السلام پر ہم مختصر نوٹ سپردِ قلم کرتے ہیں:-

بعض علمارِ اسلام حضرت خواجۂ خضر علیہ السلام کو ملک اور فرشتہ مانتے ہیں۔ لیکن صحیح روایات کی بنا پر آپ آدمی اور بشر ہیں۔ آپ کا اصلی نام مبارک بلیا والدِ ماجد کا نام مَلکان ہے، آپ کی کنیت ابو العباس ہے اور آپ بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ بعض علمار کے نزدیک آپ اُن علمار میں سے ہیں جو شاہزادے تھے پھر دُنیا سے بے رغبت ہوئے۔ خضر آپ کا لقب ہے۔ اس لقب سے مُلقب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ خشک گھاس پر بیٹھ گئے تو وہ سرسبز ہوئی۔ کچھ علمارِ اسلام فرماتے ہیں کہ آپ خضر کے لقب سے اس لئے ملقب ہوئے کہ جب آپ نماز پڑھتے تھے تو اس جگہ کا گرد و پیش اور اُس کا ماحول سرسبز و شاداب ہوتا تھا۔ حضرت خواجہ خضر اور حضرت موسےٰ کا تفصیلی مذاکرہ سورۂ کہف کی آیات میں مذکور ہے اور خود حضرت خاکی رحمہُ اللہ نے شرح و بسط سے یہ واقعہ لکھا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس واقعہ کے متعلق کوئی بحث نہیں۔ البتہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسےٰ حضرت خواجۂ خضر علیہما السلام سے علیحدہ ہوئے تو اس وقت حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا اَوصِنِی کہ مجھے کسی اچھی بات کی وصیت فرمائیے۔ خواجۂ خضر علیہ السلام نے فرمایا لَا تَطْلُبِ الْعِلْمَ لِتُحَدِّثَ بِهِ النَّاسَ وَاطْلُبِ الْعِلْمَ لِتَعْمَلَ بِهِ کہ علم کو صرف لوگوں کو بیان کرنے کے لئے نہ سیکھو بلکہ علم اس لئے سیکھئے کہ آپ اس کے موافق عمل کریں۔

علمارِ اسلام اس امر میں مختلف ہیں کہ حضرت خواجۂ خضر زندہ ہیں یا وفات یافتہ؟ تو اکثر علمارِ اسلام، مشائخ صوفیہ، اہلِ صلاح اور اربابِ معرفت کے نزدیک حضرت خواجہ خضر زندہ ہیں (کہ آب حیات پی چکے ہیں)، چنانچہ مشہور محدث الشیخ ابو عمرو بن الصلاح فرماتے ہیں وَهُوَ حَيٌّ عِنْدَ جَمَاهِيرِ الْعُلَمَاءِ وَالْعَامَّةِ کہ حضرت خضر جمہور علمار و صُلحار

اُمّت اور عوام مسلمین کے نزدیک زندہ ہیں۔ (تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر کی دوسری کتابوں میں انکی تفصیل ملے گی) کچھ علماء حضرت خواجۂ خضر کی وفات کے قائل ہیں۔ وہ اپنے دعوے پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ۔ کہ اے نبی ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر اور آدمی کے لئے دوام اور دُنیا میں ہمیشہ رہنا مقرر نہیں کیا تو پھر کیا اگر آپ وفات پائیں گے تو یہ لوگ ہمیشہ رہنے کے لئے آئے ہیں -؟

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ مزید بر آں آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کہ آپ سے پہلے تمام پیغمبر گذرے ہیں۔

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے ایک دِن فرمایا کہ آج رات مجھے دِکھائی دیا کہ اسوقت جتنے لوگ سطح زمین پر زندہ ہیں وہ سو برس کے بعد مُردہ ہونگے۔ ان دلیلوں سے معلوم ہوا کہ حضرت خواجۂ خضر زندہ نہیں ہیں۔ ہم ان تینوں دلیلوں کا جواب دیتے ہیں :-

(۱) آیتِ وَمَا جَعَلْنَا میں خلود اور دوام کی نفی ہے اور حضرت خضر کے زندہ ہونے کی نفی نہیں ہے۔ ہم بھی اس کے خلود اور دوام کے قائل نہیں ہیں کہ آخر الامر وہ بھی وفات پائیں گے۔ لہٰذا اس آیت سے آپکی وفات پر استدلال کرنا دُرست نہیں ہے۔

(۲) قد خلت من قبلہ الرُّسل سے وفاتِ عیسیٰ یا وفاتِ خضر سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ خلیٰ کے بعد جب مِن صِلہ آجائے تو اس کے معنے قطعًا مرنے کے نہیں آتے ہیں اس پر ہمارے بعض اساتذۂ کرام کے قادیانیوں سے بڑے معرکۃ الآرا مباحث ہوئے ہیں۔ لیکن مخالفینِ حق کی اُن کے سامنے ایک نہ چلی بلکہ دُم دبا کر بھاگ گئے۔

(۳) جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ موجودہ وقت کے لوگوں میں سے سو برس کے بعد ایک متنفس بھی روی زمین پر زندہ نہیں رہے گا۔ اس سے اُمتِ مرحومہ کے لوگ مُراد ہیں بدلیلِ مَامِنْ عَامٍ اِلَّا خُصَّ عَنْہُ الْبَعْضُ کہ کوئی عام ایسا نہیں جس سے کوئی نہ کوئی فرد مستثنیٰ نہ ہو۔ پس حق وہی ہے جو محدث ابن صلاح رحمہ اللہ نے فرمایا

دیکھو مزید مطالعہ کے لئے تفسیر معالم التنزیل وغیرہ۔

اسی طرح علماءِ اسلام حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے نبی ہونے میں مختلف نظر آتے ہیں۔ بعض علماءِ اسلام کے نزدیک آپ نبی تھے اور یہ حضرات اس دعوے پر آیت وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ذٰلِکَ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْہِ صَبْرًا کریں۔ یہ تینوں کام اپنے حکم سے نہیں کئے بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے انجام دئے جن پر آپ صبر وضبط نہ کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہیں (حضرت خضرؑ کو) مِن جانب اللہ وحی آتی تھی جو نبیوں اور پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عَنْ اَمْرِیْ سے وحی مُراد نہیں ہے بلکہ اس سے الہام مُراد ہے۔ وحی اور الہام میں زمین وآسمان کا فرق ہے کہ وحی دوسروں کے لئے دلیل ہوتی ہے اور مُنکرِ وحی کافر ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف الہام دوسروں کے لئے دلیل و بُرہان نہیں ہوتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت موسٰی علیہ السلام حضرت خضر کے کاموں پر اعتراض فرماتے تھے اور خضر علیہ السلام جواب دینے پر مجبور ہوئے۔ اس تاویل کی بنا پر دونوں حضرات کا سوال وجواب بجای خود بجا اور درست ہے۔ بعض لوگ ناواقفیت اور کم علمی سے حضرت خواجہ خضر کا درجہ حضرت موسٰی علیہما السلام کے درجہ اور مرتبہ پر فوقیت دیتے ہیں جو سراسر حقائق اور نصِ قرآنی کے برخلاف ہے کیونکہ حضرت خواجہ میں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ اسرائیلی قوم سے تعلق رکھتے ہوں یا غیر اسرائیلی ہوں تو اگر حضرت خواجہ بنی اسرائیل میں سے ہونگے تو وہ اس صورت میں حضرت موسٰی علیہ السلام کے اُمتی ہوتے ہیں۔ اور مُسلّم ہے کہ کوئی بھی اُمتی اپنے پیغمبر سے مرتبہ میں اَعلیٰ و اَشرف نہیں ہو سکتا جیسا کہ یہ مسئلہ عقل و نقل سے ثابت اور مُبرہن ہے اور اگر دوسری صورت مانی جائے کہ حضرت خواجہ علیہ السلام غیر اسرائیلی ہوں تو اس صورت میں بھی حضرت خواجہ حضرت موسٰی سے افضل و اَرفع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں قرآنِ پاک میں فرمایا ہے وَاِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کہ اے بنی اسرائیل میں نے تم کو سارے جہاں کے لوگوں پر فوقیت اور فضیلت دی ہے (یعنے اپنے زمانے کے سارے لوگوں پر)

واقعۂ موسیٰ و خضر علیہما السلام سے استدلال کر کے کچھ لوگ طریقت کو شریعت سے الگ اور جدا گانہ مانتے ہیں، یہ بھی نہایت فاسد اعتقاد ہے کیونکہ شریعت و طریقت باہم متلازم اور ایک دوسرے کے لئے چولی دامن کا تعلق رکھتی ہیں۔ شریعت کے احکام پر عمل کرنے سے ہی طریقت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی تشریح ہم مقدمۂ کتاب اور بصیرۃ السلوک حصۂ سیوم میں کر چکے ہیں۔

رہا یہ امر کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر نے حضرت خواجہ علیہ السلام کے سامنے اتنا ادب و احترام کیوں کیا اور بات بات پر معذرت کیوں فرمائی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی علم نوازی اور خواجہ خضر کے علم و معرفت کی قدر شناسی ہے اور اُن کا مقام و مرتبہ سمجھ کر اس کا اعتراف کرنے کی بہترین علامت و دلیل ہے کہ " قدرِ گُل بلبل شناسد قدرِ دلدل شاہ علی رضؓ " ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی ایسے علم کے حاصل کرنے کی طرف محتاج نہ تھے کہ جس کا پڑھنا اور سیکھنا ان کے مذہب و شریعت میں ضروری ہو جس پر واضح دلیل یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خواجہ خضر سے فرمایا هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا کہ کیا میں آپ کے پیچھے اس غرض سے چلوں کہ آپ مجھے اُن رُشد و ہدایت کی باتوں میں سے کچھ تھوڑا سا سکھائیں جن کی تعلیم آپکو قدرت کی طرف سے کی گئی ہے تو حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کو اِن لفظوں میں جواب دیا كَفٰى بِكَ بِالتَّوْرَاةِ عِلْمًا وَبِبَنِیْ اِسْرَائِیْلَ شُغْلًا کہ توریت آپ کے علم کے لئے کافی اور بنی اسرائیل کی تعلیم و تلقین کے لئے بہت زیادہ ہے تو اب مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں (بحوالۂ معالم التنزیل)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے حکم خدا ایسا ہی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بحیثیت پیغمبر کسی بات کی کمی نہیں تھی اس لئے وہ پیغمبرانہ اصول کے تحت حضرت خضر کے تینوں کاموں پر اعتراض فرماتے رہے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے محض تنبیہ کے لئے حضرت خواجہ کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ علم کی وُسعت کو اچھی طرح سمجھیں۔ بایں ہمہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت خواجہ خضر شریعت کے علوم سے بھی بہرہ اندوز

تھے جس طرح تکوین اشیاء اور حکمت خلق سے آراستہ تھے مگر نبوت و رسالت کی شان اور عظمت علم تکوین اشیاء سے بہت بلند اور اونچی ہے۔

قصۂ موسٰے و خضر علیہما السلام سے یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ شریعت کا پہلو غالب ہے کہ ہر چند موسٰے خواجۂ خضر کے مقام و مرتبہ سے واقف تھے اس لئے جوں ہی یہ دیکھا کہ حضرت خواجہ ایسے کام کرتے ہیں کہ جو موصوف کی شریعت میں نادرست تھے تو فوراً اعتراض فرماتے تھے جس میں وہ بالکل حق بجانب ہیں۔ اسی سے سمجھ میں آتا ہے کہ شریعت کا پلڑا غالب اور راجح ہے اور بعد میں حضرت خواجۂ خضر علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے اس جملے سے معذرت فرمائی وما فعلتہ عن امری کہ میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کئے بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے انجام دئے۔ پس جو لوگ اس واقعہ سے شریعت و طریقت میں تضاد و مباینت ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ لوگ کھُلی غلطی اور شریعت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ منکرات و فواحش کو طریقت کا نام دے رہے ہیں تو وہ بھی طریقت کے اصول کو پاش پاش کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی باتوں اور مصاحبت سے مسلمان کو دور رہنا چاہیئے۔ شعر ؎ خلاف پیمبر کسی رہ گزید

که هرگز بمنزل نخواهد رسید

اور حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

ای بسا ابلیس آدم روی هست ٭ پس بهر دستے نباید داد دست

اور اگر حضرت خواجۂ خضر علیہ السلام پیغمبر تسلیم کئے جائیں تو تب کوئی اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا کیونکہ تب تو یہ دو پیغمبروں کے درمیان ایک مکالمہ اور بات چیت ہے جیسا کہ مولینا ابو الکلام آزاد وغیرہ کی رائے ہے۔

ہاں اس مقام پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ علم تکوین اشیاء یا حکمت خلق عالم طریقت میں داخل ہے یا نہیں؟ تو ہمارا جواب ظاہری طور پر یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ اصطلاحی طریقت اور ہے اور علم تکوین عالم دوسری چیز ہے۔

بہر حال ارباب معرفت اور تقریباً جمہور علماء اسلام کے اعتقاد میں حضرت خواجہ

خضر زندہ ہیں۔ سعادت مندوں اور نیکو کاروں کو روحانی تربیت فرماتے ہیں۔ ان کو اذکار و اوراد کی تعلیم و تلقین فرماتے ہیں اور عام طور پر نہروں کے کناروں، آبشاروں پر قیام فرماتے ہیں جیسا کہ عن قریب متن میں آئے گا۔ اَللّٰھُمَّ متعنا بلقائِہٖ۔

اوست چوں خضری و حکمتہائے افعالش ازاں ۞ از قیاسِ مُردم موسیٰ صفت برتر شدست

وَھُوَ خَضِرِیٌّ مَزَایَا فِعْلِ مَاقَدْ یَعْمَلُ
قَدْ تَنَاھَتْ عَنْ قِیَاسٍ مِثْلِ مُوْسٰی مَفْکَرًا

چونکہ آپ (حضرت محبوب العالم) حضرت خواجہ خضر کی طرح علم لدنی (حکمتِ خلق اشیاء) سے بہرہ یاب ہیں اس لئے آپ کے افعال کے اسرار اور حکمتیں واقفینِ احکامِ شریعت کے علم و اندازے سے بھی باہر اور بہت زیادہ بالاتر ہیں۔

التحقیق :۔ مَزَایَا۔ اَلْمَزْوُ و اَلْمِزْیَۃُ ج مَزَایَا وَالْمَانِیَۃُ علم و کرم و شجاعت۔ فضیلت و برتری، خوبی و عمدگی جس سے انسان دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ (مزید تحقیق کے لئے المنجد دیکھیئے) قَدْ تَنَاھَتْ صیغۂ واحدِ مؤنثِ غایب از بابِ تفاعل اس کا فاعل ضمیر مستتر ھی ہے جو مَزَایَا کی طرف راجع ہے۔ قال فی المنجد تَنَاھِیْ، تَنَاھِیًا۔ عَنِ الشَّیْئِ۔ رُکنا۔ القومُ۔ بعض کا بعض کو روکنا۔ اَلشَّیْئُ۔ انتہا کو پہنچنا ۔ اَلْمَاءُ۔ پانی کا تالاب میں ٹھہرنا۔

قِیَاس : اس جگہ قیاس مِثل کی طرف مضاف ہے۔ مِثل موسٰے سے مجازاً یا کنایۃً اہلِ شرع مُراد ہیں جو صرف شریعتِ مقدسہ کے اصول کے تابع ہوتے ہیں۔
قَایَسَ مُقَایَسَۃً بَیْنَ الْاَمْرَیْنِ دو چیزوں کے درمیان موازنہ کرنا۔ قَایَسَ الشَّیْئَ بِکَذَا وَ اِلٰی کسی چیز کی مثال سے اندازہ کرنا۔ قَایَسَہٗ اِلٰی کَذَا کسی چیز میں سبقت لے جانا۔

خلاصۂ شعر :۔ حضرت محبوب العالمؒ کا قلب مبارک حکمت و معرفت سے معمور

و منوّر ہے اس لئے آں جناب کے بعض افعال کی حکمت غامضہ اہلِ شرع کے علمُ اندازہ سے بہت بلند و بالا ہے کیونکہ آپ کی مثال حضرت خضر جیسی ہے اور باقی لوگوں کی مثال حضرت موسیٰ جیسی ہے جو کسی کو شریعت کے مرکزی نقطۂ نگاہ سے ذرہ برابر آگے پیچھے ہونا نہیں دیتے جس کی ہزاروں مثالیں ہیں مگر ہمارے وظیفہ اور بیان سے الگ ہیں

گر تو عزِ صحبتش خواہی بہ لاتسئل بساز ؛ از کفش ہر بیگنہ طفلے را گر خنجر شد است

عِزَّ اِسْتِصْحَابِهٖ اِنْ كُنْتَ تَبْغِيْ، لَاتَسَلْ
بَلْ تَصَبَّرْ اِنْ تَوَلّٰى قَتْلَ طِفْلٍ خَنْجَرٌ

ترجمہ :۔ ای طالب سعادت! اگر تم آں جناب کی صحبتِ فیض کی عزّ و سعادت حاصل کرنا چاہتے ہو تو آپ کے افعال و حرکات دیکھ کر سوالات و اعتراضات کرنے کی عادت چھوڑ دے اور اگر آپ اپنے دستِ مبارک سے بے گناہ بچے کو بھی چھری مار کر ہلاک فرمائیں گے پھر بھی زبانِ اعتراض دراز نہ کر۔

التحقیق :۔ اَلْعِزّ : عزّت ، سخت بارش ۔ رَجُلٌ عِزٌّ (قوی) بولتے ہیں۔ جیسے بہ عِزًّا بَعْدَ ۔ جس طرح ہو سکے آؤ۔ یہاں پر پہلا معنے مُراد ہے۔

صحبۃ ۔ صَحِبَہٗ صُحْبَۃً وصَحَابَۃً وصِحَابَۃً وصَاحَبَہٗ مُصَاحَبَۃً ساتھی ہونا ۔ دوستی کرنا ۔ ساتھ زندگی گذارنا ۔ اسی طرح اِسْتِصْحَابٌ ساتھی بننا۔ ساتھی بننے کے لئے کہنا۔ ساتھی بنانا۔

تبغی :۔ بَغٰی بُغَاءً و ابتغاءً و بُغًی و بُغْیَۃً و بِغْیَۃً ۔ الشیٔ ، طلب کرنا۔ ڈھونڈنا جو خواہی کا ترجمہ ہے۔

لَاتَسَلْ :۔ صیغہ واحد مذکر نہی حاضر معروف ہے ۔ ضرورتِ شعریہ کی بنا پر اس سے ہمزہ حذف کیا گیا جس کے معنے "سوال نہ کر" کے آتے ہیں۔ قرآن مجید میں آیا ہے یا ایھا الذین آمنوا

لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ ۔

تَوَلّٰی تَوَلِّیًا ۔ اَلْاَمْرَ : کسی امر کی ذمہ داری لینا ۔ کام کے لئے مستعد ہونا ۔ اس بنا پر تَوَلّٰی کا فاعل ضمیر مستتر ھُوَ ہے جو حضرت محبوب العالم کی طرف راجع ہے ۔

قَتْلَ طِفْلٍ مضاف مضاف الیہ سے مل کر تَوَلّٰی کا مفعول بہ ہے ۔ خَنْجَرًا منصوب بنزعِ خافض ہے ای بِالْخَنْجَرِ ۔ خنجر چھری یا بڑی چھری کٹار کو کہتے ہیں ۔ یہ اسی طرح منصوب بنزعِ خافض ہے جس طرح امرئ القیس کے اس شعر میں تَعَرُّضَ منصوب بنزع خافض ہے

اِذَا مَا الثُّرَیَّا فِی السَّمَاءِ تَعَرَّضَتْ
تَعَرُّضَ اَثْنَاءِ الْوِشَاحِ الْمُفَصَّلِ

اس لفظی تحقیق کے بعد شعر کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے :۔

حضرت ناظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مُرید سچے دل سے اپنے پیر طریقت کے دست بابرکت پر بیعت کرے اور یہ سمجھے کہ میرا پیر و رہبر حقائق آگاہ ، عارف باللہ اور داعی الی رب الارباب ہے اور پیر رہبر ایسا ہے کہ خود بھی نفس امارہ کی پیروی سے دور اور اپنے مُریدوں کو بھی شریعتِ حقہ کے مقدس اصولوں کے تحت رہبری فرماتے ہیں تو اسوقت مُرید کو پیر طریقت کے افعال و حرکات پر سوال اور اعتراض نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ایسا رہبر جو بھی کام کریگا وہ خالی از حکمت نہیں ہونگے ۔ گو بعض اوقات مبتدی کو اپنے پیر کے بعض افعال و احوال مخالفِ شرع دکھائی دینگے پھر بھی مُرید کو زبانِ اعتراض دراز نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ مُرشدِ متشرع اپنی ذمہ داری اور طریقۂ تربیت سے خود آگاہ ہیں ۔

وَنِعْمَ مَاقِیْل ؎

بمی سجّادہ رنگین کُن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزل ہا ؎

---

[1] وَلٰکِنْ لَا تَجِدُ اَمْثَالَ ھٰؤُلَاءِ الْمُرْشِدِیْنَ وَالْمُھْدَاۃِ فِیْ ھٰذَا الزَّمَانِ ۔

اوست خضری وازاں رو خاطرش دارد قرار ۔ زآب جاری ہر کجا آوازۂ جرجر شد است

وَهُوَ خَضْرِيٌّ لِذَاكَ يَطْمَئِنُّ قَلْبُهُ
مِنْ مَجَارِي الْمَاءِ أَيْنَ مَا يَرَاهُ جَرْجَرَا

ترجمہ :۔ چونکہ آپ (حضرت محبوب العالمؒ) کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ بے واسطہ نسبت وتعلق ہے اس لئے اُن مقامات سے جن میں تیز رفتاری کے ساتھ پانی بہتا ہے اور آبشاروں کی تیز آواز سے بھی آپ کا قلب مبارک قرار اور اطمینان پذیر ہوتا ہے۔

التحقیق :۔

جَرْجَرَ ۔ قال فی المنجد جَرْجَرَ الْجَمَلُ ، اونٹ نے بلبلایا ۔ اَلْمَاءُ فِی حَلْقِهٖ : پانی کا حلق میں گڑگڑانا ۔ جس کا لازمی معنے اونچی آواز سے کسی چیز کا سرزد ہونا۔ اَیْنَ کے بعد جو مَا ہے وہ زاید ہے ۔ صرف ضرورتِ شعریّہ کے لئے لایا گیا جس کے امثال و نظائر بے شمار فصیح و بلیغ عربی ابیات میں آپ نے دیکھے ہونگے ۔ یَتَبَدّیٰ بمعنے یَظْهَرُ ۔

خلاصۂ شعر :۔ چوں کہ حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت حضرت خواجۂ خضر علیہ السلام سے نہایت قوی اور مضبوط ہے اس لئے آبشاروں، ندی نالوں کے تیز رفتاری سے آپ کا دل مبارک آرام اور چین پکڑتا ہے جس کے دو سبب ہوسکتے ہیں

اوّلاً حضرت خواجۂ خضر علیہ السلام جیسا کہ مشہور ہے ایسے مقامات پر فروکش ہوتے ہیں ۔ گویا آنجناب اپنے مُرشدِ کامل اور پیر روشن ضمیر حضرت خواجہ کی بوئے خوش ان مقامات پر پاتے ہیں یا اُحیاناً اور بعض اوقات بذاتِ خود حضرت خواجہ کو ان مواضع میں دیکھ لیتے ہیں تو پھر آپ کا ان جگہوں کی طرف رغبت کرنا اور ایسے مقامات کے حُسنِ منظر سے چین پانا قدرتی اور فطری امر ہے ۔

ثانیاً :۔ پانی عموماً اپنے مرکز کی طرف حرکت کرتا رہتا ہے، یہ ہزاروں ندیاں اور نالے اپنی حرکت و تیز روی سے تیار کرتا ہے پھر بھی چین اور سکون نہیں پاتا بلکہ اپنے مرکز کی طرف اپنی حرکت رواں دواں رکھتا ہے اور اگر پانی کی حرکت کہیں رُک جائے تو یہ

فاسد اور گندا ہو جائے گا اس لئے پانی کی یہ حرکت بزبانِ حال اپنے دیکھنے والوں اور نظارہ کرنے والوں سے نصیحت کرتی ہے کہ میری طرح تم بھی اپنی حرکت اپنے مرکز مَبدءِ فیاض ربِ کریم کی طرف جاری رکھو اور ذکر و فکر اور یادِ خدا کرتے رہو ورنہ تم بھی بگڑ جاؤ گے اور اَشرفُ المخلوقات ہونے کے باوجود اَسفل سافلین میں پہنچ جاؤ گے۔ اس تقریر کی بِنا پر اس شعر میں علمِ بدیع کے قواعد کی رُو سے حُسنِ تعلیل ہے۔

ہر سحر گہ بود غسلے لازمش در سالہا ❊ قلب و روح و سرِّ او زیں روی مُطہر شدہ است

کَانَ یَعْتَادُ لِغُسْلٍ کُلَّ سَحْرٍ فِیْ سِنِیْنَ
مِنْهُ قَلْبُهٗ وَرُوْحُهٗ وَسِرُّهٗ طُهِّـرَا

آپ نے برسوں تک ہر صبح کو غسل کرنا اور نہانا اپنے اوپر لازم قرار دیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے عادی ہو گئے۔ اسی وجہ سے آپ کا قلبِ مُبارک، روحِ اقدس اور آپ کا سِرّ و باطن بہت پاکیزہ ہوئے۔

التحقیق :۔

المُنجد میں تصریح ہے کہ اِعتَادَ اِعتِیَادًا ۔ الشَّیْئَ : عادی ہونا چونکہ اس مقام پر فعل سے پہلے کَانَ آیا ہے جو اِستمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے تو اسے لازم کا ترجمہ بھی اسی ضمن میں سمجھ میں آتا ہے۔

اَلسَّحَرُ : صبح سے کچھ پہلے۔ اَلسَّحَرُ الاعلیٰ : صبح کاذب۔ اَلسَّحَرُ الآخِر : صبح صادق، ہر چیز کا کنارہ ج۔ اَسحَار

اَلسِّنِیْن جمع سَنَة۔ اس کی جمع سُنُون، سِنُوْنَ، سنوات آتی ہے۔

مِنْهُ بمعنی لاجلہ کے ہے۔ یعنے اپنے ماقبل کی علت بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے

طُهِّرَ صیغۂ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول ہے۔ از باب تفعیل اس میں هُوَ ضمیر مُستتر پوشیدہ ہے جو باعتبار کُل واحد قلب، روح اور سر کی طرف لوٹتی ہے۔ والقاعدةُ النحویة

فی ذٰلِکَ مَعْرُوْفَۃٌ۔

خلاصۂ شعر:۔ حضرت محبوبُ العالم رحمۃُ اللہ علیہ سالہا سال سے صبح نماز سے پہلے غسل فرماتے تھے جس کی وجہ سے آپ کا قلبِ مُبارک، روحِ انور اور باطنِ اقدس بہت صاف اور کشفِ حقائق کے درجہ تک پہنچے ہیں۔

واضح رہے کہ صبح سویرے نہانا جس طرح ظاہری بدن کی سلامتی کے لئے مفید ہے اسی طرح صفائِ قلبی اور باطنی پاکیزگی کے لیے بھی بہت زیادہ مُمِد و مُعاون ہے اس لئے بڑے بڑے علماءِ ربانیین اور اولیاء اللہ صبح سویرے پابندی سے نہاتے تھے کیونکہ اس سے سُستی و کہالت دُور ہوتی ہے اور عبادت و ریاضت میں سرور حاصل ہوتا ہے اور اگر ہم اس سلسلہ میں بزرگانِ دین کی فہرست پیش کریں تو ایک اچھا خاصہ رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔

گر مُساوی در حضورش خلوت و بازار شُد ٭ لیک مَیلِ خاطرش اکثر بکوہ و دشت است

اَلتَّخَلِّی وَالتَّجَلِّی فِی حَضُوْرِہٖ اسْتَوٰی
بَیْدَ اَنَّ مَیْلَ قَلْبِہٖ اِلَی الْبِیْدِ اعْتَرٰی

ترجمہ:۔ آپ کے نزدیک خلوت و جلوت اور بازار و تنہائی یکساں اور برابر ہے باایں ہمہ آپ کا قلبِ مُبارک پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف زیادہ راغب و مائل ہے۔

التحقیق:۔ اَلتَّخَلِّی۔ قال فی المُنجد تخلّی: کسی کے ساتھ خلوت میں ہونا۔ مِنْہُ وَعَنْہُ: چھوڑنا۔ لَہٗ: کسی کام کے لئے فارغ ہونا۔ اَلتَّجَلِّی۔ تجلّی تَجَلِّیًا۔ الشَّیْءُ: چیز کا اچھی طرح ظاہر ہونا۔ اَلْمَکَانَ: گھر پر چڑھنا۔ اِسْتَوٰی اِسْتِوَاءً برابر ہونا۔ اس میں ضمیر فاعل ھُوَ پوشیدہ در باعتبار کل واحد دونوں مصدروں التخلّی و التجلّی کی طرف راجع ہے۔ بَیْدَ: یہ ہمیشہ اَنَّ اور اس کے معمول جملہ کی طرف مضاف ہو کر آتا ہے اور سوائے اور مگر یعنے استثنا کا معنے دیتا ہے۔ جیسے اہلِ زبان اپنے محاورہ میں کہتے

ہیں فُلَانٌ کَثِیْرُ الْمَالِ بَیْدَ اَنَّہٗ بَخِیْلٌ کہ فلاں آدمی بہت مالدار ہے مگر ہے بخیل۔

مِنَ الْمُنجد ص۱۰۹ ۔ اَلْبَیْدَاءُ : بیابان، جنگل۔ اس کی جمع بِیْدٌ اور بیداوات آتی ہے۔

البیَادَۃ : پیدل فوج کو کہتے ہیں۔ اصل میں یہ بَادَ ، یَبِیْدُ ، بَیَادًا ہلاک ہونے کے معنے میں آتا ہے۔ چونکہ بڑے بیابان اور جنگل عموماً باعث ہلاکت ہوتے ہیں اس لئے وہ اس نام سے موسوم ہوئے۔ اعتریٰ۔ یہ اعتراہ اَمْرٌ سے نکلا ہے جس کے معنے لاحق ہونے کے آتے ہیں اس میں ھُوَ مستتر اور قلب کی طرف راجع ہے۔ اَلْمَیْلُ ، قال فی المُنجد مَالَ یَمِیْلُ مَیْلاً وَتَمْیَالاً وَمَیَلَانًا وَمَیْلُوْلَۃً وَمَمَالاً وَمُمِیْلاً ۔ —— اِلَی المکانِ لوٹنا۔ اِلَی الشَّیْءِ اوالشخصِ رغبت کرنا، محبت کرنا ۔ عَنِ الطَّرِیْقِ : تجاوز کرنا، چھوڑنا۔

خلاصۂ شعر : حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلوت وجلوت، بازار و تنہائی برابر ہے کہ جس جگہ بھی اور جس حال میں بھی ہوں آپ کا دلِ مبارک ہمیشہ ذکر و فکر اور یادِ خدا میں رہتا ہے اور بازاروں اور مجلسوں میں ہونے اور رہنے سے آپ کے روحانی اشغال و اذکار میں فرق نہیں آتا۔ کیونکہ دست با کار اور دل بایار پر پورے طور پر عمل پیرا ہیں۔ یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا انتہائی فضل وکرم ہے کہ ذکر لسانی اور ذکر قلبی ہمیشہ جاری رکھتے ہیں پھر بھی آپ کا قلب مبارک تنہائی اور بیابانوں کی طرف زیادہ راغب و مائل رہتا ہے کہ یہاں پر سالکِ راہِ طریقت ادرکیفیت پالیتا ہے اور جلوت میں جو خدشات پیدا ہونے کا امکان ہے وہ بیابانوں اور تنہائیوں میں نہیں رہتے۔ اس لئے احادیث میں آیا ہے کہ آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی اور اعلانِ نبوت سے پہلے تنہائی اور بیابانوں میں رہنا زیادہ پسند فرماتے تھے جیسا صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے وَکَانَ یُحِبُّ الْخَلَاءَ ۔ (آپ صلے اللہ علیہ وسلم تنہائی پسند فرماتے تھے۔)

ہمدمی گردش مشرف ہمدمیٔ روحِ حق ٭ ہمدم او زاں شفا بخشا و جاں پرور شد است

وَكَذَا صُحْبَةُ عِيسَىٰ شَرَّفَتْهُ بَعْضَ حِينٍ
فَدُعَائُهُ لَأَضْحَىٰ شَافِيًا وَمُنْشِرًا

ترجمہ:۔ بعض اوقات آں جناب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحِ مقدس نے بھی اپنی صحبت و رفاقت سے مشرف اور معزز بنایا۔ اسی بنا پر آپ کی دعا اور پھونک بیماروں کو بہت شفا بخشنے والی اور مردہ دلوں کو زندگی عطا کرنے والی ثابت ہو گئی ہے۔

التحقیق:۔ قولہٗ ہم دمی۔ یہ ہم اور دمی سے مرکب ہے کہ ہم کے معنے نیز اور دمی کے معنے بعض اوقات کے آتے ہیں۔ دوسری جگہ ہمدمیٔ سے ہم دم صحبت اور ہم نفس کے آتے ہیں۔ تیسرا ہم دم۔ ہم بمعنے اور دیگر کے ہے اور دم سے مطلب سانس اور کلماتِ دعائیہ ہیں۔ اس اعتبار سے شعر میں صنعتِ تجنیس ہے۔ روح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ روح کی اضافت حق کی طرف اضافتِ تشریفی اور تعظیمی ہے کہ محض کلمۂ کُنْ اور حکمِ خدا سے وہ پیدا ہوئے ہیں۔ یعنے حضرت عیسیٰ حضرت مریم علیہا السلام سے بے پدر پیدا ہوئے جس طرح حضرت آدمؑ بے پدر و مادر پیدا ہوئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں حضرت عیسیٰؑ کو حضرتِ آدمؑ کے ساتھ پیدا ہونے میں تشبیہہ دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ۔ اس میں تشبیہہ الغریب بالاغرب ہے لہٰذا جب حضرت آدم کی پیدائش پر بے پدر و مادر ہونے کے باوجود کوئی اعتراض نہیں تو حضرت عیسٰے علیہ السلام کے صرف بے پدر ہونے پر کیوں اعتراض کیا جائے اور جو فلسفۂ ڈارون سے متاثر ہو کر خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ کو علق بکسرِ عین پڑھ کر ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک کیڑے سے پیدا کیا ہے ایسے لوگ فلسفۂ ڈارون سے اثر پذیر ہو کر قرآن اور ڈارون کے بے بنیاد فلسفہ میں تطبیق دیتے ہیں تو یہ لوگ حقیقت

ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت سے بے خبر محض ہیں اور جس قانونِ فطرت کی آڑ لیکر یہ لوگ اس قسم کی غلط تاویلیں کرتے ہیں یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر یہ قانونِ فطرت جس نے بنایا وہ اپنی طاقت دکھانے کی غرض سے طبایع کے آثار و خواص بھی زائل اور دور کرنے پر طاقت رکھتا ہے کہ نہیں اور پھر یہ بھی نہیں سوچتے ہیں کہ خود صاحبِ وحی روحی لہٗ الفدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کیا سمجھا اور سمجھایا۔ بہرحال یہ اشارہ ضمناً آگیا ہے خدا تعالیٰ نے چاہا تو ہم اپنی تفسیر میں اسکی تفصیل کرینگے۔

شفابخشا میں الف مبالغہ کا فائدہ دیتا ہے۔ بعض حین بمعنے بعض اوقات کے ہے۔ اَضْحٰی پر لامِ تاکید داخل کیا گیا ہے۔ مَنْشَرًا منصوب ہے کہ اَضْحٰی کی خبر ہے۔ یہ اَنْشَرَ اللّٰهُ الْمَیِّتَ اللہ کا مُردے کو زندہ کرنا۔ اَنْشَرَ اللّٰهُ الْاَرْضَ اللہ تعالیٰ کا زمین کو سیراب کرکے زندہ کرنا سے مشتق ہے اور اسی سے قیامت کے دِن کو یَوْمُ النُّشُوْر کہتے ہیں۔

خلاصۂ شعر:۔ اربابِ حال اور نفوسِ قدسیہ کے نزدیک انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی ارواحِ مقدسہ سے استفادہ کرنا اور اُن کے اسرار و معارف سے بہرہ اندوز ہونا مسلّم اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے اور صحیح بخاری کی حدیث مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ اس پر گواہ اور بُرہانِ قاطع ہے۔ نیز بعض اولیاء اللہ موسوی نسبت، بعض عیسوی نسبت اور بعض ابراہیمی نسبت ہوتے ہیں اُسوقت اُن اولیاء اللہ پر اپنے منسوب الیہم کا حال غالب ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تجرّد کا غلبہ اور اپنے اَنفاسِ مُقدسہ سے بیماروں کو شفا بخشتے اور مُردوں کو باذنِ اللہ زندہ فرماتے تھے تو بنابر نسبت قویہ حضرت محبوبُ العالم رحمۃُ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کے کمالات سے بہرہ اندوز فرمایا تھا۔ چونکہ یہ سب کمالات اولیائُ اللہ کو اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی سے حاصل ہوتے ہیں اس لئے شفا اور جان پرور کی نسبت آپ کی طرف کرنا نسبتِ مجازی ہے۔ کما

لَا یَخْفٰی۔ پھر میں عرض کرتا ہوں کہ میرا وظیفہ شعر کی تحقیق کرنا نہیں بلکہ میرے ذمہ اس وقت صرف فارسی اشعار کو عربیت کا جامہ پہنانا ہے جس کی صورت حضرت ناظم رحمہ اللہ نے اپنے ابیات میں رکھ دی ہے اور پھر آپ نے شرح بھی خود لکھی ہے مگر کافی زمانہ گذرنے کے باوجود ہم وقتی سوالات اور اعتراضات کا بھی ساتھ ساتھ جواب دینا چاہتے ہیں وہ بھی نہایت اختصار کے ساتھ۔

نسبت صحبت قوی او را بعیسیٰ شد ازاں ❊ کو بعصمت ہمچو عیسیٰ زادہ از مادر شدست

قَدْ تَقْوٰی نِسْبَۃً بِرُوْحِ حَقٍّ لِاَجْلِہٖ
نَالَ عِصْمَۃً کَعِیْسٰی مُذْ وِلَادٍ طَاھِرًا

ترجمہ:۔ آں جناب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نسبت و تعلق نہایت قوی اور مضبوط ہے۔ اس لئے آپ نے اس دُنیا میں عصمت و عفت اور پاکی پاکدامنی اپنی والدۂ ماجدہ سے پیدا ہونے کے وقت سے آخری دَم تک حاصل کی۔

التحقیق:۔

روحِ حق سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُراد ہیں۔ یہ آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تقریبًا چھ سو سال کچھ اوپر تھے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ پر انجیل نامی کتاب نازل کی۔ آپ کے دشمن خصوصیت کے ساتھ یہود تھے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درپے ایذا ہوئے حتّٰی کہ انھوں نے آپ کو قتل کرنیکا ایک منصوبہ بھی تیار کیا تھا جو اللہ تعالےٰ نے ناکام بنایا جیساکہ آیت وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ کی صحیح تفسیر اس پر گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم پیغمبر کو بروح وجسد آسمانِ چہارم پر بلایا۔ وہ اسی طرح زندہ اور باسلامت ہیں۔ قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان سے سرزمینِ فلسطین پر اُتریں گے اور آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دینِ حق کی طرف دعوت دیں گے۔ مخالفینِ اسلام کے ساتھ

جنگ کریں گے اور اسی زمانے میں دجّال کا ظہور ہوا ہوگا تو اس کو بھی قتل کریگے
حضرت عیسٰی، امام مہدی علیہما السّلام اور دجّال بدبخت کا زمانہ ایک ہی ہوگا۔ یہ
مضمون بہت سی آیتوں، سینکڑوں صحیح حدیثوں اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے
اس کا منکر کافر ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام آسمانِ چہارم
پر کیا کھاتے ہیں اور بول و براز کہاں کرتے ہیں اُن پر مادیت اور لادینیت غالب
ہے۔ اس عالم کو زندگی کے لوازم وخواص عالمِ برزخ کے لوازم وخصائص سے
علیحدہ اور جُدا گانہ ہیں اور پھر حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو الصّادق المصدوق
تسلیم کرنے کے بعد چون وچرا کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اور پھر یہ کیا ضروری ہے کہ
تمام باتیں ہمیں سمجھ میں آئیں۔ اور ابھی زمانۂ حال کے محققین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں
کہ وہ ابھی علم وتحقیق کی پہلی سیڑھی پر قدم جما رہے ہیں اور جو لوگ حضرت عیسٰی
علیہ السّلام کی وفات معاذ اللہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ جادۂ حق سے
بہت دور ہیں اور کچھ لوگ اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے حضرت عیسٰی کی قبر خانیار میں
ثابت کرنے کی بے بنیاد کوشش کرتے ہیں وہ اصل میں کشمیریوں کی خوش اعتقادی
سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں۔

اور پھر کچھ وہ لوگ جو کشمیریوں کو مالی اور اقتصادی اعتبار سے خوش حال
دیکھنا چاہتے ہیں وہ بھی اندر ہی اندر سے اس قسم کے بے بنیاد مدّعیوں کا اس غرض
سے ساتھ دے رہے ہیں کہ سرزمینِ کشمیر عیسائیوں کا مرکز بن جائے اور وہ حضرت
عیسٰے علیہ السّلام کے اس فرضی اور مصنوعی روضہ کی زیارت کے لئے آیا جایا کریں
افسوس ہے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک دین اور دینی اصول کی کوئی قدر وقیمت ہی
نہیں ہے۔ ان کے ہاں جو کچھ ہے وہ بھی مادی جاہ وجلال ہے جو آخر کار زیرِ زمین
دفن ہوکر رہیگا۔ اس لئے ایسے اربابِ سیاست سے ہمیں کسی بھلائی کی امید ہی نہیں
یہ تو اپنے مقاصد کے لئے اصل کو فرع، فرع کو اصل، کھرے کو کھوٹا اور
کھوٹے کو کھرا بنانے میں پورے ماہر اور شاطر ہیں مگر مسلمان ان سے ہشیار رہیں۔

یہ ظاہر بات ہے کہ اگر فی الواقع حضرت عیسیٰؑ کا مقبرہ کشمیر میں ہوتا تو خود انگریزوں اور حضرت عیسیٰؑ کے پیرودوں کو اس کی کچھ علمیت ضرور ہوتی اور ان کی کتابوں میں اس کا کچھ تذکرہ ہوتا یا کشمیر کی تاریخ میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہوتا حالانکہ اسکا وجود نہ اُن کی کتابوں میں ہے اور نہ ہماری کتابوں میں اور نہ مُلکی تاریخ میں۔ دراصل جو لوگ اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں یہ اُسی شخص کے مُرید ہیں جس نے انگریزوں کی مدد سے پنجاب میں نبوت کا دعویٰ کیا اور انگریزوں سے کہا میں آپکا خود کاشتہ پودا ہوں۔ اسی طرح وہ پھر رفتہ رفتہ شعوری یا غیر شعوری طور سے مادی اور سیاسی لالچ سے اس غریب ریاست کو اغیار کے پنجۂ استبداد کے حوالہ کرنا چاہتے ہیں ورنہ خود اہلِ زمانہ جانتے ہیں کہ مشہور و معروف آدمی محمد عبد اللہ قادیانی ثُمّ بہائی نے قادیانیت سے رجوع کرنے کے بعد ایک رسالہ شُعلۃُ النّار فی خا بیادر لکھا ہے جس میں مؤلف نے صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ وہی اس فتنہ کا موجد اور مُخترع ہے اور اس نے غیر مبہم الفاظ میں لکھا ہے کہ کشمیر میں قبر عیسٰے علیہ السلام کی کوئی حقیقت نہیں۔ مولوی نورالدین صاحب اہلحدیث اور حضرت مولٰینا مسعودی اور دوسرے اہلِ علم بھی اس سے باخبر ہیں اور اب بھی یہ رسالہ تحقیق کرنے سے بدست آسکتا ہے۔

نوٹ :۔ ہم نے یہ چند سطریں یہاں اس غرض سے قلم بند کیں کہ حضرت خاکیؒ جا بجا وِردُ المریدین میں حضرت محبوب العالمؒ کو حضرت عیسٰے کے ساتھ قویُّ النسبت قرار دیتے ہیں۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ جن کے دِلوں میں زیغ اور حجاب ہے وہ اس سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اہلِ اعتقاد حضرات سے مذہبی، سماجی اور اقتصادی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش اور نامبارک سعی کریں گے۔ فافهم انّهٗ اهمّ لِمَن خلفنا ان کان من المومنین۔

ہمچو عیسیٰ زیست بے زن لیک بے فرزند نیست ٭ ہر مُرید او را پسر ہر مُخلصہ دختر شد است

مِثلَ عِیسٰی عَاشَ عَزَبًا ثُمَّ لَیسَ مِن عِقَام
اِنَّمَا مُستَرشِدُوہُ خَیرُ وُلدٍ مَحجَرا

ترجمہ :- آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بغیر شادی کے زندگی گذاری پھر بھی (ماشاء اللہ) آپ بانجھ اور بے اولاد نہیں ہیں کیونکہ آپ کے تمام مریدین و معتقدین مرد کیا اور عورتیں کیا (باغیچۂ زندگی اور حسنِ منظر) کے لحاظ سے بہترین اولاد ہیں تو پھر غم کس بات کا؟

التحقیق :-

عقیم۔ الرّجلُ العقیم بے اولاد مرد کو کہتے ہیں۔ اسکی جمع عُقَمَاءُ، عِقَام بروزن کِرام آتی ہے۔ عَقلٌ عَقِیمٌ جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ مَحجرٌ، باغیچہ، مجازاً رونق کو کہتے ہیں۔ اَلوَلَدُ وَالوُلد و الوِلدَان وَالوِلدُ بچہ مذکر مؤنث، تثنیہ جمع سب کو شامل ہے۔ کبھی جمع لاکر اولاد و وَلدہ کہتے ہیں۔
عَزَبٌ، مصدر ہے بے نکاح رہنے کو کہتے ہیں۔ صیغۂ صفت اَعزَبُ آتی ہے۔ جیساکہ صحیح بُخاری میں بروایتِ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ لفظ آیا ہے۔ تفصیل شرح میں ہے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بے نکاح رہنا رہبانیت کی علامت ہے جس سے قرآن نے منع کیا ہے اور اسی طرح تجرّد یعنے بے نکاح زندگی گذارنا حدیث اَلنِّکَاحُ مِن سُنَّتِی فَمَن رَغِبَ عَن سُنَّتِی فَلَیسَ مِنِّی کے خِلاف ہے کہ "نکاح کرنا میری سُنّت ہے اور جو کوئی میری سنت سے اِعراض کرے اور مُنہ پھیرے وہ میرے طریقہ پر نہیں"۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رہبانیت یعنے دُنیا سے بالکُلیہ الگ تھلگ رہنے اور نکاح نہ کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ حضرت محبوبُ العالم رضی اللہ عنہ نے بے نکاح ہونے کے باوجود اِحیاءِ سُنّت اور دَفعِ بِدعت کے لئے اتنی کوشش فرمائی کہ جس کی مثال ملنی مُشکل ہے۔ آپ نے حق وصداقت کو زندہ کرنے کے لئے وقت کے بادشاہوں سے ٹکرلی، جگہ جگہ دَورے کئے، جلسے فرمائے، سنّتِ خُلفاءِ راشدین کو آفتاب کی طرح چمکایا، پھر رہبانیت کہاں۔ آپ بِلاشبہ مجاہدِ اعظم تھے رضی اللہ عنہ وارضاعنا۔

اور نکاح شدتِ شہوت کے وقت واجب ہے جیساکہ صاحب کنز الدقائق نے لکھا ہے
وعند التوقان واجبٌ کہ شدتِ شہوت کے وقت نکاح کرنا واجب ہے
اور مجبوریوں اور دینی مصالح کی بنا پر نکاح نہ کرنے میں رخصت ہے۔ اور
حدیث فَمَنْ رَغِبَ سے ترکِ نکاح مُراد نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ
جو شخص فعلِ نکاح کو بنظرِ استحقار و اعراض دیکھے تو وہ میرے طریقہ پر نہیں۔
پس حدیث سے مذکورہ دعویٰ پر اِستدلال کرنا دُرست نہیں ہے۔

درمقامِ توبہ فرماید کہ تایب آں بُود ٭ کش زنِ بیگانہ ہمچوں خواہر و مادر شد است

اِنَّمَا التَّائِبُ حَقًّا حَسْبَمَا یُبْدِی لَنَا
مَنْ اِلَی الْبُعْدٰی کَاُخْتٍ وَّ کَاُمٍّ اَبْصَرَا

ترجمہ:۔ توبہ کے وقت (نصیحت کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ سچا اور حقیقی توبہ کرنے
والا وہی ہے جو اجنبی اور غیر محرم عورت کی طرف اسی طرح دیکھے جس طرح وہ اپنی
بہن اور ماں کی طرف دیکھتا ہے۔

التحقیق:۔

عربی شعر کے مصرعۂ ثانی میں عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے اور اسکی اصلی عبارت
اس طرح ہے کہ مَنْ اَبْصَرَ اِلَی الْبُعْدٰی کَمَا یَبْصُرُ اِلَی اُخْتٍ وَّ اُمٍّ۔
اور اَبْصَرَ کے بعد جو الف ہے وہ اشباعی ہے۔ یُبْدِی بمعنی یُظْهِرُ ہے۔ جو
بَدٰی یَبْدُوْ سے نکلا ہے جس کے معنے ظاہر ہونے کے آتے ہیں۔ یہ معتل اللام
واوی ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ حضرت محبوبُ العالم رحمہ اللہ توبہ کرنے والوں سے نصیحت فرماتے
تھے کہ زبانی توبہ سے کہیں زیادہ دلی اور معنوی توبہ قبولِ بارگاہِ الٰہی ہوتا ہے کہ آدمی
توبہ کرنے کے بعد اپنا کردار اتنا بلند کرے کہ اس کے نزدیک ماں، بہن، بیگانہ اور پرائی

عورتوں میں امتیاز باقی نہ رہے جس طرح عفت و پارسائی سے اپنی ماں اور بہن کی طرف دیکھتا ہے وہی عفت و پاک دامنی اس کے دل و دماغ پر اسوقت بھی غالب آجائے جبکہ وہ اجنبی اور غیر محرم عورتوں پر نظر ڈالے مگر گناہ اور خیالِ بد کا تصور تک نہ آئے۔ چنانچہ خود حضرت قدس سرہٗ شمائلُ الاَتقِیاء کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آنکھوں کی نیکی و پارسائی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف و شوق سے آہ و بُکا میں رہیں۔ اسی طرح آنکھوں کی نیکی قرآنِ مجید کی طرف دیکھنا، ذکر و فکر کے ساتھ راتوں کو بیدار رہنا، بندگانِ خدا کے چہروں کی طرف دیکھنا، اللہ تعالیٰ کی حکمت و کاری گری پر غور و فکر کرنا، نماز میں سجدہ کی طرف دیکھنا تاکہ دائیں بائیں نظر نہ پڑے اور یہ کہ مناسب وقت میں ان کو راحت و آرام اور سونے کا موقع فراہم کرنا وغیرہ وغیرہ۔ افسوس! اب تو ہمارے شہر میں آنکھوں کا زنا اور بے شرمی و بے حیائی اتنی عام ہے کہ الاَمانُ و الحفیظ۔

او ملک خوی است اندر چشم عبرت بینِ او ❊ مردِ بالحیہ صفت مستورۂ معجر شُد است

مَلَكٌ خُلقًا وَفِي مُقلَتِهِ العَبرٰى تَرٰى
صَاحِبَ العُثنُونِ مِثلَ مَن تَشُدُّ المِعجَرَا

ترجمہ:- آپ فرشتہ صفت ہیں اور آپ کی عبرت بھری آنکھوں میں داڑھی والا مرد بھی نقاب پوش عورت کی طرح ہے کہ کمالِ حیا کی بنا پر اس کی طرف بھی آنکھیں جما کر نہیں دیکھتے۔

التحقیق :- عَبرٰی صیغہ واحد مؤنث اسم تفضیل اور مذکر کے لئے اَعْبَرُ بہت زیادہ عبرت پکڑنے والا آتا ہے۔ عَبرٰی اس لئے مؤنث لایا گیا کہ یہ مقلۃ کی صفت ہے۔ اسکی جمع مُقَلٌ آتی ہے۔ بمعنیٰ آنکھیں۔ العثنون داڑھی اسی طرح بارش یا ہوا کی ابتدا کو بھی کہتے ہیں۔ اَلمِعجَر عورت کے سر پر باندھنے

کا کپڑا۔ اَلْمُعْجَر بندھا ہوا عمامہ۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آنجناب عبرت پذیر ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ پاک دامن اور عفیف بھی ہیں حتیٰ کہ آپ کے نزدیک داڑھی والا مرد اور عورت کے درمیان اس نقطہ میں کوئی فرق نہیں کہ آپ ہمیشہ غضِ بصر اور اپنی چشمانِ مبارکہ کو جھکائے رکھتے ہیں اور بالغ مردوں کی طرف بھی نظریں جماکر نہیں دیکھتے۔ یہ بھی آفاتِ نفس سے بچنے کا ایک طریقہ ہے کہ آنکھوں کے اثرات و نتائج بھی نہایت خطرناک ہیں اس لئے قرآنِ پاک میں مطلقاً غضِ بصر کا حکم دیا گیا ہے۔ وھٰذا کما قالوا یشاھدون بالبصرۃ الجمالَ المُطلقَ المَعْنَویَّ بالبصر لحُسْنَ المقیدَ المعنویَّ۔

غرض شعر کا مفہوم سامنے رکھ کر بے ریش مرد کی طرف دیکھنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ سالک بہت بڑی عبادت و ریاضت کے بعد ترقی کرتے ہوئے فرشتوں کی صف میں داخل ہوتا ہے اور اسکی شہوت کی نظر عبرت کی نظر میں تبدیل ہو جاتی ہے اس لئے وہ مقامِ رخصت میں بھی سوچ سمجھ کر قدم رکھتا ہے کہ بسا اوقات ایک نگاہ بھی عمر بھر کی عبادت ضایع ہونے کے لئے سبب بن جاتی ہے ؛

چیست عبرت بلکہ اندر دیدۂ حق بینِ او ❊ ہر چہ آید نورِ حق را مطلع و مظہر شدست

لَیْسَ عَابِرًا فَقَطْ بَلْ بِعَیْنِ الْحَقِّ یَرٰی
کُلَّ شَیْئٍ نُوْرَ رَبِّ مَطْلَعًا وَ مَظْہَرًا

ترجمہ: آپ عبرت پر ہی اکتفا نہیں فرماتے بلکہ آپ کی خدا شہود نظر وں میں تمام چیزیں انوارِ الٰہیہ ہیں شروع میں بھی آخر میں بھی یعنی تمام اشیاء بدایت و نہایت کے اعتبار سے انوارِ ربانی ہیں۔

التحقیق ۔ کُلَّ شَیْءٍ ، نُورَ رَبِّ ، یری کے دو مفعول ہیں اسلئے منصوب ہیں۔ مَطْلَعًا و مَزْهَرًا تمیز ہے دونوں مفعولوں سے ۔ مَطْلَعًا طلوع سے نکلا ہے ۔ یہ طَلَعَ (ن) طُلوعًا و مَطْلِعًا و مَطْلَعًا۔ الکوکبُ وغیرہ ستارہ وغیرہ کا طلوع ہونا۔ علیہِم متوجہ ہونا ، آنا ۔ عَنْهُم غایب ہونا ، دور ہونا۔ اس مقام پر متوجہ ہونے کے معنے زیادہ اقرب الی الصّواب ہیں۔

مَزْهَر : مصدر میمی ہے، زہور سے نکلا ہے ۔ کہا جاتا ہے زَهَرَ زُهُورًا۔ السِّرَاجُ اَوِ الْقَمَرُ اَوِ الْوَجْهُ روشن ہونا ، صاف رنگ ہونا۔ اسی طرح یہ دونوں لفظ اسم مکان بھی ہو سکتے ہیں۔ کما تقرر عندہٗ۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آپ عبرت پذیر ہی نہیں ہیں بلکہ آپ تمام اشیاء میں اَنوارِ الٰہیہ مُشاہدہ فرماتے ہیں جب کہ آپ ان کو غائرانہ ، پوری توجہ اور روشن ضمیری سے ان کا مُطالعہ فرماتے ہیں ۔ یہ مسئلۂ وحدتُ الوجود کی طرف اشارہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ بحمد اللہ ہمارے پیرِ روشنضمیر حضرت محبوبُ العالم قدس اللہ سرّہٗ الاکرم وحدتُ الوجود کے اونچے مقام پر فائز ہو چکے ہیں کہ یہ عُرفاءِ کاملین کی شانِ رفیع ہے کہ وہ تمام ذرات میں اَنوارِ الٰہیہ اور اَسرارِ رحمانیہ کا مُشاہدہ فرماتے ہیں۔ یعنی شعر ۔

ایں است کمالِ مردِ دانا بیقین
در ہر چہ نظر کند خدا را بیند

بود صائم ہمچو عیسیٰ سالہا و ہم کنوں ۔ ہست معنی صومش ار چہ صورۃً مفطر شدہ است

کَانَ صَوَّامًا کَعِیْسٰی سَنَوَاتٍ ظَاهِرًا
وَیَصُوْمُ الْاٰنَ فِی السِّرِّ وَعَلَنًا اَفْطَرَا

ترجمہ ۔ آپ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرح سالہا سال تک پیہم روزہ رکھتے تھے اور اب بھی باطنی طور پر روزہ تو رکھتے ہیں اور ظاہری طریقہ سے اِفطار فرماتے ہیں۔

التحقیق :- صَوَّامًا : بہت روزہ رکھنے والا۔ روزہ شریعت میں صُبحِ صادق کے پَو پھٹنے سے سورج ڈوبنے تک قصدًا کھانے پینے اور جنسی مُباشرت سے پرہیز کرنے کا نام ہے۔ روزہ وہ عبادت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے ہمارے پیغمبر کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک ہمیشہ مشروع رہی اور تا قیامت مشروع رہے گی۔ یہ نفسانی شہوات وخواہشات سے بچنے کے لئے اکسیر اعظم اور تریاقِ اکبر ہے۔ مزید بر آں روزہ سے مسکینوں اور ناداروں کی حالت کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ روزہ سے عِفت و پارسائی اور معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی مزید تحقیق ہماری کتاب بصیرۃ السّلوک شرح ذخیرۃ الملوک کے باب دوم میں ملاحظہ فرمائیے۔ چونکہ حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کو سیّدنا حضرت عیسےٰ علیہ السّلام سے قوی اور مضبوط نسبت ہے اس لئے حضرتِ عیسےٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی کثرت سے روزہ رکھتے تھے۔ معنوی روزوں سے یہ مطلب ہے کہ جس طرح روزوں کا جوھر یہ ہے کہ روزہ دار کا نفس وروح اور باطن پاک ہوجائے تو یہ مُقدّس مقصد آپکو افطار سے بھی حاصل ہوتا تھا کہ کثرتِ صوم ہی سے آپ اس عظیم مَقصد تک پہنچ گئے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اب معنوی طور پر روزہ رکھنے پر اِکتفا فرماتے ہیں تو اس سے رمضانُ المبارک مُستثنیٰ ہے کہ رمضانُ المبارک میں برابر ظاہر وباطن کے اِعتبار سے آپ روزہ رکھتے تھے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ حضرت محبوب العالم رحمہُ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرح پیہم روزہ رکھتے تھے اور آخری ایام میں گو بظاہر افطار فرماتے تھے مگر معنے ومقصد کے لحاظ سے اسوقت بھی روزہ دار ہوتے تھے۔

از صفائی روزہ شد وارستہ از نارِ فراق ٭ زانکہ روزہ بہر دفعِ نار چوں اسپر شد ست

بِتَتَابُعِ صَوْمِهٖ مِنْ نَارِ فُرْقَةٍ نَجَا
اِنَّ صَوْمًا مِنْ شَرَارِ النَّارِ اَضْحٰى مُحْصِرًا

ترجمہ :۔ روزہ کی برکت اور مسلسل رکھنے سے آپ نارِ فراق سے نجات پا گئے۔ کیونکہ روزہ جہنم کی چنگاریوں سے بچنے کے لئے ڈھال اور اکسیر ہے۔

التحقیق : قولہٗ مُحْصِرًا۔ یہ اَحْصَرَهٗ عَنِ السَّفَرِ سے لیا گیا ہے جس کے معنے سفر سے روکنا۔ اَحْصَرَهُ الْمَرَضُ او الْبَوْلُ مرض یا پیشاب کا کسی کو روکنا۔ اُحْصِرَ قبض ہونا۔ اِنْحَصَرَ تنگ ہونا، مشکل میں ہونا محصور ہونا۔ مُحْصِرًا اس جگہ اس لئے منصوب ہے کہ یہ اَضْحٰى کی خبر ہے۔ پھر جملہ بن کر اِنَّ کی خبر ہے یعنے پورا جملہ اِنَّ کی خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ شرار النّاس میں مضاف محذوف ہے۔ یعنے لِدَفْعِ شَرَارِ النَّارِ۔ جیسے وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ میں مضاف ... ہے ای وَاسْئَلْ اَهْلَ الْقَرْيَةِ۔

فِراق سے اُس مقام پر وہ حجابات اور پردے مُراد ہیں جو بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان حائل اور آڑے آتے ہیں۔ قولہٗ اِسْپَر۔ اس میں الف زائد ہے کہ اصل میں سپر ڈھال مقصد ہے۔ یہ ایک حدیث کا ترجمہ ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ حضرت ماتن رحمہ اللہ صوفیانہ طریقہ پر فرماتے ہیں کہ روزہ وہ عبادت ہے کہ جس کی برکت سے روزہ دار فراق اور حجابات سے چھٹکارا پاتا ہے اور حجابات عاشقِ صادق کو اسی طرح بے قرار بنا تے ہیں کہ جس طرح آگ آدمی کو بے قرار بنا دیتی ہے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں سے فرمائیں گے کہ صوم کے بغیر میرے بندے کو تمام عبادات کا بدلہ دو، رہی اسکی روزہ داری تو میں خود اس کا بدلہ اور عوض اس کو دوں گا۔ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ ٭

مصطفیٰ راہم مع الاصحاب دیدہ بارہا ⁂ زاں سبب در مذہب سُنّیہ راسخ ترشد است

رُبَّمَا زَارَ النَّبِیَّ الْمُصْطَفٰی مَعْ صُحْبِہٖ
فَبِذَا مَسْلَکَ اَہْلِ السُّنَّۃِ قَدْ اٰثَرَا

ترجمہ :- بسا اوقات آنجناب نے آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی زیارت سے باریابی حاصل کی اسی بِنا پر آپ نے تمام باقی مسلکوں پر اہلسنّت و الجماعۃ کے مسلک کو ترجیح دی - اور اس میں بہت زیادہ راسخ اور مضبوط ثابت ہوتے -

التّحقیق :- فَبِذَا کا فاء تعلیل کے لئے ہے - اہلسنّت والجماعۃ اُن مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ جو تمام صحابۂ کرام کی عزت کرتے ہیں اور سب کو حق پر سمجھتے ہیں - خاصکر خُلفاءِ راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی رضوانُ اللہ عنہم کی افضلیت کے علی الترتیب قائل اور معتقد ہیں اور اسی طرح ائمہ اربعہ حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی ایک صاحب کے مسائل مستنبطۂ فرعیہ میں مقلِّد ہوں - باقی فرقوں کو غیر سُنّی کہتے ہیں - حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سُنّیہ میں راسخ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے طالب علمی کے زمانہ میں ایک صاحب حج کر کے آئے تو انہوں نے دَورانِ ملاقات پوچھا کہ آپ کون سی کتابیں پڑھتے ہیں ؟ آپ نے حنفی کتابوں کا نام لیا تو اس نے امامیہ کتابوں کے پڑھنے کی ترغیب دی - آپ کی نازک طبیعت اور روشن ضمیری نے اس ترغیب کو پسند نہیں فرمایا - البتہ اللہ تعالےٰ سے دُعائیں کرتے تھے کہ مذہب حق کی اِتباع کی سعادت نصیب ہو جائے - ایک دِن آں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور خُلفاءِ راشدین کو یکے بعد دیگرے خواب میں دیکھا تو ان حضرات نے آپ کو بیش بہا نصیحتوں سے سرفراز فرمایا - اُنہی مقدس نصیحتوں سے آپکو یقینِ کامل

ہُوا کہ اہلسنۃ والجماعۃ ہی کا مذہب حق اور صحیح ہے اور اسکے علاوہ جو کچھ ہے تو اسکی حیثیت کسَرَابٍ یَحْسَبُہُ الظّمْاٰنُ مَاءً سے زیادہ نہیں۔ تو یہ شعر اسی خواب کی طرف اِشارہ ہے ؛

چوں مشرّف شُد بصحبت ہا او در واقعات ، پس لباسِ صاحبیؐ او ہمش در بر شد است

حِیْنَمَا مِنْہُ اَحَظَ فِی الْمَنَامِ صُحْبَۃً
فَلِبَاسُ الصَّاحِبِیَّۃِ لَہٗ قَدْ جَاوَرَا

ترجمہ :- جبکہ آپ واقعات اور خوابوں میں آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدس صحبت سے بار بار مشرف ہوئے تو صحابی ہونے کا لباس آپ کے بدنِ مبارک پر اچھی طرح موزوں اور چسپاں ہُوا۔

التحقیق :- قولہٗ اَحَظَ قال فی المانجد حَظَ (س) حَظًّا وَحَظَ و اَحَظَ نصیب والا ہونا۔ مِنْہُ : اس کا مرجع سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ فِی الْمَنَامِ : یہاں پر خواب مُراد ہے جو واقعات کا ترجمہ ہے۔ اولیاء اللہ کے خواب بھی کشف سے کم نہیں ہوتے۔ اور جو شخص آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہو جائے تو زہے سعادت۔ البتہ محدّثین کی اِصطلاح میں اِصطلاحی صحابی اُس پر اِطلاق نہیں کیا جاتا ہے۔ البتہ حدیث مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ کے پیشِ نظر حضرات صوفیہ قدس اللہ اَسرارہُم اُن سعادتمندوں کو بھی مجازاً اور معنیً صحابی کہتے ہیں جو خواب میں آپکی زیارت سے فیضیاب ہونگے صلے اللہ علیہ وسلّم۔

صُحْبَۃً ، اَحَظَ سے تمیز ہے اس لئے منصوب ہے۔ جَاوَرَ باب مُفَاعَلَہ سے ہے۔ مضمون کی اہمیت کی بنا پر نہایت احتیاط سے یہ لفظ اِنتخاب

کیا گیا ہے۔ اہلِ لغت نے تجاوَرَ وَ اجتورَ۔ القومُ کے معنی ایکدوسرے کے پڑوس رہنا۔ کیا ہے۔

شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ محبوبُ العالم جناب رحمۃٌ للعالمین کی زیارت سے خوابوں میں بار بار مشرف ہوئے اور آپ سے اِستفادہ فرمایا اِس لئے معنیً و مجازاً صحابی کا لباس آپ کے بدنِ مُبارک پر زیبا ہُوا۔

چوں رسُولُ اللہ گفتا ہر تقی آلِ منِ است ٭ شکر کز باغِ نبیؐ پیدا یکی نو بر شداست

اَلُ خَیرِ المُرسَلِینَ کُلُّ تَقِیٍّ ثَابِتٌ
شُکرًا لِلّٰہِ رَوضُ طٰہٰ جَادَ ثَمَرًا اَنضَرَا

ترجمہ:۔ چونکہ آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر پرہیزگار اور مُتقی میری آل و اولاد میں (حُکمًا) داخل ہے اور یہ حدیث محدثین کے نزدیک درجۂ ثبوت سے پیوستہ ہے اس لئے اللہ تعالےٰ کا شکر و احسان ہے کہ باغِ نبوت سے اور ایک تر و تازہ میوہ (حضرت محبوبُ العالمؒ) پیدا ہوئے ہیں جس سے دینِ اسلام اور بھی زیادہ مُعطر اور منور ہوگا۔

التحقیق:۔ کُلُّ تَقِیٍّ مبتدا مؤخر اٰلُ خَیرِ المُرسَلِینَ، اسکی خبر مقدم ہے۔ اور ثَابِتٌ دوسری خبر ہے کہ علماءِ نحو کے نزدیک یہ امر مُسلم ہے کہ ایک مُبتدا کے لئے متعدد خبریں ہوسکتی ہیں۔ شُکرًا یہ فعلِ محذوف کا مفعولِ مُطلق ہے۔ ای اَشکُرُ شُکرًا۔ طٰہٰ سے حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مُراد ہیں جیسا کہ معالم التنزیل میں ہے قیل ھُوَ مِنَ اَسماءِ اللّٰہِ فالطاءُ اِفتِتَاحُ اِسمِہٖ طَاھِرٌ والھاءُ افتتاحُ اِسمِہٖ ھَادٍ وقیل معناہ والمراد بہٖ النبیُّ صلے اللہ علیہ وسلم وکذٰلک یا انسانُ۔ وقال البغوی کان یُراوحُ بینَ قَدَمَیہِ فی الصّلوٰۃ لطولِ قیامِہٖ وَکَانَ

يُصَلِّي اللَّيْلَ كُلَّهُ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ۔ غرض اب طٰہٰ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اسماءِ مبارکہ میں سے ایک مبارک اسمِ گرامی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قولہٗ جَادَ (ن) جُوْدًا: بخشش میں غالب آنا۔ (اس مادہ کی مزید تحقیق لغت کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیے۔ اَنْضَرَ: یہ اسم تفضیل ہے۔ یہ نَضَرَ (ن) نَضْرًا وَنَضَّرَهُ اللّٰهُ۔ تروتازہ بنانا۔ انضر: تروتازہ ہونا۔ اَلشَّجَرُ درخت کا سبز پتے والا ہونا۔ والباقی اشھر مِنْ اَنْ يُّذْكَرَ۔

خلاصۂ شعر:- حدیثِ شریف میں آیا ہے کہ ہر پرہیزگار میری آل و اولاد معنوی ہے اس لئے اللہ تعالے کا شکر ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے باغ نبوت سے ایک اور ہرا بھرا اور تروتازہ میوہ نمودار ہوا جس سے اسلام کے درخت میں تروتازگی آئے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا کہ ماشاء اللہ رہتی دُنیا تک آپ کے دینی کارنامے اور خدمات زندہ رہیں گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زِندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالَم دوامِ ما

عالمانِ آخرت مر انبیا در رہبری ؛ وارثند او نیز ایں میراث را درخور شد است

عُلَمَاءُ الْحَقِّ وُرَّاثٌ لِّرُسْلٍ فِي الْهُدٰى
وَهُوَ فِي هٰذَا التُّرَاثِ صَارَ جِدًّا اَجْدَرَا

ترجمہ:- علماءِ حق ہدایت و رہبری میں انبیاءِ کرام اور مُرسلین عِظام کے وارث اور جانشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ (حضرت محبوب العالمؒ) بھی اس مقدس وراثت کے اہل اور لائق قرار پائے۔

التحقیق: رسول کی جمع رُسُلٌ اور الرُّسُلَاءُ آتی ہے۔

الوُرَّاثُ وارِث کی جمع ہے۔ اسی طرح وارث کی جمع وَرَثَۃ" بھی آتی ہے۔ المیراث میت کے ترکہ کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ۔ پھر وراثت اور ترکہ کی دو قسمیں ہیں، ایک مال و دولت اور مکانات و جایداد، دوسری وراثتِ معنوی ہے کہ جس کا مطلب اس مقام پر علم دین اخلاقِ طیّبہ و طاہرہ اور روحانیات ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کے دل و دماغ پر خوف حضرتِ اللہ غالب آجائے اور حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق انجام دینے کے لئے سرِیکف ہو جائے۔ میراث کی جمع مَوارِیث آتی ہے۔ اسی طرح الاِرث، و الوِرث و الوِراثۃ و التُّراث میت کے چھوڑے ہوئے مال وجائداد کو کہتے ہیں۔ اور بعض مشائخ طریقت کا اپنے مریدوں کو جلبِ مال اور استحصالِ زر کی غرض سے وراثت میں داخل کرنا اس میں خاکسار کو تامّل ہے گو بعض اہلِ فتویٰ کا بھی فتویٰ ہمارے برخلاف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے لیکر تمام ائمہ فقہاء درس و تدریس کے منصب پر فائز تھے۔ مدرسین و فقہاءِ کرام کے ہاں نکتہ آفرینی اور مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کا جو تسلسلِ مقدمات ہوتا ہے ہمارے زمانہ خاصکر ہماری ریاست کے اکثر مفتیانِ کرام اس سے عاری اور تہی دست ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ آسان فتاویٰ میں بھی شَغَر بَغَر بن جاتے ہیں۔ کما لا یخفیٰ علیٰ مَنْ تَاَمَّلَ فیما یفتون

بہرحال خلاصۂ شعر یہ ہے کہ علماءِ آخرت کی دو علامتیں ہیں (۱) علم الباطن جس کا مطلب یہ ہے کہ جب مومن اپنے دل و دماغ کو صفاتِ مذمومہ اور احوالِ ناپسندیدہ سے پاک وصاف کرتا ہے تو اسوقت قدرت کی طرف سے اس کے قلب و روح میں نورِ ربّانی جڑ پکڑتا ہے کہ جس سے حقائقِ اشیاء اپنی اصلی صورتوں میں مومنِ صادق کے سامنے منکشف اور ظاہر ہو جاتی ہیں اور ہر اچھی اور بُری چیز کو اسکی اصلی اور واقعی صورت میں اُسے دِکھائی دیتی ہے

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ علماءِ آخرت وہ ہیں جو دین کو دنیا پر ترجیح دیں اور اُن کا اصلی مقصود رضاءِ الٰہی کا حصول ہو۔

(۲) علمِ احوالِ قلب۔ کہ صبر و شکر، خوف و رجاء، امید و بیم، رضا و زہد، تقویٰ و پرہیزگاری، قناعت و سخاوت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اُن کا دل سرشار اور معمور ہو۔ اسی طرح دِل حسنِ خُلق، حُسنِ معاشرہ، صِدق و اِخلاص سے وابستہ ہو۔ نیز کینہ، حَسد، فریب، کبر و رِیا، اپنی برتری، بیجا مدح و ستائیش، غُصّہ، غیض و غضب، طمع و بخل، حرص و لالچ اور دوسرے مذموم اور قابلِ نفرت اوصاف سے پاک ہو۔

غرض سب کچھ آسان ہے مگر علماءِ آخرت اور علماءِ حق کا مِصداق بننا نہایت مشکل ہے۔ ہم لوگ امامت کا معاوضہ مقرر کریں۔ مُریدوں کے گھروں میں جاکر اُن سے پیشہ کے طور پر نذر و نیاز حاصل کریں، وعظ خوانی کرکے قوم سے لاکھوں روپیہ لیکر اونچے اونچے بنگلے اور بالا خانے بنوائیں اور دین و مذہب کو کاروبار اور سیاسی اقتدار حاصِل کرنے کا ذریعہ بنائیں اتنا ہی نہیں بلکہ مظلوموں کے قتلِ ناحق کرانے کے محرّک بنیں اور پھر علماءِ آخرت کی فہرست میں داخل ہونے کی فکر دامن گیر ہو تو اس کا صحیح فیصلہ انصاف پسند اور حق شناس قارئینِ کرام ہی کرسکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ علماءِ آخرت اور جانشینِ نبوت بننا بہت کم حضرات کو نصیب ہے جن میں سے ایک صاحب ہمارے حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ لہٰذا آپ کے سچے اور مخلص مُریدوں کو چاہیئے کہ وہ آپ کے حالاتِ طیبات اور آپکی تعلیماتِ شریفہ پر پورے طور پر عمل پیرا ہوجائیں تاکہ نسبت مضبوط سے مضبوط تر ہوجائے اور دین و دُنیا کی سعادت میسّر آجائے۔

چوں بمعنی صحابی و آلِ رسول اللہ شد ، خصم او رافضی و شد خارج صفت کفر شد است

حِيْنَ مِنْ صَحْبٍ وَّ آلٍ صَارَ حُكْمًا لِلنَّبِيْ
خَصْمُهٗ كَالرَّافِضِيْ وَالْخَارِجِيْ قَدْ كَفَرَا

ترجمہ : جب کہ آپ (حضرت محبوبُ العالمؒ) معنوی اور حکمی طور پر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور آپ کے اہل بیت میں سے ہوئے ہیں، تو آپ کے دینی دشمن حکماً و معنیً رافضی اور خارجی قرار پائے ہیں۔

التحقیق :

الصاحب ، ساتھی ، ایک ساتھ زندگی بسر کرنے والا۔ مالک ۔ وزیر ۔ گورنر ۔ کہا جاتا ہے صَاحِبُ حُمَاةٍ یعنے حُماۃ کا حاکم ۔ اور یَا صَاحِ یا صاحب کی ترخیم ہے اسکی جمع صَحْبٌ و اَصْحَابٌ ۔ صُحْبَةٌ ۔ صِحَابٌ ۔ صحبان ۔ صِحَابَةٌ ۔ صَحَابَةٌ اور اَصحَاب کی جمع اَصَاحِیب آتی ہے۔

شریعت میں الصّحابۃ وہ حضرات ہیں جو حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے ہوں اور ایمان لائے ہوں اور ایمان ہی پر انتقال ہوا ہو۔ اور حکمی صحابی وہ ہے جو خواب میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے سرفراز ہوا ہو۔ یہ معمولی سعادت نہیں ہے ۔ کیونکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے یقیناً مجھی کو دیکھا کیونکہ ابلیسِ لعین میری صورتِ مقدسہ کے نقل اُتارنے پر دستگاہ نہیں رکھتا۔

آل اصل میں سراب ۔ یا وہ سرابی کیفیت جو چلچلاتی دھوپ میں زوال سے پہلے محسوس ہوتی ہے ۔ آلُ الرجُل اہل و عیال اِس کا استعمال صرف اشرافِ ہی میں ہوتا ہے ۔ خواہ شرافت دینی ہو یا دنیوی جیسے آلُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ آل فرعون اور آل الحجام و آلُ الاسکاف نہیں کہا جاتا ۔ آلُ الجبل پہاڑ کے

اطراف کو کہا جاتا ہے۔ اب مسلمانوں کے عرف میں آلِ نبی حضرت فاطمۃ الزہراء کی اولاد کو کہتے ہیں۔ پھر ان کی متعدد قسمیں ہیں۔ ہرچند کہ اسلام نے نسب کی برتری مٹا دی ہے مگر بالکلیہ اس کو رد بھی نہیں کیا جبکہ نسب کے ساتھ حسب یعنی اعمالِ صالحہ اور پاکیزہ کردار ہو۔ کچھ لوگ بزرگانِ دین کی طرف اپنی نسبت ظاہر کرتے ہیں مگر اہلِ علم جانتے ہیں کہ ان کی نسبتیں فرضِ فارض اور اعتبار معتبر سے زیادہ درجہ نہیں رکھتیں۔ اس سے بہتر یہی ہے حدیث کُلُّ تَقِیٍّ آلی کو اپنا نصب العین بناکر حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ سے سبق حاصل کیا جائے کہ حضرت خاکی رحمہ اللہ آپ کو اسی وَرع و تقوٰی کی وجہ سے حکماً آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیتے ہیں۔ اس سے اُن لوگوں کو عبرت و نصیحت حاصل کرلینی چاہیئے کہ جو اپنی نسبت آپ کے ساتھ حقیقی قرار دیکر آپکی مقدس تعلیمات سے بہت دور جا گرے ہیں۔ ایسے حضرات کے متعلق کہا گیا ہے ؎

اِنْ تَفْتَخِرْ بِآبَاءٍ مَضَوْا سَلَفُوْا
قُلْنَا صَدَقْتَ وَلٰکِنْ بِئْسَ مَا خَلَفُوْا

لہٰذا خلوت و جلوت میں عملِ صالحہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے کہ یہ وہ احسانِ الٰہی ہے جس سے دُنیا و آخرت دونوں میں فائدہ جلیلہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

الرّافضی: یہ رَفَضَ (ن) رَفْضًا و رَفَضًا سے ہے۔ رَفَضَ الشَّیْئَ: پھینکنا، چھوڑنا۔ صفت رافض جمع رَافِضُوْن و رَفَضَۃ و رُفّاض آتی ہے۔ اَرْفَضَ الْاِبِلَ: چراگاہ میں منفرق کردینا۔ رَفَضَ و اَرْفَضَ الوادی کشادہ ہونا۔ تَرَفَّضَ: بکھرنا، منفرق ہونا۔ ٹوٹنا، الدَّمْعُ آنسو بہانا۔ الرّافِضَۃ: جنگ وغیرہ میں اپنے قائد و رہنما کو چھوڑ دینے والی جماعت۔ جمع رَوَافِض سبت کے لئے رافضی بولتے ہیں۔ یہ سب مفتاح سے لیا گیا ہے۔

الخارجی: بیرونی، وہ شخص جو بذاتِ خود سرداری حاصل کرلے بغیر اس کے کہ پہلے سے اس کے خاندان میں سرداری ہو یا ایسا شخص جو دلیر ہو اور باپ اسکا

بُزدل ہو اور اسی طرح اس گھوڑے کو بھی کہا جاتا ہے جو سابق ہو جائے اور اس کے ماں باپ ایسے نہ ہوں۔ اسی طرح خارجی سے مطلب بادشاہ کا باغی، جماعت کا مُخالف، مذہب خوارج کا معتقد ہے۔ وہ جماعت جو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے خلاف مسئلۂ حکم تسلیم کرنے پر باغی ہوگئی جن کے ساتھ علی مُرتضیٰ نے جنگ کی۔

شعر کا مغز اور جوہر یہ ہے کہ حضرت محبوبُ العالمؒ کثرتِ ریاضت و عبادت اور صفائے ذہنی اور پرہیزگاری کی وجہ سے حکماً آلِ نبی اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دیدار سے سرفراز ہونے کی وجہ سے معنوی صحابی ہوئے۔ اس لئے آپ کے مخالفین بھی حکماً ومعنًی روافض و خوارج کے حکم میں داخل ہو جاتے ہیں اور کفر سے کُفر علی الاطلاق مراد نہیں بلکہ مراد کفر کے قریب ہونے کے ہے۔ یعنی جس طرح ایمان کے بہت سے مراتب ہیں چونکہ کفر اس کی ضد ہے اس لئے اس کے بھی مختلف مدارج ہیں اسی لئے حضرت امام بُخاریؒ نے الجامع الصحیح میں بابُ کُفرٍ دونَ کُفرٍ میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ والتفصیلُ هُنالِکَ۔ یعنے جو شخص اولیاء اللہ اور دوستانِ خدا کا مخالف ہو اُن کی تعلیمات و اِرشادات کو اِسلام کے خلاف قرار دے یا ان کے آثارِ حسنہ مِٹانے کے لئے درپے ہو جائے اور سابقین اوّلین اور ائمہ دین پر جرح و قدح کرکے اپنے آپ کو اُن کا ہم پلہ قرار دے جیساکہ ہمارے زمانہ کے ایک فرقہ کا طریق کار رہا ہے۔ اولیاءاللہ کیا بلکہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھی نہایت تحقیر کے ساتھ قوم کے سامنے پیش کیا نہ صرف اِس پر بس کیا بلکہ اپنے ملک کے واجب الاحترام مجاہدوں اور صفِ اوّل کے اَربابِ سیاست کو قتل کرایا اسلام کے نام پر اِسلامی روح اور اسلامی عظمت مِٹا ڈالی، ایسا زہریلا لٹریچر پیش کیا جس کا نقصان فائدہ پر بہت غالب ہے۔ ایسے لوگ بھی حضرت بابا داؤد خاکی رحمۃ

اللہ کے مذکورہ شعر کے مصداق ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے بہت پرہیز کرنا چاہیئے اور عوام کو ان کے لٹریچر کے مطالعہ سے دور رہنا چاہیئے۔ علماءِ آخرت میں نرمی، تواضع، ذکر و خشیت الٰہی، خاموشی جیسی اہم صفتیں ہونی چاہئیں۔ علماءِ آخرت اسوقت تک نہیں ہو سکتے جب تک پابندِ شریعت نہ ہوں۔ ہائے افسوس ایسے پاکباز اور با خدا عُلماء اب کہاں سے میسّر ہونگے۔ علماءِ آخرت اور واقفانِ اَسرارِ شریعت اِن اشعار کے مِصداق ہونے چاہئیں ؂

آں کس تراشناخت جاں راچہ کُند ٭ فرزند و عزیز و خاناں راچہ کُند
دیوانہ کُنی ہر دو جہانش بخشی ٭ دیوانہ ہر دو جہاں راچہ کُند

دوسرا کہتا ہے:-

امتیاز شرف آدمیاں راحسب است ٭ بہر تحقیق نسب آدم و حوّا کافی است

بہر حال سب کچھ آسان مگر عالمِ آخرت اور عالمِ دین بننا بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس عنایت و سعادت سے بھی حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کو نوازا ہے۔ اِنّما یخشی اللہ مِنْ عِبادِہِ العُلَمَاءُ۔

رہنمونش شیخ نجمُ الدّین کُبریٰ نیز بود ٭ زاں دُرِ اَسرارِ حقیقت عالمِ اکبر شداست

کَانَ نَجْمُ الدِّیْنِ کُبْریٰ مُرْشِدًا اَیْضًا لَہٗ
وَبِہٖ فِیْ بَحْرِ اَسْرَارِ الْحَقِیْقَۃِ اَسْبَرَا

ترجمہ: حضرت شیخ نجم الدین کُبریٰ رحمہ اللہ نے بھی عالمِ مکاشفہ میں آپ کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اس لئے آنجناب (محبوبُ العالمؒ) معرفت و حقیقت کی اَسرار کی تہہ اور گہرائی تک بہت زیادہ غوّاص اور واصل ہوئے ہیں۔

التحقیق :

اَسْبَر۔ اسم تفضیل۔ المنجد میں سَبَرَ (ن) سَبْرًا و اَسْبَرَ و استبر الجُرحُ او البئیر او الماءَ زخم یا کنویں یا پانی کی گہرائی کا پتہ لگانا، جانچ کرنا۔ الامرَ، تجربہ کرنا لکھا گیا ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ حضرت خاکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ نجمُ الدین کبریٰ رحمہ اللہ نے بھی عالمِ مکاشفہ اور خواب میں حضرت محبوب العالمؒ کی رہبری و رہنمائی فرمائی ہے اور طریقت کے رموز و اسرار و معارف سے آپکو روشناس اور آگاہ کیا۔ اس لئے آنجناب (حضرت محبوب العالمؒ) آپ کی اس روحانی رہنمائی و رہبری سے بہت بڑے عالم اور علمِ طریقت کے غوّاص بن گئے اور معرفت کے سمندر کی گہرائی کی تہ تک پہنچ گئے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللہِ یُؤتِیہِ مَن یَّشَاءُ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی ہے، جسے چاہتے ہیں اس کو عطا فرماتے ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت شیخ نجمُ الدین کُبریٰ رحمہ اللہ سلسلۂ عالیہ کبرویہ کے بانی یا اس برگزیدہ سلسلہ کے بڑے بزرگوار ہیں۔ حضرت سیدنا میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ اسی برگزیدہ سلسلہ سے وابستہ اور خاص تعلق رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ اور حضرت محبوب العالم رحمہما اللہ کے درمیان تین سو سال سے زیادہ زمانہ کا فاصلہ ہے تو پھر حضرت خاکی رحمہ اللہ کے اس شعر کا کیا مقصد ہے کہ آپ کو حضرت نجمُ الدین کبریٰؒ نے تربیت فرمائی ہے؟ اس سوال کا جواب نہایت آسان ہے کہ جس کی طرف ہم نے ترجمہ میں اشارہ کیا ہے کہ آپ کی تربیت و رہنمائی روحانی اور عالمِ مکاشفہ میں تھی جیساکہ خود حضرت محبوبُ العالمؒ فرماتے ہیں کہ جب میں عنفوانِ شباب اور بے ریش تھا حالتِ مکاشفہ میں بزرگوں کی ایک جماعت دیکھی جن میں سے ایک صاحب سفید ریش اور پُرشکوہ و پُرجلال

تھے۔ وہ میرے پاس آئے اور بات چیت، علیک سلیک ہوئی۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ یہ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ ہیں ان کی ملاقات آپ کے لئے باعثِ شرف و عزت ہے۔ لہٰذا آپکی نصیحتیں پورے غور وفکر سے سُنئے۔ چنانچہ آپؒ نے حضرت نجم الدین کبریٰ کی نصائح پر عمل پیرا ہوکر بہت بڑا روحانی حظ اور فائدہ اُٹھایا۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خواب اور کشف سے کسی بزرگ سے فائدہ حاصل کرنا ممکن اور شرعاً ثابت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ صرف نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء منامات یعنی خواب ہیں۔ یہ قیامت تک باقی رہے گا۔ بزرگانِ دین کا روحانی طریقہ پر ایک دوسرے کی رہنمائی و رہبری کرنا از قبیلۂ متواترات ہے۔ اصل یہ ہے کہ روح مرتی نہیں، نہ فنا ہوتی ہے یہ جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی ان کمالات سے آراستہ اور موصوف رہتی ہے جو کمالات اس کو اسوقت حاصل ہوتے ہیں جب کہ اسکا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی بناء پر امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: کُلُّ مَنْ یُسْتَمَدُّ فِی حَیَاتِہٖ یُسْتَمَدُّ بَعْدَ مَمَاتِہٖ کہ جس کے فیوض و برکات کا اس کی ظاہری حیات میں اِستمداد کیا جاسکتا ہے اس کی وفات کے بعد بھی اس سے استمداد کی جاسکتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ روح جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد باقی رہتی ہے۔ صاحبِ کمال ہونے کی صورت میں اپنے دوستوں کی مدد بھی کرسکتی ہے جیساکہ تفسیر مظہری میں اسکی تصریح ہے۔ غرض ارواحِ طیبہ سے اِستفادہ اور اِستفاضہ کرنا ایسا مُسلّم امر ہے کہ جس کے مُنکر خوارج اور معتزلین ہی ہوسکتے ہیں۔ غالباً مسئلۂ شیئًا للہ اسی اصل پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے مختصر حالات:

آپ کی کنیت ابو الجناب ہے۔ نجم الدین اسم مبارک، والدِ ماجد کا اسمِ مبارک احمد بن عمر الخیوقی ہے، لقب کبریٰ ہے۔ کیونکہ زمانۂ جوانی میں جس کسی سے آپ عالمانہ بحث فرماتے تھے اس پر غالب آکر اس کو لاجواب بنا دیتے تھے۔ اسی بنا پر آپ کو الطامۃ الکبریٰ[1] کے لقب سے ملقب کرتے تھے۔ پھر کثرتِ استعمال سے الطامۃ حذف کیا گیا۔ آپ کا لقب ولی تراش بھی ہے کیونکہ وجد کے غلبہ کے وقت جس پر آپ کی نظرِ مبارک پڑتی اور جس پر توجہ ڈالتے تھے وہ ولایت کے درجہ سے سرفراز ہوتا تھا چنانچہ واقعۂ تاجر اس سلسلہ میں مشہور ہے۔ آپ ولی اور صوفیٔ صافی ہی نہیں تھے بلکہ بہت بڑے مجاہد اور جامِ شہادت نوش کرنے کے لئے آرزومند رہتے تھے چنانچہ آپ تاتاریوں کے حملہ ۶۱۸ھ میں درجۂ شہادت پر فائز اور کامیاب ہوئے ہیں۔ شہادت کے وقت بھی ایک خونخوار کافر کے سر کے بالوں کا گچھا آپ کے دستِ مبارک میں بند ہوگیا۔ ہرچند کہ لوگوں نے اس کے بال چھڑانے چاہے مگر وہ چھوٹ نہ سکے، بعد میں وہ قینچی سے کاٹے گئے اور جامِ شہادت نوش فرماتے وقت یہ رباعی ارشاد فرمائی: ع

ما از اں محتشمانیم کہ ساغر گیرند ❊ نے ازاں مفلسگاں کُش بُزِ لاغر گیرند
بیکے دست مئے جامِ شہادت نوشند ❊ بدگر دست سرِ پرچم کافر گیرند

ترجمہ: ہم اُن جاہ وحشمت والے لوگوں میں سے ہیں جو ایک ہاتھ میں مئی معرفت کا جام پکڑتے ہیں۔ اُن ناداروں اور مفلسوں میں سے نہیں ہیں جو

---

[1] الطامۃ الکبریٰ: بڑی مصیبت، قیامت۔ اصل میں یہ طمَّ (ض ن) الماءَ البئرَ برتن بھرنا سے مشتق ہے۔ یعنی حضرت نجم الدین کبریٰ اپنے مدِ مقابل کے لئے بحث میں مصیبت و قیامت ثابت ہوتے تھے اس لئے آپ اس لقب سے ملقب ہیں۔ مطالبِ رشیدی نے الطامات کی یہ تعریف کی ہے "معارفی را گویند کہ در آوانِ سلوک بر زبانِ سالک گذر کند" یعنی طامات ان معارف کو کہتے ہیں جو ابتدائی سلوک میں سالک کی زبان پر خود بخود آجائیں۔

کمزور بکریاں پالتے ہیں بلکہ ہم ایک ہاتھ سے جامِ شہادت نوش کرتے ہیں اور دوسرے ہاتھ سے کافر کے سر کے بالوں کا گچھا مضبوطی سے پکڑتے ہیں۔

یہ ہیں ہمارے کبروی حضرات کے سرخیلِ کاروان، صوفی صافی بھی اور مجاہدِ اعظم بھی دوسرے ہیں ہم کہ اپنے بزدلانہ اعمال وحرکات سے بزرگانِ دین کو بدنام کرتے ہیں اور بندگانِ خدا کو ان سے بدظن وبدگمان بنا دیتے ہیں۔

محکمش بہرِ عمارت کردنِ قصرِ سلوک ٭ ایں قواعدِ دہ کہ در دین وضعِ آں اَعمر شدست

لِاِحْتِكَامِ قَصْرِ اَرْبَابِ السُّلُوْكِ صَوَّرَا
اَلْاُصُوْلَ الْعَشَرَةَ مِنْهَا لِدِيْنٍ اَعْمَرَا

ترجمہ: حضرت شیخ نجمُ الدین کُبریٰ رحمہ اللہ نے علمِ سلوک کی عمارت مضبوط کرنے کے لئے جن دس اصول کو مُرتّب فرمایا حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ نے ان دس قواعد پر پابندی سے عمل کیا اس لئے آپ دینِ حق کے بہت زیادہ آباد کرنے والے واقع ہوئے ہیں۔

التحقیق:

الاحتکام: اِحتکم ثالث منظور کرنا۔ اِحتکم النّاسُ الی الحاکم لوگوں نے اپنا مقدمہ حاکم کے پاس لے لیا۔ علیٰ فلانٍ، ارادہ کے موافق طلب کرنا۔ فی الشّیئ: اپنی خواہش کے مُطابق کسی چیز میں تصرُّف کرنا۔ الامرُ: مضبوط ہونا صَوَّرَہٗ: تصویر کھینچنا، شکل بنانا (المنجد) اَعْمَرَ: اسم تفضیل مِن اَعْمَر المنزِلَ اس نے مکان کو آباد کیا۔ الدین کا لام زاید ہے کیونکہ اَعْمَرَ بنفسہٖ متعدی ہے۔ الدینَ سے آخرت اور قیامت مقصود ہے کہ علماءِ حق کے سارے کام ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی صِرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہوتے ہیں۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ دینِ اسلام اور تصوّف کی عمارت مضبوط کرنے کے لئے

حضرت شیخ نجم الدین کُبریٰ رحمہ اللہ نے آنے والے دو شعروں میں جو دس اصول و قواعد مرتب فرمائے اور عمل کے لئے اُن کی تصویر کشی کی، حضرت محبوب العالم رح نے اُن دس اصول پر پوری پابندی سے عمل کیا اس لئے آپ دین پرور اور قصرِ اسلامی آباد کرنے والے قرار پائے۔

اس ترجمہ اور اس خلاصہ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے شعر میں کسی قسم کی تعقید اور اشکال نہیں ورنہ اگر دوسری صورت اختیار کی جائے کہ دین پرور کا فاعل حضرت شیخ نجمُ الدین کُبریٰ رح قرار دئے جائیں اور وضع واضع کے معنی میں لیا جائے تو انتشارِ ضمائر وغیرہ لازم آجائے گا جو فصاحت کے قواعد کے برخلاف ہے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کے مرتب کردہ دس اصول کی تفصیل آیندہ دو شعروں میں مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

توبہ و زُہد و توکّل ثُم قناعت خُلقِ خوش ¤ کردہ و در عزلت از توفیقِ حق اَذکر شد است

تَوْبَةً زُهْدًا تَوَكُّلًا قُنُوعًا ثُمَّ خُلُقًا عَظِيمًا وَانْزِوَاءً اوفقَ حَقٍّ اَذْكَرَا

ترجمہ: وہ دس اصول یہ ہیں: (۱) توبہ کرنا (۲) دُنیا سے بے رغبت ہونا (۳) خدا تعالیٰ پر مکمل اور پورا بھروسہ کرنا (۴) قناعت کرنا (۵) خوش خلقی اختیار کرنا (۶) خلوت نشینی کو پسند کرنا خدا تعالیٰ کی بہترین توفیق سے ان چھ اصول پر عمل کرنے کے سبب آپ بہت زیادہ اللہ والے ہوگئے ہیں۔

اصولِ مذکورہ کی کچھ تفصیلی وضاحت:

(۱) توبہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا جس کا مطلب یہ ہے کہ مومن ایسی باتوں اور ایسے کاموں سے دور رہے جو بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان آڑے اور حائل آجاتے ہیں اور گذشتہ گناہوں پر نادِم و پشیمان ہی نہ ہو بلکہ ماہیٔ بے آب

کی طرح تڑپ رہا ہو اور اسی طرح اگر کسی شخص کا حق غصب کیا ہو تو وہ بھی اُس کو واپس کرے۔

(۲) زُھد سے یہ مُراد ہے کہ دُنیا کی ہوس و اقتدار اور غلط نفسانی خواہشات کو اپنے اختیار و ارادہ سے چھوڑ دینا اور دُنیوی امور کو اسطرح رخصت کرنا جسطرح موت وفات سے مرنے والا یہ چیزیں چھوڑ دیتا ہے۔ اسی کی طرف حدیث شریف میں اَمُوْتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا مرنے سے پہلے مرو یعنے مرنے سے پہلے اپنے ارادہ و اختیار سے فانی چیزوں سے دست بردار ہو جاؤ) اشارہ ہے۔ اور وہ شخص ہرگز زاہد نہیں جسکا دل نفسانی خواہشات اور فانی چیزوں کی محبت سے آلودہ اور گندہ ہو۔

(۳) تَوَکُّل: ظاہری اَسباب اور دُنیوی وسائل کو روبہ عمل لانے کے باوجود خدا تعالیٰ ہی کو ان کا ظاہری خالق اور مالک جانے کہ اَسبابِ مقصود تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہیں اور اصلی عِلّت العِلَل اور مُسبّبُ الاسباب صرف حضرت اللہ ہے

(۴) قناعت: نفسانی خواہشات اور حیوانی لذتوں سے اسی طرح جُدا اور الگ ہونا جس طرح مُردہ ان چیزوں سے مجبورًا ومقہورًا جُدا ہو جاتا ہے۔ یا ضروریاتِ زندگی میں سے کم سے کم چیزوں پر کفایت شعاری اور میانہ روی اختیار کرنا۔ قناعت وہ صفت ہے جس کے بارے میں کیا خوب کہا گیا ہے ؎

گر ترا نانی و خرقانی بود ٭ ہر سرِ موئی تو سلطانی بود

کہ اگر تو درمیانی قسم کی روٹی اور متوسط درجہ کے لباس پر قناعت کرے تو تیرا ہر بال بادشاہ ہوگا۔

(۵) خوش خلقی سے مَطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ نرم گفتار سچا خدمتگار ہمدرد و بہی خواہ بن جائے۔

(۶) عُزلت: اس کا معنے اہلِ دنیا سے ترکِ علائق کرنے کا ہے اور دنیا میں غوطہ زنی نہ کرنا بلکہ کاروبار کرنے کے باوجود یادِ خدا میں پیوست رہنا۔ اور

ماسوی اللہ کو فراموش کرنا۔ اسی طرح ماسوی اللہ سے قلبی طور پر دور رہنا جس طرح موت سے آدمی ماسوی اللہ کو رخصت کرتا اور چھوڑ دیتا ہے۔ یہی صفاتِ عالیہ آدمی کو ذکر و فکر اور یادِ آخرت کے باعث اور سبب ہوتے ہیں۔

در توجہ رُو نہادہ صبر را صابر شدست ٭ در مراقب ثابت و اندر رضا شاکر شد است

وَانْقِطَاعًا لِاِلٰی الْحَقِّ وَصَبْرًا فِی الْمِحَنْ
وَثَبَاتًا فِی الْمُرَاقَبْ وَرِضَاهُ شَاکِرًا

ترجمہ :- (۷) اور خدا تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا (۸) مصیبتوں اور محنتوں پر صبر کرنا (۹) مُراقبہ میں ثابت قدم رہنا (۱۰) حکم اور قضاءِ الٰہی پر شکر و سپاس کے ساتھ خوش اور راضی رہنا۔

یعنی ساتواں اصل یہ ہے کہ بارگاہِ الٰہی کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنا اور غیر اللہ سے بالکل اسی طرح منقطع اور الگ ہونا جس طرح مرنے والا مرتے وقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف توجہ اور رُخ کرتا ہے۔

(۸) آٹھواں اصل صبر ہے۔ صبر سے مُراد نفسانی لذتوں کو ترک کرنا اور نفس کو ایسے اوقات میں عبادت و ریاضت پر ثابت قدم رہنے پر آمادہ اور مُستعِد بنانا۔

(۹) مُراقبہ ہے محبوبِ حقیقی کی طرف نظر رکھنا اور دل و نفس کو پاکیزہ بنانے کے بعد باری تعالیٰ کی بخششوں اور اس کی عنایتوں کے دروازے کُھل جانے کے انتظار میں سکون حاصل کرنا۔

(۱۰) رضا : دسواں اصل یہ ہے کہ اپنی چاہت اور اپنی پسند کو چھوڑ کر ربُّ العالمین کی رضامندی کو ترجیح دینا اور محبوبِ حقیقی ربُّ العالمین کی مرضی پر خوش اور شاد رہنا۔

یہ ہیں وہ دس اصول جنکی ترتیب حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ نے دی ہے۔ ان دس اصول کو اپنا کر حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ نے وہ مقام حاصل کیا جو بہت کم اہلِ زمانہ کو حاصل ہوا اور حضرت نجم الدین کبریٰ کے اصولِ مذکورہ قرآن وسنت سے ماخوذ اور مستنبط ہیں۔ اور واضح رہے کہ متن کے شعر میں مشکر اسمِ مکان اور اسمِ فاعل دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے اور ہم نے مشکر بمعنی اسمِ فاعل لیا ہے یعنی شاکر بروزنِ فاعل لیا ہے۔ یعنی حضرت محبوب العالمؒ نے اصولِ مذکورہ پر عمل کر کے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمانے والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم ہی سے ان مقدس اصول پر عمل پیرا ہوئے۔

ہمچنیں در واقعہ ہر لحظہ از فضلِ خدا ، صحبتش با اولیاءِ اعظم او قر شد است

هٰكَذَا مِنْ فَضْلِ الله كَانَ حِيْنَ فِي الْمَنَام
بِصَحَابَةِ عُظَمَاءِ الْاَوْلِيَاءِ وُقِّرَا

ترجمہ: اسی طرح آپ (حضرت محبوب العالمؒ) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی مہربانی سے واقعات اور خوابوں میں ہر لحظہ اور ہر وقت بڑے بڑے اولیاءِ کرام کی صحبت ورفاقت سے بھی کامیاب اور محترم وبزرگ بنائے گئے ہیں۔

التحقیق :-

وُقِّرَا : وَقَّرَ الشَّيْخَ سے مشتق ہے جس کے معنے تعظیم وتوقیر کرنے کے آتے ہیں اور الف اس میں اشباعی ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ نے اپنے مُرید پُر تخصیص حضرت بابا داؤد خاکی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا مجھ پر اس بات کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے فیضِ نامتناہی سے مجھے بہت سے اولیاً

سابقین اور مستقبل میں آنے والے اولیاءِ کاملین کی زیارت سے خوابوں اور مکاشفات میں بہرہ ور فرمایا اور ان اولیاء کرام نے مجھے سلوک کی منزلوں اور اذکار و اوراد سے نوازا اور میں بھی ان برگزیدہ حضرات کی تعلیمات و ارشادات پر عمل کرتا تھا۔ یہ وہ عنایت و سعادت ہے جو بہت کم حضرات کو نصیب ہوئی ہے۔

گاہے کہ فتد بجانب خود نظرم ✤ تا ظن نبری کہ من ز خود بہرہ ورم

یعنے جب میں اپنی طرف نظر ڈالتا ہوں تو پھر میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ (یہ کمالِ نیستی اور تواضع ہے) ہاں جب اُسکی عنایت اور بے انتہا فضل پر نظر ڈالتا ہوں تو نازاں رہتا ہوں کہ اُس ربِ جلیل کا کتنا بڑا احسان میرے حال پر ہے۔

واضح رہے کہ واقعہ کا اطلاق صوفیاءِ کرام کی اصطلاح میں خوابوں اور مکاشفات دونوں پر ہوتا ہے اور ہم نے واقعہ کا ترجمہ منام یعنے خواب سے کیا ہے کہ یہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ احادیثِ صحیحہ کی رُو سے خواب نبوّت کا چھیالیسواں حصہ ہے جیساکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور ماشاء اللہ اولیاء اللہ کے خواب معمولی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔

کسب کردہ از ہر یکے کیفیتِ ذکر و دُعا ✤ در رموزِ رہبری زیں رُو دانشور شد است

نَالَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ مَغْزَ ذِكْرٍ وَالدُّعَا

فَبِهٖ فِيْ سِرِّ اِرْشَادٍ لَاَضْحٰى اَمْهَرَا

ترجمہ: آں جناب نے سرکردہ اولیاءِ کرام سے ذکرِ الٰہی اور یادِ خدا کرنیکی کیفیت اور طریقہ حاصل کیا جسکی وجہ سے آپ سلسلۂ ارشاد و رہبری میں بے نظیر رہبر اور ماہرِ اعظم واقع ہوئے ہیں۔

التحقیق:-

ہم نے دانشور کا ترجمہ اَمْهَرَ سے کیا ہے۔ اَمْهَرَ صیغۂ اسم تفضیل ہے

یہ مَہَرَ (ض۔ن) مَہرًا مُہُوْرًا مَہَاسًا و مَہَارَۃً سے نکلا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں مَہَرَ الشَّیْئَ وفیہِ وبہٖ ماہر ہونا، تجربہ کار ہونا، واقف کار ہونا۔ صیغۂ صفت ماہِر ہے۔ اس کا دوسرا معنے مہَرَالمرأۃَ عورت کو مہر دینا یا مہر مقرر کرنا اور اَمْہَرَھَا مہر کے عوض کسی سے نکاح کر دینا۔ اس سے معلوم ہوا کہ از روئے لغت تھانِ نکاح مہر میں داخل ہے اور کہ تھان ہی حقیقت میں قائم مقامِ مہرِ معجّل قرار دینا اصل و شرع کے قریب تر ہے مگر افسوس ہے کہ ہمارے مروّجہ نکاح، نکاح ناموں کی طرح بے وزن اور بے اعتبار ہیں اور تھان عروس کا علاحدہ طور پر شرعًا کوئی مستقل وجود یا ہیئتِ معروفہ نہیں ہے لہٰذا ہمارے نکاح نامے قابلِ غور و اصلاح ہیں۔ اس مسئلہ کا یہاں دور کا بھی تعلق نہیں لیکن بقول ابوالعباس مُبرد الشیئُ یُذکَرُ بالشّیئِ کے طور پر دماغ اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہوا۔

شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محبوب العالمؒ نے خوابوں اور واقعات میں بڑے بڑے اولیاء اللہ سے آدابِ ذکر، طریقۂ دُعاء اور مشائخ کرام سے سلوک و معارف کے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں جن کی بنا پر آپ تصوف اور وِلایت کے مقامات کے بہت بڑے تجربہ کار اور نیک آگاہ ہوئے ہیں۔

وِردِ اعظم راکہ دعواتی است بایٰسین ہم ❊ گشتہ مُلہم کاسمِ اعظم جملہ تا سر شد است

وَبِوِرْدٍ اَعْظَمٍ عِطْرِالدُّعَاءِ قَدْ اُلْهِمَا
مع یٰسین کاسمِ اَعْظَمَ کَانَ یَتْلُوْ ذَاکِرًا

ترجمہ :۔ آں جناب کو دعای وِردِ اعظم اور سورۂ یٰسٓ بطور وِرد اور وظیفہ پڑھنے کا بھی اِلہام ہوا ہے۔ آپ ان ہر دو مقدس وظیفوں کو اسمِ اعظم کی طرح از بر پڑھتے تھے۔

التّحقیق :

ذَاکِرًا ، ذَکَرَ (ن) ذِکْرًا وتذکارًا اللّٰہَ اللہ تعالیٰ کی یاد اور بزرگی بیان کرنا۔ وَالذُّکُوْرُ وَالذِّکْرُ بہت یاد کرنے والا۔ اچھے حافظہ والا، عُمدہ یادداشت والا

قولہٗ مُلھَم۔ اَلْھَمَہُ الشَّیْئَ۔ نگل جانا۔ اَلْھَمَہُ اللّٰہ فلانًا خیرًا وحی کرنا، توفیق دینا، سِکھلانا۔ تَلَھَّمَ و اِلْتَھَمَ ، ایک ہی بار نگل جانا۔ اَلاِلْھام : دِل میں ڈالی ہوئی بات۔ وَبِوِرْدٍ میں با زائد ہے۔ والنظائرُ کَثِیرۃٌ۔

خُلاصۂ شعر یہ ہے کہ حضرت محبوبُ العالم قُدِّسَ سِرّہٗ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وِردِ اعظم کا بھی اِلہام ہوا ہے جیساکہ من جانب اللہ آنجناب کو اِسم اعظم کا اِلہام ہُوا ہے۔ واضح رہے کہ آپؒ کے وظیفوں میں سے ایک تیر بہدف وظیفہ دُعاءِ وِردِ اعظم ہے۔ یہ چند مخصوص دُعاؤں کا نام ہے جن میں سے ایک وظیفہ سورۂ یٰسین مخصوص طریقہ سے پڑھی جاتی اور اس کے ساتھ ساتھ اَسماءِ حُسنیٰ بھی ہیں۔ ان کی خاصیتوں میں سے ایک یہ ہے ان کے پڑھنے کے بعد جب اُن کی توسُّل سے کسی مقصد کے حصول کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دُعار کی جاتی ہے تو وہ دُعار قبول ہوتی ہے۔ یہ مخصوص دُعاؤں کا مجموعہ پڑھتے وقت ایک دِن آپؒ کے قلب مبارک میں یہ خیال آیا کہ یہ مخصوص وظیفہ اسمِ اعظم پر شامِل ہوگا تو غیبی آواز آئی کہ شامِل ہی نہیں بلکہ برکت و تاثیر کے لحاظ سے یہ سارا وظیفہ اوّل سے لیکر آخر تک اسمِ اعظم ہے۔

مترجم کمترین زمان نے اسی لئے اِس وظیفہ کو عِطرُ الدعار سے تعبیر کیا ہے تاکہ خواہشمند اور باخدا حضرات ایسے مقدس وظیفوں کی تلاش و تجسس مشائخ کِرام سے کریں اور ایسی دُعاؤں کو پڑھ کر اپنے دِل و دماغ اور ظاہر و باطن کو معطّر و منوّر بنائیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو ہم اس وظیفہ کو اپنی تالیف

کتاب لوظائف میں پوری کیفیت و استیعاب کے ساتھ نقل کریں گے۔
والتوفیق مِن عندِ اللہ العلی الاعلیٰ

قارئی ایں ورد بود و دید بابا حیدرش ٭ کز دہانش ہر نفس پرّاں یکے کبتر شداست

کان ھٰذا الوِرْدَ یتلوُ بَابَا حَیْدَر قَدْ رَاٰہُ
کُلَّ نَفَسٍ مِنْ لِسَانِہٖ حِمَامًا صُیِّرَا

ترجمہ: جس وقت آپ پورے حضور و خشوع سے یہ مبارک وظیفہ پڑھتے تھے تو بابا حیدرؒ تولہ مولی رحمہ اللہ نے آپکی طرف دیکھا کہ آپ کی ہر سانس ایک خوبصورت اُڑنے والے کبوتر کی صورت کے ساتھ متبدل ہو جاتی تھی۔

التحقیق:

کبتر: کبوتر کی مخفف ہے۔ ضرورتِ شعریہ کی وجہ سے واو حذف ہوا ہے۔
اَلْحَمَام: کبوتر، اس کا اطلاق مذکر پر کرتے ہیں، حمامہ مذکر و مؤنث دونوں پر بولتے ہیں کیونکہ اس کی تا تانیث کے لئے نہیں بلکہ وحدت کے لئے ہے۔
لِسَان: زبان۔ اسکی جمع اَلْسِنَہ اور لُسُنْ بھی آتی ہے اسکی جگہ بطریقِ ذکرِ جُز ارادۂ کل آپ کا پورا دہانِ مبارک مُراد ہے۔
صُیِّرَ کا نائب فاعل نَفَس ہے اور حِمَامًا اس کا مفعول بہ ہے۔ مِن لِسَانِہٖ، کُلَّ نفس کی صفت ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہو گی کُلُّ نَفَسٍ صَادَرَ عَنْ لِسَانِہٖ وَمَا غُبِّرَ فَھُوَ اَظْھَرُ مِنْ اَنْ یُرْقَمَ وَیُظْھَرَ۔
نَفَسْ: جھونکا، سانس، وُسعت، مہلت پر اطلاق کرتے ہیں۔
خلاصۂ شعر یہ ہے کہ حضرت محبوب العالم قدس اللہ سرہٗ کے بااختصاص مُریدوں میں سے حضرت بابا حیدر تولہ مولی (تحصیل گاندربل) ہیں۔ آپ اپنے رہبرِ طریقت، حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آنجناب وظیفہ،

وِردِ اعظم پورے خشوع اور حضور سے پڑھتے جاتے تھے۔ بابا حیدر رحمۃ اللہ آپ کی طرف دیکھتے تھے کہ آنجناب کی ہر سانس سے ایک ایک خوبصورت کبوتر بن جاتا اور مبدل ہو جاتا۔ اُس کا تذکرہ حضرت خاکی رحمۃ اللہ نے اپنے پیرِ کامل محبوب العالم رحمۃ اللہ سے کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کلمہ خاصکر کلماتِ طیبات علیحدہ اور جداگانہ اپنا اثر اور اپنی خاصیتیں رکھتے ہیں اور آیتِ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ اس پر گواہ ہے۔ اسی وجہ سے صحیح احادیث سے بعض سورتوں اور بعض آیاتِ الٰہیہ کی تاثیر اور متشکل بشکلِ خاص ہونا ثابت اور مُبرہن ہے۔

ل ہماری انجمن تبلیغ الاسلام کے قدیم رکنِ رکین جناب مولینا سیف الدین صاحب آپؒ کے عُرسِ مبارک پر شب خوانی اور تولیت کے فرائض انجام دیتے تھے، وہ بھی واصل بحق ہوئے۔ غفر اللہ لہٗ۔

ہست وردش ہم دعائی حرزِ مونس اولیاء ❖ ہر نبی و ہر ولی از خواندنش مونز شد است

وِرْدُہٗ اَیْضًا دُعَاءُ حِرْزِ مُوْنِسٍ بِہٖ
صَارَ کُلٌّ مِنْ نَبِیٍّ وَّوَلِیٍّ مُوْزِرًا

ترجمہ:- اسی طرح آنجناب کا وظیفہ دُعائے حرزِ مُونسِ اولیار بھی ہے۔ یہ وہ دُعا ہے کہ جسکی برکت سے ہر نبی اور ہر ولی نے مزید قوت و طاقت حاصل کی۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ حضرت خاکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنجناب کے وظائف میں سے دُعائے حرز مونس اولیار بھی ہے کہ اُس کے فضائل و خواص مشہور و معروف ہیں حتیٰ کہ انبیاءِ کرام و اولیاءِ عظام نے اُس کے پڑھنے سے بڑے بڑے مطالب و مقاصد حاصل کئے۔ شعر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ نبوت و رسالت میں کسی قسم کی کمی ہے جسکی تلافی انبیاء و اولیاء نے اس مقدس وظیفہ کی برکت سے کی ہے بلکہ شعر کا مطلب یہ ہے کہ دعائے حرز مونس کا تعلق امور تعبدیہ کے ساتھ ہے اور پیغمبران و اولیاء اللہ اِس قسم کے وظائف اور اَدعیہ اُن کا مرتبہ ظاہر کرنے اور بندگانِ الٰہی کو تعلیم دینے کے لئے پڑھتے تھے۔ اور روحانیات سے کثرتِ تعلق ہونے کی بنا پر وہ خود بھی ان دعاؤں کو پڑھتے تھے۔ اِس دُعار کی اجازت حضرت محبوبُ العالمؒ کو باقاعدہ حاصل تھی۔ ضرورت کے وقت ہر فرض نماز اور چاشت کی نماز ادا کرکے پڑھتے تھے۔ حضرت خاکیؒ نے اس قسم کے وظائف کو شہرت کی وجہ سے ذکر نہیں فرمایا۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ وظائف اور یہ دُعائیں مخدومی حضرات کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ مگر افسوس ہمارے زمانہ میں عوام کیا بلکہ خواص بھی ان مقدس دُعاؤں اور روحانی تیروں اور تلواروں سے پورے طور پر نہتے ہو چکے ہیں۔ البتہ کلمات اِفتخار اور پدرم سلطان بود کی مفروضہ اور نسبِ منقطعۂ غیر متصلہ سے اپنا گذر اوقات کرتے ہیں اور حضرت پیرِ رومی رحمہ اللہ کا یہ شعر ہے

قال را بگذار مردِ حال شو ⁂ پیشِ مردِ کاملے پامال شو

بالکل بھول چکے اور فراموش کر چکے ہیں۔ اللّٰھمّ اھدِنا الی الطریقِ الاقوم۔

التحقیق :

مُؤَزَّر : یہ باب افعال کا اسمِ مفعول ہے۔ اٰزَرَہٗ مُؤَازَرَۃً : مدد دینا غمخواری کرنا۔ تَاَزَّرَ و اِتَّزَرَ و اِئْتَزَرَ ازار پہننا، تہ بند باندھنا۔ اَلْاِزَار : قوت، پیٹھ۔ کہا جاتا ہے شَدَّ بِہٖ اِزَارَہٗ اس کو اس کے ذریعہ قوت حاصل ہوئی۔ اسی سے قرآن میں ہے اُشْدُدْ بِہٖ اَزْرِیْ یعنے اس کے ذریعہ مجھے قوت دے۔

گشتہ وِردِ مُلکِ اُو را حرزِ حزبُ البحرہم ⁂ گرمیٔ تاثیرِ آں مشہور ہر مشہر شُداست

حِرزُ حِزبِ الْبَحْرِ وَالْمُلْكُ كَذَا اِرْشَادُلَہٗ
اِنَّ جَدْوَاہُ وَسِرَّہٗ عِنْدَ شَیخَانِ شُہِرَا

ترجمہ : آنجناب کے وظیفوں میں سے حزبُ البحر کا پڑھنا آپ کا اختیاری امر بن گیا ہے۔ یہ وہ دُعا ہے کہ جس کا فوری نفع و تاثیر تمام مشاہیرِ صوفیہ کے نزدیک مشہور و معروف ہے۔

التحقیق :

مَلْك بسکونِ لام۔ علماءِ لغت نے لکھا ہے مَلَكَ (ض) مَلْكًا و مِلْكًا و مُلْكًا و مَلَكَۃً و مملکۃً و مَمْلُكَۃ الشیئ مالک ہونا۔ علی القوم : غالب ہونا۔ علیٰ فُلانٍ اَمْرَہٗ کسی کے کام پر حاوی ہونا۔ نَفْسَہٗ قابو رکھنا۔ المرأۃ نکاح کرنا۔ مَلْكًا۔ العجین اچھی طرح سے گوندھنا۔ سورۂ طٰہٰ میں بھی یہ لفظ مذکور ہے۔ جیساکہ فرمایا قَالُوْا مَا اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ کام اپنی طاقت و اختیار سے نہیں کیا۔ خازن نے اس کی تفسیر اس طرح کی أی

بملكِ اَمرِنا وقیل باختیارنا وذٰلکَ انّ المرأ اِذا وقع فی الفتنۃ لم یَملِكْ نفسَہٗ۔ بعض قرّاء قرآن نے اس لفظ کو بفتحِ میم، بعض نے بضمِ میم اور بعض نے بکسرِ میم پڑھا ہے۔ پہلی قرأت نافع، ابو جعفر اور عاصم کی ہے، دوسری قرأت حمزہ کی، تیسری قرأت اور قرّاءِ قرآن کی ہے۔ سب کا حاصل بملكِ امرنا وقیل باختیارنا وقیل بقدرتنا۔

بہرحال دعای حزبُ البحر کو دُعای ملک سے تعبیر کرنے کی یہ حکمت ہے کہ اس وظیفہ کا پڑھنے والا یک گونہ اپنے مقصد کے حصول میں با اختیار ہو جاتا ہے اور اس کی برکت سے اپنے دشمنوں پر غالب آجاتا ہے۔

الجَذوی، عطیہ۔ اَلاَجذی: زیادہ نفع بخش۔ الجادی: عطیہ مانگنے والا، عطیہ دینے والا۔ شیخان: شیخ کی جمع ہے۔ شیخ کی جمع شیوخ، اشیاخ، شیخہ وغیرہ آتی ہے۔ شیخ عام طور پر اُستاد، عالم، قوم کے سردار اور ہر اُس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کی نظروں میں علم، فضیلت، مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے بڑا ہو شیخ المرأۃ عورت کے خاوند کو کہتے ہیں۔ شُہرا کا الف اشباعی ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آنجناب شرّفنا اللہ بزیارتہٖ وشفاعتہٖ کے وظائف میں سے حزبُ البحر کا وظیفہ بھی شامل ہے۔ یعنی حقیقی سمندر کے تلاطم یا افکار و مشکلات کے سمندر سے بچنے اور نجات پانے کا وظیفہ۔

اس وظیفہ کے اس نام سے موسوم ہونے کی یہ وجہ ہے کہ حضرت شیخ ابوالحسن علی الشریف الحسنی المغربی الشاذلی قدّس سرّہٗ دریای مغرب (بحیرۂ روم) میں کشتی پر سوار تھے تو اچانک کشتی خطرہ اور بھنور میں پڑ گئی۔ اسوقت حضرت حق کی طرف سے آپ کے قلبِ مبارک پر ایک مخصوص دُعا کا الہام ہوا جسکے پڑھنے اور حاضرین کو پڑھانے سے کشتی خطرہ سے نکل گئی اسی لئے یہ دُعا اس نام سے موسوم ہوئی ہے۔

حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کو اس وظیفہ کی اجازت چشتی سلسلہ کے بعض

بزرگوں سے ملی ہے۔ پھر سلسلۂ شطاریہ کے مشہور بزرگ حضرت الحاج بہاءالدین یزدی رحمہ اللہ سے ملی ہے۔ بزرگانِ دین نے بڑی محنت اور کدو کاوش سے یہ بزرگی حاصل کی مگر افسوس اب ہم لوگ ان کی عبادت و بزرگی کو کاروبار کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ہاں اگر ہم سچے مخدومی، گیلانی اور شطاری بننا چاہتے ہیں تب ہم پر فرض ہے کہ ان بزرگانِ دین کے نقش پر چلیں اور یہ وہ سعادت ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی۔

چونکہ با امرِ مشائخ ہست ہفت آیات خوان ❖ در حصارِ آہنین حفظِ حق محصر شد است

حِيْنَ يَتْلُوْ سَبْعَ اٰيَاتٍ بِـاِذْنِ الْمُرْشِدِيْنْ
فِيْ حِصَارٍ مِنْ حَدِيْدٍ حِفْظِ حَقٍّ اُحْصِرَا

ترجمہ:۔ چونکہ آپ قرآن کریم کی مخصوص سات آیتیں اپنے مشائخ کرام کی اجازت سے پڑھتے تھے تو اُن کی برکت سے آپ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی آہنی حصار میں آئے اور دشمنوں کے شر اور انکی عداوت سے نجات پائی۔

التحقیق:۔

اَلمحصر:۔ یہ غالباً حاصر و احصار: محاصرۃ۔العدوّ دشمن کو گھیر لینا۔ گھیرا ڈالنا، تنگ کو بند کرنا، سے مشتق ہے۔ چونکہ حضراتِ صوفیہ رزقنا اللہ اتباعھم اپنے اردگرد دائرہ کھینچکر مخصوص وظائف پڑھتے ہیں اور روحانی طور پر اس خاص طریقۂ علاج سے اپنے دشمن کو گھیر لیتے ہیں یا دشمنوں کے شر سے بچکر حصار میں پناہ لیتے ہیں تو اس اعتبار سے۔ بجائے محصر محاصر ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن حضرت ناظم رحمہ اللہ نے قافیہ کی رعایت سے الف حذف کیا۔ یہ تاویل ہم نے اس لئے کی کہ محصر بابِ افعال کا مفعول اور اَحصَرَہٗ عن السفر سفر سے روکنا۔ ہٗ المَرَضُ او البَولُ مرض یا پیشاب کا کسی کو

رُکنے کا نام ہے اور یہ معنے یہاں پر چسپاں نہیں ہوتے۔ غرض مُحصر اسم فاعل و اسم مفعول دونوں ہو سکتا ہے اور اس کا بمعنے مفعول ہونا اقرب الی الصواب ہے۔

اور یاد رکھئے قرآنِ کریم میں جو حضرت یحییٰ پیغمبر علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق جو یہ وصف بیان کیا گیا ہے وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصّٰلِحِيْنَ تو اس آیت میں حصور، حَصِرَ مِنَ الشَّيْءِ سے مشتق ہے جس کے معنے شرم کر کے کسی چیز کو چھوڑنے کے ہیں۔ اُس کے معنے نامردی کے نہیں ہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ اہم سوال کا جواب ہے فلا تکن مِنَ الغافلین۔

المُرْشِدِیْن: مِنَ الاِرْشَاد، رَشَدَ رُشْدًا و رَشَادًا و رَشِدَ (ص) رَشَدًا ہدایت پانا، راہِ راست پر چلنا، رَشَدَہٗ و اَرْشَدَہٗ الی کذا و علیہ و لہٗ، ہدایت کرنا۔ و اِسْتَرْشَدَ لِاَمْرِہٖ راہِ راست پر ہونا۔ ہٗ ہدایت طلب کرنا۔

اِصطلاحِ صوفیہ میں مرشد کا اصلاحِ قلب کرنے والے کو کہتے ہیں جب کہ اس کا طریق اصلاح مطابق قانونِ محمدی ؐ ہوگا۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ قرآنِ کریم کی سات مخصوص آیتیں مشائخ کرام کی اِذن و اجازت سے حصار بنا کر پڑھتے تھے تو آپ ان کی برکت سے دشمنوں کے حملوں سے اس طرح خلاصی پا گئے جس طرح کوئی فولادی دیوار میں رہ کر دشمنوں کے شر اور حملہ سے خلاصی پاتا ہے۔ واقعی آیاتِ قرآنیہ کی عجیب و غریب تاثیر ہے جس سے شاذ و نادر ہی کسی کو اختلاف ہوگا۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان صحیح اور متفق علیہا وظائف و اذکار سے عملاً دور اور راہِ فرار اختیار کرتے ہیں اور وظائف مختلف فیہا میں اُلجھنا اپنے لئے باعثِ نجات جانتے ہیں۔

نوٹ: قرآنِ کریم ہر چند وظیفہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ بنی نوع انسان کے لئے ایک بہترین قسم کا ہدایت نامہ ہے جس پر عمل کرنے سے دین و دنیا کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ بایں ہمہ کہ یہ ربانی کتاب ہے اس لئے اس میں بڑے گھر کی طرح تمام چھوٹی بڑی چیزیں پائی جاتی ہیں اور اُسمیں ہر دردمند کے

لئے درمان موجود ہے مگر وہ درمان اکلِ حلال، تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ مشروط ہے۔ کبھی ناکامی محض شرط پوری نہ پائے جانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

دید جمعی از اولیاء حرز یمانی خوان شبی ٭ ہم ز ایشاں خواند و با آں خواندنش از بر شد است

قَدْ رَأَی الزُّهَّادَ لَيْلًا حِرْزَ يَمَنِيْ يَقْرَؤُوْنَ
فَبِإِذْنِهِمْ تَمَنّٰى وَاعِيًا مَا أُجْهِرَا

ترجمہ: آنجناب رحمہ اللہ نے ایک رات اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو حرز یمنی (ایک مخصوص دُعا) پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپؒ نے بھی اُن سے پڑھا اور اُن کے پڑھنے سے آپ کو وہ وظیفہ یاد اور حفظ ہوا۔

التحقيق :-

تَمَنّٰى بمعنى قَرَأَ۔ کما سبق فی اوّل الکتاب۔ اُجْهِرَ : مِنْ اَجْهَرَ الامر وبہ کسی امر کا اعلان کرنا۔ بالقِرأۃ۔ پڑھنے میں آواز کو اُٹھانا، بلند کرنا (مُنجد)

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آں جناب نے ایک رات اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو ایک وظیفہ حرز یمانی خواب میں پڑھتے ہوئے دیکھا اور اُن حضرات نے حضرت محبوب العالمؒ سے فرمایا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ یہ دُعا اور وظیفہ پڑھئے تو آپ کو بھی یہ وظیفہ یاد ہو جائے گا اور آپ اس کے عجیب و غریب فواید پائیں گے۔ اور انھوں نے فرمایا ہمارے اس دعویٰ کی سچائی کی نشانی یہ ہے کہ آپ کے پاس اس دُعا اور وظیفہ کی ایک کاپی ایک شخص لیکر آئے گا اور آپ اس میں ہمارے پڑھنے کے برخلاف کچھ کلمات پائیں گے مگر وہ صحیح ہے کہ جس طرح ہم نے ابھی آپ کے سامنے پڑھا ہے۔ پھر کل یعنے دوسرے دِن حضرات اولیاء کی زبانہ باتیں ہو بہو سچی ثابت ہوئیں۔ چنانچہ آپ یہ وظیفہ اور یہ نسخہ کیمیا اثر اسوقت تک برابر پڑھتے اور عمل میں لاتے تھے جب تک کہ آپؒ نے حضرت سید

جمال الدین بخاری رحمہ اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ جب آپ نے حضرت سید کی بیعت کا شرف حاصل کیا تو آپ باطنی طور پر حضرت محبوب العالم کے اس وظیفہ پر آگاہ ہوئے تو آپ نے اس کے پڑھنے سے حضرت محبوب العالمؒ کو روکا اور فرمایا ایسے وظیفوں سے کہیں زیادہ ذکر و فکر میں رہنا ہی افضل و بہتر ہے کیونکہ ذکر و فکر ہی سے سعادتِ دارین حاصل ہوتی ہے۔ گو بعض وظائف کے پڑھنے سے پڑھنے والے کو دُنیا میں ترقی اور عروج مل جاتا ہے وہ اور بات ہے مگر اس عروج و عزت سے کیا فائدہ جس سے آخرت کی فلاح و رستگاری نصیب نہ ہو۔ ھٰذا ما ذکرہ الذاکر فی الشرح۔ اس سے وقت کے اُن رہبرانِ طریقت کو بھی نصیحت حاصل کرنی چاہیئے جو دنیوی جاہ و جلال کے لئے وظائف پڑھتے ہیں اور آخرت کا خیال ہی نہیں رکھتے۔ اولٰئک لاحظّ لھم فی الآخرۃ۔

حلقہ کردہ قاریٔ اورادِ فتحیہ بشوق ❊ اولیا بسیار مشہودش بشیراسر شد است

قَدْ تَلَا فِیْ شِیْرَسَرْ اورادِ فتحی حَلْقَۃً
خَاشِعًا فِیْھَا رِجَالُ الْغَیْبِ صَارُوْا حُضَّرًا

ترجمہ: آنجناب مکرمت پناہ نے شیراسر کے گاؤں میں حلقہ باندھ کر پورے شوق و ذوق اور خشوع و حضور سے اورادِ فتحیہ کا وِرد فرمایا تو اس مجلس میں بہت سے اولیاء اللہ رجالُ الغیب کو حاضر دیکھا۔

التحقیق:۔

شِیْرَسَرْ شیراسر کا معرب ہے۔ یہ ایک گاؤں کا نام ہے جو کوہامہ میں واقع ہے۔ اورادِ فتحیہ وہ وظیفہ ہے جس کی ترتیب حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے دی ہے، جو اصولِ توحید اور صفاتِ باری تعالیٰ عز اسمہٗ پر مشتمل ہے۔

یہ اُمہات الوظائف بلکہ وظائف کا عِطر و جوہر ہے۔ حَلَقَۃ : الباب او القوم دروازہ کا حلقہ یا قوم کا دائرہ۔ اس جگہ رجالُ الغیب سے اولیاء اللہ کی ارواحِ مقدسہ مُراد ہیں۔ شیراسر : کوہیامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جس کے اوپر ایک جھیل واقع ہے۔ اُسکا پانی بہت زیادہ شفاف اور دُودھ کی طرح دِکھائی دیتا ہے اور اس کے اِرد گِرد رنگارنگ اور گوناگون پھُول ہوتے ہیں۔

حضرت محبوبُ العالم رحمہُ اللہ سے منقول ہے کہ آپ شیراسر کی جھیل کے نزدیک پہونچے تو اِتفاق سے وہاں رِجالُ الغیب یعنی سطحِ زمین پر رہنے والے فرشتے ایک دائرہ میں بیٹھ کر پورے شوق سے اورادِ فتحیہ پڑھتے تھے، پھر وہ حضرت محبوبُ العالمؒ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ بنی آدم کو کیا ہوا کہ وہ ایسے کلماتِ طیبات اور اذکارِ عالیہ کے پڑھنے سے سُستی اور غفلت برت رہے ہیں اور کہا کہ جب تک آپ نے اَورادِ فتحیہ ایک مرتبہ پڑھا تو ہم نے اتنی دیر میں کئی سو مرتبہ پڑھا ہے۔ رِجالُ الغیب کا مقصد اس بیان سے اس وظیفۂ مقدسہ کے پڑھنے کی طرف رغبت اور توجہ دِلانا تھا۔ افسوس عصرِ حاضر کے کچھ بدقسمت مسلمان اس کے پڑھنے سے منع کرتے اور اس کے پڑھنے والوں پر آوازیں کستے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

بعد خفتن ہم بخوان اَورادِ فتحیہ بشوق ⁂ با مُریدان زولیاش ایں اَمر ہم کرشد ا ست

اُنْتُلْ بِالْمُسْتَرْشِدِیْنَ اَوْرَادَ فَتْحِیَّۃٍ بِحَقٍّ
بَعْدَ عَتَمٍ مَرَّۃً مِنْ اَوْلِیَا قَدْ اُوْمِرَا

ترجمہ : آنجناب کو ایک مرتبہ اولیاء ربّانی کی طرف سے اس بات کا حکم مِلا ہے کہ آپ اپنے مریدوں کے ساتھ بیٹھ کر عِشاء کی نماز کے بعد اورادِ فتحیہ پڑھا کیجئے۔

التحقیق :

عَتَمِ : عَتَمَ (ض) عَتمًا۔ اللّیلُ رات کا ایک حصہ گذر جانا۔ عَنِ الامرِ کام کرتے کرتے رُک جانا۔ قِرَی الضَّیفِ مہمانی کے کھانے میں دیر کرنا۔

یہاں عِشاء کا وقت مُراد ہے۔ یہ لفظ احادیث میں آیا ہے۔ محدثین کے استعمال میں بہت کم۔ عِشاء کے وقت کے لئے اسلام سے پہلے کثرت سے عَتَم کا لفظ استعمال کرتے تھے۔

اُومِرَ : صیغۂ واحدِ مذکرِ غائب، فعلِ ماضی مثبت مجہول۔ اس میں هُوَ مستتر اور پوشیدہ ہے۔ راجع بجانب حضرت محبوب العالمؒ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں آمرہٗ ایمارًا: حکم دینا۔ ہٗ۔ اللّٰہُ ، اللہ تعالیٰ نے اس کے مال یا اس کی نسل کو بڑھایا۔ (مختصر من المنجد)

مَغزُ الشّعرِ فی العربیّۃ :

انّ الشّیخ رحمۃ اللہ اُمِرَ مرّۃً من الاولیاء بقراءۃ اورادِ الفتحیۃ المبارکۃ بعد صلوٰۃ العشاء مع المریدین الصادقین والمسترشدین الکاملین۔

یعنی شعر کا حاصلِ مطلب یہ ہے :

آنجنابؒ نے ایک مرتبہ نادی ہل کی مسجد میں عشاء نماز پڑھ کر اپنے مُریدوں سے فرمایا کہ آؤ مل کر اورادِ فتحیہ پڑھیں تاکہ ساری رات اس کو برکت شاملِ رہے۔ اور بعض بزرگانِ دین نے بھی عشاء نماز کے بعد اورادِ شریف پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ آپ نے اپنے ساتھ والوں کے ہمراہ اورادِ فتحیہ پڑھی۔ پھر صبح کے وقت اپنے خدام سے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ علی صوفی نے سامنے آکر عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ عُمدہ قسم کے حلوہ کا ایک خوان آنجنابؒ کے سامنے رکھ دیا گیا، آپؒ نے وہ خوانِ کرم حاضرینِ مجلس میں تقسیم فرمایا۔ آپ نے اسکی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اورادِ فتحیہ

کی اصلی صورت تھی جو حاضرین پر نمودار ہوئی۔

واقعی کلمات اللہ کی اپنی اصلی صورتیں اور شکلیں ہیں جو اہل اللہ کو دکھائی دیتی ہیں۔ یہی حال کلماتِ خبیثہ اور افعالِ سیّئہ کا ہے کہ ان کی بھی اصلی صورتیں ہیں۔ قیامت کے روز دونوں قسم کے عمل ثواب وعقاب جزا وسزا کی صورت میں نمودار ہونگی اور آیتِ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا اس پر گواہ ہے اور یہ کہنا کہ اعمال از قبیلہ اعراض ہیں جن کا وجودِ خارجی نہیں ہے۔ یہ فلاسفۂ قدیم کی ڈھکوسلہ بازی ہے۔ جدید تحقیق نے یہ اوہام ختم کیے۔ بہر حال منکرینِ حق اور غافلین عن الذّکر کو ایک دن پشیمان ہونا پڑے گا اور اُن سے کہہ دیا جائے گا لقد کنتَ فی غفلةٍ مِنْ هٰذا فکشفنا عنكَ غِطَائَكَ فبصرُكَ الیومَ حدیدٌ

بعدِ ہر فرضے بخوان ختمے مُعیّن از قرآن ٭ از مشائخ بارہا ایں امر را مامور شد است

اُتْلُ بَعْدَ کُلِّ فَرْضٍ مِنْ کِتَابٍ نَبْذَةً
غَیْرَ مَرَّةٍ بِهٰذَا مِنْ شُیُوْخٍ اُخْبِرَا

ترجمہ: مشائخ کرام نے بارہا آنجناب کو ہر فرض نماز کے بعد قرآنِ مجید میں سے ایک مُعیّن حصہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

التحقیق:-

نَبْذَةً: صِفتُها محذوفةٌ ای نبذةً مُعیّنةً۔ والتنوینُ فی نبذةً للتعظیم۔ واستعمِلَ اُخْبِرَ مکان اُمِرَ لِیَدُلَّ عَلٰی اَنَّ هٰذا الامر لیس للوجوب بل هو للاستحباب۔

اَلنَّبْذ: تھوڑی سی چیز۔ اس کی جمع اَنْبَاذ ہے۔ اَنْبَاذُ النَّاس: اوباش لوگ۔

اَلنَّبْذَۃُ وَالنُّبْذَۃُ : گوشہ قلعہ، ج نُبَذٌ۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آنجناب متّعنا اللّٰہ بفیوضہٖ کو بسا اوقات اولیاء اللہ کی طرف سے ہر نماز کے بعد چند مخصوص آیات اور معین سورتوں کے پڑھنے کا حکم مِلا ہے۔ جیساکہ سورۂ فاتحہ ایک بار سورۂ تبارک الذی، سورۂ مزمل، سورۂ عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ ایک ایک بار مزید برآں سورۂ اخلاص تین بار، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ایک ایک بار اور وہ سورتیں جو وِردِ اعظم میں پڑھی جاتی ہیں، سورۂ والفجر تین بار نمازِ ظہر کے بعد، سورۂ والفتح، مغرب نماز کے بعد سورۂ واقعہ، سورۂ فجر اور نماز فجر و نمازِ عصر کے بعد مُسبّحاتِ عشرہ کا پڑھنا مشائخ کرام کا معمول تھا۔ مذکورہ سورتوں کی فضیلتیں اور محاسن حدیث کی کتابوں اور فضائل قرآن میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔

اولیاء اللہ کی اسی عبادت و معرفت نے کشمیر جیسے دارُ الشِّرک کو دارُ الاسلام میں مبدّل کر دیا تھا۔ افسوس ہے کہ آج کثرتِ یادِ الٰہی اور ذِکر و فکر کو رہبانیت اور روحِ اسلام کے منافی و مخالف قرار دیا جاتا ہے۔ اُن کے نزدیک اصلی اسلام یہ ہے کہ مسلمانوں پر کوڑوں کی بارش اور قتل و غارت گری کی بوچھار کی جائے اور اس قسم کے لوگ اتنی سی بات سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ جو لوگ نمازوں اور اَوراد و اَذکار سے جی چُرائیں اور اُکتا جائیں وہ لوگ کس طرح راہِ خدا میں اپنی جانیں نثار کرنے کے لئے تیار ہونگے۔ جوشِ جہاد اور ولولۂ حدود و قیاس اپنی جگہ دُرست اور صحیح مگر تزکیۂ قلب اور صفائے باطنی کے بغیر ناممکن ہے اور جہاد و حکومتِ ربّانی کے قیام کا مقصد عبادت و ریاضت ہی ہے۔ حکومت اسکے لئے آلہ اور وسیلہ ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔

ہمارے دعویٰ پر شاہد عدل ہے۔ پس اولیاء اللہ کی عبادت و ریاضت اور ذکر وفکر کی طرف رغبت رکھنا اور متوجہ ہونا عینِ ایمان ہے اور رہبانیت و جوگیت چیزے دیگر است۔ سخن شناس نیستی خطا این جا است ؎

فیضش از چندیں نسب ہم مخلصانش را ازاں ؎ بشیتر فیض و ترقی گر عمل اندر شد است

مِنْ كَثِيْرِ اَهْلِ نِسَبٍ فَيْضُهٗ لَمَّا جَرٰى
نَالَ مُخْلِصُوْهُ رِفْعَةً بِعَمَلٍ اَيْسَرَا

ترجمہ: چونکہ آنجناب بہت سے اہلِ نسبت کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوئے ہیں اس لئے آپ کے مُریدین و متوسّلین بہت زیادہ فیض و برکت سے لطف اندوز ہوئے ہیں۔ گو کہ نسبتاً اُن کے اعمالِ صالحہ بہت کم ہیں۔ یہ بطریقِ تواضع و نرمی کے فرمایا۔

التحقيق:-

قولہٗ اَيْسَرَ۔ يَسَرَ يَيْسُرُ يُسْرًا کم ہونا صفت یسیر ہے۔ اَلْيُسْرُ وَالْيُسُرُ وَالْيَسَارَةُ سہولت و نرمی، آسودگی اور خوش حالی۔ اس سے صیغۂ صفت اَيْسَرُ آتی ہے یہ عمل کی صفت ہے۔ اور بجائی اَيْسَرَ، اَنْدَرَ بھی شعر میں ہو سکتا ہے۔ اسوقت یہ افعل تفضیل نُدرۃ سے ہوگا جس کے معنے قلیل اور تھوڑے ہونے کے ہیں۔

خلاصۂ شعر:- چونکہ حضرت محبوب العالم ؒ نے بہت سے پیرانِ طریقت اور مشائخ معرفت و حقیقت سے روحانی افادات اور وظائف حاصل فرمائے ہیں اس لئے آپ کے مبارک سلسلہ اور بہترین واسطہ سے آپ کے مخلصوں اور آپ کے ارادتمندوں کو بھی وہ فیوض و برکات نصیب ہوئے ہیں۔ اسلئے آپؒ کے مریدوں اور اخلاص مندوں کو ریاضاتِ شاقہ اور مشکل عبادتوں کی ضرورت

نہیں پڑی بلکہ تھوڑے عمل کے باوجود اُنہوں نے آپ کے طفیل سے بہت بڑا حظ اور فیض نا متناہی حاصل کیا کیونکہ بہت سی نسبتوں کے حصول کی وجہ سے فیضان بھی اسی قدر زیادہ حاصل ہوتا ہے چنانچہ اسی کے متعلق حضرت سمنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

نورِ شیخان بیشتر ہر چند رہ روشن تر است ٭ صادقِ اینجا شیخ سمنانی بما بشر شد است

کَثْرَۃُ الْاَشْیَاخِ نُوْرٌ فِی الطَّرِیْقَۃِ فَوْقَ نُوْرٍ
قَوْلُ سِمْنَانِیْ ھِنَا حَقٌّ بِمَا قَدْ بَشَّرَا

ترجمہ: بہت سے شیخوں اور مُرشدانِ طریقت کا ہونا نورٌ علیٰ نور ہے. اگرچہ بحسب ذاتِہ راہِ حق بہت روشن تر ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ حضرت سمنانی رحمہ اللہ کا یہ نکتہ بالکل سچ اور راست ہے کہ شیوخ جس قدر زیادہ ہوں اسی قدر راستہ روشن تر ہوگا جیساکہ موصوف نے ہم کو اس کی بشارت و خوش خبری سُنائی ہے.

خُلاصۂ شعر یہ ہے کہ مُریدِ صادق کے جس قدر مُرشدینِ کاملین اور رہبرانِ طریقت زیادہ ہونگے اُسی قدر اُس مُرید کے لئے راہِ حق زیادہ آشکارا ہوگا اور خطرات سے خالی کیونکہ جتنے چراغ ہوں اسی قدر نور بھی زیادہ ہوگا. شیخ سمنانی سے حضرت شیخ علاؤ الدولہ سمنانی ہیں. آپ نے اخی علی مصری رحمہ اللہ کو فرمایا کہ پیرِ طریقت اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جس قدر بھی زیادہ واسطے ہوں تو اسی قدر راستہ زیادہ روشن اور واضح ہوگا کیونکہ کثرتِ مشائخ سے کثرتِ علم اور تیقّن کا درجہ حاصل ہوگا. مگر واضح رہے کہ یہ اَربابِ طریقت کے نزدیک ہے اس کے برخلاف سندِ حدیث سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ جس قدر رُواۃ

حدیث کم ہوں اور سند عالی اور متصل ہو تو اسی قدر وہ حدیث زیادہ صحیح ہوگی کیونکہ ایسی حدیث میں مخالف احتمالات کم ہوتے ہیں۔ محدثین کا منشا کچھ اور ہے اور ارباب طریقت کا مقصد کچھ اور۔ لہٰذا دونوں گروہوں میں کسی قسم کا تضاد نہیں وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ پر غور کیجئے۔

لفظِ بَثر ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل شرح کتاب میں ہے فَطَالِع هُنَاكَ۔

مغزِ سر از آتشِ گرمیِ ذکرِ چار ضرب ❊ سوختش زاں مبتلا اکثر بدردِ سر شد است

مَغْزُ رَأْسِهٖ بِنَارِ حَرِّ ذِکْرِ جَارِ ضَرْبٍ
ذَابَ وَاشْتَدَّ الْبَلَاءُ فِیْ صُدَاعٍ اَکْثَرَا

ترجمہ: آپ کے سرِ مبارک کا مغز ذکرِ چار ضرب کے جوش و خروش کی گرمی سے پگھل گیا ہے اس لئے آپ کے سرِ مبارک میں اکثر تکلیف رہتی ہے۔

التحقیق:

جارضرب: یہ چار ضرب کا معرّب ہے چونکہ یہ خاص قسم کا ذکر ہے، عجمی صوفیاءِ کرام نے خصوصیت کے ساتھ اس کی تلقین کی ہے اس لئے اصلی عربی کچھ نہیں کہ لفظ اسی عجم سے عربی زبان میں منتقل ہوکر آیا ہے۔

اسمِ ذات کی کیفیت پر بحث کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب قول الجمیل میں فرماتے ہیں:-

واما اربع ضربات وصفتہ ان یجلس متربعًا و یضرب مرۃً فی الرکبۃ الیمنی ومرۃً فی الرکبۃ الیسری ومرۃً فی القلب

وَمَرَّۃً اَمَامَہٗ وَلٰکِنِ الرَّابِعَ اَشَدُّ وَاَجْھَرُ۔ ذکرِ چار ضربی کا طریقہ یہ ہے کہ چار زانو بیٹھے اور ایک بار داہنے زانو میں، دوسری بار بائیں بازو میں، تیسری بار دل میں اور چوتھی بار اپنے سامنے اللہ کا ضرب دے اور آخری بار سخت تر اور بلند تر ہو۔ باقی مشائخ سے پوری تفصیل دریافت کریں۔

اوست سلطان تاج ذکرِ پاسِ انفاس شدہ ٭ چار ضربش، چار ترگ ہر نفس گوہر شدہ است

هُوَ مَلِكٌ حِفْظُ اَنْفَاسٍ بِذِكْرٍ تَاجُهٗ
چَارْ ضَرْبُهٗ طَاقِيَهْ صَارَا وَنَفْسُهٗ جَوْهَرَا

ترجمہ: آنجناب روحانیت کے شاہنشاہ ہیں اور پاسِ انفاس کا حقیقی احترام (ذکرِ ربانی) آپ کے لئے تاجِ شاہی ہے۔ نیز آپ کا ذکرِ چار ضرب، چہار گوشہ والی کلاہِ مبارک اور آپکی ہر سانس قدر و قیمت میں موتی سے بھی بڑھ کر ہے۔

التحقیق:۔

جَوْهَر، گوہر کا معرّب ہے۔ نَفْسُهٗ کا عطف چار ضرب اور طاقیہ پر ہے اور ضرورتِ شعریہ کی بناء پر طاقیہ سے حرفِ عطف حذف کیا گیا ہے جوهرًا صَارَا کی خبر ہونے کے سبب منصوب ہے۔ وَالْبَاقِیْ اَظْهَرُ مِنْ اَنْ يُشَارَ اِلَيْهِ وَيُذْكَرَ۔

خلاصۂ شعر: پاسِ انفاس اور ہوش در دم ایک ہی معنے رکھتے ہیں۔ یعنی تنفّس سانسوں کے نکلتے اور داخل ہوتے وقت غافل نہ ہونا بلکہ پورے تحفّظ و توجہ سے اُن کی طرف دھیان رکھ کر اللہ رب العالمین کی عظمت و برتری کا خیال رکھنا۔

حضرت اُستاذ الاساتذہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے قول الجمیل

میں پاسِ انفاس کی تعریف اس طرح کی ہے :-

وَ اِذَا ارادت پاس انفاس فکن مُستیقظا واقفا علی انفاسک فکلما خرج النفس فقل مع خروجہ لا اِلٰہ کانک تخرج محبۃ کل شیئ سوی اللہ من باطنک و ادخل النفس فقل مع دخولہ اِلّا اللہ کانک تدخل وتثبت محبۃ اللہ فی قلبک۔

ترجمہ : "اور جبکہ تو اے سالکِ طریقت پاسِ انفاس کا ارادہ کرے تو اپنی سانسوں پر اس طرح واقف اور بیدار ہو کہ جب تیری سانس باہر آنے لگے تو اُس کے نکلنے کے ساتھ لا اِلٰہ کہا کرو کہ اُس کا مطلب یہ ہے کہ گویا تم اللہ کے سوا ہر چیز کی محبت اپنے دل اور باطن سے نکالتے ہو اور جب سانس اندر کی طرف آنے لگے تو اُس کے داخل ہونے کے ساتھ اپنے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی محبت داخل کرتے ہو اور اُکو مضبوط سے مضبوط تر بناتے ہو۔"

یہ ہے حضرت شاہ صاحبؒ کے الفاظِ گرامیہ میں پاسِ انفاس کا ماحصل اور لُبِّ لُباب۔

ورزشِ دمِ آنقدر دار دکہ زآغازِ عشاء ٭ تازمانِ صُبح او ذکرش بیکدم درشدا ست

شَانُہٗ فِی حَبْسِ نَفَسٍ مُنْذُ عِشَاءٍ اِلٰی الْ
فَجْرِ فِی نَفَسٍ وَحِیْدٍ لَا یَزَالُ ذَاکِرًا

ترجمہ : پیرِ طریقت واقفِ اسرارِ شریعت حبسِ نفس یعنی سانس روکنے میں

ل ولم یعرب الشیخ رحمہ اللہ پاس انفاس وچار ضرب لِاَنّ ھٰذہ الاصطلاحات اخترعھا المشائخ السادۃ الصوفیہ فی لسانھم الملکی والوطنی فاتبعنا طریقۃ فی الترجمۃ فی ابیاتنا رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

اتنا کمال اور تجربہ رکھتے ہیں کہ عشاء کے شروع سے صبح تک ایک ہی سانس میں ذکر وفکر اور یادِ الٰہی میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔

خلاصۂ شعر: حضرت ناظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت محبوبُ العالم قُدِّسَ سِرُّہٗ حبسِ نفس، سانس روکنے میں اس قدر کمال اور دستگاہ رکھتے ہیں کہ عشاء کے وقت سے صُبح کے وقت تک ایک ہی سانس میں ذکرِ الٰہی میں رہتے ہیں۔

ایک سانس میں یادِ خدا کرنے سے سالکِ راہِ طریقت کو بہت فائدہ ہوتا ہے کہ باطن کی گرمی، ارادہ میں پختگی، عشقِ الٰہی میں کمال حاصل ہوتا ہے اور وساوس سے نجات و خلاصی مِل جاتی ہے جیساکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ قولُ الجمیل میں حبسِ نفس کے فوائد اسی طرح لکھتے ہیں۔ حضرت موصوف رحمہ اللہ کی عبارت ملاحظہ ہو:۔

قالوا لِحَبْسِ النَّفسِ خَاصِیَّۃٌ عَجِیْبَۃٌ فی تسخینِ الباطنِ وَ جمعِ العزیمۃِ وھیجانِ العِشقِ وقطعِ احادیثِ النّفس وَیتدرّجُ فی الحبسِ لِئَلاَّ یثقُلَ عَلیہ والمُرادُ بالحَبْسِ غیرُ المُفرطِ فَبَیْنَہٗ وَ بَیْنَ مَا یامُرُ بِہِ الجوکیّۃُ بَونٌ بَائِنٌ۔

ترجمہ: حبس نفس، سانس روکنے کی عجیب وغریب خاصیت ہے کہ باطن کے گرما دینے، دل جمعیت، عشقِ الٰہی اُبھارنے، وساوسِ نفس قطع اور دُور کرنے میں بہت بڑا دخل اور عجیب و غریب تاثیر ہے، البتہ سالکِ راہِ طریقت کو چاہیئے کہ تدریجی اور آہستہ آہستہ حبسِ نفس کی مشق کرے تاکہ اُس پر گران اور بھاری نہ ہو جائے اور اس کو خشکی کی بیماری پیدا نہ ہو جائے اور یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے کہ سانس بند کرنا اسی وقت تک محمود اور زیبا ہے جب تک وہ درجۂ اِفراط اور حصرِ نفس کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ پس مشائخ نقشبندیہ جس حبسِ نفس کے قائل ہیں اور

جوگی سادھو لوگ جس حصرِ نفس کے مجوِّز ہیں ان دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے کیونکہ جوگیوں کا مجوّزہ حصرِ نفس اِفراط سے خالی نہیں اور ظاہر ہے کہ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلّم کسی بھی عمل میں اِفراط و تفریط کی قائل نہیں اور اِفراط و تفریط کی بحث آپ میری شرح بصیرۃ السّلوک حصہ سوم میں تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔
پس خدا کی پناہ کہ مشائخِ طریقت اور جوگی حبسِ نفس میں ہم آہنگ اور متشاکل ہو جائیں ﴿

آنچہ دے شد خوردہ نالائق بذکراں سوختم ﴿ ایں خطاب از وے بمن در قریۂ بینر شد است

نَحْنُ اَحْرَقْنَا بِذِکْرٍ مَا اَکَلْنَا شُبْھَۃً
اَمْسِ فِیْ قَرْیَۃِ بِیْنَرْ ھٰکَذَا اِلَیَّ اَظْھَرَا

ترجمہ: حضرت خاکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ کل رات جو مشتبہ غذا ہم نے بینر کے گاؤں میں کھائی تھی ہم نے اُس کو ذِکر و فِکر کی گرمی اور سوز و گداز کی تیزی سے جلا دیا اس لئے اس غذا سے مجھے کوئی نقصان اور تکلیف نہیں ہوئی۔

خلاصۂ شعر: بینر، بونیار کا مخفف ہے۔ ضلع بارہ مولہ کا تاریخی گاؤں ہے۔ ایک دن آنجنابؒ اپنے مُریدوں کے ہمراہ اسی بونیار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں قصبۂ بارہمولہ کی ایک سرائے میں قیام فرمایا وہاں داروغہ نے اِس بات کی مِنت سماجت کی کہ اُسکی دعوت قبول کیجائے آنجنابؒ نے اس شرط پر اُسکی دعوت قبول فرمائی کہ اس میں کسی قسم کی مشتبہ اور شک آور چیز استعمال نہ کی جائے یعنے دعوت اور کھانے پینے میں کوئی بات خلافِ شرع نہ ہو۔ مگر ہُوا یہ کہ داعی نے دعوت میں اُتنی احتیاط نہ

کی جتنی احتیاط حضرت محبوبُ العالم رحمہُ اللہ کے خاطرِ عاطر کو ملحوظ اور مرغوب تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ دعوت کا کھانا کھاتے ہی سب حضرات کی طبیعتوں میں گرانی اور اعضاءِ بدنی میں سُستی پائی گئی پھر آنجناب نے دوسری دفعہ اس کی اِصرار کے باوجود کھانا نہیں کھایا اور رفتہ رفتہ بونیار پہنچے وہاں کے میزبان نے چند حلالِ طیب کی روٹیاں پیشِ خدمتِ ہمایوں کیں جو آپ نے اور آنجناب کے رُفقاءِ کرام نے تناوُل کیں۔ حضرت خاکی رحمہ اللہ نے ثِقل و گرانی کے سبب کچھ تناول نہ فرمایا تو اس پر حضرت محبوب العالمؒ نے اُن کی گرانی طبیعت اور مزاج کی سُستی کی اصلی وجہ اس طرح بیان کی کہ داروغۂ بارہمولہ کی دعوت مالِ مُشتبہ سے تھی جس نے اُن میں ثِقل و گرانی پیدا کی اور فرمایا مجھ پر اس کا اثر اس لئے نہیں ہُوا کہ میں نے رات بھر بیدار رہ کر ذکرِ الٰہی کے جوش و خروش اور اسکی معنوی گرمی و تیزی سے اُس غِذا کو جلایا اس لئے اس کی تکلیف سے محفوظ رہا۔ اس کے برخلاف تم لوگوں نے وہ دعوت کھاکر اس قدر قوت و طاقت سے عبادت نہیں کی' اس لئے آپ پر اثر غالب آیا اور پھر فرمایا کہ خاکی صاحب! آئیے ہمارے ساتھ یہ روٹیاں تناول کیجئے تو تمام سُستی اور گرانی دوُر ہو جائے گی کیونکہ یہ حلالِ طیّب ہیں۔ حضرت خاکی فرماتے ہیں کہ وہ روٹیاں کھاتے ہی میری سُستی اور طبعی کلفت دوُر ہوئی۔ لہٰذا اس شعر میں اسی تاریخی واقعہ کی طرف اِشارہ ہے اس لئے اس میں صنعتِ تلمیح ہے۔ اس لئے علماء نے فرمایا کہ غِذائے حَلال سے نفس میں نور اور دل کو سرور پیدا ہوتا ہے جیساکہ حرام اور مُشتبہات سے نفس میں ظُلمت و تاریکی اور قلب میں قساوت پیدا ہوتی ہے ⁂

خاصیت دیدہ ہم از اذکار بسیاریِ ذکر ٭ باز اندر ذکرِ جہری حالِ او اجہر شد است

وَكَذَا اٰثَارَ ذِكْرٍ مِنْ كَثِيْرٍ شَاهَدَا
ثُمَّ اَضْحٰى حَالُهٗ فِيْ ذِكْرِ جَهْرٍ اَجْهَرَا

ترجمہ: اور اسی طرح آپ نے بہت سے ذکروں اور اوراد کے آثار وخواص بھی مشاہدہ فرمائے ہیں۔ پھر خصوصیت کے ساتھ ذکرِ جہری کے ساتھ آنجناب کا شغف ومشغلہ رہا ہے۔

خلاصۂ شعر: حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ نے ذکرِ خفی کے خواص ولوازم اور آثار مرتبہ مشاہدہ فرمائے ہیں پھر آپ کا حال اور مشاہدہ ذکرِ جہری کے ساتھ نمایاں درجہ پر رہا۔

مطلب یہ ہے کہ آپ بہت سے مکتبِ خیال صوفیہ حضرات کے طرز پر ذکرِ خفی یا مطلق ذکر فرماتے تھے اور آخر الامر تک اپنے سلسلہ کے مرشدینِ کاملین کے نقش قدم پر چل کر ذکرِ جہری کے خوگر اور عادی ہوئے کیونکہ ذکرِ جہری کے ساتھ طبیعت گرماتی اور سستی جاتی رہتی ہے اور سوز وگداز اور حضورِ قلبی پیدا ہوجاتا ہے اور دوسرے لوگ بھی ذاکر کے ذکرِ جہری سے لطف اندوز اور بہرہ ور ہوتے ہیں اسی بنا پر ذکرِ جہری کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے:۔ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ الخ کہ "اللہ تعالیٰ بری اور ناپسند باتوں کا پکارنا اور علانیہ کہنا پسند نہیں کرتا۔" اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ پاک باتوں اور مقدس ذکروں کو جہراً پڑھنا پسند فرماتا ہے بشرطیکہ جہر افراط کے درجہ تک نہ پہنچے اور پھر غفلت کے زمانہ میں کلمات اللہ کوئی اونچی آواز سے پڑھے تو غنیمت جاننا چاہیئے باقی جو اذکار جہراً ثابت ہیں وہ ہر صورت میں جہراً پڑھنا مستحب ہیں اور جو کلمات سراً اور پست آواز سے پڑھنا ثابت ہیں وہاں پر اخفاء اور اسرار ہی زیادہ موجبِ اجر وثواب ہیں۔ طرفین کی دلیلیں مطولات میں مذکور ہیں۔

سالِ عمرش بُد نہ چنداں ولی از دردِ عشق ✽ موش کافوری دُرّ دندانش بیروں برشدا ست

لَیْسَ عُمْرُہٗ طَوِیْلاً بَیْدَ اَنْ مِنْ حَرِّ عِشْقٍ
شَعْرُہٗ اَبْیَضَّ وَاَضْحیٰ عِقْدُ دُرِّہٖ ھَائِرًا

ترجمہ: آنجناب کی عمرِ مبارک بظاہر اتنی زیادہ لمبی اور زیادہ نہیں ہے. مگر سوزشِ عشق اور محبتِ الٰہی کی گرمی سے آپ کے دندانِ مبارکہ کی خوشنما لڑی اپنی جگہ سے بالکل باہر آئی ہے یعنے آپ کے دندانِ مبارک نکل آئے ہیں۔

خلاصۂ شعر:- حضرت خاکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر چند حضرت پیر روشن ضمیر قدس سرہٗ کی عمر مبارک بہت زیادہ نہیں ہے مگر پھر بھی عشق حقیقی اور ربانی محبت کی وجہ سے آپ کے موئے مبارک سفید ہوئے ہیں اور موتی نما آبدار دانتوں کی لڑی دہانِ مبارک سے باہر نکل آئی ہے کیونکہ عام طور داڑھی شدت غم اور دانت سوزش گرمی سے جلدی متأثر ہو جاتے ہیں جیساکہ آں صوفی صافی اور وافر البرکات نے حضرت خاکیؒ سے اپنے متعلق فرمایا کہ میری عمر چالیس یا پچاس کے درمیان ہے اسی عمر میں میرے بال سفید ہوئے اور میرے دانت گر گئے۔ یہ سب دردِ عشق اور کثرتِ فکرِ آخرت کا نتیجہ ہے اور یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا نِالسَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِہٖ کَانَ وَعْدُہٗ مَفْعُوْلاً اور حدیثِ شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَالْمُرْسَلَاتُ عُرْفًا وَعَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ اور اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اِمْرَأَۃٍ تُشَیِّبُنِیْ قَبْلَ الْمَشِیْبِ سے یہ مضمون ثابت ہے۔

گویداکثر سوختم ازکثرتِ داغ دروں ✽ سینہ ام گویا پُر ز آتش یکی مجمر شد است

قَائِلاً اِنِّیْ احْتَرَقْتُ بِوُفُوْرِ حَرِّ عِشْقٍ
وَکَاَنَّ کُلْکُلِیْ اَضْحیٰ بِنَارٍ مِجْمَرًا

ترجمہ: آں حقائق آگاہ اکثر فرمایا کرتے تھے داغ عشق اور سوزِ نہانی سے

جل گیا ہوں اور مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ میرا سینہ آگ کی انگیٹھی بن گیا ہے۔

التحقیق: مِجمَر بروزنِ مِفعَل اسکی جمع مَجَامِر آتی ہے۔ انگیٹھی کو کہتے ہیں۔ کَلکَل: سینہ۔ جمع کَلَاکِل۔ کَلکَال، سینہ، ہنسلی کی ہڈیوں کا درمیانی حصہ مِجمَرًا خبر ہے اَضحٰی کی اور پھر پورا جملہ کَأَنَّ کی خبر محلِ رفع میں ہے۔

خلاصۂ شعر: اس شعر میں اس کیفیتِ عشق کو بیان کرنا مقصود ہے جو آپ آنسو بھری آہوں نما چشمانِ مبارکہ سے اپنی حالت کا اظہار فرماتے تھے اور گاہے اس حالت میں یہ شعر بھی پڑھتے جاتے تھے ؎

سوختم چنداں کہ بر مَن نیست دیگر جای داغ
بعد ازیں خواہم نہادن داغ بر بالائے داغ

آری آری سینہ اش پُر آتشِ عشقست ازاں ؛ رنگِ آں روی مُبارک ہمچو خاکستر شدست

نَعَم اِی وَاللهِ صَدرُہٗ امتلٰی مِن حَرِّ عِشقٍ
وَلِذَا ارْمَدَّ وَجْهُهُ الْمُنِيرُ ظَاهِرًا

ترجمہ: ہاں ہاں آپ کا سینہ پُر گنجینۂ عشقِ الٰہی کی آگ سے بھرا ہوا ہے اسلئے آپ کے روئے اقدس کا رنگ ظاہری طور پر خاکستری دکھائی دیتا ہے۔

التحقیق: قالوا اِرْمَدَّ الشَّیْئُ: خاکستری رنگ کا ہونا۔ اِرْمَدَّ العَیْنُ: آنکھ دُکھنا۔ اِرْمَدَّ فُلَانٌ: شترمرغ کی طرح ہونا۔ اَلرَّمَدُ آشوبِ چشم، آنکھ کا دُکھنا۔ ہر وہ چیز جو آنکھ کے لئے تکلیف دہ ہو۔ اَلرَّمَادُ۔ راکھ اَلرَّمَادَۃُ: ہلاکت۔ اَلرَّمْدَۃُ: تھوڑی سی چیز۔

خلاصۂ شعر: آپ عشقِ الٰہی میں کامل طور پر سرشار ہیں لہٰذا اَلظَّاهِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ کے طور پر باطن کا اثر آپکے ظاہر پر پڑا ہے جسکی وجہ سے آپکا روئے مبارک خاکستری رنگ کا دکھائی دیتا ہے۔ وَلَنِعْمَ مَا قِیْلَ ؎

عاشقاں را سہ نشان است اے پسر ٭ روی زرد و آہ سرد و چشم تر

دوسرے پاکباز نے فرمایا ؎

گر کسے پُرسد کہ سہ چیزے دِگر ٭ حسرت و جان کندن ست و درد سر

احیاء علوم الدین میں امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں محبت اور عشق الہٰی کی آگ بہت بڑی ہے اور عاشقوں کا دِل آتش کدہ ہوتا ہے اور عاشقِ صادق ہمیشہ بے قرار رہتا ہے۔

میر سید احمد کرمان کہ اہلِ کشف بود ۔ عشق و درد و سوزِ او را دیدہ و حیر شد است

شیخ کرمان الذی من اہل کشفٍ حینما
عشقہٗ وکربہٗ شاھد اضحیٰ احیرا

ترجمہ : حضرت میر سید احمد کرمانی رحمہ اللہ جو اپنے زمانہ میں مشہور اہلِ کشف میں سے تھے جب آپ نے حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کا عشق و درد اور سوز و گداز دیکھا تو آپ بہت حیران ہوئے کہ اس ملک میں بھی ایسے اہلِ حال اور عشقِ الٰہی کے سرفروش و دلدادہ ہیں کہ جن کی مثال بہت کم ملتی ہے ۔

خلاصۂ شعر :-

حضرت میر سید احمد کرمانیؒ مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کو جب چشمِ عبرت بین سے دیکھا تو حیران ہوئے اور پھر شفقت و خیر خواہی کے طور پر آپ سے فرمایا کہ آپ کا دلِ مبارک عشقِ الٰہی اور سوز و گداز سے بھرا ہوا ہے اور پھر آپ نے تنہائی اور خلوت نشینی اختیار کر رکھی ہے جس سے اور زیادہ آپ کو تکلیف ہوگی لہٰذا آپ جنگلوں اور میدانوں میں پھرا کریں اور لمبی لمبی سانس لیا کریں تاکہ آپ کے قلب و دماغ کو قوت و فرحت پہنچے اور آپ بارِ عشق کے متحمل ہو سکیں گے چنانچہ حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ نے اس نصیحت پر عمل فرمایا اور اسپ سواری فرماتے تھے اور سیر و سیاحت بھی کرتے تھے تاکہ عشقِ الٰہی کا بوجھ کچھ ہلکا سا ہو جائے کیونکہ عشقِ الٰہی کا متحمل ہونا معمولی بات نہیں ہے اس کے شیدا ہی اُس کی قدر جانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ؎

ذرۂ دردم دِہ اے درمانِ من
زانکہ بے دردت بمیرد جانِ من

اے میرے طبیب اپنے عشق و مستی میں سے مجھے ایک ذرہ سے بہرہ مند کر لے
کیونکہ تیرے عشق و معرفت کے بغیر میری جان مُردہ اور بے اعتبار ہے۔

بعض حضرات نے عشق و درد میں فرق کر کے فرمایا :

قُدسیاں را عشق و درد و سوز نیست ٭ درد را جز آدمی درخور نیست

کہ فرشتوں کو نہ عشق ہے نہ گداز۔ گداز کے لائق صرف حضرت انسان ہے۔

التحقیق :

قولہٗ اَھلِ کشف : اس سے مُراد وہ ارباب حال ہیں جو دوسرے لوگوں کے اندرونی حالات پر اپنے قلبی معرفت اور روشن ضمیری کے سبب آگاہ ہونے پر طاقت رکھتے ہیں۔

عربی زبان میں کشف مصدر باب ضرب سے مستعمل ہے چنانچہ کشف کشفًا و کاشفۃً۔ الشیئَ وعنِ الشیئِ۔ ظاہر کرنے اور کھولنے کے معنے میں آتا ہے۔ اسی طرح علماءِ عروض کے نزدیک کشف کسی لفظ سے ساتویں متحرک کو گرا دینے کا نام ہے۔

الاکتشافات : وہ نئی تحقیقات جو امور طبعیہ صناعیہ میں ظاہر ہوں۔

عشق عربی زبان کا لفظ ہے۔ عَشِقَ، عَشِقَہٗ عِشقًا وعَشَقًا ومَعشَقًا بہت محبت کرنا، محبت میں حد سے بڑھ جانا۔ صیغۂ صفت عاشق۔ اس کی جمع عُشّاق آتی ہے۔ مؤنث کے لئے صیغۂ صفت عَاشِقَہ جمع عَوَاشِق آتی ہے۔ عَشِقَ بالشیئِ کسی چیز سے چمٹنا۔ اَلعَشَقَۃ۔ عشق پیچان۔ پیلو کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع عَشَق آتی ہے۔

چونکہ عشق میں افراط و تفریط اور کمی و زیادتی پائی جاتی ہے اسلئے قرآن مجید نے اس لفظ کو خاندانِ الٰہی کے ساتھ پیوست نہیں کیا بلکہ ایسی جگہ والذین آمنوا اشد حبًّا للہ جیسے کلمات استعمال فرمائے۔

قولہٗ کروب۔ کَرِبَ رنج و غم ہونا۔ اَلکرب اس کی جمع کروب اور اَلکُربَۃُ (رنج و غم) اس کی جمع کُرَبٌ آتی ہے۔ الکَرّوبیون و الکرّوبیۃ فرشتوں کے سردار، مقرب فرشتے۔ کرب بصیغۂ فعلِ ماضی فعل مقارب بھی ہے جیسے کَرَبَ یفعلُ وہ کرنے لگا۔ والباقی اظھر مِن اَن یُذکر

چوں زشوقِ حق کشد آہِ جگرسوز از دروں ☆ چشمِ اہلِ کشف را مشہود از آں اخگر شدا ست

وَقتما مِن عشقِ حقّ آہٗ مُحرِقٍ یَرُوہٗ
اَھلُ کشفٍ یشھدُونَ مِنہُ شَیئاً اَجمَرا

ترجمہ:۔ جب آپ (حضرت محبوب العالمؒ) اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت میں اپنے قلبِ مبارک سے آہِ جگر سوز نکالتے ہیں تو اہلِ کشف اور اربابِ شہود اس سے تیز انگارہ مشاہدہ کرتے ہیں۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آپؒ عشقِ الٰہی میں ڈوبے ہوئے اور مستغرق تھے حتیٰ کہ جب آنجناب آہ بھرتے تھے تو اہلِ کشف کو اُس سے انگارہ نظر آتا تھا۔ یہ آپ کے کمالِ درد و کرب، سوز و گداز اور محبوبِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی محبت میں سرشار ہونے کی دلیل ہے۔

اس شعر میں صنعتِ تلمیح ہے کہ آپ کے مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک دن آپ کے مُرید باتخصیص مخدوم علی صوفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب آنجناب سوز و گداز سے بھرا ہوا آہ نکالتے ہیں تو مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ گویا آپ کے دہانِ مبارک سے چنگاریوں کا ایک بھاپ نکلتا ہے۔ حضرت خاکیؒ نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ تم درست کہتے ہو۔ کیونکہ بعض اوقات آپ فرماتے ہیں "سوختم" میں نارِ عشق سے جل گیا ہوں۔ اور کبھی

فرماتے ہیں کہ "جگرم می سوزد" (میرا جگر جل رہا ہے) اور آپ کی یہ حالت اہلِ کشف اور اصحابِ معارف پر ہی منکشف ہو جاتی ہے۔

یہ عشق و محبّتِ الٰہی اور حقیقی دوستی و ولایت کی آخری نشانی ہے جس سے بہت کم لوگ بہرہ مند ہوتے ہیں۔

حضرت عطار رحمہ اللہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی تعریف میں فرماتے ہیں ؎

سرفرو بردی ہمہ شب تا بروز ٭ نیم شب ہوئے بر آمدی بسوز

کہ آپ پوری رات مراقبہ اور ذکر و فکر میں رہتے تھے اور آدھی رات میں ایسی آہ نکالتے تھے جو درد و عشق سے بھری ہوئی ہوتی تھی۔ آگے فرماتے ہیں کہ اُس آہ کی خوشبو اور معنوی اَثر اس قوّت کا تھا کہ چین جیسے اقصائے عالم تک اس کی مہک اور بو پہنچ جاتی تھی جس سے چین گوئے سبقت لے گیا جس پر یہ ثبوت ہے کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تحصیلِ علم کے لئے چین جانے کا حکم فرمایا جیسا کہ کہتے ہیں:۔

زیں سبب گفت آفتابِ شرع و دین ٭ علم باید جست از اینجا تا بہ چین

کہ چین کی مذکورہ خوبی کی بنا پر آپ نے وہاں علم ڈھونڈنے کا حکم فرمایا۔

اس شعر میں حُسنِ تعلیل ہے اور حضراتِ محدّثین اس حُسنِ تعلیل کو کس حد تک قبول کریں گے تو وہ اہلِ علم پر پوشیدہ نہیں مگر حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے مذکورہ واقعہ سے انکار کرنے کی کسی صاحب کو ہمت اور جرأت نہیں ہوسکتی ہے کہ بخاری شریف میں اس کی طرف اشارات و تصریحات ملتے ہیں۔

حضرت خاکی رح اور دوسرے علماءِ اسلام حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے اس آہِ جگر سوز کا واقعہ اس طرح لکھتے ہیں:۔

حضرت سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ رض کی بیوہ سے نکاح کیا۔ جب رات کو

آپ اُن کے کمرہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ پناہ بخدا کہ میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بستر پر لیٹ جاؤں اور میرا مُدّعا اس نکاح سے عیش پرستی اور ہمبستری نہیں ہے بلکہ میں اس نکاح کے ذریعہ آپ سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شبانہ کیا عمل کرتے تھے کیونکہ یہ وہ راز ہے جس کا علم آپکے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔ حضرت صدیق رضؓ کی اس بیوہ نے فرمایا کہ آپ رات کو زیادہ نمازیں نہیں پڑھتے تھے ہاں ذکر و فکر میں رہتے تھے اور آدھی رات ایک ایسی آہ نکالتے تھے کہ جس سے بھُنے ہوئے گوشت کی بو آتی تھی۔ یہ ہے عشق کی حقیقت کہ جس کے دِل میں یہ پیوست ہو جائے تو اس کو عشق پیچاں کی طرح لپٹ کر زرد اور خشک بنا دیتا ہے۔ یہی مطلب ہے اس شعر کا ؎

درد دِل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیۓ کچھ کم نہ تھے کرّو بیاں

یہ مقام بہت کم حضرات کو نصیب ہوتا ہے۔ **هذا عطو مافی الشرح التحقیق**:-

یَئُوهُ: قال فی المنجد آہَ یَئُوهُ اَوهًا و اَوَّهَ و تَاَوَّهَ۔ آہ نکالنا، دردمند ہونا۔ اَلْاَوَّاهُ: بہت آہیں بھرنے والا۔ اس مقام پر یَئُوهُ فعل مضارع کا آخری حرف "ہ" کو ضرورتِ شعری اور رعایتِ وزن کی وجہ سے ساکن کیا گیا۔ وهو مما یجوز فی الشعر کما صرّح به فی مقامه۔ وفی القرآن اِنّ ابراهیم لَاَوّاهٌ حَلِیمٌ۔

قولہ اَجْمَرَ بمعنے تیز چلنے کے آتا ہے۔ اَجْمَرَ بَیْنَ یَدَیْهِ وہ اس کے ساتھ تیز چلا۔ الثوب۔ کپڑے کو دھونی دی۔ النارَ۔ آگ تیار کی۔

یہی آخری معنی اس جگہ مراد ہے اور شیئاً اس کا مفعول مقدم ہے۔ اَلْجَمْرَةُ جَمْرٌ کا واحد ہے۔ انگارہ کو کہتے ہیں اور اَجْمَرَا کے آخر میں الف اشباعی ہے۔

از گلستان ہائے شوق و عشق او گل ہائے وصل
بردمید از نو بہارِ فضل چون اخضر شُداست

مِنْ رِيَاضِ عِشْقِهِ أَزْهَارُ وَصْلٍ أَنْبَتَتْ
ثُمَّ مِنْ فَضْلِ الرَّبِيعِ صَارَ جِدًّا أَخْضَرَا

ترجمہ: آپ کے عشق اور محبتِ الٰہی کے باغ سے قرب و وصل کے پھول اُگ گئے پھر وہ موسم نو بہاری کی مہربانی یعنے ربانی فضل و عنایت سے بہت زیادہ سرسبز و شاداب ہوئے۔

خلاصۂ شعر: واضح رہے کہ فضل سے اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور عنایت مراد ہے اور ربیع سے مجازاً ذاتِ باری تعالیٰ۔ اس قسم کی نسبت کو عام طور پر مجازی نسبت کہا جاتا ہے اس لئے ہم نے جو ترجمہ کیا ہے وہ اسی اصل پر موقوف ہے۔ اور پھر معلوم ہونا چاہیئے کہ بندگانِ الٰہی کو جو اس کا قرب اور مقاماتِ علیہ نصیب ہوتے ہیں اس کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ ایک سبب تو طالبانہ ہوتا ہے کہ بندہ طالب بن کر رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کوشش کرے۔ دوسرا سبب مطلوبانہ ہوتا ہے کہ بندہ دربارِ الٰہی میں مطلوب و محبوب و مقصود ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت کلیم اللہؑ اور حضرت حبیب اللہؐ کے معراج میں فرق ہے کہ اوّلُ الذکر طالب تھے اور ثانی الذکر صلی اللہ علیہ وسلم مطلوبِ محض تھے۔ ظاہر ہے کہ طالب و مطلوب میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔

پس شعر کا حاصل یہ ہے کہ حضرت محبوبُ العالم رحمہ اللہ شروع میں بظاہر

طالب کا درجہ رکھتے تھے لہٰذا تصفیہ اور تزکیۂ باطن میں پوری جد و جہد کی۔ یہاں تک کہ آپ کی ریاضت نے وصل و قرب کے گُل کھلائے اور رفتہ رفتہ اتنے مقبول ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و عنایت نے آپ کا استقبال کیا اور خود رہنمائی فرمائی اور وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کا مقام پُر کرامت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ ہے شرح کا خلاصہ۔

اسی سلسلہ میں حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اس راہ میں فضل والے یعنے ہم راہِ حق میں مطلوب ہیں کہ ہم کو فضل و عنایتِ الٰہی کے دروازے سے داخل کیا گیا لہٰذا ہماری ابتدا و انتہا یکساں ہے اور فرماتے ہیں دوسرے عُرفاء کی انتہا ہماری ابتدائی منزل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا صحیح مطلب وہی ہے جو ہم نے اوپر عرض کیا اور مطلوب و مقصود ہونا اور وصلِ یار سے سرفراز ہونا کوئی معمولی سعادت نہیں جیساکہ کہا گیا ہے۔ ؎

گنجے است وصلِ دوست جہانے است منتظر ؂ ایں کارِ دولت است کنوں تا کرا رسد

محبوبِ حقیقی سے ہمکنار ہونا اور اس کے وصل سے بہرہ مند ہونا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ دنیا اس کے لئے انتظار میں ہے۔ یہ از خود ملتا نہیں بلکہ ربانی فضل و عنایت ہی سے نصیب ہوتا ہے۔

بہرحال متن کے شعر سے حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کے روحانی مدارج اور منازل سمجھ میں آتے ہیں کہ ظاہری طور پر شروع میں طالب، مُرتاض اور مُجاہد تھے آخر الامر مطلوب، مقصود اور محبوبیت کے درجہ پر پہنچ گئے اس لئے آپ کو محبوبُ العالم رحمہ اللہ کہا جاتا ہے۔

التّحقیق :-

قولہ اَنْبَتَتْ : یہ صیغہ واحد مؤنث فعلِ ماضی مثبت معروف از باب افعال ہے۔ یہ لازم اور متعدی دونوں آتا ہے جیساکہ المنجد میں لکھا ہے۔ اَنْبَتَ

المکانُ جگہ نے سبزہ اُگایا۔ اَلبقلُ۔ سبزی نے اُگایا یا اُگ گئی۔ اور اسی طرح مصباح اللغات میں انبتَ البقلُ سبزی کا اُگنا۔ الغلامُ لڑکے کا جوان ہونا لکھا ہے۔ نباتی ماہرِ علمِ نباتات کو کہتے ہیں۔ المَنبات بہت روئیدگی والی زمین۔ قرآنِ کریم میں اَنبات بالعموم متعدی ہی لایا گیا ہے جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرماتے ہیں فتقبلہا ربُّھا بقبولٍ حَسَنٍ وانبتہا نَباتًا حَسَنًا۔

قولہٗ اَلفَضل۔ مصدر بمعنیٰ احسان۔ زیادتی۔ بقیہ۔ کہا جاتا ہے فُلانٌ لا یملکُ دِرْھَمًا فَضْلًا عَن دینارٍ۔ فلاں درہم کا مالک نہیں ہے چہ جائیکہ دینار کا۔ گویا یوں کہا گیا کہ لا یملکُ دِرھمًا فکیف یملکُ دینارًا یعنے وہ درہم کا مالک نہیں تو دینار کا مالک کیسے ہو سکتا ہے اور کہا جاتا ہے فی یدہٖ فَضْلُ الزِمَام اس کے ہاتھ میں لگام کا کنارہ ہے۔ اس کی جمع فضول آتی ہے۔ الفضُول حاجت سے زاید مال۔ فضول البدن جو طبعی طور پر بدن کے مَنافذ سے نکلیں۔ جیسے پسینہ، تھوک (مفتاح)

ہو سکتا ہے کہ شعر میں۔ بجائے فَضل فصل ہو اور اضافت مقلوبی ہے کہ از فصلِ نو بہار اور فصل سال کے چار موسموں میں سے ایک موسم پر بولا جاتا ہے وہ چار موسم یہ ہیں: بہار، گرمی، خریف، سردی۔ عام طور پر فصحاءِ عرب کی تقلید میں فارسی والے چیزوں کی عمدگی کا سبب موسم بہار قرار دیتے تھے مجازاً۔ یعنے موسمِ بہار ہی کو مجازاً فاعل قرار دیتے تھے جیسے انبتَ الربیعُ البقلَ موسمِ بہار نے سبزی کو اُگایا۔

ویمکنُ ان یکونَ اَنبَتَتْ فی شعرِنا متعدِیًا ومفعولہٗ محذوفٌ ای اَنبتَتْ ما انبتَتْ۔ ففیہ من المبالغۃ ما لا یخفیٰ علیٰ مَن لہٗ ذوقٌ سلیمٌ وطبعٌ مستقیمٌ۔ وقد فرغنا من تحقیق بقیۃ الکلمات من قبلُ۔

والاَزھارُ جمعُ زھرۃ کما فی قولہٖ ؎

وَلَن یَفوتَ الغِنیٰ مِنهُ یَدًا تَرِبَت
اِنَّ الحَیَا یُنبِتُ الاَزهارَ فِی الاَکَم

ہم تجلیاتِ ذاتی وصفاتیِ خُدا ٭ حاصلش از رافت وبرّ رؤفؔ برشدا ست

مِن تجلّیاتِ ذاتی ونعوتِ رَبِّنَا
نَالَ رَافۃً وَبرًّا ورُؤفًا مَنظَرًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی تجلّیات ذاتیہ وصفاتیہ کا ظہور اور پرتو آنجناب یعنے محبوب العالمؐ کی ذاتِ مقدسہ اور قلب مبارک پر اس انداز سے پڑا کہ آپ سراپا اور مجسمہ مظہر الٰہی بن کر رافت و رحمت نیکوکار و مہربان عامۂ خلائق کے لئے بن گئے ہیں۔

خلاصۂ شعر:۔ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے نیک بندوں پراپنی ذات مبارکہ کا پرتو ڈالتا ہے اور کبھی اپنی صفات کا اور کبھی اپنی ذات اور صفات دونوں کے پرتو اور تجلّی سے اُن کو سرفراز فرماتا ہے۔

تجلّی ذات سے یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء اور صفات دکھائے بغیر مِن حیثُ ھُوھُو اپنا پرتو کسی پر ڈالے۔ یہ وہ پرتو اور تجلّی ہے جس کی کمیت وکیفیت اور حد و تفصیل کے بیان سے قلم قاصر اور عاجز ہے۔

تجلّی صفات سے یہ مُراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفتوں میں سے کسی ایک صفت یا متعدّد اوقات میں متعدد اور متنوع مَظاہر سے کسی بندہ کو سرفراز فرمائے۔ پھر تجلّی ذات اور تجلّی صفات کے علاحدہ علاحدہ خواص اور آثار مترتب ہوتے ہیں۔ تجلّی ذات وحدتِ محض کے درجہ میں ہوتی ہے اور تجلّی صفات خالص وحدت کے درجہ میں نہیں ہوتی۔ اللہ اللہ زیادہ کرو تو تجلّی ذاتی حاصل ہونے کی امید رکھئے اور یَارَحمٰنُ، یَاتَوّابُ، یَاقَہّارُ کا زیادہ وِرد

کیجئے تو اسی قسم کی تجلئ صفات کے امیدوار رہئے۔ یہ راز اور اُسکی حقیقت اُن لوگوں پر زیادہ عیاں ہے جو اسماء اللہ کے وِرد و وظائف سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ وہ تجلیات جو سالکین اور طالبین راہِ ہدایت پر پڑتی ہیں تین قسم پر ہیں :-

(۱) **تجلیاتِ صُوری** : یہ تمام مخلوقات پر یکساں پڑتی ہیں۔
(۲) **تجلیاتِ ذوقی** : یہ علوم و ذوق و عرفان سے حاصل ہوتی ہیں۔
(۳) ایک خصوصی تجلی جو سالک کو اِنتہائی سلوک پر منکشف ہوتی ہے۔

اصل میں اسماءِ حُسنیٰ میں سے ہر ایک اسم و صِفت کی خاصیت جُداگانہ ہے اور جو شخص جس اسم اور جس صفت کو زیادہ اپنے دل میں منقش کرے اُسی قسم کا اثر اس کے دِل پر پڑتا ہے۔ یہ مستقل بحث ہے جس کو کُبّار اولیاء نے تفصیل سے لکھا ہے۔

تجلی صفاتی کی طرف حدیثِ **رأیتُ ربّی فی احسنِ صُورۃ** (کہ میں نے اپنے پروردگار کو سب سے بہتر صورت میں دیکھا) اشارہ ہے مگر اُسکا مطلب سمجھنا اور ٹھیک طرح سمجھانا ہمارے اِمکان میں نہیں۔

تجلی ذوقی علوم اور ذوق و عرفان سے حاصل ہوتی ہے۔ **صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ** الخ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

تجلی ذاتی آیتِ **فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ** الخ سے ثابت ہے۔ اس سے بہت کم حضرات پورے طور پر فائز ہوتے ہیں۔ پھر اس میں درجات و منازل ہیں۔ بہرحال جب سالک تجلیاتِ الٰہیہ میں سے کسی تجلی سے بہرہ اندوز ہوتا ہے تو اس میں خضوع، عاجزی، نیستی پیدا ہوتی ہے کیونکہ اُس کے سامنے ربّانی جلال و جمال و عظمت و کبریائی ملحوظِ نظر ہوتی ہے۔ وہ دعاوی باللہ کذب و بہتان تراشی، ایذا رسانی، مخدومیت، آقائیت سے نکل کر خالص عبدیت و بندگی اور اِستکانت و نیستی میں سب کچھ پالیتا ہے۔ جیسے

حدیث شریف میں آیا ہے اِذَا تجلّی اللّٰہ بشیئٍ خَضَعَ لَہٗ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز میں اپنی تجلّی اور اپنا پرتَو ڈالتا ہے تو پھر اس میں خضوع، فرمان برداری اور تسلیم و رضا پیدا ہو جاتا ہے۔

شارح رحمۃ اللہ نے اس مقام پر جو حقائق و معارف لکھے ہیں۔ ہمارا قلم اُن کے بیان سے تھرتھراتا ہے۔ ہم نے صرف چند ایک لفظوں میں شارح رحمۃ اللہ کی تحقیقِ اَنیق کی طرف اشارہ کیا ہے اور پھر ہمارا وظیفہ شعر کی تشریح و تفصیل نہیں بلکہ ہمارا مقصد تو شعر کا ترجمہ عربی شعر میں کرنا ہے اور جو کچھ خلاصۂ شعر میں ہم اپنے قلم کو جُنبش دیتے ہیں وہ صرف طوداً للباب و تتمیماً لما ینتظرلہٗ اولوالالباب کے طور پر ہے۔

التحقیق:-

قولہٗ تجلیات: تجلّی کی جمع جس کے اصل معنے اچھی طرح ظاہر ہوتے کے ہے۔ کہا جاتا ہے تجلّی الشیئُ۔ اچھی طرح ظاہر ہوئی۔ المکان مکان پر چڑھا۔ الشیئَ۔ گردن بلند کر کے دیکھا۔

چوں شود نارِ تجلّیات و عشقش شعلہ کش
از مزاح و خندہ تسکین بخش آں آزر شد است

وَقْتَمَا حَرُّ التَّجَلِّیْ فِیْہِ یُبْدِیْ شُعْلَہٗ
فَعَلَی النَّارِ بِبَسْمٍ وَمِزَاحٍ اَنْزَرَا

ترجمہ: جب کہ آپ کے قلبِ مبارک پر تجلیاتِ الٰہی کی آگ اور ربانی عشق و محبت شعلہ مارتی ہے تو اس وقت آپ اضطراب و بے قراری دور کرنے اور اپنے قلبِ مبارک کو سکون و راحت پہنچانے کے لیے خندہ پیشانی اور

ظرافتِ عالیہ سے مدد حاصل کر کے اُس آگ اور گرمیٔ عشق پر قابو پا لیتے ہیں۔

خلاصۂ شعر:

جب حضرت محبوب العالمؒ پر تجلیاتِ ربانی کی گرمی اور خدائی محبت و عشق کی آگ شعلہ فگن اور پَرتو افروز ہوتی ہے تو اُس وقت یک گونہ آپ میں بے قراری و بے آرامی پائی جاتی ہے تو آپ یہ بے قراری دور کرنے اور تجلیاتِ الٰہی جذب کرنے کے لئے ظرافت و خوش طبعی اور مُسکراہٹ و خندہ پیشانی سے کام لیتے ہیں کیونکہ احادیث میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُسکراہٹ و خندہ پیشانی یا ظرافتِ عالیہ اور خوش طبعی کے واقعات ملتے ہیں۔ اُن سے بھی عشق و محبتِ الٰہی پر غالب آنا مقصود تھا تو اسی سنّتِ سنیّہ سے آپ کام لیتے ہیں۔ چنانچہ آنے والے شعر کو اس دعوٰی پر بطورِ سند و دلیل کے پیش کرتے ہیں۔ اور واضح رہے کہ ظرافت و خوش طبعی اُسی وقت تک محمود و مسنون ہے جو خلافِ واقعہ نہ ہو اور اس سے مقصد قریب قریب وہی ہو جو شعر میں مذکور ہے یعنی اپنا یا دوسرے کا غم و اندوہ اور اضطراب و پریشانی دور کرنا۔ والامرُ اوضحُ مِن اَن یُوضحَ۔

التّحقیق:

فعلی النّارِ۔ قلتُ مضافٌ الیہا محذوفٌ ای فعلی نارِ العِشق ومثلہٗ کثیرٌ فی کلامِ الفُصحاءِ والبُلغاءِ ولاسیما فی کتابٍ مُبین وَاسْئَلِ القَرْیَۃَ ای اھلَ القریۃِ۔

قولہٗ بِبَسَمٍ۔ الباءُ الاوّلُ حرفُ الجرّ للالصاقِ وَھُوَمِن بَسَمَ (ض)، بَسْمًا و تَبَسَّمَ وَابْتَسَمَ بمعنے مُسکرایا وھو المرادُ مِن المتن مِن کلمۃِ خندہ اَلْبَسَّامُ و المِبْسَامُ بہت مُسکرانے والا۔

قولہٗ مِزاح۔ قال فی المُنجد مَزَحَ (ف) مَزحًا مذاق کرنا۔ مخول کرنا۔ مَزَحَ السُّنْبُلُ او العِنَبُ بالی یا انگور کا رنگ پکڑنا۔ مَازَحَہٗ

مُمَازَحَةً ۔ خوش طبعی کرنا ۔ تَمَازَحَا، باہم ہنسی کرنا ۔ تَمَزَّحَ بِهٖ ، فخر کرنا
شعر کا ترجمہ عربی میں بطریقِ لف و نشر غیر مُرتّب ہے ۔ یعنے متن میں پہلے مزاح
اور پھر خندہ کے الفاظ آئے ہیں ۔ عربی میں اس کا عکس ہے ۔

قولہٗ ' اٰزَرَ ' ۔ از باب مُفاعلہ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی مثبت معروف
ہے ۔ وفی المفتاح ' اٰزرَہٗ مُؤَازَرَۃً ' مدد دینا، غم خواری کرنا ۔ اٰزَرَ فُلَانًا ۔
قوی کرنا ۔ اَلْاَزْرُ : قوت ، پیٹھ ۔ کہا جاتا ہے شَدَّ بِهٖ اَزْرَہٗ اُس کو اُس کے
ذریعہ قوت حاصل ہوئی ۔ قرآنِ کریم میں ہے اُشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ یعنی ہارون
علیہ السلام کے ذریعہ مجھے قوت دیدے ۔ الالفُ فیہِ للاشباع ۔

جمعُ النَّار نیران ۔ قال البوصیری رحمہُ اللہ ؎

كَاَنَّ بِالنَّارِ مَا بِالْمَاءِ مِنْ بَلَلٍ
حُزْنًا وَبِالْمَاءِ مَا بِالنَّارِ مِنْ ضَرَمِ

فان قیل فی ھٰذا الشعر کیف یوجدُ مع النّار ما ھو ضِدٌّ ھا او بالعکس
قُلنا اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ قادرٌ علیٰ کُلِّ شیئٍ وکُلٌّ من الحیوان والنباتا
والجماد تحت قدرتہٖ ومشیّتہٖ وحکمہٖ کما قال الشیخ العارف الرومی
فی المثنوی المعنوی ؎

خاک و آب باد و آتش بندہ اند ٭ با من و تو مُردہ و با حق زندہ اند

كَلِّمِيْنِيْ يَا حُمَيْرَا سوی بی بی عائشہ رضؓ
درچنیں حالات وارد زاں ز فقر افخر شد است
كَلِّمِيْنِيْ يَا حُمَيْرَاءُ لِمِثْلِهٖ يَقُوْلُ
بِنْتَ صِدِّيْقِ النَّبِیِّ بِالْفَقْرِ جِدًّا اَفْخَرَا

ترجمہ : اسی قسم کے حالات وکیفیات اور واردات عالیہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم صدیقہؓ بنتِ صدیق رضؓ کو محبت اور پیار سے فرماتے تھے کہ اے صدیقِ اکبرؓ کی بیٹی، اے گلاب نما رنگ والی! کوئی دِل بہلانے والی بات تو کہو اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبۂ عالیہ کے کیا کہنے کہ آپ فرماتے تھے کہ فقرِ اختیاری اور مسکنتِ اختیاریہ میرا سرمایۂ افتخار ہے اور پھر اس قول کو اپنے مبارک عمل سے واقعاتی رنگ میں دِکھاتے تھے جس کی مِثال پیش کرنے سے دُنیا دنگ رہ گئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

خلاصۂ شعریہ ہے کہ حضرت محبوبُ العالمؒ اپنے تمام روحانی مدارج اور واردات و تطوّرات میں بہت زیادہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مُتّبع اور پیرو ہیں کہ جس طرح آپ واردات و کیفیات میں گاہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرماتے تھے اَرِحْنَا یَا بِلَال کہ اے بلال! اذان کہہ کر ہمارے دل کو راحت پہنچاؤ، کبھی ظرافتِ عالیہ سے کام لیتے تھے اور کبھی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف مخاطب ہو کر خوش کُن کلام فرمانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ یہی حال اپنی شان اور طاقت کے مُطابق حضرت محبوب العالم اور دوسرے اولیاء اللہ رحمہم اللہ کا ہے کہ وہ عالمِ اِستغراق سے واپس آنے اور خلق اللہ کی رہنمائی کے لئے یہ تدابیر اختیار فرماتے تھے۔ جیسا کہ رازدانِ طریقت اور واقفِ معانی شریعت حضرت عطار رحمۃ اللہ تعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رقمطراز ہیں ؎

چوں دلش بے خود شدے در بحرِ راز ٭ جوشِ او میلے برفتی در نماز

چوں دلِ او بود دریائے شگرف ٭ جوشِ بسیارے دریائے ژرف

در شدن گفتی اَرِحْنَا یَا بِلَال ٭ تا بروں آیم ازیں ضیقِ محال

باز در باز آمدن آشفتہ او ٭ کَلِّمِیْنِیْ یَا حُمَیْرَا گفتہ او

ترجمہ اشعار ؎

جب آپ کا مقدّس دلِ مبارک رازہائے سربستہ میں مستغرق ہو جاتا تو آپ

نماز شروع فرماتے، چونکہ آپ کا قلبِ اطہر ایسا گہرا دریا تھا جس کی انتہا بالکل نہ تھی اس لئے وہ اُسی کے مُطابق موجیں بھی زیادہ مارتا تھا کیونکہ حصہ بقدرِ جُثّہ مُسلّم ہے، لہٰذا آپ ایسے مواقع پر حضرت بلال رضؓ کو فرماتے تھے کہ اذان کہہ کر ہمارے دِل کو تسکین دے۔ کہ قُرّۃُ عینی فی الصلوٰۃ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اس سے طبعی گرانی اور بدنی تھکاوٹ دور ہوگی۔ پھر عالمِ لاہوت سے عالمِ ناسوت میں آنے کے لئے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کلّمینی یاحُمیراءُ فرماتے تھے صلے اللہ علیہ وسلم۔

اسی طرح حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

این تکلّف ہائے مَن در شعرِ مَن ٭ کلّمینی یاحُمیرائے مَن است

کہ جس طرح ربانی تجلیات سے بوایسی پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم "اے سرخ رو عورت باتیں کر" فرماتے تھے اسی طرح میں بھی جوشِ تجلّی دبانے کے لئے شاعرانہ روش اختیار کرتا ہوں اور اگر اہل اللہ ایک ہی حال پر رہتے تو ہزارہا خطرات پیش آنے کا اِمکان تھا مگر ہمارے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اپنی اُمت کے عُرفاء کے لئے اس کا علاج اور مداوا کر رکھا تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

التحقیق:

حُمیرا: یہ اصل میں حُمیراءُ ہے۔ حَمراء کی تصغیر اور حَمراءُ اَحمرُ کا مؤنث ہے اور فارسی والوں نے عام طور پر اس لفظ میں یہ تصرّف کیا ہے کہ اس کے آخر سے ہمزہ کو ہٹایا ہے۔ لہٰذا ہم نے اس لفظ کو اپنی اصلی صورت میں پیش کیا اور وزن بھی باقی رکھا۔ فَالحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلمین۔

واضح رہے کہ تصغیر ہمیشہ تحقیر کے لئے نہیں بلکہ کبھی محبت و احترام

کے لئے بھی آتی ہے۔ یہاں پر آخری صورت مُراد ہے۔
ضرورتِ شعری کی وجہ سے یقول کا آخری حرف ساکن بنایا گیا۔
یقول کا فاعل النبیؐ ہے اور بِنتَ صدّیق اس کا مفعول مقدم ہے اور بالفقر افخرو سے متعلق ہے اور اس کا الف اشباعی ہے۔ قولہٗ اَفخَرَ قال فی المفتاح وغیرہ فَخَرَ (ن) فَخرًا وفَخَرًا و اَفخَرَہٗ علیٰ فلانٍ فخر کرنے میں فضیلت دینا۔ فَاخَرَہٗ فِخارًا ومُفاخَرَۃً فخر کرنے میں غالب ہونا۔ اَلفَاخِرُ ہر چیز میں عمدہ۔ اَلفَخَّارِی: ٹھیکری بیچنے والا یعنے کمہار۔

از فقیرانِ حقیقی زیں جہت ضحک و مزاح
ہست تسبیح و عبادت قولِ آنسرورِ رشد است

اِنَّ ضِحکًا و مِزَاحًا مِنْ فَقِیرٍ کَامِلٍ
صَارَ تَسبِیحًا وَطَوَّسًا اَلنَّبِیُّ بِہٖ بَشَرًا

ترجمہ: حقیقی فقیروں (عارفین کاملین) کی اس قسم کی مُسکراہٹ و ظرافت بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشاد کے مُطابق تسبیح و عبادتِ الٰہی سے کچھ کم نہیں بلکہ بہت بڑی عبادت و ذکرِ الٰہی ہے۔

خلاصہ:

فقراءِ کاملین اور باخدا حضرات کا ہنسنا، مُسکرانا اور گاہے گاہے معتدل اور صحیح ظرافت آمیز کلام کرنا بھی تسبیح و عبادت اور تسلیم و فرمانبرداری میں داخل ہے کیونکہ ان حضرات کے مسکرانے اور ظرافت آمیز کلام کرنے میں نفسانی لذت کا حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ وہ محض ایک حال سے دوسرے حال کی طرف یا ایک کیفیت سے دوسری

کیفیت کی طرف رجوع کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ اس سے ربانی منشا اور مقصد پورا کرنا ہوتا ہے اور پھر جو چیز حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ فعلی یا قولی سے ثابت ہو خواہ وہ ظرافت و خوش طبعی کی صورت ہو یا وہ مزاح و مسکراہٹ کے متشابہ ہو وہ ہزار عبادتوں سے بہتر ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

یا اباذرّ الفُقراءُ ضِحکھُم عبادۃٌ و مزاحھُم تسبیحٌ و نومُھُم صَدَقَۃٌ ینظرُ اللہُ الیھم کلَّ یومٍ ثلٰثَ مرّاتٍ

کہ اے ابو ذر! حقیقی فقیروں کی ہنسی مذاق بھی عبادت میں داخل ہے ان کی خوش طبعی و ظرافت تسبیح اور یادِ خدا ہے اور اُن کا آرام اور سونا بھی خیرات سے کمتر اور کہتر نہیں اللہ تعالیٰ ان حضرات کی طرف ہر دن تین بار رحمت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔

سچی ظرافت و خوش طبعی پر خدا تعالیٰ مُواخذہ نہیں فرمائے گا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللہَ لا یُواخِذُ المزاحَ الصّادقَ فی مِزاحِہٖ کہ اللہ تعالیٰ سچے مزاح کرنے والے اور واقعاتی رنگ کے ظرافت نگار کی گرفت نہیں فرمائے گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممازحت کرنے میں عجیب و غریب فائدے ہیں۔ کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ آپ کی ظرافتِ عالیہ سے خوش خلقی، مساوات و برابری محبت و اخوت، بھائی چارہ اور نرمی مترشح ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے صحابۂ کرام رضؓ آپؐ کے جاں نثار اور گرویدہ ہو جاتے تھے۔

آپؐ کی حقیقی ظرافتِ عالیہ کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے:

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا یعنے آپؐ کی پھوپھی بڑھاپے میں آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا میرے

لئے دُعا فرمائیے کہ مجھے جنت نصیب ہو۔ آپؐ نے فرمایا بُڑھیا قسم کی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہونگی۔ حضرت صفیہ رضؓ اس پر رونے لگیں تب آپؐ نے فرمایا کہ تم کو مطلب سمجھ میں نہیں آیا، میرا مقصد یہ ہے کہ جنت میں پہنچکر سب بوڑھے اور بوڑھی عورتیں جوان ہو جائینگی اور استشہاد کے طور پر یہ آیت پڑھی:

اِنَّا اَنْشَأْنَاهُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ اَبْكَارًا (ہم نے ان عورتوں کی خلقت میں جدت پیدا کی اور اُنہیں کنواریاں بنا دیا۔ (یعنی قیامت کے دن)

التحقیق:-

فقیروں سے وہ حقیقی فقیر مُراد ہیں جو دُنیا سے بے رغبت اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی ہوں اور عصرِ حاضر میں جو لوگ فقر و مستی کا دعویٰ کرکے سُنت کی مخالفت اور دینی احکام کی بجا آوری سے بے پروا ہو جاتے ہیں، وہ فقیر نہیں بلکہ زندیق ہیں اور ان کے پیرو تعذیر اور زجر و توبیخ کے مستحق ہیں اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔

قولہٗ اِنَّ ضِحْكًا۔ ضَحِكَ (س) ضَحْكًا وَضِحْكًا وَضَحِكًا ہنسنا۔ ضَحِكَتِ الْاَرْضُ عَنِ النَّبَاتِ زمین نے نباتات اُگائے۔ اِصطلاحِ فقہاءِ اسلام میں تبسم، ضحک اور قہقہہ میں فرق ہے اور احکام بھی اُن کے جُداگانہ ہیں۔ مختصر یہ کہ اس طرح مُسکرانا کہ اُس کی آواز نہ خود سُنے اور نہ دوسرا سُنے تبسّم کہلاتا ہے اور اس طرح مُسکرانا کہ اپنے ہنسنے کی آواز خود سُنے اور آس پاس کے لوگ نہ سُنیں ضِحک کہلاتا ہے اور اس طرح ہنسے کہ خود بھی اس کی آواز سُنے اور آس پاس والے بھی قہقہہ کہلاتا ہے۔ نماز میں مُسکرانے اور تبسّم کرنے سے وضو اور نماز پر کوئی مخالف اثر نہیں پڑتا اور ضحک سے صرف نماز ٹوٹ جاتی ہے اور نماز میں قہقہہ کرنے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور

نماز بھی جاتی رہتی ہے بشرطیکہ وہ نماز جس میں یہ واقعہ پیش آئے رکوع والی اور سجدہ والی ہو۔ احادیث سے یہی حکم ثابت ہے۔

قولہ طوعًا۔ قال فی المنجد طاع یطوع ۔یطاع طوعًا۔ لفلانٍ۔ تابعداری کرنا، فرمانبرداری کرنا۔ صفت طائع، جمع طُوَّع وطائعون۔ طاع لہ المتع۔ اس کے لئے چراگاہ وسیع ہوئی۔ طَوَّعَہٗ تابعدار بنانا۔ اَطاعَہٗ اِطاعۃً وطاعۃً فرمانبرداری کرنا۔

بہر حال عبادت کا ترجمہ کرنا طوّع کے ساتھ ترجمہ بلازم الشیٔ ہے۔ کمالا یخفی علی من یتفکر فی قول اللہ عز وجل "واطیعوا اللہ ورسولہ" فمطیعہ عابد لہ اور صار کا مرجع ضمیر واحد مذکر غائب بتاویل مذکور راجع بجانب ضحک و مزاح ہے۔ وھو عندھم مشھور۔

ظاہرا جہال پندارند شاں را اغنیاء
ہم بایں عنوان بقرآں وصف ایں معشر شد است

یحسبھم الجاھلون اغنیاء
فی کتاب اللہ سیماھم بھذا عبرا

ترجمہ: ایسے خدا رسیدہ فقیروں کو اُن کے حال سے بے خبر لوگ دولتمند اور مالدار گمان کرتے ہیں جیساکہ قرآن کریم میں بھی اسی عفاف و غنا سے ان کا حال بیان کیا گیا ہے۔

خلاصہ شعر یہ ہے کہ حضرت خاکی رحمہ اللہ نے سابقہ ایک شعر میں فرمایا تھا کہ جب آنجناب پر تجلیاتِ الٰہی کا غلبہ ہو جاتا ہے اور عشق ربانی کی حرارت و گرمی آپ کے قلب مبارک پر غالب آجاتی ہے تو اس وقت آپ حرارت و گرمی کو فرو کرنے کے لئے خندہ و مزاح سے کام لیتے ہیں اور پھر

خندہ و مزاح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قرار دیکر فرماتے ہیں فقرارِ کاملین اور عرفارِ بالغین کا خندہ و مزاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تسبیح و عبادت میں داخل ہے کیونکہ ان حضرات کو اس قسم کی مسکراہٹ اور ظرافتِ عالیہ سے سکونِ قلبی حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ غلبۂ حال میں ان کے اسرار و معارف پر عوام واقف نہ ہو جائیں اس کی پوری بحث تاویلاتِ نجمیہ میں ملیں گی. میں نے سورۂ نور کی تفسیر قسط ۲۴ میں اجمالاً اس کا ذکر کیا ہے. اسی لفظ فقرار کی مناسبت سے شارح رحمہ اللہ فقرارِ حقیقی کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ایک علامت و نشانی فرماتے ہیں کہ حقیقی فقیر تو وہ ہے کہ جسے حاجت و ضرورت بھی ہو مگر پھر بھی ہر کس و ناکس کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتا. اپنی عبادت فروخت نہیں کرتا، اپنا قیمتی وعظ چند ٹکوں میں بیچتا نہیں، بلکہ ظاہری ضرورتیں اور حاجتیں ہونے کے باوجود سوال و گداگری نہیں کرتا بلکہ عفیف و پارسا صفت رہنے کی وجہ سے عوام و بے خبر لوگ ان کو مالدار سمجھتے ہیں. اور شرح میں فرماتے ہیں کہ بحمد اللہ حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ تعفف اور پارسا صفت ہیں کسی انسان کے سامنے اپنی ظاہری ضرورتیں اور حاجتیں پیش نہیں کرتے بلکہ آپ خدا تعالیٰ پر پورا بھروسہ اور اعتماد رکھتے ہیں. مزید فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں بھی فقرارِ حقیقی کی عفت کی صفت بیان کی گئی ہے جیساکہ ارشادِ ربانی ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ

ترجمہ: خیرات و مبرات اور صدقات و احسانات کے حقدار وہ نیکوکار

مسلمان ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ یا مولائے کریم کی عبادت و بندگی میں روکے گئے اور ان کو جہاد و عبادت کے علاوہ کسی اور دنیوی کام کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ زمین پر چلنے پھرنے اور تجارت و کاروبار کی طاقت نہیں رکھتے۔ مسکنت و حاجتمند ہونے کے باوجود ان کے حال سے بے خبر لوگ اُن کے سوال اور بھیک نہ مانگنے کی وجہ سے ان کو مالدار اور دولتمند گمان کرتے ہیں۔ اس شعر میں ضمناً یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اس آیت کا مطلب اور ظاہری و باطنی غنا سامنے رکھ کر آپ حقیقی فقیروں کی فہرست میں شامل ہیں۔ اسی سے اس شعر کی اپنے ماقبل شعر سے مناسبت واضح ہوگئی کہ مثل مشہور ہے اَلشَّیْئُ یُذْکَرُ بِالشَّیْئِ۔ اسی بنا پر حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے ذخیرۂ شریف میں فرمایا کہ اس قسم کے فُقرائے کاملین، ذاکرین اور دینی خدمت کرنے والوں پر ایک درہم صَرف کرنا ایک لاکھ روپیہ کے صدقہ کرنے سے بہتر اور زیادہ ثواب کا موجب ہے جو بد دیانت بھکاریوں پر صَرف کیا جائے جو اس زمانہ میں آپ کے سامنے مختلف روپوں میں نظر آتے ہیں۔ ہائے افسوس کہ جس زکوٰۃ کو اسلام نے مِسکینوں، محتاجوں کے لئے اور دینی و مِلّی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے فرض قرار دیا تھا آج مالدار وہ زکوٰۃ ان لوگوں پر صَرف کر رہے ہیں جو اس زکوٰۃ کی رقم سے اونچے اونچے بالاخانے بنا کر اسلام کے اصل مقصد ہی کو غارت کرتے ہیں اور دینے اور لینے والے ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا کے مِصداق بن جاتے ہیں۔ ہاں علمائے ربانیین اور اولیائے الرحمٰن کسی شخص کے پاس دستِ سوال دراز نہیں کرتے بلکہ وہ فقرِ اختیاری اختیار کرکے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ سنیہ پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان ہی باخدا حضرات میں سے محبوبُ العالم

قدس سرہٗ بھی اپنے زمانے اور اپنے ملک میں سرفہرست تھے اور آپ کے سامنے علامۂ بوصیری رحمہ اللہ کا یہ شعر ہر وقت پیشِ نظر رہتا تھا۔

وَشَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَائَہٗ وَطَوٰی
تَحْتَ الْحِجَارَۃِ کَشْحًا مُتْرَفَ الْاَدَمِ

بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ اب عوام و خواص مسلمان اور خاصکر مذہبی طبقہ کو اپنے افعال و حرکات پر پھر سے غور کرنا ہوگا۔ اگر واقعی انہیں اسلام سے کوئی ہمدردی ہے میرا مطلب یہ ہے کہ اب اسلامی قیادت ان لوگوں کے ہاتھوں میں آنی چاہیئے کہ جو فقرِ اختیاری اختیار کرکے اپنے شکموں پر پتھر باندھیں اور بجای اخذ کے اعطاء کی عادت ڈالیں۔ بھلا یہ بھی کوئی دینداری ہے کہ غریب اور نادار مسلمانوں سے مختلف طریقوں سے استحصالِ زر کیا جائے۔ یہ دین میں پسندیدہ اور محمود طریقہ نہیں نہ ہی اس طریقہ سے ہم حضرت سلطانُ العارفین رح کے سچے مُرید اور معتقد کہلانے کے حقدار ہیں۔ چاہیئے کہ ہم اپنے میں عفاف، خودداری اور غِنا و تونگری کی صورت اختیار کرلیں۔

افسوس ہے کہ بعض لوگ بزرگوں سے فرضی، مصنوعی اور منقطع نسبتیں کرکے بے خبروں سے استحصالِ زر کرکے اس سے اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں کہ ماشاء اللہ ان کی صاحبزادیوں کو دیکھ کر ایک دیندار کی گردن مارے شرم کے جُھک جاتی ہے۔ وہ ایسے بلند و بالا دعوٰی کرنے والے "تہی بے مَلہ نہ رہزن کم؟" کے پورے مصداق ہیں۔

التّحقیق:-

بِعِفَافِہِمْ: قال فی المُنجد۔ عَفَّ (ض) عَفًّا وعِفَّۃً وعَفَافًا وَعَفَافَۃً و تَعَفَّفَ: حرام یا غیر مستحسن کام سے رُکنا، پاکدامن ہونا صفت عَفِیْفٌ وَعِفَّۃٌ و اَعِفَّۃٌ: جمع اَعِفَّاءُ و عِفُوْنَ۔ صفت

مؤنث عَفِیْفَۃٌ وعِفَّۃٌ۔ ج عفیفاتٌ وعفائِفُ وعِفَّاتٌ۔
عَفَّ عَنْ کَذَا باز رہنا۔ تَعَفَّفَ بتکلف پاکدامن بننا۔ تھن کے بقیہ دودھ کو پینا۔

قولہٗ یَظُنُّ۔ ظَنَّ (ن) ظَنًّا۔ الشَّیْئَ جاننا، یقین کرنا۔ ظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ۔ انہوں نے یقین سے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کہیں پناہ نہیں مگر اُسی کے پاس۔ اور گمان کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے ظَنَنْتُ زَیْدًا صَاحِبَکَ میں نے زید کو تمہارا ساتھی گمان کیا۔ بالعموم دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ یہاں پر مفعول (ھُمْ) ضمیر جمع مذکر غایب محذوف ہے ای یَظُنُّھُمُ الْجَاھِلُوْنَ۔ الجاھلون جمع جاھل فی حالۃ الرّفع وتارۃً یکون فی حالۃ النصب کما قال ؎

اَلَا لَا یَجْھَلَنْ اَحَدٌ عَلَیْنَا ۞ فَنَجْھَلَ فَوْقَ جَھْلِ الْجَاھِلِیْنَا

قولہٗ اَغْنِیَاءِ یہ غنی کی جمع ہے۔ دولتمند، مالدار، مکتفی۔ الغانیۃ مؤنثِ غانی۔ حُسن و جمال کی وجہ سے زینت و آرائش سے بے نیاز۔ شادی شدہ عورت۔ جمع غانیات و غوانٍ۔ لاغِنیَ عنہ ضروری ہے۔ اس سے چارہ نہیں۔ اَلْغِنَاءُ مِنَ الصَّوْتِ گیت، سُر، راگ۔

قولہٗ عُنوان۔ عنوانُ الکتابِ وعِنوانُہٗ عُنیانُہٗ وعِنیانُہٗ کتاب کا دیباچہ۔ عُنوانُ کُلِّ شیئٍ جس کے ظاہر سے باطن کا حال معلوم ہو کہتے ہیں۔ اَلظَّاھِرُ عُنوانُ الْبَاطِنِ ظاہر باطن کا آئینہ ہوتا ہے۔ عَنیٰ یَعْنِیْ عَنْیًا الامرُ بفلانٍ واقع ہونا نازل ہونا۔

قولہٗ معشر، جماعت۔ ج۔ مَعَاشِر۔ عُشَاری، دس گز لمبا۔ غُلامٌ عُشَارِیٌّ دس سال کا لڑکا۔ مؤنث کے لئے عُشَارِیَۃٌ آتا ہے۔ یعنی دس سال کی لڑکی۔ عَشَرَ (ض) عَشْرًا۔ دس میں سے ایک لیا۔

قولہٗ سِیْمَاھُمْ۔ اَلسِّیْمَۃُ، اَلسُّوْمَۃُ و السِّیْمَاءُ۔ و السِّیْمیٰ نشان، علامت، شکل اور ہیئت۔ کہتے ہیں فِیْہِ سُوْمَۃُ الصَّلاح وَ سِیْمَتُہٗ اُس میں صلاحیت کی علامت ہے۔ اَلسَّائِمُ: خودسری چلنے والا چرواہا۔ وَلاسِیَّمَا خاص کر۔ امرأ القیس کہتا ہے ؎

اَلَا رُبَّ یَوْمٍ کَانَ مِنْھُنَّ صَالِحٍ
وَلَاسِیَّمَا یَوْمٌ بِدَارَۃِ جُلْجُلٖ

قولہٗ عُبِّرَ۔ عَبَّرَ الرُّؤیا. خواب کی تعبیر بیان کرنا۔ عَمَّا فِی نَفْسِہٖ: دِل کی بات ظاہر کرنا۔ عَنْ کَذَا: اُس کے بارے میں کہنا. عَبِرَ (ن) عَبْرًا: غم زدہ ہونا، آنسو بہانا۔ عَبَّرَ الکِتَابَ خاموش مطالعہ کرنا۔ الالف للاشباع۔

محضِ خیر است ایں گروہ از بہرِ خیر و شر ولے
خصمِ این مَعشر برای خویشتن مَعْ شَرِّ شد است

خَیْرٌ مَحْضٌ ھٰؤُلَاءِ لِلْاَخِلّا وَالْعِدیٰ
خَصْمُ ھٰذَا الْمَعْشَرِ مَعَ شَرِّ نَفْسٍ سَایِرًا

ترجمہ: ایسے ہی خدا رسیدہ بزرگ تمام نیکوں اور بُرے لوگوں کے لئے خیر و شر کے مَواقع میں خالص خیر و برکت اور سرتاپا رحمت ہیں. اور اس پاک اور پارسا گروہ کے دشمن اپنے لئے شر و قباحت کا سامان ساتھ لئے پھرتے ہیں. معاذ اللہ من ذٰلک۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ فقراء کاملین یعنے دوستانِ خدا دوستوں، دشمنوں، اپنوں اور بیگانوں کے لئے خالص خیر و برکت ہیں کیونکہ یہ حضرات اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کو سونپتے ہیں اور ہر وقت اور ہر

حال میں صرف حضرتِ حق پر بھروسہ کرتے ہوئے حسبنا اللہ لِمَنْ بغیٰ علینا، حَسْبُنَا اللّٰہُ لِمَنْ حَسَدَ نَا، حَسْبُنَا اللّٰہُ لِمَنْ کادنا بالسُّوْءِ
اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے کافی ہے جو ہمارے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے اُن لوگوں کے خلاف جو ہمارے زوالِ نعمت کے درپے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے ان لوگوں کے لئے جو ہمارے خلاف خُفیہ تدبیریں کرتے ہیں۔

عارفین اور باخدا لوگ اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھتے ہیں اُنہیں اپنے دوستوں اور دشمنوں سے غرض نہیں ہوتی بلکہ اُن کا اصلی مقصد ربّ السّماوات کی رضامندی حاصل کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں اس لئے ان کے دشمن ہمیشہ ناکام اور ذلیل ہوئے۔ چنانچہ حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ اپنے زمانہ کے ایک دشمن شبیر علی کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ مجھ سے دشمنی کرنے لگا حتّٰی کہ میرے قتل کا درپے بھی رہا۔ مجھے انسانی فطرت کے تقاضا کے مُطابق اُس کا تردُّد اور خطرہ نظر آیا تو خواب میں اپنے پیر روشن ضمیر حضرت سیّد جمالُ الدین بُخاری نے جلوہ گر ہوکر یہ دو شعر پڑھے اور میں نے خواب میں ہی یہ دو شعر پڑھے اور میں نے خواب میں ہی یہ دو شعر آپ کی زبان ولایت ترجمان سے یاد کیے۔ وہ دو شعر یہ ہیں:۔

چراغے راکہ ایزد برفروزد ٭ ہرانکہ تُف زند ریشش بسوزد
ہرآنکس کہتر کہ با مہتر ستیزد ٭ چناں اُفتد کہ ہرگز بر نخیزد

ترجمہ: جس چراغ کو حضرتِ حق خود روشن فرمائے گا جو اُسے بُجھانے کی کوشش کرے گا اُسکی داڑھی جل جائے گی اور اُس کی عزت خاک میں مِل جائے گی۔ اور جو شخص کہ [illegible] نے کے باوجود بڑے لوگوں اور باخدا انسانوں کے ساتھ جنگ [illegible] جدال اور کج بحثی کریگا اس کو اللہ تعالیٰ

اس طرح زور سے گرائے گا کہ پھر اس کے لئے دوبارہ اُٹھنا ناممکن ہو جائے گا۔

اور فرماتے ہیں کہ بعد میں ایسا ہی ہُوا کہ حاکم وقت نے ایک جُرم میں اس کو گرفتار کیا اور پھر میرزا علی مرحوم کے آدمیوں نے اُسے صفحۂ ہستی سے نابود کیا۔

اسی لئے احادیث میں آیا ہے کہ با خُدا حضرات کی محبت کرنا پیغمبروں کے اخلاق میں داخل ہے اور اُن سے بُغض و عداوت رکھنا فرعونوں کی عادت اور خصلت ہے۔

التحقیق: قولہ خَصم دشمن۔ خَصَمَہٗ (ض) خَصمًا جھگڑے میں غالب آنا۔ اَخصَمَہٗ: دلیل سمجھانا۔ کسی کے خلاف دلیل مہیا کرنا۔ اَلخصم۔ مصدر مخالفت۔ جھگڑا کرنے والا۔ تثنیہ، جمع اور مؤنث کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ھُما و ھُمْ و ھِیَ خصمی اُس کی جمع خصوم، خِصام و اَخصَام آتی ہے۔ الخصیم جھگڑنے والا۔ اُس کی جمع اَخصَام، خُصَمَاءُ اور خُصْمَان آتی ہے۔

قولہٗ اَلْاَخِلَّاءُ: خلیل کی جمع۔ دوست کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اَخِلَّاء اور خُلَّان آتی ہے۔ خلیل لاغر بدن والے کو بھی کہتے ہیں۔ مؤنث کے لئے خَلِیْلَۃ" جمع خَلِیلَاتٌ اور خلائل آتی ہے۔ اَلخَلَّال سرکہ فروش سرکہ بنانے والا۔ اَلْاَخَلُّ محتاج، دوسرے سے زیادہ محتاج۔

قولہٗ العِدٰی والعَدٰی دور ہونے والے مُسافرین۔ وادی کا کنارہ عَدَا یَعْدُوْ عُدْوَان سے مشتق ہے وجمع العدو ایضًا کمافی قولہ ؎

سَاءَتْ قلوبَ العِدٰی اَنباءُ بعثتِہٖ
کنبأۃ اغفلت غُفْلاً عَلٰی غَنَمٍ

قولہٗ سَاٰیِرَ۔ وفی المفتاح سایَرَہٗ ساتھ چلنا۔ یہ اصل میں سَارَ

(ض) سَیْرًا و تسیارًا و مسیرًا و مسیرۃً و سیرورۃً سے نکلا ہے جس کا معنی جانا، ساتھ چلنا، سفر کرنا۔ ومنہ ما قال العلامۃ البوصیری رحؒ

مِثْلُ الْغَمَامَۃِ اَنّٰی سَارَ سَائِرَۃً
تَقِیْہِ حَرَّ وَطِیْسٍ لِلْھَجِیْرِ حَمِی

۔ و بہٖ چلانا۔ الدّابۃ جانور پر سوار ہونا۔ مَعْشَرٌ گروہ، جماعت، جمع مَعَاشِر۔ وقال الشّاعر

یَا مَعْشَرَ الْعُشَّاقِ لِلّٰہِ خَبِّرُوْا
اِذَا حَلَّ عِشْقٌ لِلْفَتٰی کَیْفَ یَصْنَعُ

مَعْشَرٌ اور مَعَ شَرٍ میں صنعتِ تجنیسِ خطی ہے اور اَخِلاّ اور عِدیٰ میں صنعتِ تضاد ہے۔

مختصر یہ کہ آدمی کی شقاوت و بدبختی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ آدمی اللہ والوں اور باخدا انسانوں کے خلاف ہو جائے اور انکی مخالفت میں جان توڑ کوشش کرے جیسا کہ عصرِ حاضر کے بہت سے اہلِ قلم اکابر اُمت اور سلفِ صالحین کے خلاف ہر جگہ صف بستہ کمر ہمت باندھ کر نظر آتے ہیں جیسا کہ حال ہی میں "توحیدِ خالص" ایک کتاب نام نہاد ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کی ہے۔ جسے ادارۂ توحید محلہ شیخان بالائے قلعہ علی گڈھ یو۔پی نے شایع کیا ہے۔ ہمارے سامنے بابتِ تبصرہ پہنچی ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے اُمتِ مرحومہ کے مُسلّم الثبوت اولیاء اللہ اور اکابر اُمت کے بعض عقاید و افکار کو اس طرح دکھایا ہے کہ جس سے ہر عامی شخص کا ان بزرگوں سے بدگمان ہونا قدرتی امر ہے۔ افسوس ہے کہ جن بزرگانِ دین کی قربانیوں اور محنتِ شاقہ سے مسعود صاحب اور ان کے آباء مسلمان ہوئے آج مسعود صاحب ان کو حقیقی اسلام سے بیگانہ قرار دیکر اُن کی عظمت کو گرانا چاہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کتاب دراصل اولیاء اللہ اور علمائے احناف پر

زبردست وار ہے۔ مگر ہم مسعودی صاحب سے عرض کریں گے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ؛ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

ملاحظہ ہو کہ اس کتاب میں بزرگانِ دین پر کڑی نکتہ چینی اور تحقیر کی گئی ہے۔ آئیے آپ ان بزرگوں کے اسماءِ مبارکہ کی فہرست ملاحظہ فرمائیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس صدی نے کتنے یاوہ گو اور بے حیا و بے شرم سورما پیدا کئے۔ اِنّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) حضرت ابراہیم ادہمؒ (۲) حضرت بایزید بسطامیؒ (۳) حضرت جُنید بغدادیؒ اور (۴) حضرت سری سقطی۔ اتحادِ ثلاثہ، حلول، وحدۃ الوجود کا ان پر الزام۔ ابن عربیؒ اور حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانیؓ اور مجدد الفِ ثانی۔ حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانیؓ کا دعویٰ۔ شیخ سید عبد القادر جیلانیؒ اور عبید اللہ بن یونس الوزیر بغداد۔ حضرت علی ہجویریؒ المعروف بداتا گنج بخش اور مذہب اتحاد۔ امام غزالیؒ کا معراج کے موقعہ پر تشریف لے جانا۔ خاندانِ ولی اللّٰہی وحدتُ الوجود کے علمبردار کی حیثیت سے۔ شاہ عبد الرحیم والدِ ماجد حضرت شاہ ولیُ اللہ رحمہُ اللہ و مولٰینا ابو الکلام آزاد، حضرت مولٰینا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، خواجہ عثمان ہارونیؒ، خواجہ معینُ الدین چشتی، خواجہ فرید الدین گنج شکر، شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ۔

اس لکھنے والے پر خدا تعالیٰ رحم فرمائے کہ اس نے ان اکابرِ امت میں سے کسی کو بھی تنقیص اور کڑی نکتہ چینی کے بغیر نہیں چھوڑا اور ان کے اسلام کو اصلی اسلام سے کوئی واسطہ نہیں بتاتے معاذ اللہ من ذٰلک۔ اور صفحہ ۱۶۱ کے اخیر میں لکھتے ہیں۔ آج ہر طرف سے یہی آوازیں آرہی ہیں کہ مسلمانوں کو جمع کرو، مسلمانوں کو جمع کرو۔ سوال یہ ہے کہ آخر ان کو کس چیز پر جمع کیا جائے اگر موجودہ دین پر جو اتحادی دین ہے تو اس

اجتماع سے کیا فائدہ اللہ تعالےٰ کی رحمت کبھی اس دین کی طرف متوجہ نہ ہوگی بلکہ ہر آن اس پر عذاب کے ڈونگرے برستے رہیں گے۔ ہاں اگر موجودہ دین سے براءت کا اعلان خالص قرآن و سنت کے قصد سے کیا جائے تو یہ اجتماع مبارک۔

دیکھا آپ نے زمانہ کی ستم ظریفی کتنی ہے کہ تمام اُمّتِ مرحومہ جن بزرگوں کے فضل و کرم اور ایمان و اسلام پر فخر کر رہی ہے، آج چودھویں صدی کے کمیونسٹ صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے دین سے براءت کا اعلان کرکے ہی اسلام زندہ ہوسکتا ہے۔ اِنّا لِلّٰہِ و اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ بات اصل میں وہی ہے جو پیر رومیؒ نے فرمائی ہے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ٭ میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

بلاشبہ ڈاکٹر مسعودی اس شعر کے پورے مصداق نظر آتے ہیں۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ایسے مصنّف کے اباطیل و خرافات کا بالکل ذکر تک نہ کیا جائے اور ان کے جواب کی طرف سامعین کے اذہان کو بھی متوجہ نہ کیا جائے۔ مگر یہ بات ماننا پڑے گی کہ اُمّتِ مرحومہ کو اس قسم کے لکھنے والوں سے بہت زیادہ نقصان پہنچا ہے اور ڈاکٹر صاحب کو صرف اس بات کی یقین دہانی کی جائے کہ جن اعلامِ اُمّت اور پیشوایانِ شریعت و طریقت کے خلاف آپ نے قلم اُٹھایا ہے اس سے اللہ تعالیٰ تمہارے نام کو بے ادبوں اور بے نگاموں کی فہرست میں داخل فرمائے گا۔

از خدا جوئیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

نیست چوں فقر حقیقی را تنافی با حشم
قائلِ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ شاہِ ہر عسکر شد است
لَا تَضَادَ بَیْنَ فَقْرِ الْکَامِلِیْنَ وَ الْغِنیٰ
کَیْفَ اَنَّ الْمُصْطَفیٰ بِالْفَقْرِ فَخْرِیْ اَجْھَرَا

ترجمہ: فقرِ حقیقی اور مسکنتِ اختیاری کو ظاہری جاہ و حشمت اور مال و دولت کے ساتھ کسی قسم کا تضاد اور تعارض و ٹکراؤ نہیں ہے۔ بھلا ان دونوں چیزوں کے درمیان تضاد و تخالف کیسے ہوگا جبکہ بڑے بڑے لشکروں اور بلند ہمت مجاہدوں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم باایں عظمت و جلالت فرماتے ہیں کہ فقرِ اختیاری میرا فخر اور میرا مایۂ امتیاز ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم تو معلوم ہوا کہ فقرِ حقیقی اور غنائے ظاہری میں کسی قسم کی منافات اور مخالفت نہیں ہے۔

خلاصۂ شعر: حضرت مصنف رحمہ اللہ نے تین شعر پہلے یعنی "از فقیرانِ حقیقی زیں جہت ضحک و مزاح" الخ۔ میں ضمناً اپنے پیرِ صداقت تنو ر حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کو حقیقی فقیروں میں سے قرار دیا ہے۔ تو اس پر کوئی ظاہر بین اور ناواقف یہ سوال کر سکتا تھا کہ آنجناب تو بعض اوقات اپنے مریدوں اور مخلصوں سے بھی زیادہ جاہ و حشمت میں فائق و برتر ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں آپ کو حقیقی فقیروں میں کیونکر شمار اور محسوب کیا جائے؟

تو حضرت خاکی رحمہ اللہ اس اشکال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حقیقی فقیر سے ہماری مُراد گداگر اور مال و دولت سے محروم ہونا نہیں ہے بلکہ حقیقی فقیر سے ہماری مراد ایسا صاحبِ معرفت اور یگانۂ روزگار ہے کہ مال و دولت اور جاہ و حشمت بالفعل یا بالقوۃ ہوتے ہوئے بھی دنیا و مافیہا

سے مستغنی ہو اور بے نیاز ہو اور توحیدِ ربّانی میں اس قدر مُستغرق اور پُر کیف ہو کہ ربّانی معرفت کے مقابلہ میں تمام دُنیا کو ہیچ اور ذرہ بے مقدار قرار دے جیساکہ کہا گیا ہے ؎

مراد از فقر آں میدان کہ کردہ فخر پیغمبر
کہ مستغرق شود در حق وہم مستغنی از کونین

وہ فقر جس پر حضرت نبی برحق صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فخر کیا اس سے مراد یہ ہے کہ مومن کامل ربّانی صفات میں فانی اور دوجہاں سے مستغنی اور بے نیاز ہوجائے۔ معاذ اللہ آپؐ کے فقر سے اضطرار اور مال کے حاصل کرنے پر طاقت اور استطاعت نہ ہونے کا نام نہیں ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ آپ کے بارے میں مُسلّم ہے جیساکہ علامہ بوصیری رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

وَرَاوَدَتْهُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ
عَنْ نَفْسِهٖ فَاَرَاهَا اَیَّمَا شَمَمٖ

ترجمہ:۔ آپ کے پاس سونے کے بڑے بڑے پہاڑ آئے کہ ہمیں قبول کیجئے مگر آنجنابؐ کی شانِ استغنا کے کیا کہنے کہ آپ نے ان میں سے کسی کی طرف نظرِ التفات تک نہ فرمائی۔

اس مختصر تشریح سے حضرت شیخ حمزہ مخدومی رحمہ اللہ کا فُقرائے حقیقی میں داخل ہونا عیاں اور واضح ہے۔ اس تشریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات صوفیہ رحمہم اللہ جس فقر کی طرف دعوت دیتے ہیں اس سے مراد گداگری، محتاجی اور دوسروں پر بوجھ اور وزن بننا نہیں بلکہ یہ حضرات فقرِ حقیقی سے یہ مُراد لیتے ہیں کہ مال و دولت، عزّت و ارجمندی حکومت و بادشہی کے باوجود اخلاق و آداب، زہد و ورع، نیکی و پارسائی، فکر آخرت و رضا جوئی مولائے کریم دل و دماغ پر غالب ہونی چاہیئے اور معاذ اللہ یہ مال و دولت و حکمرانی کو بُرا نہیں مانتے جیسے واقعۂ سلیمان

علیہ السلام اور آیت رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ سے اس کی تائید ہوتی ہے اور جو لوگ تصوّف اور اربابِ تصوّف کے خلاف اس غرض سے مکروہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ تصوّف کی تعلیم سے آدمی دُنیا کا نہیں رہتا اور صوفیا رہبانیت کی طرف دعوت دیتے ہیں تو سمجھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ اولیاء الرحمٰن کے دشمن ہیں لہٰذا ان کی یاوہ گوئی کی طرف کسی قسم کی توجہ نہیں دینی چاہیئے۔

مزید اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیثِ الفقر فخری اور حدیثِ الفقرُ سوادُ الوجہ فی الدارین میں بھی کوئی تعارُض اور تضاد نہیں ہے کیونکہ سواد سے مُراد اس حدیث میں فنا فی صفاتِ اللہ ہے۔ فافہم۔ اور یہ بھی یاد رکھئے کہ میں نے اس کتاب میں زیرِ بحث احادیث کی اسناد سے قطعاً بحث نہیں کی اور آیندہ بھی اس کا ارادہ نہیں ہے کیونکہ وہ اس حقیر بے بضاعت و بے سرمایہ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ میرا کام تو بس اتنا ہے کہ فارسی شعر کو عربیت کا لباس زیبِ تن کروں اور بس۔

التّحقیق :-

قولہٗ لَاتَضَادَّ۔ لا نفی جنس کے لیے۔ تَضَادَّ اس کا اسم مابعد اس کی خبر ہے۔ کَیْفَ اپنے ماقبل کے حکم کی عِلّت ہے۔ تضادّ ایک دوسرے کی مخالفت کرنا۔ اَلضِّدُّ: مخالف، دشمن، مثل، نظیر۔ اس کی جمع اَضْدَاد آتی ہے۔ اَلْاَضْدَادُ وہ کلمات جن کے معنے متضاد ہوں۔ الضّدیدُ۔ ضِد، نظیر۔ اَلْغِنٰی۔ غِنًی، غَنَاءً و غُنْیَانًا مالدار ہونا۔ بِالشَّیْئِ عَنْ غَیْرِہٖ کفایت کرنا، بس کرنا۔ اَلْغِنٰی میں الف لام عوض از مضاف الیہ ہے۔ یعنی غِنَاھُمْ۔ ھُمْ کا مرجع الکاملین ہے۔ یہ فقر کی ضِد ہے لہٰذا شعر میں صنعتِ تقابل تضاد ہے۔

قولہٗ اَجْھَرَ۔ اَجْھَرَ الْاَمْرَ وَ بِہٖ کسی امر کا اِعلان کرنا۔

- بالقرأة : پڑھنے میں آواز کو اُٹھانا، بلند کرنا۔ الف متن میں اشباعی ہے۔
شاہِ ھرعسکر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مُراد ہیں۔ اس لئے امر؛ کنایہ سے عربی میں آپ کے نام مبارک کی تصریح کی ہے۔

منتہی را مانع از حق کثرتِ اسباب نیست
ہیچ مانع مر خلیل اللہ بن آزر شد است

وَفْرُ مَالٍ مِنْ اِلَٰهٍ لَا يَعُوقُ الْمُنْتَهِي
قَدْ اَدَامَ اللّٰهُ مَعَ مَالِ الْخَلِيلَ ذَاكِرًا

ترجمہ: بالغ نظر ولی کامل کو دُنیوی جاہ وحشمت اور مال و دولت کی کثرت ذکرِ حق اور یادِ الٰہی سے نہیں روکتی جیساکہ حضرت ابراہیم بن آزر علیہ السلام کو دُنیوی جاہ وحشمت اور مال و دولت کی بہتات و فراوانی نے تبلیغِ دین اور یادِ الٰہی سے نہیں روکا بلکہ آپ اسبابِ جاہ وحشم کے ہوتے ہوئے بھی برابر عبادتِ الٰہی اور ذکرِ ربّانی میں مشغول اور مستغرق رہتے تھے۔

خلاصۂ شعر: کثرتِ اسباب اور مال و دولت کی فراوانی سالکِ راہِ حقیقی کو ذکر و فکر اور عبادت و عرفان کی لذت حاصل کرنے سے مانع نہیں بن جاتی بلکہ سالک سلوک کے مقامات طے کرچکا ہو۔ البتہ اگر تصوّف وسلوک میں قدم رکھتے ہی مال و دولت کے پیچھے پڑ جائے تو اس کے لئے قربِ الٰہی اور سلوک کے منازل طے کرنا مشکل اور دشوار ہوجائے گا۔

حضرت خاکیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک طرف دنیوی مال و دولت اور جاہ وحشمت کے بھی مالک تھے بایں ہمہ تبلیغِ دین، اعلاءِ کلمۃ اللہ عبادت اور اذکار میں اپنی مثال آپ تھے تو معلوم ہوا مال و دولت اور معرفتِ خدا

حاصل کرنے میں کسی قسم کا تضاد و تخالف نہیں ہے۔ شارح رحمہ اللہ اس شعر میں ضمناً ان لوگوں کی وضاحت کے ساتھ تردید فرماتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ علم تصوف کے سیکھنے اور اس کے پڑھنے پڑھانے سے آدمی دُنیا سے بالکل بے بہرہ رہتا ہے۔ اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ایسے کم علم جانتے ہی نہیں کہ تصوّف کا مقصد نفس کو گندے اخلاق سے پاک کرنے اور تزکیۂ باطن کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور یہی اکثر عباداتِ شرعیہ کا بھی مقصود ہے۔ اسلئے علماءِ حق کہتے ہیں کہ شریعت، طریقت اور حقیقت و معرفت میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت شارح رحمہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک مثال پیش کی ہے جو یہ ہے:۔

نقد النصوص میں لکھا ہے کہ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عشق اور محبتِ الٰہی دیکھی تو انہوں نے کہا کہ اس عشق و محبّت اور ذکر و عبادت کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو مال و دولت اور کتاب و نبوّت سے سرفراز فرمایا۔ لہٰذا موصوف کی یہ والہانہ محبّت چنداں تعجبُ خیز نہیں ہے تو اللہ تعالےٰ نے فرشتوں سے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے عشق و محبّت کی یہ وجہ نہیں ہے کہ جو تم خیال کر بیٹھے ہو۔ جاؤ اور ان کو آزماؤ۔ چنانچہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی صورت میں نمودار ہوئے اور خدا تعالیٰ کی تسبیح کرنے لگے اور یہ کلماتِ تسبیح پڑھے سُبّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِکَةِ وَالرُّوحِ (کہ اللہ تعالےٰ ہر عیب سے منزہ اور وہ بہت پاک ہے اور وہی فرشتوں اور روحُ الامین کا پروردگار ہے۔) حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کلماتِ طیبات سُن کر وجد و مستی میں آئے اور اس تسبیح کے سامنے ہر دو جہاں ہیچ ہو گئے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اُن سے کہا کہ پھر تسبیح کے یہ پاکیزہ کلمات کہئے۔ فرشتوں نے کہا ہمیں اپنے مال میں سے کچھ دیجئے تب ہم یہ تسبیح آپ کے سامنے کہیں گے تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے

ان کو اپنے کُل مال کی ایک تہائی دی تو فرشتوں نے پھر کہا سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر وجد و مستی کے عالم میں آئے اور اُن سے یہ کلمات دوبارہ پڑھنے کی اِستدعا کی انہوں نے پھر مالی مُعاوضہ طلب کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کُل مال کی دوسری تہائی عطا کی تو فرشتوں نے پھر سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ کہا۔ پھر حضرت ابراہیم اس ذکر اور نامِ رب سُن کر ذوق اور عالمِ استغراق میں آ گئے۔ پھر ذکرِ الٰہی سے کب سیری اور تسلّی ہوتی ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے تیسری مرتبہ یہ تسبیح پڑھنے کی اِستدعا کی۔ انہوں نے مال کا تیسرا حصہ بھی مانگا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیا تو فرشتے سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ پڑھنے لگے۔ الغرض جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا سارا مال ذکرِ الٰہی سُننے کے لئے نثار کیا تو فرشتوں کو یقین ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ربّانی عشق و محبت، مال و دولت کے سبب سے نہیں ہے بلکہ ان کے قلبِ مبارک کی یہ کیفیت ہی ایسی ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت پر سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں تو اب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا ماجرٰی کما جرٰی بیان کیا

خاقانی کہتا ہے ؎

پس از سی سال این معنی مُحقق شُد بخاقانی
کہ یک دَم با خدا بودن بہ از ملکِ سلیمانی

التحقیق:

قولہٗ لایعوق: صیغۂ واحد مذکر غائب، فعلِ مضارع منفی معروف۔ اُس کا فاعل هُوَ ضمیر مذکرِ غائب راجع بجانب وَفْرُ مَال یعنے مال کی کثرت منازلِ معرفت طے کئے ہوئے اصحاب کو یادِ خدا سے نہیں روکتی۔ یہ عَاقَهٗ عَوْقًا۔ عَوَّقَهٗ، اَعَاقَهٗ، اِعَاقَةً۔ اِعْتَاقَهٗ، اِعْتِيَاقًا عَنْ كَذَا۔ روکنا، باز رکھنا۔ ہٹا دینے

کو کہتے ہیں۔ اَعْوَقَنِی الزَّادُ اوالدَّابَۃُ اِعْوَاقًا مجھے توشہ یا سواری نے سفر سے باز رکھا۔ عَائِق : ہر روکنے والی چیز۔ اَلْعَوَّاقُ والعَوِیْقُ۔ جانور کے پیٹ کی آواز جو چلنے میں نکلتی ہے۔ الخلیل۔ لقب حضرت ابراہیم علیہ السلام خیل کے مادہ کی تحقیق اس سے پہلے آچکی ہے۔

الخلیلَ مفعولِ اوّل، ذاکِرًا مفعولِ دوم اَدَامَ کے لئے ہیں اس لئے منصوب ہیں۔ اسی لقب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو ملقّب کیا جیسا کہ فرمایا وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو دوست بنایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب حبیب ہے۔

نیست اندر چشمِ کامل سیم و زر را اعتبار
کاں یکے سنگِ سفید و آں دِگر احمر شداست

لَا اعْتِبَارَ فِیْ عُیُوْنِ الْکُمَّلِ لِلصَّامِتِ
وَھُوَ مَا یُسَمّٰی صَفَاۃً اَوْ لَذَھَبًا اَحْمَرًا

ترجمہ :- اولیاء کاملین کی نظروں میں دنیوی مال و دولت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی کیونکہ وہ مال و دولت کو مقصود نہیں سمجھتے جس کا سبب یہ ہے کہ وہ غائر اور دُور بین نگاہوں سے دیکھ کر چاندی کو چٹان اور سنگِ سفید اور سونے کو سُرخ پتھر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ پھر وہ کس لئے اس قسم کی فانی چیزوں پر عمر گراں مایہ صرف کریں گے۔؟

خلاصۂ شعر : شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں سلطنت و بادشاہی اور عشقِ الٰہی اور محبّتِ یزدانی میں کوئی تضاد و مخالفت نہیں ہے۔ موصوف اس سلسلہ میں علاء الدولہ سمنانی رحمہ اللہ کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ان مُریدوں کے بھی عجیب و غریب اعتقادات ہوتے ہیں۔ مثلاً ان کی نظروں میں وہ فقیر بہت

زیادہ درجہ رکھتا ہے جو معاذ اللہ بھکاری اور محتاج و گداگر ہو حالانکہ یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے مخلوق کی طرف ہاتھ پھیلانے سے شرماتے ہیں اور کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں حضرت شیخ مجد الدین بغدادیؒ کی خانقاہ کے لنگر خانہ پر سالانہ دو لاکھ اشرفیاں خرچ ہوتی تھیں اور خود میں نے پانچ لاکھ اشرفیاں اپنے ہم مسلک صوفیوں اور سنّتِ سنیہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم پر عمل کرنے والوں کے لئے وقف کر دی ہیں۔ اور حضرت مجدُ الدینؒ کا یہ کلام خواجہ خان محمود نقشبندیؒ نے اپنے رسالہ میں قلم بند کیا ہے اور خواجہ عبید اللہ احرار کی دولتمندی پر جو اعتراض کیا جاتا تھا وہ بھی اس تقریر سے رفع اور دُور ہُوا اور آپ کی دولتمندی کی تعریف میں یہ شعر لکھا گیا ہے ؎

چوں فقر اندر لباسِ شاہی آمد ۔ بہ زِ تدبیرِ عبید اللّٰہی آمد

حضرت عبید اللہ کے حُسنِ تدبیر سے بادشاہی کے لباس میں فقرِ حقیقی جلوہ افروز ہُوا۔

مغزِ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ محض ہے کہ کچھ اولیاء کو دین و دُنیا ظاہری دولت مندی اور باطنی کمالات سے نوازتا ہے اور اپنے کچھ مخصوص بندوں کو فقر کا مزہ چکھا کر اُخروی درجات سے اُنہیں بہرہ وَر بناتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ نظیری نے کیا خوب کہا ہے ؎

دادند ہرچہ دادند بر قدرِ ظرف دادند
حق راست بر تو حجّت تہمت مکُن قضا را

متعلق صفحه نمبر ۶۲

۹۶ – مرکز عالم دینی لخت جگر عزیزم مولوی سید محمد عبدالکبیر حفظه الله عافاه الله و بقیه من حوادث الزمان –
السلام علیکم و رحمة الله و برکاته و علی عباد الله الصالحین – روز ۲۸ محرم الحرام بعد از نماز صبح قریب طلوع آفتاب یک زلزلهٔ عظیم
مشابه نمونهٔ قیامت بر پا گشت یعنی بمقدار ده منٹ دورانش ساکن نشد – در دیهات قرب و جوار [illegible] شهرها چندان نقصانی
نگردید – لیکن خبرهای متواتره نقصان عظیم از لاهور و امرتسر حاصل گردیده – از خبرها امرتسر چندان نقصان معلوم نمیشود – که از جنبش یکتا
دو یک زلزله متواتره ماند – اما نقصانی در اول لحظه ساخت آنچه ساخته – کسی [illegible] بلا تقصیر و متعلق سالم
نماند – اکثر مردمان لاهور و امرتسر بوجه افتادن عمارات جان بحق گشتند – تعداد شان یقینی تا حال معلوم نیست – مگر نقصانها بدرجه نهایت
گردیده – این موجب طبیعت نهایت مشوش و پریشان گردید – گویا قیامت بر پا گشته – از آن وقت خیال طرف آن عزیز و
متعلقین سخت متردد است – بنا بر تسلی نموده شود – که بتحریر ملاحظه [illegible] از حال احوال ذاتی و متعلقین و جمیع بلدهٔ کشمیر [illegible]
بتفصیل اطلاع [illegible] که آیا این حادثهٔ عظیم بآنجا [illegible] خطه برپا گردیده – یا آنکه از خداوند کریم و رحیم بفضل و رحمت خود مامون
و محفوظ [illegible] الوف و الصادر – از جمیع متعلقین اینجائی بعد الوف الوف دعوات [illegible]
[illegible] – جمیع متعلقین [illegible] باد فقط [illegible]

NAGARIAN B.O. 6 AP 05 GUJRAT

MAHARAJ-GANJ BAZAR

ملک کشمیر – خاص شهر سری نگر – محلهٔ سکه‌دفر – بر در دکان سبحان جو رسیده

بخدمت مولوی سید محمد عبدالکبیر صاحب موصول باد

SRINAGAR 4 - PM 11 AP 05 KASHMIR STATE

مرسله سید محمد [illegible]
ڈاک خانه ناگریان
خاص ناگریان [illegible]
ضلع گجرات پنجاب

Sari Nagar
Mahallah
Sak Dafar

التحقیق:

قولہ، للصّامت:۔ الصّامِت مِنَ المالِ سونا چاندی۔ مال ناطق حیوان کو کہتے ہیں۔ اَلصّمتُ وَالصّموت: بہت چپ رہنے والا۔ چپ چاپ رہنے والا۔
قولہ، صَفَاۃ: اس کی جمع اَلصَّفَا آتی ہے، پتھر۔ بَطرس کا لفظ۔ سریانی کلمہ
قولہ، لَذَھبًا۔ و اللام فیہ للتاکید اور اسمِ ذھب کی صفت موضحہ ہے۔

ہست دُنیا آنچہ مشغولت کُند از ذِکرِ حق
گر متاعِ پُر بہار یا چیز کے احقر شُد است

اِنَّمَا الدُّنیَاءُ مَا تُلْھِیکَ عَنْ ذِکْرِ الرَّحِیم
لَوْ مَتَاعًا ذَا بَھَاءٍ اَوْ شُیْئًا صَاغِرًا

ترجمہ:۔ حقیقت میں دُنیا ہر وہ چیز ہے جو تجھے اے سالک۔ یادِ خدا اور ذکرِ حق سے باز رکھے۔ خواہ ظاہر میں وہ چیز بہت قیمتی ہو یا معمولی قسم کا مال و زر ہو۔
خلاصۂ شعر:۔ فرماتے ہیں کہ اے سالکِ راہِ طریقت دنیا در حقیقت ہر وہ چیز ہے جو تجھے یادِ خدا اور ذکرِ مولیٰ سے باز رکھے۔ خواہ باز رکھنے والی چیز قیمتی اور گراں مایہ ہو یا حقیر و بے اعتبار۔ باقی کاروبار، تجارت اور دُنیوی مال و جایداد میں جہاد فی سبیل اللہ سے برکت ہوتی ہے تو پھر مُطلق دُنیا کی مذمت کرنا عقل و نقل اور روایت و درایت سے بہت بعید ہے۔

التحقیق:۔
قولہ، تُلْھِیکَ: مِنْ اَلْھٰی یُلْھِیْ اِلْھَاءً (باب افعال) غفلت میں ڈالنا۔

اَلْهَاهُ اللَّعِبُ عَنْ كَذَا. غافل کرنا ۔ فُلَانٌ الشَّيْئَ. اس نے عاجز ہوکر اسکو چھوڑ دیا۔ اَلْمَلْهٰی کھیل، کھیل کا زمانہ، کھیل کی جگہ۔ اَلْمُلْهِیْ کھیل کی چیز

قولہٗ شُيَيْئًا تصغیر شَيْئًا. چیز. جو چیز پہچانی جائے اور اس کی خبر دی جائے اسکی جمع اَشْيَاءُ آتی ہے اور جمع الجمع اشاوی و اشاویات و اشاوات و التصغیر شُيَيْئٌ و شُيَيْئٌ وھو یستعمل من باب شاء یشاء

وقولہٗ صَاغِرًا. وھو مِن صَغُرَ (ك) صِغَرًا و صُغْرًا و صَغَارًا وَصَغَارَةً و صُغْرَانًا. ذلیل وخوار ہونا۔

قولہٗ مَتَاعًا. المتاع: چاندی سونے کے علاوہ زندگی کا سامان۔ پہننے، بچھانے کی چیزیں۔ ہر وہ فانی چیز جس سے فایدہ اٹھایا جائے پھر وہ فنا پذیر ہو۔ چنانچہ کہتے ہیں اِنَّمَا الدُّنْيَا مَتَاعٌ کہتے ہیں۔ اس کی جمع اَمْتِعَةٌ، جمع الجمع اَمَاتِع اور اَمَاتِيع آتی ہے۔ (ملخص من المنجد)

گر بود شاغل ز ذکرت ور بود از بہر جاہ

ہم ز دنیا درس و حفظ و خرقہ و مطہر شناست

اِنَّمَا دَرْسٌ وَحِفْظٌ خِرْقَةٌ اَوْ مِطْهَرٌ

مِنْ دُنَا اِنْ رُمْتَ جَاهًا اَوْ نَسِيْتَ الْفَاطِرَا

ترجمہ: ہر وہ چیز جو تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے روکے یا وہ ظاہری عزت و شان و شوکت کے لئے ہو وہ سب دنیا طلبی اور جاہ وحشمت میں داخل ہے۔ خواہ درس و تدریس، حفظِ قرآن، بزرگوں کا دیا ہوا اور عطا کیا ہوا خرقۂ مبارک اور پانی اور وضو کا لوٹا ہی کیوں نہ ہو کہ ان چیزوں کے تقدس کے باوجود اگر ان کے استعمال سے نیت بخیر اور اخلاص نہ ہو تو یہ چیزیں بھی حکماً دنیا طلبی میں داخل ہونگی۔ واضح رہے کہ ترجمہ بتقدیم مصرعین ہے۔

خلاصۂ شعر: حضرت شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام کاروبار، تجارت، حرفت وصنعت اور دستکاری وکاری گری سے منع نہیں کرتے بلکہ کسب وہنر اور صنعت وتجارت کو اچھی نیت سے روبہ عمل لانا موجب سعادت سمجھتے ہیں اور جس دُنیاطلبی سے وہ ممانعت کرتے ہیں اُس دُنیاطلبی سے مراد وہ ہے جو تم کو ذکرِ الٰہی سے روکے یا ذکر وعبادت کروگے مگر خدا کے لئے نہیں بلکہ حصولِ جاہ وعزت کے لئے۔ پھر اس صورت میں اگر اپنا مشغلہ درس وتدریس، حفظِ قرآن مجید، خرقۂ مشائخ کرام وخلافت سے ناسمجھی حاصل کروگے اور اپنی پاکی اور وضو کے لئے لوٹا بھی ساتھ لئے پھروگے تو اگر ان مقدس چیزوں کے حصول سے نیت بخیر اور اخلاص نہ ہو تو یہ چیزیں بھی دُنیاطلبی میں داخل اور آخرت میں تمہارے لئے غیرمفید ہونگی۔ کیونکہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ تمام نیک اعمال کا ثواب اور اُن کا دارومدار حُسنِ نیت پر ہے۔ شارح رح فرماتے ہیں کہ مشائخ کرامؒ اور صوفیائے عظام رہبانیت اور ترکِ دُنیا کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ وہ اس بات کی تعلیم دیتے ہیں کہ مسلمان دُنیا میں باعزت زندگی بھی گذارے اور ربانی ہدایت وتعلیم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔ اس طرح صوفیوں، جوگیوں اور راہبوں کے طریقِ کار اور خداطلبی میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور جو لوگ ان تمام چیزوں کو ایک سانچے میں ڈالتے ہیں وہ اہلِ حق اور اولیاء الرحمٰن پر معاذاللہ ظلمِ عظیم کرتے ہیں۔ اسی بنا پر آنے والے شعر میں دُنیا سے فائدہ حاصل کرنے کی تلقین وتاکید کرتے ہیں۔ فَتَفَكَّرُوا وَلَا تَكُنْ غِمْرًا مُتَجَاهِلاً۔

حضرت شارح رحمہ اللہ نے اس شعر میں اخلاص پیدا کرنے کی طرف ہم سب کو متوجہ کیا کہ فرمایا مومن درس وحفظِ کلامُ اللہ، خرقہ پوشی اور آلاتِ طہارت سے حقیقی طہارت رضائے الٰہی مقصود ہونا چاہیئے ورنہ بے اخلاص علم دین اور عبادت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ آنے والے اشعار میں اسی اخلاص اور حقیقی توحید

کی طرف ہماری توجہ مبذول فرماتے ہوئے نصیحت فرماتے ہیں۔

(۱)
اے در طلب کمال در مدرسہ چند
تکمیلِ اصول و حکمت و ہندسہ چند

(ترجمہ) اے مدعی اور اے مصنوعی واعظ کب تک مدرسہ میں رہ کر اصولِ علم، حکمت و ریاضی کے پیچھے پڑ کر اپنی عمرِ عزیز ضایع کروگے کیونکہ اس سے تم فکرِ آخرت سے محروم ہو جاؤ گے اور بس۔

(۲)
ہر فکر کہ جُز ذکرِ خُدا وسوسہ است
شرمی ز خدا بدار ایں وسوسہ چند

(ترجمہ) ہر وہ فکر و خیال جو خُدا تعالیٰ کے ذکر کے سِوا ہو وہ فکر و خیال درحقیقت شیطانی وسوسہ ہے لہٰذا خدا تعالیٰ سے کچھ حیا تو کرو اور اس وسوسہ میں کب تک مُبتلا رہو گے۔ یہی مضمون قریب قریب حضرت سعدی رحمۃ اللہ بھی فرماتے ہیں۔

جُز ذکرِ دوست ہر چہ کُنی عُمر ضایع است
جُز سرِ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوی لوحِ دِل از نقشِ غیرِ حق
علمی کہ بہ حق راہ نہ نماید جہالت است

اور حضرت شارح رحمہ اللہ اصل علم کس چیز کو قرار دیتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں ؎

(۳)
در رفعِ حجُب کوش نہ در جمعِ کُتب
کز جمعِ کُتب نمی شود رفعِ حجُب

(ترجمہ) علمِ حقیقی یہ ہے کہ قلبی حجابات دُور کرنے اور موانعِ وصل دفع کرنے کی کوشش کروگے اور صرف کتابیں جمع کرنے سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ کیونکہ صرف کتابیں جمع کرنے اور بڑے بڑے کُتب خانے رکھنے سے حجابات دُور نہیں ہونگے بلکہ کتابیں رکھ کر اُن سے کام نہ لینے سے حجاب رنگی پیدا

ہو جائے گا جس کا کوئی علاج نہیں جیسا کہ فرمایا کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ کا مِصداق بنو گے۔

(۴) در طے کتب کجا بود نشئہ حب
طے کن ہمہ را وَعُدْ اِلَی اللّٰہِ وَتُبْ

"کتابوں کے خالص بے عمل مطالعہ سے محبتِ الٰہی پیدا نہیں ہو گی بلکہ ایسی کتابوں کو بند کرو اور ربّ الارباب کی طرف لوٹ جاؤ اور رجوع کرو۔"

عابد اور سالک میں اخلاص ہونا چاہیئے ایسا اخلاص کہ قرآنِ کریم کو لہجہ اور آواز بنا کر بھی نہ پڑھے تاکہ ریا کی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ؎

لعنت است آں کہ بہرِ لہجہ و صوت
شود از تو حضورِ خاطر فوت

جس قرآن خوانی سے پڑھنے والے کا مقصد اپنی صوت و آواز کا اظہار ہو وہ قرآن خوانی اس کے لئے باعثِ لعنت بن جاتی ہے۔ اور حضورِ قلب اس سے فوت ہو جاتا ہے تو پھر اس قرآن خوانی سے کیا فائدہ؟ اور ملاحظہ ہو ؎

(۵) بادہ نوشی مدام با اوباش ❊ تا شود صاف حلق تو ز خراش
(۶) مجلس ناکساں بیارائی ❊ تا بداں یک دو خردہ بربائی

تم قماشوں اور بدمعاشوں کے ساتھ شراب پیتے ہو تاکہ تمہارا حلق خوب بجے اور سجے اور نا اہلوں کی مجلس کو رونق بخشتے ہو تاکہ تم کو کچھ ٹکڑے مِل جائیں۔ ہائے یہ کتنی کم بختی اور کم نصیبی ہے۔

غالباً حضرت شارح رحمۃ اللہ بطور پیش گوئی اس رسمی اور بناوٹی قادیانی خان صاحب کو نصیحت کرتے ہیں کہ نوجوانی میں سٹیشنوں پر بے ادب بن کر نوجوان عورتوں کو گانا بجانا سکھاتے تھے اور اب شیخ بنے، مؤرخ بنے اور کیا کیا بنے۔ کب تک تو اور تیرا فتویٰ دہندہ تمہاری نفسِ عاطفہ کی تھپکی دیتے رہیں گے۔ یہاں ایسی عیاریاں اور مکاریاں تو کر سکتے ہو مگر آخر تم کو مرنا ہے اور ربّ العلمین کے سامنے

کھڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا اب بہت گئی اور تھوڑی رہ گئی" کے مصداق بنے۔ لہٰذا توبہ کرکے فکر آخرت کرو۔ کیا ہمارے بناوٹی خان صاحب ہماری گذارش پر کچھ غور فرمائیں گے یعنی زمانہ اتنا بے حیا ہوگیا ہے کہ نابینا کو بینا کہنے لگے۔ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ۔

التحقیق:

قولہٗ مِطْھَرٌ بروزن مِسْطَرٌ، وضو وغیرہ کا لوٹا۔ اَلْمَطْھَرُ: قیامت کے دن عذاب دینے کے بعد پاک کرنے کی جگہ۔ اسی سے فقہائے کرام کی کتابوں میں کتابُ الطَّھارۃ بفتح طا، بکسر طا اور بضم طا پڑھنے کی اجازت ہے اور ہر صورت میں معنے جداگانہ ہے۔

قولہٗ دُنا: یہ دُنیا کی جمع ہے۔ متنبی ایک جگہ کہتا ہے ؎

لَحَی اللّٰہُ ذِی الدُّنیا مَنَاخًا لِرَاکِبٍ
فَکُلُّ بَعِیْدِ الْھَمِّ فِیْھَا مُعَذَّبٌ

اور دوسری جگہ کہتا ہے۔

اَعَزُّ مَکَانٍ فِی الدُّنٰی سَرْجُ سَابِحٍ
وَخَیْرُ جَلِیْسٍ فِی الزَّمَانِ کِتَابٌ

اور المنجد میں لکھا ہے کہ اَلْاَدْنٰی۔ دَنِیٌّ کا اسم تفضیل۔ اس کی جمع اَدَانٍ اور اَدْنَوْنَ مؤنث دُنیا اور اس کی جمع دُنٰی آتی ہے۔ یہ لفظ اصل میں دَنَا یَدْنُو دُنُوًّا و دناوۃً للشّیءِ و منہ و الیہ۔ قریب ہونا صفت دانٍ جمع دُنَاۃٌ ہے۔ دوسرا دَنِیَ یَدْنٰی (س) دَنًا و دنایۃً گھٹیا اور ردی ہونے کے معنے میں آتا ہے۔ اس کی صفت دَنِیٌّ اور جمع اَدْنِیاء آتی ہے۔ دُنیا کے ساتھ یہ دونوں معنے چسپاں ہوتے ہیں۔ کما لا یخفٰی۔

قولہٗ خِرْقَۃ: کپڑے کا چیتھڑا، دھجی۔ اس کی جمع خِرَق ہے۔ اس جگہ زیب تن کیا ہوا وہ لباس یا چادر یا عمامہ مراد ہے جو حضرات مشائخ اپنے خلیفوں

کو عنایت کرتے ہیں۔ غالباً اس عنایت کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے
کہ اصل میں خَرَقَ (ن) خروقاً فی البیت لگاتار قیام رکھنا۔ چونکہ مشائخ
بھی اپنے مُریدوں کو اپنے ہاں عموماً طولِ مدت میں رہنے کے بعد یہ خرقہ عطا کرتے
تھے اس لئے اس کو خرقہ کہتے ہیں۔ نومۃ الخُرَق چاشت کے وقت کی نیند
یہ اس لئے کہ اس وقت کا سونا بے وقوفی کی نشانی ہے۔ (من المنجد)
قولہٗ رامت۔ رام یروم روماً اجوف واوی۔ قصد و ارادہ کرنے کو
کہتے ہیں۔ قولہٗ نَسِیتَ مِن النسیان بھولنے اور غافل ہونے کو کہتے
ہیں۔ قولہٗ الفاطر۔ پروردگارِ عالم، پیدا کرنے والا۔ اسی سے ہے فاطر السمٰوٰت
والارض۔ یہ نسیتَ کا مفعول بہٖ اس لئے منصوب ہے اور الف اشباعی ہے۔
قولہٗ جَاھًا۔ قال فی المنجد الجاہ و الجاھۃ قدر و شرف اور بلندیٔ مرتبہ

در بداں قیدے نباشد راویاں کردند نقل
باوجودِ سلطنت از اولیاء سنجر شدہ است

فَزِھَا اِنْ شِئْتَ اَمَّا لَا تَکُنْ عَبْدًا لَھَا
مَعَ دَوْلَۃٍ تَرٰی مِنْ اَوْلِیَاءَ سَنْجَرَا

ترجمہ: ہاں اگر تو مال و دولت ہوتے ہوئے بھی دُنیا کے قیدی اور غلام
نہ بن جاؤ گے اور تمہارا دل اس پر فریفتہ نہ ہو تو پھر اس مال و دولت
سے کوئی نقصان اور کسی قسم کا ضرر تم کو نہیں پہونچے گا کیونکہ تاریخی روایات
سے ثابت ہے کہ سلطنت و بادشاہی کے باوجود حضرت سنجر ملک شاہ اولیاء
کاملین میں سے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ تقویٰ و پارسائی کے ساتھ مال و دولت کو
کسی قسم کا تضاد اور ٹکراؤ نہیں جبکہ مال و دولت کو وصولِ حق کے لئے ایک
وسیلہ اور ذریعہ قرار دیا جائے۔

خلاصہ: ظاہری حکومت اگر عدل و انصاف سے چلائی جائے تو وہ باطنی بادشاہت حاصل ہونے کے لئے بہترین ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے اور اگر تجارت، و کاروبار کو صحیح ڈھنگ اور ذاتی اور پبلک مفاد کی خاطر کیا جائے تو بھی تجارت اور یہی کاروبار نجات و سعادت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اور مذہبی پیشواؤں نے جو کاروبار چھوڑ کر عوام الناس کے نذر و کرم پر چلنے کی عادت ڈالی ہے تو درحقیقت اسی چیز نے خدائی دین اور مقدس مذہب کی جڑیں کھوکھلی کی ہیں۔ مسلمانوں کے سامنے حضرت محی الدین عالمگیر اورنگ زیبؒ، سلطان صلاح الدین ایوبی، سلطان شمس الدین التمشؒ اور خاص کر جن کی حضرت شارح رحمہ اللہ نے مثال دی یعنے سلطان سنجر معزی ملک شاہ۔ کہ یہ حضرات جس طرح ظاہری سلطنت و حکومت کے مالک تھے اس سے کہیں زیادہ اپنے تقوٰی و طہارت اور عدل و انصاف کی بدولت معنوی حکومت کے بھی مالک تھے۔ لہٰذا دنیاداری اور دینداری، اقتدار و فقر حقیقی اور ظاہری حکمرانی و خدا پرستی کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ظاہری شان و شوکت تزکیۂ باطن، رضائے ربانی کے لئے ایک وسیلہ اور ذریعہ قرار دینا چاہیئے اور مقصود مقصود ہی بنانا چاہیئے

سلطان سنجر معزی کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے ایک خاص نوکر کو اس غرض کے لئے رکھا تھا جو دربارِ عام کی مجلس میں بولتا تھا یعنے کھڑے ہوکر بولتا تھا۔ "آپ کے ملک میں مظالم اور زیادتیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ اگر جناب عزت مآب بادشاہ کو ان زیادتیوں کا علم ہے اور پھر اُن کی تلافی نہیں فرمائیں گے تو اس صورت میں بادشاہ مسلمان نہیں ہوسکتے اور اگر بادشاہ اپنے ملک کے تظلمات رشوت ستانی، بدکاری، عیاشوں کی عیش پرستی، مسکینوں اور محتاجوں کی مسکنت و حاجت اور اُن کی آہ و بکا و نالہ و زاری سے واقف نہیں ہیں تو تب ملک شاہ بادشاہی کے قابل اور اس کے حقدار و سزاوار نہیں ہیں۔"

یہ آواز سُن کر بادشاہ عدل و قانون استعمال کر کے تظلمات کا ٹھیک ٹھیک

فیصلہ فرماتے تھے۔ اسی راستی اور خدا ترسی کی بنا پر سلطان سنجر کا شمار بڑے بڑے اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ اسی بنا پر مشہور صوفی حضرت سہل بن عبداللہ التستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر حاکم و بادشاہ یا کوئی شخصی حکمران حدودِ شریعت اور انسانی حقوق کی پاسبانی اور حفاظت کرے تو وہ اس کے سبب سے صدیقوں کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت خواجہ محمد پارسا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک انسان کے لئے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اُسے ظاہری بادشاہت یا خالص عزت و رفعت مل جائے مگر وہ اس کو فانی اور عارضی سمجھ کر عدل و انصاف، برابری و مساوات دین کی خدمت اور قوم و وطن کے حقوق بحال کرے۔

یہ شارح رحمہ اللہ کے چند کلمات کا خلاصہ اور شعر کا مطلب ہے۔ اس قسم کی تشریح سے راقم کا مقصد یہ ہے کہ عصرِ حاضر کے لوگوں کو جو تصوف اور اربابِ تصوف سے نفرت اور دوری پیدا ہوئی ہے وہ ان حضرات کے کلام بلند نظام پر غور نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے یا یہ تنفّر اُن سے اس لئے پیدا ہُوا کہ واقعی ہمارے زمانہ کے کچھ مذہبی طبقوں نے صحیح علم و صلاحیت سے محروم ہونے کی وجہ سے خرافاتِ اُمّ عمرو کو اسلام قرار دیا ہے۔ بھلا اسلام کو ذات، رنگ و نسل، جغرافیائی حدود اور وطنیت سے کیا تعلق ہے۔ اگر اسلام کا تعلق ہے تو بس اس سے ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق بنی نوعِ انسان کس طرح محفوظ رہیں گے۔ اے اللہ! ہم سب کو اپنی حقیقی معرفت سے منور اور مالا مال فرمائیے۔ اے اللہ یہ کتنی بدقسمتی ہے کہ میں داعیانِ دین کو حضرت رومی رحمہ اللہ کے اس شعر کی طرف دعوت دیتا ہوں ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

مگر یہ لوگ ہمیں بُرا مانتے ہیں اور مُغلّظات سے نوازتے ہیں۔ ہم عوام

مسلمین کو نعالصتہً لِلّٰہ حضرت علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی طرف دعوت دیتے ہیں ؎

سینہ ہا از گرمیٔ قرآں تہی ❊ زیں چنیں مرداں چہ اُمید بہی

مگر یہ لوگ اور ان کے بعض عدیمُ الحیاء ہمارے خلاف سوقیانہ الفاظ استعمال کرتے ہیں اَللّٰھُمَّ اھْدِھِمْ فَاِنَّھُمْ قَوْمٌ مُعْتَدُوْنَ۔

التحقیق ،

قولہٗ فُزْ ۔ یہ صیغۂ واحدِ مذکر امر حاضر معروف ہے۔ یہ فاز یفوز فَوْزًا ۔ بالامر کامیاب ہونا۔ مِنَ المکروہِ نجات پانا۔ الرّجلُ ہلاک ہوجانا، مرجانا۔ اَفَازَ فلانًا بکذا کامیاب کرانا۔ کبریتِ احمر میں عام طور پر وَفَازَ الْخَلَائِقَ بِرُمَّتِھَا پڑھتے ہیں جو از روئے نحو و لغت غلط ہے کیونکہ فَازَ فعلِ لازم ہے۔ فاعل اس میں ھُوَ راجع بجانب آنحضور وافر النور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلّم ہے۔ بِرُمَّتِھَا کی باتعدیہ کے لئے نہیں ہے۔ یا تو اس لفظ کو اَفَازَ پڑھنا چاہیئے یا اس سے بہتر صورت وہ ہے جو اس کے شارح حضرت خواجہ اعظم دیدہ مری رحمۃ اللہ نے پیش کی۔ یعنے مرحوم خواجہ صاحب نے اس کو وَفَاقَ الخَلَائِقَ بِرُمَّتِھَا پڑھا ہے جیسا کہ ان کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازمنۂ سابقہ میں ہمارے ہاں علم و ادب کا خوب ذوق تھا مگر اب مصنوعی صدارت و شرافت اور کبرِ محض نے ہمارے حضرات کو کبریتِ احمر کے کلماتِ طیّبات پر غور و فکر کرنے سے بھی حق تعالےٰ نے محروم بنا لیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ فَاقَ متعدّی آتا ہے تو اس کا جواب اثبات میں ہے۔ متنبّی نے کئی جگہ اس کو بصورت تعدیہ بھی لایا ہے۔ ورجس نے فَاقَ کو ہمیشہ کے لئے صرف فعلِ لازم قرار دیا ضَلَّ وَھَوٰی وَاَضَلَّ قَوْمَہٗ وَمَا ھَدٰی جیسا ہوگیا۔ غرض فَاقَ لازم اور متعدی دونوں آتا ہے۔ جیسے فاق یفوق فَوْقًا و فواقًا۔ الشیئُ بلند ہونا۔ فاق فوقًا۔ السھمَ تیر کو نوک تیر منہدم

دَوْلَۃ۔ ہم نے سلطنت کا ترجمہ دولت سے کیا ہے، یہ درست ہے کیونکہ اہلِ لغت نے الدولۃ کا معنے یہ بھی لکھا ہے کہ ارباب سیاست کے نزدیک بادشاہ و وُزراء، حکومت، گورنمنٹ، ریاست کو کہتے ہیں۔ اس صورت میں اس کی جمع دِوَل و دُوَل آتی ہے۔ اور قرآنِ کریم میں جو دُوْلَۃً کا لفظ آیا ہے اس کے معنے اس شے کے ہیں جو لوگوں پر بدل بدل کر آتی ہے۔ آج کسی کے لئے ہو اور کل کسی کے لئے۔

حق تجلی باد و وصف السَّمِیْع وَالْبَصِیْر
کرد در وَے در مَغیبات اَسْمَعْ وَاَبْصَر شُد است

قَدْ تَجَلّٰی رَبُّہٗ لَہٗ بِالسَّمِیْعِ وَالْبَصِیْر
مِنْہُ اَضْحٰی فِی الْغُیُوْبِ اَسْمَعًا وَّاَبْصَرًا

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے اپنے دو خالص وصفوں سمیع و بصیر سے آپ پر خاص تجلی فرمائی ہے اس لئے آپ اَسرارِ الٰہی اور رازہائے کبریائی کے بہت سے زیادہ سُننے والے اور بہت زیادہ چشم عبرت بین سے دیکھنے والے ثابت ہوئے فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ورزقنا منہ حظًّا وافرًا۔ آمین۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ اصل میں بعض صفات خواہ وہ از قسمِ جمال ہوں یا از قبیلۂ جلال، اس قسم کی تمام صفات بالذات اور بالاصالۃ ذات باری تعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور اللہ تعالےٰ انبیاء و اولیاء پر اپنی مخصوص صفات کا بعض اوقات ایسا جلوہ اور پَرتَو ڈالتا ہے جیساکہ منظورِ باری تعالیٰ ہوتا ہے علمِ کلام، شرحِ عقاید اور شرح مقاصد میں ان صفات کی تفصیل و تحدید مذکور و مزبور ہے۔ چونکہ عوام کے لئے علومِ آلیہ "منطق و فلسفۂ قدیم" کے بغیر ان کا سمجھنا دشوار ہے اس لئے شارح علیہ الرحمہ نے بھی اس نازک

مسئلہ پر بحث نہیں کی تو لازماً نَطوِی عَلیٰ مِنوالِہ کہ ہم بھی آپ کے پسندیدہ طریقہ پر گامزن ہو رہے ہیں اور کَلِّموا النَّاسَ بقدرِ عقولہم پر کفایت کرتے ہیں۔

البتہ اتنا ضرور عرض کرینگے کہ حقائق اشیاء کی معرفت و شناخت بالذات و بالاصالہ خاصۂ ربانی ہے اور بندگانِ خدا کا حقائق اشیاء کا علم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہوتا ہے اس لئے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ۔ یہ دعا ہر زباں میں بھی حضرت قدوۃ السالکین میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لے آئے ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ اے اللہ ہم کو اشیاء اور مخلوقات کی حقائق اور اصلیت اسی شکل و صورت اور اسی ہُویت و ماہیت میں دکھائیے جیسا کہ وہ واقع اور نفس الامر میں موجود ہیں۔ کیونکہ اشیاء اور مخلوقات کی تہ اور اصلیت تک پہنچنا ہی اربابِ کمال کا حدِ کمال ہے۔ اس حدیث اور اس دعا پر اگر آپ غور فرمائیں گے تو آپ تمام علومِ رسمیہ سے بڑھ کر سائنس کو اسلام سے قریب تر پائیں گے۔

چونکہ اللہ تعالےٰ کی مخصوص صفات میں سے دُور سے سُننا اور دُور سے دیکھنا اور حقائق و اسرار پر واقف ہونا ہے تو ان دو صفتوں کی تجلی اللہ تعالےٰ نے آپ کی ذاتِ بابرکات پر بھی ڈالی ہے اس لئے خلافِ عادت آنجناب بعض اوقات تجلی الٰہی کی بنا پر دور سے سنتے اور معنوی انداز میں دور سے دیکھتے بھی ہیں مگر یہ سب عنایتِ ربانی ہے کیف شاء و متیٰ ماشاء یعنے اس کے کم وکیف وغیرہ کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔

شارح رحمہ اللہ نے قصداً یہاں اُن چند اشعار کی تشریح نہیں کی کیونکہ جہاں آں جناب کی کرامات آپ اپنے ابیات میں بیان کرینگے تو اسوقت ان اشعار سے خود بخود پردہ اُٹھ جائے گا۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ بعض اوقات اپنے کسی ولیٔ کامل اور اپنے

اپنے مقرّب پر اپنی صفاتِ مخصوصہ سے تجلّی ڈالتا ہے۔ اور حقائق و اَسرار سے اس کو محظوظ بناتا ہے جن میں سے حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ کشمیری قدس سرہٗ خاص مقام اور خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔

التّحقیق :-

قولہٗ مغیبات۔ وفی العربی فی الغیوب۔ من الغیب۔ مصدر شک غائب و پوشیدہ ہونا، راز، بھید، پست زمین۔ اس کی جمع غیابٌ و غیوبٌ۔ اَلغَیبَۃُ و الغیابۃُ پست زمین، قبر۔ الغیابۃ من کل شیئٍ۔ پردہ۔ اَلغیبَۃُ۔ بدگوئی، غیبت۔ اصل میں یہ مادہ غاب یغیبُ غیبًا و غیبۃً و غیابًا و غیُوبًا و مغیبًا۔ عنہ دور ہونا، جدا ہونا۔ اسی سے آپ کو یومنون بالغیب کا صحیح مفہوم و معنی بھی سمجھ میں آیا ہوگا۔

قولہٗ اسمعًا و ابصرًا۔ یہ دونوں لفظ غیر منصرف ہیں کیونکہ ان میں وزن فعل اور وصفیتِ اصلیہ یعنی دو سبب پائے جاتے ہیں اس لئے ان دونوں لفظوں پر تنوین نہیں آنی چاہیئے تھی مگر ضرورتِ شعریہ میں غیر منصرف کو منوّن (باتنوین) پڑھنا دُرست اور جائز ہے۔ کمافی قول فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ؎

ماذا علیٰ مَن شمّ تُربۃَ احمدَا
اَن لا یشُمّ مُدی الزمانِ غوالیا
صُبّت علیّ مصائبٌ لو اَنّہا
صُبّت علی الایّام صِرن لیالیا

ہم تجلّئ حیات و قدرت و علم و کلام
شد برو تاثیر آں بسیار مستبصر شد است

وکذا بالحیٰ و القدرۃ و علم و کلام
قد تجلّی لہ واضحٌ فی کثیرٍ مبصرا

(ترجمہ) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حیاتِ معنوی، طاقت و قدرت، علم و دانش اور کلام و گویائی کی صفت سے تجلّی فرمائی جن کے آثار اور مبارک علامات آپ سے بارہا دیکھے اور مشاہدہ کئے گئے ہیں۔

خلاصۂ شعر:
اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حقیقیہ میں سے حیٌ۔ قادر۔ علیم اور متکلم وغیرہ ہیں۔ شرح عقائد نسفی میں ہے:۔

ولہٗ صفاتٌ ازلیۃٌ قائمۃٌ بذاتہٖ وھی لاھو ولا غیرہٗ۔
وھی العلم والقدرۃ والحیوۃ والقوۃ والسمع والبصر والارادۃ والمشیئۃ والفعل والتخلیق والترزیق والکلام۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے یہ اوصاف ازلی اور ابدی ہیں اور یہ صفات اس کی ذات قدسی صفات کے نہ عین ہیں اور نہ غیر۔ وہ اصول وصفات یہ یہ ہیں علم، جاننا، ہر چیز پر قدرت و طاقت رکھنا، حقیقی زندگی۔ ہر چیز پر قوت۔ سُننا۔ دیکھنا، ارادہ کرنا، چاہنا جو بھی چاہے۔ بندوں سے افعال پیدا کرنا۔ خلق یعنے عدم سے وجود میں لانا، رزق رسانی اور یہ کہ وہ متکلم حقیقی ہے۔ یہ تمام صفات مخصوص ہیں ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے اور بالذات و بالاصالہ۔ یہ صفات یا ان میں سے کوئی صفت کسی مخلوق کے لئے قرار دینا شرک ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ ہی جب چاہے اور جس قدر چاہے تو اپنے مقرب

بندوں، انبیاء، اولیاء اور صلحاء پر اپنی صفتوں کی تجلی اور پرتو ڈالتا ہے۔ جن میں سے حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ اس لئے ان نازک مراحل پر آپ نے تجلی کا لفظ استعمال فرمایا تاکہ کوئی ان ابیات کا غلط مطلب نہ سمجھے اور پھر وہ کہیں افراط و تفریط میں گرفتار نہ ہو جائے۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم، سُننا، دیکھنا اور کلام آلات و اسباب کی طرف محتاج نہیں اور کمیت و کیفیت کی کوئی انتہا نہیں جیساکہ کہا گیا "قولِ اور الحن نے آوازنے"

ہست تاثیرِ تجلّئِ جمالِ المُرِید
ایں کہ در غالب مُرادش حاصل و محضر شد است

فِیهِ اٰثارُ تجلّیِ اَلْمُرِیدِ غیرَ عدٍّ
وَلِذَا فِیمَا یُرُومُ فائزًا و مُحضرًا

ترجمہ: اللہ سُبحانہٗ وتعالےٰ نے آنجناب پر اَلْمُرِید کے جمال کی تجلی اور پرتو بھی ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اوقات آپ اپنے مُراد اور مطلب میں کامیاب ہوتے ہیں اور آپ کا مدّعا و مقصود حاصل ہوتا ہے۔

خلاصہ:
مُرید سے اس جگہ یہ مطلب ہے کہ جب آنجناب کسی چیز کے ہونے میں ارادہ اور آرزو فرماتے ہیں کہ وہ اس طرح ہو جائے تو اسوقت برابر ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ فعّالٌ لِمَا یُرِیدُ ربّ العالمین نے اس صفتِ جمال کی تجلی آپ پر بھی ڈالی ہے۔ یعنے یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کی اذن و اجازت اور اس کے علم و طاقت ہی سے آپ سے صدور اور سرزد ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کہ آپ اَلْمُرِید کی تجلی سے بہرہ ور اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔

بہت سی مشکلیں آپ کے ذریعہ آسان ہو جاتی ہیں کیونکہ آپ مؤید من عند اللہ العزیز الحکیم ہیں۔ ہاں ارادت اور عقیدت ہونی چاہیئے۔

"آں نانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند"

ہم تجلیاتِ وصفِ محیی و صفِ ممیت
شُد در و تاثیرِ آں بسیار جا مُبہر شُد است

و تجلّیاتُ مُحیی و مزایا المُمیت
لکثیرًا ما بتلک صار جدًّا مُبهرًا

ترجمہ:۔ اور مُحیی اور مُمیت کی اونچی صفتوں کی تجلّی بھی اللہ تعالےٰ نے آپ پر ڈالی ہے اس لئے بہت سے مقامات پر آں والا قدسی صفات سے ان دو وصفوں کا ظہور رہو رہا ہے۔

خلاصہ:۔

اللہ تعالےٰ کی صفتوں میں سے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا محیی زندہ کرنے والا اور مُمیت مارنے والا ہیں۔ زندہ کرنا اور مارنا یا یوں کہیئے حیاتِ حقیقی اور موت حقیقی کا مالک اور قابض صرف حضرت اللہ ہے۔ سب کائنات کی حیات و ممات صرف ایک قادر مطلق کے دستِ قدرت میں ہے۔ یُحیی و یمیتُ بیدہ الخیر وہی خدا زندگی اور موت بخشتا ہے اور اسی کے دستِ فضل میں ہمہ قسم کی خیر و برکت ہے۔ البتہ اسماءِ حسنیٰ میں سے ہر ایک اسم مبارک کی علیحدہ خاصیت ہے سالکِ راہِ سعادت جب اندر قواعد ان اسماءِ مبارکہ کا وِرد و وظیفہ کرتا ہے تو ہر ایک اسم کے آثار و برکات اور فیوض و ثمرات کا جلوہ اس پر مِن عند اللہ پڑتا ہے چنانچہ آنجناب نے یا مُحیی اور یا مُمیت کثرت کے ساتھ وِرد و وظیفہ پڑھا ہے جس کا ثمرہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے دکھایا کہ زندگی اور مارنے کی تجلّی آپ پر ڈالی۔

یعنے اِحیاء و اِماتت کا راز عیاناً آپ پر اِنکشاف فرمایا ہے اور سالک کو بعض اوقات دوبارہ زندہ کرنے اور مارنے پر جو شکوک یا تعجبات لاحق ہوتے ہیں تو آں جناب ان شکوک و شبہات سے نکل کر علم الیقین سے حق الیقین اور حق الیقین سے عین الیقین کے درجہ میں پہنچ گئے ہیں۔ یہ معمولی فضیلت و فوقیت نہیں ہے۔ زہے سعادت اور زہے خدائی عنایت کہ جب آپ کسی چیز کی خواہش اور ارادہ فرماتے ہیں تو آپ فوراً اپنا مطلوب و مقصود حاضر پاتے ہیں۔

او چو مجلائے جمال آمد جلالِ ذات را
نور و آثارِ جلالیّت ازو ازہر شد است

وَهُوَ مَجْلَاءُ الْجَمَالِ وَجَلَالِ ذَاتِهٖ
وَاٰثُوْرًا لِجَلَالِهٖ وَنُوْرَهٗ اَزْهَرَا

ترجمہ: آنجناب (محبوب العالمؒ) ذاتِ باری تعالیٰ کے صفاتِ جلالیہ کے اظہار کے وقت بھی صفاتِ جمالیۂ الٰہیہ کے آئینہ اور صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں اسلئے آنجناب سے جلالی آثار اور انوار کثرت سے سرزد ہوتے ہیں۔

خلاصہ:

حضرت سلطانُ العارفین جلال و قہر میں بھی سر تا پا جمال و رحمت ہوتے ہیں اسلئے آپ سے صفاتِ جلالیہ الٰہیہ کا صدور اور سرزد ہونا اور قہاریت سے ضرورۃً کام لینا اس میں بھی جمالی شان اور انوار و برکات ان لوگوں کے لئے ہوتے ہیں جن پر آپ کبیدہ، رنجیدہ اور آثارِ قہر و غضب کا اظہار فرماتے ہیں۔

اس شعر میں حضرت خاکی رحمۃ اللہ دفع دخل فرماتے ہیں یعنے ایک سوالِ مقدر کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ سوالِ مقدر اور اس کے جواب سے پہلے ایک بات کی طرف مختصر لفظوں میں آپ کی توجہ مبذول کرونگا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی بہت سی صفات ہیں بعض ایسی ہیں جو از قسم رحم و کرم اور فضل و عنایت ہیں۔ ایسی صفات کو حضرات صوفیہ قدس اللہ اسرارہم صفاتِ جمالیہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفتیں از قسم قہر و غضب اور تعذیب و اہلاک ہیں۔ ایسی صفات کو یہ حضرات صفاتِ جلالیہ کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے صفاتِ جمال و جلال از قبیلۂ اضداد و باہم متقابل ہیں اور کبارِ اولیاء اللہ ان دونوں قسم کی صفتوں سے موصوف ہوتے ہیں لیکن بالذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ پس حضرت سلطان العارفین حضرت شیخ حمزہ مخدومی قدس سرہٗ بعض اوقات صفاتِ جلالیہ قہاریہ سے بھی ان لوگوں کے خلاف کام لیتے تھے جو اُن صفات کے مستحق اور حقدار ہوتے تھے چنانچہ یہ لوگ اسوقت قہرِ الٰہی اور عذابِ الٰہی میں مبتلا ہونے تھے۔ تو اس پر بعض لوگوں نے حضرت خاکی رحمہ اللہ سے اعتراض کیا کہ آپ کے پیر روشن ضمیر ایسا جلال اور قہر و عتاب بندگانِ خدا پر کیونکر کرتے ہیں جبکہ اولیاء اللہ کی بلند شان سے اس قسم کے عتاب و سزا اور قہر و غضب کا صادر کرنا نہایت بعید اور خلافِ انصاف ہے۔

یہ ہے سوالِ مقدر حضرت خاکی رحمہ اللہ نے زیر بحث شعر میں اس کا جواب فرمایا کہ میں نے معترض کو وہی جواب دیا جو مجھ سے پیشتر حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ مولینا نور الدین جعفر المرحوم کو دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے حضرت خواجہ عبد اللہؒ نے بدخشان میں مولینا نور الدین جعفر کو اپنے پاس بُلا کر کہا کہ آپ اپنے پیر و رہبر حضرت میر سید علی ہمدانی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیجیے کہ آپ تو اولیاءِ کاملین میں سے ہیں تو پھر کیوں قہر و غضب اور غصہ و عتاب فرماتے ہیں۔ یہ تو آپ کی شانِ ولایت کے مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ ایک دن حضرت میر سید علی ہمدانیؒ نے حسبِ عادت مجھے (مولینا نور الدین جعفر) کو اپنے پاس بُلایا۔ اسوقت مولینا نور الدین جعفر کے دل میں آیا کہ میں آج ضرور اپنے پیر برحق حضرت خواجہ کا سوال ضرور پیش کرونگا اور دیکھوں گا کہ جناب مرشدِ کامل حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کیا جواب دینگے۔ جونہی مولینا نور الدین جعفر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے

ان کو از خود مولینا نور الدین کے پوچھے اور استفسار کئے بغیر مسکراتے ہوئے خواجہ عبد اللہ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا غصہ و غضب باعثِ رحمت و عنایت ہوتا ہے یعنے قہاریت میں بھی ہم جمالیت کے آئینہ اور پَرتَو ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ سوال ہی دل میں نہ لانا چاہیئے کہ اولیاء اللہ ضرورت کے وقت غیظ و غضب میں کیوں ہوتے ہیں۔ پھر حضرت میر نے اسکی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر سوموار کے دن میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے مشرف ہوتا تھا اور اپنے غصہ و غضب پر ایک دن افسوس ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ غصہ ذاتی مفاد کی خاطر نہیں ہوتا بلکہ یہ الحبُّ للہ والبُغضُ للہ پر موقوف ہونے کی وجہ سے باعثِ رحمت ہے۔

حضرت خاکیؒ نے حضرت میرؒ کا یہی جواب اپنے اس اعتراض کرنے والے کو دیا ہے جس نے کہا تھا کہ حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ قہر و غضب سے کیوں کام لیتے ہیں۔ حضرت خاکیؒ نے ان کو فرمایا یہ مصلحت سے خالی نہیں۔ اس میں رحمت و رافت کارفرما ہوتی ہے۔ اس صورت میں بھی جمالی شان کارفرما ہوتی ہے۔ اور حضرت میرؒ نے اپنے جواب کی تائید اس حدیث سے کی کہ آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیارُ اُمتی اَحِدَّائُہا الذین اذا غضبوا رجعوا۔ میرے بہترین اُمتی وہ تیز و تند لوگ ہیں کہ جب انہیں غصہ آجائے تو جلدی غصہ کی حالت سے واپس آکر رافت و رحمت بن جائیں گے۔ الی آخرہ۔ اس سے زیادہ وضاحت شرح میں مذکور و مرقوم ہے فراجع الیہ۔

التحقیق والتدقیق :

قولہٗ مجلاء : ظاہر اور واضح ہونے کا آلہ یعنے آئینہ کہ اس سے اپنی صورت کا حسن و قبح ظاہر ہوتا ہے۔ فارسی والوں نے تصرف کرکے اس کے ہمزہ کو یا سے بدل دیا ہے۔ یہ اصل میں جلا (ن) جلوًا و جلاءً سے نکلا ہے۔ جَلا الامرَ۔ کسی امر کو واضح کرنا، ظاہر و آشکار کرنا۔ جلا الرجلُ عن بلدہٖ کسی کو اس کے

شہر و ملک سے نکالنا جلاوطن کرنا۔ جلا عنه الشهم کسی کا غم زائل کرنا۔ جَلَا السَّيفَ۔ تلوار کو صیقل دینا۔ جلا عَن ضميره۔ دل کی بات کی ترجمانی کرنا، اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرنا۔ اَلجلوة۔ شب زفاف میں شوہر کا اپنی دُلہن کو دیا ہوا ہدیہ۔

قولہ جمال۔ جَمُلَ (ن) جمالاً خوش صورت، خوش سیرت ہونا۔

صیغہ صفت جمیل مؤنث جمیلۃ۔

قولہ جلالیۃ۔ جَلَّ (ض) جلالاً وجلالۃً۔ بڑی شان والا ہونا۔ جسم میں بڑا ہونا۔ عمر میں بڑا ہونا۔ جلّ وتجالّ عن کذا۔ نفرت کرنا۔ بیزار و بری ہونا اپنے کو کسی نقص سے بالا و برتر سمجھنا۔ ومنہ ھنا۔

اُثور و آثار۔ جمع اثر۔ کذا فی المنجد۔ علم الآثار۔ اگلی قوموں کی چھوڑی ہوئی یادگاروں کی معرفت مثلاً ان کے مکانات، مجسمے اور سکے وغیرہ کی معرفت اَلاثری: آثار قدیمہ کا ماہر۔ الاثیر۔ قدماء نویں آسمان کو بھی اثیر کہتے ہیں۔ اور باصطلاح علماء طبیعیات اثیر "ایتھر" کو کہا جاتا ہے۔ یہ اصل میں وہ مادہ ہے جس کے تموّج سے گرمی بڑھتی ہے اور آواز دُور تک جاتی ہے۔

اَزْھَرُ صیغہ اسم تفضیل مشتق ہے۔ اَزْھَرَ النبات پودہ کا شگوفہ وا ہونا اور بہت روشن ہونا۔

کبر او شد محو ظاہر کبریائے حق ازو
ایں شعار آں امامُ الصادقین جعفر شد است

قَدْ فَنِیْ کِبْرُہٗ وَکِبْرِیَاءُ رَبٍّ اَظْھَرَا
ذَا الشِّعَارُ لِاِمَامِ الصَّادِقِیْنَ جَعْفَرَا

ترجمہ: آنجناب کا ذاتی کبر و نخوت اور غرور و پندار مٹ چکا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و سطوت اور اسکی بلندی و برتری آپ کی جبینِ مبارک سے عیاں اور

سیرتِ مبارکہ سے ظاہر و باہر ہے۔ اس قسم کا طریقہ سچ بولنے والوں اور راہِ حق پر چلنے والوں کے امام و پیشوا حضرت جعفر صادق کا تھا کہ آپ اپنی ذاتی اور شخصی عظمت مٹا چکے تھے اور خدائے برتر کی عظمت و کبریا آپ کے جبین عنبر آگین سے ظاہر ہوتی تھی۔ یہی حال حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کا ہے۔

خلاصۂ شعر:

حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ نے ذاتی کبر و غرور فنا کر لیا ہے کیونکہ ذاتی کبر و غرور احمق ہونے کی دلیل ہے اور جس کی پیدائش و آفرنیش ماءِ مھین بدبودار پانی سے ہو اور پھر اس کا انجام زیرِ زمین دفن ہونا ہو اور مٹی سے پیوست ہونا ہو بھلا اُس کا غرور اور اپنی بڑھائی کا اظہار اور بندگانِ الٰہی پر اپنی فوقیت دکھانے سے کیا فائدہ؟ ایسے لوگ حقائقِ اشیاء اور خدائی معرفت سے بالکل کورے اور لاعلم محض ہیں۔ روح جسم سے پرواز کرنے کے بعد تمام دعاوی خواہ وہ خاندانی ہوں یا شاہانہ اور علم و دولت کے متعلق ہوں۔ وہ سب ایک ایک کر کے ربِ جلیل کے نزدیک ساقط و بے اعتبار اور دھڑام کر کے گر جاتے ہیں کیونکہ قبر میں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تو کس خاندان سے تھا؟ اور کیا تو علامۂ دہر تھا یا بادشاہ و حکمران تھا یا کچھ اور؟ وہاں تو صرف اتنا سوال ہوگا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے۔ اور اس صاحب (حضرت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا جانتے ہو؟ اگر مسئول ٹھیک ٹھیک جواب دیگا تو کامیاب ورنہ اس کے برابر کوئی محروم و مردود نہیں۔ صرف عملِ صالح اور درستی کردار کی کوشش کرنی چاہیئے کہ یہی باخدا انسانوں کا طریقہ اور وتیرہ ہے۔ اسلئے مشہور ہے کہ آخر میں مقربینِ الٰہی کے دلوں سے دنیوی جاہ و جلال کی حشمت نکل آتی ہے اور وہ اپنے نفوس اور ذوات کو اللہ کی معرفت میں فنا کر کے دوام اور بقا حاصل کرتے ہیں اور ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

کے پورے مصداق بن جاتے ہیں۔

غرض شعر کا مقصد یہ ہے کہ حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ نے معرفتِ الٰہی میں اپنی ذات فنا کی جس کی برکت سے ربانی عظمت و کبریائی نے آپ کی ذات بابرکات میں اپنے آثار ڈال دیئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الٰہی عظمت و کبریا کے خواص آپ سے بکثرت سرزد ہوتے ہیں۔ اور شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدقسمتی ہے کہ عوام الناس یا اولیاء اللہ کے دشمنوں کو کبر و غرور اور کبریا و عظمتِ الٰہی میں فرق کرنے کا سلیقہ نہیں پایا جاتا اس لئے وہ دشمن اپنی نادانی سے اولیاء اللہ کی طرف متکبر ہونے کی نسبت کرتے ہیں معاذ اللہ اور ان کے ذہنوں سے یہ بات اوجھل ہو گئی ہے یہ تکبر نہیں بلکہ ذاتِ باری تعالیٰ کی عظمت و کبریائی نے ان پر اپنا جلوہ ڈال دیا ہے۔ کبر و غرور اور کبریاء و عظمت میں سب سے پہلے جو فرق ہے وہ سچوں کے پیشوا اور امام الاولیاء حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کیا ہے کہ انہوں نے سمجھایا کہ ہم متکبر نہیں ہیں بلکہ متکبرِ حقیقی رب العالمین کی تجلّی اور پرتو ہم پر پڑا ہے اور حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد عوام اور بے ادبوں نے اسی قسم کا اعتراض حضرت سلطان ابو سعید ابو نظیر حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری اور حضرت امیرِ کبیر میر سید علی ہمدانی رحمہم اللہ پر جب کر لیا تو ان حضرات نے عالمانہ انداز میں جواب دیکر کبر و غرور اور کبریاء و عظمت میں فرق کر کے کبر و غرور سے براءت و بیزاری کی اور حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ ذخیرۃُ الملوک میں سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ سے استدلال کیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم بصیرۃ السلوک شرح ذخیرۃ الملوک میں اپنے موقع پر حسبِ عادت اس کی شرح و ترجمہ کر کے ہدیۂ قارئینِ کرام کرینگے۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ دولتمندوں، پیشہ وروں اور مذہب سے استحصال کرنے والوں کا تکبر نفسانی اغراض و ذاتی وقار قائم رکھنے کے لئے ہوتا ہے جو باعثِ

عیب ہے اور اولیاء ایسے کبر و غرور اور نفس پروری قائم رکھنے کے حق میں نہیں ہوتے بلکہ وہ پہلے اس کبر کو مٹاتے ہیں تب سلوک میں قدم رکھتے ہیں۔ جیسے خود حضرت خاکی رحمہ اللہ نے حضرت میر رحمہ اللہ سے نقل فرمایا۔ ہاں اولیاء اللہ میں مولای کریم کی شانِ کبریائی اور عظمت و برتری پائی جاتی ہے اسلئے انکے سامنے بادشاہ و گدا، امیر و مامور اور فقیر و غنی یکساں درجہ رکھتے ہیں۔ مجال کیا کہ وہ جاہلوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ امیروں کے گھروں میں جاکر ان کی خوشامدی کریں بلکہ شاہانِ وقت ان کے پاس آکر عاجزی کرتے ہیں کہ ہمارا ہدیہ قبول کیجئے مگر وہ ربّ العالمین پر بھروسہ کرکے شاہ سلیم رحمہ اللہ کی طرح مستانہ وار نعرہ مار کر یہ جواب دیتے ہیں کہ ؎

شاہ ما را نان دہد منت نہد ✽ رازقِ ما رزق بے منت دہد

کہ بادشاہ روٹی دے تو احسان بھی جتائے جو ہمیں پسند نہیں ہے اور ہمارا حقیقی رزاق رزق بے منت عطا کرکے ہماری عزت بچاکر ہماری لاج رکھتا ہے۔ اللہ اکبر! کہ زمانہ میں کتنی تبدیلی آگئی۔ اِنَّ العَصَا قُرِعَت لِذِی العَقل۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

باز تکبر اگرم در سراست ✽ ہم زدم اوست کہ در من دمید

التحقیق،

قولہٗ کِبر۔ اَلکِبرُ تکبّر، بڑا گناہ۔ اَلکِبَر۔ کفر و شرک۔ اِستکبر تکبر کیا۔ الامرَ۔ کام کو بڑا سمجھا۔ الکبریاءُ بزرگی، عظمت۔ الکبیرُ بڑا۔ اسکی جمع کِبار و کُبراءُ۔ معلم، رئیس۔ کبیر۔ اللہ تعالےٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے۔ کبّر تکبیرًا و کبّارًا اللہ اکبر کہنا۔ الشیئَ کسی چیز کو بڑا بنانا۔ تکبّر و تکابر تکبر کرنا، مغرور ہونا۔

قولہٗ الشعارُ۔ خاص لفظ جو فوج میں مقرر ہوتا ہے اور جس سے اپنے آدمیوں کو پہچانا جاتا ہے اور لڑائی کے وقت اس لفظ سے ایک دوسرے کو

پکارتے ہیں۔ اس کو سِرُّ اللَّیل بھی کہتے ہیں۔ لڑائی یا سفر میں مقررہ علامت جسم سے لگنے والا کپڑا۔ گھوڑے کی جھول۔ شعائرُ المملکۃ حکومت کی علامات۔ اس کی واحد شِعارۃ۔ یہاں پر علامت مُراد ہے اور شَعار بفتح شین درختوں والی جگہ۔ شعائرالحج۔ حج کے احکام و رسوم۔ واحد شَعارۃ۔

شیخ مہنہ در بیانِ ایں صفت دُرسُفتہ است
از وقارش سیّدِ صُوری چو مستکبر شُد است

شَیخُ مِہنَہ قَدْ اَجَادَ مَا اَفَادَ فِی الْجَوَاب
مِنْ وَقَارِہٖ مَتٰی مَا سَیِّدٌ اِسْتَکْبَرَا

ترجمہ: شیخ مہنہ نے اپنے جواب میں کیا خوب کمال کر دکھایا جبکہ ایک سیّدِ صُوری آپ کا حِلم و وقار دیکھ کر متکبّر کرنے لگا۔

"آدمی کو مرتبۂ عالیہ دین و دُنیا میں اِتباعِ سُنّت سے ہی ملتا ہے اور محبوبیت کی شان صرف اونچے نسب سے مُیسّر نہیں ہوتی۔ ورنہ ابولہب بھی جناب حضرت سیّد الکونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہم نسب اور خاندان میں شریک تھا مگر بدعمل ہونے کی وجہ سے اس کے لئے سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ (وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا) وارد ہے اور حضرت سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حق میں اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (ہم ضرور آپ کو دین و دُنیا میں ہر قسم کی خیر و برکت اور عزّت و رفعت عطا فرمائیں گے) نازل ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ حُسنِ کردار اور عملِ صالح کے سامنے خالص نسب کی کوئی حیثیت اور کوئی مقام ہی نہیں۔

چونکہ اس سوال و جواب کو اصل میں حضرت مولینا عبد الرحمان جامی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف سِلْسِلَۃُ الذَّھَب میں نظم کی صورت میں پورے ولولہ اور عاشقانہ انداز میں بیان کیا ہے اور شارح رحمہ اللہ نے عامۃ النّاس کے فائدہ کے پیشِ نظر اس سوال

وجواب کو نقل کیا ہے۔ لہٰذا حسبۃً لِلّٰہ اور بندگانِ خدا کو بیدار کرنے کے لئے اس سوال وجواب کو کما ہو اس مقام پر ہم بھی درج کرتے ہیں۔ گویہ ضرور ہے کہ یہ ہمارے وظیفہ اور ذمہ داری سے بالاتر ہے مگر خطرہ ہے کہ قادیانی طبایع ہم پر وار نہ کر بیٹھیں۔ فاقول اعوذ باللہ من کلِّ جاھلٍ جبّارٍ متکبّرٍ اصل واقعہ جس میں زیرِ بحث شعر میں تلمیح ہے یوں ہے :۔

تشریح :۔ شیخ مہنہؒ سے سلطان ابوسعید ابوالخیر مُراد ہیں۔ آپ کا نامِ نامی واسمِ گرامی فضل الدین بن ابوالخیر ہے۔ مہنہ خراسان کا ایک شہر ہے۔ موصوف اپنے زمانے میں طریقت کے امام، بڑے بڑے اولیاء اللہ و دوستانِ خدا آپ کے فرمانبردار اور ارادت مند ہیں اور خود حضرت موصوف ابتداءً ابوسعیدؒ سرخسیؒ کے مُریدِ باتخصیص تھے اور انکی وفات کے بعد شیخ ابوالعبّاس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے ہاں ایک سال قرار کرنے کے بعد آپ کے حکم سے مہنہ کے شہر میں جلوہ افروز ہوئے وہاں بڑی مقبولیت ہوئی جیساکہ ان کو اپنے پیرِ روشنضمیر نے پہلے ہی اس سے آگاہ کیا تھا کہ کچھ مدت کے لئے تمہارے دروازہ پر عزّت و رفعت کا ڈنکا بجتا رہے گا۔ مختصر یہ کہ آپ پر بھی کبریاءِ ربّانی کی تجلّی ہوئی تھی اور سرتا پا حلم وُوقار بن گئے تھے۔ بدقسمتی سے ایک ظاہری سید صاحب نے اس حلم ووقار اور کبریا وعظمت کو کبر وغرور سمجھ لیا اور دل میں یہ خیال آیا کہ اس کبر وغرور یا اس قبولیت و بے نیازی کا حق دار تو میں تھا مگر سیدِ صُوری ہوتے ہوئے بھی مجھے یہ نصیب نہیں ہُوا اور پھر شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمہ اللہ اس کے حقدار کیسے ٹھہرے ہیں۔ اس لئے سید صاحب نے آپکی محفل میں آنے کا ارادہ کیا تاکہ اہلِ مجلس کے سامنے اس اعتراض کو دہرائیں مگر حضرت شیخ اپنی روشن ضمیری سے پہلے ہی ان کے اعتراض سے آگاہ ہوئے تھے چنانچہ اس واقعہ کے متعلق حضرت جامیؒ فرماتے ہیں ؎

پادشاہانہ مجلسے می ساخت ۔ نردِ صحبت بہر کسے مے باخت

بُرد روزی ای ز ذوق راہ روی ؛ رہ بداں جمع سیدِ علوی
شوکتِ جاہ شیخ را چوں دید ؛ شوکِ آں شوکتش بسینہ خلید
گفت ہستم مَن آلِ پیغمبرؐ ؛ ایں بزرگی بود مرا در خور
باچنیں رفعتِ نسب کہ مراست ؛ ایں بزرگی نصیبِ شیخ چرا

حضرت ابوسعید رحمہ اللہ اپنی مجلس بادشاہانِ عالم کی طرح سجاتے ہیں اور اپنی صحبت ورفاقت کو ہر ایک کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اسی حال میں پورے ذوق ومستی میں ایک سیدِ علوی کا اس مبارک مجلس میں گذر ہوا تو جوں ہی انہوں نے جنابِ شیخ کی شان وشوکت اور جاہ وجلال کو دیکھا تو ان کے مبارک سینہ میں شیخ کے حسد و رقابت کا کانٹا چبھنے لگا اور اُن کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں تو پیغمبرزادہ ہوں لہٰذا یہ شرف وبرتری مجھے ہونی چاہیئے تھی مگر باایں رفعت نسبی جو کہ مجھے حاصل ہے میں اس شان وشوکت اور جاہ وجلال سے محروم ہوں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اونچا مقام شیخ کے حصہ میں کیونکر آیا۔ اِدھر تو سید صاحب کے دل میں یہ خیال آیا اُدھر حضرت بوسعید رحمہ اللہ کے سینۂ بے کینہ میں اُس کا عکس پڑا کیونکہ شیخ اور رہبرِ طریقت کی مثال ایک صاف وشفاف آئینہ کی طرح ہوتی ہے۔ آئینہ بھی کیسا ہو جو پردہ اور کھائی سے بہت پاک وصاف ہو۔ اور رہبرِ کامل کا قلبِ مبارک ایسا آئینہ تصور کیجئے جو مرکزِ عالم میں تمام دنیا والوں کے سامنے ہمہ وقت رہتا ہے اور جو جیسی صورت اس کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کا عکس اس آفتابِ تاباں پر پڑنا ضروری اور فطری امر ہے لہٰذا پیر سے پردہ نہیں۔ اسی مضمون کو حضرت جامیؒ تسلسل کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ؎

ہر خیالے کہ در مقابلِ شیخ ؛ کرد اندیشہ تافت بر دلِ شیخ
شیخ آئینہ ایست لیک کری ؛ دلش از زنگ احتجاب بری
گشت در مرکزِ جہاں مرکوز ؛ روبروئے جہانیاں شب و روز
ہرچہ ظاہر شود ز جملہ جہات ؛ منعکس گردد اندر آں مرآت
کانچہ باشد بداں دلِ تو گرو ؛ بر دلِ شیخ افگند پرتو

اور جو خیال تمہارے دِل میں گذریگا تو تمہارے شیخ پر اس کا عکس ویرتو ضرور پڑیگا خواہ تیرے اور تیرے شیخ کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہو۔

اسلئے مولینا آگے فرماتے ہیں :-

گر بود زشت آہ و ایلا ٭ ور بود خواب سادۂ اولی

سادہ نہ لوحِ خویش پیش دبیر ٭ تا شود از دبیر نقش پذیر

نابود لوح تو حریفِ حروف ٭ کے بہ تحریرِ وے شود موصوف

یعنے اگر تمہارے دل میں مُرشدِ کامل کے متعلق بُرا خیال آجائے تو وہ تمہارے لئے موجبِ یاس وعبرت ہے اور اگر اُن کے متعلق تمہارے دل میں بہترین گمان اور حسنِ ظن پیدا ہو جائے تو پھر تمہاری سعادت ونجابت کے کیا کہنے۔ اس لیے اے طالب سعادت تو اپنے رہبر کامل اور نقاش ازل کے سامنے اپنے دل کی تختی صاف و پاک رکھ تاکہ منشی زمان اور نقاشِ دوران اس پر ٹھیک نقش کشی کرسکے اور اگر تیرے دل کی تختی پہلے ہی مُرشدِ کامل کی حریف ہو تو بتاؤ اس پر حروفِ سعادت کیونکر منقش ہونگے ؛

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شیخ نے اپنے نورِ ایمان سے بھانپ لیا کہ سید صاحب کے دل میں کون سا خطرہ رونما ہوا تو سید صاحب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ؎

گفت الفصہ شیخ باعلوی ٭ کائے فروغ چراغ مصطفویؐ

نزنسب یافت آنچہ جدِ تو یافت ٭ ازنسب کس بقرب حق نشتافت

گرنسب ساختے سرافرازش ٭ بولہب نیز بودے انبازش

مَن ہمیں از نسب نیافتہ ام ٭ لیک در پیروی شتافتہ ام

مصطفےٰ را ز فضل ربانی ٭ گشتہ ام در متابعت فانی

برہِ سنتش فروشدہ ام ٭ تابحدے کہ جملہ اوشدہ ام

ہستیم در وجود او چو رسید ٭ حق بمحبوبئے خودم بگزید

سید صاحب! اے چراغِ نبویؐ اور اے آلِ رسولؐ! آپ کیا بلکہ آپکے جدِ امجد

صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے اونچا مقام اور سب سے بڑا شرف حاصل کیا وہ نسب عالی کی وجہ سے نہیں کیا ہے۔ اور خالص نسب سے کسی نے قرب خدا نہیں پایا اور نہ محبوبیت کا درجہ حاصل کیا۔ اور اگر نسب ہی سے یہ مقام و مرتبہ کسی کو ملتا تو ابولہب بھی خاندانیت میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک تھا تو نتیجہ سب پر واضح ہے۔ اور یاد رکھیئے میں نے بھی یہ مرتبہ نہیں پایا مگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور پیروی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور سچ جانئیے تو میں نے اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے اپنے آپ کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرتے کرتے مقامِ فنا میں قدم رکھا اور میں نے آپ کے طریقۂ عالیہ کی اسقدر اقتدا کی کہ میں سراپا متابعت اور پیروی بن گیا اور جب متابعت کی برکت سے آپ کے وجودِ ذی جود صلی اللہ علیہ وسلم سے واصل ہوا تو اللہ تعالےٰ نے اسی متابعت کی برکت سے مجھے اپنا محبوب بنایا۔ لہٰذا آپ بھی عملِ صالح اور اتباعِ سنّت کی پیروی کی دعوت دیجیئے تب ایمان نصیب ہوگا۔

غرض متن کے زیرِ بحث شعر میں صنعتِ تلمیح ہے کہ اہم تاریخی عبرت انگیز واقعہ کی طرف اس میں اشارہ ہے۔ اور حضرت شارح کا کمال تو دیکھیئے کہ کس لطافت وحلاوت سے اتنا طویل قصہ اپنے مذکورۂ بالا شعر میں سمویا فرحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ میں نے اس قسم کی عجیب تلمیحات علماءِ اسلام کے اشعار میں بہت کم دیکھی ہیں البتہ حضرت الاستاذ سید الفقہاء جامع الروایۃ والدرایۃ علامہ دوران مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ سابق صدر جمعیت علماءِ ہند ومفتی اعظم ہند کے ایک قصیدہ کے ایک شعر میں اسی قسم کی تلمیح ہے۔ فرماتے ہیں قدس اللہ سرّہٗ۔

ولولا اللّٰہُ انزلَ فی الکتاب — الم تر انّھم کثّرت تصیدی

کفانا قولُ مولینا الھمام — محمد بن ادریس العمید

ولولا الشعرُ بالعلماءِ یُزری — لکنتُ الیومَ اشعرَ من لبید

(ماخوذ من روض الریاحین)

واضح رہے کہ ہمارے شہر کے ایک بدو خان نے حال ہی میں ایک تقریر میں کہا کہ سید کچھ بھی عمل کرے تو اس کی توبہ قبول ہو گی اور ایسے سید کو پھر حضرت سلطان العارفینؒ پر دبے لفظوں میں معاذاللہ فضیلت دی۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا اِلیہ راجعون۔ کاش اُس سے کوئی کہتا کہ بیتارہ پیرا بندگانِ خدا کو کب تک اپنی تاریخ دانی سے فریب دیکر بدعمل بناؤ گے۔

کعبہ کس مُنہ سے جاؤ گے غالب! ؛ شرم تم کو مگر نہیں آتی

التّحقیق :

دُرسُفتن ، موتی بندھنا۔ مراد کمال کرنا ، اچھی بات کہنا۔

قولہٗ اجاد : اچھا بنانا۔ اجادہُ النقدَ کھرے کھرے سکّے دینا۔

مَا برای موصولہ بمعنے الّذی۔ اَفَادَ۔ افاد فلانٌ المالَ سے۔ مال اور علم عطا کرنا۔

قولہٗ مِنْ وَقَارِہٖ۔ دفی القرآن الکریم ما لکم لا ترجونَ للّٰہ وَقَارًا (موضح القرآن میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: "کیا ہوا تم امید نہیں رکھتے یعنے نہیں پہچانتے خدا تعالیٰ کے بزرگوں کو۔" وَقَرَ وَقَارَۃً و وَقَارًا الرجلُ۔ با وقار ہونا ، ثابت رہنا۔ وَقَرَ فی بیتِہٖ گھر میں وقار کے ساتھ بیٹھنا۔ وَقَرَ الشَّیخَ تعظیم کرنا۔ عزّت کرنا۔ مصرعۂ ثانی میں متیٰ کے بعد جو مَا ہے وہ زاید ہے اور وزنِ شعر کے لئے ہے۔

لاتقومُوا مصطفےٰؐ کرد امر پس وے ایں زمان
مَاحِیُ البِدعَۃِ مقیمِ اَمرِ آں اٰ ءُ مرشدہ است

نَهیُ مَولینا النّبیّ لاتقُومُوا قد ثَبَتْ
فَهو یُمحی الاٰن بِدعًا وَبقولِہٖ اٰءُ مرًا

ترجمہ: آں حضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم نے ہر کس و ناکس کے سامنے کھڑے ہونے سے ممانعت فرمائی ہے۔ آپ کے اس حکمِ گرامی قدر کی وجہ سے آنجناب اس زمانہ میں

لوگوں کے سامنے کھڑے ہونے کی بدعت کو مٹاتے اور اس حکم گرامی کی بہت زیادہ تاکید فرماتے ہیں کہ اہلِ دُنیا کو دیکھ کر تعظیم کے طور پر کھڑے نہ ہوا کرو۔

خلاصۂ شعر:

عام لوگ دنیاداروں اور ظاہری حاکموں کو دیکھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا کیونکہ اس سے دونوں (کھڑے ہونے والے اور جس کے لئے کھڑا ہو جائے) کے لئے مفاسد پیدا ہونے کا امکان ہے کہ اول الذکر کے لئے پست ہمتی اور ثانی الذکر کے لئے کبر وغرور پیدا کرتا ہے البتہ اگر کھڑے ہونے سے آنے والے کی دلجوئی اور اس پر اپنے اعتماد کا اظہار مقصود ہو تو اس صورت میں جواز کی صورت نکل سکتی ہے۔ کیونکہ قُومُوا اِلیٰ سَیِّدِکُمْ سے یہی مطلب ہے۔ اور پھر اس مختصر تقریر سے ابوداؤد کی حدیث قال خرج رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مُتَّکِئًا علیٰ عَصَاءٍ فقُمنالہٗ فقال لاتقوموا کما تقومُ الاعاجمُ یُعظِّمُ بعضھا بعضًا۔ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم عصای مبارک ٹیکتے ہوئے اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر آئے اور ہم (صحابۂ کرام) احتراماً کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا عجمیوں کی طرح ایک دوسرے کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو۔ اور حدیث قوموا اِلیٰ سَیِّدِکُمْ "کہ اپنے سردار و امیر کو دیکھ کر کھڑے ہو جاؤ" کے درمیان کسی قسم کا تعارض نہیں رہا۔

بہرحال حضرت شارح رحمہ اللہ حنفی مسلک اور صوفی مشرب ہیں۔ انہوں نے کسی کے سامنے مطلق کھڑے ہونے کو بدعت قرار دیا ہے۔ اور اس بدعت کو دُور کرنے کے سبب اپنے پیرِ کامل حضرت محبوبُ العالم کو ماحیُ البدعۃ یعنے بدعت مٹانے والا قرار دیا۔

اور شارح نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی تحقیق بھی اپنی شرح میں نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں:- (۱) وہ

جو سنتِ ماموره کے مزاحم اور مقابل ہو۔ (۲) وہ بدعت جو سنتِ ماموره کے مُزاحم و مُقابل نہ ہو۔ بدعت کی پہلی قسم سے ہر صورت میں اجتناب و احتراز کرنا چاہیئے یعنے دُور رہنا چاہیئے اور دوسری قسم کی بدعت کے ارتکاب میں کوئی قباحت و شناعت نہیں جب کہ اس سے مبارک مقصد ہو۔ جیسے آنے والے کی دلجوئی اور مدارات کرنا کیونکہ یہ بدعت بھی درحقیقت سنت جیسے حُسنِ معاشرہ اور حُسنِ رفاقت میں داخل ہے۔ بہرحال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تکلفات سے بہت دُور تھے اس لئے صحابۂ کرام کو اپنی تشریف آوری پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا۔ کیونکہ آپ کا ارشاد ہے اَنَا وَ اَتْقِیَاءُ اُمَّتِی بُرَاءٌ مِنَ التَّکَلُّفِ "میں اور میرے پرہیز گار اُمتی تکلف اور دکھاوٹ سے بہت دُور ہیں۔ لہٰذا یہ بھی اِسترحام کے لئے ہے جو اکثر علماء پر مخفی ہی رہا۔ مولودِ شریف میں قیام اور اس کے احکام تو وہ متنوع اور جُداگانہ ہیں۔ ہمارے نزدیک اُس کے مستحسن ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ آیت ہے:- اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا "باخدا انسان ہر حال میں کھڑے اور بیٹھ کر یادِ خدا کرتے ہیں۔" اور اس کی بہت سی دلیلیں علماءِ اسلام نے نفیاً و اثباتاً دی ہیں تو اس جگہ اس رسالہ میں اس تحقیق سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کو منظور ہو تو ہم بصیرۃ السّلوک شرح ذخیرۃ الملوک کے حصّۂ اوّل کے دوسرے ایڈیشن میں بدعت کی پوری تحقیق قلم بند کرینگے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرینگے کہ ہم لوگ تو فرائض، واجبات اور سننِ مؤکدہ دیدہ و دانستہ چھوڑ کر اپنی نادانی کا ثبوت دیتے ہیں اور ہم چو قسم کے امورِ مستحبّہ کی مباحث میں آگے آگے اور پیش پیش ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایسے لوگ جانتے تک نہیں کہ خدا تعالےٰ ہمارے اعمال اور ہمارے خیالات و واردات سے خوب آگاہ اور واقف ہیں۔

التحقیق:- قولہ، نھی. نھاہ. ینھوہٗ نھوًا و نھاہٗ ینھاہٗ نھیًا۔

روکنا، منع کرنا۔ نھٰی یَنھُوْ نھاوۃً معتل اللام واوی۔ بہت ذہین ہونا۔ کامل العقل ہونا۔ اولی النُّھٰی۔ عقل مند اور ذہین لوگ۔ اسی سے سورۂ طٰہٰ میں اِنَّ فی ذٰلِکَ لَاٰیاتٍ لِاُولی النُّھٰی۔ یعنے امور مذکورہ میں عقلمندوں اور ذہین لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے قادرِ مُطلق ہونے پر کھلی نشانیاں ہیں۔ نہی کے معنی نحویوں کے نزدیک ترکِ فعل طلب کرنا جس کا حاصل ممانعت کرنے کے آتا ہے۔ ضرورتِ شعری نے لام کلمہ کو ساکن بنایا۔ یہ لفظ تخصیص کے ساتھ لانے میں یہ فائدہ ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ حدیثِ لاتقوموا واقعی علے الاطلاق ثابت ہے لہٰذا اُن تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں جو کچھ حضرات مترجمین کثر اللہ امثالہم نے فرمائی ہیں۔

قولہٗ اَلبِدعۃ: وہ چیز جو بغیر کسی سابق مثال کے بنائی جائے اس لئے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حُسنیٰ میں سے اَلْبَدِیْعُ آیا ہے کہ اس نے بغیر کسی سابق مثال کے آسمان وزمین، ستارے، سیارے، پہاڑ اور آبشارے بنائے اور پیدا کئے۔ مذہب میں نئی رسم کو کہتے ہیں۔ رہا یہ امر کہ حضرت شارحؒ نے قیام کس بدعت میں داخل کیا تو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی تحقیق سے اس کا جواب آچکا ہے۔

علمُ البدیع وہ علم ہے جس سے کلام کی لفظی ومعنوی خوبیاں معلوم ہوں۔

اَلْمُبْتَدِعُون: بدعتی لوگ۔ بَدَّعَہٗ۔ کسی کو بدعتی ٹھہرانا۔

قولہٗ آٰمَرُ۔ صیغۂ اسمِ تفضیل، بہت زیادہ حکم دینے والا۔ یہاں یہ مفہوم لاتقوموا کی تاکید کے لئے ہے۔

گفت پیغمبرؐ تکبّر برتکبّر صدقہ است
در وقارش سرِ ایں اخبار ہم مُضمر شُد است

اِنَّ کِبْرًا بِذَوِیْہِ بِالْحَدِیْثِ صَدَقَۃٌ
سِرُّ ھٰذَا الْقَوْلِ اَضْحٰی فِیْ وَقَارِہٖ مُضْمَرًا

ترجمہ: حدیث شریف میں آیا ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا متکبروں اور مغروروں کے ساتھ تکبر کرنا ایک قسم کا صدقہ اور خیرات ہے اور اس حدیث مبارک کا راز اور حکمت آں جناب کے وقار میں مضمر اور پنہاں ہے۔

خلاصۂ شعر:

غالباً متکبر کے ساتھ تکبر کرنا اِس بنا پر صدقہ قرار دیا گیا ہے کہ اس سے متکبر کو نصیحت لگتی ہے کہ اس کی تحقیر ہوتی ہے جس سے وہ رفتہ رفتہ اپنے کبر وغرور سے باز آتا ہے۔ چونکہ اس قسم کے طریق کار سے متکبر کی اصلاح ہوتی ہے اسلئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو صدقہ قرار دیا ہے۔

مروی ہے کہ آپ نے فرمایا التواضع مع المتواضع صدقۃ والتکبر مع المتکبر صدقۃ۔ نرم مزاج کے ساتھ نرمی کرنا اور اچھے اخلاق سے پیش آنا بھی ایک قسم کا صدقہ اور خیرات ہے اور اسی طرح متکبر کے ساتھ حلم اور وقار سے پیش آنا وصدقات کے مترادف ہے۔ غالباً قارئین کرام ہمارے اس ترجمہ سے حدیث مبارک کا صحیح مفہوم سمجھ گئے ہونگے۔ یعنے زیرِ بحث حدیث میں جو تکبر کا لفظ آیا ہے اس سے حقیقی تکبر مراد نہیں کیونکہ وہ ہر حال میں قابلِ مذمت ہے۔ تو پھر وہ صدقہ کیسا بن سکتا ہے بلکہ اس تکبر سے وقار مراد ہے۔ چونکہ دونوں میں صوری مشاکلت ہے اس لئے آپنے وقار کی جگہ تکبر کا لفظ استعمال فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔
وقد خفی ھذا المعنیٰ علی کثیرٍ من المترجمین رحمھم اللہ اجمعین۔
فقالوا ماقالوا لکن اللبیب یعلمہ۔

قولہ ذویہ۔ ذَوُوْنَ حالت رفعی اور ذوِینَ حالت نصبی میں ذُو کی جمع ہے بمعنے صاحب۔ مالک۔ یہ اسماء ستہ مکبرہ میں سے ہے۔ تثنیہ ذوانِ آتا ہے۔ ذویہ کی ضمیر کا مرجع کِبر ہے۔ تو جس کا حاصل یہ ہوا وہ لوگ جو لائقِ تکبر یا کبر والے ہوں۔ غرض اسی ذُو کے متعلق فقہاءِ اسلام کا قول ہے:۔
ذو الیدِ اَحقُّ یعنے قابض زیادہ حق رکھتا ہے۔ وکان ذٰلکَ مِن ذی قبل۔

یہ گذشتہ زمانہ میں تھا۔ اَلذَّوُوْنَ والاَذْوَاءُ شاہانِ یمن۔ ان کے ناموں کا آغاز لفظ ذُو سے آتا ہے۔ مثلاً ذُویزن۔ ذو نواس۔ ذو یاس وغیرہ۔

اُضْمِرَا یں الف اشباعی ہے۔ اَضْمَرَ الامرَ علٰی نفسِہٖ اسنے اپنے دل میں عزم کیا۔ اَضْمَرَ الاَمْرَ چھپانا۔ اَلْاِضْمَار۔ علم عروض میں دوسرے حرف کے اِسکان کو کہتے ہیں۔ مقدر ماننا۔ اسی سے علماءِ نحو کا قاعدہ مُسلّمہ مَا اُضْمِرَ عاملہٗ علٰی شریطۃ التفسیرہے۔ وقد حققنا ھذا اللفظَ مِن قبل۔

آں وقارِ کوہ سانش گرچہ بر حاسد گراں
لیک حفظِ کشتیِ ارشاد را لنگر شد است

ذُو وَقَارٍ کالجبالِ وثقیلُ الحُسّدِ
وَلِحِفْظِ سُفُنِ اِرْشَادٍ لَاَضْحٰی معبَرَا

ترجمہ: آں پیرِ روشنضمیر حلم و وقار میں پہاڑ کی طرح مُحکم و مضبوط ہیں گو آپ کا وقار آپ کے حاسدوں اور دشمنوں پر گراں گذرتا ہے (تو گذرنے دو) لیکن ارشاد و تلقین اور اصلاحِ قلوب کی کشتی کی حفاظت کے لئے آپ کا وقار پُل اور لنگر ڈالنے کی جگہ (مقام امن) بنا ہوا ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آپ صاحب وَقار ہیں اور اپنے وَقار میں پہاڑ کی طرح محکم اور مضبوط ہیں مگر بد قسمتی سے آپ کے حاسدوں اور دشمنوں پر آپ کا صاحب وقار اور خود دار ہونا گراں اور ناگوار گذرتا ہے تو اس سے آپ کا کچھ نہیں بگڑتا اور ارشاد اور اپنے مُریدوں کی تعلیم و تلقین اور ذِکر و فکر کے وقت ان کے دلوں میں پیش آنے والے خطرات سے حفاظت اور بچانے کے لئے پُل اور لنگر سامانِ حفاظت بنے ہوئے ہیں۔

رہبر کامل اسی طرح امام مسجد، مفتی، واعظ اور دوسرے قسم کے خُدامِ دین

کے لئے صاحبِ وقار، خود دار اور صاحبِ عزت ہونا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ مُریدوں کی اِصلاح کرنے اور تہذیبِ نفوس میں یہ حضرات کامیاب ہو سکیں گے۔ ورنہ اگر خُدا مانِ دین خاصکر پیرانِ طریقت مُریدوں کے چند ٹکوں کی طرف ہاتھ پھیلانے لگیں گے تو اس کا اثر مُرید اور طالب کے دل پر ٹھیک نہیں پڑے گا۔ اس لئے خدا مانِ دینِ متین کو چاہیئے کہ وہ کسب و کمائی، محنت و جفاکشی کرکے خود بھی کھائیں اور مُریدوں کو بھی کھلائیں تو ان شاء اللہ اس وقت پیرانِ طریقت ائمہ، مجتہدین، محدثین اور صوفیائے کرام خود محنت و جفاکشی کے عادی تھے، خود حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا حضرت شیخ سید عبد القادر الجیلانی رضی اللہ عنہ علی الترتیب ٹوپیاں بناتے اور تجارت فرماتے تھے۔ اور یہی طریقۂ مرضیہ تمام انبیاءِ کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا اس لئے ان حضرات کے مواعظ، تہذیب و تربیتِ نفوس میں بے حد نفوذ و اثر تھا لیکن جب سے فتوح کا دروازہ کھل گیا اور رہبرانِ طریقت نے اپنے پیشرؤوں کا طریقِ کار چھوڑ دیا تو افسوس اب پیری مُریدی، درس و اِفتا اور قضا و امامت کا مسلمانوں کے دِلوں میں کوئی احترام نہیں۔ لہٰذا اس زمانہ میں مذہبی خدمت کرنا لوہے کے چنے چبانے سے کچھ کم نہیں ہے۔ غرض کہ حضرت محبوبُ العالم رحمہ اللہ رہبر کامل کے فرائض و ذمہ داریاں خوب سمجھتے تھے اس لئے آپ سے ایسی کوئی حرکت کبھی صادر نہیں ہوئی جو آنجناب کے وقار و عزتِ نفس کے مخالف ہو رحمہُ اللہُ رحمۃً واسعۃً۔ اور آپ کا یہ وقار آپ کے حاسدوں پر سخت گران گذرتا تھا مگر اس سے کیا ہوتا ؟ ؎ نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہ تو آپ کے وقار کا عالم تھا مگر اپنے مریدوں کی حفاظت کرنے میں اپنی عزتِ نفس کا اتنا خیال نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کو پورے پیار و محبت سے خطرات و وساوس سے حفاظت کا بیڑا اٹھاتے تھے اور ان کے لئے بمنزلۂ پل اور لنگر کے مامن اور

جائے حفاظت تھے۔ اَللّٰھُمَّ احشرنا معھم۔

حضرت خاکی رحمۃ اللہ نے مِرصادُ العباد سے نقل کر کے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ مُرشدِ کامل کی سترہویں شرط یہ ہے کہ وہ صاحب وقار ہونا چاہیئے تاکہ مُرید کے دل میں اپنے شیخ اور اپنے پیر کے احترام میں کمی نہ آجائے جس سے پھر معاذ اللہ اس کے اعتقاد میں خلل پیدا ہونے کا امکان بنے۔ تو اس صورت میں مرید کی ناکامی اور نامرادی لازمی اَمر ہے۔ نعوذ باللہ من شرورِ انفسنا ومن سیّئاتِ اعمالنا۔

قولہٗ کالجبال۔ جبل کی جمع ہے اور اَجبال و اَجبُل بھی اس کی جمع آتی ہے۔ اصل میں یہ جبلُ التراب سے نکلا ہے۔ مٹی میں پانی ڈالکر اس کا گارا بنانا۔ اَجبَلہٗ کسی کو بخیل بنانا۔ الجبلّی۔ فطری، طبعی۔

اَلحُسّدِ والحُسّاد والحسدۃُ والحُسّدُ جمع حاسد۔ الحساد: بہت حسد کرنے والا۔ الحسُود (مذکر و مؤنث) وہ شخص جس کی طبیعت میں حسد ہے۔ اس کی جمع حُسُدٌ ہے۔ حسد کے معنے ہیں کسی کی نعمت کے زوال اور خود اپنے لئے تمنا کرنا یا آرزو کرنا۔ یہ شرعًا وعقلاً قابلِ مذمت ہے۔ ومن شرِّ حاسدٍ اذا حَسَدَ مشہور آیت ہے۔ باب نَصَرَ سے مجرد میں مستعمل ہے۔ ثقیل کی اضافت حُسّد کی طرف از قبیلۂ غلامُ زیدٍ ای غلامٌ لزیدٍ ہے۔

قولہٗ الحِفظ۔ حَفِظَ (س) حِفظًا۔ الشیئَ ضایع ہونے اور تلف ہونے سے بچانا، خراب ہونے سے محفوظ رکھنا۔ الکتابَ۔ کتاب کو زبانی یاد کرنا۔ السِّرَّ بھید چھپانا۔ المالَ مال کی نگہبانی کرنا۔ تَحَفَّظَ عنہ ومنہ بچنا۔ بہٖ کسی کی یاد کرنے کی تکلیف دینا۔ الحافظ کسی شے کا ذمہ دار۔ رجلٌ حافظُ العین وہ آدمی جس پر نیند کا غلبہ نہ ہو۔ حُفّاظ وحفظہ وحافظون الحافظ والحفیظ من الملائکۃ اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے۔ اور الحفیظ بمعنے محفوظ۔

ہم بہ اسم اَلْغَنِیُّ در وے تجلّی کردہ حق

زیں جہت مستغنی از ہر امیر و ہر داور شد است

وَکَذَا لَہٗ تَجَلّٰی رَبُّہٗ بِاسْمِ الْغَنِیُّ

وَبِہٖ اسْتَغْنٰی اُولِی اَمْرٍ وَحُکْمٍ نَافِرًا

ترجمہ: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے الغنی (بے نیازی) کی تجلی آپ پر ڈالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ امیروں اور حاکموں سے بے نیاز اور بے رغبت ہوئے ہیں۔

خلاصۂ شعر: اصل میں بے نیازی کی شان صرف رب العالمین کے ساتھ مخصوص ہے۔ تمام کائنات اسی کی بے نیازی کی طرف محتاج ہے۔ قاعدہ ہے کہ اسمارِ حُسنیٰ کے وِرد و وظائف بار بار پڑھنے سے سالک میں وہ اوصاف اثر کرتے ہیں یعنے ربُّ العالمین ان صفتوں کے ساتھ سالک میں اپنا تجلّی اور اپنا پرتَو ڈالتا ہے تو اس وقت سالک کی کچھ اور ہی شان ہوتی ہے۔ پس خدا تعالےٰ کے اسمارِ حُسنےٰ (اچھے نام) میں سے غنی (بے نیاز) بھی ایک نام ہے۔ اس کی کثرت کرنے سے اللہ تعالےٰ نے اسی وصفِ عالی سے آپ پر تجلّی اور ظہور فرمایا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ میں اِستغنا اور بے نیازی کی شان اتنی بڑھ گئی کہ آپ امیروں اور مالداروں کی طرف کسی قسم کی رغبت نہیں رکھتے بلکہ وہی آپ کی چوکھٹ پر سرِ نیاز خم کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ پیر روشنضمیر پر فرض ہے کہ وہ مریدوں کے دروازوں پر نہ پھرا کرے بلکہ مریدوں اور طالبوں کو چاہیئے کہ وہ پیرانِ طریقت کے دروازوں پر مستانہ وار پھر کر اس شعر کا وِرد کریں ؎

آنرا کہ خاک رابنظر کیمیا کُنند ٭ آیا بُود بما چشمِ التفات کُنند

التحقیق:

قولہٗ مستغنی: بے نیاز ہونے والا۔ مصدر اِستغناء۔ اس کا صِلہ کبھی بِہٖ اور کبھی عنہ آتا ہے۔ اس وقت اس کا معنے اِکتفا کرنا۔ شعر میں استغنیٰ کے بعد

عن مقدر مانا جائے تو کوئی قباحت نہیں۔ الغنی۔ دولتمند، مالدار، مکتفی۔ اسکی جمع اَغنیاء آتی ہے۔ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہُ العزیز فرماتے ہیں ہم نے جو کچھ پایا تو وہ روزانہ یا مُغنِی (اے بے نیاز بنانے والے) اور نو یا گیارہ بار سورۂ مزمّل کے پڑھنے سے پایا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کام کاج اور محنت و مشقت اور کسب و تجارت چھوڑ دے کیونکہ یہ سنّۃ اللہ کے سراسر خلاف ہے۔

قولہٗ نافِرًا۔ اسم فاعل۔ یہ اس مقام پر نَفَرَ نَفرًا (ض) مِن کذا نفرت کرنا، ناپسند کرنا۔ عَن کذا۔ اعراض کرنا۔ اور نفرالقومُ متفرق ہونے کے معنے میں آتا ہے۔ النفرُ جمع النّافر۔ نفرۃُ الرجل آدمی کا خاندان۔

پیش آں سُلطانِ دین اسُت از گدا بے قدر تر
آں کہ در دُنیا شہنشہ چوں جم و نوذر شد اسُت

دُونَ شَحَّاذٍ لَدَیْہِ الْمَلِکُ الْقَرمُ الَّذِیْ
غَالَبَ الدُّنْیَا وَرَاعَ جَمْشَدًا اَوْ قَیْصَرًا
یوذرا

ترجمہ: اس پادشاہِ دین پناہ کے سامنے دنیا کے وہ عظیم الشان بادشاہ جیسے جمشید و نوذر فقیروں اور بھیک مانگوں سے بھی کمتر و کہتر ہیں۔

خلاصۂ شعر: اس شعر کا مفہوم سابق شعر کے مفہوم کی تائید ہے کہ پہلے شعر میں فرمایا اللہ تعالٰی نے صفتِ کریم کی تجلی آپ پر ڈالی ہے۔ ظاہری حاکموں سے مستغنی اور بے نیاز ہیں۔ اس شعر میں بھی اسی مفہوم کی اور زیادہ تاکید فرماتے ہیں کہ آپ کے نزدیک جمشید و قیصر جیسے عظیم بادشاہ بھی ظاہری گداگروں سے بھی کمتر و کہتر ہیں۔ چنانچہ اگر حاکم یا امیر لوگ آپ کے پاس آتے تھے تو آپ ان کے لئے کھلانے پلانے کا کوئی خاص اہتمام نہ فرماتے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ بھی عام لوگوں جیسا سلوک روا رکھتے تھے۔

حضرت خاکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں نے عرض کیا کہ حضور یہ امیر لوگ اور حضرات علماء و فقراء کے پاس جاتے ہیں تو وہ ان کی خصوصی قدر و منزلت کرتے ہیں مگر آپ انکی طرف کوئی خاص نگاہِ اِلتفات نہیں فرماتے یہ تو ان کے لئے دوری اور دل پریشانی کا موجب ہوگا۔

اللہ اکبر! اس ولیِ کامل محبوبِ ربّانی نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے پاس نہ آئیں تو زیادہ اچھا رہے گا۔ میں جو معاملہ ان کے ساتھ کرتا ہوں یہ میرے اختیار میں نہیں کیونکہ یہ جب میرے پاس حاضر ہوتے ہیں تو اللہ تعالےٰ مجھے ان کے باطنی حال پر آگاہ فرماتا ہے کہ وہ قیامت کے دن اعمالِ صالحہ نہ ہونے کے باعث پھٹے پرانے کپڑے پہن کر بھکیاریوں کی صورت میں نظر آتے ہیں تو پھر میں ایسے لوگوں کی کیونکر عزت کروں جو بے زادِ آخرت عریانِ محض ہونگے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس فلاں امیر اور فلاں حاکم بن ٹھن کر آئے تھے، چونکہ تمام تر توجہ دُنیوی آرائش اور دُنیوی جاہ وحشمت کی طرف مبذول ہے تو اللہ تعالےٰ نے ان کو میری آنکھوں کے سامنے عورتوں کی صورتوں میں رونما کیا۔

یہ مضمون شرح میں مفصّل موجود ہے۔ اس میں حضرت محبوب العالم کے اُن مریدوں کے لئے درسِ عبرت ہے جو اپنا دین اہلِ دُنیا پر نثار کرتے ہیں۔ اور مالداروں اور بے دینوں کی ہمت افزائی کرتے ہیں اور فدایانِ اسلام کو لوٹتے ہیں ہائے افسوس! بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ شیرینی، روٹیاں، حلوہ جیسے تبرکات بانٹتے وقت خانقاہوں میں امیروں کو چُن چُن کر نوازتے ہیں اور مسکینوں کیطرف پیٹھ پھیرتے ہیں۔ ہائے افسوس! پیرانِ طریقت اور ان کے معتقدوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے مگر افسوس ہے کہ اس قسم کی ریاکارانہ حرکات پر ان لوگوں کو شرم بھی نہیں آتی اور درحقیقت ان ہی حضرات نے عوام کو اولیاء اللہ سے بدظن کیا۔ ہمیں چاہیئے کہ غلط طریقوں کی اصلاح کرکے اولیاء اللہ کی سچی تعلیم سے بندگانِ

خدا کو آگاہ کرنا۔

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے شارح رحمہ اللہ نے زاد المسافرین کی ایک حکایت نظم کی صورت میں لکھی ہے۔ آپ بھی اس کے چند ابیات ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔	این طرفہ حکایتے است بنگر	روزے مگر از قضا سکندر
۲۔	میرفت ہمہ سپاہ با او	آں حشمت و ملک و جاہ با او
۳۔	ناگہ بخرابہ گذر کرد !	پیرے ز خرابہ سر بدر کرد
۴۔	پیرے نہ کہ آفتاب پور نور	در چشم سکندر آمد از دور
۵۔	پرسید کہ اینچہ باشد آخر	واں کیست کہ می نماید آخر
۶۔	دیوانہ بود و گرنہ عاقل	اینجا نکند مقام و منزل
۷۔	آمد سوئے او آں مغاک چوں کور	پیر از سر کار خود نشد دور
۸۔	خود باز نہ کرد سوی او چشم	پرسید سکندرش بصد خشم
۹۔	گفت اے شدہ غول این گذرگاہ	غافل چہ نشستۂ دریں راہ
۱۰۔	پیر از سر وقت بانگ برزد	گفتا نیہچہ نیم جو قدر
۱۱۔	با خلق مرا چہ آشنائی است	چوں آخر کارہا جدائی است
۱۲۔	چوں عاقبت ز جہاں فنا است	ملک ازل و ابد خدا را است
۱۳۔	با من چو برابری کن تو	چوں بندۂ بندۂ منی تو
۱۴۔	دو بندۂ من کہ حرص و آز اند	با تو ہمہ عمر سرفرازند !
۱۵۔	تو بندۂ ایں دو ئی بمعنے	بشکن سر کبر و پائے دعوی
۱۶۔	حیران شد ازیں سخن سکندر	افگند کلاہ شاہی از سر
۱۷۔	از خجلت خود نفیر زد	سر بر کف پائے پیر میزد
۱۸۔	موحد کہ چو بر پائے ریزی زرش	دگر تیغ ہندی نہی بر سرش
۱۹۔	امید و ہراسش نباشد ز کس	بر ایں است بنیاد توحید بس

خلاصۂ ابیاتِ صدر :۔ یہ عجیب و غریب کہانی ہے کہ ایک روز سکندر

ایک راستہ سے اپنی فوج اور پوری شان وشوکت کے ساتھ گذر رہا تھا۔ اتفاق سے اُنکا گذر ایک غیر آباد علاقہ سے ہوا جہاں ایک سن رسیدہ اور بوڑھا شخص تھا تو اسنے اس کو دیکھ کر اپنا سر اونچا کیا۔ سکندر کو بھی اس بزرگ پر نظر پڑی تو اُسے یوں دکھائی دیا کہ وہ بوڑھا نہیں بلکہ وہ آفتاب تابان ہے۔ سکندر کے دل میں وہ دیکھ کر ایک ولولہ سا پیدا ہوا اور اپنے ساتھ والوں سے کہا اس ویرانہ اور غیر آباد علاقہ میں یہ کونسا بوڑھا ہے اور ایسی جگہ کو اس نے کیوں اختیار کیا ہے۔ غالباً یہ بوڑھا کوئی دیوانہ ہوگا ورنہ عقلمند ایسے نازک اور خار دار مقام میں کس واسطے ٹھہریگا۔ ذرا میرے ساتھ تو آؤ اس کو دیکھ لیں کہ وہ کس مطلب سے اس جگہ ٹھہرا ہے اور اُس کا خیال و مطلب کیا ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا یہاں ٹھہرنا خالی از حکمت نہیں ہوگا۔ چنانچہ سکندر گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کے غار تک آپہنچا مگر اس بوڑھے نے اپنے طبعی وقار و قرار سے کام لیا سکندر کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ اپنے کام سے مست و مدہوش رہا۔ سکندر نے پورے غیظ و غضب سے اس بوڑھے سے کہا ارے تو راستہ کا غولِ بیابان کیوں بنا ہوا ہے اور آخر اس غفلت کے ساتھ اس جگہ ٹھہرنے سے تمہارا مدّعا کیا ہے؟ تو اتنا بے خبر بنا ہے کہ میری تعظیم بھی بجا نہیں لا سکے۔ کیا میرا نام سکندر نہیں؟ کیا تجھے اس بات کی علمیت نہیں کہ میں اس زمانہ میں اپنے بختِ بلند اور رشاد کامی سے سارے عالم کا سہارا اور اُمیدگاہ بنا ہوا ہوں اور میں اپنے بیدار بخت کی بدولت سخاوت اور داد و دہش میں دریا دل، عقل و کیاست میں عالم افروز آفتاب اور آسمان میرے پاؤں کے تلوے چوم رہا ہے۔ یہ سُن کر بوڑھا جوش میں آیا اور کہا کہ سکندر! ان میں سے کسی چیز کی قدر و قیمت میرے نزدیک نہیں ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو میں اس ویرانہ میں ٹھہر کر غفلت کی زندگی بسر نہیں کرتا اور غولِ بیابان بھی نہیں۔ ہاں سب سے دانا اور سب سے ہشیار ہوں۔ میں تو اس جگہ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں کیونکہ دُنیا کے انجام سے خوب واقف ہوں۔ آپ ہی بتائیے مجھے لوگوں سے کیوں سروکار ہے گا جبکہ ایک دن ان سے ضرور الگ اور جُدا ہونا ہے۔ دنیا و مافیہا

زوال اور فنا کے لئے ہے اور دائمی اور ابدی بادشاہت و تاجداری رب العالمین کے لئے زیبا اور سزاوار ہے۔ چونکہ مجھے دُنیا کے بھلے بُرے سے کسی قسم کا واسطہ نہیں اسلئے سب سے الگ تھلگ ہو کر ویرانہ زمین اختیار کی۔ غور کروگے سکندر! تو معلوم ہو جائے گا کہ اصل دیوانہ تو ہی ہے کہ کچھ ریوڑ اور بھیڑ بکریوں کے پیچھے پڑ کر تو نے اپنی عمر عزیز ضائع کی۔ مجھے یقین ہے کہ تیری اصلیت بس اتنی ہے کہ دو قطرہ کے بدبودار پانی سے بنے ہو جو اس ویرانہ زمین میں گوندھے گئے ہیں۔ تجھے دُنیا کا سہارا کس نے بنایا؟ اور تجھے دُنیا کی شکل و صورت کس نے قرار دیا جبکہ آسمان کی گردشوں میں لاکھوں انقلابات آتے رہتے ہیں۔ ہر لمحہ میں تجھ جیسے لاکھوں آدمی پیدا ہوتے ہیں۔ اس چند روزہ راحت و سرور کی طرف نہ دیکھ۔ یہ ستارۂ سعادت و شقاوت کا ایک اثر ہے۔ باقی تو وہی ہے جو میں نے کہا اور اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہوں۔ اے سکندر! تو میرے ساتھ کیا برابری کر سکتا ہے جبکہ تم میرے نوکر کے نوکر ہو۔ میرے دونوں نوکر حرص و آز (طمع و لالچ) تمہارے آقا اور مالک ہیں اور یہی دو میرے ... اور غلام ہیں جو تمہارے نزدیک بڑی چیز ہیں وہی میرے نزدیک گھٹیا اور بے قیمت و بے اعتبار ہیں۔

سکندر اس بوڑھے کی ان پاکیزہ باتوں سے شرمندہ ہوا اور سمجھ گیا کہ بوڑھا ٹھیک کہتا ہے کہ ؎ یار ناپائدار دوست مدار ٭ دوستی را نشاید ایں غدار

مسافر نامہ کی یہ کہانی نقل کرنے سے حضرت شارح رحمہ اللہ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ کوئی کہہ سکتا تھا کہ فقراء اُمت اور صلحاء روزگار کا اتنا بلند اور اونچے وقار میں رہنے سے دُنیا والے اُن سے دینی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے بلکہ خطرہ ہے کہ اُن پر اصلاح اور رہبری کا دروازہ ہی بند نہ ہونے پائے۔

حضرت شارح مسافر نامہ کی حکایت پیش کر کے جواب دے رہے ہیں کہ سارے اہل اللہ حضرت پیر روشن ضمیر سے پہلے وقار کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کے وقار کے سامنے ہزاروں مغروروں اور متکبروں کے مغرور سر ذلیل و رسوا ہوئے اور باخدا انسانوں نے اسی وقار سے انکو پایمال کر کے سعادت و نیک بختی کے دروازہ پر

لا کھڑا کیا ہے۔ اور اگر فقراء اسلام سودا بازی کرتے تو اسلام میں ابراہیم ادہم جیسے حضرات پیدا نہ ہوتے۔ لہٰذا عصر حاضر کے مشائخ کرام کو چاہیئے کہ عزت و خودداری اور وقار و قناعت کی زندگی گذار کر خلق اللہ کی دینی خدمت کریں۔ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَطَّلِعَ عَلٰی جمیع القصص فراجع الی الشّرح۔

التّحقیق والتّدقیق :-

قولہٗ دُوْن۔ یہ ھُوَدُوْنَہٗ کے محاورہ سے مشتق ہے جس کا معنے یہ ہے کہ وہ اس سے درجہ میں پست ہے۔ الدُّوْن: خسیس، حقیر، گھٹیا۔ حالَ القومُ دونَ فلانٍ قوم اس کے اور اس کے مطلب کے درمیان حائل ہوگئی۔ دان بدون دونًا خسیس ہونا، کمزور ہونا۔ دونَكَ: اسم فعل بمعنے خُذْ (لے، پکڑ) دونَكَ زَیْدًا زید کو پکڑ۔ دُوَیْنَ، دُوْنَ کی تصغیر۔ تَدَوَّنَ: مالدار ہونا۔

قولہٗ شَحَّاذٌ: سوالی، گداگر، سائل۔ جمع شحاذہ والشحاذۃ۔ گداگری کا پیشہ۔ یہ اصل میں شَحَذَ السکینَ سے نکلا ہے جس کا معنے چھری وغیرہ تیز کرنے کے ہے۔ تَشَحَّذَ الرّجلُ۔ سوال میں ہٹ پن اختیار کرنا۔

قولہٗ المِلك بکسر اللام۔ جمع ملوك، بادشاہ۔ اَلملکۃ: قابلیت، عادت، مہارت مالك کی جمع مُلّاك و مُلّاكٌ آتی ہے۔ اَلمَلَكُ: فرشتہ۔ مَلَكِیت۔ ج۔ ملائکۃ و ملائك۔ مِلاكُ الامر۔ سہارا، سرمایہ، بقا۔ باب ضَرَبَ سے بمعنے مالک ہونا۔ اَلقَرم، اَلمَلِك کے لئے تاکید ہے اس کا معنے ملکِ معظم کی جگہ پر بولتے ہیں۔ جیسے کہ دیوانِ حماسہ میں مشہور شعر ہے ؎

الی الملك القَرم وابنِ الھُمام ٭ ولیث الکتیبۃِ فی المزدحم

جمشد۔ جمشید کا مخفف اور نوذر بمعنے قیصر بھی لکھا گیا ہے۔ یہ منصوب ہیں راح کی خبر ہونے کے سبب۔

ہم تجلی کردہ بروئے حق بہ اسم الکریم
زین سبب مُشفق بحالِ مُخلص و چاکر شد است

وکذا الحقّ تجلّی باسم الکریم لہٗ
فبہٖ لِلمُخلِصین صار جدّاً ناصرا

ترجمہ: اللہ ربُّ العزّت نے آں والاصفات (حضرت محبوب العالمؒ) پر اپنی صفتِ کریمی کی تجلی فرمائی ہے۔ اس لئے آپ اپنے مخلصوں اور نوکروں چاکروں کے ساتھ کرم و شفقت سے پیش آتے ہیں۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آپ میں کرم اور مہربانی کی صفت بھی پائی جاتی ہے۔ اصل میں اللہ تعالےٰ نے اس صفت کا پرتو بھی آنجناب پر ڈالا ہے اسلئے آپ معمولی آدمیوں کے ساتھ اِس صفتِ کرم و احسان سے پیش آتے ہیں۔ چنانچہ سرکردۂ مشائخ حضرت ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالےٰ کے ننانوے اوصاف و اسماء ہیں۔ یہ اسماء سالک کے لئے ابتدائے سلوک میں آگے بڑھنے اور سبقت کرنے کے سبب بن جاتے ہیں۔ یعنے سالک کو چاہیئے کہ وہ سلوک کی منزل میں قدم رکھ کر اسماءِ حُسنیٰ کا مُطابق ارشادِ حضراتِ مشائخ کثّر اللہ امثالہم کثرت کے ساتھ ذِکر و فکر کیا کرے کیونکہ اسماءِ حسنیٰ کے ذِکر و فکر سے ان اسماءِ مبارکہ کے خواص کی تجلی و پرتو اس پر پڑ جائے گا۔ پھر زہے سعادت اور زہے عنایت والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ سرکردہ مشائخ نے اسماءِ حُسنیٰ کے خواص و تاثیرات پر مستقل رسالے لکھے ہیں اور یہ سوال کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے اَسماءِ حُسنیٰ ننانوے ہیں کہ ان اسماءِ معدودہ کی حصر حصرِ حقیقی ہے یا حصرِ اضافی تو یہ بحث اس رسالہ کے لئے شایان نہیں ہے اور اسی طرح یہ بحث کرنا کہ اسماءِ حُسنیٰ کے علاوہ اور کس نام سے اللہ تعالیٰ کو پکارنا درست ہے کہ نہیں تو یہ بھی درحقیقت اس تحقیق پر مبنی ہے کہ اسماء اللہ توقیفیہ ہیں۔ بہرحال قاری صاحب

رحمہ اللہ و دیگر محدثین کرام کے نزدیک حصر حقیقی ان اسماء سے مُراد نہیں ہے بلکہ یہ اسماء کلیات کا درجہ رکھتے ہیں البتہ اُس ذاتِ قدیمہ اَزلیہ اَبدیہ پر وہی اسماء اور وہی نام اطلاق کر سکتے ہیں جو شارع سے مسموع اور ثابت ہوں۔

التحقیق :

قولہ الکریم ۔ بخشش کرنے والا، درگذر کرنے والا۔ اللہ تعالےٰ کے نیک ناموں میں سے ہے بخشش کرنا، جود و سخاوت بے انتہا کرنا اور پھر گناہوں اور گستاخیوں سے درگذر کرنا خاصۂ الٰہی ہے۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

کرم بین لطفِ خداوندگار ٭ گنہ بندہ کردہ است او شرمسار

اس شعر میں شرمسار سے قوتِ انفعالیہ مُراد نہیں بلکہ اس کی غایت و لازم یعنے عنایت و درگذر کرنا۔ کرمَهُ (ن) کرمًا کرم میں غالب آنا۔ پس کریم اس کو کہیں گے جو کرم کی صفت میں سب پر غالب اور فائق ہو وہ صرف ذاتِ باری تعالےٰ ہے۔

قولہ فبہ ۔ فا اس میں اسی طرح تعلیل کے لئے ہے جس طرح متنبیؔ کے اس شعر میں فا تعلیل کے لئے ہے ؎

اَسَفِیْ عَلٰی اَسَفِی الَّذِی دَلَّھْتَنِیْ
عَنْ عِلْمِہٖ فَبِہٖ عَلَیَّ خَفَاءٌ

قولہ المُخلصین ۔ قال فی المنجد اخلصَ الشیئَ ۔ خلاصہ نکالنا۔ چُن لینا۔ اَخلصَہُ اللہ ۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو عیوب سے خالی کیا۔ الطاعۃَ و فی الطاعۃِ طاعت میں ریاکاری نہ کرنا۔ اخلصَ لہُ الحبَّ او القولَ ۔ محبت یا بات کو کھوٹ سے خالی کرنا۔ کلمۃ الاخلاص لا اِلٰہَ اِلاّ اللہ کہ اس میں کوئی کھوٹ نہیں۔ سورۂ اِخلاص کہ اس میں صرف ذکرِ حضرت اللہ ہے شعر میں مخلص سے وہ مُریدین و معتقدین مُراد ہیں جن کو اپنے پیرِ روشن ضمیر سیدنا محبوبُ العالم حضرت سلطانُ العارفین قدس اللہ اَسرارہُ کی ذاتِ گرامی قدر کے ساتھ خاص لگاؤ اور عقیدت ہو۔ اللّٰھُمَّ احشُرنی معھم یومَ القیٰمۃ ۔

سخت و تلخ از بہر اہلِ کبر و عجب و بدعت است
اہلِ درد و شوق را شیریں تر از شکر است

وَهُوَ مُرٌّ لِذَوِی کِبْرٍ وَعُجْبٍ وَبِدَعٍ
وَلِأَهْلِ الْعِشْقِ وَالْحُبِّ لَأَحْلٰی شُکَّرًا

ترجمہ: آنجناب متکبروں، خود پسندوں اور بدعتیوں کے لئے بہت تلخ اور کڑوے ہیں اور عاشقوں اور اپنے محبوں کے لئے کھانڈ اور شہدِ مصفّٰے سے زیادہ میٹھے اور لذیذ ترین ہیں۔ رحمہُ اللہ۔

شعر کا خلاصہ نہایت واضح ہے کہ آنجناب عاشقوں اور محبوں اور مخلصوں کے لئے سہلُ العذب اور اخلاقی حیثیت سے، چینی سے زیادہ میٹھے اور متکبروں جاہ پسندوں اور بدعتیوں کے لئے نہایت سخت اور کڑوے ہیں کیونکہ اسی طریقِ کار سے ان لوگوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ یعنے آپ کی تلخی و سختی میں بھی اصلاحِ عباد اللہ ملحوظ اور مقصود ہے۔ وھٰذا کما قیل فی تابط شرًا ؎

ولہ طعمانِ اری وشری ✽ وکلا الطعمین قد ذاق کلٌّ

حضرت شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شعر میں آپ کی صفاتِ جمالیہ و جلالیہ کی طرف ایما اور اشارہ ہے کہ آپ صفاتِ جمالیہ و جلالیہ میں جامع ہیں اور دونوں کا صدور آپ سے اپنے مقام اور اپنے محل میں ہوتا ہے۔ یہ آپ کی عالمیت و جامعیت کی دلیل ہے۔ جیسا کہ آیت وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ "کہ صحابۂ کرام منکرینِ دین پر سخت و گران اور باہم یعنے ایمان والوں کے لئے رحیم و مہربان ہیں" سے یہی درس ملتا ہے اور پھر صاحبِ مرتبۂ عالیہ کا اپنے ماتحتوں اور اپنے سے کم درجہ والوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا اس کی برتری و عظمت کی اور بھی عیاں و بیّن دلیل ہے۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے حضرت نبی رحمت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس

بات کی تعلیم دی وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ المومنین
اُن اہلِ ایمان کے لئے اپنے رحم و کرم اور شفقت و عنایت کے پر پھیلایئے۔
جنہوں نے آپکی اتباع و پیروی کی۔

اس آیت سے آداب مُرشد و رہبر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ مُرشد و رہبر کے آداب و اخلاق کیسے ہونے چاہئیں۔ آپ ایک طرف مذکورہ سطور پر غور کیجئے تو دوسری طرف عصرِ حاضر کے مبلغینِ دین، مرشدینِ کاملین، مدرسین اور واعظین کے وہ اخلاق و عادات بھی ملحوظِ نظر رکھیں کہ ان کا مُریدوں، ماتحتوں اور نوکر چاکروں سے کیسا متکبرانہ اور فسطائی طریق کار ہے۔

التّحقیق :

فارسی اور عربی شعر کی لغوی اور ادبی تحقیق بیشتر اشعار میں آ گئی ہے۔ البتہ عُجب کا لغوی معنے تحقیق طلب ہے۔ منجد میں ہے العَجَب۔ ہر چیز کا پچھلا حصہ۔ دُم کی جڑ۔ جمع عُجُوب۔ اور العُجب۔ فخر، تکبر، خود بینی اور پیش آنیوالی چیز سے انکار کرنا۔ الأعجُوبَۃُ جس پر تعجب کیا جائے۔ رَجُلٌ تِعجابَۃٌ عجیب باتوں والا۔ عَجِبَ (س) عَجَبًا مِنَ الْاَمْرِ وَلَہٗ تعجب کرنا۔ الیہ پسند کرنا۔ اور سورۂ نجم میں ارشاد ہے اَفَمِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ وَ تَضْحَکُوْنَ وَلَا تَبْکُوْنَ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ۔

قولہٗ شکّراً : شکر، چینی، مٹھاس۔ کذا فی المنجد وغیرہ۔

حاصل آنکہ گشت فانی از خود و اوصافِ خود
باقی باللہ شد اوصافش از و مظہر شد است

مَغْزُ ھٰذا حِیْنَمَا اَفْنیٰ وُجُوْدَہٗ لَہٗ
صَارَ بِاللہِ بَاقِیًا وَعَلَاہُ مَظْھَرًا

ترجمہ: اس کا مغز اور خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ نے اپنے حلم و وقار اور

عُمدہ اخلاق اختیار فرما کر اپنے وجود و ہستی کو ذاتِ حق میں فنا کیا تو اسکے عوض آنجناب نے رب العالمین کے ساتھ تعلق قائم کر کے اُس کے اوصافِ عالیہ کے مُظہر اور منبع بن گئے اور ربّانی صفاتِ جلالیہ و جمالیہ کے سرچشمہ بنے۔

خُلاصۂ شعر:

چونکہ بیشتر اشعار میں ہم نے صفاتِ الٰہیہ اور صفاتِ جمالیہ و جلالیہ کے معنوں سے قارئینِ کتاب کو خبردار کیا ہے اسلئے ہم یہاں تفصیلی بحث سے گریز کرتے ہیں۔ مزید واقفیت حاصل کرنے والوں کو چاہیئے کہ اس مقام پر خود شارح رحمہ اللہ کی تحقیق بحوالۂ مرصادُ العباد مطالعہ کریں۔ تاہم اختصاراً ہم بھی یہاں اس کا نچوڑ پیش کرتے ہیں:۔

اللہ جل شانہٗ کی تجلی جس سے خیارِ عباد اللہ لذت اندوز ہوتے ہیں، دو قسم پر ہے (۱) تجلیِ ذات (۲) تجلیِ صفات۔ صاحب مرصادُ العباد کی تحقیق کے مطابق تجلیِ ذات کی بھی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) تجلیِ ربوبیت۔ یعنے اس بات کی تجلی سے متجلّی لہٗ پر اللہ تعالےٰ کے پالنے اور بندہ کو تدریجی ترقی سے سرفراز ہونے کا اس پر ظہور و انکشاف کیا جائے۔ اسی تجلی سے حضرت موسےٰ علیہ السلام سرفراز ہوئے قرآنِ کریم میں اسکی تصریح موجود ہے۔ (۲) تجلیِ الوہیت و خدائیت کی ذاتِ یکتا من حیثُ ھِیَ ھِیَ کا بندہ پر تجلی اور انکشاف کیا جائے۔ اسی قسم کی تجلی سے حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں نوازے گئے اور یہ تجلی وجودِ ظاہری کو موجودِ حقیقی میں فنا کرنے کے بعد نصیب ہوتا ہے اور پھر موجودِ حقیقی رب العالمین کے وجود کا اثر متجلّی لہٗ کے وجودِ صوری میں نفوذ کرتا ہے جس کی خاصیت بقا باللہ ہے لیکن صاحب مرصادُ العباد پر یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہو گا کہ تجلی ربوبیت کو تجلی ذات قرار دینا انتہائی سینہ زوری ہے کیونکہ ربوبیت بھی ربانی صفتوں میں سے ایک ممتاز صفت ہے کما قال الحمدُ للہ ربّ العٰلمین پھر تجلی ربوبیت کو تجلی ذات قرار دینا کیونکر درست ہو گا۔ غالباً حضرت شارح رحمہ اللہ خود بھی اس اعتراض سے بیک آگاہ

ہیں اس لئے محل و مقام سخت ہونے کی بنا پر نقل پر اکتفا فرمایا اور خود تصریح کی کہ یہ مقام مشکل ہے۔

میرے نزدیک اس سوال کا جواب نہایت آسان ہے کہ صاحب مرصاد العباد نے تجلی ذات کی جو دو قسمیں کی ہیں اس سے تقسیم حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ اُن کا مقصد یہ بتانا ہے کہ متجلی لہ، یعنے جس پر تجلی ذات پڑے وہ تجلی ذات کبھی مُطلق نہیں بلکہ کسی صفت کے ساتھ مقید ہوتی ہے جیساکہ تجلی ربوبیت درحقیقت تجلی ذات ہی ہے مگر ربوبیت کے ساتھ مقید ہے اور دوسری تجلی ذات میں صفات کا قطعاً سوال نہیں ہوتا بلکہ وہ من حیث الذات تجلی ہوتی ہے۔ یہ تجلی سب سے اعلیٰ و اتم ہوتی ہے۔ اسلئے حضرت سیدالمرسلین صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اس سے محظوظ و مکرم فرمائے گئے۔ اسلئے آپ کے بارے میں سُبحَانَ الَّذِیْ اَسْریٰ جیسے الفاظ استعمال فرمائے گئے جس سے اس بات کی طرف قطعی اشارہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفاتِ باری سے آگے ذاتِ باری کے لقاو تجلی سے بہرہ اندوز ہوئے ہیں صلے اللہ علیہ وسلم اسی لئے نظامیؒ نے لفظِ خدا کی تصریح کی کہ فرماتے ہیں ؎

دید محمدؐ خدا را نہ بچشمِ دگر ٭ بلکہ باین چشم کہ دارد بسر

صاحب مرصاد العباد آگے فرماتے ہیں کہ تجلی صفات بھی دو قسم کی ہے: جمالی و جلالی۔ پھر جمالی صفات کی بھی دو قسمیں ہیں: ذاتی صفات کی تجلی اور فعلی صفات کی۔ پھر تقسیم در تقسیم تجلی ذاتی صفاتِ نفسی۔ صفاتِ معنوی کی طرف راجع ہیں پس ان تجلیات یا ان کی جزئیات میں سے جس پر جزئی تجلی پڑجائے اس پر وہی اثر اور وہی وصف غالب آکر اپنے اقران و ہم عصروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ کما تری۔

صفاتِ نفسی کے تجلی سے ذاتِ الٰہی کی طرف رہبری ہوتی ہے صرف اور صفاتِ معنوی میں ذات کے علاوہ حقیقت کی تجلی ہوتی ہے۔ مثلاً اگر موجودِ حقیقی بحیثیتِ اصلیت کی تجلی کسی پر ہو جائے تو اُسے اس میں اسی کا اثر نمایاں ہوگا جیسے حضرت جنید فرماتے تھے ما فی وجودی سوی اللہ میرے پہلو میں اللہ کے سوا کچھ بھی نہیں

یعنی وہ اپنے وجود کو موجودِ حقیقی کی تجلی پڑنے کے بعد کسی قطار میں شمار نہ کرتے تھے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ پر صفاتِ نفسی کی تجلی ہوئی تھی تو سبحانی ما اعظم شانی اے میرے پاکیزہ وجود میری شان کتنی بلند وبالا ہے فرمایا اور انہوں نے ظاہری وجود کے بارے میں نہیں فرمایا اور نہ اس کو اس کا خطاب کیا۔ چونکہ آپ کا وجود تجلی وجودِ باری سے سرفراز ہو چکا تھا تو اس اعتبار سے وہ اپنی عظمت کے قائل ہو گئے۔

حضرت آدم علیہ السلام پر خدائے قدوس کے علم سے تجلی ہوئی تو وعلّم الآدمَ الاسماءَ کے شرف سے مشرف ہوئے۔ یہی حال حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کا سمجھ لیجئے۔ وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ ہم نے ان کو بلا واسطہ علم سے آراستہ کیا۔ حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر الٰہی قدرت سے تجلی ہوئی تو چاند کو وقتی طور پر دو حصوں میں منقسم کیا۔ مٹھی بھر مٹی تمام مقابلہ کرنے والوں کی آنکھوں میں آن واحد میں جھونک دی۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اس قسم کے اوصاف و افعال جیسے احیاء و اماتت کا بندوں سے صادر ہونا اسی خاص خاص تجلی ذاتی وصفاتی وفعلی کا نتیجہ ہے جسے اکثر سمجھتے نہیں تو انکار کر بیٹھتے ہیں حالانکہ انہیں یقین ہے کہ ظاہری عطار کی صحبت و رفاقت سے کپڑے معطر تو ہوتے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ عطارِ حقیقی رب کریم کے عشق و محبت میں جو اپنی ذات فنا کرے وہ کسی طرح عطارِ حقیقی سے ناامید اور خالی ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس سے بڑھ کر حیرانی اور بدقسمتی کیا ہو سکتی ہے۔ اسی سے سمجھ میں آیا ہوگا کہ فنا سے اعدام نفس مراد نہیں ہے بلکہ خدائی ذات وصفات میں غوطہ زنی اور غواصی کرنے کا نام ہے۔ "جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے" کے مقام پر پہنچنے کا نام ہے۔

انبیاءؑ میں سے حضرت سلیمانؑ پر سمیع بصیر کی خصوصی تجلی ہوئی تھی تو بُعدِ مسافت کے باوجود چیونٹیوں کو دیکھا اور ان کے باہمی کلام کو سُنا۔

اولیاء میں سے حضرت عثمان حریری رحمہ اللہ پر المرید کی تجلی ہوئی تھی فرمایا تیس سال سے وہی ہوتا ہے جو ہمارے دل پر خدا تعالیٰ ڈالتا ہے۔ حضرت فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ یا ساریۃُ الجبل اسی قبیل سے تھا۔

آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا اِنّیِ اَرَاہِیْ مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرَاہِیْ مِنْ اَمَامِیْ اسی صفت بصیر کی تجلی سے ہوا تھا۔ صلّے اللہ علیہ وسلّم۔

یہ ہے مِرْصَادُالعباد کی عبارت کا مغز اور خلاصہ جو ہم نے تقدیم و تاخیر کا خیال رکھے بغیر آسان لفظوں میں پیش خدمت کیا۔ ہاں حضرت موسےٰ حضرت عیسےٰ، حضرت سُلیمان اور حضرت آں حضور صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی خاص تجلیوں کی شارح رحمہ اللہ نے نشان دہی فرمائی ہے تو اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شارح رحؒ نے حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کے بارے میں زیر بحث شعر " حاصل آنکہ گشت فانی از خود و اَوصافِ خود " الخ اور اس کے بعد مرصادُ العباد کی تحقیق سے مجموعی طور پر ثابت کیا ہے کہ عارفوں اور پیغمبروں پر جو تجلیات ہوتی ہیں وہ اُنکی عبادت و ریاضت کا نتیجہ ہے جس کا مطلب کثرت ریاضت و عبادت سے اپنے وجود ظاہری اور اپنے اوصاف کو ذاتِ باری میں فنا کر کے بقاءِ دوامی کی منزلوں میں قدم رکھنا ہے۔ اس تحقیق سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ولایت کی طرح معاذ اللہ نبوت بھی کسبی ہے جبھی تو ولایت و نبوت میں شارح رحؒ نے ضم فرمایا ہے حالانکہ علم کلام میں یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ نبوت محض وہبی ہے اور عنایتِ ربانی سے ملتی ہے۔ کثرتِ عبادت اور اِفناءِ وجود کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ شارح رحمہ اللہ نے نبوت اور ولایت کو ایک صف اور ایک دائرہ میں جمع نہیں فرمایا بلکہ مرصادُ العباد کی عبارت زیر تحقیق شعر کے لئے نظیر ہے اور مثال نہیں۔ اور نظیر اور مثال میں از روئے قواعد علم معانی بہت بڑا فرق ہے کہ مثال کے لئے ممثل لہٗ کے افراد و جزئیات میں سے ہونا چاہیئے اور نظیر کے لئے یہ شرط نہیں بلکہ نظیر صرف وضاحت کے لئے لایا جاتا ہے وہی یہاں پر مقصود ہے اور بس۔

التّحقیق :-

قولہٗ باقیء باللہ۔ اسم فاعل بَقِیَ (ن)، بِقَادَۃً و بَقِیَ (ض) بقیًا۔ فلانًا

بعینہٖ کسی کی طرف دیکھنا۔ کسی کا انتظار کرنا۔ بَقِیَ (س) بَقاءً و بقی (ض) بقیا ہمیشہ رہنا، ثابت رہنا۔ اَلباقی۔ خدا تعالےٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے۔ البَقْوٰی والبَقوٰی والمُبقیا والبقیۃ باقی رہا ہوا، باقی ماندہ۔ ج بقایا۔ فلانٌ بقیۃُ قومہٖ فلاں اپنی قوم کا چیدہ شخص ہے۔ المَبقی بقا، زندگی ج المباقی۔

قولہٗ مَظْھَرٌ: اسمِ ظرف اور اسم فاعل مِن الاظہار دونوں ہو سکتا ہے عُلا۔ جمع عُلیا اعلیٰ کی مؤنث۔ بلند چیز۔ اس سے مُراد صفاتِ باری ہیں کہ وہ ازروئے مرتبہ بلند ہیں کیونکہ وہ ذاتِ باری کی طرح قدیم ہیں۔ لہٰذا صفات کو عُلیٰ سے تعبیر کرنا مناسب ہی نہیں بلکہ انسب ہے۔

سایۂ حق است در عالم پناہِ عالمین
نورنخش مخلصاں ہمچوں شہِ خاور شُد است

وَھُوَظِلُّ اللّٰہِ فِی الدُّنیا وماوی العالمین
مِثلُ شمسٍ فِی السَّماءِ بالمُرِیدِین نَوَّرا

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں حق تعالےٰ کے سایہ اور مخلوقِ الٰہی کے لئے دین پناہ ہیں اور آفتابِ عالمتاب کی طرح اپنے مُخلصوں اور ارادت مندوں کے دلوں کو منوّر فرماتے اور فیض رسانی کرتے ہیں۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آنجناب اللہ تعالےٰ کے سایۂ عاطفت اور مخلوق کے لئے روحانی پناہ گاہ ہیں اور آفتاب کی طرح اپنے مخلصوں کے دلوں کو ایمان و ایقان کے نور کے ساتھ منوّر فرماتے ہیں۔

حضرت شارح رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مرشدِ کامل کو ظلّ اللہ (سایۂ خدا) قرار دینا نئی بات نہیں ہے کہ آپ سے پیشتر حضرت رومی رحمہ اللہ نے بھی اولیاء اللہ کے متعلق ایسا ہی فرمایا۔ فرماتے ہیں ؎

کیف مدّ الظلّ نقشِ اولیاست ٭ کو دلیلِ نورِ خورشید اِلٰہ است

پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعر کہنے کے وقت حضرت شارح رَوَّحَ اللّٰہُ رُوحَہٗ فنا فی الشیخ کی منزل طے کر چکے تھے۔ کما لا یخفیٰ۔

التحقیق :۔

قولہٗ مَاوٰی۔ اسم ظرف بمعنے جائے پناہ۔ ابنُ آوٰی۔ گیدڑ۔ بعض اسکی کنیت ابوزہرہ بتاتے ہیں (ج) بَناتُ آوٰی۔ قلتُ ھٰذا عجیبٌ جدًّا فاحفظہٗ۔ اصل میں آوٰی (ض) اُوِیًّا و اِوَاءً۔ البیتَ و الی البیتِ۔ گھر میں اُترنا۔ گھر میں ٹھکانہ لینا۔ یعنے یہ لفیف مقرون ہے کہ عین اور لام کلمہ کے مقابلہ میں دو حروف علت ایک ساتھ واقع ہیں۔ اَیْ حرفِ ندا بمعنے یا جیسے ای نابِدُ۔ اِیْ بمعنے ہاں۔ قسم سے پہلے آتا ہے جیسے ما أیتُ غَضَنفرًا ای اَسَدًا

قولہٗ بالمریدین نَوَّہَ۔ جار و مجرور نَوَّہَ سے متعلق ہے۔ للمریدین نہیں کہا کیونکہ اس کا صلہ حرفِ با آتا ہے اور لام نہیں جیساکہ نَوَّہَ بفلانٍ کے معنے اہلِ لغت نے یہ لکھے ہیں کہ اُس نے اس کو روشنی دکھائی۔

تیز بین باش و مشو اندر غلط زیرا کہ اُو
کردہ روپوش از بشر رُوحِ مثالِ خورشیدہ است

کُنْ اَحَدَّ النَّظْرِ لٰکِنْ لَاتَقَعْ فِیْ رَیْبَۃٍ
مِثْلَ شَمْسٍ اِخْتَفٰی عَنْ مَنْ اِلَیْہِ اَبْصَرَا

ترجمہ : اے دیکھنے والے! اگر تم آنجناب کی طرف دیکھنا چاہتے ہو تو ہوشمندی سے آپکی طرف دیکھو اور کسی قسم کے مغالطہ اور بدگمانی میں گرفتار نہ ہو جاؤ کیونکہ آپ کی روحِ مبارکہ کی حقیقت اور معنوی قوت اکثر دیکھنے والوں پر اسی طرح پوشیدہ ہے جس طرح اُن پر آفتاب کی طرح دیکھنے کے باوجود اُس کی حقیقت و اصلیت پوشیدہ ہے۔

خلاصۂ شعر : مُرید و مسترشد کو اپنے پیرِ کامل اور رہبرِ طریقت کے

جسم و جمال، قبہ و جبہ اور زبان دانی و چالاکی کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ مرید اپنے پیرِ طریقت کے روحانی کمالات، اسکی نیک سیرت و نیک عادات اور اس بات کی طرف دیکھے کہ پیرِ طریقت میں میری روحانی کثافت اور میری اخلاقی گندگی دُور کرنے کی صلاحیت و استعداد ہے کہ نہیں کیونکہ عموماً آدمی اپنی روحانی بیماری اور بد اخلاقی محسوس نہیں کرتا خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ احسن القصص میں حضرت یوسف صدیق علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام کا قول بزبانِ قدرت بیان فرماتا ہے: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ج اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

لہٰذا نفسِ امّارہ آدمی کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو نقصان و خسارہ میں ڈالتا ہے اسلئے اُسے پیرِ روشن ضمیر صاحبِ صدق و صفا، حقائق آگاہ اور متبعِ شریعت و سلفِ صالحین کی سخت ضرورت ہے اسلئے حضرت عارف رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

سایۂ یزداں بُود بندۂ خدا ٭ مُردۂ ایں عالم و زندہ خُدا

پیرِ طریقت اللہ تعالےٰ کا سایہ ہوتا ہے اور بظاہر حلیم و بردبار اور با اخلاق و با وقار ہونے کی وجہ سے وہ عام نظروں میں مُردہ دکھائی دیتا ہے لیکن وہ اپنے باطنی اور قلبی کمالات کی بنا پر اللہ تعالےٰ کے نزدیک معنوی زندگانی کا حامل ہوتا ہے۔ لہٰذا ؎

دامنِ او گیر زو تو بگماں ٭ تا رسی در دامنِ آخر زماں

لہٰذا پیرِ روشن ضمیر کو اچھی طرح تلاش کرو اور جب اس میں یہ شرطیں دیکھو گے تو اُن کا دامانِ مقدس تھام لو اور خوب سمجھو کہ تمہارے لئے یہی ایک صورت ہے جو تجھ کو حضرت نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمکنار بنائے گی۔

مگر افسوس ہے کہ پیر کی شناخت بھی بہت مشکل ہے۔ مثل مشہور ہے "قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری"۔ تاہم اُس کی کوشش میں رہنا چاہیئے۔ فمن دقّ باب کریم فتح۔

۳۔ ہاں پیر کیسا ہونا چاہیئے ؟ تو سُن لیجئے۔ فرماتے ہیں ؎

در پناہِ پیرِ صاحب رائے باش ✤ سر نخواہی گشت رُو تو پای باش

صاحب شریعت پیرِ رہبر کی پناہ میں رہ تو اس صورت میں اگر اعلیٰ اور سردار نہ بنوگے تو کم از کم اَدنیٰ اور ماتحت بن جاؤ تب کچھ نتیجہ حاصل ہوگا۔ یعنے پیرِ طریقت کی شرطوں میں سے سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ وہ صاحب شریعت ہو کہ اسکو احکامِ شرعیہ کا پاس اور احترام ہی نہ ہو بلکہ وہ احکامِ شرعیہ پر کاربند اور عامل بھی ہو۔ اسی قسم کے پیر سے تم زیادہ یا کم مستفید و مستفیض ہو سکتے ہو۔ نہ ان جاہل اور گمراہ پیروں سے جو احکامِ شرعیہ سے نابلد اور اَسرار و مَعارف سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اُن سے تم فائدہ کیا بلکہ نقصان ہی نقصان اُٹھاؤ گے۔

رہبر سے کیا فائدہ ملتا ہے ؟

سایۂ رہبر بہ است اَز ذِکرِ حق ✤

(کورِ کورانہ) یادِ خدا سے مرشدِ کامل کا سایہ اور نظرِ کرم بہت بہتر ہے۔ ہاں اس کے سایۂ فضیلت کا اندازہ اس طرح کر سکتے ہو جیسے جَو کے ایک پیالی شراب توت کی ایک سو رکابیوں پر فوقیت و فضیلت رکھتی ہے کیونکہ بغیر اُستاد کے ذکر، ذکر بے لذّت ہوتی ہے اور نفس کے بتوں کو توڑتی نہیں اور پیرِ کامل کی رہنمائی سے پہلے سالک اور مُرید کا نفس پاک ہوتا ہے۔ اُس کو اُستاد حاصل کرنے کے بعد ذکر و فکر اور یادِ خدا سے کیف و سرور نصیب ہوتا ہے۔

اور فرماتے ہیں ؎

چشم بینا بہتر از سی صَد عَصا ✤ چشم بشناسد گہر را از حَصا

کہ دیکھنے والوں کی آنکھ تین سو لاٹھیوں سے بہتر ہے حالانکہ لاٹھی کی مدد سے بھی نابینا راستہ عبور کرتا ہے۔ پھر چشمِ بینا کو تین سو لاٹھیوں پر اتنی فوقیت کیوں ہے ؟ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ آنکھ ہی تو موتیوں اور کنکریوں میں فرق کرنے کا سلیقہ رکھتی ہے۔ یہ سلیقہ اور یہ طاقت ہزار لاٹھیوں میں بھی نہیں ہو سکتی۔

ہوسکتا ہے کہ تین سو لاٹھیوں سے ایسے تین سو خشک زاہد مراد ہوں جو نورِ بصیرت اور اَسرار و مَعارِف سے بے بہرہ ہوں۔ ؎

اَندریں وادی مَرد ایں بے دلیل
لَا اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡن گو چوں خلیل

اے عزیز اِس ہوا و خطر کے جنگل اور وادی میں ایسے رہبر کامل کی رہنمائی اور دیدبانی کے بغیر قدم نہ رکھ کہ غولِ بیابانی (چڑیل) کہیں تم کو سیدھے راستے سے نہ بہکائے بلکہ حضرت خلیلُ الرحمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی طرح کہدے کہ "میں ڈوبنے والوں اور فنا ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا" بلکہ میں صِرف اُس ہستی سے پیار کرتا ہوں جس کی صفت وَیَبۡقٰی وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ ہے اور ضمناً اُن لوگوں سے وابستگی رکھتا ہوں جو مجھے اس ربّ لایزال تک رہنمائی کرتے رہیں گے۔

بہرحال باقی تفصیل شارح کی شرح میں ملاحظہ فرمائیے اور رہبر طریقت کی ضرورت پر میں نے بصیرۃُ السلوک شرح ذخیرۃُ الملوک بابِ سیوم میں مفصّل اور مُدلّل روشنی ڈالی ہے۔

التحقیق:

قولہٗ اَحَدَّ النَّظَرَ۔ یہ اہلِ عرب کے اس محاورہ سے لیا گیا ہے اَحَدَّ اِلَیۡهِ النَّظَرَ۔ اس نے اسکی طرف تیز نظر سے دیکھا، گھور سے دیکھا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں اِسۡتَحَدَّ اس نے دھار تیز کیا۔ حَدَّ حَدًّا وحَدَّدَ و اَحَدَّ السِّکِّیۡنَ اس نے چھری کو تیز کیا۔ ولہٗ مَعَانٍ اُخَرُ۔ اصل فارسی شعر میں کردہ کا فاعل حضرت محبوبُ العالمؒ ہیں۔ رُو پوش مفعولِ اوّل۔ روح مفعولِ دوم اور از بشر جار مجرور کردہ سے متعلق۔ اسی طرح عربی شعر میں اَخۡفٰی کا فاعل مَنۡ اِلَیۡهِ اَبۡصَرَا ہے۔

نیک بخت است آنکہ ہر روز از سرِ اخلاص و صدق
ناظرِ روئے نکوئے آں نکو منظر شُد است

لَسَعِیْدٌ مَنْ بِاِخْلَاصٍ وَّ صِدْقٍ کُلَّ یَوْم
وَجْهَهُ الْاَنْوَرَ یَرْنُوْ وَاسْتَفَاضَ مَنْظَرًا

ترجمہ: جو کوئی صِدق و اِخلاص اور توجہ سے آپ کا روئے مبارک ہر روز دیکھے تو وہ نہایت نیک بخت اور سعادت مند ہے۔

خُلاصۂ شعر: آدمی کی اس سے بڑھ کر کوئی سعادت مندی نہیں ہے کہ وہ نیکوں اور باخُدا اِنسانوں سے اپنے تعلقات اور نشست و برخواست قائم رکھے کیونکہ باخُدا انسانوں کی مثال عطاروں سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر ہے اور جبکہ عطر فروش کے پاس بیٹھ کر بیٹھنے والوں کے کپڑے مہک جاتے اور مُعطر ہو جاتے ہیں تو حقیقی عطر فروشوں' اولیاء کاملین کی صحبت و زیارت سے بھی دِل' دماغ، روح، باطن، سینہ، اخلاق، عادات و اطوار مُعطر و مُنور ہو جاتے ہیں۔ اسلئے حدیث شریف میں اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ آیا ہے کہ آدمی قیامت کے دِن اُن لوگوں سے اُٹھے گا جن سے وہ دُنیا میں دوستی اور محبت لگائے ہو گا۔ اگر اس زمانہ میں تم کو اولیاء اللہ اور علماء ربانیین نظر نہیں آتے تو اَوْ اولیاء اللہ سابقین کے حالات و واردات کا کتابوں کے ذریعہ مُطالعہ کر کے اپنی اصلاح کر سکتے ہو اور آدمی کی سب سے بڑی شقاوت یہ ہے کہ اُس کا دِل باخُدا اِنسانوں کی محبت سے خالی ہو یا اُنکی کتابوں اور ان کے دینی کارنامے پڑھنے پڑھانے سے آڑے آجائے۔ نعوذ باللہ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا

حضرت سیدالمرسلین صلے اللہ علیہ وسلّم بایں عظمت و جلالت یہ دُعا فرماتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّقَرِّبُنَا اِلٰى حُبِّكَ۔

اس سلسلہ میں حضرت شارح رحمۃ اللہ شیخ مجد الدین خوارزمیؒ کا واقعہ لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ خوارزمیؒ کو روتے ہوئے دیکھا۔ جب میں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ان سپہ سالاروں کو شاباش ہو جن کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرائِیل کہ میری اُمت کے بہت سے عُلماء ارشاد و تبلیغ میں بنی اسرائیل کے پیغمبر جیسے ہونگے۔ پھر کی اصل وجہ یہ بیان کی کہ کل میں نے یہ دُعا کی اے خدا! آپ کے کام ظاہری اسباب وتدابیر کے محتاج نہیں ہیں تو مجھے ایسے ہی علماء رحمت میں سے بنا دو یا کم از کم ان لوگوں میں سے مجھے بنا دے جو ان علماء رحمت کیطرف دیکھتے اور اُن سے اپنی وابستگی رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے اور کسی قسم کی طاقت نہیں۔ اب روتا ہوں کہ میری یہ دُعا قبول ہوئی کہ نہیں۔ اس واقعہ سے حضرت شارحؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی صحبت و رفاقت اختیار کرنا بجائے خود عبادت و ریاضت ہے۔ حضرت رومی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ؎ یک زمانہ صحبت با اولیاء ÷ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا۔

اَللّٰھُمَّ احْشُرْنِیْ مَعَھُمْ۔

حضرت شارحؒ کا اپنے پیر روشن ضمیر حضرت محبوب العالم قدس اللہ سرہٗ کو نحو منظر قرار دینے میں یہ نکتہ ہے کہ اس میں مفہوم و معنے میں جانب مخالف کا ایہام جاتا رہا کیونکہ مَنظر دیکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں خواہ اچھا ہو یا اور کچھ اسلئے شارح نے مَنظر سے پہلے نحو کا لفظ اضافہ کیا اور اس بات پر تنبیہہ کی کہ آنجناب ہر اعتبار سے اَسرار الٰہی کے مَنظر اور عجائب قدرت دیکھنے کے لائق ہیں۔

التحقیق:

قولہٗ نَاظِر اِسم فاعل مِن نَظَرَ (ن) نَظَرًا فی الامر سوچنا فکر کرنا، اندازہ کرنا۔ الشَّیْئَ اِنتظار کرنا۔ بَیْنَ النَّاسِ حُکم کرنا، فیصلہ کرنا للقوم۔ رحم کرنا، مدد کرنا۔ قولہٗ مَنْظَرًا۔ منصوب بنزع خافض یعنے فی مَنظرٍ

ای فی مَنْظرِ الشّیخ رحمہُ اللہ۔ والقاعدۃ معروفۃٌ ذکرت فی شرح مُلّا جامی شرح الکافیۃ لابنِ الحاجب۔ قولہ: یرنو صیغۂ واحد مذکر غائب فعل مُضارع مثبت معروف۔ اس میں ھُوَ مُستتر ہے۔ وہ یرنو کا فاعل اور وَجہُ الاَنوَرِ موصوف صفت سے مِل کر مفعولِ مقدم اور وَاسْتَفَاضَ مَنْظرًا کا عطف یرنو پر از قبیلۂ عطفِ جُملہ علی الجُملہ ہر دو معطوف علیہ و معطوف مبتدا لَسَعِیدٌ کی خبر۔ اور لَسَعِیدٌ پر لام تاکید داخل ہے جیسے وَلَعَبدٌ مُومِنٌ خَیرٌ الخ میں ہے۔ المنجد میں لکھا ہے رَنَا (ن) رَنُوًّا و رَنا الیہ کسی کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا۔ اَلرَّنَا (مص) وہ خوبصورت چیز جس کو دُور تک دیکھا جائے۔ الرناء خوبصورتی اَلرُّنَاءُ اچھی آواز طرب۔

شُد شگفتہ جانِ ما از دیدنِ دیدارِ اُو
آنچنان کز دیدنِ خورشید نیلوفر شُد است

وَصُدُوْرُنَا تَنُوْرُ بِلِقَاءِ وَجْہِہٖ
مِثْلَ مَا تَرْنُوْ تَنُوْرُ بِالذُّکَا النِّیْلُوْفَرَا

ترجمہ: ہمارے سینے اور دِل آپ کے دیدار سے اس طرح کِھل گئے اور روشن ہوئے جیسے سورج کی کرنوں سے نیلوفر کِھل جاتا ہے۔

خلاصۂ شعر: نیلوفر یا کنوَل کا پھول پانی میں ہوتا ہے لیکن اس کی فرحت و شگفتگی آفتاب کے نور اور شعاعوں ہی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح مشائخ اور باخدا انسانوں کی صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان حضرات کی رویت و ملاقات سے بے شمار فیوض و برکات اور ثمرات و اچھے نتائج پیدا ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام، تابعین و محدثین ایک حدیث کی خاطر ہزاروں میلوں کی مسافت طے کرتے تھے۔ اس سے دو فائدے حاصل کرتے تھے ایک تو اس صاحب کی ملاقات سے حظِ وافر حاصل فرماتے تھے دوسرا یہ فائدہ لیکر لوٹتے تھے کہ وہ اثناءِ کلام میں

اپنے مخاطبین کو بیش بہا نصیحتوں سے نوازتے تھے اور اُنہیں دیکھتے ہی اللہ تعالیٰ اُنہیں یاد آتا تھا مگر افسوس ہے کہ عصرِ حاضر کے کچھ پیشہ ور اور مذہبی تاجروں کو یہ سعادت دیہ سلیقہ کہاں نصیب ہوگا بلکہ اُن کے کچھ سابقین اپنے آقاؤں کے ذریعہ علماءِ حق اور مشائخ طریقت کی خوب مرمت کراتے تھے۔ اس قسم کی بُری عادت سنگیت اور سخت دِل کی نشانی ہے۔ مگر اللہ والے باخدا انسانوں کے دیدار کو عرفات قرار دیتے تھے کہ اس کے فوت ہونے سے جیسا کہ حج کی تلافی نہیں ہوتی اسی طرح اللہ والوں کی ملاقات و دیدار فوت ہونے سے ساری عمر میں اس کی تلافی نہیں ہوتی لہٰذا جہاں تک ہوسکے اپنے آپ کو لپیٹ سمجھ کر اہلُ اللہ اور علماءِ حق کی زیارت سے ضرور لُطف اندوز ہونا چاہیئے۔ حضرت شارح رحؒ نے اس سلسلہ میں جامع صغیر کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا اپنے مومن بھائی کی طرف اِشتیاق و محبت کی نظروں سے دیکھنا ہی سال بھر کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ والتفصیلُ فی الشرح ۔

التحقیق،

قولہٗ تَنَوَّرْ۔ مِن نَارَ و نِیارًا۔ روشن ہونا۔ کذا فی المنجد۔

قولہٗ النیلوفر۔ مُعرّب۔ نیلوفر۔ کذا فی المنجد۔ معرّب النیلوفر۔ نیلوفر۔ النیلوفر میں تنازع فعلان کی سی صورت ہے۔ ایک صورت میں ترنو کا فاعل ضمیر مخاطب اور اُس کا مفعول بہٖ النیلوفر ہے۔ اس صورت میں اصلی عبارت یوں ہوگی مِثلَ ما ترنو النیلوفرَ تنورُ بالذُّکا۔ الذُّکا۔ الشّمس۔ کما ھو مشہورٌ عندَ اھلِ العلم۔ اور لفظِ مَا زائدہ ہے۔

دوسری صورت میں النیلوفر تنور کا فاعل ہے تو اس صورت میں اصل عبارت اس طرح ہے مِثلَ ما ترنو تنورُ النیلوفرُ بالذُّکا۔ البتہ اس صورت میں شعر میں یک گونہ اِقوا پیدا ہوگا جو قافیہ کے عیوب میں سے ہے۔

والباقی اَشھرُ مِن اَن یُظھَر۔

کرد مارے جان فدای دولت دیدار او
چوں مشرف نقدومش قریۂ کُنیر شُد است

ضحّت الحیّة نفسہا لرُؤیانِ لہٗ
بقُدُومِہٖ متیٰ ما قریہ کُنیرٌ وقرا

ترجمہ: آنجناب کے دیدار کی خاطر سانپ نے اُسوقت اپنی جان قربان کر ڈالی جب کہ آنجناب نے کُنیر کے گاؤں کو اپنی تشریف آوری سے عزت افزائی فرمائی۔

خلاصۂ شعر: ایک دن آں پیر حقائق آگاہ کُنیر کے گاؤں میں اپنے مُریدین کے ساتھ تشریف آور ہوئے تو وہاں کے اِستقبال کرنے والوں میں سے ایک جن بھی سانپ کی صورت میں آیا تھا۔ ملّا نوروز پیشِ امام مسجد نے اسکو اصل سانپ سمجھ کر پتھر مار کر ہلاک کیا۔ یہ جن خود بھی جانتا تھا کہ میرا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا خالی از خطرہ نہیں ہے مگر آپ کے اِشتیاقِ دیدار نے اپنی جان آپکی ملاقات و دیدار پر قربان کرنا اُسکو آسان بنایا تھا۔ اسی واقعہ کی طرف یہ شعر مُشیر ہے۔ واضح رہے کہ کُنیر کامراج کے علاقہ میں ایک گاؤں کا نام ہے جو پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اسی گاؤں میں یہ واقعہ پیش آیا۔ رہا یہ امر کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ سانپ حقیقت میں جن تھا؟ تو اس کے متعلق شرح کی طرف رجوع فرمائیے جسکا حاصل یہ ہے کہ واپسی پر نادی ہل آئے تو آپ کے مُرید بالتخصیص جناب علی صوفی نادی ہل کی مسجد میں تشریف فرما تھے تو اُس مسجد میں انہیں ایک غیبی آدمی کی آواز آئی کہ یہ تو اچھی بات ہے کہ آپ اپنے رہبرِ برحق کے گرویدہ اور خدمت گار ہیں لیکن موضع کُنیر میں ایک نیکو کار جن آپ کے مُرشد کے دیدار کے لئے بصد شوق و اخلاص حاضر ہوا۔ تو تم لوگوں نے اس کو جان سے مار ڈالا۔ کیا یہ بھی کوئی انسانیت ہے؟ علی صوفی نے یہ ماجری کماجری اپنے پیرِ کامل کو بتایا۔ آنجناب یہ سُن کر بہت رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تم کو بارہا بتایا کہ عالم غیب

کی مخلوق خواہ وہ فرشتہ ہو یا جن یا اور کچھ تو ان کو خاصانِ خُدا کی زیارت اور دیدار کا شوق ہوتا ہے۔ اور فرمایا اسکی تائید صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے غارِ ثور کے اُس واقعہ سے ہوتی ہے جو حضرتِ صدیقؓ کو آں حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کی معیت میں غارِ ثور میں روپوش ہونے کے وقت پیش آیا تھا کہ سانپ نے آپ کے پائ مبارک کو ڈھس دیا تھا۔[۱]

حضرت صوفی رحمہُ اللہ نے جنوں کی تین قسمیں کی ہیں ان میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔ ان میں سے کچھ اچھی صورتوں میں اور کچھ کثیف صورتوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جب کسی گھر میں سانپ ظاہر ہوجائے تو اس کو حضرتِ نوح اور حضرت سلیمان علیہما السّلام کے عہد کا واسطہ دیکر اس بات کی اِستدعا کرے کہ ہمیں کوئی تکلیف نہ دے تو پھر اگر وہ نکلے تو تب اس کو مار سکتے ہو۔

بہرحال قرآنی آیات، احادیث اور عہدِ صحابہؓ کے بعض واقعات سے جنوں کا وجود ثابت ہے۔ اور جنوں کے وجود کے انکار سے کُفرِ صریح لازم آتا ہے۔ عصرِ حاضر کے کچھ سائنس دان جنوں کو نہیں مانتے کیونکہ ان کے ہاں یہ اصول مُسلّم ہے کہ صرف وہی چیزیں قابلِ تسلیم ہیں جو مرئی ہوں اور آنکھوں سے دکھائی دیں۔ مگر یہ اصول بجائے خود بہت کمزور ہے کیونکہ تمام یا اکثر سائنسدان روح کو تسلیم کرتے ہیں مگر طرفہ یہ ہے کہ رُوح بھی دکھائی نہیں دیتی تو پھر کیا اسکے دکھائی نہ دینے سے روح کا وجود ہی نہیں؛ مطلب یہ ہے کہ اس عالم میں بہت سے مخلوقات عقل و شعور والے ہیں مگر اپنی شدتِ لطافت کی وجہ سے عام انسانوں کو نظر نہیں آتے۔ اور آیتِ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[۱] غالباً اس کے ڈھسنے کی یہ وجہ تھی کہ وہ سانپ بھی بے قراری کی حالت میں حضرت سیّدالمرسلین صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دیدار کے لئے حاضر ہوا تھا اور جو چیز اُسے اس مقصد کے حصول کے لئے آڑے آئی تو اس کو دور کرنے کی کوشش کی۔ وَاللہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمّ ۔

جنّوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا ہے۔ اُنکی اسی طبعی لطافت کی طرف اشارہ ہے اسی طرح مثلاً کُرۂ اَرض کا کوئی حصہ ہَوا سے خالی نہیں اور کوئی مکان اور کوئی کمرہ ایسا نہیں جو قدرتی ہَوا سے پُر اور معمور نہ ہو مگر یہ ہَوا عام انسانوں کو شدّتِ لطافت سے دِکھائی نہیں دیتی تو کیا پھر ہَوا کے وجود سے انکار کرنا کسی صاحب عقل کی طاقت ہے؛ اور بدن کے عروق میں جو خون متحرک رہتا ہے اُسے روح قرار دینا بھی خلافِ عقل ہے کہ بہت سارے چھوٹے بڑے خشکی اور آبی حیوانوں میں خون جاری ہوتا ہی نہیں مگر بایں ہمہ اُن میں حِس و اِدراک ہے۔ تو معلوم ہوا خون کے علاوہ روح علیحدہ چیز ہے۔ بہر حال جنّوں اور فرشتوں کے وجود سے محض اسلئے اِنکار کرنا کہ وہ مادی آنکھوں سے دِکھائی نہیں دیتے ہیں ناقابلِ تسلیم ہے ایسے مَواقع پر صِرف قرآن اور حضرت رسالت پناہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مقدّس تعلیمات قابلِ تسلیم اور مبنی بر حقیقت ہیں۔

التّحقیق

قولہٗ ضَحَّتْ ۔ مِنْ ضَحّٰی تَضْحِیَۃً ۔ کسی کو چاشت کے وقت میں کھانا کِھلانا۔ بالشّاۃ۔ بکری کو چاشت کے وقت میں ذبح کرنا۔ اَلْغَنَمَ چاشت کے وقت چَرانا۔ ضَحّٰی الرَّجُلُ۔ فِدیہ ہوجانا، قربان کرنا۔ یہاں پر یہی آخری معنےٰ مُراد ہے۔ یومُ الاَضحٰی قربانی کا دِن۔

اَلحَیَّۃُ۔ سانپ۔ جمع حَیَّات۔ رِئیان۔ مصدر ہے رُوئیۃ کی طرح چنانچہ کہتے ہیں رَأیٰ۔ یَریٰ۔ رَأْیًا و رُؤْیَۃً و رَاءَۃً و رِئیانًا آنکھ سے دیکھنا۔ اس کا امر "رَ" ہے۔ شعر میں مفعولِ لہٗ واقع ہے۔ مَا زائدہ ہے جیسا کہ نظیرؔی نیشاپوری رحمۃ اللہ کہتا ہے ؎

اِذَا مَا شِئْتَ اَن تَحْیٰی حَیٰوۃً حلوۃَ المحیا
برسوائی برآور سر زمستوری برون نہ پا

مصرعِ اوّل میں مَا زائدہ ہے۔ کمالا یخفیٰ۔

اسی طرح حافظ شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

حضوری گر ہمی خواہی ازو غایب مشو حافظ

متیٰ ما تلق من تھویٰ دع الدنیا فاملھا

اس شعر میں بھی مَا زائدہ ہے کما ھو الاظہر عندی۔

قولہ قریہ۔ مطلق آبادی کو کہتے ہیں خواہ شہر میں ہو یا گاؤں میں۔ پس حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے باب الجمعہ فی القریٰ سے چھوٹے گاؤں میں نمازِ جمعہ کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا۔ پھر امام موصوف نے باب کی حدیث میں جو جُواثیٰ کا لفظ لایا ہے اور جُواثیٰ گاؤں نہیں تھا بلکہ وہاں مسلمانوں نے باضابطہ اُس کو قلعہ بنایا تھا اور یہ آبادی فوجی چھاؤنی بن چکی تھی اسلئے اگر وہاں جمعہ پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے تو اس میں شہریت و مصریت پیدا ہو گئی تھی اور پھر بقولِ واقدی جُواثیٰ ۹ھ میں فتح ہوچکا تھا اور خود امام موصوف رحمہ اللہ نے فرمایا اَوّلُ جُمْعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ مَسْجِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم جُواثیٰ جو ہمارے خیالات کی عکاسی کرتا ہے۔ بہرحال ان باتوں سے صاف معلوم ہوا کہ سنہ ۹ ہجری تک جمعہ نماز پڑھنے کا مسجدِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کہیں صحابہؓ کا معمول نہیں تھا۔ تو اب ان مختصر الفاظ سے صاف معلوم ہوا کہ آیتِ اِذَا نُودِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ عام نہیں خاص ہے یا مطلق نہیں بلکہ مقیّد ہے۔ فافہم انہ عسیرٌ جداً۔

اب آپ المنجد سے قریہ کی تحقیق ملاحظہ فرمائیے:

القَریۃ و القِریۃ۔ جایداد، بڑی بستی، جماعت و گروہ۔ اسکی جمع قُریٰ و قِریٰ۔ اسکی طرف نسبت قَرَوِیّ و قَرَئِیّ ہے۔ قَرْیَۃُ النَّمل چیونٹیوں کا مٹی کا گھر۔ قَرْیَۃُ الْاَنْصَار مدینۂ منورہ۔ اَلْقَرْیَتَانِ مکہ معظمہ اور طائف

افسوس ہے کہ اب تبلیغ کے بہانے یا اپنے خیالات پہنچانے کے لئے یار دوست چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بھی اقامتِ جمعہ کی بدعت قائم کرنے لگے ہیں۔

وَقَرَ کی تحقیق سابق اشعار میں آگئی ہے۔ فَرَاجِعْ اِلَیْھَا۔ قَرِیَہ کَثِیر وَقَرَ کا مفعول بہ مقدم ہے اور بقدومہٖ، وَقَرَ سے متعلق ہے۔

متن کے شعر کا مغز یہ ہے کہ حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ کے دیدار کے مشتاق صرف بنی نوع انسان ہی نہ تھے بلکہ جنیات بھی نہ صرف آپکی پرفیض و مبارک زیارت کے لئے بے آب و تاب تھے بلکہ اسکے لئے اپنی جان تک قربان کرتے تھے۔

چند تاثیری نوشتم این تجلیات را
گرچہ جزئیات ہریک فوق ما یُسطر شد است

بَعْضَ اٰثَارٍ رَقَمْتُ مِنْ تَجَلِّیَاتِہٖ
حَصْرُ جُزْئِیَاتِھَا مِنْ حَدِّ قَلَمٍ عَاسِرًا

ترجمہ: میں نے آنجناب کی تجلیاتِ کلیہ میں سے چند ایک تجلیات کی نشاندہی تو کی ہے اور اُن تجلیاتِ کلیہ سے جو تجلیاتِ جزئیہ منفرع اور شاخ در شاخ ہو رہی ہیں، وہ تحریر کی حد سے بالاتر اور انکو حیّزِ تحریر میں لانا مشکل ہے۔

خلاصۂ شعر: حضرت محبوب العالمؒ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت سی تجلیاتِ ذاتیہ وصفاتیہ کا ظہور ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی اور اُسکی صفات کے پرتو سے بہرہ ور ہونا بہت بڑی سعادت وخوش نصیبی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تجلیاتِ کلیہ میں سے چند تجلیات جیسے تجلی السمیع[۱]۔ البصیر[۲]، تجلی حیات[۳]، تجلی قدرت[۴]، تجلی علم[۵]، تجلی کلام[۶]، تجلی المرید[۷]، تجلی محیی[۸]، تجلی ممیت[۹] تجلی جمال ذات باری[۱۰]، تجلی جلال حق تعالےٰ[۱۱]، تجلی حلم و وقار[۱۲]، تجلی کبریائی حق[۱۳] تجلی اتباعِ سنت[۱۴] اور اسکی خاصیت تجلی نفرت عن البدعۃ، تجلی ارشاد[۱۵]، تجلی اسم الغنی[۱۶]، تجلی مساواتِ شاہ وگدا[۱۷]، تجلی اسم الکریم[۱۸] اور اس کے آثار جیسے اخلاص، سخت دتلخ اور اہلِ درد و سوز کے لئے شکر سے زیادہ شیرین تر ہونا

تجلّی بقا باللہ[19] اور تجلّی فنا فی الذات[20]، تجلّی افاضۂ انوار و برکات[21]، تجلّی حسنِ منظر[22]، تجلّی قہر و محبت[23]۔ یہاں تک کہ آپؒ پر جن نے سانپ کی شکل میں نمودار ہو کر اپنی جان فدا کر دی۔

پس اس زیرِ بحث شعر میں تجلیات کے لفظ سے یہ تمام تجلیات مراد ہیں اور یہ کلّیات کا درجہ رکھتی ہیں اور ان سے جو ہزاروں جزئی تجلیات متعلقین و متعلقات اور مخلصین و مخلصات پر آں جنابؒ کے ذریعہ ظہور ہوا ہے، شارحؒ فرماتے ہیں وہ جزئیات کے درجہ میں ہیں اور احاطۂ تحریر سے بہت بالا اور غیر محدود ہیں۔

اگر آپ ہماری اس تحقیق کو تسلیم کریں گے تو "حق تجلّی کردہ با دو وصفِ السمیع و البصیر" سے زیرِ بحث شعر کے تمام درمیانی ابیات میں ربط و ضبط اور پورا تسلسل قائم رہے گا اور حق تجلّی کردہ کے شعر سے پہلے چند اشعار ان تجلیاتِ کلیہ کے لئے تمہید ہیں۔ اور اگر آپ تجلیات کو صرف چار شعروں میں محدود کریں گے جیسے ذکر کیا گیا تو ابیاتِ مذکورہ میں ترتیب و تسلسل قائم نہیں رہے گا۔ یا پہلے یہ طے کرنا پڑیگا کہ وِردُ المریدین کے ابیات کی وہی ترتیب ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو حضرت شارح رَوَّحَ اللّٰہُ روحَہُ الشریفۃ نے اپنے قلم گوہر رقم سے انجام دی ہے۔ چنانچہ آنجنابؒ نے آخری کتاب میں ابیاتِ شریفہ کی جو تعداد خود بیان فرمائی ہے وہ ابیات اس کتاب میں بتمامہا نہیں پائے جاتے اور یہ کہنا کہ وہ ابیات مستقل رسالہ میں علیحدہ ہیں، طفلانہ جواب سے زیادہ وقعت نہیں نہیں رکھتا کہ ان ابیات کے موضوع اور اس رسالہ کے ابیات کے موضوع کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پھر یہ حضرات ذرا دونوں کتابوں کے ابیات کو گن کر تو دیکھیں کبھی وہ تعداد بہم نہیں ہوتی جس کی تحدید ناظم علیہ الرحمۃ نے فرمائی ہے۔ ہم اس کا صحیح جواب ان شاء اللہ اپنی جگہ پر دیں گے۔ اور یہاں پر یہ سوال بھی کھٹکتا ہے کہ تجلیات و کرامات دو چیزیں ہیں یا ایک ہی چیز کے دو نام

ہیں تو ہمارے نزدیک ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ البتہ تجلیاتِ الٰھی ہی صدورِ کرامات کے لئے سبب بن جاتی ہیں۔ کیونکہ اِرہاص، معجزات کرامات، اِستدراج کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالےٰ ہے۔ یہ چاروں امور خارقِ للعادت ہیں۔ تجلیات کو ان سے ضم کرنا بحث طلب ہے۔ بہر حال حضرت شارح ان علمی ابحاث سے خوب خوب آگاہ ہیں اس لئے نہایت حذاقت سے تشریح نہیں فرماتے ہیں اسلئے ہم بھی اس بحث کو یوں ہی رہنے دیتے ہیں اور پھر طرفہ یہ ہے کہ خود شارح تجلیات کے بعد کراماتِ شیخ کو اگلے اشعار میں سلسلہ وار لکھتے ہیں۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ آنجنابؒ پر حقیقتِ واقعیہ مستور نہیں ہے۔ بہر حال لَعَلَّ اللّٰہَ یحدث بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔

قولہٗ جُزئِیات ، جُزئی کی جمع۔ اسکی ضد کُلّی ہے۔ علمائِ منطق کے نزدیک کُلّی اُس مفہوم کو کہتے ہیں جو بہت ساری چیزوں پر صادق آجائے اور جزئی وہ مفہوم ہے جو خاص ایک معین چیز پر صادق آئے اور پھر جُزئی کی دو قسمیں ہیں جزئی حقیقی اور جزئی اضافی۔ اور کُلّی کی پانچ قسمیں ہیں جنس نوع، فصل، خاصہ اور عرض عام۔ اوّل الذکر تین قسموں کو کُلّی ذاتی اور ثانوی الذکر دو قسموں کو کُلّی عرضی کہتے ہیں۔ یعنے عالمِ امکان میں جو چیز بھی پائی جائے گی وہ دو حال سے خالی نہیں یا وہ کُلّی ہوگی یا جُزئی۔ اگر کُلّی ہوگی تو ان ہی پانچ کُلّیات سے کسی قسم میں داخل ہوگی۔ اور اگر جزئی ہوگی تو یا حقیقی ہوگی یا اضافی اور کوئی صورت نہیں ہے۔ اس بحث کی مزید تحقیق منطق کی کتابوں میں ملے گی۔

قولہٗ مایُسطَرُ شُدّ رست۔ مَا موصولہ بمعنے اَلَّذِی ہے۔ یُسطَرُ فعل مضارع مثبت مجہول ہے۔ مِنْ سَطَرَہٗ (ن) سَطرًا۔ لکھنا۔ سَطَرَہٗ بالسیف تلوار سے کاٹنا۔ سَطَرَ الرَّجُلَ۔ کسی کو پچھاڑنا۔ سَطَّرَ بابِ تفعیل سے۔ قصے بنانا بے اصل باتیں جمع کرنا۔ وَمِنْہُ اَسَاطِیرُ الاَوَّلِین۔ اَسطَرَ پڑھنے میں غلطی

کرنا۔ اِسْتَطَرَ۔ لکھنا۔ اَلسَّطْرِ۔ لکیر، قطار، تحریر کی سطر۔ جمع اَسْطُر، سُطُور و اَسْطَار۔ جمع الجمع اَسَاطِیر۔ السُّطُوْرَۃ۔ آرزو، امید، خواہش الاُسیطرہ بے اصل و بے بنیاد بات۔ اَلسَّاطِر و السطار۔ قصاب۔

فوق ما یُسطر کا معنے فوق الذی یکتبُ و یُرقَمُ کے ہے۔ یعنے تجلیاتِ کلیہ کی جزئیات باعتبار متعلقات تحریر کی حد سے باہر ہے۔

قولہٗ عَاسَرَ۔ قال فی المنجد وغیرہ عَاسَرَہ مُعَاسَرَۃً تنگی کا معاملہ کرنا اصلہٗ مِن فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ والالف فی عاسر للاشباع وَسُکِّنَ اللّامَ فی قَلِم للضرورۃ الشعریۃ۔

اَوّل ایں اَفقرِ مُریدش از مُبارک ذاتِ او
دیدہ اَنواعِ کرامت دائما اَشکر شُد است

مِنْ فَضِیْلَتِہٖ رَأی ھٰذَا الْفَقِیْرُ اَوَّلاً
مِنْ کَرَامَاتٍ صُنُوْفًا صَیَّرَتْنِیْ اَشْکَرًا

ترجمہ:

سب سے پہلے آنجناب کے اِس فقیر مُرید نے آپ سے متنوع کرامتوں کی ایسی قسمیں دیکھی ہیں جنہوں نے مجھے بہت زیادہ شکرگذار بنایا ہے

خلاصۂ شعر: شارح رہ اس شعر میں اس بات پر تنبیہہ کرنا چاہتے ہیں کہ میں نے آں پیر حقیقت آگاہ کی تجلیات و کمالات کا جو ذکر کیا ہے وہ صرف سماع اور نقل و روایت پر مبنی نہیں کہ انکے ثبوت میں احتمالات پیدا کئے جائیں بلکہ میں نے آپ کا ادنیٰ مُرید ہونے کی بنا پر آپکی کرامات و تجلیات کا بچشم خود ملاحظہ کیا ہے لہٰذا جو کچھ میں نے آپ کے بارے میں ذکر کیا یا آیندہ ذکر کرونگا وہ بلا واسطہ اور بطریقِ تواتر پیش کرتا ہوں لہٰذا اسمیں احتمالات، شکوک و شبہات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

نفحات الانس میں کرامتوں کو چار قسموں میں منحصر کیا گیا ہے۔ پھر ہر ایک قسم کی ہزاروں جزئیات ہیں جو حدو شمار سے بہت بالا ہیں۔

(۱) کوئی چیز عدم سے وجود میں لانا۔ اور اس کا عکس کہ ہست و بود کو نیست و نابود کرنا۔ (۲) کسی امرِ مخفی کا اظہار اور اس کا عکس کہ ظاہری چیز کو مخفی بنانا۔ (۳) دُعا کی قبولیت جس کے نتیجہ میں طیِ مکان، امورِ مخفیہ پر مطلع ہونا۔ وقتِ واحد میں مختلف اَمکنہ میں حاضر ہونا وغیرہ وغیرہ۔

(۴) اِحیاء و اِماتت، مُردوں کو زندہ کرنا اور زندوں کو مارنا۔ حیوانات وجمادات کا کلام و تسبیح سننا اور اَسبابِ ظاہرہ کے بغیر اشیاءِ خورد و نوش مہیا کرنا۔

واضح رہے کہ کرامتوں کے یہ اصولِ اَربعہ یا کلیاتِ اَربعہ خاصانِ الٰہی اور مقربانِ بارگاہِ یزدانی کے لئے قرآنِ کریم، احادیثِ صحیحہ اور اجماعِ متکلمینِ اسلام سے ثابت اور مُبرہَن ہیں اور جس نے کرامتوں کے ماننے سے انکار کیا فَقَدْ ضَلَّ وَهَوٰى وَخَابَ وَغَوٰى وَخَسِرَ وَطَغٰى کا مصداق بنا۔

اَلبتہ یہ ضرور یاد رکھنا چاہیئے جیساکہ میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ کرامات کا اصل خالق اللہ تعالےٰ ہے اور اسی کے اِقدار و تمکین سے تصدیقِ کتاب وسنت کی خاطر اولیاء اللہ سے ان کرامات کا صدور و ظہور ہوتا ہے لہٰذا شرک کا کیا ایہامِ شرک کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

چونکہ اس جگہ کرامات کا ذکر آیا ہے اسلئے حضرت شارح رحمۃ اللہ نے اس مقام پر کرامت اور اُس کے مُشکلات کی خوب تحقیق کی ہے۔ شوقین حضرات اس کے لئے حضرت شارح کی شرح کی طرف رجوع کریں کیونکہ دراصل ہمارا وظیفہ صرف یہ ہے کہ فارسی شعر کو عربی کا لباس پہنایا جائے۔ پھر بھی اگر ممکن ہو سکا تو ضمیمہ میں اس کا خلاصہ پیش کریں گے۔

زود کرامات از قبیلِ کشفِ قلب و کشفِ قبر
درمیانِ مُخلصاں ہر لحظہ مُستظہر شد است

تِلْكَ كَانَتْ كَشْفَ قَلْبٍ ثُمَّ مِنْهَا كَشْفَ قَبْرٍ
لِلْمُرِيدِينَ بُرْهَةً مِنْ بَعْدِ بُرْهَةٍ أَظْهَرَا

ترجمہ: آنجناب سے وقتاً فوقتاً اپنے مُریدوں کے درمیان جو کرامتیں صادر ہوئیں اُن میں سے کچھ کرامتوں کا تعلق کشفِ قلوب اور اہلِ قبور کے اِنکشافِ حالات کے ساتھ تھا۔

خُلاصہ شعر: اس شعر سے حضرت خاکی رحمۃ اللہ اپنے پیر روشن ضمیر حضرت محبوبِ العالمؒ کی کرامتوں کی تفصیل فرماتے ہیں کہ آپکو اللہ تعالےٰ نے اس بات کی قوّت عطا فرمائی تھی کہ جب کسی کا رازِ درون اور خیالاتِ قلبی معلوم کرنا چاہتے تھے تو اللہ تعالےٰ کی صفتِ تجلّیٔ علم کی قوت سے اندرونِ حالات پر آگاہ ہوتے تھے اور اسی طرح اہلِ قبور کے حالات، درجات و درکات اور ان کے مراتب پر واقف ہوجاتے تھے۔ فرماتے ہیں آپ سے ان دو کرامتوں کا ظہور کبھی کبھار نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً اور کثرت کے ساتھ ایسی کرامتیں آپ سے صادر ہوئیں۔

التحقیق:

قولہٗ کشف قلب ترکیب اضافی کے ساتھ۔ کَشَفَ (ض) کَشْفًا و کاشفۃً۔ اَلشَّیْءَ وعَنِ الشَّیْءِ ظاہر کرنا، کھولنا۔ کہا جاتا ہے کَشَفَ اللّٰہُ غَمَّہٗ اللہ اس کے غم کو زائل کرے۔ کَشَفَتْہُ الکَوَاشِفُ یعنی اُسے رسوا کردیا۔ کَشِفَ (س) کَشْفًا شکست کھانا۔ کاشفہ بکذا کسی بات پر باخبر کرنا۔ بالعَدَاوَۃ۔ کھلم کھلا دُشمنی کا اِظہار کرنا۔

قولہٗ قلب۔ قَلَبَ قَلْبًا (ض) الشَّیْءَ رُخ یا حالت کو پلٹنا۔ اُوپر کے حصّہ کو نیچے کرنا۔ اندر کے حصّہ کو باہر کردینا۔ القوم۔ واپس کرنا، پھیرنا۔

قَلَبَ المُعَلِّمُ الصِّبیانَ۔ اُستاد نے بچوں کو واپس بھیجا۔ قَلَبَ قَلْبًا (ن۔ض) دل کو لاحق کرنا۔ القلبُ مصدر۔ دل، عقل، جی۔ قلبُ الجیش لشکر کا وسط قَلبُ کُلِّ شَیْئٍ ہر چیز کا مغز اور خلاصہ۔ قلبُ الاقرب چاند کی منزلوں میں سے ایک منزل۔ جمع قلوب آتی ہے۔ اسی سے نحوی افعالِ قلوب بولتے ہیں۔ جیسے ظَنَّ، حَسِبَ، عَلِمَ وغیرہا۔

اب کشفِ قلب حضراتِ صوفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک مستقل علم ہے جس سے دوسرے کے باطنی خیالات اور قلبی حالات پر آگاہی ہوتی ہے۔ یہ بہت عمیق اور گہرا علم ہے جو خاص ریاضت وعبادت سے حاصل ہوتا ہے اور جبکہ ربانی عنایت شاملِ حال ہو۔

قولہٗ کشفِ قبر یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ ای کشف اھل قبر۔ اَلقَبْرُ۔ آدمی کے دفن کا مقام اسکی جمع قبور ہے۔ قَبَرَ قَبْرًا ومَقْبَرًا (ض ن) المیتَ میت کو دفن کرنا۔ واضح رہے کہ کشفِ قبور آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے معجزہ تھا جیسا کہ حدیث اِنَّھُمَا یُعذَّبانِ ومایُعَذَّبان فی کبیرالخ سے ثابت ہے اور دوستانِ خدا کے لئے کشفِ قبور کرامت ہے۔

قولہٗ بُرْھَۃً۔ البُرھۃُ والبَرھۃُ عرصہ، زمانہ کا کچھ حصہ۔ اس کی جمع بُرَہٌ و بُرَھاتٌ۔ اَلبراھِیمۃ ہندوؤں کی ایک ذات۔ یہ برہمن کا مفرد ہے باقی الفاظ کی تحقیق پیشتر آچکی ہے۔

اکثر الاوقات ناظم را ز روی کشفِ قلب
کاشف ومخبرِ ز ما فی قلبہ دبر شدُ است

وَ اَحیانًا بکشفِ قلبہٖ للنّاظمِ
قَدْ اَحاطَ ما اَرادَ فی فُؤادِہٖ مُخبِرًا

ترجمہ: آنجنابؒ نے اکثر اوقات اِس ناظم یعنے حضرت خاکیؒ کو اپنے کشف قلب کے

ذریعہ اُن خیالات پر خبردار کیا جو آپ نے اپنے قلب مبارک میں چھپائے تھے۔

خلاصۂ شعر۔ شارح رحمہ اللہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ آں پیر حقائق آگاہ کو ضبطِ تحریر میں لانا اور انکو شمار کرنا ممکن نہیں۔ تاہم میرا خیال تھا کہ آپکی چند جزوی کرامتوں کا ذکر کروں مگر حیرت و ترجیح بلا مُرجّح نے اس سے بھی باز رکھا۔ ناچار اپنا حال بیان کرتا ہوں کہ جب میرے دل میں کوئی خیال یا کسی کام کے کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا تھا یا میری گستاخیوں اور بے ادبیوں پر آں پیر روشن تنویر کشفِ قلب کے ذریعہ آگاہ ہوتے تو مجھے بُلاکر نصیحت اور مفید ہدایات سے نوازتے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں جو حالات اولیاء سابقین کے، کتابوں میں پڑھتے اور بزرگوں سے سُنتے تھے وہ حالات آپکی بارگاہ میں مشاہدہ اور دیکھنے میں آئے اور مسموعات بمنزلۂ مشاہدات کے ہوگئے۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کا مقصد کشفِ قلب کی کرامتوں سے صرف اِصلاحِ احوالِ مریدینِ صادقین ہوا کرتا ہے کیونکہ یہ حضرات اپنے مُریدوں کے لئے اسی طرح شفیق اور مہربان ہوتے ہیں جس طرح حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رؤف و رحیم تھے۔ ان حضرات کی اِس طرح اِصلاح کرنا یوں سمجھو ؎

اگر بینی کہ نابینا و چاہ است ٭ اگر خاموش بنشینی گناہ است

کہ اگر کسی جگہ کسی اندھے کو آتے ہوئے دیکھو گے اور وہاں پر کنواں بھی ہو جو اسکو دِکھائی نہیں دیتا تو اگر اس وقت خاموشی اختیار کروگے تو سخت گناہ ہے کیونکہ تمہاری خاموشی سے اسکو تکلیف پہنچے گی۔ اسی طرح اولیاء اپنے نورِ بصیرت اور قلبی فراست سے اپنے مُریدین و مُخلصین کی کوتاہیوں، کمزوریوں، ضرورتوں اور انکی حاجتوں پر اطلاع تو پاتے ہیں تو وہ پھر کیونکر خاموش رہ سکتے ہیں۔ پس آدمی کا نفس شریر بھی اِبلیس سے کمتر نہیں کہ وہ آدمی کو اس کے بدسے بدترین گناہوں کو نیکیوں اور محاسن کی صورت میں دکھاتا ہے خواہ آدمی کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو اسلئے پیرانِ طریقت قلب کے ذریعہ بھی انکی اِصلاح فرماتے ہیں۔ اِس لئے

پیرِ طریقت کی ضرورت ہے۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۃ الذہب میں فرماتے ہیں :-

ہست در نفس داروگیر بسے	کہ نداند بغیر پیر کسے
نفس افعی و پیر خضر شمار	کور میسازدش زمرد وار
نفس دیو است پیر نجم ہدیٰ	رجم دیو است کار نجم اولیٰ
کیست پیر آنکہ نیست یکسر مو	رسیہ از ظلمت وجود برو

یعنے نفس انسانی ہوا و ہوا جس اور خطرات و ظلمات کی منزل گاہ ہے جن کو رہبر طریقت کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اپنے نفس کو بدترین اور زہریلا سانپ سمجھو اور اُس کے زہر و جراثیم سے پیر کامل کے ذریعہ بچ جاؤ اور نجات حاصل کرو کیونکہ سلیم کی طرح پیر ہی اس سانپ کو نابینا بنا سکتا ہے۔

نفس دیو صفت شیطان ہے' اس کا علاج رجم و سنگسار کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ وہ پیر طریقت اور خضر راہِ صواب ہے۔ پیر رہبر وہی ہے جس کا وجود ظلمت و تاریکی سے ایک بال بھی بیکا نہ ہوا ہو۔ بہر حال اس شعر میں کشفِ قلب کی حقیقت و افادیت سے بحث ہے۔ اور تفصیل شرح میں ملاحظہ فرمایئے۔ وَقَدْ اَخَذْنَا مَعْزَہٗ۔

التحقیق و معنی الشعر :

رُبَّمَا احاطَ بکشفِ قلبِہٖ ما خطر فی قلب ھٰذا الناظم فاخبرنی بہٖ و نصحنی کما ھُو دابُ ھٰؤلاءِ الکُرماء۔

وفاعلُ احاط ھو راجعٌ الی الشیخ رحمہ اللہ وفاعلُ ما ارادَ ھُوَ ایضًا یرجع الی فضیلۃ الخاکی الناظم قدس سرہٗ۔ وما للموصول ومخبرًا حالٌ مِن فاعلِ ارادَ۔ وما اراد فی حیز المفعول فلیس فیہ انتشار الضمائر کما یوھم من ظاھر الکلمات والعبارۃ۔

ہم میاں نعمت اللہ صاحب کشف و کمال
بار ہا مومی زما فی قلبہ صوّر شد است

ھکذا لِنِعمَةِ اللّٰہ صاحِبِ الکَشْفِ و فَضل
رُبَّما اُوحی لَہٗ مَا فِی فُؤادِہٖ اَضمَرا

ترجمہ: آں پیر صداقت تنویر نے میاں نعمت اللہ ہندوستانی کو ان کے مافی الضمیر اور ان کے پوشیدہ خیالات پر آگاہ فرمایا۔ باوجودیکہ جناب نعمت اللہ صاحب خود صاحب کشف و کرامات اور صاحبِ فضل و کمال تھے۔

خلاصۂ شعر: حضرت خاکی اپنے رہبر طریقت کے کشف قلب کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میاں نعمت اللہ غلام حسن خان کے ہم پیر اور شیخ اسماعیل چشتی کے مرید بالتخصیص تھے اور مزید بر آں بہت سے اولیاء اللہ سے ہم صحبت اور شرف یافتہ کشف قلب اور روحانی کمالات اور مدارج میں یگانۂ وقت اور فرزانۂ دہر تھے۔ بایں فضل و کمال آں جناب بھی حضرت محبوب العالم قدس اللہ سرہٗ کے کشف قلب کے قائل اور معترف تھے گاہ گاہ میاں نعمت اللہ صاحب ہندی آپ کی خدمتِ ہمایوں میں اپنے قلبی خیالات لے کر جوں ہی حاضر ہوتے تو حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ اُن کے قلبی خیالات پر آگاہی پاکر اُن کو اُن تمام باتوں کی خبر دیتے تھے۔

ایک دن میاں صاحب آپکی خدمتِ اقدس میں بھوکے حاضر ہوئے غالباً ان کو یہ آزمانا تھا کہ حضرت محبوب العالم میری بھوک کی حالت پر آگاہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ جوں ہی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ان کے رازِ درون پر آگاہ ہوئے غیر وقت ہونے کے باوجود خادم سے فرمایا کہ میاں صاحب کے لئے کھانا لاؤ۔ پھر کھانا کھاتے ہوئے میاں صاحب کے دل میں کوہِ ماران کی سیر کرنے کا خیال آیا تو حضرت محبوب العالم اپنے

نورِ باطن اور اپنے کشفِ قلب سے اُن کے اس خیال پر آگاہ ہوئے اور ابھی کھانے کے کچھ لقمے باقی تھے تو فرمایا کھاؤ اور کوہِ ماران کی سیر کرو۔ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کے اس کمال کو دیکھ کر میں شرمندہ ہوتا تھا کہ آنجناب کی خدمتِ اقدس میں کس طرح حاضر ہو جاؤں کیونکہ دل کے خیالات قابو میں نہیں رہتے اور پھر اچھے اور بُرے دونوں قسم کے خیالات دل میں آتے اور جاتے ہیں۔ حالانکہ بزرگوں کے پاس پورے ادب و احترام سے جانا چاہیئے۔ (زُبدۃُ معانی الشرح)

گشت مُلّا احمد از چاگُل رواں چوں سوی او
واقفِ احوالِ او از قریۂ ایجر شُد است

سَارَ مُلّا اَحْمَدُ مِنْ چَاگُل مُرِیْدًا شَیْخَہٗ
فَانْجَلٰی لَہٗ حَالُہٗ مِنْ قَرْیَۃِ اِیْجَرْ مُظْھِرًا

ترجمہ: ملّا احمد صاحب اپنے پیرِ حق پرست حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ کی طرف چاگُل سے روانہ ہوئے تو موضع ایجر میں جن حالات کا ملّا صاحب کو سامنا کرنا پڑا تو حضرت محبوب العالمؒ اپنے کشفِ قلب سے اُن پر واقف ہوئے اور ملّا احمد صاحب پر اُن حالات کا اِنکشاف کیا۔

خُلاصۂ شعر: حضرت خاکی رحمۃ اللہ حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کے کشفِ قلب کی جزئیات تفصیل وار بیان فرماتے ہیں جن میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ آنجناب کے مُرید مُلا احمد صاحب چاگل سے آپ کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئے اِتفاق سے موضع ایجر میں اُنہیں کچھ واقعات پیش آئے جن پر حضرت شیخ آگاہ ہوئے اور ملّا احمد کو پہنچتے ہی از خود اُن حالات کی خبر دی۔

رہا یہ امر کہ ملّا احمد کو ایجر میں کیا حالات پیش آئے تو اُن کا خلاصہ یہ ہے :-
ملّا احمد چاگل سے حضرت محبوبُ العالمؒ کی زیارت کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں کچھ مقامات پر بیہوش ہوئے۔ بے ہوشی کی حالت میں سواروں کو آتے اور

چلتے ہوئے دیکھا اور وہ چلنے میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ نے بے ہوشی کی حالت میں ان سواروں سے دریافت کیا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم روحانی طور پر اس پہاڑ پر فروکش ہوئے ہیں اور ظاہری صورت میں ایجبر گاؤں سے نکلتے اور چل رہے ہیں۔ ملا احمد صاحب اشارۂ غیبی سے ایجبر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ اُسی روز ایجبر سے بارہ مولہ کے ایک گوشہ میں تشریف فرما ہوئے ہیں جوں ہی مُلّا احمد آنجناب کے قریب پہنچے تو آپ کے پاؤں پر روتے روتے گرے اور بے ہوشی طاری ہوئی اور جب ہوش میں آئے تو حضرت خاکیؒ نے رونے اور بے ہوش ہونے کی وجہ دریافت کی۔ تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ نے اپنی زبان کرامت بیان سے فرمایا کہ جب یہ ایجبر سے نکلے اُس وقت سے اُن کے حالات میرے پیشِ نظر ہیں اور اگر یہ چاہیں تو خود بھی بتا سکتے ہیں مگر ملا احمد نے جلوت اور عوام میں بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا البتہ خلوت میں فرمایا کہ میں نے روحانی طور ایجبر میں ہی آپکو شان و شوکت اور عزت و رفعت کے ساتھ دیکھا ہے۔ اسی طرح ملا احمد کے دونوں بھائی ملا ابراہیم اور ملا عزیز بھی آپ کے مُرید اور آپ کی بے شمار کرامتوں کے راوی اور واقف ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر اور ہم جیسے قسم کے اکابر اولیاء کی طرح منبع عرفان اور اپنے زمانہ کے روحانی سُلطان ہیں۔ اسی لئے آپ سلطان کے لقب سے ملقب ہیں

التحقیق :

قولہٗ چاگل : ہندوارہ کے نزدیک ایک گاؤں کا نام ہے اور اب ضلع کپوارہ میں شامل ہے۔

قولہٗ شیخہٗ ۔ شیخ سے مراد حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ ہیں کیونکہ آغاز کتاب ہی میں آپ کو شیخ شیخاں سے حضرت ناظمؒ نے یاد فرمایا ہے اور شیخہٗ بجائے الیہِ کے واقع ہے۔ اسکو علم معانی کی اصطلاح میں وضع

الظاهر موضعَ المضمر کہتے ہیں۔ مُوَیَدًا منصوب ہے۔ کیونکہ یہ سامنا کے فاعل مثلاً احمد سے حال واقع ہے۔ ایجر بارہ مولہ کے قریب ایک بستی ہے۔ مظهرًا منصوب ہے کہ یہ حالہٗ سے حال ہے اور حالہٗ ترکیب میں انجلی کا فاعل ہے۔

در اوایل از پئے اصلاح با خواجہ شریف
مانع از اندر نہانی شرب ما اسکر شدا ست

قَدْ نَفَی خواجہ الشَّرِیْفَ عَنْ شرابٍ مُصْلِحًا
کَانَ یَعْتَادُ بِہٖ فِی السِّرِّ مَا قَدْ آسْکَرَا

ترجمہ: آنجناب نے خواجہ محمد شریف کو نشہ آور بھنگ کے پوشیدہ طور پینے سے منع فرمایا کہ شروع میں خواجہ صاحب کو اس کا چسکا پڑ چکا تھا۔

خلاصہ: خواجہ محمد شریف آپ کا ایک مُرید تھا اور آپ کی بیعت سے سرفراز ہو چکا تھا۔ اُسے بھنگ پینے کی عادت پڑ چکی تھی۔ اس خیال سے کہ شاید حضرت پیرؒ کو اس کی خبر نہیں ہوگی، پوشیدہ طور سے بھنگ کا استعمال کرنے لگے مگر پیر حق شناس اپنے کشفِ قلب سے اس پر آگاہ ہوئے اور انہیں اس کے پینے سے باز رکھا۔

التحقیق:

قولہٗ مُصْلِحًا اسم فاعل من الاصلاح۔ اَصْلَحَ الشَّیْئَ درست کرنا۔ بینهم صلح کرانا۔ اِلیہِ نیکی کرنا۔ الصُّلْحُ سلامتی، رضامندی، درستی۔ قومٌ صُلحٌ آپس میں موافقت رکھنے والے لوگ۔ اَلصَّلَاحِیَّۃُ وہ حالت جس سے چیز کی درستی ہو۔ الاصطلاح کسی خاص قوم یا جماعت کا کسی لفظ اور کلمہ کے معنی پر اتفاق کرنا جو اس معنے کے علاوہ ہو۔ اسکی جمع اصطلاحات آتی ہے۔

قولہٗ مَا اَسْکَرَا۔ ما بمعنے الذی کے ہے۔ یہ باب افعال کا فعل ماضی

ہے اور اَسکرہُ الشَّراب سے مشتق ہے کہ شراب نے اس کو مست و مدہوش کیا اور عربی شعر میں ضمیر مفعول محذوف ہے ای ما اسکرہٗ کیونکہ صلہ میں ایک ایسی ضمیر کی ضرورت ہے جو موصول کی طرف راجع ہو۔

السُّکو۔ شراب اور ہر نشہ آور چیز، سرکہ۔ سَکرۃُ الموت او الھم موت یا غم کی سختی۔ لیل "سَاکِرٌ" وہ رات جس میں ہوا ٹھہری ہوئی ہو۔ السُّکو۔ شکر "سُکرۃٌ" اس سے خاص ہے۔ سَکَرَ الاِناءَ برتن بھر دیا۔ النَّھْرَ دریا کے لئے بند بنایا۔ البابَ دروازہ بند کیا۔

شب دلِ خواجہ علی طاس ہریسائی آرزو
خواست زودی مُرسل او حین اِذ اَسفر شداست
طَافَ فِیْ قَلْبِ عَلِی طَاس بالھریسہ لیلۃً
فَحَبَاہُ الشَّیْخُ مِنھا الکأس لمَّا اَسفَرا

ترجمہ: ایک رات آپ کے مُرید علی طاس صاحب کے دِل میں ہریسہ کھانے کا خیال آیا تو حضرت شیخ رحمہ اللہ کو بذریعہ کشفِ قلب فوراً علی طاس کے خیال پر اِطلاع ہوئی پھر صبح ہوتے ہی ان کو ہریسہ کا بڑا پلیٹ بھجوا کر عطا کیا۔

خلاصۂ شعر: یہ شعر حضرت محبوب العالمؒ کے کشفِ قلب کے ایک واقعہ کی طرف اِشارہ ہے کہ آنجناب کے مُریدوں میں سے ایک صاحب علی طاس تھے جو مسکین اور پھر علیل بھی ہوئے۔ ایک رات ان کے دل میں ہریسہ کھانے کا خیال آیا مگر مسکین ہونے کی وجہ سے اس کے خریدنے سے قاصر تھے لہٰذا ان کے دل میں اپنے پیر کاملؒ کے متعلق خیال آیا کہ وہی از روئے نوازش عنایت فرما سکتے ہیں۔ ادھر ان کے رہبر طریقت قدس سرہٗ کو کشفِ قلب سے انکی اس آرزو کا علم ہوا چنانچہ صبح روشن ہوتے ہی آنجناب نے علی طاس کو ہریسہ بھجوایا۔ خود علی طاس نے اس واقعہ کو استعجاب کی نظروں سے دیکھا اور حقیقت میں یہ آپ کی کرامت ہے۔ قدس سرہا۔

قولہٗ طَافَ۔ طاف یطوفُ طوفًا و طوافًا و طوفانًا بالمکان وحولہٗ چاروں طرف گھومنا، چکر لگانا۔ فی البلاد ملک میں پھرنا۔ رات کے وقت خیالات دل میں گھومنا۔ اَلسَّمَکُ الطَّائِف پانی پر تیرنے والی مچھلی۔

قولہٗ اَلھَرِیْسَہ۔ یہ اصل میں عربی لفظ ہے۔ کشمیری اور فارسی زبان دان کچھ تھوڑے سے تغیرّ کے ساتھ اس کو اپنے اصل موضوع لہ میں بولتے ہیں۔ چنانچہ المنجد میں لکھا ہے: ھَرَسَ (ن) ھَرْسًا۔ الشَّیْئَ۔ خوب کوٹنا۔ الطَّعامَ بہت کھانا۔ اَلْھُرَاسُ شیر۔ اَلْھُرس بلی۔ اَلْھَرِیْسَۃُ ایک قسم کا کھانا جو گوشت اور گندم کو کوٹ کر پکایا جاتا ہے۔ کشمیری ہریسہ بھی موسم زمستان میں اسی انداز سے بنایا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ کشمیری زبان و ادب پر عربی کا کتنا گہرا اثر پڑا تھا جس کو کشمیر کے عصر حاضر کے اُدباء نکال باہر کرتے ہیں مجھے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر ان فضلاء زمانہ کو ہریسہ کے عربی الاصل ہونے کا علم ہو جائے تو وہ ہریسہ کھانا ہی بند فرمائیں گے۔ معاذاللہ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ ان حضرات کو عربی ادب سے دشمنی ہے بلکہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کے ادیبانہ انداز کس قدر بلند و بالا ہیں۔

ابو العباس مُبَرّد کا قول ہے اَلشَّیْئُ یُذْکَرُ بِالشَّیْئِ ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ مناسبت رکھنے کی بنا پر ذکر کی جاتی ہے۔ تو اسی اصل کے تحت عرض ہے کہ کشمیر کے اُدباء قدیم کی ادبی نزاکت ملاحظہ فرمایئے کہ اصل میں ہریسہ کا معنے آپ سمجھ گئے کہ اسکی اصلیت کیا ہے۔ اب یہ حضرات استعارہ کے طور پر ہریسہ سخت زدوکوب کرنے پر استعمال کرتے ہیں چنانچہ کشمیری میں کہتے ہیں "ہٹر یسہ کرے ماژس"۔ یعنے تمہیں اتنا پیٹوں گا کہ ہریسہ کی طرح بن جاؤ گے۔ یعنے اس کے اصلی معنے "کوٹنا" یہاں بھی ملحوظ رکھا ہے۔ بعض حضرات اس کشمیری محاورہ ہٹریسہ کو ہٹر صہ صاد سے پڑھتے ہیں غالباً عربی سے بچنے کے لئے وہ ایسا کرتے ہیں تو واضح رہے کہ حرص کا لفظ عربی الاصل ہے اور اس کے متعدد معنی آتے ہیں۔

چنانچہ اس کا معنے لالچ ہے۔ الحرصۃ۔ والحارصہ والحریصہ اُس زخم کو کہتے ہیں جو چمڑے کو پھاڑ دے۔ اس لئے پھر بھی اس سے مفر اور گریز نہیں ہو سکتا۔

قولہٗ فحباہٗ۔ قال فی المنجد۔ حبا (ن) حَبْوًا نزدیک ہونا۔ کہتے ہیں حَبَوْتُ اِلی الخمیس میں پچاس سال کے قریب ہو گیا۔ اور حباہ کذا و بکذا بغیر بدلہ کے دینا۔ حباہ عن کذا اس نے اس کو اس سے منع کیا۔ چونکہ اس کا ایک معنیٰ بغیر بدلہ دینے کے آتا ہے اسلئے اسی کے ساتھ ہم نے ترجمہ کیا کہ یہ حضرت شیخ حمزہ رحمہ اللہ کی شان عالی کے مناسب ہے۔ الشیخ سے حضرت شیخ حمزہ رحمہ اللہ مراد ہیں۔

قولہٗ الکأس۔ پیالہ۔ چھوٹا بڑا ہونے کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس کی جمع کؤس، اَکْؤُسٌ، کأسات و کِئَاسٌ آتی ہے۔

قولہٗ اَسْفَرَ باب افعال کا واحد مذکر غائب۔ اِسفار مصدر ہے جس کے معنے خوب روشنی ہونے اور نمازِ صبح کو روشنی میں پڑھنے کے آتے ہیں اور اس باب میں حدیث اَسْفِرُوْا بالفجر فانہٗ اعظمُ للاجرِ مشہور ہے۔ یہ معنے اَفْجَرَ بھی پورا کرتا ہے مگر اس لفظ کے بعض معانی ایسے ہیں جن کی نسبت اُس پیر پرتو منیر کی طرف کرنے میں سوءِ ادبی کا ایہام ہے اس لئے اس کے استعمال سے اجتناب کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ کشمیری ہریسہ کھانے کا وقت صبح سویرے ہوتا ہے اسلئے حضرت خاکیؒ نے علی طاس کو ہریسہ کھلانے کا وقت معین کیا ہے تاکہ واقعات کے مطابق ظہورِ کرامت ہو جائے۔

باخبر باشد ز حالِ مُخلصانِ بحر و بر
زانکہ ظاہر باطنش را جملہ خشک و تر شد است

عَالِمٌ مِن خَافِیَاتِ مُخلِصِی بَحرٍ وَ بَر
اِنَّ قَلبَہٗ لِکُلِّ شَیئٍ لَاضحٰی مَظھَرًا

ترجمہ:

آں پیر پُر تو منیر، سمندروں اور خشکی میں رہنے والے مخلصوں کے پوشیدہ حالات اور واقعات سے باخبر اور واقف رہتے ہیں کیونکہ آپ کا قلب مبارک خشک و تر کی تمام اشیاء کے لئے مَظہر اور مقام ظہور بن چکا ہے۔

خلاصہ: چونکہ آپؒ رہبر کامل ہیں اور رہبر کامل کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مُریدوں کے واردات اور انکو پیش آنیوالے خطرات سے آگاہ ہو اور یہ صفت بھی اُن میں پائی جاتی ہے کہ اُن کا قلب مبارک جام جہاں نُما کی طرح خُدانُما آئینہ بنا ہوا ہے اور المومن یری بنور اللّٰہ کے پورے مصداق اور مَظہرِ اَتم بنے ہوئے ہیں، درحقیقت یہ بھی آپکی کرامتوں میں سے ایک کرامت ہے جس کی تفسیر سابقہ بعض ابیات شریفہ میں آچکی ہے۔ لہٰذا اب چون وچرا اور بحث ومباحثہ کرنے کی اِس پر ضرورت نہیں ہے کیونکہ امور خارقہ للعادت (عادت توڑ امور) والی چھپیوں قسمیں تسلیم شدہ ہیں فافھم ولا تکن من الغافلین۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ پیرِ کامل اپنے مُرید کے حق میں اس شفیق اور عدل گستر بادشاہ کی طرح ہے جو اپنی رعیت کے حالات پر اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ لہٰذا اب علمِ غیب اور دیگر باریکیوں کی طرف رُخ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہری بادشاہ معلومات حاصل کرنے کے لئے ظاہری اَسباب اور رہبر کامل اپنے مرید کے قلبی حالات معلوم کرنے کے لئے باطنی اَسباب سے کام لیتا ہے۔

التّحقیق:

الخافیات۔ جمع خافیۃ۔ پوشیدہ چیزیں اور امورِ مخفیہ۔

قولہٗ مُخلِصِی۔ اصل میں مُخلِصِین تھا۔ چونکہ یہ بحر و بر کی طرف مضاف ہے اس لئے نون جمع بنابر اضافت حذف کیا گیا اور اِخلاص کا

معنے پیشتر تحریر میں آچکا ہے۔

قولہ شئی اصل میں شیئ تھا۔ ہمزہ ضرورتِ شعریہ کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔ اَضحیٰ کے شروع میں جو لام ہے وہ تاکید کا معنے دیتا ہے جیسے لِاَلی اللّٰہِ تُرجَعُ الاُمُور اور دوسری آیات میں اسی قسم کا لام تاکید کا فائدہ بخشتا ہے۔

در سفر رفتہ ز اذنش خواجہ زینُ الدّین اَخی
واقفِ احوالش اکثر حینَ مَا سافر شد است

اِنَّ زَینَ الدِّینِ اَخِی بِاِذْنِہٖ قَدْ سَافَرَا
وَھُوَ یَدْرِیْ حَالَہٗ ثَمَّہٗ کَمَا قَدْ اَخْبَرَا

ترجمہ: میرے بھائی زینُ الدین نے آں آفتابِ ہدایت کی اجازت سے سفر اختیار کیا تو آپ اپنے ہاں اس کے حال سے واقف اور باخبر تھے۔

خلاصہ:- شعر میں آنجنابؒ کی تجلّیٔ بصری کی طرف اشارہ ہے کہ بُعدِ مسافت کے باوجود اپنے دُور و نزدیک مخلص مریدوں کے حالات سے واقف ہیں جیسا کہ آنجناب حضرت زینُ الدین رحمہ اللہ کے پیش آنے والے واقعاتِ سفر سے آگاہ تھے۔ وھو کما قیل ؎

گر در یمنی چو با منی پیشِ منی ٭ ور پیشِ منی چو بے منی در یمنی

مزید حضرت خاکی رحمہ اللہ خود اپنا واقعہ لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت جلالُ الدین بُخاری رحمہُ اللہ کے روضۂ مبارک اُچہ کے مقام پر حاضری دینے کا ارادہ کیا چنانچہ اس سفر میں مجھے بڑی تکلیفیں پہنچیں لیکن آپ کے طفیل اور وساطت سے اللہ تعالےٰ نے میری مشکلات کو آسان فرمایا اور ہمارا حضرت محبوب العالمؒ کو حضرت خاکیؒ کی تکلیفوں کا بطریقِ کشف ذریعہ علم ہو چکا تھا مگر معذرت ظاہر فرمانے تھے ظاہر سے اہلِ حق کو

ہمیشہ دشمنوں کا پیچھا ہوتا ہے چنانچہ آپ کے دشمن آپکی وفات کی افواہیں پھیلا رہے تھے لیکن حضرت محبوبُ العالمؒ اُن کے متعلقین سے فرماتے تھے کہ یہ افواہیں بے بنیاد ہیں، وہ میرے سامنے ہیں اور عنقریب بصحت و سلامت و کرامت واپس تشریف لائیں گے۔ پھر جب حضرت خاکیؒ واپس پہنچے تو حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ نے اپنی زبان کرامت بیان سے وہ تمام حالات از خود حضرت خاکیؒ کو بتائے جو آپ کو اِس سفر میں پیش آئے تھے۔

کسی کے انکار سے کیا ہوگا۔ مُردہ دِل کا زندہ دل پر اعتراض کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی اندھا جنگلات میں ایک بینا اور دیدہ ور کو راستہ دِکھانے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایسی رہبری ہے جو صاحبِ بصیرت و بینا کو خطرناک کنویں میں ڈال دے گی۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

اِذا کان الغُرابُ دلیلَ قومٍ ؛ سیہدیہم الی القوم الھالکینا

التحقیق :

قولہ، ثَمَّۃَ۔ ثَمَّ و ثَمَّۃَ۔ وہاں (دور کا اشارہ) اَلثَّمُّ مصدر۔ ثَمَّ بمعنے دُرست کرنا اور اسی سے یہ کلام ہے کُنَّا اَھْلَ ثَمِّہٖ وَرَمِّہٖ۔ ہم اصلاح و مرمت کے اہل تھے۔ اور ثُمَّ حرفِ عطف ہے۔ ترتیب و تراخی کے لئے آتا ہے۔ الثُّمّہ سوکھی گھاس کا مُٹھا۔ (یہ سب منجد سے لیا گیا ہے)

بارہا مکشوفش احوالِ قبورِ ریشیاں
در مزار چرار ہم در عیش و در پشکر شد است

کَشْفُ اَحْوَالِ قُبُوْرِ ریشیاں لَہٗ حَصَلَا
فی قُبُوْرِ چرار والعیش ثُمَّ بُشْکر جُھُوْرًا

ترجمہ: آنجناب کو بہت دفعہ چرار، عیش مقام اور پوشکر کے ریشی حضرات (حضرت شیخ نور الدین، شیخ زین الدین اور بابا لطیف الدین کی قبروں کے حالات

اور ان کے برزخی مقامات کا انکشاف ہوا ہے۔

خلاصہ: کشمیر کے ریشیوں میں مشہور اور سرتاج ریشیاں حضرت شیخ نورالدین کشمیریؒ، حضرت زین الدینؒ اور حضرت بابا لطیف الدینؒ ہیں۔ ان ہر سہ بزرگوں کے مشاہد و مراقد علی الترتیب چرار شریف، عیش مقام اور پوشکر میں واقع ہیں اس لئے حضرت محبوب العالمؒ مشائخ کے طریقہ پر کبھی ان حضرات کے آستانوں پر زیارتِ قبور اور فاتحہ خوانی فرماتے تھے اور آپکو معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ان بزرگوں کی روحیں فاتحہ خوانی سے سیر نہیں ہوئیں تو آپؒ کئی بار فاتحہ بر فاتحہ پڑھتے تھے، کبھی مڑ کر سر نو فاتحہ خوانی کرتے تھے اور آپؒ پر ان بزرگوں کی روحانی کیفیت کا بھی اندازہ ہوتا تھا۔ جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ بیعت وسلسلہ میں ان کے اور اصحابِ سلاسل کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جس کو عالم برزخ میں حضرت محبوب العالمؒ دیکھ کر محسوس فرماتے تھے اس لئے انکی شان وارجمندی دیکھ کر ان حضرات کی ارواحِ مقدسہ تعجب کرتی تھیں۔ بہر حال اس شعر میں آپ کے کشفِ قبور اور سرکردہ ریشیانِ کشمیر کے روحانی مراتب کی طرف اشارہ ہے۔ اور حضرت خاکیؒ کے "بارہا" کا لفظ استعمال کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ کشفِ قبور کی حالت دوامی نہیں ہوتی بلکہ وقتی طور اور آداب زیارتِ قبور کے وقت اولیاء اللہ اس سے ضرورۃً فائدہ اٹھاتے ہیں۔

التحقیق:

چار مخفف چرار۔ **العیش** عیش مقام کا معرب اور **بشکو** پشکر کا معرب ہے۔ تینوں متبرک مقامات عوام وخواص کی مشہور ومعروف زیارت گاہیں ہیں۔ چرار شریف ضلع بڈگام سری نگر کے جنوب میں واقع ہے۔ پوشکر تحصیلِ بیروہ سری نگر کے جنوب مغرب میں ہے اور عیش مقام ضلع اسلام آباد میں واقع ہے۔ باقی تینوں بزرگوں کے حالات اور کشمیری ریشیوں پر مستقل ریویو کتاب کی جلدِ دوم میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

قولہٗ جھوؔر کھلم کھلا اظہار کرنا، آواز بلند کرنا۔ اسی سے جہوری الصوت بلند آواز والے کو کہتے ہیں اور الف اس میں اشباعی ہے۔

ریشیاں۔ جمع ریشی حزبٌ من عباد اللہ الصالحین۔ تَرکوا اللذاتِ النفسانیۃ والعلائق الدنیویۃ ورجّحوا الخلوات علی الجلوات وتعلقوا برب الارضین والسماوات ویقال لھم ایضاً الاویسیون۔

کشفش از قبرِ پدر شد کز تشریفِ قدوم
فاخرِ اہلِ مزارِ قریۂ تیجر شدہ است

قَدْ دَرٰی لَمَّا اَتٰی قَبْرَ اَبِیْہِ اَنَّہٗ
لَعَلٰی اَجْدَاثِ اَھْلِ قَرْیَۃِ تیجر فَاخِرًا

ترجمہ: جب آنجناب اپنے والدِ بزرگوار کے مرقد شریف پر زیارت کے لئے تشریف فرما ہوئے تو آپکو بطریقِ کشف معلوم ہوا کہ آپ کے والدِ بزرگوار توجر کے اہلِ مقبرہ (اَموات) پر اس بات کا فخر فرماتے ہیں کہ دیکھو میرا بیٹا کس روحانی عظمت اور شان و شوکت کا مالک ہے۔

کشفِ صورت ہائے مسخِ معنوئے رافضاں
زو معاین ہمرہاں را بے حد و بے مر شد است

مَسْخُ صُوَرِ اَھْلِ رَفْضِ الْمَعْنَوِیِّ قَدْ دَرٰی
فَلِصُحْبِہٖ اَرٰی ھٰذَا مِرَارًا اَکْثَرًا

ترجمہ: آنجناب نے اکثر مرتبہ اپنے ساتھیوں کو روافض کا معنوی مسخ اور ان کے باطن کی تبدیلی اپنے کشف سے دکھائی

خلاصہ: آنجناب اپنی لطافت طبع اور قلب مبارک سے معلوم کرتے تھے کہ آنے

والوں اور ملنے والوں میں سے کس کا دل تبدیل کیا گیا اور ان میں سے کون مسخ کا شکار ہوا ہے۔ تو آپ یقین فرماتے تھے کہ ایسے لوگ اہل رفض ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ سب اور بغض اصحاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اور سخت جرم ہے جس کی کم سے کم سزا دنیا میں یہی ہے کہ ایسے لوگوں کے دل مسخ ہو جاتے ہیں۔ مَعاذَ اللّٰہِ مِن ذٰلِک۔ یہ سب کچھ آپ اپنے کشف اور نورِ باطن سے معلوم فرماتے تھے اور بعض اوقات اپنے ساتھیوں پر بھی اس کا اظہار و انکشاف فرماتے تھے یعنے ایسے اعتقاد والوں سے پوچھے، بغیر اُن کی سیما و علامت سے ان کے رازِ دروں پر واقف ہوتے تھے کہ اَلظَّاھِرُ عُنوانُ البَاطِن مشہور ہے

التحقیق ،

تاجُ المصادر میں لکھا ہے اَلْمَسْخُ تحویلُ صُوْرَۃٍ اِلیٰ ما اقبح مِنْھا کہ اصلی صورت کا بدترین صورت کے ساتھ بدلنے کا نام مسخ ہے۔ اور واضح رہے کہ اس اُمت کی خصوصیات میں سے ہے کہ مجموعی حیثیت سے اس اُمت کو تبدیلِ صورت نہیں ہو گی۔ اور تبدیلِ معنوی اور مسخِ باطنی باقی ہے جس کے اسباب اعمالِ خبیثہ اور ارتکابِ جرائم ہے اور یہی اعمالِ خبیثہ خسفِ معنوی کے لئے سبب بن جاتے ہیں اور اہل اللہ ان کے خبثِ باطن پر اطلاع پاتے ہیں جیسا کہ حضرت محبوب العالم ظاہری معرفت اور جان پہچان کے بغیر اُن پر اطلاع پاتے تھے۔ یہ آپ کے کمالِ کشف اور معرفتِ تامہ کی دلیل ہے۔ شواھد النبوۃ میں بحوالہ فتوحاتِ مکیہ لکھا ہے کہ اولیاء اللہ میں سے ایک گروہ ہے جن کو رجبیون کہتے ہیں۔ انکی تعداد کمی بیشی کے بغیر چالیس ہے کہ جب ماہ رجب کا پہلا دن ہوتا ہے ان کے اجسام مبارکہ اتنے بھاری ہو جاتے ہیں کہ حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ رفتہ رفتہ اور تدریجی طور ماہ شعبان کے آخر تک ہلکے ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ حضرات رجب المرجب میں تجلیاتِ الٰہی اور کثرتِ مغیبات کے علم سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں پھر کشف و تجلی کی حالت ان سے زائل اور دور ہوتی ہے۔ اور بعض حضرات رجب کے نکلنے کے باوجود ان روحانی کمالات و

معارف سے لطف اندوز رہتے ہیں۔ اصل میں ان کا یہ کمال حدیث اَلرَّجَبُ شَہرُ اللّٰہ سے حاصل ہوتا ہے کہ یہ اسی شہر معظم کی نور افشانی کی برکت ہے۔

صاحب فتوحات مکیہ یعنے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اولیاء رجبیتین میں سے ایسے صاحب کو دیکھا ہے جنہوں نے بحالت کشف بعض رَوَافِض کو سور کی شکل وصورت میں دیکھا تھا۔ آپ کے زمانہ میں ایک شخص اپنا مذہب و اعتقاد چھپاتا تھا مگر آپ اُس کو رفض اور قساوتِ قلبی کیوجہ سے سور کی صورت میں دیکھتے تھے جس سے جانتے پہچانتے تھے کہ اَنَّہٗ رَافِضٌ۔

رہا یہ امر کہ رافض کے لغوی اور اصطلاحی معنے کیا ہیں تو منجد میں لکھا ہے رَفَضَ رَفضًا (ن، ض) و رَفَضًا۔ الشیئَ پھینکنا، چھوڑنا۔ صفت رافض (ج) رَافِضُونَ و رَفَضَہ و رُفَّاضٌ۔ تَرَفَّضَ بکھرنا، منتشر ہو، ٹوٹنا۔ الرَّافِضَۃ لڑائی وغیرہ میں اپنے پیشوا کو چھوڑ دینے والا گروہ۔ ج۔ رَوَافِض اسی سے ان کا یہ قول ہے لَاخَیْرَ فِی الرَّوَافِض روافض میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

اصطلاح شریعت میں روافض اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو بعض صحابۂ کرام سے بہت تعصب رکھتے ہیں اور بعض صحابۂ کرام کی محبت میں انتہائی غلو اور مبالغہ کرتے ہیں۔ یا بعض صحابۂ کرام کی شان میں سب وشتم اور بعض حضراتِ صحابہ سے محبت وعقیدت میں افراط اور زیادتی کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ تمام صحابۂ کرام خیر الخلائق بعد النبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہمیں اُن سب کا احترام کرنا اور اُنکی تعلیمات پر عمل کرنا فرض ہے۔ اُنکی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرنے والے خدا و رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن ہیں۔ ایسے لوگوں کی صورتیں اور دِل مقلوب اور بدترین حیوانوں کی شکلوں کے مشابہ ہوتے ہیں جن کو اولیاء کاملین اپنے کشف اور نورِ باطن سے پہچانتے ہیں اور پھران سے پرہیز و احتراز فرماتے ہیں۔

اسی جماعت کے حکم میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے صحابۂ کرام کے لئے تنقید کا دروازہ کھولدیا ہے اور خاص کر حضرت سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شان میں حد درجہ قلمی گستاخی کی جس پر تمام ذمہ دار علماءِ اہلِ اسلام نے احتجاج کیا۔ لہٰذا ہمارا مشورہ ہے کہ قضیوں اور لڑائیوں سے کام نہیں لینا چاہیئے بلکہ اپنے اور بیگانوں سے حُسنِ اخلاق اور مہر و محبت سے پیش آنا چاہیئے البتہ اگر نماز پڑھانے اور امام بنانے کا سوال ہو تو پہلے اُس کا اعتقاد دریافت کرنا چاہیئے تاکہ ہماری نمازیں رَد اور ضایع نہ ہو جائیں۔ یہ بھی یاد رکھے کہ سرکردہ صحابۂ کرام چارؓ ہیں: حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت فاروق اعظم عمرؓ بن الخطاب حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت علیؓ بن ابی طالب اسد اللہ الغالب رضوان اللہ عنہم اجمعین

اوست سُنّیِ پاک اندر مشامِ پاکِ او
از نجاست بوی اہلِ رفض متنفذر شد است

وَهُوَ شَيْئٌ عَظِيْمٌ مَغْزِرَ اسِهٖ عَنْبَرٌ
مِنْ مَقَاذِرِ اَهْلِ رَفْضٍ لَتَرَاهُ اَنْفَرَا

ترجمہ: چونکہ آپ ظاہراً و باطناً بہت بڑے سُنّی ہیں اور آپ کا دماغ فیض مشام عنبر ہے اسلئے جلدی ہی اہلِ رفض کی ناپاکی کی بدبو محسوس فرماتے ہیں۔ اور اُنکی معنوی پلیدی سے بہت زیادہ نفرت فرماتے ہیں۔

خلاصہ: آں پیرِ سنّت منوّر مُقدّس سُنّی ہیں۔ تمام اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واجبی احترام رکھتے ہیں اور سُنّت پر خود بھی عمل کر رہے ہیں اور سنّت ہی کی طرف دعوت بھی دیتے ہیں۔ اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے آپ کے دماغ کو عطر و عنبر کی طرح مہکنے اور خوشبو دینے والا بنایا ہے اس لئے آپ کا نازک اور مقدّس دماغ خبائثِ صُوری و معنوی کا متحمل ہی نہیں ہو سکتا ایسے بدعتیوں اور بد اعتقادوں سے بدبُو محسوس کرتے اور سمجھتے ہیں کہ اُنکی یہ معنوی

بدبو اُنکی علامتِ رفض ہے لہٰذا آپ سے کوئی بھی اپنا عقیدہ چھپا نہیں سکتا تھا جیساکہ شارح رحمہ اللہ نے اسکی کئی مثالیں پیش کیں۔

بہرحال یہ تو دین و دیانت کا سوال ہے کہ کسی کو خواہ مخواہ متہم نہیں بنانا چاہیئے اور اگر واقعی کوئی بدعقیدہ اور متجاسر علی الصحابہ ہو تو وہاں پر خاموشی اختیار کرنا مداخلت فی الدین کی علامت ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

قولہ، مَقَاذِر۔ قال فی المنجد۔ المقاذر گندگیاں یعنے معنوی و باطنی یا اخلاقی و اعتقادی گندگیاں ہوں یا ظاہری مگر یاد رکھئے قلبی اور اعتقادی گندگیاں ظاہری گندگیوں سے بہت نقصان دہ ہیں۔ اسی قلبی نجاست (شرک) کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے مشرکین کو نجس اور ناپاک قرار دیا ہے اور فرمایا انما المشرکون نجس الخ پس جو لوگ اپنے ظاہر کو سجانے اور صاف ستھرا رکھنے میں کوشاں رہتے ہیں اُن سے فرمایئے اس سے زیادہ اپنے قلب و باطن کو بدعت، کفر و شرک، حسد و بغض اور رشوت و لالچ سے پاک و صاف بنائیں تب ہی ظاہری سجاوٹ فائدہ دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

بہرحال اصل میں قَذَرَ قَذَرًا وقَذِرَ (ن، ک، س) قذرًا و قَذَارَۃً گندہ ہونا اور میلا ہونا کے معنے میں آتا ہے۔ اور مستقذر متن میں بصیغۂ اسم فاعل از باب استفعال ہے۔ گندگی محسوس کرنے والا۔ کہتے ہیں استقذر الشیئ گندہ سمجھا۔ میل کچیل کی وجہ سے بُرا جانا۔ وھذا ھو الانسب للمقام۔

قولہ، اَنْفَرَ۔ اسم تفضیل بمعنے بہت زیادہ نفرت کرنیوالا۔ نَفَرَ (ض) نفرًا۔ من کذا نفرت کرنا اور اعراض کرنا۔ نفرہٗ علی فلانٍ کسی پر غالب ہونے کا فیصلہ دینا۔ اَنْفَرَ اعلیٰ لئے منصوب ہے کہ وہ تری کا مفعول دوم ہے اور تری پر لام تاکیدی داخل ہے۔

کرد چندے را بہوی وصورت دِل حکم رفض
معترف ہر یک ازیشاں بعد ما انکر شد است

بَعضَهُمْ بِالنَّتَنِ وَالْمَسْخِ وَقَلْبُ نَفَذَا
حُكْمَ رَفْضٍ فَاعْتَرَفْ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ اَنْكَرَا

ترجمہ: آں پیرِ سنت منور نے اُن میں سے بعض لوگوں کو اُن کی بدبو اور ان کے مسخ معنوی اور اُن کے ناپاک دل کے سبب اس بات کا حکم چسپاں اور نافذ فرمایا کہ یہ رافضی ہیں چنانچہ جن کے متعلق رفض کا حکم دے دیا، اُنہوں نے بھی انکار کرنے کے بعد اپنی رافضیت کا اعتراف و اقرار کرلیا کہ آپ کے ارشاد کے صادر ہونے کے بعد اُنہوں نے انکار کی کوئی گنجائش اپنے لئے نہیں جانی۔

خلاصہ: یہ آنجناب کے کمالِ کشف اور انتہائی فضل و کمال کی نشانی ہے کہ اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَغْيَارُ حقیقی فضل وہ ہے جس کی گواہی اغیار اور دشمن دیں۔ اسی طرح حضرت محبوب العالمؒ کے حکم رفض کے نفاذ سے وہ لوگ جو موصوف بالرفض تھے تاڑ گئے کہ بے شک آنجناب محبوبِ ربانی اور مقبولِ بارگاہِ یزدان ہیں۔

التحقیق: قولہ عَنبَرٌ۔ اَلْعَنْبَرُ ایک قسم کی خوشبو، زعفران۔ ایک بڑی قسم کی مچھلی۔ وہ ڈھال جو عنبر مچھلی کی جلد سے بنائی جائے۔ اسکی جمع عَنَابِر آتی ہے۔ عَنْبَرَةُ الشِّتَاءِ و عنبرتہٗ سردی کی سختی۔

اس جگہ عنبر کا آپ کے مقدس دماغ پر حمل کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آنجناب کا دماغِ مبارک خوشبو ہی خوشبو ہے لہٰذا وہ گندگیوں کے متحمل اور گندہ انسانوں کے پردہ پوش نہیں بن سکتے ہیں۔ وَلَا يَخْفَى لُطْفُهٗ ؂

☆

ضمیمہ

شعر نمبر۱

واضح رہے کہ حضرت خاکی رحمۃ اللہ نے اپنی شرح میں اس شعر کی خوب وضاحت کی ہے۔ چونکہ ہمارا اصل مقصد فارسی شعر کو عربی کا لباس پہنانے کے سوا کچھ بھی نہیں اس لئے ہم اس تفصیل میں نہیں جانے البتہ عوام مسلمین کے فائدہ کے لئے ہر شعر کا اُردو ترجمہ اور ضروری تشریح مختصر لفظوں میں کرتے رہیں گے۔ اس سلسلہ میں حضرت مصنف رحمہ اللہ نے پیر کامل کی ضرورت پر آیتِ هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (کہف) سے استدلال فرمایا ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے حضرت خواجۂ خضر سے فرمایا کہ کیا میں اِس غرض سے آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں کہ جو رُشد و ہدایت کی باتیں آپ مِن جانبُ اللہ سکھائے گئے ہیں تو آپ اُن میں سے مجھے بھی کچھ سکھائیں گے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کتنا ہی عالم کیوں نہ ہو اس کو دوسرے عالم و رہبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس آیت سے حضرت موسیٰؑ کے علم و نبوت کی کمی سمجھ میں نہیں آتی بلکہ آپکا علوم و معارف اور علومِ شرعیہ کے علاوہ علمِ تکوین کا اشتیاق و رغبت بھی سمجھ میں آتا ہے جو حضرت موسےٰ کے کمالِ عظمت کی دلیل و علامت ہے کہ علم وہ نعمت ہے جسکی کوئی انتہا نہیں۔ پس جو لوگ غیر نبی ہوں خواہ وہ کتنے ہی صاحب کمال اور صاحبِ علم کیوں نہ ہوں، وہ تو بطریقِ اولی اپنے نفس کو زیر کرنے، اسکی قہرمانی توڑنے اور اُسے جادۂ حق پر پہنچانے کے لئے اور بھی زیادہ محتاج ہیں۔ اس قسم کے معالجینِ امراضِ نفسانی کو پیرانِ طریقت و رہبرانِ دین کہا جاتا ہے۔ ان ہی حضرات کی شان میں حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہر چہ از گردونِ گرداں میرسد ✤ از طفیلِ جانِ مرداں می رسد

جو کچھ روحانی فیوض و برکات عالم لاہوت اور ملک قدس سے پہنچتے ہیں وہ صرف ان ہی خدا شناس حضرات سے پہنچتے ہیں کیونکہ یہ حضرات حق کی طرف طریقۂ حق استعمال کرکے داعی بن جاتے ہیں اس لئے ان کا مقصود حق اور اسکی خاطر حق ہی استعمال کرتے ہیں یہ کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ اور عصر حاضر میں اگرچہ بعض اطراف سے حق کی طرف دعوت بلند ہوتی ہے مگر طریقۂ دعوت حق سے کوسوں دور ہوتی ہے اس لئے یہ دعوت ناکام ہو جاتی ہے۔

چونکہ شیخ اور رہبر کامل کی ضرورت نفسانی امراض دور کرنے کی دوا حاصل کرنے اور معارف میں ترقی کرنے کے لئے ہوتی ہے اس لئے مشائخ کرام اس بارے میں یہ حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ اَلشَّیْخُ فِی قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِی اُمَّتِہٖ رہبر کامل اپنی قوم میں نبی اور پیغمبر کی طرح ہے بشرطیکہ علاج کرنیوالا رہبر کامل ظاہر اور باطن میں شریعت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کا متبع اور پیرو ہو۔ بہرحال آپ ضرورت شیخ پر دستور السالکین کی طرف رجوع فرمائیے۔ مگر ضرورت شیخ پر حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ کی وہ جامع اور مفید ترین وصیت اس جگہ ضرور ملاحظہ فرمائیے جو حضرت موصوف نے اپنے مرید با تمکین نصیر الدین بغدادی رحمہ اللہ کو خرقۂ خلافت پہناتے وقت فرمائی ہے۔ وہ وصیت من و عن یہ ہے اور اسمیں کوئی اعتراض نہیں ہے:۔

وصیت نصیر الدین بغدادی کو جبکہ انہیں خرقہ پہنایا:۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ۔ (آپ نہ ہٹائیں اپنے پاس سے اُن لوگوں کو جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور انکا حال یہ ہے کہ بس اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں)

لفظ ارادت جو خاص اصطلاح کے طور پر مشائخ صوفیہ کے یہاں مستعمل ہے اسکی اصل و بنیاد یہی آیت ہے (یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ) مرید مشائخ صوفیہ کے نزدیک وہ ہے

جس کی ہمت اللہ تعالیٰ سے طلب مزید کرتی رہے جو مزید کو برابر طلب کرتا رہے گا وہ مُرید ہے۔ جب وہ طلب مزید سے شکست پڑ جائے گا تو اس کو (سمتِ ترقی میں آگے بڑھنے کے بجائے) رجعت (واپسی) سے دوچار ہونا پڑیگا اور ارادت کے باب میں اسکی ہمت زائل ہو جائے گی۔ اکابر صوفیاء کے نزدیک ایسے شخص کی موت اسکی حیات سے بہتر ہوتی ہے' اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کے راستے میں جب کوئی مُرید' مزید حاصل نہیں کر رہا ہے تو وہ نقصان میں ہے اور نقصان عین خُسران ہے۔ جب خسارہ دائمی طور پر کسی بندے کے شاملِ حال ہو جائے تو پھر اسکی موت اسکی حیات سے بہتر ہوتی ہے۔ مُرید کو اپنی ارادت میں ایک شیخ کی ضرورت ہے جو صاحب بصیرت ہو' وہ راہِ سلوک طے کرائے اور اُسکو طُرقِ ہواجید اور اسبابِ مزید بتائے۔ نیز صفاتِ نفس' اخلاقِ نفس اور مخفی شہواتِ نفس سے آگاہ کرے۔

اسلئے کہ معرفتِ نفس' طریقۂ صوفیا کی جڑ اور بنیاد ہے۔ معرفتِ نفس کا معرفتِ رب سے گہرا تعلق ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ کا مقولہ ہے "جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اب رب کو پہچانا۔" معارف کے مراتب و منازل ہیں۔ اہلِ معرفت کی دو قسمیں ہیں ایک اَبرار دوسرے مقرّبین۔ ابرار کو نفس کی بعض حرکات اور شہوات کی معرفت ہوتی ہے مگر مقرّبین کی معرفتِ نفس اس سے اَعلیٰ ہوتی ہے۔ بہت سے عمل' اَبرار کی نظر میں' اُن کے مبلغِ علم کی رُو سے عینِ طاعت ہوتے ہیں اور وہ مقربین کے نزدیک معصیت ہوتے ہیں کیونکہ مقرّبین کی نظر نفس کی حالت معلوم کرنے میں دقیق ہوتی ہے اور انکو علمُ النّفس میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ یعنے ابرار کے نزدیک جو (بعض) حسنات ہیں وہ مقرّبین کے نزدیک سیّئات کا درجہ رکھتے ہیں۔

درحقیقت مشائخ صوفیا میں جو اَربابِ بصیرت ہیں ان کے علاوہ کسی کو مقامات واحوال کی تفصیل اور اُن آفات کی معرفت حاصل نہیں ہوتی جو فسادِ اعمال کا

باعث ہیں۔ یہاں تک کہ وہ علماء جو احکامِ شرع اور علمِ مسائل و فتویٰ سے تو واقف ہیں لیکن زہد فی الدنیا، تقویٰ اور علم القلوب سے بہرہ مند نہیں ہیں، وہ بھی مشائخ صوفیاء کے اُس بلند مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسلئے کہ صوفیاء کا علم "میراث التقویٰ" ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔ اس آیت میں علم کو تقویٰ سے متصل کیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے علم والے ہی ہیں) اس آیت میں غیر متقی سے علم کی نفی ہے۔

جب کوئی شخص زہد فی الدنیا اور تقویٰ کے بغیر علم کو جمع کریگا تو وہ فقط علم کا ایک برتن ہوگا۔ حقیقی عالم وہی ہوگا جو تقویٰ اختیار کریگا۔ پس جب یہ بات واضح ہوگئی کہ مریدِ صادق اللہ کے راستے میں چلنے کے لئے ایک ذی بصیرت شیخ کی صحبت کا محتاج ہے جو اس کو مقاماتِ قرب اور حقیقتِ عبودیت تک پہونچا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ۔ (اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتے ہیں) تو اب شیخ کامل کا متابعتِ رسول کی بنا پر باذن اللہ، داعی الی اللہ ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تعلیم کے لئے اور اپنے خاص بندوں کی تدریجی ترقی کو ظاہر کرنے کے لئے فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔

(وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور ہماری ذریات و اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے اور ہم کو تقویٰ شعار لوگوں کا امام بنادے)

اس آیت سے پتہ چلا کہ ایک گروہ ایسا ہوتا ہے جو قدوۃ المتقین کہلائے جانے کا مستحق ہوتا ہے۔ ہر وقت اور ہر زمانے میں، ہر علاقے میں ایسے افراد ہوتے ہیں اگرچہ وہ عدد میں قلیل ہوں۔ چونکہ یہ حضرات ایک بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں لہذا انکی اقتداء بھی وہی مریدین صادقین کرتے ہیں جو طریقِ حق کے سالک ہوتے ہیں

اور وُہی ان سے علمُ الوراثت اس طرح حاصل کرتے ہیں جس طرح عُلماء بِلسان علم دِراست حاصل کرتے ہیں۔

مُرید (مجازی طور پر) ولد ہوتا ہے اور شیخ بمنزلہ والد ہوتا ہے اس لئے کہ ولادت دُو قسم کی ہے ایک ولادتِ طبیعیّہ اور دُوسری ولادتِ حقیقیّہ۔ پس ولادتِ طبیعیّہ رسوم ملک اور رسوم عالمِ شہادت وحکمت کی اِقامت کے لئے واقع ہوتی ہے اور ولادتِ معنویّہ اجزائے ملکوت اور عالم الغیب والقُدرۃ کے مُطالعے کے لئے ہوتی ہے۔ سرکار رسالت مآب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمّت کے معنوی والد ہیں اور شیخ حُسنِ متابعتِ رسولؐ کی وجہ سے مُریدین کا روحانی باپ ہوتا ہے جس طرح ولادتِ طبیعیّہ میں بچے کے دُودھ پینے کا ایک زمانہ اور دُودھ چھوٹنے کا ایک وقت ہوتا ہے اسی طرح اولادِ معنویّہ میں ہے۔ پس مُرید ملازمتِ شیخ اور اسکی دوامِ صحبت کا اسی وقت تک محتاج رہتا ہے جب تک اِستفادہ کرنے کی قوّت پیدا ہو اور اسکے لفظ اور اِشارۂ چشم سے نفع حاصل کرنے لگے۔ اور شیخ کے اِشارۂ چشم سے نفع حاصل کرنے کی دُو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ شیخ کو اور اس کے اعمال کو دیکھے کہ وہ کس طرح خَلوت اور جَلوت میں مع الحق اور مع الخلق رہتا ہے، شیخ کے اخلاق و آداب کو دیکھ کر یہ سب باتیں سیکھے اور اس طور طریقے کا پابند رہے۔ دُوسری صُورت یہ ہے کہ کمالِ صِدق و محبّت کی بنا پر جب یہ شیخ کی طرف نظرِ محبّت سے دیکھے اور شیخ بھی اُسکی طرف نظرِ محبّت سے دیکھے تو شیخ کی نِگاہ سے اسکے باطن میں نور اور برکت پیدا ہونے لگے۔ اس طرح اسکے باطن میں خیر جاگزین ہو جائے جیسی طرح سیپی کے اندر موتی متمکن ہوتا ہے۔ بعض سانپوں میں یہ تاثیر ہے کہ وہ جب کسی اِنسان پر نظر ڈالیں یا کوئی انسان انکی طرف دیکھے تو اِنسان ہلاک ہو جائے۔ پھر کیا بعید ہے کہ بعض بندوں میں (من جانب اللہ) دِلوں کے زندہ کرنے کی قوّت پیدا ہو جائے۔

جب مُرید صادق شیخ کی خدمت میں رہے تو اس کا ادب یہ ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے نکل جائے اور (حتّی الامکان) ماکولات و ملبوسات اور تمام معاملات میں

شیخ کا تابع ہو۔ بالکل اس طرح جس طرح بچہّ اپنے والد کا تابع ہوتا ہے۔
مُرید کے لئے حق تک پہونچنے کا راستہ سوائے شیخ کے ذریعہ کے اور کوئی نہیں ہے
پس شیخ ابوابِ حق میں سے ایک کھُلا ہوا دروازہ ہے' اسکی طرف رجوع کر کے
اپنے اختیار و ارادہ سے دست بردار ہو جائے۔ مُرید شیخ سے ناقص حالت میں جُدا ہو گا
تو اس صورت میں ایسی آفات کا اندیشہ ہے جو اَمراضِ قلبیہ تک پہونچانے والی ہوں
اور مزاجِ توبہ و اِستقامت کو ختم کرنے والی ہوں' بوجہ انحراف کے۔ ایسے شخص کا
زُہد کے بعد دُنیا کی طرف اور عبادت سے عادت کی طرف رُجوع ہونا بہت جلد
ہوتا ہے اور یہ مرض اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے شیخ سے قبل از وقت جُدا
ہو گیا، جس طرح دوُدھ پینے والے بچّے کا جب اپنے وقت سے پہلے دوُدھ
چھوُٹ جاتا ہے تو اُسے (بعض اوقات) کوئی نہ کوئی مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ یہ
دوامِ مُلازمت وصحبت اُن مُریدین کے لئے ضروری ہیں جو صادقین ہیں نہ کہ اُنکے
لئے جو شیخ کے صِرف مُحب ہیں اور اس سے تھوڑی سی برکت حاصل کرنے والے
اور اُسکی صحبت سے اَدنیٰ درجہ پر قناعت کرنیوالے ہیں۔ اُن کا مُرید نام پڑ جانا
محض رسمی ہے' حقیقی نہیں۔ پس مُریدِ حقیقی کو شیخ خرقۂ ارادت اس وقت پہناتا ہے
جب پہلے اس کے باطن کو اِرادے اور اختیار سے اِنخلاع کا خِرقہ پہنا دیتا ہے اور
وہ مُرید جو محبین میں سے ہے' اسکو شیخ فقط خرقۂ تبرک پہناتا ہے اور خرقۂ تبرک
میں دوامِ صحبت اور ملازمت شرط نہیں ہے' اس کے پہننے سے مریدین بس شیخ سے
(فقدرے) مشابہت حاصل کر لیتے ہیں اور شیخ کے ساتھ رابطۂ محبت بھی (کچھ) محفوظ
ہو جاتا ہے اور بقدرِ صحبت برکت وخیر حاصل کر لیتے ہیں۔ پس خرقۂ تبرک تو ہر اُس
محب کو دیا جا سکتا ہے جو اچھا گمان رکھتا ہو اور اس خرقے کو طلب کرے۔ مگر خرقۂ
اِرادت اُس شخص کو ہی پہنایا جاتا ہے جو مستقل جدوجہد کرے اور طریقے میں اس
طرح داخل ہو کہ اپنی خواہشات ترک کر دے' عادتِ تقویٰ اختیار کر کے اپنے ارادے

سے نکل جائے۔ امرِ حق کی غایت و نظر رکھے، اپنی نظر کو مخلوق سے ہٹالے۔ مخلوق کی نہ اقتداء کرے نہ انکے استحسان اور پسندیدگی کی، نہ انکے استقباح اور ناپسندیدگی کی۔ انکے نزدیک قبیح و ناپسندیدہ وہ ہو جس کو شریعت نے قبیح قرار دیا ہے اور حسن و پسندیدہ وہ ہو جس کو شریعت نے حسن بتایا ہے۔ وہ ہر تکلف سے بری ہو۔

مُریدین کو اپنے مشائخ کے ساتھ کیا طریقہ برتنا چاہیئے؛ اس کے لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا طرزِ عمل بہترین نمونہ ہے۔ صحابۂ کرام رضؓ نے فرمایا ہے کہ "ہم نے بیعت کی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے، سمع وطاعت پر خوش حالی میں اور تنگدستی و پریشانی کے عالم میں، جی چاہے یا نہ چاہے ہر حال میں"۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے کلام پاک میں غایتِ ادب رسولؐ کی تنبیہہ فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

(خدا کی قسم لوگ ایماندار نہیں ہونگے جب تک وہ اپنے آپسی جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ بنائیں، پھر جو فیصلہ آپ صادر فرمائیں اُس سے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور آپ کے فیصلے کو تسلیم کرلیں۔)

اللہ تعالیٰ اُمت کو تحکیم رسولؐ کا حکم فرماتا ہے اُن تمام معاملات میں جو اسکو پیش آئیں۔ اگرچہ اس آیت کا سببِ نزول حضرت زبیر ابن عوام وغیرہ کا مقدمہ ہے، زمین کے بارے میں۔ لیکن اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصِ واقعہ کا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تحکیم (ثالث بنانے) کا حکم فرمایا، اسکے بعد تنگیٔ قلب زائل کرنے کا۔ اس لئے کہ تحکیم وظیفۂ ظاہر اور ادب ظاہر ہے اور زوالِ تنگیٔ قلب وظیفۂ باطن اور ادب باطن ہے۔ بعض لوگ حکم بنانے پر تو قادر ہوتے ہیں مگر (خلافِ مزاج) فیصلے کی صورت میں تنگیٔ قلب کے ازالے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ممکن ہے وہ مُرید رسمی جس نے خرقۂ تبرک پہنا ہے، فقط صاحب تحکیم کی حیثیت میں داخل ہو جائے اور جس نے خرقہ

ارادت پہنلے وہ ازالۂ حرج والا ہو۔ ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے مُرید کے اپنے شیخ کے مُقابلے میں اپنے اختیار سے باہر آجانے کے متعلق وہ اس آیتِ کریمہ کے مفہوم میں داخل ہے۔ جب مُرید شیخ کے ساتھ ادب کا راستہ اختیار کرنے کا ارادہ کرے تو وہ قرآنِ مجید کے ذریعہ ادب سیکھے اور متنبہ ہو اس ہدایت سے جو اللہ تعالےٰ نے اُمتِ محمدیہ کو صحبتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمائی ہے۔ چنانچہ سورۂ حجرات میں ہے:۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ (الیٰ قولہٖ) وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥

پس مُرید غور کرے اور سیکھے اُس ادب کو جو کلامُ اللہ میں ہے۔ سُورۂ نور میں ہے :-

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ اِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ ٥

(حقیقت یہ ہے کہ ایمان لانے والے بندے بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اُسکے رسُول پر اور (جن کا عمل یہ ہے کہ) جب وہ کسی اجتماعی مہم میں رسُول کے ساتھ ہوں تو اُس سے اجازت لئے بغیر کہیں نہ جائیں۔)

اس آیت سے دلالت ہو رہی ہے اُس بات پر جس کو ہم نے ذکر کیا ہے، یعنی شیخ کی صحبت اور اس سے مفارقت، بصیرت کے ساتھ ہو، بہت سی آیات میں یہ معنےٰ موجود ہیں جو تلاش کریگا وہ کلام اللہ میں پائے گا۔ مُریدین کو جن باتوں کا حکم دیا جائے اُس میں بڑی تفصیل ہے۔ لیکن جس بات کی تاکید پہلے کی جائے گی وہ یہ ہے کہ تجدیدِ توبہ کرے اسلئے کہ توبہ ہی کام کی جڑ اور بُنیاد ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ مُرید، مُرید نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے بائیں طرف کا فرشتہ بیس سال تک کچھ نہ لکھ پائے۔ حقیقتاً بے توبہ مُرید قادر نہیں ہو سکتا۔

سوائے دوامِ محاسبہ کی مدد کے۔ جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے محاسبہ کرو (دُنیا میں) اپنے نفسوں کا اس سے پہلے کہ محاسبہ کئے جاؤ (یعنی قیامت میں) اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس کا محاسبہ ہر فرض نماز کے بعد کرے۔ جب سچائی کے ساتھ محاسبے پر مداومت کریگا تو اسکی لغزشیں کم ہوتی جائیں گی یہاں تک کہ معدوم ہو جائیں گی۔ جب محاسبے کا حق ادا ہوگا تو قول و فعل میں جو لایعنی باتیں ہوتی ہیں اُن سے باز رہے گا۔ اگرچہ وہ مُباح ہی کیوں نہ ہوں۔ اسوقت اسکی فضولیات کم ہونگی اور اس کا ظاہر "سیاستِ علم" کے قبضے میں ہوگا۔ پس اس بات کی توقع ہوگی کہ وہ مقامِ مراقبہ تک ترقی کرے اور اس کا باطن بھی ظاہر کی طرح سیاستِ علم کے ماتحت ہو جائے۔ مراقبہ اصطلاحِ صوفیا میں یہ ہے کہ اپنے قلب کو اس بات کی طرف متوجہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں، اُس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے پوری طرح شرمائے گا اور ضمیر کے خطرات سے بھی اس طرح پرہیز کریگا جسطرح حرکاتِ جوارح سے پرہیز کرتا ہے پھر اس مقام سے ترقی کرکے مقامِ مشاہدہ تک پہونچے گا اور اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ میرے قلب نے رب کو دیکھا۔ یہی مقامِ احسان ہے جس کی طرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قولِ مبارک میں اشارہ فرمایا ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ (یعنی احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اسطرح عبادت کرے گویا کہ اُسے دیکھ رہا ہے) اربابِ مشاہدہ کے مواجید مختلف ہوتے ہیں مگر اصول میں سب متفق ہیں فقط فروع میں اختلاف ہوتا ہے۔ وہ اسباب جو موثر ہیں اور مُریدین کے لئے خیرِ کثیر کو کھینچنے والے ہیں چار ہیں۔ تمام مشائخ صوفیاء ان چار چیزوں اور اُن کے حسنِ تاثیر پر متفق ہیں اور وہ یہ ہیں: قلتِ کلام، قلتِ طعام، قلتِ منام، قلتِ اختلاط مع الانام (یعنی لوگوں سے بلا ضرورت ملنے جُلنے سے بچنا)..... مُرید کو چاہیئے کہ ان چار باتوں کا خیال رکھے اس کے بعد وہ ثمرات و برکات کا مشاہدہ کریگا۔ اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ احوالِ مشائخ ہیں

اور اُن کے حدایات اور نہایات ہیں اور یہ سب باتیں میراثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مشائخ کو یہ میراث، حسنِ متابعتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیوخ کے ساتھ صدقِ صحبت کی برکت سے ملی ہے ...۔"

(منقول از وصایا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ)

ضمیمہ شعر (۲)

حضرت شارحؒ فرماتے ہیں کہ اَلْاَسْمَاءُ تَنَزَّلُ مِنَ السَّمَاءِ اشخاص و افراد کے نام مِن جانب اللہ نازل ہوتے ہیں اسلئے آدمی اپنے نام سے ضرور حصّہ وافر پاتا ہے۔ چونکہ حمزہ حضرت سیدالمرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم تھے غزوۂ اُحد میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔ عربی میں حَمْزَحَمَازَۃٌ سخت ہونے کے معنے میں آتا ہے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اعداء اللہ اور دشمنانِ دین کے لئے اتنے سخت اور قہار تھے کہ ان سے لڑتے لڑتے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔ تو یہ معنے بعینہٖ حضرت محبوبُ العالمؒ میں بھی پایا جاتا ہے کہ حق کی خاطر شاہانِ وقت سے اُخلاقی مقابلہ بھی کیا اور اس سے بڑھ کر اپنے نفسِ امارہ سے اتنا جہاد کیا کہ جسکی بدولت شیخوں کے شیخ اور رہبروں کے رہبر ہوئے ہیں جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا کہ جو لوگ ہمارے لئے محنتیں اور مشقتیں برداشت کرتے ہیں تو ہم ان لوگوں کو اپنے مخصوص راستوں کی طرف رہنمائی و رہبری کرتے ہیں۔ چونکہ نفسِ امارہ سے مقابلہ اور اس کو قابو میں رکھ کر نفسِ مطمئنّہ کے مقام تک پہونچنا سب سے بڑا جہاد ہے اس لئے آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ اربابِ قال و حال کے نزدیک ثابت ہے رَجَعْنَا مِنَ الجہاد الاصغر اِلی الجہاد الاکبر کہ ہم چھوٹے جہاد سے فراغت پاکر جہادِ اکبر یعنے جہاد بالنفس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جہاد بالنفس

کو جہادِ اکبر قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ اس کے ساتھ ہر وقت و ہر آن مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اسکے برخلاف جہاد بالسیف وقتی اور مختصر مدت کے لئے ہوتا ہے یا جہاد بالسیف بھی جہاد بالنفس کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے۔ کما لا یخفیٰ۔ فافہم ولا تکن من المنکرین۔

سب سے بڑا مجاہد وہ ہے کہ جو دونوں جہادوں یعنی جہاد بالسیف اور جہاد بالنفس کا جامع اور سرچشمہ بنے۔ یہ خصوصیت حضراتِ صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین اور انکے متبعین میں پائی جاتی ہے خاصکر اسد اللہ الغالب حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ اس کے مصداقِ اتم اور فردِ اکمل تھے۔ اس لئے کہا گیا ؎

ایں جہادِ اصغر است آں اکبر است ٭ ہر دو کارِ رستم ست و حیدر ست

باقی رہے ہم لوگ ہماری مثال یہ ہے:۔

کارِ آنکس نیست کو را عقل و ہوش
بُرد از تن چوں بجنبد دُمِ موش

جہادِ اکبر (تزکیۂ نفس اور اصلاحِ قلب) اس شخص کا کام نہیں ہے کہ جس کا ادراک و شعور چوہے کے دُم ہلانے سے ختم ہو جائے بلکہ یہ بڑے سعادتمند حضرات کا کام ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسمّٰی بہ

تاج العارفین

تعریب و ترجمہ
مع حلّ لغات و اردو ترجمہ

وردُ المُریدین

حصۂ دوم

ناشر :- شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب مدینہ چوک گاؤکدل سرینگر

پبلشرز :- گلشن پبلشرز مدینہ چوک گاؤکدل سرینگر

ہماری چند نئی مطبوعات

- تاج العارفین شرح وردالمریدین : مولانا قاسم شاہ بخاری
- دستورالسالکین شرح وردالمریدین (مترجم اُردو) : خلیل قریشی
- اسرارالابرار : عبدالرشید نازکی
- خواجہ نقشبند اور طریقۂ نقشبندیہ : ڈاکٹر شمس الدین احمد
- مولانا جامی: حیات اور شاعری : ڈاکٹر شمس الدین احمد
- خطبات الحنفیہ : مولوی محمد صالح (مرتب)
- سیرۃ البخاری : شوکت حسین کنگ
- نورالبصر : شوکت حسین کنگ
- عین الفقر : مترجم خلیل محمد قریشی طالب
- تذکرۂ اولیائے کشمیر (دو جلد مکمل) : پیرزادہ عبدالخالق طاہری
- تذکرۂ اسلاف یعنی سلطان العارفینؒ : عبدالمجید سائر رینہ مخدومی

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب

فیرڈیل مارکیٹ، ریذیڈنسی روڈ سرینگر کشمیر

برانچ: مدینہ چوک گاؤ کدل سرینگر کشمیر

فہرست

ھم نے قارئینِ کرام کی سہولت کے لئے جلدِ اوّل کی طرح ہر شعر کا پہلا مصرعہ ترتیب وار دیا ہے۔ تاکہ مطلوبہ شعر کی تحقیق و تشریح اور اس کا منظوم عربی، حلِ لغات وغیرہ آسانی سے مل سکے:۔

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

الاعتذار:

قارئینِ کرام کتاب میں ریاست کے مشہور و معروف علماء کرام و دانشور حضرات کے تأثرات و تقاریظ ملاحظہ فرمائیں گے۔ افسوس ہے کہ میرے شاگردِ رشید شہیدِ ملّت میرواعظ کشمیر مولینا محمّد فاروق رحمہ اللہ آج ہم میں موجود نہیں۔ ع "افسوس کز قبیلۂ قیس کسے نماند"
وقت کی تنگ دامانی کی وجہ سے بہت سے علماءِ کرام اور دانشور حضرات خاصکر مولینا مظفر حسین ندوی، پیرزادہ عبدالرشید تولہ مولہ، سید شبیر احمد بخاری سویہ بگ، مولوی علی محمد مخدومی و اساتذہ کرام حنفی کالج کے تاثرات شایع نہ ہوسکے۔ ان شاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں شایع ہونگے۔

(مُصنّف)

اِشاریہ:

اہلِ علم اس کتاب میں التّحقیق اللّغوی کے عنوان کے تحت نَ، سَ، ضَ، شَ سے یہ سمجھیں:

نَ : بابِ نَصَرَ یَنْصُرُ
سَ : بابِ سَمِعَ یَسْمَعُ
ضَ : بابِ ضَرَبَ یَضْرِبُ
شَ : بابِ کَرُمَ یَکْرُمُ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنتساب

برّصغیر کے عظیمُ المرتبت فقیہہ، علومِ اسلامیہ کے سربرآوردہ عالم، عصری سیاست اور ملّی مسائل کے مُسلّمُ الثبوت مُبصّر اور سب سے بڑھ کر دینی غیرت اور مذہبی حمیّت سے سرشار مُجاہدِ اسلام حضرت الاستاذ الامام مولٰنا مُفتی محمّد کفایتُ اللہ صاحب دہلویؒ (سابق مفتی اعظمِ ہند، صدر جمعیّۃ عُلماءِ ہند و صدرُ المدرّسین مدرسۂ امینیہ دھلی) کے نام نامی پر معنُون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، جن کی بابرکت صحبت سے میں یہ مختصر سی علمی خدمت انجام دینے کے اہل ہو سکا ؎

مَضَتِ الدُّهُورُ وَمَا أَتَيْنَ بِمِثْلِهِ
وَلَقَدْ أَتَى فَعَجَزْنَ عَنْ نُظَرَائِهِ

خاکسار:
قاسم عفی عنہ

اعتراف

قارئینِ کرام سے استدعا ہے کہ اگر وہ کتاب میں کوئی خامی محسوس کریں گے تو اسے میری کم علمی اور بے بضاعتی پہ محمول کریں، کوئی خوبی دکھائی دے تو اسے میرے مندرجۂ ذیل اساتذۂ کرام رحمہم اللہ اجمعین کی طرف منسوب کریں :-

عمّ بزرگوار جناب مولینا سیّد غلام رسول بخاری علیہ الرحمۃ، برادرِ بزرگ جناب خاتم المشائخ مولینا سیّد غلام حسن صاحب بخاری (المتوفی ۹ محرّم الحرام، دوشنبہ ۱۴۱۲ھ) حضرت الاستاذ العلّامہ مولینا مولوی عبد الکبیر صاحب سابق شیخ مدینۃ العلوم حضرت بل۔ مولینا نہال احمد صاحب سہارنپوری، مولینا عبد المالک صاحب صوّاتی، مولینا ولی اللہ صاحب بہاری، مولینا لطف اللہ صاحب رامپوری، حضرت العلّام مولینا وجیہہ الدین صاحب رامپوری نقشبندی، حضرت مولینا مفتی ریاضُ الدین، شیخ الادب حضرت مولینا اعزاز علی صاحب دیوبندی، مولینا حافظ ظہور احمد صاحب، مولینا عبد السمیع صاحب، مولینا محمد ادریس صاحب میرٹھی، جناب مولینا عبد الرزّاق صاحب، محدّثِ شہیر مولینا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی، مولینا محمد حسین صاحب بہاری، مولینا محبوب الٰہی صاحب، حضرت مولینا فخر الحسن صاحب سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند، محقّقِ عصر حضرت مولینا سعید احمد اکبر آبادی، حضرت مولینا ضیاء الحق (دامادِ حضرت شیخ الہندؒ) مولینا خدا بخش پنجابی، حضرت مولینا محمد سکندر، سحبانُ الہند حضرت مولینا احمد سعید، مولینا قاری عطاء الرحمٰن پانی پتی، مولینا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولینا مسعود رامپوری، مولینا محمد حسن صاحب صوّاتی، حضرت مولینا مفتی محمد کفایت اللہ اور شیخُ الاسلام حضرت مولینا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ اجمعین ۔

اولٰئِكَ اٰبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ ۔ اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

(قاسم عفی عنہ)

بسم الله الرحمن الرحيم

تمهید

١

الحمدُ للهِ الذی جعلَ علمَ السلوكِ و التصوّفِ شفاءً لقلوبِ المومنین۔ وطهّر بهٖ نفوسَهم من الشكوكِ و الاوهامِ و الحسدِ و المكر و الرّیاء و الكبر فنالوا مقامَ العارفین۔ و زیّنَ ارواحَهم بالحلم و التّواضع و العِبادة و الرّیاضة و المُجاهدة والذكرِ وصُحبَةِ الابرار و مُتابعة النّجُباءِ فلُقّبوا بالذاكرینَ والاولیاءِ الكاملین۔ وفازوا بإشاعةِ كلمة الحقِّ والاسلام و تزكیةِ الافئدة بمثابةٍ حیّرت امثالَ الرازی وابی سیناء من الّذین قَصُرت هِمَمُهُم من الوصول إلی أرباب السلوك الطائعین لاحكامِ ربّ العٰلمین۔ والصّلوٰة والسّلام علی سیّدنا و مولینا و شفیعِنا مُحَمّدٍ اِلّذی أعطی علمَ الاولین و الاٰخرین و لُقّب فی القراٰن بطٰهٰ ویٰسٓ الّذی جمع الشریعة والطریقة والحقیقة والمعرفة فی كلمة التوحید من غیر افراط وتفریط و دعا الی السعادة الابدیّة للمطیعینَ والقانتینَ. والمستغفرین بالاسحار والشاكرین لأٰلاءِ ربّ العٰلمین۔ وعلیٰ اٰلهٖ و اصحابه الذین اتّبعوهُ باخلاصٍ و احسانٍ فصاروا أُمناءَ الدین لجمیع المسلمین وكافّة المومنین۔ فواهًا لِمَنْ مشیٰ مَشیَهُم و تُفًا للمعرضین عنهم و المستكبرین۔ اَمّا بَعْدُ :

فلمّا كان كتاب وِردالمریدین لشیخ الاسلام الصُّوفی الصافی العلّامة الفهّامة **باباداوٗد الخاكی** الحنفی الكشمیری أعلی الله مقامَهٗ محتویًا علیٰ نُهاءَ اربع مائة شعرٍ فی النظم الفارسی مادحًا لشیخِهٖ شیخ شیوخ زمانهٖ

وقطب اوانه سلطان الكاملين برهان العارفين غوث الواصلين زبدة اهل الحق واليقين الشيخ حمزة المخدومي المحبوبي قدس الله سره العزيز و رفع درجته فى اعلى عليين والمسلمون تلقوا كتابه بالقبول قرنا بعد قرن و زمانا بعد انقراض زمان ولكن الفارسي قد عز عليه الدهر الغشوم و نبز من المسلمين شوكة الدين فصار هذا الكتاب محدودا فى السنة بعض العالمين اردت بالهام الله سبحانه وتعالى تعريبه شعرًا بشعر ونظمًا بنظم على وزنه وبحره الذى اختاره الشيخ رحمه الله ليعم جدواه وليتفكر اهل العلم والمعرفة على ماكان عليه الشيخ رحمه الله من المذهب والمسلك و المشرب وقسمت هذا الكتاب على الجزئين فجزء الاول قد شاع فى اختتام سنة ١٤٠٠ھ واما هذا الجزء الثانى قد فرغت من تبييضه وتكميله فى اواخر سنة ١٤١١ھ واضفت من قريحتى ثلاثين شعرًا فى مدح الشيخ حينما كان اهل كشمير فى حيص وبيص ومحن وفتن وجهد وابتلاء والرزايا تتوالى عليهم مثل الامطار على الازهار والاشجار والدموع تجرى من العيون كالانهار ومع ذلك كنت مصروفًا فى مهمات اخر من لجنة "تبليغ الاسلام جامو وكشمير ومدارسها وباهتمام الكلية الحنفية وتاليفات اخر وكنت كما قال التفتازانى رحمه الله الشعر ؎

فيومًا بحزوى ويومًا بالعقيق ❊ وبالعذيب يومًا ويومًا بالخليصا

وبالجملة قد شرفنى الله سبحانه وتعالى ببركة هذه الخدمة الحقيرة وقتما فرغت من اشاعة الجزء الاول بزيارة رياض الاولياء الكاملين ببغداد لاسيما زيارة سدة سيد الاولياء الكاملين الشيخ السيد عبد القادر الجيلى وبزيارة جدث سلطان الاولياء الشيخ شهاب الدين سهروردى رئيس السلسلة السهروردية وكذالك بزيارة مشهد سبط النبى المصطفى صلى الله عليه وسلم وغيرهم حينما كنت مدعوًا فى مؤتمر

علماء الاسلام ببغداد۔

فالحمد للہ اولاً و اٰخراً علیٰ اَنْ وفّقنی لِاِشاعۃ ھٰذہ البضاعۃ المُزجاۃ اِلیٰ اھل العلم و الادب و ذوی النُّھٰی والعرب راجیًا اَنْ یکونوا داعین لھٰذا العبد الضعیف ویستغفروا فیما فرّط فی ھٰذہ الخدمۃ الحقیرۃ داعین لی اَن یکتبنِیَ اللّٰہُ مِن اَدنیٰ مخلصی الاولیاء الکاملین لاسیّما من خُدّام سُدّۃِ الاولیاء سلطان العارفین وسائرُ الاولیاء الکاملین۔ اٰمین یا رَبّ العٰلَمین۔ وصلی اللّٰہ علیٰ سیّدنا محمّدٍ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اَجمعِیْن ۔

امّـا بعـدُ

آج ہم بفضلِ اللہ ومنّتہٖ تاج العارفین کی دوسری جلد آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ہمارے کرم فرما رفقاءِ کرام و علماءِ واجبُ الاحترام کو یاد ہوگا ــــ کہ تاج العارفین، وِردُ المریدین کا منظوم عربی ترجمہ ہے اور وِردُ المریدین صوفیٔ صافی، مقرب بارگاہِ ربّانی امامِ حقّانی شیخ الاسلام حضرت سیّدنا علامہ بابا داؤد خاکیؒ المتوفی ۹۶۳ھ کی تصنیفِ لطیف ہے جو تین سو تریسٹھ ۳۶۳ فارسی ابیات پر مشتمل ہے (قصیدہ شریف کی موجودہ ترتیب و تعدادِ ابیات کے متعلق باقی تفاصیل جلدِ اوّل کے مقدمہ میں آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں)

حضرت مصنفؒ نے خود اپنے قلم گوہر بار سے اس کتاب کی شرح دستور السالکین کے نام سے لکھی ہے۔ اس شرح کے متعدد نسخہ جات کشمیر کے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ یہ کتاب بظاہر مقرب درگاہِ ربّانی پیرِ حقّانی امُّ الاولیاء حضرتِ محبوبِ سُبحانی محبوبُ العالم سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدومی و محبوبی قدس اللہ سرہُ العزیز کی مدح و مقامات، حالات و کرامات اور آنجاب کے پیران طریقت کے احوال و مقامات کے بیان میں ہے لیکن جب فکر و نظر اور پوری گہرائی سے اس کتاب اور اسکی شرح کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کتاب تصوّف و سلوک میں بحرِ ذخّار اور دریائے بیکراں کی حیثیت رکھتی ہے۔ علمِ تصوّف کا وہ کون سا مسئلہ ہے جو وِردُ المریدین میں نہ آیا ہو اور طرفہ یہ ہے کہ کتاب کا موضوع (جیساکہ اوپر ذکر ہوا) حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و طیبات و مقامات و کرامات ہیں اور اگرچہ ہر شعر سے اس موضوع کی کما حقّہٗ

حق ادائی ہوتی ہے مگر دوسری جانب ہر شعر ساتھ ساتھ علم احسان کے بلند پایہ مضامین پر مشتمل ہے اس لئے اگر اس کتاب کو کتاب و سنّت و تعامل سلفِ صالحین کا مرقع اور جوہر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اور دین حق وہی ہے جو سلفِ صالحین نے سمجھا ہے اور جس پر انہوں نے عمل کیا ہے۔ اسکے خلاف دورِ حاضر کے مغرب زدہ اربابِ قلم نے اگرچہ بظاہر دینِ اسلام کو کچھ دیا بھی ہو مگر حق یہ ہے کہ اس کا اصلی متاع چھین لیا ہے۔ مگر ماشاء اللہ سلفِ صالحین خاصکر علاّمہ خاکی رحؒ نے اپنی تصانیفِ عالیہ میں ذرہ برابر بھی شریعت و طریقت، معرفت و حقیقت کے حدود سے تجاوز نہیں کیا ہے اس لئے مجھے اپنے اس محسنِ اعظم کی یہ علمی محنت بہت پسند آئی اور جی میں یہ خیال آیا کہ آپؒ کی اس علمی محنت کو اور بھی زیادہ وُسعت دینے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے وردُ المریدین کے ابیاتِ شریفہ کو عربی اشعار کے لباس میں منتقل کرنے کی سعی کی۔ کیونکہ اہلِ کشمیر اور بیرونِ کشمیر میں فارسی زبان کا ذوق و شوق اب قصۂ پارینہ بن گیا ہے۔ اسکے مقابلے میں عربی زبان کو بین الاقوامی حالات کی وجہ سے گذشتہ چند سالوں سے کچھ مقام دیا گیا ہے اور لوگ گردشِ زمانہ کے باوجود اسکی جانب راغب ہیں لیکن درپیش مسئلہ یہ تھا کہ عربی اشعار کا بحر و وزن اصل ابیاتِ شریفہ کے بالکل مُطابق ہوں اور اشعار کے مطابق بامحاورہ ترجمہ کیا جائے۔ اہلِ زبان و اربابِ علم و دانش خوب جانتے ہیں کہ اتنے بڑے طولانی قصیدہ کو عربی اشعار میں منتقل کرنا کارے دارد والا معاملہ ہے۔ خاصکر مجھ ہیچمدان کے لئے جس کو شعر و شاعری سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اپنے شیخ حضرت امام ابوحنیفۂ ہند علاّمہ مفتی محمّد کفایتُ اللہ سابق صدر جمعیّۃ علماءِ ہند و مفتی اعظم برصغیر کے یہ تین ابیاتِ مبارکہ کانوں میں ہمیشہ گونجتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّھُمْ کَثُرَتْ فَصِیْدِیْ ❖ وَلَوْ لَا اللّٰہُ اَنْزَلَ فِی الْکِتَابِ
مُحَمَّدُ بْنِ اِدْرِیْسِ الْعَمِیْدِیْ ❖ کَفَانَا قَوْلُ مَوْلِیْنَا الْھُمَامِ
لَکُنْتُ الْیَوْمَ اَشْعَرَ مِنْ لَبِیْدِیْ ❖ وَلَوْ لَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ یُزْرِیْ

(روض الریاحین)

مگر حضرت محبوب العالمؒ اور دیگر اولیاءِ کرام کی عقیدت و محبت غالب آئی تو میں نے ایک مبارک

خواب کی بناء پر اپنی علمی بے بضاعتی کو نظر انداز کرکے وِردُ المریدین کی تعریب اور تحقیق و تفتیش کا کام مندرجۂ ذیل امور کے پیش نظر شروع کر دیا :۔

اَوّلاً : ہر فارسی شعر کو عربی کا لباس زیب تن کیا ۔ اصلی بحر اور ضرب و عروض کا پورا خیال رکھا اور بحمد اللہ کسی بھی شعر کے ضرب و عروض میں زحاف نہیں آنے دیا ۔

ثانیاً : ہر شعر کا با محاورہ اُردو ترجمہ کیا تاکہ اصلی کتاب سے استفادہ کرنیوالے خواص و عوام کو یکساں استفادہ کا موقع ملے ۔

ثالثاً : ضروری فارسی یا عربی الفاظ کی لغوی تحقیق اُردو میں کی اور ہر ضروری لفظ اور اس کے متناسب کلمات کے مختلف معانی بیان کئے ۔ اس میں لغتِ عربی کی متعدد کتابوں خاصکر "اَلْمُنْجِد" سے بھرپور استفادہ کیا ۔ قارئین اکثر و بیشتر اشعار کے ضمن میں التحقیق اللُّغوی کے عنوان سے ملاحظہ کر سکتے ہیں ۔

رابعاً : ہر شعر کا خلاصہ اور مختصر تشریح دستورُ السالکین شرح وِردُ المریدین سامنے رکھ کر تحریر کی ۔ بعض مقامات پر حسب ضرورت ضروری اضافات بھی کئے گئے ہیں ۔

خامساً : اہلِ علم حضرات پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ وِردُ المریدین دراصل غنیۃ الطالبین کے اُس باب کا نقشِ ثانی ہے جو پیر مُریدی اور علم سلوک کے متعلق حضرت غوث الاعظم شیخ السید عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ رئیس الاولیاء نے تحریر فرمایا ہے ۔ لہٰذا آدابُ المریدین ہو یا غنیۃ الطالبین بہرحال سلوک کے متعلق اولیاءِ متقدمین و متاخرین کا ایک ہی مسلک ہے' اس سے جو لوگ تجاوز کرتے ہیں درحقیقت وہ اجماعِ اُمّت سے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں ۔ اعاذنا اللہ من ذلک ۔

سادساً : اگرچہ کتاب کے جلدِ اوّل میں حضرت علّامہ خاکی رح کے حالاتِ طیبات اور علم تصوّف کی افادیت پر چند صفحات قلم بند کئے ہیں مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناکافی ہیں ۔ اِن شاءاللہ العزیز اس موضوع پر اور حضرت سلطانُ العارفین رح اور ان کے مشائخ و خُلفاءِ کرام کے حالات پر آئندہ تکملۂ تاجُ العارفین کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھ کر اسکی تلافی کی جائیگی ۔

سابعاً : آخر میں حقیر نے اڑتیس (۳۸) عربی طبعزاد اشعار میں حضرت سلطان العارفین رح کو خراجِ

عقیدت پیش کیا ہے۔ بِعَوْنِ اللہ تعالیٰ سُبحانہٗ اب تاجُ العارفین مجموعی طور پر عربی، فارسی اور اُردو کا ایک انمول نسخہ بن گیا۔ یعنی چار سو سال کے بعد وِردُ المریدین اس شان و اہتمام کے ساتھ عقیدتمندانِ درگاہِ محبوبیہؒ اور اہلِ علم حضرات کی خدمت میں پیش کرنیکی سعادت خاکسار سے پیشتر کسی نے حاصل نہیں کی۔ الحمد للہ ربّ العٰلمین حمدًا کثیرًا وَصَلَّی اللہُ عَلَی النَّبِیِّ و آلہٖ۔

ثامنًا: اتنی محنتِ شاقّہ کو بار آور کرنے کے لئے ایک ماہر ترین ناشر (جو خود بھی عربی زبان کا نہ صرف آشنا بلکہ ادیب و اریب بھی ہو) کی ضرورت تھی تاکہ کتاب شایانِ شان طریقہ سے شایع ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جناب عزیزِ گرامی جناب مولینا محمّد امین صاحب واٰجدی سلّمہ اللہ (مصنفِ کشمیر والعالم الاسلامی۔ عربی) جنرل سکرٹری جمعیۃ علماءِ اسلام جموں و کشمیر مالکِ کتب خانۂ ھمدرد سرینگر نے میری فقیرانہ استدعاء اور بارگاہِ عالیہ سُلطانیہ کے ساتھ بے پناہ عقیدت کی بنا پر کتاب کو شایانِ شان طریقے سے شایع کرنے کی تمام ذمہ داریاں قبول کیں، شَکَرَ اللہُ سَعْیَہٗ۔

تاسعًا: اس کتاب کے جمع و تالیف، تدوین و تبییض میں بیس[۲۰] سال صرف ہوئے۔ اس سے میرا مقصد اور میرے رفقاءِ کرام کا مقصد یہ ہے کہ ؎

از آفتابِ تاباں غم نیست روزِ محشر
گیرد بزیرِ دامان مخدوم شیخ حمزہؒ

اس ضمن میں ناسپاسی ہوگی اگر میں رفیقِ محترم جناب سیّد غلام محی الدین شاہ صاحب رفاعی جانشین و فرزندِ سیادت پناہ میر سیّد یاسین رفاعی نَوَّرَ اللہ مرقدہٗ اور عزیزِ مکرّم خواجہ شوکت حسین صاحب کینگ فرزندِ خواجہ محمّد صدّیق صاحب کینگ قادری مرحوم و مغفور کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس معاملہ میں وقت وقت پر مُفید اور گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ فجزاھما اللہ خیر الجزا فی الدارین۔

ھٰذا ما عندی وصلّے اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمّدٍ و آلہٖ و اصحابہٖ و اولیاء امّتہٖ و علماء شریعتہٖ اجمعین ٭

خاکسار
ابوالمعالی **قاسم البُخاری**

٢

القصیدة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بارگاہِ سلطانی رحمہ اللہ میں خراجِ عقیدت اور التماس کے طور پر کمترین کی طرف سے ۳۸ طبعزاد اشعار پیشِ خدمت ہیں :- (بخاری)

لِلاماجدِ مِن بُخاری التماسٌ لِلدُّعاء ‏ ‏ فَالرَّجاءُ مِن رَحیمٍ کَونُہ لَہ غافرا

سادتی ما رُمتُ تعریبَ قصیدةِ شیخنا ‏ ‏ شیخُ خاکی قد مدح لشیخ حمزة مُؤثرا

فَلَعَمری صِرتُ حیرانًا لِما شاهدتُ فیہ ‏ ‏ مِن مَقامِ شیخ حمزة وشیوخِہ غائرا

و نکاتٍ مِن تصوُّفٍ و لَوازِمِ السُّلوک ‏ ‏ وکذا ربطُ المریدین بالشیوخ فسَّرا

کم مضامینٍ انتقی فی کتابہ من فحول ‏ ‏ باسامی کُتُبِ فنٍّ ناظمًا و ناثرا

فالقصیدةُ الشریفة قد حوت فی قعرِها ‏ ‏ کُتُبَ هذا الفنِّ طرًّا و تزیدُ ذاکرا

وَلِذا کنتُ افِرُّ امرَ تعریبِ الکتاب ‏ ‏ لاجلِ علمی کان باعی منہ حتمًا قاصرا

بَیدَ انَّ ربِّیَ الرَّحمٰنُ اَلقیٰ فی الفؤاد ‏ ‏ اَنَّ تعریبَ الکتابِ منکَ حقًّا زُبِّرا

اِنَّما صعبٌ وسهلٌ عِندَ ربِّکَ مُستوی ‏ ‏ اِنَّ صعبًا عِندَ ربِّکَ حِینَ شاءَ ایسرا

غِبَّ هذا قد شرعتُ اَمرَ تعریبِ الکتاب ‏ ‏ خائفًا کی لا اکونَ عِندَ ربِّی خاسرا

فَسِنِینَ قد بذلتُ ما اردتُ من کتاب ‏ ‏ فَبِحمدِ اللّٰہ فرغتُ الیومَ منہُ ناظرا

فالقصیدةُ التی عبّرتُ عنها بالکتاب ‏ ‏ تحتوی علی ثلاث مائة شعرٍ ظاہرا

وکذا الثّلث و السّتّین شعرًا کالدُّرر ‏ ‏ کُلّها عرّبتُ و اللّٰہ ببیانٍ ازهرا

اِنّما وِردُ المُریدین شاهدٌ لِما اریٰ ‏ ‏ لَدَواءٌ وَشِفاءٌ لِلمُریدینَ باهرا

مِن ذوی لا اریٰ الآن قد سبق فی مثلہ ‏ ‏ اِنَّ ربّی لَیَمُنّ اَضعفًا و اَصغرا

وَلِذا افدی بنفسی شیخ خاکی الّذی ‏ ‏ مادحًا لِشیخ حمزة غوثَ حقٍّ وافرا

شیخ حمزة شیخُ اربابِ السّلوکِ والفنا ‏ ‏ اَلّذی قد دافعَ عن دینِ حقٍّ قاهرا

اِنّہ قد دافعَ عن دینِ حقٍّ بالجهاد ‏ ‏ باللّسانِ والجنانِ و الکرامات غائرا

سیما من اهل سنه والجماعه جاهلا — کاشفا عن وجهه ما شر خلق غبرا

فلعمری انه لو لم یشمر ذیله — ما بقی من اصل دین غیر رسم ظاهرا

انه کان تقیا ورعا عن شبهة — تابعا للشرع جدا و لربه ذاکرا

انه محبوب حق ثم مخدوم الوری — بل وسلطانا عظیما من اله قررا

ما ابتغی مما جهدت مدح احد من انام — غیر کونی تحت ظله یوم طی مبشرا

و شفاعة النبیین یوم جمع ثابت — هکذا للاولیاء ما خلا من انکرا

و شفاعتهم باذن ربهم للمسلمین — شیخ اسلام ابن تیمیه ایضا قررا

ان اسفی للذین یمدحونه باللسان — ثم صاروا منکرین قول حق صدرا

شکرا لله ان شیخی شیخ حمزه من کبر — فلمثلی الشفاعة منه حقا اجدرا

هکذا من شیخ خاکی روح الله روحه — کونه لی شافعا ان شاء ربی ناصرا

سادتی ارشاد مولینا النبی ثابت — کون مرء بالذی احبه قد اظهرا

یا کریم یا رحیم انت حالی تعلم — جئت بابک طالبا للعفو کنت ساترا

و اقدم الیک رحمة للعالمین — لتحل معضلاتی کنت انت اقدرا

خیر زادی حین الفاک حب طه بالیقین — صلوات الله علیه مع صحبه اوفرا

فی اختتام سنه الف واربع مائة بازدیاد — عشر سنوات علیها تم ذاک صابرا

وتقبل رب ما قاسیت فی تحریریه — واعف عنی ما ارتکبت من خطایا فاصرا

واجعل هذا الجهد منی لذخیرة النجاة — لاجل یوم یجعل الولدان شیبا محشرا

وبحبک املأ قلبی مع حب المصطفی — وباله وصحبه فی الکتاب اشهرا

شکرا لله ان دین المصطفی قد اعتلی — شانه فی العالم الیوم لاضحی ابهرا

ادع یا ابا المعالی بالخشوع ربکا

ان تکون یوم حشر تحت ظله سایرا

پیش لفظ

از: فاضلِ عبقری، عالم اریحی جناب مولٰینا سیّد محمّد اشرف صاحب اندرابی
رکن خصوصی انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

"تاریخ شاہد ہے کہ صوفیای کرام رضوان اللہ علیہم نے ہر دور اور ہر خطۂ ارضی میں اسلام کی ترویج و اشاعت اور احیاءِ سنّت کے عظیم الشان کارنامے انجام دئے ہیں اور مسلمانوں کی مِلّی شیرازہ بندی کے ساتھ ان کی اخلاقی و روحانی تربیت میں اہم رول ادا کیا ہے، تصوّف کیا ہے؟ اس کا ماخذ (مادۂ اشتقاق) کیا ہے؟ اس کا استعمال علوم اسلامیہ میں کب سے شروع ہوا ہے؟ ان مباحث اور ان سے متعلق اختلافِ آرا سے قطع نظر کر کے دیکھنا یہ ہے کہ اس علم کا موضوع کیا ہے اور اس بارے میں کتاب و سنّت سے ہمیں کیا رہنمائی حاصل ہوتی ہے، سو یہ امر اجلّہ صوفیہ اور علماءِ حق میں مسلّم ہے کہ تصوّف کا موضوع عرفانِ حق اور تزکیۂ نفس ہے اور اسکی اساس اخلاص فی العمل اور صفای نیّت پر ہے۔ قرآنِ مجید میں حضورِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثتِ مبارکہ کا مقصد یہ بیان فرمایا گیا ہے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ) "وہ خدا ہے جس نے اُمیوں میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو اُن کو اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں"۔ قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں اس مضمون کو جس تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصدِ اولین نفوسِ انسانیہ کا تزکیہ ہی ہے اور آخرت میں انسان کی فلاح و نجات کا مدار تزکیۂ نفس پر ہی ہے۔ ارشادِ باری عزّ اسمُہٗ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (والشمس) فلاح پائی اس نے جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا جس نے نفس کی گندگیوں پر پردہ ڈالا۔ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (الاعلیٰ) فلاح و کامیابی پائی اس نے جس نے تزکیۂ نفس کیا اور اپنے رب کے نام کو یاد کیا اور نماز ادا کی، اسی طرح قرآنِ حکیم نے عرفانِ حق، صفائے قلب

اور پاکیزہ اخلاق و سیرت سے متصف ایمانی کیفیت کو تقویٰ و احسان کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔
احسان کی تعریف حدیثِ جبریلؑ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں کہ:
احسان کیا چیز ہے؟ اس طرح فرمائی اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔ یعنی احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسکو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو سکے تو کم از کم یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ یہی کیفیت تصوف کی اصل ہے اور اسی کا حصول صوفیاء کرام کا منتہائے مقصود ہے۔ گویا قرآن مجید میں جس چیز کا نام احسان و تقویٰ ہے اُسی کو اصطلاحِ قوم میں تصوّف، سلوک اور طریقت کا نام دیا گیا ہے۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بفرقِ مراتب اس ایمانی کیفیت کے حامل تھے اور حضور رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر سے وہ اخلاقِ رذیلہ سے پاک اور اخلاقِ حمیدہ عالیہ سے آراستہ ہو گئے تھے۔ لیکن ان میں سے بعض حضرات خصوصی طور پر حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمالِ اتباع اور آپ کی ذات والصفات کے ساتھ والہانہ محبت کی بنا پر آپ کی نسبتِ باطنی کے امین اور روحانی کمالات کے مظہر بن گئے تھے۔ یہی حال عام طور پر تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کا تھا، کہ ان میں سے بھی بعض حضرات اپنے زہد و تقویٰ اور عبادت میں غیر معمولی انہماک کی وجہ سے زاہد و عابد اور عارف و سالک کے القاب سے ملقّب و ممتاز ہوئے چونکہ زہد و عبادت کا دعویٰ بعض اہلِ بدعت لوگ بھی کرنے لگے تھے اس لیئے اہلِ سنّت وجماعت کے طریقۂ خاص کو جو مادی نگاہوں سے دور رہ کر ذکر الٰہی اور اشغالِ روحانی میں اپنے اوقات عزیز صرف کرتے تھے، اہلِ صفا یا صوفی کے ممتاز القاب سے یاد کیا جانے لگا اور اس طرح تصوّف وصوفیا کی اصطلاحات کا رواج دوسری صدی ہجری کے اواخر میں ہو چکا تھا۔ اگرچہ علماءِ ربانی، محدثین کرام اور مجتہدین و فقہا رضوان اللہ علیہم اجمعین عام طور پر احسان و سلوک کے اوصاف سے مزیّن اور روحانی اقدار و معارف سے لذت آشنا تھے تاہم ان میں سے ایک معتد بہ طبقہ نے اپنی مقدس زندگیوں کے تمام احوال و شئون کو تصوّف کے سانچے میں ڈھال کر اسی طریقہ کو وصول الی اللہ کا وسیلہ اور تبلیغ و اشاعتِ دین کا ذریعہ بنایا۔ فتوحاتِ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ صوفیاء کرام کی اس جماعت کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا۔ تعلیم و ارشاد کے لئے جابجا خانقاہیں اور مدارس قائم کئے گئے۔ دور دراز کے سفر طے کر کے ان حضرات نے جہاں اپنی قدسی صفات سیرتوں کی مدد سے لاکھوں

انسانوں کو حلقہ بگوش اسلام بنایا وہیں مسترشدین کی ایک ایسی جماعت بھی تیار کرتے رہے جو ان کے بعد ان کے مشن کو آگے بڑھاتی رہی اور تعلیماتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے عملی نمونے بن کر ظلمتِ کفر میں مخلوقِ خدا کے لئے مینارِ نور کا کام دینے لگے۔

صوفیاء کرام کی اس مقدس جماعت نے حضرت امام ربانی میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں سرزمینِ کشمیر میں ایمان و عرفان کی مشعل روشن کی، اور اپنی مسیحا نفسی سے لاکھوں انسانوں کے مردہ دلوں کو حیاتِ نو سے ہمکنار کیا، کسی سیاسی انقلاب اور جنگ و جدال کے بغیر وادیٔ گلپوش کے چپہ چپہ کو توحید و رسالت کے دلنواز پیغام سے فردوس گوش بنایا۔ جگہ جگہ علم و عرفان کی محفلیں آراستہ کیں اور سعادتمند روحوں کو نہ صرف یہ کہ علومِ اسلامیہ سے بہرہ ور کیا بلکہ ذکر، اذکار اور اشغال و اعمالِ روحانی کی تربیت دیکر ان کے قلوب کو مہبطِ انوارِ الٰہی بنایا۔

کشمیر کے دامن اسلام کے ساتھ وابستہ ہونے کے بعد جن کشمیری نژاد نفوسِ قدسیہ کو حق تعالیٰ نے ولایتِ کبریٰ کے مقام پر فائز کیا اور اپنے خصوصی خلعتِ محبوبیت سے نوازا، اُن میں ایک ممتاز نام حضرت سلطانُ العارفین شیخ حمزہ رحمۃُ اللہ علیہ کا ہے، موصوف نہ صرف ایک بلند پایہ صوفی، عارف باللہ اور شب زندہ دار سالک تھے بلکہ اپنے وقت کے عظیم مُبلّغ اسلام اور مُحی السُنّۃ بھی تھے۔ آپ نے فتنۂ رفض کی سرکوبی کے لئے جو مجاہدانہ کارنامہ انجام دیا ہے اور اس فتنہ کا قلع قمع کر کے اہلسنت وجماعت پر جو احسان کیا ہے، تنہا وہی آپ کی جلالتِ شان کے لئے کافی ہے، حق جل مجدہٗ نے آپکو مقامِ محبوبیت عطا فرما کر "محبوب العالم" کے پیارے لقب سے اپنے بندوں میں مشہور فرمایا، آپ کے مریدانِ باصفا میں سے حضرت علامہ بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، حضرت علامہ اپنے زمانے کے ایک متبحّر عالمِ دین، مایہ ناز ادیب، شاعر اور مصنف تھے۔ حضرت محبوب العالمؒ کے دامن ارادت سے منسلک ہونے کے بعد آپ نے فقر و درویشی کا طریقہ اختیار کیا اور شاہی دربار کے ساتھ وابستگی ترک کر کے کامل طور پر اپنے پیرو مُرشد گرامی کے دربار گہربار سے وابستہ ہوگئے، موصوف اپنے شیخ و مرشد کے سچے عاشق اور آپ کے طریقۂ شریفہ کے باختصاص علمبردار تھے۔ موصوف نے اپنے پیرِ روشنضمیر کی مدح میں فارسی زبان میں ایک بلند پایہ قصیدہ نظم فرمایا، جو "وِردُ المریدین" کے نام سے موسوم ہوا اس کی شرح بھی خود آپ نے "دستور السالکین" کے نام سے لکھی ہے۔ "وِرد المریدین" میں حضرت علامہ خاکی رحمۃ اللہ علیہ

نے اپنے مرشدِ گرامی قدر کے احوال و مقامات، کرامات و ارادات، ریاضاتِ شاقہ اور ملّی خدمات کے علاوہ تصوف و سلوک کے نکات اور مشائخ و اربابِ معرفت و سلوک کے واقعات وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔ گذشتہ (تقریباً) چار صدیوں سے یہ قصیدہ اربابِ ذوق اور اصحابِ سلوک میں متداول رہا ہے مصنّف رحمۃ اللہ علیہ کی خود تالیف کردہ شرح دستور السالکین کے علاوہ اس کی کئی شروح لکھی گئی ہیں اور اُردو و کشمیری زبان میں بھی اسکے ترجمے کئے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ ترجمے اور شروح راقم کی نظر سے نہیں گذرے ہیں، تاہم ان کے متعلق بعض اہلِ علم حضرات سے جو کچھ سُنا تھا اُس کے پیشِ نظر ایک ایسی شرح کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو اس قصیدہ میں بیان کردہ تمام مضامین کی گرہیں کھول سکے اور اس کے مطالب کو سمجھنے میں ممد و معاون ثابت ہو، ظاہر ہے کہ یہ کام وہی شخص انجام دے سکتا تھا جسے فارسی زبان پر کامل عبور حاصل ہوتا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اُس زبان پر بھی قدرت رکھتا ہو جس میں ترجمہ و شرح لکھنے کا ارادہ ہو، نیز تصوّف و سلوک اور سیرتِ مشائخ و اصطلاحاتِ صوفیہ اور آدابِ ارشاد و تلقین سے بھی بخوبی واقف ہو، حق تعالیٰ نے یہ سعادت وادیٔ کشمیر کے معروف عالمِ دین حضرت مولٰنا سید محمد قاسم صاحب بُخاری مدّظلہ کی قسمت میں لکھی تھی، موصوف نہ صرف یہ کہ عربی، فارسی اور اردو زبان کے جیّد عالم اور صاحبِ قلم ہیں بلکہ وادیٔ طریقت کے رہ نورد اور تصوف و احسان کے رمز آشنا بھی ہیں۔ خود بھی صاحبِ نسبت ہیں اور سلفِ صالحین بالخصوص اربابِ سلوک و معرفت کے عقیدتمند اور ان کی تعلیمات کے داعی و مبلغ بھی ہیں، موصوف کی یہ جدّت لائقِ تحسین ہے کہ اُنھوں نے اس قصیدہ کا عربی نظم میں ترجمہ کیا ہے اور قصیدہ کی اصل بحر اور وزن کو اس کے عربی نقش میں بھی برقرار رکھا ہے۔ یہ کام کس قدر مشکل ہے؛ اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہیں اس وادی سے کبھی گذرنا پڑا ہو، اول تو ایک زبان کے ادب پارے کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا ہی مشکل کام ہے، دوم ایک زبان کے منظوم کلام کا دوسری زبان کے منظوم کلام میں ترجمہ کرنا اور بھی دشوار ہے اس لئے کہ نظم اور شعر کا حُسن اور اس کی خوبی "آمد" میں ہے اور ظاہر ہے کہ ترجمہ "آمد نہیں" "آورد" ہوتا ہے اِلّا ماشاء اللہ۔ اس بنا پر ترجمہ میں اصل کی خوبی اور اس کے محاسن کو برقرار رکھنا اگر محال نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔ پھر فارسی یا کسی اور زبان کے اشعار کا عربی میں ترجمہ کرنا تو بہت ہی دشوار ہے اِس لئے کہ عربی زبان جو نظم میں بالخصوص اُمُّ الاَلسِنَہ ہے اس کا منفرد

اسلوب اور شاعری میں اس کا طنطنہ اور جلال دوسری السنہ کو خاطر میں ہی نہیں لاتا، لہٰذا دوسری زبان کے مطالب کو بیان کرنے کے لئے اسے لازماً اپنے بلند اور پُرشکوہ مقام سے نزول کرنا پڑے گا جس سے اسکی ادبی حیثیت وشوکت مجروح ہو سکتی ہے۔ بہرحال مولینا بخاری صاحب مدظلہ نے اس مشکل پر بڑی حد تک قابو پاکر اصل اشعار کا عربی میں ترجمہ کرنے کے بعد حاشیہ میں عربی الفاظ کی لغوی اور صرفی نحوی تحقیق بھی درج کردی ہے، علاوہ ازیں اردو میں دستور السالکین کی روشنی میں مُفصل شرح بھی لکھی ہے، شارح مدظلہ نے شرح میں اُن تمام امور کو ملحوظِ نظر رکھا ہے جن کا اس قبیل کی شرح میں مدِنظر رکھنا ضروری ہے بنیادی مطالب کے ساتھ ساتھ قصیدہ اور شرح دستور السالکین میں بیان کئے گئے اسرار و رموز کی وضاحت کی گئی ہے، تلمیحات واشارات کے پس منظر کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ تصوّف وطریقت کی اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے اور اپنے بیان کردہ مطالب کو سلفِ صالحین اور اکابر اُمّت کے اقوالِ زرین اور اشعارِ شیرین سے مؤیّد کیا گیا ہے اور جہاں کہیں ضرورت متقاضی ہوئی قصیدہ میں ذکر کئے گئے اربابِ حال وقال کے تراجم بھی دئے ہیں اور مسائلِ متعلقہ کو کتاب وسنّت کے استدلال سے مدلّل کیا گیا ہے راقم اپنی سہل انگاری اور "بے جا" عدیمُ الفرصتی کی وجہ سے کتاب کی جلدِ اول کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کرسکا ورنہ اسکی صوری ومعنوی خوبیوں کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتا، مختصراً عرض کرتا ہوں کہ قصیدۂ وِردُ المریدین کے عربی ترجمہ اور اردو شرح کا یہ ہفت خواں علامہ بخاری صاحب نے بڑی کامیابی اور خوبی کے ساتھ طے کیا ہے، اس کے لئے موصوف ہم سب کی تحسین اور شکریہ کے مستحق ہیں۔ دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اسے اہلِ ارادت اور اربابِ ذوق کے لئے سکون وطمانیت کا ذریعہ بنائے اور مصنّف مدظلہ کو اپنے بہترین جزا سے شادکام فرمائے۔ آمین ؞

احقرُ العِباد

سیّد محمّد اشرف اندرابی

فاتحة الكتاب

بقلم : الاديب الاريب والفاضل اللبيب
صاحب السّماحة مولينا محمّد امين واجدى
الامين العام لجمعيّة علماء الاسلام جاموں وكشمير

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله ربّ العٰلمين والصّلوٰة والسّلام على رسوله سيّدنا ومولينا محمّدٍ رحمة للعالمين صاحب الشّريعة الغرّاء والطّريقة الزهراء وعلى اٰله واصحابه نجوم الإهتداء ما دامت الارض والسّماء. امّا بعدُ :

غير خفيّ على ذوى العلم والنّهى واصحاب المعرفة والتّقى أنّ كتب التصوّف لم تزل بالغة الخطورة فى التاريخ والادب العربى الاسلامى إذ أنّ التّصوّف - الموسوم فى اصطلاح النص بـ منصب الاحسان - هو صفوة العبادات وموجزها يترقى به العبد المومن إلى المقامات الاسنى مثل معرفة الله سبحانه وتعالى التى شهدت بها عدة اٰيات القراٰن الحكيم.

من الواضح أن رجال المؤامرات والمكايد بعد أن فشلوا فى الجبهة الخارجيّة تظاهروا فى الاعتناق للاسلام وبدءوا غاراتهم على هٰذا الدّين القويم فى الجبهة الداخليّة مبذلين جهودهم لتشويه القيم والمعارف الاسلاميّة حتّى القراٰن الكريم والحديث النّبوى وعلم الكلام والفقه كما بدءوا بتقبيح ملامح روح الاسلام أعنى بها علم الاحسان الّذى قال عنه

الرسول صلّى الله عليه وسلّم فى حديث جبرئيل عليه السّلام "أن تعبد الله كأنّك تراه فإن لم تكن تراه فإنّه يراك." و تواصلت مؤامرات الأشرار والطغاة و تزايدت حتّى كادت الطريقة تعود دون ما يعتبرونها علماء الاسلام والروحانيون وظلت منفصلة لاعلاقة لها بالشريعة بالإضافة إلى ما عبرها بعض علماء السوء بالإلحاد والزندقة - معاذ الله من ذلك - وهذه الظروف لم تظهر إلّا عقيب عهد الذى قال عنه الرّسول صلى الله عليه وآله واصحابه وسلّم "خير القرون قرنى ثمّ الّذين يلونهم ثمّ الذين يلونهم." وها هى الدّاعية الّتى ضجّرت اهل الطريقة والولاية مثل الولى الكامل الشهير الشيخ على بن احمد بن سهل المعروف بابى الحسن الصوفى القرشنجى رضى الله عنه المتوفّى سنة ۳٤٨ھ الذى قام يصيح ويقول:

"التصوّف اليوم اسمٌ لاحقيقة وقد كان حقيقةً لا اسمًا."

و بعد فترة تبعه رئيس طائفة الاولياء السابقين والآخرين مولينا ومقتدينا الشيخ السيّد عبد القادر الجيلانى رضى الله عنه حيث يقول ويعلن جهرة:

"كلّ حقيقة لا يشهدها الشرع فهى زندقة."

كما تداولت ألسنة الناس الوصيةُ الاخرى أوصى بها ابو عذر السلسلة الرفاعية الشيخ الكبير السيد احمد الرفاعيُ وصية نظمها الشاعر العبقرى دكتور محمّد اقبال فى الفارسية

با مُریدے گفت اے جانِ پدر	از خیالاتِ عجم باید حذر
زانکہ فکرش گرچہ از گردون گذشت	از حدِ دینِ نبیؐ بیرون گذشت

يقول الشيخ لبعض مسترشديه عليك أن تحذر افكار العجم فإنها مع الرغم من إعتلائها قد إجتازت حد ودين النّبىّ صلّى الله عليه وسلّم.

وها هى الداعية الّتى حضّت الروحانيين والأولياء المتقدمين على تدوين علم التصوّف الّذين بذلوا جهودهم المتواصلة لكتابة هٰذا العلم وكتبوا فى شتّى عهودهم كتبا قيّمة أثبتوا فيها مبادى التصوّف ولم يتركوا مجالًا لأحد أن يقيم العراقيل أو يحدث المشاكل فى طريق الدّين أو يشوّه ملامح الاسلام

باسم التصوّف وتعبيراته الباطلة كما لم يترك أئمّة التفسير والمحدّثون وأئمّة السّير والمغازى والفقه والكلام سعةً للأشرار والطغاة ليسيّئوا وجه القرآن والحديث النّبوى والسّير والمغازى بالتّاويلات والتّعبيرات الباطلة.

وفيما يلى قائمة الكتب صنّفها المتقدّمون من الاولياء وأصبحت مراجعا ومصادرا:

١. كتاب اللّمع فى التصوّف لابى الفرج سراج توفّى سنة ٤٧٨ه
٢. قوت القلوب لابى الطالب المكّى توفّى سنة ٣٨٦ه
٣. حلية الاولياء لابى النعيم الاصفهانى توفّى سنة ٤٣٠ه
٤. الرّسالة القشيريّة للامام ابى القاسم القشيرى توفّى سنة ٤٦٥ه
٥. كشف المحجوب السّيد على الهجويرى ثمّ اللاهورى الشهير ب"داتا گنج بخش" توفّى سنة ٤٨٠ه
٦. كيميائے سعادت لفيلسوف الاسلام الامام محمد الغزالى. توفّى سنة ٥٠٥ه
٧. فتوحُ الغيب للشيخ السيّد عبدالقادر الجيلانى. توفّى سنة ٥٦٣ه
٨. منطق الطير للشيخ فريد الدين العطّار توفّى سنة ٦٢٧
٩. عوارف المعارف لرئيس الطائفة السهروردية ابى عمر شهاب الدّين السهروردى. توفّى توفّى سنة ٦٣٢ه
١٠. فتوحات مكيّة للعلّامة محى الدين ابن عربى. توفّى سنة ٦٣٨
١١. فصوص الحِكم للعلّامة محى الدين ابن عربى (المذكور اعلاه)
١٢. مثنوى مولنٰنا روم لمولٰينا جلال الدين رومى. توفّى سنة ٦٧٢

وفى العصور التّالية برزت ألوف كتب التصوّف إلى حيّز الوجود بايدى رجال التصوّف والولاية نال بها المسلمون فى كلّ أنحاء العالم خُبرةً عن مبادى علم التصوّف وقيم الاسلام الحقيقية ورسخ بها فى أذهانهم أنّ الشريعة والطريقة توأمان متلازمان.

وجديرٌ بالذكر أنّ أرض شبه قارة 'اسيا هند وباكستان تلألأ عليها كوكب الاسلام وتنوّرت ربوعها بنور الايمان على ايدى الرّوحانيين المتصوّفين الدُّعاة إلى الله تعالى

فى طيعتهم الشيخ السيّد على الهجويرى اللاهورى الشهير ب "داتا گنج بخش" رحمة الله عليه الذى رفع راية الاسلام فى شبه قارة آسيا بعد الغازى الشهير طيّب السمعة محمّد بن قاسم رحمة الله عليه وصنّف فى التصوّف كتابا سماه "كشف المحجوب" - المذكور اعلاه - الذى قال عنه رئيس الطائفة الجيستيّة الولى الكامل الشيخ نظام الدين اولياء رحمة الله عليه :

" إنّى وقفتُ على هٰذا الكتاب تمامه وكلّ من لا مرشد له
سيصبح فى غنىً عن المرشد بعد أن يطالع هٰذا الكتاب "

وهٰذا الشيخ نظام الدينؒ هو الّذى عدّه مفكّر الاسلام سماحة الشيخ السيّد ابوالحسن على النّدوى دامت فيوضه فى مجدّدى الملّة والدّين نظرا إلى مجاهداته الروحيّة.

والّذين تحلّت بجهودهم المتتالية بقعتنا كشمير إلى بقعةٍ مباركة اسلامية تتفيّأ فى ظلال الاسلام فى مُستهلّهم الشيخ السيّد عبد الرّحمٰن شرف الدين الملقّب ب "بلبل شاهٌ" الذى غرس فى كشمير شجرة الاسلام وبعد فترة قليلة قدم من ايران الدّاعية الكبير والمرشد الروحى الشيخ السيّد على الهمدانىؒ الذى سقى و روّى هٰذه الشجرة فتنوّرت وأسلم على يده أغلبيّة الشعب الكشميرى كان من جهابذة العلماء وفطاحل العلم، متصوّفا، ذا مكانة رفيعة، طموحا، فيلسوفا، داعية كبيرا وفارسا فى ساحة السّلوك والتصوّف حتّى أثنا عليه ونوّهه سماحة رئيس المحدّثين فى الهند الامام الشاه ولى الله الدهلوى رحمة الله تعالىٰ عليه فى كتابه - الإنتباه فى سلاسل الاولياء - وذكره باسم "على ثانى"

و للشيخ السيّد على الهمدانى رحمهُ الله مساهمات عديدة على صعيد وطننا كشمير فى بثّ التّعاليم الإسلامية والرّوحيّة النظيفة من الشوائب الوثنيّة والبدع والخرافات. وقد صنّف عدة كتب منها ما طارت صيته ونال سُمعة طيبة فى العالم الاسلامى باسم "ذخيرة الملوك" وأمثاله بالإضافة إلى شرحه فى الفارسيّة والعربيّة "لفصوص الحِكم" للشيخ المتصوّف محى الدين ابن عربيؒ

الموحد لفكرة وحدة الوجود۔

من سعادة مسلمی کشمیر أنهم تواصلوا يتمتعون من أفكار الروحانيين والعلماء الربانيين عبر التاريخ الاسلامی فی کشمیر وهذه الداعية هی التی فشلت مكايد الطغاة الطامعين إلى تشويه ملامح الاسلام حتى أن بعض الشيوخ ـ مع الرغم من جهوده المتواصلة لترسيخ فكرته الباطلة فی اذهان مسلمی کشمیر ـ لم يفز ورجع إلى وطنه خائبا وفاشلا۔ ومثل هذه الشيوخ يعتبره صاحب المثنوی مولينا جلال الدين رومی روّح الله روحه بالشيخ البطّال وكثير مثل هؤلاء الشيوخ لم يزالوا يرفعون رأسهم فی كل فترة من العصور حتى فی العصر المتحضر جاء شيخ بطّال من لاهور ـ من جزء الباكستان ـ إلى وادی کشمیر حضّ المسلمين على السجدة التقديرية ـ التعظيمية ـ مالا اصل لها فی الشريعة فقام حضرة الاستاذ السيّد محمّد قاسم البخاری كاتب هذا الكتاب ـ تاج العارفين ـ كتب كتيبا علميا باسم "سجدهٔ محمّدی" ردّ فيها السجدة لغير الله وأوضح للمسلمين مبادی الشريعة والطريقة۔ جزاه الله۔

فی إطار هذه الظروف والاحوال إذا نراجع إلى قصيدة "وِردُ المريدين" وشرحها "دستور السالكين" يتضح أنها نظمت فی مدح الشيخ الكامل غاص بحر الطريقة والعرفان الالهی ونال اليواقيت والدُّرر واللّآلی۔ أشار إلى مكانته الرفيعة المجدّدية ناظم القصيدة العلّامة بابا داؤد خاکی ـ المتوفّی سنة ۹۹۴ ـ رحمه الله فی شعره ـ

پیش ازیں درچند جا دیو وبُت وبُت خانہ بود
این دم از یمنِ قدومش مسجد ومنبر شداست

يقول: كانت توجد قبله فی عدة امكنة عفاريت وأوثان ومعابدهم۔ والان تحوّلت كلها بيُمنه وبركاته مساجدا ومنابرا۔

وهذا الشيخ هو محبوب العالم سلطان العارفين الشيخ حمزة قدس الله سرّه الذی أشعل أسرجة القرآن والحديث النبوی وقناديل الروحانية فی

عهد عصيب تحولت بها بقعة الكفر و الشرك إلى بقعة نور تواصلت مباركة حتى الآن. كان شيخاً وعالماً صنّف كتاباً سمّاه "كمالات ولايت" فى ردّ الصوفية الوضعيّة النّاشئة فى تلك العهد باسم "السلسلة النوربخشيّة" وفى حلتها بذل رجالها جهودهم الجبّارة للقضاء على التصوّف الحقيقي۔ ومن الاسف أنّ هذا الكتاب لايوجد فى الوقت الراهن إلا إسمهُ فى التاريخ۔

و بالمراجعة إلى القصيدة على بساط البحث وشرحها، نُدرك ايضاً أنّ كِلاهما قصارى وجوهر الذّخيرة المقدّسة المحفوظة فى أمّهاتِ الكتب من التّصوّف كما هما عرف شذىّ من رياض الشريعة والطريقة والمعرفة والحقيقة تفوح رائحتهما وتواصل إن شاء الله تعالى إلى حقبات من العصور۔

ومن الجدير بالذّكر أنّ ناظم القصيدة العلّامة الخاكيؒ نظم هٰذه القصيدة عقيب قصيدته الاولى الحافلة على عقائد الاسلام نظمها على مَنهج "عقيدة الطّحاوى" للامام الطّحاويؒ سمّاها "القصيدة الضروريّة". والحقّ أن فيها سعة و دِقّة مالاتوجد فى عقيدة الطحاويؒ. والعلّامة الخاكيؒ هو طيّب السُّمعة لدى علماء الاسلام وعامة المسلمين فى كشمير، تتداول اسمُه السنة النّاس عَبَرَ القرون. وهو بغزارة علمه وتفقّهه شهيرٌ باسم "الامام الاعظم الثّانى". كان متمكّناً على منصب شيخ الاسلام، وهو يرى صحبة المرشد وبيعته من الواجبات للمسترشدين ليتكلّلوا بالفوز على مقامِ "الاحسان" وحتّى لايضيع رصيد العقائد الصحيحة وذخيرتها بايدى اللّصوص أو بايدى شيخ بطال. وهو يقول فى القصيدة الضروريّة ؎

هست احسان حق پرستی بالیقینی آن چنان ۔۔۔ گوئیا چشم ترا معبود خود مبصر شد است
ہم دعای خواہم از خوانندگان وز شیخ خویش ۔۔۔ شیخ حمزہؒ کو بامر دین مرا یاور شد است
با محبان سرخرو دارش خدایا در دو کون ۔۔۔ چون بارشادش رُخِ دینِ ہُدیٰ احمر شد است

يشرح حديث جبرئيل عليه السّلام عن الاحسان ويقول أنّ الاحسان هو أن تعبد الله بالوثوق والجزم القاطع حتّى ترى الله جهرةً بعينيك ويقو ، إنّى لأرجو الدعاءَ

من القارئين ومن شيخى الشيخ حمزة الّذى تواصل لى ناصرا فى امر الدّين كما يدعو الله نفسهُ لعزّة شيخه وجميع مسترشديه والّذى بإرشاده ظلّ وجه الدّين مشرقًا و اصبح له رواجا و سوقا نافقا۔

فى ضوء هٰذه العبارات والنصوص يتضح أن العصر المتحضر أحوج إلى مثل هٰذه الكتب اكثر ما كانت تحتاج إليه العهود المنصرمة فإنّ الدّور الراهن دورُ الفساد والفتن تنزل كما يهطل المطر نظرًا إلى هٰذا الإحتياج والضرورة قام سماحة الاستاذ الشيخ السيّد محمّد قاسم البخارى مد ظلّهٗ كتب "تاج العارفين فى شرح القصيدة وِردُ المريدين" عرّب أشعارها وحوّلها من الفارسيّة إلى العربيّة الفصحاء يحلّ التعقيدات ويشرح كلّ لفظ صعب فى النثر مصرحًا الإنشقاق الصرفية وموضحًا التراكيب النحويّة أينما تدعوه الضرورة كما نقل كلّ شعر إلى النثر الاردو وشرحهٗ شرحًا يسقى الظمأن و ينور حالك الظّلام يقف به القارى على أحوال الشيخ حمزة خاصة وعلى أحوال كثير من الاولياء عامة ومقاماتهم وتطوّراتهم الروحيّة كما يدرك مبادى علم التصوّف و تطوّراته۔ والحق أنّ هٰذا الكتاب فيه نضارة للعيون وراحة للقلوب وهو من مآثر الاستاذ العلّامة البخارى ومن أعماله المجيدة التذكاريّة حقّق به جدارته العلميّة والادبية۔ ومع الرغم من أنهٗ لم يمارس فى نظم القريض ولم يقترح شعرًا قبل فقد أنجز تعريب القصيدة الفارسيّة ونقل اشعارها إلى الاشعار العربيّة لشوقه وحنانه إلى هٰذه المهمة والّتى ألهمت إليه فى بعض رؤياه ذكرها نفسهُ فى مقدمة الجزء الاول من هٰذا الكتاب۔ وقد عرّب القصيدة الفارسيّة ۔ نظمت فى بحر الرّمل ۔ فى بحرها نفسه مع أن هٰذا البحر لم يمسه إلّا قليل من شعراء العرب المتقدّمين۔ و إنّى كما أرى أنّ هٰذه المهمة الّتى لمسها فضيلتهٗ أصعب من أن يقترح شعرًا مطلقا من تعريب او نقل من لغة إلى لغة۔ فإنّ الشعر هو ما يحرّك الرّوح طربا وشوقًا و يجد به السامع سرورا وحبورا فى القلب وهو

كما قال شاعر العصر المتحضر شاعر طيبة محمد ضياء الصابونى ؎

مـا الشعر الغاز و اسرار ☆ و إنما الشعر الحان و اوتار
الشعر ما حرّك الارواح من طرب ☆ كأنما قد سرى فى النفس تيار
الشعر وحيٌ و الهامٌ و موهبةٌ ☆ الشعر روحٌ و وجدانٌ و افكارٌ

نظرًا إلى ماهية الشعر نترك على الأدباء تعليقاتهم فنيًا على هذا التعريب وإنما مع الرغم من زحافات وتعقيدات و تتابع الاضافات فى بعض الاشعار نجد فى كثير من اشعاره العربية سرعة وتيارا كما فى اصلها فى الفارسية. وفيما يلى ثلاثة نماذج من كلى الشعرين الفارسية والعربية. يقول العلامة الخاكى فى الجزء الاول من الكتاب الشعر :

۱. چوں خدا علم لدنی کرد تعلیمش ز مہر ☆ بہر اسرار الٰہی عالم اُمہر شُدہ است ص۴
۲. باز اخضر گلشن ارشاد و رشد شیخ ما ☆ ہم ز سقائی لطف خضر پیغمبر شُدہ است ص۹۳
۳. نور شیخان بیشتر ہر چند روشن تر است ☆ صادق اینجا شیخ سمنانی بما بشر شُدہ است ص۱۵۵

و نقلها الاستاذ العلامة البخارى إلى العربية. يقول متناوبًا :

۱. ربّه أعطاه علمًا من لّدنه رأفةً ☆ فهو أمسى كشف اسرار الاله أمهرا
۲. شيخنا فى روضة الارشاد باز اخضر ☆ ثم من إفضال خضر نال حظًا اوفرا
۳. كثرة الاشياخ نورٌ فى الطريقة فوق نور ☆ قول سمنانى هنا حقٌ بما قد بشّرا

القارئ والسامع يجدان فى هذه الاشعار العربية جريانا وسرعة وطلاقة كما يجدان فى الاشعار الفارسية وكما يجدان فى عدة اشعاره العربية لا يسع المجال ذكرها.

و من جدارة الناقل ما بذل من جهوده لتحفيظ اصطلاحات و مقامات السلوك والتصوف فى اشعاره العربية لفظًا و معنًى جاء بها الناظم فى القصيدة الفارسية كما يقول ؎

طیر طور جن و طور نفس و قلب و روح و سر ☆ ہم خفی کردہ بغیب الغیب ہم اطیر شُدہ است

والناقل عرّبه كما يلى :

طَارَطورَ الجنِّ وَالنّفسِ وَقَلْبُ ثُمّ روح ☆ ثُمّ سِرٍّ وَخَفِيّ غَيْبُ غَيْبٍ طَيّرَا

يتلذّذ به القارئ والسّامع ويسيغه الذوق السّليم بالإضافة إلى رعاية النّاقل اصطلاحات السلوك ومقاماته ، نقلها إلى الشعر العربي بأسلوب رائع ولم يترك منها شيئًا وهذا من حذاقته وحنكه وعلاقته بالتّصوّف وشغفه بالادب العربي الاسلامى جزاه الله وهوجدير بالثناء والتنويه لما بذل فى تعريب القصيدة من كدّ اليمين وعرق الجبين فى أكثر فترات من عمره - اطاله الله - وصرّف إنتباهنا وزادحنانا إلى اللغة العربية ، لغة النّبىّ الكريم - صلّى الله عليه وآله واصحابه وسلّم - ولغة القرآن الحكيم ولغة اهل الجنّة فإنّ كتابه - تاج العارفين - تتواصل طلبة العلم والشائقون إلى التّصوّف والسّلوك يتمتّعون به كلّهم - وهوكما أدرى كان شديد الكدح إتمامًا الجزء الثانى من الكتاب - الّذى فى أيديكم - حتّى أنّه كان مستغرقًا فى تبييضه فى وقت عصيب من عمره حينما كانت قرينته مشرفة على الموت وكانت فى آخر رمق من حياتها ، وقد إنتقلت إلى رحمة الله تعالى ليلة السبت ثانى وعشرين من ذى الحجّة سنة ١٤١١ ، كانت صالحة وبارّة تغمدها الله بغفرانه - وهى بنت الحافظ السيّد محمّد ابراهيم البُخارى - رحمه الله - وفى أثناء التّعازى بتقبّلها الاستاذ العلّامة البخارى أمرنى أن أكتب سطورًا أعرب فيها عن مشاعرى عن هذا الكتاب - فلله الحمد لِمَا وفّقنى وألهمنى ما خدمت بها القارئين البارعين راجيًا أن ينموا جودتها - إن كانت - إلى أساتذتى وخاصّة إلى أستاذى العلّامة السّيّد محمّد قاسم البُخارى كما ينموا نقائصها إلى المُقِلّ وصلّى الله سبحانه وتعالى على حبيبه مُحمّدٍ خير البشر وعلى آله واصحابه إلى يوم الحشر +

غوجواره ، سرينجر كشمير

محمّد امين واجدى

١٠ محرّم الحرام سنة ١٤١٢

تقریظ

از جناب فقیر دین محمد صاحب۔ خلیفۂ اکبر فقیر ملّت حضرت سید مبرک شاہ کاشانی و سرپرست انجمن تبلیغ الاسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرشدی فقیر ملت سید مبرک شاہ صاحب کاشانی رح کی ہمیشہ یہی خواہش وسعی رہی کہ قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ اولیاء کرام کی تصنیفات و تالیفات وملفوظات کی اشاعت ہو جائے تاکہ عامۃ المسلمین ان سے فائدہ اٹھا کر قرآن وحدیث کی متابعت سے بہرہ مند ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مرحوم نے ہمیشہ انجمن تبلیغ الاسلام اور اس کے صدر محترم امیر شریعت مولینا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری کی روحانی سرپرستی کی۔

تاج العارفین تعریب وِردُ المریدین اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ علّامہ موصوف کی یہ کوشش قبول فرمائے اور عامۃ المسلمین اس سے کماحقّہٗ مستفید اور فیضیاب ہوں۔

فقیر دین محمد

مادۂ تاریخ طبع تاج العارفین

نتیجۂ فکر: جناب پیرزادہ غلام حسن صاحب مسعودی

ملا رشتہ سریزۂ کشمیر

آں بخاری نسبت و قاسم بنام
کرد تألیفے بہ از دُرِّ ثمین
خواستم املا نمایم سالِ طبع
بہرِ نظمِ وِرد و مدحِ سائلین
ہاتفی فرمود از روئے دعا
"طبعِ زیبا یافت تاجِ عارفین"

۱۴۱۳ ہجری

تقریظ

بقلم العلامة الفهامة الفاضل القمقام
مولینا و بالفضل اولینا المفتی عبد الغنی الازہری الشافعی
رئیس جمعیة علماء الاسلام جاموں و کشمیر

الحمد لله وکفیٰ و سلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ۔ اَمَّا بَعْدُ:
فقد روی الامام البخاری الشافعی عطر الله مرقدہٗ فی صحیحہٖ تحت باب العلم عن أبی هریرةؓ قال حفظتُ من رسولِ الله علیہ الصلاۃ والسلام وَعَائَیْن فامّا احدهما فبثثتہٗ و امّا الاٰخر فلو بثثتہٗ قُطع ھٰذا البلعوم قال ابوعبدالله (الامام البخاری) البلعوم مجری الطعام۔

علمنا من ھٰذا الحدیث النبویؐ ما ھو حدٌ نهائیٌ لمقام الاحسان الذی ھو موضوع التصوّف والسلوك والذی یؤیّدہٗ قول محبوب العالم الشیخ حمزة رحمة الله علیه لمسترشدہ الخاص شیخ الاسلام العلامة الخاکی ناظم الورد المریدین " إنّ مقاماتی واحوالی و تطوّراتی هی اکثر وأرفع ممّا جمعتهافی الکتاب "۔ وهی تسمّی شطحیات فی اصطلاح العلم۔ کما ثبت من ھٰذا الحدیث الشریف أنّ علمَ التصوّف لہٗ قسمان قسمٌ یفیدُ إشاعتُہ الدینَ وقسمٌ هوکلمةٌ حال لایسع فیه مقالٌ۔ وامّا قصیدة "وِرد المریدینَ" و شرحها "دستور السالکین" یوضحان القسمَ الاول من التصوف ولھٰذا نؤیّدُ مثل ھٰذہ الکتب ونقدّرها التی تکون مضامینها حاملة علیٰ ھٰذا القسم وتکون مفیدة للاسلام والمسلمین۔

أُقدّر سماحة الشیخ العلامة مولینا البخاری لما قام علیٰ تعریب قصیدة ورد المریدین وشرحها و فاز فی إنجازہ۔ وقد خدم به علم التّصوّف والسلوك کما خدم به الادب العربی الاسلامی، جزاہ الله خیرًا۔ رجاءً أن سیکون ھٰذا الکتاب مفیدًا جدًّا للاسلام والمسلمین ؞

—— المفتی عبد الغنی الازهری ——

تأثرات

میرواعظ کشمیر جناب مولینا محمد یٰسین صاحب ہمدانی
سرپرست جمعیتِ ہمدانیہ جموں و کشمیر

جناب محترم مولینا سید محمد قاسم صاحب بخاری طال عمرہٗ نے وِردالمریدین کا عربی ترجمہ بعنوان تاج العارفین تصنیف کیا ہے جس کے مطالعہ سے میں ذاتی طور بہت متاثر ہوا ہوں۔ بلاشبہ یہ جناب بخاری صاحب کے جذبۂ عقیدت اور علمی قابلیت کا بہترین نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ جناب موصوف کو اس دینی خدمت اور محنت کے لئے جزائے خیر عطا فرمائے اور قارئینِ کرام کو اس گرانقدر علمی شہپارہ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

خادمِ ملت : مولوی محمد یٰسین ہمدانی

تأثرات

جناب مولینا سیّد احمد سعید صاحب نقشبندی
امامِ حی و خطیبِ مسجدِ جامع سرینگر کشمیر

اولیاءِ کرام نے کرۂ ارض کے جس حصے میں تشریف فرما ہوئے وہاں اسلامی تعلیمات اور روحانیت کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیتے رہے۔ سلطان العارفین شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے کشمیر میں روحانی علمی اور اخلاقی تعلیم و تربیت سے جو فیض کشمیری مسلمانوں کو بخشا ہے وہ تا ابد جاری و ساری رہیگا۔ انکی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ و قرآنِ مجید کی عملی تصویر ہے۔ انکے اوصاف و کمالات و عظمت اور محنت حضرت بابا داؤد خاکی نے وِردالمریدین میں واضح کی ہے۔ میرے محترم استاد مولینا سید محمد قاسم صاحب بخاری نے وِردالمریدین کے دو حصے منظوم عربی میں لکھ کر قابلِ قدر اور لائقِ تحسین خدمت انجام دی ہے۔ دعا ہے خداوند کریم قارئینِ کرام اور حقیقت و معرفت کے طالبوں کو اس کتاب سے استفادہ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

احقر : احمد سعید نقشبندی عفی عنہ

تقریظ

از حضرت مولینا مفتی غلام حسن صاحب دسوپوری مفتی اعظم و رکن انجمن تبلیغ الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین آلہٖ اجمعین

اما بعد . کتب تصوف کو اسلامیات میں منفرد مقام حاصل ہے کیونکہ تصوف جوہر اسلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں علماء اسلام و مشائخ سلاسل نے ارباب محسنین کے حالات و ملفوظات منفرد اسلوب میں قلمبند فرمائے ہیں۔ اس بات سے اس حقیقت کی عکاسی ہوتی ہے کہ قرآن و حدیث کے سمجھنے میں علماء ربانیین اور علماء ظواہر کے مابین نمایاں فرق ہے۔ فی زماننا حضرت مفسر قرآن مولینا عبدالماجد دریابادیؒ اور ان کے معاصرین نے حضرت تھانویؒ و دیگر پیشوایان علم تصوف کے ملفوظات محفوظ کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اور ان کتابوں میں ملفوظات حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی علیہ الرحمۃ کو ایک امتیازی شان حاصل ہے حالانکہ علامہ دریابادی اور ان کے معاصر علماء مولینا سید علی میاں ندوی، مولینا منظور نعمانی وغیرہم کے دبدبۂ علمی اور روشن خیالی کا کون منکر ہو سکتا ہے۔

بہرحال ان تمہیدی سطور کو مدنظر رکھ کر آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے افہام و تفہیم کے لئے کتب اولیاء عظام کے مطالعہ کی کتنی ضرورت ہے، خاصکر موجودہ دور میں جب کہ فرمان حضرت سید مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم لا یبقی من الاسلام الا رسمہ کے مشاہدہ حقیقت سے ہماری آنکھیں دوچار ہو رہی ہیں۔

یہ مسرت کا مقام ہے کہ اس گئے گذرے دور میں بھی علماء کرام کا ایک مخصوص طبقہ جنہوں نے ماضی قریب کے اکابرین امت کو نہ صرف دیکھا ہے بلکہ ان سے بھرپور استفادہ کیا ہے کتب تصوف کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ ان ہی علماء بلند پایہ میں ہماری وادی کے سرکردہ عالم دین امیر شریعت علامہ سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری بھی شامل ہیں جنہوں نے کشمیر بولنے کے محسن اعظم حضرت محبوب العالمؒ کے خلیفہ برحق شیخ الاسلام علامہ خاکیؒ کی تصنیف لطیف وِردُ المریدین کو نہ صرف عربی زبان کے قالب میں ڈالا بلکہ شرح و مطالب میں دو مجلد کتابیں تصنیف کیں اور ہم کو پھر ایک دفعہ عہد ماضی کی جانب متوجہ کیا۔

تاکہ ہم سمجھیں ہم کیا تھے اور آج کل ہماری حالت کیا ہے۔

خوشی کا مقام ہے آج حضرت علامہ خاکیؒ کے عرسِ مبارک کے روز تاج العارفین یعنی تعریب وردُ المریدین کے متعلق یہ چند سطور لکھ کر مولینا کے اس تاریخی کارنامہ کو سراہتا ہوا اور غالباً آج ہی حضرت شیخ الحدیث امام العصر علامہ انور شاہ صاحبؒ کشمیری دیوبندی کا یوم وصال بھی ہے جن کے متعلق استاذی المکرم علامہ سید میرک شاہ صاحب اندرابی ثم لاہوری نے فرمایا کہ جب آپنے حضرت محبوب العالمؒ کے روضۂ مبارک پر حاضری دی تو آستانۂ عالیہ کی سیڑھیوں کے نیچے ہوتے اُتارے، جب استفسار کیا گیا تو جواب فرمایا: دَعْنِي عَلَى حَالِي هٰذَا مَقَامُ الشُّهُودِ۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر حال میں ان بلند پایہ اکابر دین کے نقشِ قدم پر چل کر اشاعتِ دینِ اسلام کا فریضہ انجام دیں تاکہ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ کے بلند پایہ مصداق بن کر آبروئے دارین حاصل کریں۔ والسلام۔

۲، ماہ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ　　کتبہٗ : مفتی غلام حسن

تقریظ

از جناب خواجہ غلام حسن صاحب بانڈے۔ متولی وسجادہ نشین درگاہِ عالیہ حضرت بل سرینگر

عالمِ اسلام کے بلند پایہ فلسفی وصوفی شاعر مولینا رومؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

علم را بر تن زنی مارے بود ٭ علم را بر دل زنی یارے بود

اُمتِ اسلامیہ کا وہ طبقہ جنہیں اولیاء کرام کے نام سے پکارا جاتا ہے ہمیشہ مولای روم کے اس نظریہ کے مُبلّغ رہ چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ان کی زندگی میں انقلاب بپا ہوا بلکہ انکے وابستگان کی حالت اس حد تک متغیر ہوئی کہ ان کے واقعات اُمت کی رہنمائی کے واسطے ضربُ المثل بن گئے۔ انہی نفوسِ قدسیہ میں علامہ خاکی بھی شامل ہیں جنھوں نے خود اپنے تجربات وِرد المریدین اور اسکی شرح دستور السالکین میں قلمبند کئے ہیں جن کو پڑھ کر علامہ اقبال کا یہ شعر بے ساختہ ہماری زبان پر آتا ہے ؎ ستر دین ما خبر و ما نظر اودرونِ خانہ ما بیرونِ در ۔ حضرت قبلہ مولینا سید محمد قاسم شاہ بخاری نے جس انداز میں قصیدۂ مذکورہ کو عربی زبان میں منتقل کرکے اسکی شرح لکھی ماشاء اللہ یہ کارنامہ ہمیشہ یاد کیا جائے گا اور مجھے امید ہے کہ بارگاہِ نبویؐ اور بارگاہِ سلطانیؒ میں ضرور مقبول ہوگی۔　　خادم درگاہ نبویؐ : غلام حسن بانڈے

تقریظ

از فاضل نبیل جناب مولینا میر سیّد غلام احمد قادری منطقی سجّادہ نشین درگاہِ عالیہ غوثیہ رہ باباصاحب عالی کدل سرینگر کشمیر

الحمد للہ النّافع بالقراٰن لاھل الایمان والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمدٍ خیر الخلائق من بنی عدنان وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وعلماء شریعتہٖ واولیاء طریقتہٖ اھل العلم والعرفان۔ امّا بعد

اَفَلَتْ شُمُوسُ الاَوّلِینَ وَشَمْسُنَا ❊ اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ العُلیٰ لاَ تَغْرُبُ

قرآنِ پاک میں اہلِ ایمان کی علامت اور انکی سب سے بڑی فضیلت وخاصیّت محبّتِ الٰہی کو قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری ہے والّذین اٰمنوا اَشَدُّ حُبًّا للہ۔ اسی لئے حضرتِ خاتم النّبیّین صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم تعلیمِ امّت کے لئے ہمیشہ دُعا فرمایا کرتے تھے اللّٰھمّ اجعل حُبّکَ احبَّ اِلیَّ من نفسی واھلی ومن الماء البارد لیکن محبتِ الٰہی کا یہ تصوّر اُس وقت تک نامکمّل ہے جب تک قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتّبعونی یحببکم اللہ کا حکمِ الٰہی حضرت شارع علیہ السلام کے مندرجہ ذیل فرمودا عالیہ لایومن احدکم حتّیٰ اکون احبّ الیہ من والدہٖ وولدہٖ والنّاس اجمعین اور لایومن احدکم حتّیٰ یکون ھواہ تبعًا لما جئتُ بہٖ کی روشنی میں بجانہ لایا جائے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اہلِ ایمان کے جس گروہ یعنی صحابۂ کرام نے السابقون الاوّلون کا درجہ حاصل کر کے جب ربّانی معیار پر اپنے آپ کو دولتِ ایمان سے منوّر فرمایا تو نہ صرف انکی زندگی میں روحانیت کا انقلاب بپا ہوا بلکہ تمام کائنات کو انھوں نے تسخیر فرمایا اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی بشارتِ ربّانی سے مشرف ہوئے۔

چنانچہ دورِ خلفاءِ راشدین کے اختتام پر جب حضرت نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کی پیشین گوئی جو آپ نے حدیث افتراقِ امّت میں کی تھی امّتِ مرحومہ کی کشتی اختلافات کے بھنور میں پھنس گئی تو اس امت کے مسلمِ اوّل جناب حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نے اپنے معاصرینِ قدیم کو، کوفہ کی جامع مسجد میں لقد

رأیتُ اصحابَ محمّدٍ صلی اللہ علیہ وسلّم فما أری احدًا یشبہھم منکم ...... أینَ القومُ الّذینَ دعوا الی الاسلام فقبلوہ وقرأ القرآنَ فاحکموا کے الفاظ میں یاد کیا۔

جناب امیرؓ کے دورِ مقدّس کے بعد جب پورے عالمِ اسلام کو اختلافات کی آگ نے اپنے لپیٹ میں لیا جس کے نتیجے میں مختلف فرقوں کا ظہور ہوا امّت کا شیرازہ بکھر گیا اور دنیائے عرب جو قرآن کے پہلے مخاطب تھے نے دین اور علوم دین کو پسِ پُشت ڈالا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے فرمانِ مقدّس کے تحت اللہ تعالیٰ نے اہلِ عجم اسلام کی حفاظت، سربلندی، امداد و اعانت اور نصرت کے لئے منتخب کیا جیسا کہ سورۂ محمّدؐ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں وعدہ کیا تھا: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا اَمْثَالَکُمْ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس کی تفسیر میں فرمایا تھا لوکان الایمانُ معلّقًا بالثّریا لتناولہ رجالٌ من ابناء الفارس۔

افتراق کی جنگ، علوم کی کثرت، سیاسی و دینی نظریات کے زبردست ٹکراؤ اور مختلف فرقوں کے ظہور کے بعد فرقۂ ناجیہ کی پہچان بس مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کی کسوٹی رہ گئی ورنہ قرآن سب کے ہاتھ میں تھا۔ فرقۂ ناجیہ سے وابستہ جن علماءِ کرام و اولیاءِ عظام نے ان حالات میں اسلام کی تابناک مستقبل کے لئے جدوجہد شروع کی اُن کا راستہ ہی معیارِ حق ٹھہرا۔ یہ کوئی خوش فہمی نہیں بلکہ حضرت رئیس الفقہاء والمحدّثین امام مولینا الشیخ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ الاکبر کے مقدمہ میں حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرّحمۃ کے اس اعترافِ حق کہ لقد تأمّلتُ الطرقَ الکلامیۃَ والمناھجَ الفلسفیۃَ فما رأیتُہا تشفی علیلا ولا تروی غلیلا ورأیتُ أقربَ الطُّرقِ طریقَ القرآن کے بعد فرقۂ ناجیہ یعنی اہلِ سنّت والجماعۃ کا مفصّل تذکرہ قلمبند کر کے لکھتے ہیں:

وھٰذہٖ کانت طریقۃَ السابقین الاوّلین وھی طریقۃُ التابعین ومن بعدھم من الائمّۃ المجتھدین واکابر المفسّرین واعاظم المحدّثین وعُمدۃ الصوفیۃ المتقدمین کداؤد الطائی والمحاسبی والسّری السقطی والمعروف الکرخی وجُنید البغدادی والمتأخّرین کابی النجیب السھروردی والشیخ عبد القادر الجیلانی وصاحب العوارف والمعارف وابی القاسم القشیری۔

چنانچہ ان اصحاب کی یہ جدّوجہد بارآور ثابت ہوئی اور ہم آج دنیا کے کونے کونے میں اسلام کے گہرے و پائدار نقوش کا مشاہدہ کرتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے کبھی بھی اور کسی مسئلہ میں خواہشاتِ نفس کی پیروی نہیں کی بلکہ محبّتِ الٰہی کا اثر ان کی حیاتِ مقدّسہ پر محیط و سایہ فگن رہا۔ حضرت سیّد علی ھجویری المعروف "داتا گنج بخشؒ" فرماتے ہیں: "چون بندہ عالم بود کہ خداوند بدو ناظر است کاری نکند کہ از و شرم دارد بقیامت" (کشف المحجوب)

حضرت سیدنا امام عبداللہ بن مبارک کے طنطنہ و دبدبۂ علمی و جوشِ جہاد فی سبیل اللہ، حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا وہ اعلاءِ کلمۃ اللہ جس سے بادشاہوں کے ایوان لرزتے تھے۔ حضرت شیخ کبریٰ رضی اللہ عنہ کا جذبۂ شہادت، حضرت نقشبند شکگش رضی اللہ عنہ کا حریص علی السنۃ النبوی، حضرت پیر ہجویری، خواجۂ چشت اور جناب حضرت شاہ ہمدان رضی اللہ عنہم کی سیاحت برائے اشاعتِ اسلام، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور مجدد الف ثانی جناب حضرت شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہم کے علوم و معارف سے پُر تصنیفی و تجدیدی کارنامے میں سے نہ صرف اقوامِ عالم کی کایا پلٹ گئی، بلکہ باطل قوتوں کے خیمے اکھڑ گئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ کے خلفاء کے کارناموں سے عالمِ اسلام میں جو انقلاب برپا ہوا اسکی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ برِ صغیر کا خطہ اس معاملہ میں خوش قسمت ہے کہ آپ کا فیض براہِ راست یہاں پہنچ گیا چنانچہ خود فرماتے تھے:

خلفائی فی الہند کثیرۃ یعنی ہندوستان (مراد پورا برِ صغیر ہے) میں میرے کافی خلفاء ہیں خطۂ کشمیر جس بلند پایہ ولی کامل نے اسلام کا جھنڈا لہرایا اور آناً فاناً بودھ سلطنت کو صرف ایک دن میں اسلامی سلطنت میں بدل ڈالا وہ صرف دو واسطوں سے آپکے مرید تھے یعنی حضرت سید عبدالرحمان بلبل شاہ صاحب ترکستانی سہروردی رضی اللہ عنہ جن کے تبلیغی کارنامے یوم القیامت تک جریدۂ عالم میں ثبت رہیں گے۔ ان کے بعد حضرت سیدنا امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رضی اللہ عنہ اور حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری سہروردی رضی اللہ عنہ وارد کشمیر ہوئے اور یہاں کے ظلمت کدہ میں روشنی کے چراغ جلائے۔ سلسلۂ سہروردیہ کے ان اولیاءِ کرام میں وہ بلند پایہ ہستی بھی سرِ فہرست ہے جو نہ صرف طریقت کے امام بلکہ مجددِ دین وقت تھے یعنی حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ کشمیری قدس اللہ سرہ

زباں پر بارِ الٰہا یہ کس کا نام آیا ۔ کہ میری نطق نے بوسے میری زبان کے لئے

آپ کے حالات و مقامات احوال و خدمتِ دین و اشاعتِ اسلام خصائص و فضائل پر اگرچہ آپکے خلفاءِ کرام نے کئی کتابیں تصنیف کیں لیکن ان میں دو تصنیف دستور السالکین تصنیف حضرت شیخ الاسلام مخدوم بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ کو اولیت حاصل ہے کیونکہ آپ حضرت کے اولین خلفاء میں تھے چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

اوّل این افقر مریدش از مبارک ذاتِ او ۔ دیدہ انواعِ کرامت دائماً اشکر شدہ است

تب سے اب تک ہر دور میں یہ کتاب اہلسنت والجماعت کے لئے بمنزلہ حصن حصین تسلیم کی گئی۔ کیونکہ عقائد کی پختگی کے سلسلہ میں یہ مضبوط و محکم قلعہ شریعت و طریقت کی روشنی میں تعمیر ہوا ہے ؎

شعر من اندر بیانِ اصل و فرع و شرح شد ۔ زانکہ من راضی خدا و روحِ پیغمبر شدہ است

اور علامہ خاکی قدس سرہٗ کو یہ قصیدۂ مبارک لکھنے پر اسی طرح بشارت سے نوازا گیا تھا جس طرح حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازے گئے تھے۔

گویا ایک طرح اس معاملہ میں سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پوری ہوگئی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

فی زماننا حضرت الاستاذ قبلہ امیر شریعت علامہ مولینا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری مدّ اللہ ظلہ العالی نے قصیدۂ مذکورہ کو عربی زبان میں منتقل کر کے اور پھر اُردو میں اس کی عمدہ شرح (دستور السالکین کے مطابق) بعض ضروری ترمیمات و اضافات کے ساتھ تحریر فرما کر نہ صرف معترضینِ تصوّف بلکہ اُن دریدہ دہنوں کے دانت کھٹے کئے جنہوں نے قصیدۂ شریف کو نشانۂ تنقید بنانے سے کبھی گریز نہیں کیا اور اس طرح ایک شاندار علمی کارنامہ انجام دیا۔

حضرت مولینا بخاری صاحب کے خاندانِ عالیشان کے ساتھ ہمارے روحانی و علمی روابط بہت قدیم ہیں۔ چنانچہ تذکرۃ الجلیلہ اور برہانِ قاطع پر جدِ امجد حضرت میر سید حسین قادری المنطقی صاحبِ مواہب السادات* کے تقاریظ و تصدیقات ثبت ہیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اُن ہی بزرگوں کے احفاد کے سایۂ شفقت میں مولینا بخاری صاحب نے (ہندوستان سے واپس آکر) اپنی علمی۔ روحانی، تدریسی، تنظیمی، سیاسی اور تصنیفی زندگی کا آغاز کیا۔ میرے عمّ بزرگوار جناب حضرت میر سید محمد فاضل قادری المنطقی سابق صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر کے دورِ صدارت میں اُن کے دولت خانہ پر جب مدینۃ العلوم کی بنیاد ڈالی گئی تو مولینا صاحب اس کے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے اور موصوف کی سرپرستی میں ہی آپکا پہلا علمی رسالہ تحفۃ المدینۃ شائع ہوا اور انہوں نے ہی آپ کو ابو المعالی کی کنیت سے نوازا تھا۔ حضرت والد ماجد مُرشدی جناب سید میر عبداللہ شاہ صاحب قادری منطقی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپکے روابط کی داستان طویل ہے جس کا تذکرہ اِن شاء اللہ آپ خود اپنی سرگذشت میں تحریر فرمائیں گے۔ چنانچہ ان ہی کے ارشاد پر میں نے درسًا آپ سے ذخیرۃ الملوک اور دستور السالکین سبقًا سبقًا پڑھی۔ بہرکیف وہ ایک علمی دَور تھا اور ان دنوں میں آپ سے اورینٹل کالج انجمن نصرۃ الاسلام میں اکتسابِ علوم کر رہا تھا۔ زمانہ نے کروٹ لی اور دفعتًا وہ دَور ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔

اُسی زمانہ میں آپ میرے کہنے پر حضرت مولینا سید محمود الطرازی المدنی سابق شیخ مسجدِ حرام سے

* فتوحاتِ قادریہ اور لائق فرزند دلبند حضرت علامہ میر محمد قاسم منطقی قادری صاحب

بیعت ہوئے۔ مولینا نے بعد میں سفرِ حرمین اختیار کیا۔ سنّتِ یوسفی کے متبع ہوئے۔ حنفیہ دار العلوم کی بنیاد ڈالی، انجمن کی صدارت سنبھالی تصنیفی اور تبلیغی میدان میں جادہ پیمائی کی اور بحمد اللہ اسی جذبہ و شوق کے ساتھ اسوقت پیرانہ سالی میں منزل کی جانب گامزن ہیں۔

باقی تاج العارفین کے متعلق میں نے کچھ بھی نہیں لکھا کیونکہ "عطر آنست خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" اور پھر ماشاء اللہ حضرت مولینا کا طرز تالیف و تصنیف "حاجتِ مشاطہ نیست روی دل آرام را"۔

آخر پر قارئینِ کرام سے ملتمس ہوں کہ کتاب سے بھرپور استفادہ کریں۔ اہلِ علم حضرات کتاب میں علمی نکات ہی دیکھیں گے جبکہ اربابِ سلوک پر کتاب پڑھتے وقت یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ :-

فقیہاں دفترے را می پرستند ✽ حرم جویان درے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد ✽ کہ یاران دیگرے را می پرستند

خاکسار : غلام احمد قادری عفی عنہ

تاثرات

از جناب الحاج مولوی محمد سعید الدین صاحب۔ صدر انجمن تبلیغ الاسلام زون اوڑی بارہمولہ

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ :

عربی زبان کا مقولہ ہے کلام الملوک ملوک الکلام تو آئیے اس مقولہ کی روشنی میں اقلیمِ سخن کے تاجدار حضرت علامہ خاکی رح کی تصانیف لطیفہ وِرد المریدین اور اسکی شرح دستور السالکین کا مطالعہ کیجئے جو آپ نے اپنے پیر روشن ضمیر قیوم العالم حضرت شیخ حمزہ کشمیری رح کی مدح و مقامات میں تصنیف کی ہیں اور اسی آڑ میں اپنے پیر برحق کے نائب کی حیثیت سے بطور افصح منّی لسانًا انکے ارشادات اور دینِ اسلام کی خدمات کی تشہیر کے فریضے کی انجام دہی میں کماحقہ خدمت انجام دی ہے۔ فی زماننا حضرت استاذِ مکرم قبلہ مولینا بخاری صاحب نے بطور تحدیثِ نعمت اسکو عربی زبان میں منتقل کر کے آیندہ نسل کے لئے رشد و ہدایت کے خطوط متعین کئے۔ کیونکہ ذخیرہ مذکورہ فارسی زبان میں تھا اور آجکل کے نوجوان کے لئے اس سے استفادہ کرنا ممکن نہ تھا جبکہ عربی زبان کا مستقبل یہاں روشن نظر آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولینا کو جزائے نیک دے جنہوں نے اس پیرانہ سالی میں یہ کام انجام دے کر نامساعد حالات میں شاندار علمی کارنامہ مرتب کیا۔ جزاہ اللہ +

الفقیر الحقیر : محمد سعید الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اِنَّ فِی ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ (القرآن)

ارمغانِ عقیدت

جناب مولینا الفاضل سیّد غلام احمد کاملی

صدر جمعیّتِ تبلیغ الاسلام سرینگر کشمیر

تاجُ العارفین : قصیدۂ وِردُ المریدین اور دستورُ السالکین کے کئی فارسی و اردو تراجم دیکھنے میں آئے ہیں مگر عربی میں اس کا کوئی ترجمہ آج تک نہ ہوا ہے حالانکہ عربی اُمّتِ مسلمہ کی واحد بینُ المِلّی زبان اور وحدتِ اُمّت کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ الحمدُ للہ یہ عظیم کارنامہ حضرت الاستاذ علّامہ سیّد محمد قاسم شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم نے تاجُ العارفین کے نام سے انجام دیا ہے۔ تاج العارفین وِردُ المریدین کا منظوم عربی ترجمہ ہے۔ یہ سعادت ان ہی کے لئے مختص تھی۔ یہ موصوف کی علمی کاوش، ندرتِ قلم اور اولیاء کرام کے ساتھ بے پناہ عقیدت و محبّت کا ثمرہ ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب تاج العارفین کا دوسرا حصّہ ہے۔ اس کا پہلا حصّہ جمیدالثانی سنہ ۱۴۰۲ھ میں طبع ہوا ہے۔ احقر کو کچھ دن پہلے سطحی طور صرف اس کے چند اوراق دیکھنے کا موقع فراہم ہوا ہے۔ اس منظوم عربی ترجمہ (تاج العارفین) سے یہ بات عیاں ہوئی ہے کہ اسوقت بھی وادئ گلپوش میں کیسے کیسے اساطینِ علم و فن اور اکابرِ فضل و کمال موجود ہیں۔ فاضل مترجم نے منظوم عربی کے علاوہ اس کا اردو ترجمہ اور سیر حاصل تشریح بھی کی ہے اور جا بجا تشریحی اور فٹ نوٹ سے اس کتاب کی افادی حیثیت کو دوبالا کر دیا ہے اور بحث کا کوئی گوشہ تشنۂ تکمیل نہیں رہنے دیا ہے۔

برِ صغیر ہند و پاک میں حضرت خاکیؒ کی اس شہرۂ آفاق تصنیف وِردُ المریدین کا یہ پہلا منظوم عربی ترجمہ ہے۔ اس حیثیت سے عرب دنیا تک اسکو پہنچانے میں علّامہ بخاری صاحب واحد عربی زبان کے ترجمان بن گئے ہیں۔ آج تک میری نظروں سے تصوّف کی کسی منظوم فارسی کتاب کا مکمل اور جامع منظوم عربی ترجمہ نہیں گذرا ہے۔ ویسے بھی کسی کتاب کا ترجمہ کرنا بازیچۂ اطفال نہیں ہے اور تصوف کی فارسی نظم کو عربی لفظ کا جامہ پہنانا اور بھی مشکل ترین امر ہے۔ اسکے لئے وسیع تر معلومات اور علم و فن کی ضرورت

ہے خاصکر اولیاء کاملین کی بخشی بہا تصانیف بے شمار اسرار و رموز، حقائق و معارف اور صوفیانہ اصطلاحات سے مملو ہوتے ہیں جنکو سمجھنے اور ترجمہ کرنے کے لئے علم کے علاوہ روحانی بصیرت کا ہونا لازمی ہے۔ تاجُ العارفین میں ان تمام امور کا مظاہرہ ہوا ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ ارضِ کشمیر کے اولیاء کرام سے متعلق عربی طلباء کے علاوہ عربی ممالک کے رہنے والے روشناس ہونگے۔

یقیناً یہ کتاب لکھنے کا حق علاّمہ مولینا بخاری صاحب کو حاصل ہے، وہ اس کے ہر لحاظ سے اہل ہیں۔ اس سے قبل ان کے رشحاتِ قلم سے متعدد گرانقدر تصنیفات، رسائل نکلکر شائع اور مقبول ہو چکے ہیں۔ آپ کے زیرِ ادارت ماہنامہ التبلیغ، پندرہ روزہ حنفی اور فی الوقت ماہنامہ الاعتقاد نکل رہا ہے، حضرت موصوف اس کے مدیرِ اعلیٰ ہیں۔

مولینا بخاری صاحب ایک معروف دینی تنظیم انجمن تبلیغ الاسلام کے سربراہ اور حنفیہ عربی کالج (نور باغ) کے مہتمم بھی ہیں۔ عرصۂ دراز سے آپ انفرادی و اجتماعی صورت میں علمی، اسلامی، اخلاقی، سماجی اور روحانی وغیرہ خدمات انجام دیتے چلے آئے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی برقرار ہے۔

تاج العارفین ان کی تصنیفات میں ایک اہم اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔ امید ہے کہ عامۃ المسلمین، علماء کرام، ادبی، اسلامی اور صوفی حلقے ان کی اس علمی و روحانی کاوش کو ضرور پسند فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو مشکور اور ان کی عمر اور وقت میں برکت عطا فرمائے تاکہ وہ اور بھی دینی خدمات انجام دے سکیں گے۔

"من آنم کہ من دانم" کے مصداق تاج العارفین جیسی شاہکار کتاب سے متعلق کچھ لکھنا محض تعمیلِ حکم اور عامیانہ فرسائی ہے ؎

خاکِ پائے اولیاء

سیّد غلام احمد کاملی، سربراہِ جمعیت تبلیغ الاسلام
و مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ تبلیغ الاسلام سرینگر کشمیر
مقام مرزا کامل صاحب حول ——— ۱۵ جولائی ۱۹۹۱ء

تاریخ طباعت تاج العارفین

از: فاضل اجل شاعر بے بدل
جناب پروفیسر عبدالمجید صاحب ساغر (ریبہ۔ مخدومی)

شکر للہ شد مریدان را ہمیں دم بخت یار — مرحبا این کوکب اقبال آمد در کنار
این زمان شادان و خندان طالبانِ حق ہمہ — حاصلِ شان شد مرادِ دل زِ لطفِ کردگار
شادمان دلہا شدند از فضلِ ربُّ العالمین — صد مبارک وقتِ میمون آمدست و نو بہار
این مئی عرفان این دم جابجا ازان شدست — جامِ می گردش کنان و میکشان اندر خمار
ہر ارادت مند بینیم دلِ شگفتہ ہمچو گل — زانکہ آخر نخلِ گل ہم ناگہاں آوردہ بار
آنکہ آں وِردُ المریدین مدحِ آں سلطانِ دین — در جہاں سرمایۂ از شیخ خاکیؒ یادگار
این زماں از خامۂ قاسم بخاری نکتہ سنج — در لباسِ نظمِ عربی یافتہ نقش و نگار
آنکہ او دانائے وقت و عالمِ دینِ متین — آنکہ او در کارِ مذہب در زمانہ مردِ کار
آنکہ نیکو صدرِ آں تبلیغِ اسلام انجمن — آنکہ داد دار العلوم را بنائے پائدار
نامِ این تصنیفِ او شہرت بہ تاجُ العارفین — یافتہ در شہرِ ما اندر فضائے روزگار
شرحِ این ابیات را ہم شکلِ اردو دادہ است — از طفیلِ رائے زرّین ہم ز عقلِ استوار
مختصر از خواندنِ این نسخۂ نو دلپذیر — جان ہا تسکین یابند ہمچناں دلہا قرار

سالِ تاریخ از سرِ آداب گفتا ہاتفی
"تحفۂ پایندہ تاج العارفین" میکن شمار
۱۴۱۲ھ

رباعی

چوں مکمّل گشتہ تاجُ العارفین — پُر ز مدحِ پیرِ ما سلطانِ دین
گفتہ ملہم سالِ انجامش بمن — "بے بہا گنج ہست چہ تاجُ العارفین"
۱۴۱۲ھ

قطعہ

شکر للہ آنکہ الحق جا بجا در ہر زمان
در جہاں پاینده است این عظمتِ دینِ نبیؐ

برملا ایں سالِ تصنیف از فلک پیرِ خرد
گفتہ "تاجُ العارفین دولتِ دینِ نبیؐ"

۱۴۱۲ھ

رُباعی

طالباں را گوہرِ مقصود تاجُ العارفین
سالکاں را چشمۂ مسعود تاجُ العارفین

سالِ تصنیف ملہمِ غیبی بگفت
"داد وہ چہ دولتِ محمود تاجُ العارفین"

۱۴۱۲ھ

تاریخ تاجُ العارفین

نتیجۂ فکر: جناب سیّد غلام رسول صاحب مسرور۔ چولہ گام سنگرگ کشمیر

۱۔ بُد محرّم، چارشنبہ، یازدہ
یک ہزار و چارصد دوازدہ

۲۔ ختم شُد از عونِ ربُّ العالمین
این قصیدۂ خاص تاجُ العارفین

۳۔ مدحِ پیر از خاکیٔ روشنضمیر
در شبِ تاریک چوں بدرِ مُنیر

۴۔ ترجمہ، تفسیر در عربی زبان
از جناب شاہ قاسم خوش بیان

۵۔ یا الٰہی از کرم مسرور کُن
در دو عالم رنج و غم را دُور کُن

تقریظ

بقلم: العالم الالمعی صاحب السماحة میر محمّد طیب کاملی
رئیس الشعبة العربیة والاسلامیات بالکلیة الاسلامیة سرینجر

☆☆

ورد المریدین قصیدة معروفة مشهورة بین اهل العلم والحجی فی الکشمیر، الّفها و أنشدها الشیخ الجلیل، الادیب اللبیب، بابا داؤد خاکی فی کشف احوال شیخه سلطان العارفین شیخ حمزة رینه المخدومی قدس الله سرہ العلی، کان بابا داؤد خاکی محبوبا لہ. فلا یفارق من صحبته فی سفرو لا فی حضر ولا فی خلوة ولا فی جلوة، وکان یشاهد الاحوال السّنیة، ویکشف عنه الحجاب المادیّة عن الحقائق الایمانیة، ویظهرلہ اسرار الملکوتیة فیفهم منها المعانی الدقیقة والرموز الغامضة الدینیّة، ونطلع علیه انوار الرحمانیة بکمال رأفة وشفقة شیخه علیه الرحمة

ثمّ ان الشیخ بابا داؤد خاکی اراد ان یُحرّر ما رأی من الحقائق و الرّموز. وما ادرک من فضیلة شخصیّة شیخه ومرشده من الانوار و البرکات. وما نبع من اعماق قلبه من العقیدة الراسخة. فی حق الشیخ المخدوم. یستفید الناس عمومًا واهلُ السعادة والزکاوة من العُشّاق والزّهاد خصوصًا من مشاهداته ووجدانیاته فانّ النبیّ صلّی الله علیه وسلّم قد قال: "خیرُ الناس من ینفع الناس". فألّف هذه القصیدة وبیّن فیها اصول الطریقة واوضح فیها السلوک و منهاجه وعلّمنا الارتباط بین الشریعة والطریقة کلتاهما من اصل واحد ولکنّ مآلهما مختلفة من الاخر فانّ مآل الشریعة عمومًا هو الفلاح والنجاة فی الدارین. امّا الطریقة فمرجعها ومنتهاها هو وجهُ الله تبارک وتعالی ورضاه من حیث انّهٗ هو الواجب الوجود فلا موجود الّا هو ولا معبود الّا هو ولا مقصود الّا هو۔ هو الاوّل هو الاٰخر هو الظاهر هو الباطن فاصحابُ

الطريقة والسلوك هم السابقون السابقون اولئك المقربون ثلة من الاولين وقليل من الآخرين ولنعم ما تبين ـ الا كل شيئ ما خلا الله باطل ؛ وكل نعيم لا محالة زائل

فصارت هذه القصيدة مشهورة بين الانام وما زالت محبوبة ومقروءة بين الخواص و العوام من ذلك الزمان الى الآن ـ الّفها الشيخ الخاكى فى لغة الفارسية فترجمت فى الهندية نثراً ونظماً على مرّ الزمان ـ

ثم ان اُستاذ الاساتذة الفاضل النحرير السيّد محمّد قاسم البخارى عميدُ الكلية الحنفية ومهتممها حول هذه القصيدة المباركة ـ ونظمها فى اللغة العربية ـ لتتعارف بلادُ العربية من هذه الخزينة الثمينة ـ وتستفيد منها وفق الشوق والاستطاعة ـ ان الاستاذ أوضح رموزها ببيانٍ شافٍ وحلّل المسائل الدقيقة بوضاحة تامة مشتملة على الادلّة الواضحة من النصوص القاطعة ـ اقول قولاً سديداً ان هذه الترجمة نعمة عظيمة لكلّ تلميذٍ لبيبٍ الّذى يتمنّى أن يكون اديباً فى اللغة العربيّة ويصير عالماً فى دقائق الشريعة وبصيراً فى معضلات الطريقة ـ فإنّ الشيخ الاستاذ قد اراد ما اراد من امرٍ عظيم وفاز بفضل الله تعالى فى مراده فى مدة قليلة وهذا من الله له نعمة جليلة ـ وانّ الشيخ مصداق لما قيل ـ

على قدر اهل العزم تأتى العزائم ؛ وتاتى على قدر الكريم المكارم

وتعظم فى عين الصغير صغارها ؛ وتصغر فى عين العظيم العظائم

فلله الحمد حمداً كثيراً على هذه النعمة ان الشيخ الاستاذ موجود بيننا ونحن نستفيد من رشحات قلمه وعلمه وهو على المنهج السديد على نهج المشائخ الصادقين الواصلين وهو استاذى وجوده نا حجة لمسلكنا وعقائدنا فلله الحمد على ذلك ـ

لك الحمد يا من فضله متواتر ؛ ويا من له جود عميم وغامر

محمد طيب كاملى

صدر شعبه عربي واسلاميات

اسلاميه كالج آف سائنس كالون سرى نگر

تقریظ

از جناب فضیلت مآب مولینا مولوی محمد مبارک شاہ صاحب (سوپور) رکن انجمن تبلیغ الاسلام جموں کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

قصیدۂ وِردالمریدین کے متعلق خود صاحبِ قصیدہ علامہ خاکی نے فرمایا ہے ؎

اندریں وقت این چنین شعرِ مبارک کس نگفت ٭ گرچہ از ابنائے جنسم ہر یکے اشعر شدہ است

بس حضرت مصنّف کے اس فنّی تجزیہ کے بعد قصیدۂ شریف کے فنی محاسن کے متعلق ہم اور کچھ کہہ نہیں سکتے ہیں۔ باقی قصیدۂ شریف اور اسکی بلند پایہ شرحِ دستور السالکین عہد آفرین کتابیں ہیں جن میں نہ صرف حضرت سیدنا محبوب العالمؒ اور ان کے شیوخِ کرام و معاصرین کے حالات و واقعات، اصطلاحاتِ تصوّف اور بلند پایہ مضامینِ علم کلام درج ہیں بلکہ اس عہد کے مذہبی، سیاسی حالات کے متعلق بھی جانکاری حاصل ہوتی ہے اور ان دنوں دینِ اسلام کی خدمت کرتے وقت کس طرح ایک مبلغِ دین کو لوہے کے چنے چبانے پڑتے تھے اور واصبر علیٰ ما اصابک ان ذٰلک من عزم الامور کی منزل سے ہمکنار ہونا پڑتا تھا۔ تو آپ صرف تاج العارفین کے جلد دوم (یعنی جلد ہٰذا) کا پہلا شعر پڑھئے:۔ نیست مخفی غور مرتد منافق راچہ الخ تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے محسن حضرت سُلطان العارفین اور انکے خلفاء نے کن حالات میں یہاں اعلاءِ کلمۃ الحق کیا تھا۔ افسوس آں جناب کی محنت کو ہم نے صرف ختمات المعظمات اور چند مناقب پڑھنے تک محدود رکھا مگر پھر بھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آں جناب کے بعد ہر دور میں علماءِ حق نے بقدر استطاعت انکے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری کی۔ ان بلند پایہ علماء کرام میں قبلہ امیر شریعت علامہ بخاری کا رول ہر لحاظ سے قابلِ تحسین ہے کہ اسوقت بڑھاپے میں انجمن تبلیغ الاسلام کی صدارت، تفسیر قرآن، درس و تدریس اور تبلیغ دین کے ساتھ آپ نے تاج العارفین جیسی علمی شاہکار تصنیف کی۔ امید ہے وادی کے اربابِ علم نہ صرف کتاب کو پڑھیں گے بلکہ کتاب کی خریداری کے معاملہ میں بھرپور تعاون کر کے اس شعر کے مصداق ٹھہریں گے ؎

جمالے چند دادم جاں خریدم ٭ بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

خاکسار: محمد مبارک — رکن انجمن تبلیغ الاسلام

تقریظ

از جناب مولینا مولوی غلام احمد صاحب سہروردی
جنرل سکرٹری انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

...... تاج العارفین شرح قصیدۂ وِرد المریدین اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے جس میں استاذی المکرّم حضرت امیر شریعت علّامہ بخاری صاحب نے اپنی خداداد صلاحیت اور قابلیت کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ آپ نے جس فاضلانہ و محقّقانہ انداز میں وِرد المریدین کو عربی کا جامہ پہنایا ہے اس کی مثال ذخیرۂ تصوّف میں بہت کم ملتی ہے۔ بے شک یہ مبارک کتاب نہ صرف مسلمانانِ کشمیر بلکہ مسلمانانِ برِ صغیر اور عرب دنیا کے لئے سُرمۂ بصیرت ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے عرب دُنیا حضرت سیدنا محبوبُ العالم رضی اللہ عنہ کے روحانی کمالات، حالات، واقعات، مقاماتِ عالیہ اور دینی خدمات سے متعارف ہوگی۔

کسی بھی زبان کے مطالب و معانی کو دوسری زبان میں منتقل کرتے وقت کن مشکلات سے واسطہ پڑتا ہے اس سے اہلِ علم بخوبی واقف ہیں بالخصوص ایک منظوم فارسی کتاب کو عربی میں منظوم کرنا کارے دارد والا معاملہ ہے۔ حضرت استاذ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی علوم کا جو ملکہ عطا فرمایا ہے وہ تاج العارفین کی تصنیف سے روشن ہوگیا ہے۔ ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے اور آپ کی زبان اور قلم سے ملّتِ اسلامیہ کو اور زیادہ فیض اور طالبانِ حق کو سرمۂ بصیرت نصیب ہو اور آپ کی اس مبارک و مستحسن سعی کو بارگاہِ ایزدی میں قبولیت کا شرف حاصل ہو۔ آمین!

خاکسار: غلام احمد سہروردی (جنرل سکرٹری انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر)

تقریظ

از جناب پیرزادہ غلام محمد شاہ صاحب۔ مرکزی سکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

...... تاج العارفین محترم مولینا سید محمد قاسم صاحب بخاری کی تصانیف میں سے ایک ایسی معرکۃ الآرا کتاب ہے جو مومنوں کے دلوں کو گرمانے، ان کے ایمان کو تازہ کرنے، یزداد الذین امنوا ایماناً اور انہیں اعمالِ صالحہ کی طرف راغب کرنے کے لئے کافی و شافی ہے۔ ساتھ ہی حضرت سلطان العارفینؒ ایک جامع الکمالات کی شان، عظمت اور رفعتِ مقام کا بخوبی اندازہ لگا کر آپ کے عقیدتمندان فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں "محبوب العالم پیرما"۔ محترم مولینا بخاری صاحب نے جس ہنرمندی سے "وردالمریدین" کے فارسی منظوم اشعار کو عربی منظوم کا جامہ پہنایا ہے وہ قابلِ داد ہے۔ فارسی اشعار اور عربی اشعار کے ترجمے ایک دوسرے سے اس طرح منطبق ہیں کہ کسی بھی لفظ کے ترجمہ میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں رہا ہے۔ یہ محترم مولینا صاحب کے علمی استعداد کا کمال اور بے مثال مظاہرہ ہے۔ اسکے علاوہ چونکہ "وردالمریدین" ایک گنجِ حکمت اور بحرِ اسرار و رموز ہے ساتھ ہی فارسی میں منظوم سمندر کو کوزے میں بند کیا گیا ہے اس لئے عامۃ المسلمین کی سمجھ اور فیض رسانی کے لئے ضروری تھا کہ ساتھ ساتھ ہر شعر کا اردو ترجمہ شرح و بسط کے ساتھ مدلل مگر عام فہم ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ "تاج العارفین" میں یہ ایک غیر معمولی کام بھی ہو چکا ہے جو عامۃ المسلمین کی ایک دیرینہ آرزو رہی ہے جو آج مدتوں بعد پوری ہوئی ہے۔ محترم مولینا صاحب نے اس ضعیف العمری میں "تاج العارفین" جس محنتِ شاقہ اور عرق ریزی سے تیار کی ہے وہ قابلِ داد ہے اور اب تک آپ نے جو درجنوں کتب اور رسالے تصنیف کئے ہیں ان میں سے "تاج العارفین" اپنی نوعیت کی ایک منفرد اور ممتاز تصنیف ہے جو عامۃ المسلمین خصوصاً کشمیری مسلمانوں کے لئے محترم مولینا صاحب کا ایک نادر تحفہ ہوگا اور حقیقت میں یہ کتاب غسلِ مصفیٰ و شفاء لکل داءٍ ہوگی۔

ان شاء اللہ العزیز "وردالمریدین" اور "دستور السالکین" کے ساتھ ساتھ "تاج العارفین" بھی رہتی دنیا تک ایک شہرۂ آفاق تصنیف ثابت ہوگی۔

پیرزادہ غلام محمد شاہ۔ مرکزی سکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر

یکم اگست ۱۹۹۱ء

تقریظ

از جناب غلام حسن صاحب زرگر، ڈسٹرکٹ ناظم تعلیمات انجمن تبلیغ الاسلام۔ اسلام آباد و پلوامہ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین۔ اما بعد: اللہ تعالیٰ کا لامحدود شکر و ثنا ہے کہ آج علامۃ العصر، فخر زمان، سالار کاروان، نقیب الاولیاء، شیخ الحدیث، امیر شریعت و طریقت، مولائی و مرشدی حضرت السید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی کی تاج العارفین کی دوسری جلد منظر عام پر رہروان راہ سلوک کے جانبازوں پر ضیا پاشی فرما رہی ہے جن کو مدت مدید سے اس کا انتظار تھا۔ بحمداللہ اب ان کے دل کی کلی غنچے کی طرح کھل اٹھے گی ؎

نیازارم ز خود ہرگز دلے را ٭ کہ می ترسم درو جائے تو باشد

تاج العارفین کی پہلی جلد جمیدالثانی ۱۴۰۲ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی جو ہاتھوں ہاتھ بک چکی اور آج کل ناپید ہے۔ تاج العارفینؒ، وِردُ المریدین کے ابیات کا عربی منظوم ترجمہ ہے جو مولینا کا علمی شاہکار رہتی دنیا تک یادگار زمانہ کے طور صفحۂ ہستی پر معجزہ بیان رہے گا۔ قصیدۂ وِردُ المریدین مصنفۂ شیخ الاسلام حضرت شیخ بابا داؤد خاکی رحؒ کشمیری کی وہ بلند پایہ فارسی نظم ہے جو آنجنابؒ نے اپنے پیر روشن ضمیر، مجدد زمان، محبوب العالم حضرت شیخ حمزہ مخدومی محبوبی قدس اللہ سرہ کی مدح، احوال، مقامات و کمالات، کرامات، روحانی عروجات اور ارباب سلوک کے حالات و واقعات کے بیان میں لکھا ہے۔ بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ جتنے بڑے عالم تھے اتنے ہی بلند پایہ شاعر بھی تھے لیکن ان کی شاعرانہ صلاحیتیں علم دین اور صوفیانہ خیالات کے لئے وقف تھیں۔ غرض تاج العارفین عربی منظوم کے ساتھ فارسی المتن، عربی تحقیق و تدقیق حل لغات اور بامحاورہ اردو ترجمہ و تشریح کا ایک انمول مجموعہ ہے جو ارباب سلوک کے قلوب و ارواح کو تسکین بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ جملہ مسلمانان عرب و عجم کو مستفید فرمائے اور حضرت مصنف کو دینی خدمات انجام دینے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ٭

ہیچمدان: غلام حسن زرگر (لیکچرار ان پرشین کیموہ کشمیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاجُ العارِفین

تعریب

وِردُ المُرِیدِین

حِصّہ دوم

نیست مخفی غور مُرتدّ مُنافق راچو دید
حاکم کفرِ دلِ او قبلِ ما اظہر شدُ است

غَوَرِ مُرتَدِّ مُنافِقٍ مَتٰی مَا قَدْرَاہ
خُبْثَ کُفرِ قَلبِہٖ مِنْ قَبلِنَا قَدْ اَخبَرَا

ترجمہ:

"آنجنابؒ پر منافق گوری شنکر سادھو کا حال پوشیدہ نہیں رہا بلکہ اس کو دیکھتے ہی ہم سب سے پہلے اس کے کفر اور اس کی باطنی کثافت و گندگی کی خبر دی۔"

التّحقیق:

غورِ مُرتدّ سے مراد گوری شنکر سادھو ایک کافر ہے جس نے مرزا حیدر کے عہد میں مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا اس طرح وہ بظاہر مسلمان ہو گیا اور اہل اسلام نے اسے صوفی صادق نام رکھا چونکہ وہ جوگی تھا اور ریاضتیں کرتا تھا اسلئے بہت سے مسلمان اسکے گرویدہ اور معتقد ہو گئے مگر جب وہ دربارِ محبوبیؒ میں حاضر ہوا تو آن پیر روشن ضمیر نے اُسکو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ

سچے دل سے مسلمان نہیں ہوا ہے بلکہ وہ اب بھی دل میں کفر و خباثت چھپائے ہوئے ہے۔ فرمایا ایسے منافق کو صوفی صادق جیسے مقدس نام سے پکارنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ نام ایک منافق مرتد کے لئے زیبا نہیں۔ عوام مسلمین اس مرتد کے بارے میں حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان سن کر ناخوش ہوتے تھے بلکہ کچھ لوگ غیبت بھی کرتے تھے کہ ایسے نیکوکار نو مسلم کو منافق کہنا مناسب نہیں۔ آخر کار حضرت محبوب العالم کی پیشین گوئی جو آپ نے بذریعہ کشفِ قلب کی تھی حرف بحرف سچی ثابت ہوئی کہ گوری شنکر سادھو نے کھلم کھلا اپنے کافر ہونے کا دوبارہ اعلان کیا اور اپنے چھپائے ہوئے کفر کو ظاہر کیا اور اپنے دھرم کے اصول پر عمل کرتا رہا۔ لوگوں نے یہ حال دیکھا تو حضرت محبوب العالم کی کرامت اور سچے کشفِ باطنی کے معترف اور مداح ہوئے اور آں جناب سے اپنی غیبت پر معذرت خواہ ہوئے۔ (خلاصہ مافی الشرح)

شعر میں سناسی غوری کو بیک وقت مرتد بھی کہا گیا ہے اور منافق بھی۔ جو قابلِ غور ہے کیونکہ اصطلاح میں مرتد وہ شخص ہے جو دینِ اسلام سے پھر جائے اور منحرف ہو جائے۔ زیرِ بحث صورت میں جبکہ سناسی غوری حقیقت میں مومن ہی نہ تھا تو اس کو مرتد کیسے کہا گیا؟ اور بے شک وہ منافق تھا کیونکہ منافق اس کو کہا جاتا ہے جو دل میں کافر ہو اور کسی مصلحت کے پیشِ نظر مسلمان ہونے کا اقرار اور دعویٰ کرے۔ جیساکہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ گوری شنکر سادھو نے مسلمان ہونے کا اقرار و اعلان کیا تھا، عام لوگوں کے اعتقاد میں وہ مسلمان ہو چکا تھا پھر جب اس نے اسلام سے برگشتہ ہو کر کافر ہونے کا اعلان کیا تو عوام کے نزدیک

وہ مرتد ہو گیا کیونکہ انہوں نے پہلے اس کا اسلام تسلیم کیا تھا اور چونکہ وہ دِل میں مسلمان نہیں تھا جس پر صرف حضرت محبوب العالم رح بذریعہ کشف و کرامت مطلع ہوئے لہٰذا اس کو منافق کہنا بالکل دُرست ہے۔ یعنی حضرت ناظم علیہ الرحمۃ نے عوامی اعتقاد اور حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کے کشف و کرامت دونوں باتوں کا خیال فرما کر اس کو منافق اور مُرتد کے لفظوں سے یاد کیا۔ اسی سے یہ مسٔلہ کلامیہ بھی واضح ہوا کہ اولیاء اللہ کا کشف و الہام دوسروں کے لئے حُجّت شرعیہ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال دیکھنا یہ ہے کہ حضرت کتنے نکتہ رَس اور کتنے نکتہ فہم واقع ہوئے ہیں کہ اپنے اشعار میں کیسی باریک باتوں کا خیال رکھتے ہیں۔ رفع اللہ درجتہٗ۔

التحقیق اللغوی: ۱۔ مُرتَدّ: اسم فاعل باب افتعال کا مُحاورہ ہے۔ اِرتَدَّ الشیئَ رد کرنا، واپسی چاہنا — اِلی الصّواب صواب کی جانب لوٹ جانا۔ شیئٌ رَدٌّ ردی چیز۔

۲۔ منافق: نَفَقَ (ن) نَفَاقًا و نَفِقَ (س) نفقًا سے۔ نَفِقَ الشیئُ ختم ہونا، کم کرنا۔ نَافَقَ مُنَافَقَۃً و نِفَاقًا فی دینِہٖ — دل میں کُفر چُھپا کر زبان سے ایمان ظاہر کرنا۔ نَفَقَ البضَاعَۃَ، سامان کو رواج دینا۔ انفق المالَ، مال صَرف کرنا، خرچ کرنا۔

زمانۂ نبوت میں حضرت سید المرسلین صلّے اللہ علیہ وسلّم کو منافقین کا علم بذریعہ وحی ہوتا تھا۔ اب نفاق فی العمل کا علم یقیناً قرائن سے ہو سکتا ہے۔ ہاں نفاق فی الاعتقاد کا علم آسانی سے ممکن نہیں کیونکہ وحی جو حجّت و دلیل ہے، ختم ہو چکی ہے۔

۳۔ کَفَرَ (ن) کَفراً و کُفراً — الشیئَ کسی چیز کو چُھپانا۔ کہتے ہیں کَفَرَ دِرعَہٗ بثوبِہٖ اس نے اپنی زرہ کو اپنے کپڑے سے چُھپایا۔ کفر اللیلُ الشیئَ

علی الشیئ ۔ رات کا کسی چیز کو چھپانا اور ڈھانکنا ۔ کفر الجہل علی علم فلان، جہل کا علم پر غالب آنا ۔ کَفَرَ، اطاعت اور ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا ۔ کَفَّرَ اللّٰہُ لہ الذنب ۔ اللہ نے اسکے گناہوں کو معاف کیا ۔

اسلام میں کفر اُن چیزوں میں سے کسی ایسی چیز کے انکار کرنے کا نام ہے، جس کے متعلق بطور بداہت معلوم ہو کہ اس کا تعلق دینِ اسلام سے ہے ۔ پس جو کسی اسلامی بات کا انکار کرے وہ کافر کہلائے گا ۔

پوری بحث تفسیر و کلام میں ہے ۔ بہرحال کفر چھپانے اور انکارِ حق کا نام ہے ۔ یہ کوئی گالی اور فحش لفظ نہیں جس پر کسی کو اعتراض کرنے کا موقع مل جائے اور کفرانِ نعمت، ناشکری کرنے کو بھی کہتے ہیں ۔

(۴) متیٰ ما میں مَا زائد ہے، جیسا کہ متنبیؔ کے اس شعر میں مَا زائد ہے : ؎

اَنَا صخرۃُ الوادی اِذا مَا زُوحِمتُ ❊ وَ اِذا نطقتُ فَاِنّنی الجوزاءُ

ہمچنین ہر رافضی سُنّی نمائے را چو دید
مُخبر از حالِ دلِ او قبلِ ما اَجہر شداست

اھلُ رفضٍ مثلَ سُنّیّین لمّا ادّعُوا
فبحالِ قلبِھِم مِن قبلِنا قد اَظھرا

ترجمہ : " اسی طرح ہمارے مرشدِ کامل حضرت محبوب العالم رح نے جب رافضیوں کو دیکھا کہ وہ سُنّی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے تو آپ نے اُنکی قلبی کیفیت کی خبر دی کہ یہ لوگ اپنے دعویٰ میں سچے نہیں ہیں ۔"

نوٹ : یہاں اس شعر میں رافضیوں کی مذمت ہے نہ کہ شیعہ مسلمانوں کی بلکہ آج جو شیعہ سُنّی اتحاد کی باتیں کی جاتی ہیں، علامہ خاکی رح نے چار سو سال پہلے اپنے نورِ باطن سے ہمیں اسکی طرف متوجہ کیا تھا چنانچہ فرماتے ہیں ؎ شیعہ و سنی یکے ہستند ـــ الخ (دیکھئے تاج العارفین جلد اصـ)

التشریح : اس شعر میں مرزا حیدر کے زمانہ کے روافض کا ذکر ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ حکومت سے ڈرتے تھے کیونکہ مرزا حیدر کٹر سُنّی تھا، اس نے کچھ روافض کو جلائے وطن اور بعض کو گرفتار کیا۔ اس وجہ سے بہت سے روافض سنّی حکومت کی سختی سے بچنے کے لئے سنّی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرنے لگے۔ چنانچہ وہ حضرت محبوب العالمؒ کے پاس آکر ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرتؒ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ سچے دل سے سنّی نہیں ہیں۔ یہاں سے مایوس ہو کر وہ دوسرے مشائخ کے پاس گئے اور ان کے رسمی مرید ہوئے۔ یہ مشائخ روحانیت میں وہ مقام نہیں رکھتے تھے جو حضرت محبوب العالمؒ کو حاصل تھا۔ آپؒ ان کے بارے میں بار بار فرماتے تھے کہ یہ لوگ منافقین ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے: **اَلْمُوْمِنُ یَرٰی بِنُوْرِ اللّٰہِ** یعنی مومن اشیاءِ عالم کو اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ تو آپ کی نشاندہی کیوں غلط ہو جاتی چنانچہ وقت آنے پر ان لوگوں نے اپنے پکّے رافضی ہونے کا باقاعدہ اعلان کیا۔ لہٰذا اس شعر میں اسی عظیم تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس شعر میں از روئے قواعدِ علمِ بدیع صُنعتِ تلمیح ہے۔

التحقیق اللغوی : (۱) سُنّیین، سُنّی کی جمع، سُنّۃ کی طرف منسوب ہے۔ السُّنّۃ: خصلت، طریقہ، شریعت، چہرہ یا اسکی گولائی۔ سنّۃ کی جمع سُنَن آتی ہے۔ اھلُ السّنۃ وہ لوگ جو حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی بترتیب خلافت کے قائل ہیں اور اس کو صحیح جانتے ہیں۔ السُّنّیّۃ مسلمانوں کی بڑی جماعت۔ حماء مسنون بدبودار کیچڑ

(۲) اِدّعیٰ کا فاعل اھلُ رَفض ہے۔ (۳) فیحالِ قلبھم۔ جمع کی جگہ مفرد واقع ہے۔ دراصل فبا حوالِ قلوبھم تھا۔

(۴) اَظْهَرَ، باب اِفعال کا فعل ماضی ہے اور الف اسکے آخر میں اِشباعی ہے۔ اَظْهَرَ الشیئَ ظاہر کرنا، پیٹھ پیچھے ڈالنا۔ الکتاب، کتاب کو ازبر پڑھنا۔ اَظْهَرَهٗ علیٰ عدوّہٖ کسی کو دشمن پر غالب بنانا۔ اظهرہٗ علی السرِّ کسی کو بھید پر مطلع کرنا۔

روزے اللہ داد بر اَسپ از زدن بیدار کرد
او بفریادش رسید آخر چو در آخور شد است

قَدْ شَکیٰ بِضَرْبِ اللهِ دَادَ یَوْمًا فَرَسُهٗ
لَدَیْهِ فَاَغَاثَ فِی اِصْطَبْلَ لَهٗ غَائِرًا

ترجمہ:۔ ایک روز آنجنابؒ کے مُرید صوفی اللہ داد نے آپ کی سواری کے گھوڑے جودر نامی کی سخت پٹائی کی تو اس نے اسکی شکایت اصطبل میں پیرِ کامل سے کی۔ آپؒ نے اس کی شکایت سُن کر داد رسی فرمائی۔

التشریح: اس شعر میں آنجنابؒ کے تاثیراتِ تجلیاتِ سمیعی سے موصوف ہونے کی طرف اِشارہ ہے کہ ایک روز آپؒ کے آزاد کردہ غلام صوفی اللہ داد نے آپؒ کے گھوڑے کو ناحق پیٹا اور مارا۔ دوسرے دن آنجنابؒ اور فقیر (حضرت خاکیؒ) ملا یوسف کے ہمراہ اِتفاقًا اِصطبل میں داخل ہوئے تو آپؒ نے فرمایا یہ گھوڑا "جودر" مجھ سے شکایت کرتا ہے اور فریاد کرتا ہے کہ صوفی اللہ داد نے اس کو ناحق مارا پیٹا ہے یہ فرما کر آپؒ صوفی اللہ داد کی طرف متوجہ ہوئے کہ بتاؤ کیا یہ گھوڑا سچ کہہ رہا ہے؟ صوفی اللہ داد نے اپنی زیادتی کا اقرار کیا اور آنجنابؒ سے معذرت چاہی اور کہا کہ آئندہ مجھ سے ایسی ظالمانہ حرکت سرزد نہیں ہوگی۔ اسی طرح آنجنابؒ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ یہ خیال مت کرو کہ مکھی کا بھنبنانا بے معنی ہے۔ کیونکہ اسکا بھنبنانا عموماً واقعات کے مطابق ہوتا ہے جس کا تجربہ کیا گیا ہے۔ (خلاصہ مافی الشرح)

حقیر عرض پرداز ہے کہ فارسی شعر میں کچھ تعقید لفظی ہے کیونکہ ظاہری لفظوں سے بغیر تاویل فاعل متعیّن نہیں ہوتا البتہ بعد تاویل شکایت کرنیوالا گھوڑا آسانی سے متعیّن ہو جاتاہے۔ دراصل اس زمانے میں مشائخ کشمیر کو فارسی زبان پر بہت زیادہ عبور تھا خاصکر حضرت خاکیؒ کو۔ اس لئے وہ ہماری طرح اِن معمولی لفظی پھندوں میں نہیں پھنستے تھے۔

(نوٹ: حیوانات کی باتیں سُننا سُنّتِ نبویؐ سے ثابت ہے۔ آنحضرتؐ سے معجزہ کے طور اور اولیاء اللہ سے بطریقِ کرامت و اِتباعِ سُنّت)

اَلتَّحقیق اللغوی:- (۱) فَرَسُہٗ، شکیٰ کا فاعل۔ قرآن مجید میں ہے اِنَّمَا اَشْکُو بَثِّی وَحُزْنِی اِلَی اللّٰہِ کہ میں اپنے غم واندوہ کی شکایت صرف اللہ کی طرف کرتا ہوں۔ یہ اصل میں شکیٰ، یشکو، شکویٰ و شکوًا و شکاۃ و شکاوۃ و شکایۃً و شکیۃً سے ہے۔ شکایت کرنے والے کو شاکی اور جس کی طرف شکایت کی جائے مشکوالیہ اور مُشتکیٰ بھی کہتے ہیں۔ متنبّیؔ کہتا ہے ؎

وَشَکِیَّتِی فَقْدُ السَّقَامِ لِاَنَّہٗ
قَدْ کَانَ لَمَّا کَانَ لِیْ اَعْضَاءُ

(۲) فَاَغَاثَ، غاث غوثًا۔ اَغاثہٗ اِغاثۃً ومغوثۃً مدد کرنا۔

(۳) غَائِرًا یہ یہاں پر غار الشیٔ او القومَ: طلب کرنا اور تلاش کرنا۔ اور الف اس میں اِشباعی ہے۔

اَز سماعِ چنگ و نے کارہ زروئے منعِ شرع
گرچہ ذِکرِ اللہ شنو اَزِ تار و اَزمِزمار شد است

مِنْ سَمَاعِ اللَّھْوِ وَالطُّنبارِ یَنْھٰی لِلشَّرعِ
اِنْ یَکُنْ اِحْدَاھُمَا لِلذِّکْرِ یَسْمَعْ ذَاکِرًا

ترجمہ: شریعتِ مقدسہ کی رعایت سے آپؒ ساز و ستارہ پر گانا سُننا پسند نہیں فرماتے

ہیں۔ ہاں اگر کبھی کبھار آلات سے کچھ سننے کا موقعہ آیا تو ذکر اللہ اور یادِ الٰہی کے سوا کچھ نہیں سنتے۔

التشریح : شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس شعر میں حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کے اعتقاد اور مشرب کا بیان ہے کہ آپ کے اعتقاد میں ساز و سیتارہ سے گانا وغیرہ چیزیں سننا مکروہ اور حرام ہے لیکن اگر کرامت اور خرقِ عادت کے طور پر ان آلات سے ذکرِ الٰہی کی آواز سنائی دیتی تھی تو ایسے اوقات میں چنگ و نے کی آواز سے ذکرِ الٰہی سماع فرماتے تھے۔ مگر شریعت کا اتنا احترام و اہتمام ہوتا تھا کہ اگر ایسے وقت نماز کا وقت پہنچ جاتا تھا تو تجدیدِ وضو کرتے اور فرماتے تھے کہ اگر شریعت کے احترام کی خاطر ان آلاتِ چنگ و رباب کی آواز سن کر نیا غسل بھی کریں تو زیبا اور شایانِ شان ہے اور اگر غسل دوبارہ نہ کیا جائے تو کم از کم چنگ و رباب کی آواز سن کر نیا وضو کر لینا چاہیئے۔ آپؒ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک دن میں نے ہمچو قسم کے آلاتِ چنگ و رباب کو خواب میں دیکھا تو تعبیر میں کہا گیا کہ آیندہ ایسی ہی مکروہ اور غیر مشروع چیزیں پیدا ہونگی لہٰذا اس قسم کے آلات سے گانا سننے والوں کو توبہ اور رجوع الی اللہ کرنا چاہیئے۔

شارحؒ نے اس موقعہ پر ساز و سیتار سے سماع و اَسرار پر طولانی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر صورت میں عوام مسلمین کو ہمچو قسم کے آلاتِ لہو ولعب اور ان کی آوازوں کے سماع سے احتراز و پرہیز کرنا چاہیئے اور بعض بزرگوں کے سماع سے جوازِ سماع پر استدلال کرنا عوام کے لئے درست نہیں کیونکہ جن حضرات سے سماع ثابت ہے انکی پابندیٔ شرع اور احترام احکامِ دین اور پھر وہ قیود جو ان حضرات نے جوازِ سماع کے لئے نکالی ہیں ایسے لوگ اور ان کی شرطیں عصرِ حاضر میں عنقا صفت ہیں۔ پس موجودہ زمانے میں جو نام نہاد اور درویش وضع لوگ چنگ و نے اور سیتارہ بجانے میں ہمہ تن محو رہتے ہیں وہ نہ صرف اپنا وقت ضائع کرتے ہیں بلکہ محرّماتِ شرعیہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ افسوس

ہے کہ جو لوگ قرآن جیسے مٹھاس بھرے اور شہد سے زیادہ شیریں کلام کو طاقِ نسیان پر رکھ کر گانا بجانے میں لگ جائیں تو سمجھ لیجئے کہ شیطان نے ان پر غلبہ پا لیا ہے۔ ایسے لوگ ان اکابر کو جن سے سماع ثابت ہے اپنے اوپر قیاس نہ کریں۔ "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"۔

التحقیق اللغوی: (۱) چنگ و نے : گانے بجانے کے مشہور آلات۔ ستارہ کو طنبور اور الطنبار کہتے ہیں۔ اس کی جمع طنابیر آتی ہے۔ الطنبلۃ شر و فساد کو کہتے ہیں۔ یہ سب آلات ملاہی میں داخل ہیں اس لئے ہم نے اس سے پہلے لفظ اللھو لایا ہے تاکہ سامعینِ کرام پر واضح ہو جائے کہ جو چیز ملاہی میں داخل ہو اس سے دلچسپی رکھنا شرعًا حرام ہے۔ اور جو بعض درویش صاحبان چنگ و نے، باجا اور ستارہ سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کے سماع سے ایک تو نماز سے غافل ہو جاتے ہیں اور پھر قرآنِ کریم کی تلاوت سے بھی حظًا و لذّت نہیں پاتے ہیں، ایسے درویشوں نے علمِ تصوّف اور علمِ طریقت کو بہت نقصان پہنچایا اور جو ظاہری طور ان کو منع کرتے ہیں اور در پردہ ان کے دوست ہیں وہ ان سے بھی زیادہ بدتر اور اسلام کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ لہٰذا صاحبو! ایسے لوگوں پر بھروسہ نہ کیجئے۔ قرآن سب سے بڑی دولت ہے جس کے بارے نبی ﷺ فرمایا "تغنّوا بالقرآن" قرآن خوب آواز نکالکر پڑھو، یا قرآن سے دولت مند بن جاؤ۔ اگر حضرت محبوب العالمؒ کو بھی اتفاقًا ان آلات کی آواز کانوں میں پڑتی تو اس وقت آپؒ ان آلات سے ذکر اللہ ہی سنتے تھے۔ یہ بھی آپ کی کرامت میں داخل ہے۔

(۲) للشّرع : لام علّت کے لئے۔ یا مضاف محذوف مانئے یعنی لاجل الشرع یعنی پاسِ شرع رکھنے کی وجہ سے چنگ و نے ناپسند فرماتے تھے۔

از کمالِ تربیت با خواجہ اسحاقِ حلیم
گشتہ مُلہم مُخبر و مانع ز ما اَضمر شد است

وَقتَ بَیعَةٍ لِاسحَاقَ الحَلِیمِ اُلهِمَا
فَنَهَاهُ عَن حَرَامٍ مُخبِرًا مَا اَضمَرَا

ترجمہ: خواجہ اسحاق حلیم کی بیعت کے وقت آنجناب کو الہام ہوا کہ یہ (خواجہ اسحاق) امرِ حرام کا مرتکب ہوتا ہے تو آپ نے اُسے اس کے ارتکاب سے منع فرمایا اور اُن کو اس بات کی خبر دی جسے وہ چھپانے کی کوشش کرتا تھا۔

التشریح: اس شعر میں خواجہ اسحاق حلیم برادر خواجہ حسن قاری کے مرید ہونے اور بطور کشف و تجلی السّمیع کی تاثیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ناظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہر چند خواجہ اسحاق قاری قرآن خوان اور دیانتدار تھے مگر ایک مجذوب درویش کی غلط صحبت کی وجہ سے بھنگ پینے کے عادی ہوئے تھے۔ پھر وہ آں پیر روشنضمیر کے پاس تربیت حاصل کرنے اور مرید بننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے پہلے حسبِ عادت پیرانِ طریقت کی طرف توجہ فرمائی تو آپ کو بذریعہ الہام معلوم ہوا کہ یہ (خواجہ اسحاق) پوشیدہ طور بھنگ پیتا ہے لہٰذا اس کو فرمایا کہ اگر اس پاک اور مقدّس سلسلۂ عالیہ میں داخل ہونا ہے تو پہلے اس سے توبہ کر لے کہ آئندہ ہمچو قسم کی نشہ آور چیزوں سے پرہیز کر جائے چنانچہ آں پیر پُرنور منیر نے خواجہ اسحاق کو اس بات کی خبر دی تو انہوں نے اپنا قصور مان لیا لیکن جسارت کرتے ہوئے پوچھا کہ حضرت! فلاں درویش بھنگ پینے سے منع نہیں کرتا تو آپ کیوں منع فرماتے ہیں؟ آپؒ نے جواب میں بس اتنا فرمایا کہ میں بھنگ کے استعمال سے بذاتِ خود منع نہیں کرتا بلکہ اس سے

حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جیسا کہ آپؐ کا ارشاد ہے ، کلُّ مُسکرٍ حرامٌ وکلُّ مُسکرٍ خمرٌ کہ "ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور ہر نشہ آور چیز شراب ہے"۔ تو اب اگر ایک درویش نہیں بلکہ لاکھوں درویش بھنگ کو حلال کہیں تو وہ کب حلال اور جائز ہوگا ۔؟

خلاصہ یہ ہے کہ پیر کامل حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ نے خواجہ اسحاق حلیم کی اس شان سے تربیت فرمائی اور ان کو اس کمال تک پہنچایا کہ آپؒ نے ان کو اپنی جماعت کا امام و پیشوا بنایا۔

حضرت شارح سراج الھدایۃ سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ حضرت جلال الدین بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھنگ ۔ ایک خاص گھاس کا نام ہے جسے لوگ نشہ کے لئے کھاتے ، پیتے اور کھانے کی چیزوں کے ساتھ ملا کر استعمال کرتے ہیں. نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ (خلاصہ مافی الشرح)

حقیر کہتا ہے کہ یہ ہے پیرِ کامل حضرت محبوب العالمؒ کا حال اور تقوٰی کہ پہلے خواجہ اسحاق حلیم کو اس سے پرہیز کرنے کی تلقین فرمائی اور تب ان کو اپنے دامنِ تربیت میں لیا۔

دوسری طرف آپ عصرِ حاضر کے بعض اُن پیرانِ طریقت کو دیکھئے کہ جو مخدومی اور خاکی یا داؤدی کہلوانے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں مگر باایں ہمہ انہوں نے حضرت محبوب العالمؒ کی تعلیمات کو ٹکا سا جواب دے رکھا ہے اور ان کے باغات اور زمین بھنگ کی کاشت سے بھرے پڑے ہیں۔ "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"۔

توہی چھوہ وَنان اُسی چھِ خاصے ؛ تنہٖ نو موہ کلونہ ساسہٖ منزٕ اکھ

التحقیق اللغوی : البِیْعَۃ : عہد و پیمان ، کلیسا : گرجا ، یہودیوں کا گرجا ، عبادت خانہ ، جمع بِیَعَات ، بِیَعْ ، بِیْعَات۔

بایعوہ بالخلافۃ و بویع لہٗ بالخلافۃ لوگوں نے اس کی خلافت پر بیعت کی، یعنی لوگوں نے اس کی خلافت کو مان لیا اور تسلیم کیا۔

بَاعَ (ض) بَیعًا و مَبیعًا، فلانًا کتابًا او من فلانٍ کتابًا کسی کو کتاب دیکر قیمت لے لینا، بیچنا یا کسی سے کتاب بے قیمت لینا۔ مُرید کا جو عہد و پیمان اپنے پیر و رہبر سے ہوتا ہے اُسے خرید و فروخت کے ساتھ تشبیہہ دی جاتی ہے کہ گویا مُرید اپنے آپ کو اپنے پیر کے ہاتھ بیچتا ہے، اب مُرید کو اپنا کوئی اختیار اپنے متعلق نہیں رہتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بَیْعَۃ کی کئی قسمیں کی ہیں، ایک تو وہ جو متوارث اور مشہور صوفیہ حضرات کے ہاں ہیں۔ ایک دوسری بَیْعَۃُ التوبۃ من المعاصی پیر سے گناہوں سے بچنے پر بیعت اور عہد و پیمان کرنا۔ بیعۃُ التبرّک فی سِلسِلۃ الصّالحین نیکوں کے زُمرہ میں شامل ہونے کے لئے بیعت کریں تاکہ اس سے برکت حاصل ہو جائے۔ بیعۃ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر پابندی اور اس کے ممنوعات سے بچنے پر۔ اور اس بات پر کہ اپنے دل کا ربط و تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم و دائم رکھے اور اس قسم کی بیعتوں کے وقت مسنون ہے کہ شیخ اپنے مُرید کے سامنے آیت یاایھا الذین آمنوا ابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ الخ اور آیت اِنّ الّذین یُبایعونک اِنّما یُبایعون اللہَ تا اجرًا عظیمًا تک پڑھے۔ اسی طرح اس کے سامنے خطبۂ مسنونہ الحمدُ للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ـــــ وبارک وسلّم تک پڑھے۔ اور ایمانِ مجمل کی تلقین کرے تو مرید سے کہے کہ کہو "آمنتُ باللہِ وبما جاءَ من عندِ اللہِ علیٰ مُرادِ اللہ و آمنتُ برسولِ اللہ وبما جاءَ مِن رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتبرّأتُ من جمیع الادیانِ

سوی الاسلام وجمیع العصیان واَسلمتُ الاٰن واقول اَشهدُ اَن لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَ اَشهدُ اَنّ محمّدًا عبدہٗ ورسُولہ" اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جاہل و نادان پیروں کی طرح بیعت کے وقت بیعت کرنیوالی عورت اپنے پیرومرشد کے ہاتھوں کو نہ چھوئے۔ یہ گناہ ہے بلکہ ایک کپڑا درمیان میں رکھا جائے۔ پیر صاحب کپڑے کے ایک کنارے کو اور بیعت کرنیوالی (عورت) اس کے دوسرے کنارے کو پکڑلے۔ اور ہمارے زمانے میں پیری مریدی کی بیعت مردوں اور عورتوں دونوں کے ساتھ ہاتھ مِلاکر ہوتی ہے۔ جو شریعت کے برخلاف ہے۔

اسی طرح بیعت کی قسموں میں سے بیعة الخلافة ، بیعة الاسلام ، بیعة التمسك ، بیعة الهجرة ، بیعة الجهاد اور بیعة التّمسك فی الجهاد ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی صاحب بیعة کے احکام کی تفصیل چاہتا ہو تو وہ شاہ صاحبؒ کی مستند کتاب "قول الجمیل" کا مطالعہ کرے۔

مُلہَم از احوالِ عالَم گشتہ گاہ اخبار کرد
شُد مجرّب آنکہ واقع عینِ ما اخبر شدست

وَھو مُلھَمٌ باَحوالِ الدُّنا وَمُبصِرًا
بَعدَفِکرۃٍ لبَانَ مَابِہٖ قَدْ اَخبَرَا

ترجمہ :۔ آں پیرِ حقیقت تنویرؒ کو دنیا کے احوال و واقعات کا الہامی طور علم حاصل ہے۔ چنانچہ کبھی کبھی اُن احوال کی آپؒ خبر بھی دیتے ہیں اور

تجربہ کے بعد وہ واقعات وحالات ہوبہو ایسے ہی پیش آئے جیسا کہ آنجناب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

التشریح :۔ علماء نے الہام کے معنی اس طرح کئے ہیں کہ نورِ باطن سے اسبابِ ظاہری اور وسائط کے بغیر عالمِ غیب کی چیزوں کا علم حاصل ہونا حضرت شارح رحمہ اللہ نے الہام کے درست اور جائز ہونے پر آیتِ بلند پایہ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَاءُ کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسکو عالمِ غیب کے عجائب سے نوازتا ہے۔ اور حدیثِ اَلْهَمَنِیْ رَبِّیْ سے بھی استدلال کیا ہے۔ اس کا ترجمہ : "میرے پروردگار نے مجھے الہام ڈالا ہے"۔ حقیقت میں یہ صفت، تجلّیِ الٰہی کی خاصیّتوں میں سے ایک خاصیّت ہے۔ یعنی جب بندہ تقویٰ و پرہیزگاری کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے جو بغیر اتباعِ سنّت ممکن نہیں ہے تو پھر اس کے حواسِ ظاہرہ اور حواسِ باطنہ پر ربّانی تجلّی کا وہ پرتو پڑتا ہے جس کے بارے میں حدیثِ قدسی میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکار بندے کے متعلق فرماتا ہے کہ بِیْ یَسْمَعُ "میرے ہی کانوں سے سُنتا ہے"۔ بِیْ یَبْصُرُ "وہ میری ہی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔" بِیْ یَبْطِشُ "وہ میرے ہی ہاتھوں سے پکڑتا ہے"۔ اِلیٰ آخر الحدیث۔

اسی طرح حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا : اَلْمُؤمِنُ یَرٰی بِنُوْرِ اللّٰهِ کہ "صاحبِ ایمان اللہ جلّ شانہ کے نور سے دیکھتا ہے" یہ حدیث اپنے فن کی کتابوں میں معروف ومشہور ہے۔

شارح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، اسی مقام کو ملحوظ رکھ کر سرتاج اولیاء حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے علماءِ بد باطن اور بے خرد کو فرمایا:

"اَخَذْتُمْ عِلْمَكُمْ مَيِّتًا عَنْ مَيِّتٍ وَاَخَذْنَا الْعِلْمَ عَنِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ۔" کہ تم لوگ خود بھی مردہ ہو اور مُردوں (بے عمل مولویوں) سے ہی تم نے علم حاصل کیا ہے۔ اس لئے تمہارے علم سے بندگانِ خدا کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہم نے براہِ راست اس ذاتِ متعال سے علم حاصل کیا ہے جس کے لیے موت اور فنا محال اور ناممکن ہے۔ اور حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمہ اللہ کا ارشاد ہے؛ کہ "ہم چالیس سال سے عبدیّت و بندگی بجا لا رہے ہیں اور اس دوران ہمارے وجود نے کبھی غلطی نہیں کی"۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اولیاء اللہ نورِ فراست سے اشیاء اور حقائق عالم کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اسی طرح حضرت امام محمد غزالی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف احیاء علوم الدّین میں اسی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں:- اِنَّ اَرْبَابَ الْقُلُوْبِ يُكَاشِفُوْنَ بِاَسْرَارِ الْمَلَكُوْتِ تَارَةً عَلٰى سَبِيْلِ الْالهام بِاَنْ يَّحْضُرَ لَهُمْ عَلٰى سَبِيْلِ الْوُرُوْدِ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ..... الخ یعنی اہلِ دل عالمِ ملکوت کا مکاشفہ کبھی الہام سے اس طرح کرتے ہیں کہ اُن پر واردات کی سی صورت پیش آتی ہے کہ اُن کو بھی ان مکاشفات پر اختیار نہیں ہوتا اور اربابِ قلوب کے رویائے صادقہ سے علم حاصل ہوتا ہے اور کبھی بیداری میں بطریق تمثیل کشف ہو جاتا ہے جو تمام درجات میں اعلیٰ اور اُونچا ہے جیسا کہ فرمایا: خواب نبوت کے چھیالیس جزوں میں سے ایک جزو ہے۔ غرض یہ سب کشف قلبی کی صورتیں ہیں۔

پھر حضرت امام غزالیؒ تاکید کے ساتھ لکھتے ہیں کہ: اے طالبِ حق! تو اپنے فتور اور کم فہمی کے سبب اس مقدس علم (کشفِ قلب) کا انکار نہ کر

کیونکہ اس کے جھٹلانے والے صرف وہ رسوائے عالم لوگ ہیں جنہیں علم نبوت سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ میں کہتا ہوں کہ کشفِ قلب کے جھٹلانے والے صرف وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں کسی واقف کار نے یہ شعر فرمایا ہے :-

جز گفتہ اند بطامات الف لام چند ؛ بدنام کنندۂ نکونامے چند

پھر حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ : جس نے اولیاء اللہ کے کشفِ قلب اور شرح صدر سے انکار کیا اس نے دراصل انبیاءِ کرامؑ کے علوم سے انکار کیا۔

کشفِ قلبی کی متعدد صورتیں ہیں :-

۱۔ کشف کبھی الہام ربّانی سے ہوتا ہے۔

۲۔ کبھی رویاءِ صادقہ یعنی سچے خوابوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔

۳۔ کبھی بیداری میں بطریق تمثیل ہوتا ہے۔

آخری صورت سب سے زیادہ اونچی اور اعلیٰ ہے۔ خاکسار یہ اہم مضمون مصلحتاً ادھورا چھوڑتا ہے کہ کم مایہ ہے۔

اَلتَّحقِيقُ اللُّغوِي : ۱۔ قولہٗ مُلْہَم۔ یہ اَلْهَمَ اللّٰهُ فُلَانًا خیرًا سے مشتق ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر وحی کی توفیق دی سکھلایا، پس یہاں پر مُلہَم سے مراد وہ ہے جس کو کسی امرِ خیر کی تعلیم من جانب اللہ دی جائے، بصیغۂ اسم مفعول ہے۔ یہ اصل میں لَهِمَ (س) لَهْمًا و لِهَمًا الشیئ سے ماخوذ ہے جس کا معنی کسی چیز کو ایک مرتبہ نگل جانا۔ اَلْمَاءَ پانی کا گھونٹ لینا۔ اَللُّهْمَةُ من السویق، مُٹھی بھر ستو۔ قرآن کریم میں آیا ہے، فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا بعض مفسرین نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے : الالهام عبارة عن بيان كيفية استعمالها في النجدين یعنی آیت کا یہ مطلب ہے کہ اعضاء و قویٰ کو خیر و شر میں استعمال کرنے کے طریقے

کو سکھانا. فیہ بحثٌ طویلٌ عریضٌ یُذکر فی مَقامِہٖ۔

۲۔ اَلدُّنْیَا : موجودہ زندگی، اس کی جمع دُنیٰ آتی ہے. نسبت کے لئے دُنیوِی، دُنیاوی اور دُنئی آتا ہے۔ یہ دراصل دَنَا یَدْنُو سے ہے۔ رہا یہ امر کہ دُنیا کی جمع دُنیٰ آتی ہے تو درج ذیل شعر میں ملاحظہ فرمایئے :۔

۵ اَعَزُّ مَکَانٍ فِی الدُّنیٰ سَرْجُ سَابِحٍ
وَخَیْرُ جَلِیْسٍ فِی الزَّمَانِ کِتَابُ

۳۔ مُبْصِرًا : اسم فاعل از اِبْصَار : دیکھنا، حقیقت تک پہنچنا. قرآن مجید میں ہے : لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَیُدْرِکُ الْاَبْصَارَ" مخلوق کی آنکھیں خدا تعالیٰ کو اِدراک نہیں کرسکتی ہیں اور نہ اُس کی کُنہ و حقیقت جان سکتی ہیں، وہ ہر چیز کی حقیقت جانتا ہے. مُبْصِر : دیکھنے والا، حقیقت سمجھنے والا، خبر دینے والا اپنے علم خُداداد سے۔ یہ اصل میں بَصُرَ (ن)، و بَصِرَ بَصَرًا و بَصَارَۃً و بہٖ : کسی چیز کو جاننا، دیکھنا. بَاصَرَ الشَّیْئَ : کسی چیز کو دُور سے جھانک کر دیکھنا. مزید تفصیل اَلْمُنْجِدْ میں دیکھئے۔

۴۔ لَبَانَ : لام تاکید کے لئے ہے. بَانَ یَبِیْنُ بَیَانًا : ظاہر ہونا، فضل و زیادتی میں غالب آنا. بَانَ یَبِیْنُ بَیْنُوْنَۃً : جُدا ہونا. اس سے فقہاء اسلام اَنْتِ بَائِنٌ کا حکم بتاتے ہیں۔

۵۔ تَجْرِبَۃٌ : یہ جَرَّبَہٗ، تَجْرِیْبًا، تَجْرِبَۃً سے ہے : آزمانا، تجربہ کرنا، امتحان لینا. اَجْرَبَ الْقَوْمَ : قوم کے اونٹوں میں کُھجلی کی بیماری پھیل جانا، کُھجلی کی بیماری میں مُبتلا ہونا ۔

مُنبی از تشریف تاثیر تجلّیِ حیات
روزے اندر حالتے لفظے از و مُظہر شد است
وبتاثیرت تجلّی الحیات فضلا
ھکذا یوماً بجذبۃٍ کلاماً اظھرا

ترجمہ: "ایک روز پیر کامل حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ سے وجد و جذبہ کی حالت میں یہ فقرہ زبان مبارک سے صادر ہوا کہ میں تجلّی کی تاثیر سے حیات جاودانی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا ہوں"۔

التشریح: امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ آیت بلند پایہ اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلْکٰفِرِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ ترجمہ: "کیا وہ شخص جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا، اور ہم نے اس کے لئے ایسا نور بنایا جس کی روشنی میں وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کیا وہ شخص ایسے شخص کے مانند و مشابہ ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں مُبتلا ہے اور وہ ان سے چھٹکارا پانے والا بھی نہیں ہے۔؟ اسی طرح کافروں کو اُن کے اگذیرے اعمال خوشنما دکھائی دیتے ہیں"۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ارباب صفا کے نزدیک زندگی کی اصلیت یہ ہے کہ دل کا تعلق ہمیشہ ذکر و فکر اور یادِ الٰہی سے مربوط اور قائم رہے اور اس میں قصور اور فتور نہ آنے پائے، یہی اصل زندگی ہے جس سے مُردگی کے بعد نئی زندگی آجاتی ہے۔ اسی طرح اہلِ ذکر جب مولیٰ کی یاد سے غافل ہو جائیں گے تو وہ زندہ ہو جانے کے بعد مر جاتے ہیں۔ لہٰذا آیتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ معرفت اور عبادت میں

پرورش پائیں گے، اُن کے اور غافل و بے معرفت لوگوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ چونکہ حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر مبارک اللہ تعالیٰ کی معرفت و عبادت اور اس کے دینِ حق کی خدمت اور اتّباعِ سنّت میں گذاری اور غفلت و سستی کو اپنے پاس آنے نہ دیا اس لئے آپ کو حیاتِ جاودانی حاصل ہوگئی اور بعدِ وفات بھی آپ کا قلبِ مبارک معرفت اور اسرارِ الٰہی سے مست و سرشار رہیگا۔ اسی کی طرف آپ نے بے ساختہ مذکورہ بالا شعر کے مفہوم میں فرمایا کہ میں حیاتِ جاودانی پاتے ہیں کامیاب ہو گیا ہوں۔ یعنی میرا بیدار دل معرفتِ الٰہی سے لبریز ہونے کے سبب بعد وفات بھی اپنے معبودِ حقیقی کی یاد میں غرقِ معرفت اور مشاہدہ اسرارِ حق میں زندہ جاوید ہوگا۔

یہ مذکورہ بالا شعر کا مختصر مفہوم ہے جو حضرت بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیرِ کامل کے بارے میں پیش کیا۔ اسی طرح شارح رحمہ اللہ نے مذکورہ شعر کی تشریح کرتے ہوئے آیتِ مبارکہ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ کہ "زندہ اور مردہ لوگ برابر نہیں ہوسکتے۔" سے بھی معنوی حیاتِ عباد اللہ الصالحین پر استدلال کیا ہے کہ ایسے باخدا لوگ بعد وفات بھی زندہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ نفحات الاُنس سے نقل کر کے درجِ ذیل واقعہ لکھتے ہیں جس سے شعرِ مذکور کی تائید ہوتی ہے:۔

شیخ نجم الدین محمد الاصفہانی ایک جنازہ کے ہمراہ جا رہے تھے، جب لوگ میّت کے دفنانے سے فارغ ہوئے تو ایک عالم نے اس کی قبر پر اس کی تلقین کرنا شروع کی، اس پر حضرت اصفہانی رحمہ اللہ کو ہنسی آئی۔ ایک شاگرد نے دریافت کیا کہ ایسے وقت میں ہنسی کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب فرمایا کہ: "صاحبِ قبر تلقین کرنے والے سے کہتا ہے کہ کیا یہ بات قابلِ تعجب نہیں کہ مردہ زندہ کو تلقین کرنے لگا۔" تو معلوم ہوا کہ بہت زندہ، مُردے ہیں اور بہت سے ظاہری مُردہ دل کے اعتبار سے زندہ ہیں۔

اسی طرح شمائلِ اتقیاء میں تجلیٔ حیات کی یہ مثال دی ہے کہ ایک شخص نے حضرت

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر اپنی کسی حاجت کے پورے ہونے کے لئے چلّہ کیا۔ انتالیس دن تک حاجت پوری نہیں ہوئی، وہ مختلف وسوسوں میں پڑ گیا۔ آخر میں اس نے آستانۂ فیض کاشانہ سے یہ شعر سُنا: ؎

مَرا زندہ پندار چون خویشتن ✣ مَن آیم بجان گر تو آئی بتن

ترجمہ: "مجھے اپنی طرح زندہ سمجھو اگر تو ہمارے پاس جسمانی طور پر آتے ہو، میں تمہارے پاس روحانی طور پر آتا ہوں۔" جب وہ شخص واپس گھر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے وسیلہ سے اس کی حاجت روا فرمائی تھی کہ مولائے کریم کو اپنے نیک بندوں کا بہت پاس ہے۔ اس سے بھی اولیاء اللہ کی حیاتِ معنوی وجاو دائی کی طرف اشارہ مِل جاتا ہے جس کو حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں زندہ ہوں۔

حضرات! یہ خلاصۂ تحقیقِ شعر حسب تصریح شارح ؒ ہے۔ میں مزید اضافات چاہتا ہوں مگر وہ میرے وظیفہ سے باہر ہیں، کہ ہمارا اصل مقصد تو فارسی شعر کو عربیت کے جامہ میں پیش کرنا ہے اور بس۔ پھر ہم نے اس بحث کو شفاء البشر شرح کبریتِ احمر میں لکھا ہے لہٰذا اسی پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ ہاں اس شعر کا خلاصہ درجِ ذیل شعر میں ملاحظہ فرمائیے: ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اللّٰھم ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعہٗ وارنا الباطل باطلًا وارزقنا اجتنابہٗ ✣

التحقیقُ اللغوی: ا۔ وبتاثیر میں واوِ استینافیہ ہے، یعنی ابتدائی کلام کے لئے۔ اور تاثیر کے معنی جیسا کہ لغت کی کتابوں میں ہے۔ "کسی چیز میں اثر پیدا کرنا، کسی چیز پر اثر انداز ہونا۔ اثرہٗ ایثارًا، اکرام وعزت کرنا، پسند کرنا، فضیلت وبرتری دینا۔ کمافی القرآن الکریم: "لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا" اللہ نے آپ کو ہم پر فوقیت وفضیلت اور برتری دی۔ اِسْتَاثَرَ وتَاَثَّرَ کسی کے نشانہ

پر چلنا، پیروی کرنا۔

(۲) تَجَلّٰی تَجَلِّیًا الشَّیْئَ، چیز کا اچھی طرح ظاہر ہونا۔ تجلی المکانَ، گھر پر چڑھنا الشَّیئَ، کسی چیز کو گردن بلند کر کے دیکھنا، پرتو ڈالنا۔ جَبْھَۃ، جَلْوَاءُ، کشادہ پیشانی اَجْلَاہُ عَنْ بَلَدِہٖ، کسی کو اس کے شہر سے نکالنا۔

(۳) اَلْحَیَات، زندگی، چنانچہ حَیِیَ (س) حَیَاۃً زندہ رہنا اور حَیَّ یَحِیّ، اِدغام کے ساتھ بھی آتا ہے۔ مِنْہُ شرمندہ ہونا۔ اَحْیَاہُ، زندہ کرنا۔ یہاں پر تَجَلّی اَلْحَیَات سے مراد حیاتِ حقیقی کا پرتو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ڈالا، جس سے آنجنابؒ نے معنوی حیات حاصل فرمائی۔

(۴) جَذْبَۃً، دور کی مسافت کو کہتے ہیں۔ بینہٗ وبینَ المنزلۃ جذبۃٌ، اس کے اور اس کے گھر کے درمیان لمبی مسافت ہے۔ جو کشش اہل اللہ میں ہوتی ہے اس کو بھی جذبہ کہتے ہیں۔

ہم کراماتش ز نوعِ نشرِ وقت وطیِّ حرف
ہمدمانِ مخلصش را تجربہ اکثر شد است

نَشْرُ وَقْتٍ طَیُّ حَرْفٍ مِنْ کَرَامَاتٍ لَہٗ
مُخْلِصُوْہُ الْجُلَسَاءُ جَرَّبُوْھَا اَکْثَرًا

ترجمہ: "نشرِ وقت، طیِّ حرف جیسی اعلیٰ درجہ کی کرامتیں بھی آنجناب سے صادر ہوئی ہیں جن کا تجربہ اور مشاہدہ بارہا آپ کے مخلصوں نے کیا ہے۔"

التشریح: آپ اس شعر کا مقصد سننے سے پہلے مندرجۂ ذیل الفاظ کے اصطلاحی معنیٰ سمجھ لیجئے: (۱) طیِّ حرف، اس طرح کلمات وحروف جلد از جلد پڑھنا جو بشری عادت سے بہت بالاتر ہو۔ (۲) نشرِ وقت: اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی مدت وزمانہ کا اس طرح لمبا ہونا جو ظاہر میں لوگوں کو دکھائی نہ دے۔ (۳) اَبدان متمثلہ و

اَبدانِ مکتسبۂ روحانیہ کا ایک ہی وقت میں مختلف مقامات میں ہونا اور دور و دراز مسافت تھوڑے زمانے میں طے اور قطع کرنے کا نام ہے۔

اَبدانِ مکتسبۂ روحانیہ کا یہ مطلب ہے کہ جب ظاہری جسم پر روح پوری قوت کے ساتھ اپنا اثر ڈالکر اس جسم کو لطیف سے لطیف تر بنائے اور وہ جسم روح کے مشابہ ہوجاتی ہے۔ خوب سمجھ لو ہم نے آپ کی خاطر مسئلہ اس طرح حل کیا کہ اس سے سینکڑوں مشکل مسائل حل ہوجائیں گے۔

اب آپ متنِ شعر کی تشریح ملاحظہ فرمائیے، اس سلسلہ میں حضرت شارح رح بحوالہ رسالیہ اقبالیہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ اخی علی مصری نے حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی سے سوال کیا کہ نشرِ وقت، طیِ حروف اور اس قسم کی چیزوں کی کیا کوئی حقیقت ہے؟ آنجناب نے فرمایا مجھے ذاتی طور ان چیزوں کی حقیقت ثابت ہوئی ہے اور فلاسفہ کے ساتھ دربارۂ معراجِ حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر زبردست بحث ہوئی، آخرکار بفضل اللہ میں اُن پر غالب آگیا۔ حضرت موصوف نے اس مشکل گتھی کو اس طرح سُلجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے جسموں کے مادّہ اور جوہر کو اس قابل بنایا ہے کہ جس سے اور جیسا چاہیئے وہ شئے متبدل کو قبول کرسکتا ہے کیونکہ تمام اشیاء اللہ کے اختیار اور قبضۂ قدرت میں ہیں اور ان چیزوں میں اطاعت و فرمانبرداری کا مادہ پایا جاتا ہے، جیسا کہ آگ کی خاصیت جلانے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی یہ خاصیت ابراہیم علیہ السلام کے لئے سلب اور دور کی۔ اسی طرح دریائے نیل کے ایک حصّے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے خشک راستہ میں تبدیل کیا اور پانی موسیٰ اور آپکے ساتھیوں کو ڈبو نہ سکا۔ اسی طرح لوہے کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے نرم بنایا۔ صرف ہاتھ لگانے کی دیر تھی۔ ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کو پہاڑ سے ظاہر کیا، وہ بھی پہاڑ میں شگاف ہوئے بغیر۔ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں کو بغیر فرق والتیام کے جو ان کا خاصہ ہے، پار کر گئے۔ آگے فرماتے ہیں: ہرچند کہ

ان چیزوں کا تعلق انبیاءِ کرام کے معجزات سے ہے مگر اولیاء امّت کو بھی ان سے ضرور ایک ایک حصّہ ملا تاکہ اُن کے معجزات کو ان کی کرامات سے تصدیق ہوسکے۔

علاؤ الدین کی تحقیقات و تمثیلات ایک حق پرست کی پیاس تو بجھا سکتی ہیں مگر نا مسلمان اور خدا نہ ماننے والوں کو یہ تحقیق مطمئن کر سکتی ہے یا نہ؟ اس کا فیصلہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں۔ البتہ حضرت علاؤ الدولہ کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے جسموں کے مادّہ اور جوہر کو اس قابل بنایا ہے جس سے چاہے اور جیسا چاہے وہ شئی متبدل یہ قبول کر سکتا ہے۔ خالص فلسفیانہ مسئلہ ہے اس سے بڑے بڑے مشکل اور غوامض حل ہوسکتے ہیں۔ ہاں مادّہ اور جوہر کو سمجھنے کی ضرورت ہے، مگر ہمارے وظیفہ میں اس کتاب میں شامل نہیں اور پھر اکثر قارئین کرام فلسفۂ قدیم کی اصطلاحات سے واقف بھی نہیں ہیں۔ اس لئے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں

العاقل تکفیه الاشارۃ۔

خلاصہ مافی الباب یہ ہے کہ ہر چند ایسے خوارق عادات و معجزات کا تعلق انبیاءِ کرام کے ساتھ بالذات و بالاصالۃ ہے اور اولیاء امّت کو بھی اپنے پیغمبروں سے خاص کر اُمّتِ مرحومہ کو حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم سے حصّۂ وافر اور بہرۂ کامل حاصل ہوا ہے

ہم بہ نشرِ وقت از فضلِ خدا حجّے اداش
در دو سالش با ریاضت ہا ز راہِ بر شد است

وَبِفَضْلِ اللّٰهِ حَجَّ اِمْنَا فِیْ نَشْرِ وَقْت
بِطَرِیْقِ الْبَرِّ سَنَتَیْنِ بِالرِّیَاضَۃِ سَافَرا

ترجمہ: آنجنابؒ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نشرِ وقت کی کرامت سے فائدہ اٹھا کر خشکی کے راستہ سے سفر کرکے اور پوری ریاضت سے دو سال حج کا سفر بھی ادا فرمایا۔

التشریح: رسالۂ اقبالیہ کی مذکورالصدر تحقیق ملحوظ نظر رکھ کر حاصلِ شعر یہ ہے کہ

حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی سے اس امر کی سعادت نصیب ہوئی کہ میں نے جسم مکتسبہ سے کعبۃ اللہ کی زیارت کی اور دو سال اس سفر سعادت میں لگ گئے اور حج کے سارے کام انجام دئیے اور جب صبح بیدار ہوا تو معلوم ہوا کہ دنیا کے اوقات میں گھڑی بھر سے زیادہ نہیں گزرا تھا۔

اسی طرح آں جناب نے مزید فرمایا: ایک روز آفتاب ایک نیزہ کے برابر اونچا تھا یعنی ابھی ابھی طلوع ہوا تھا کہ سوار ہو کر بیجبہاڑہ کا سفر کیا۔ چند مخلصین ہمراہ پا پیادہ تھے اور ہم نے نماز چاشت بیجبہاڑہ میں پڑھی۔ یہ مثال طے مکان کی بھی ہو سکتی ہے۔ سبحانہٗ ما اعظم شانہٗ حضرت اللہ نے خاک کے اس پتلے میں کیسے کیسے عجیب و غریب کمالات ودیعت فرمائے ہیں۔ عرب کا ایک نکتہ رس شاعر اسی کے متعلق کہتا ہے ؎

أَتَحْسَبُ أَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ ٭ وَفِيْكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ

اَلتَّحقِيقُ اللُّغوِی: (۱) الرِّیَاضَۃ، جسمانی ورزش، بری حالت سے اچھی حالت کی طرف تبدیلی، نفسانی اخلاق کی اصلاح اور درستی، عبادت و مراقبہ کے لئے عزلت گزینی و گوشہ نشینی۔ العِلمُ الرِّیَاضِی والعلم الرِّیَاضِیَات، علمِ حساب، اَلجَبرا، جیومیٹری وغیرہ علوم۔ اصل میں یہ رَاضَ یَرُوضُ رَوضًا و رِیَاضَۃً المُهر۔ بچھڑے کو سدھارنا، رام کرنا، چلنا سکھانا کہتے ہیں اِرْتَاضَتْ القوافی الصَّعبَۃ للشاعر، شاعر کو مشکل قافیے سوجھے۔ متن کے شعر میں ریاضت سے مراد سخت اور پیہم عبادتیں ہیں جس کی طرف جلد اوّل کے ابتدائی ابیاتِ شریفہ میں تصریح آچکی ہے۔ لہٰذا جلد اول کی طرف بابت تحقیق رجوع فرمائیے۔

(۲) نشرِ وقت: اصل میں نَشَرَتْ اَوراقُ الشَّجر سے نکلا ہے جس کے معنی درخت کے پتوں کا بڑھنا اور پھیلنا' اور نَشَرَتِ الْاَرْضُ زمین کا بہار ابر کے بعد سر سبز ہونا۔ حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں ظاہری مختصر وقت کا' کام کے لحاظ سے

بہت لمبا ہونا جو معجزہ یا کرامت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ کما مضٰی مِنّا الآن تحقیقہٗ۔

(۳) سَنَتَیۡنِ، سَنَہ کا تثنیہ اور سَنَتَیۡنِ کا نؔ ضرورت سے ساکن کیا گیا ہے۔

زائرانِ یثرب و بطحا بظاہر یک دو بار
او بابدانِ بروز از زایران ازیر شد است

فَقَدۡ رَاٰہُ زَائِرُوۡ یَثۡرِبَ وَبَطۡحَا مَرَّتَیۡنِ
وَھُوَ بِالۡبَدَنِ الۡبُرُوۡزِیۡ مِنۡ زُوَّارٍ اَزۡیَرَا

ترجمہ: "آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کو مدینہ منورہ اور مکۂ معظمہ کے زائروں نے بھی ایک دو بار جسم ظاہری میں اوروں سے بڑھ کر زیارت کرتے ہوئے دیکھ پایا۔"

التشریح: اَزۡیَرَ، اسم تفضیل، بہت زیادہ زیارت کرنے والا۔

بدن بروزی کی حقیقت یہ ہے کہ کمالِ روحانیت کی بنا پر اپنے جسم کی مثالی صورت بنائی جائے اور اس پر روحِ لطیف کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ جہاں جانا منظور ہو وہاں جانا آسان ہو جائے اور اصلی جسم اپنی جگہ پر برقرار رہے اور اس سے پیدا شدہ مثالی جسم میں متعدد جگہوں کی سیر کرے۔ یہ کوئی بعید از عقلِ سلیم اور امرِ محال نہیں ہے۔

شارح رحؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم العرفا مولٰینا جلال الدین رومی قُدِّسَ سِرُّہٗ کو ایک رات سترہ مقامات پر دعوت دی گئی اور آنجنابؒ جسم بروزی اور کمالِ روحانیت سے تمام مقامات میں رونق افروز ہوئے اور صبح ہر داعی یہ دعوٰی کرتا تھا کہ حضرت مخدوم العرفاء رحمہ اللہ اُن ہی کے یہاں تھے۔ یہ تحقیق خود شارح رحؒ نے اپنی شرح میں لکھی ہے پھر بحث کرتے ہیں کہ شرعًا ایسا ممکن ہے کہ نہیں؟ پھر محققین اسکی صحت میں حدیث مَنۡ رَاٰنِیۡ فَقَدۡ رَاٰنِیۡ فَاِنَّ الشَّیۡطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ سے استدلال کرتے ہیں: کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان کو میرے متمثّل ہونے کی طاقت

نہیں ہے۔ پس دنیا کے مختلف مقامات پر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بیک وقت لوگ مختلف اشکالِ مبارکہ اور صورتِ شریفہ میں دیدار کرتے ہیں۔ ہمچو قسم کے خوابوں کا کوئی انکار کی طاقت نہیں رکھتا۔ لہٰذا آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیک وقت مختلف مقامات پر پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ حدیثِ شریف بخاری اور دیگر کتب حدیث میں مختلف الفاظ میں مذکور ہے۔ یہ سب کچھ کمالِ روحانیت کی بنا پر ہے اور نبوت کا یہ حصہ صلحاء اُمت میں بھی باقی ہے۔ لہٰذا مسئلہ معراج بھی ضمناً سمجھ میں آجائے گا اور اس میں کوئی اچنبا پن نہیں۔ اور پھر جسمِ مثالی پر تصرف کرنا ابدال کو اُس کا علم ہوتا ہے اور غیر ابدال اولیاء کو اس کا تفصیلی علم نہیں ہوتا ہے۔ یعنی اس کا مطلب بس اتنا ہے کہ جسم پر روح لطیف غالب ہو جائے اور مادیت مغلوب۔ اور ہو سکتا ہے اس کا حال بھی ایسا ہی ہو، جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا: میں بلقیس کے تخت کو آنکھ جھپٹنے سے پہلے آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ لہٰذا اب نفسِ موضوع اور اصلی مسئلہ شکوک وشبہات سے بہت بالاتر ہو گیا ہے۔

حضرت ناظم رحمہ اللہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کا مزید حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ہم نے اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو دیکھا کہ اُن کی روحانی صورت اُن کی جسمانی صورت سے متجسد اور متمثل ہو جاتی ہے یعنی اُن کے جسم پر روح کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ پھر اُن سے مختلف احوال و افعال صادر ہوتے ہیں اور ایسے لوگ مراتب و درجات میں باہم مختلف ہیں۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رح مزید فرماتے ہیں: ان کاملین اور خدا رسیدہ لوگوں میں سے ایسا گروہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ان کی روحانی شکل ایک جسم یا مثالی جسم بن جاتی ہے جو کہ ان کے ظاہری جسم کے مانند و مشابہ ہو جاتی ہے پھر وہ اسی متبدل یا مثالی جسم کے احوال سے گذرتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کاملین ہو بہو اور بعینہٖ موجود ہیں حالانکہ وہ بحسب الذات اس قسم کے افعال و احوال اور صفات سے بری ہوتے ہیں۔

شیخ عبداللہ موصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ : خبردار! ایسے کاملین سے انکار نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت برتر ہے، اس مقام پر عقلِ انسانی ان کے احوال و مقامات دیکھ کر دنگ اور عاجز رہ جاتی ہے لہٰذا ایسے نازک اور باریک مسائل میں بحث و مباحثہ اور مناقشات اور جواباتِ مناقشات سے گریز کرنا چاہیئے کیونکہ اس کا خلاصہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ روح جسم پر محیط و مؤثر ہوجائے یا یہ کہ جسم کا جسمِ مثالی میں متبدّل ہونا اور پھر اس سے مختلف خوارق عادات کے سرزد ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں، کہ پاک نفس اسی قسم کی روحانیت کے تابع ہے وہ بھی باذن اللہ اور اللہ کی قدرت سے ہی ہوتی ہے، بایں ہمہ شریعتِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلم ایسے بلند مقام رکھنے والے کاملین پر قاضی اور حاکم ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مبیّنہ واقعہ اور قضیب البان کا چشم دید بیان ایک تاریخی دستاویز ہے اور اس سلسلہ میں حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا حضرت شیخ سید عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمچو قسم کے خوارق عادات اور نادر کرامات بھی پیشِ نظر رکھئے ـــ یہ ہے شرح کا خلاصہ، افسوس ہے کہ خاکسار عدمِ قابلیت کی بناء پر یہ مضمون کماحقہٗ نہیں سمجھا سکا۔

التحقیق اللغوی : (۱) زائروا یثرب میں نونِ جمع اضافت کی وجہ سے حذف ہوگیا ہے۔ (۲) یثربَ کا بَ مفتوح ہے کیونکہ یہ بنا برعلمیت اور تاءِ تانیثِ معنوی غیر منصرف ہے۔

(۳) زُوار، زائر کی جمع ہے اور زوّارٌ کا واو ضرورتِ شعری کی وجہ سے مخفّف بنایا گیا ہے۔ والقاعدۃ فی العروضِ معروفۃٌ۔

(۴) البدنُ البروزی قد مضی تحقیقہٗ۔

(۵) اَزْیَرَا کا الف اشباعی ہے، یہ منصوب ہے، اس بناء پر اَضْحیٰ محذوف کی خبر ہے،

افعالِ ناقصہ ایسے نازک مقامات پر محذوف معنوی ہوتے ہیں۔ فتامّل ولا تکن مثل
مَن لا یدری وھو یدری انّہٗ یدری ؎

بارہا مشہود رگو ڈارِ پُر اخلاص را
از پئے حفظِ عدو در لشکر شوی پر شد است

رُبَّمَا ازر رگودار مُخلِصًا لَہٗ
عَاصِمًا لَہٗ مِن عدُوٍّ فِی صفوفِ عسکرا

ترجمہ: "بارہا آں جناب (جسم مثالی میں) اپنے پُر اخلاص مُرید رگو ڈار کو سوپور کے فوجی کیمپ میں دشمنوں کے شر سے بچانے کے لئے حاضر ہوئے۔"

التشریح: سوپور میں آں جناب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک صاحب مُرید رگو ڈار نامی فوج میں ملازم تھا اور وہاں دُشمن اُس کے درپئے آزار تھے، آپؒ مریدِ مخلص کی حفاظت کے لئے جسم مثالی میں جلوہ افروز ہوئے۔ حالانکہ ایسے اوقات میں حضرتؒ بظاہر سری نگر میں ہی اقامت پذیر تھے۔ رگو ڈار سوپور میں فوجی کیمپ میں ملازم تھے۔ رہا یہ امر کہ سری نگر میں بیٹھے بیٹھے سوپور میں کیسے جلوہ افروز ہوئے تو شعر نمبر ۱۰ میں اس کی پوری وضاحت کی گئی، یاد رہے کہ حضرت مصنفؒ کے یہ ابیاتِ شریفیہ آپ ہی کے مبارک عہد میں زبان زدِ خواص و عوام ہوئے اور کسی سخت مخالف سے بھی ان امورِ خارق العادۃ کا انکار نہیں ہو سکا۔ اور اگر کوئی انکار کی جسارت کرے تو اُسے کئی آیاتِ الٰہیہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ فتامّل وکُن من الواصلین الکاملین الّذین سبقونا فی العلم والعمل ونیلِ المقامات العُلیٰ۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ مَن یّشاء۔

التحقیق اللّغوی: (۱) مشھود۔ حاضر، وہ جس کی گواہی دی جائے۔ شَھِدَ اللّٰہُ۔ اللہ واقف ہے، اللہ کو علم ہے، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ شَھِدَ بِکذا

اس نے اس بات کی قسم کھائی۔ شَاهَدَهٗ، اس نے اس کا معاینہ کیا۔

(۲) اخلاص: اَخْلَصَ، الشَّيْئَ، خلاصہ نکالنا، چن لینا۔ اَخْلَصَهُ اللّٰہ، اللہ تعالیٰ نے اس کو عیبوں سے پاک کیا۔ اَخْلَصَ الطَّاعَةَ، وفی الطاعۃِ طاقت میں ریاکاری نہ کرنا۔

(۳) اَزَرَ، اَزَرَ فُلَانًا، کسی کو مضبوط کرنا۔ قرآنِ کریم میں بھی یہ لفظ مذکور ہے فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَوٰى۔

(۴) عَاصِمًا، اسم فاعل، عَصَمَ اللّٰهُ فُلَانًا مِنَ الْمَكْرُوْهِ، اللہ تعالیٰ نے اُسے ناپسند اور تکلیف دہ چیزوں سے محفوظ رکھا۔ عَاصِم، حفاظت کرنے والا۔

(۵) عَدُو، دشمن، جمع اَعْدَاء ہے۔ عَدَا طَوْرَهٗ وَقَدْرَهٗ، اس نے اپنے رتبے سے تجاوز کیا۔ (۶) عَسْكَر، لشکر، جمع عَسَاكِر۔ یہ عَاصِمًا کا حالِ متداخلہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے:

می گذشت اکثر علی صُوفی بہ اعلاغاتِ کوہ
ہر کجا می رفت او با آں بدن محضر شد است

طَالَمَا يَمْضِي عَلِي صُوفِي بِسَفْحٍ مِنْ جَبَلٍ
فَيَرَاهُ حَيْثُ يَمْضِي بِالْبُرُوْزِيِّ حَاضِرًا

ترجمہ: "علی صوفی نامی بزرگ کثرت سے پہاڑوں کے سبزہ زاروں کی سیر کرتا تھا، جہاں کہیں بھی وہ جاتے تو حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو بدنِ بروزی میں اپنے ساتھ حاضر پاتے تھے"۔

التشریح: حضرت مصنفؒ جناب پیر کاملؒ کے جسم بروزی میں سے دور دراز مقامات میں ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں۔ وہ یہ کہ علی صوفی ایک بزرگ تھے۔

آپ کی عادت تھی کہ اکثر و بیشتر جنگلوں اور مرغزاروں میں پھرتے تھے، ابھی وہ پیر روشن ضمیر سے بیعت نہیں ہوئے تھے، فرماتے ہیں: میں جہاں جاتا تھا وہاں حضرت محبوب العالمؒ کو پاتا تھا۔ گاہے نماز اور گاہے دوسری عبادتوں میں مشغول، خاصکر تلاوتِ قرآنِ کریم میں انہماک رکھتے تھے۔ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دفعتہً ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ میں پہنچ جاتے تھے اور دور ونزدیک جہاں بھی میں جاتا وہاں آنجناب ہمایون مآبؒ کو موجود پاتا اور ان کا مشاہدہ کرتا۔ کہتے ہیں کہ ایک روز یہ عاجز (علی صوفی) حضرت زین ریشیؒ کے مزار پہ حاضر ہوا۔ زیارت سے مشرف ہونے کے بعد وہاں کی مسجد شریف کے ایک کونے میں حضرت محبوبُ العالمؒ کا ایک ہمشکل صاحب سویا ہوا تھا۔ میں تحقیق کرنے کی غرض سے آپ کے نزدیک آیا، آپ کے مخصوص لباس کو چھوا تو میں نے آنجنابؒ کو پہچان کر سلام عرض کیا، آپؒ نے تبسّم کرتے ہوئے اور جواب سلام سے محظوظ کر کے فرمایا: "کہیئے!" میں نے عرض کیا کہ اے ہمارے مخدوم مکرّم! یہ کیا عجیب بات ہے کہ آپ شہر میں بھی اپنے مخلصوں کے پاس تشریف فرما ہوتے ہیں اور دفعتہً شہر سے دور دراز مقامات میں بھی رونق افروز ہوتے ہیں۔ اور میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہاں پہنچا مگر وہاں کے حالات کا کوئی علم نہیں ہے۔ آپؒ نے مختصر سا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو خاص خاص مہربانیوں سے نوازتا ہے لہٰذا مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں"۔ یہ فرما کر وہاں سے غائب ہو گئے۔ جب میں شہر واپس آیا تو آں جنابؒ کے پاس ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو آپؒ نے خود فرمایا: "کچھ تمہیں اس بات کا علم ہے کہ تم نے عیش مقام میں کس کو دیکھا تھا؟" میں نے عرض کیا "اسی کو جس کو آپ جانتے ہیں اور اس وقت بھی اسی کو دیکھتا ہوں، کیا آں جنابؒ کو وہاں کسی اور نے بھی دیکھا۔؟" اس کا جواب اس طرح فرمایا: "اگر علی صوفی جیسا صاحبِ حال وہاں ہوگا تو اُس نے ضرور مجھے دیکھا ہوگا، بدنِ بروزی کے دیکھنے والے بہت کم لوگ ہیں۔"

اَلتَّحقیق اللغوی: (۱) اَلسَّفح، پہاڑ کا دامن (۲) بروزی، یہ صفت ہے موصوفِ محذوف کا، ای بالجسم البروزی، ظاہری جسم میں ملتا تھا۔ اصل میں بَرُزَ بَرَازَۃً باب کَرُمَ یَکرُمُ سے، فضیلت وشجاعت میں اپنے ساتھیوں میں فوقیت لے جانا۔ صیغۂ صفت بَرِیْزٌ آتا ہے۔ لہٰذا لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت ظاہر ہے۔

(۳) اَلْبِرَازُ: بَارَزَ کا مصدر، آدمی کا پاخانہ۔ المتبرَّز، قضائے حاجت کی جگہ۔ (۴) طَالَمَا، مَا زائدہ اور تاکید کے لئے۔ اصل میں طَالَ، یَطِیْلُ طَوْلاً دور و دراز ہونا۔ طَالَ عَلَیْہِ، غالب ہونا، فخر کرنا، احسان کرنا ۔

ناصح وہم کار فرما خواجہ عثمان کول را
بارہا اندر زیارت گاہِ دُور آمر شد است

نَاصِحٌ لِخَوَاجَہ عُثْمَان کول اَیْضًا نَاصِرٌ
فِی مَزَارِ دُورَمَارِ حِیْنَ جَاءَ زَائِرًا

ترجمہ: "جب خواجہ عثمان کول دورامر کے قبرستان میں زیارت کے لئے آجاتے تو حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ بدنِ بروزی کی حالت میں آپ کے پاس آتے اور انکو نصیحت اور رہبری فرماتے تھے"۔

التشریح: خواجہ عثمان کا لقب کول تھا۔ اور دُورمار، دُورامر کا معرب ہے یہ اس محلہ کا نام ہے جہاں حضرت خواجہ بہاؤ الدین گنج بخش علیہ الرحمۃ کا آستانہ فیض کاشانہ ہے۔

اس شعر میں بیر صداقت تنویر حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کا بدنِ بروزی سے ایک جگہ سے دوسرے مقام پر پہنچنے کا خصوصی ذکر ہے کہ خواجہ عثمان آستانۂ مذکورہ میں زیارت کے لئے حاضر ہوئے، اُس وقت حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ بظاہر شہر سری نگر سے باہر تھے۔ بایں ہمہ آپؒ آستانۂ عالیہ مذکورہ میں بدنِ بروزی میں حاضر ہوئے

اور خواجہ عثمان کول کو نصیحتیں فرمائیں اور طریقت کے کاموں میں رہنمائی فرمائی ۔ سبحان اللہ ما اعظم شانہ ۔ حضرات صوفیہ کے یہاں ایسی ہزاروں مثالیں ملتی ہیں ۔ لہٰذا یہی کہنا پڑے گا ے گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

التحقیق اللغوی : (۱) نِیْ مزار ۔ قال فی المنجد المزارُ زیارت ملاقات ، زیارت کی جگہ ۔ اس کی جمع مزارات ، اولیاء کی زیارت گاہیں ۔ اصل میں زارَ یزورُہٗ زیارۃً و مزاراً و زوراً ، ملاقات کے لئے جانا ۔ اجوف واوی ہے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الخ "

(۲) دورمار ، دور آمر کا معرب ہے ۔ (۳) زائراً ، مفعول لہ ہے ۔

بہر تادیب یکی نوکر کہ اندر شہر بود
مشت زد از نادِل واقع برآں نوکر شد است

ولتادیب وصیف کان ذاک فی البلد
وکزہ من نادھالا واقعا بہ قاھرا

ترجمہ : " آں جناب نے مقام نادی بل (بانڈی پورہ) سے شہر میں رہنے والے اپنے ایک نوکر کو تادیبی طور گھونسا مارا جو اس پر شدت و سختی سے واقع ہوا ۔"

التحقیق : اس شعر میں آنجناب کی اُس کرامت کا بیان ہے جس کا تعلق تاثیر تجلی قدرت سے ہے اور جس کا پس منظر یہ ہے کہ آنجناب نادی بل (بانڈی پورہ) میں ایک مسجد شریف بنوانے کے لئے تشریف لے گئے اور اپنے نوکر ملا اللہ داد (جو کہ گھوڑوں کی خدمت پر مامور تھے) کو فرمایا کہ : " مکان کے بالائی طبقہ میں شبانہ چراغ لیکر نہ جانا کہیں ایسا نہ ہو کہ سوکھی گھاس میں آگ لگ جائے ۔" ملا اللہ داد یہ جانتے ہوئے کہ حضرت پیر روشن ضمیر یہاں نہیں ہیں ، مکان کے بالائی طبقہ میں چراغ لے کر

چڑھے اور جب گھاس گھوڑے کے سامنے ڈال دی تو (حضرت شارحؒ فرماتے ہیں کہ میں وہاں خود بھی کھڑا تھا) کیا دیکھتا ہوں کہ اچانک ادب دینے کی غرض سے مُلّا اللہ داد پر غصّہ بھرے لفظوں کے ساتھ ایک زبردست گھونسا رسید کیا۔ حالانکہ بظاہر آں جناب اس وقت نادی ہل میں مقیم تھے یعنی آپؒ بدنِ بروزی میں مُلّا اللہ داد کے پاس پہنچے اور گھونسا رسید کیا، مُلّا اللہ داد ڈرے ہوئے میرے پاس آئے اور ماجرٰی کما جرٰی بیان کیا۔ اس وقت نادی ہل میں آں جنابؒ کا دوسرا خادم مُلّا یوسف آپ کے ہمراہ تھے۔ پیرِ روشن ضمیرؒ نے خود اپنی زبانِ صداقت بیان سے یہ واقعہ مسکراتے ہوئے بیان فرمایا اور جب مُلّا یوسف واردِ سرینگر ہوئے تو اس رات کا یہ عجیب واقعہ بیان کیا۔ اور پوچھا کہ آپ لوگوں کو اس کا کچھ علم ہے؟ اللہ داد صاحب نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے آنے سے پہلے میں نے یہ واقعہ اپنے دوستوں سے بیان کیا تھا اور اپنی بے ادبی اور آں جنابؒ کی حکم عدولی کرنے پر معذرت اور توبہ کی۔

یہ ہے اس تاریخی کرامت کا خلاصہ۔ دیکھو اِنکار کی گنجائش نہیں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدینۂ طیبہ سے یَاسَارِیَۃُ اَلْجَبَل کی آواز دیتے ہیں جو حضرت ساریہؓ نے طویل مسافت کی دوری کے باوجود سُنی اور جسے بڑے بڑے ائمۂ دین نے تلقّی بالقبول فرمایا۔

جسمِ بروزی کا مطلب پھر آسان لفظوں میں سمجھو کہ جب ولیِّ خدا پر جو پابندِ شریعت ہوتا ہے، روحانیت غالب آجاتی ہے تو وہ روح بیک وقت مختلف اجساد و اجسام کے متمثّل ہو کر مختلف اَمکنہ اور متعدّد مقامات میں حسبِ قوتِ روحانیہ متصرّف ہوجاتی ہے، انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ غور کرو بخاری شریف کی حدیث مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاٰنِیْ ... الخ سے کتنے غامض نکات سمجھ میں آجاتے ہیں۔ فَکُنْ مِنَ السَّاکِتِیْنَ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس قسم کے خوارقِ عادات اور کرامات کسی بزرگ سے منسوب کرتے وقت مکمّل تاریخی

دستاویز کی ضرورت ہے جس میں چون وچرا کی گنجائش نہ رہے۔ اگر خاکسار اس جگہ کچھ اپنے مشاہدات بابن بے بضاعتی لکھنے بیٹھے تو پڑھنے والا حیران و ششدر رہ جائے گا۔

فَكُنْ عَلٰى هٰذَا مِنَ الْقَانِعِيْنَ۔

التحقیق اللّغوی: (۱) وصیف، خدمتگار، قابلِ خدمت لڑکا، اس کی جمع وُصَفَاءُ آتی ہے۔ مؤنث کے لئے وصیفہ جمع وَصَائِف آتا ہے۔

اَلصِّفَةُ مصدر صفت، خوبی: وہ علامت جس سے موصوف پہچانا جائے۔

(۲) وَكْزَهٗ: وَكَزَ يَكِزُ وَكْزًا: ہٹانا، مُکا مارنا۔ وَكَزَهٗ بِالرُّمْحِ: نیزہ مارنا۔ یہاں وَكْزَه کے عین کلمہ کو ضرورت شعری سے ساکن بنایا گیا۔

(۳) نَادِهَالَا: نادی ہل کا معرّب ہے۔ قريةٌ معروفةٌ من مضافات بارهموله كشمير وكان رحمه الله يعتكف أحيانا في بعض مساجد هٰذه القرية۔

بہر امدادِ مُریدان زود حاضر می شود
صُورتِ پاکیزہ اش ہر جا کہ مصوّر شد است

يَتَجَلّٰى لِلْمُرِيْدِيْنَ مِثْلَ بَرْقٍ لِلْمَدَدْ
اِذْ بِشَكْلِهِ الشَّرِيْفِ حَيْثُ شَاءُوْا صَوَّرَا

ترجمہ: "جس جگہ بھی اس پیر حقیقت تنویر کی مقدس صورت کا تصور کیا جائے تو آپ وہاں اپنے مخلص مریدوں کی نصرت و امداد کے لئے بہت جلدی جلوہ افروز ہوتے ہیں۔"

التحقیق اللغوی: يَتَجَلّٰى: اس کا مادہ جلاءٌ ہے جس کے معنے ظاہر ہونے واضح ہونے کے آتے ہیں۔ جَلَا الْاَمْرَ: کسی امر کو ظاہر، واضح اور آشکارا کرنا۔ تَجَلّٰى، تَجَلِّيًا۔ اَلشَّيْئُ، چیز کا بخوبی ظاہر ہونا۔ تَجَلَّى الْمَكَانَ: گھر پر چڑھنا۔ تَجَلَّى الشَّيْئَ: کسی چیز کو گردن بلند کر کے دیکھنا۔ یہ

لفظ اس جگہ باب تفعّل سے ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے: فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔

مُرِیْدِیْن، مُرِیْد کی جمع جس کے معنی چاہنا، خواہش کرنا، برانگیختہ کرنا۔ اِصطلاح میں مُریدین وہ لوگ ہیں جو کسی باخدا انسان سے امرِ حق کے طلبگار ہوں۔ اصل میں یہ رَادَ یَرُوْدُ رَوْدًا و رِیَادًا سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ ہیں کسی شے کی تلاش میں گھومنا اور آنا جانا۔ اس جگہ باب افعال سے مشتق ہے۔

بَرَق: بجلی کو کہتے ہیں، یہاں یہ لفظ اِستعارہ کے طور لایا گیا ہے۔

صُوِّرَا۔ کہا جاتا ہے صُوِّرَ لِیْ میرے خیال میں آیا ہے۔ اَصَارَہٗ: جھکا دینا، توڑنا۔ تَصَوَّرَ الشَّیْئَ: کسی چیز کی شکل کو خیال میں لانا۔ تَصَوَّرَ لَهُ الشَّیْئُ کسی چیز کی شکل کا سامنے آنا۔ مُصَوِّرُ الْکَائِنَات: اللہ تعالیٰ۔ یہ لفظ یہاں باب تفعیل سے لایا گیا ہے۔ اور اس کے آخر میں الف اشباعی ہے۔

در رہِ تبّت بوقتِ برف اندر دیوہ سُوے
دستگیرِ خواجہ زینِ حاجیٔ اکبر شد است

فِیْ طَرِیْقِ تِبَّتٍ فِیْ دِیْوَہْ سُوْءٍ عَصْرَ ثَلْجٍ
قَدْ اَغَاثَ خَوَاجَہْ زَیْنَ الدِّیْنِ حَاجِیْ اَکْبَرَا

ترجمہ: "حاجی زین الدین اکبر جب برف باری کے زمانے میں تبّت کے راستے سے دیوہ سوے کے مقام پر تنگ آ گئے تو آں پیر مُرشد حقائق آگاہ وُہیں اُن کی فریاد کو پہنچے اور اُن کو اس مصیبت سے بچنے کے لئے ممُد و مددگار ثابت ہوئے"۔

التّشریح: حاجی زین الدین اکبر تبت کے برف و باران میں اس طرح پھنس گئے کہ "نہ جایِ ماندن نہ پائے رفتن" کے مصداق ہوئے، آپ نے اپنے مُرشدِ کامل کا تصوُّر

ذہن میں لایا اور فوری طور حضرت محبوب العالمؒ بدنِ بروزی میں حاضر ہو کر آپکی اعانت فرما گئے۔

التحقیق اللّغوی: (۱) زنبّت: ریاستِ جموں و کشمیر کا ایک حصّہ (صوبہ) ہے جو چین نے ہتھیا لیا ہے۔ (۲) عصرِ ثلج: برف باری کا زمانہ۔ (۳) فَاَغَاثَ: غاثہ یغوثہ، غَوثًا، واَغَاثَہٗ اغاثۃً ومغوثۃً: مدد کرنا۔ اِستِغَاثَہ: مدد چاہنا۔

یک طَبَق اَز خوردنی بگرفتہ اندر سندہ وَن
وقتِ خفتن حاضرِ یک مُخلِص اُولر شد است

قَدْ اَخَذَ فِیْ سِنْدَوَانِ مِنْ طَعَامٍ طَبَقَۃً
فَلِمُخْلِصٍ بِاُوْلَرْ لِعِشَاءٍ اَحْضَرَا

ترجمہ: "آں جناب رحمۃ اللہ نے جب ایک مُخلص مرید کے بارے میں محسوس کیا کہ وہ اُولر میں عشاء کے وقت بھوک سے نڈھال ہوا تو آپؒ نے موضع سِندہ وَن سے (بدنِ بروزی میں) مُرید کو ایک پلیٹ میں کھانا حاضر کیا۔

التّشریح: ان اشعار میں مُرشدِ کاملؒ کی کرامات وصفات کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ کرامتوں میں سے ایک تجلّیِ صفتِ قدرتِ حق ہے جس کا علم اس طرح ہوتا ہے کہ مُریدین اپنے پیرانِ طریقت کا تصوّر اپنے دلوں میں کرلیں تو اس وقت پیرانِ طریقت اپنی روحانی قوّت سے اُن مُریدوں کے پاس خاص کیفیت میں حاضر ہوتے ہیں یا اپنے پرتَو ان پر ڈالتے ہیں۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس پیرو مُرشد میں اتنی صلاحیت و استعداد نہ ہو، ایسے پیرو مُرشد کی اِقتداء و پیروی میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ اور اگر کوئی پیرِ برحق اپنے مُرید کے تصور کے وقت اپنے مُرید پر متجلّی ہو جائے اور اس پر اپنا

پرتو ڈالے مگر مُرید کے ظاہر و باطن پر اس کا اثر نہ پڑے اور نہ وہ اس کا اندازہ کر سکے تو جاننا چاہیئے کہ ابھی پیر و مُرید میں بہت معمولی استعداد ہے اور پیر کے ساتھ اسکو مناسبت بھی کم ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنے مُریدوں کی مہمات و مشکلات میں حاضر ہوتے ہیں اور مُریدوں نے بھی آنجناب کو بدنِ بروزی میں دیکھا ہے، جیساکہ اوپر کے تین مُسلسل شعروں سے ظاہر ہے۔ اس لئے آپ نے ان تینوں شعروں میں کراماتِ تجلّی صفتِ قدرتِ حق بیان کی ہے۔ اور حضرت شارح اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے بھی ایک خلوت میں آں جنابؒ کو بدنِ بروزی میں مشاہدہ کیا ہے۔ پس آپ کے مخلصوں اور معتقدوں کو بھی چاہیئے کہ اپنی مہمات و مشکلات میں آں جنابؒ کی صورتِ مبارکہ کا تصوّر اپنے دلوں میں کیا کریں اور مطابقِ شرع آپؒ سے اِستمداد کریں۔ خاصکر اوقاتِ ذکر و فکر اور مشکلات کے وقت اس عمل کو اپنائیں۔

حقیر سراپا تقصیر کہتا ہے کہ اس عبارت میں تصوّرِ شیخ کی طرف اشارہ ہے جو عِلمِ تصوّف کے غوامض اور مسائلِ مُشکلہ میں سے ہے۔ یاد رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ نے قول الجمیل میں تصوّرِ شیخ کو فی الجُملہ مان لیا اور تلقّی بالقبول کیا ہے، البتہ عوام مسلمین کے لئے یہ نہایت نازک مسئلہ ہے کہ اس سے مادۂ فاسِد پیدا ہونے کا بھی احتمال ہے اس لئے ہم تصوّرِ شیخ کی بحث یوں ہی چھوڑتے ہیں اور ربّ قدیر کو منظور ہو تو ہم خواص کے لئے اس پر عربی میں ایک رسالہ قلمبند کرینگے۔ واللہ المستعان۔

بہرحال حضرت شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص سلوک میں قدم رکھ کر اپنی قساوت و کمزوری دُور کرنا چاہے تو اُسے مُراقبہ سے کام لینا چاہیئے۔ اور فرماتے ہیں کہ اس کے لئے دو راہیں ہیں :-

۱۔ اپنے دل کی طرف رجوع کر کے تدبّر و تفکرِ معانی کرے۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے :۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ..... الخ کہ کیا یہ منکرین اور جاہل لوگ قرآن کریم کے معانی و مفاہیم پر غور و فکر نہیں کرتے"۔ اور عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ط عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ط کہ اس سے لوحِ دل صاف ہو جائے گی اور اس کا زنگ دور ہوگا۔

۲۔ دل میں آنے والے سوالات کے جوابات مشائخ و محققین سے پوچھے جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ط "اگر تم خود نہیں جانتے تو جاننے والوں سے دریافت کرو"۔

عین القضات میں مُراقبہ کی چار قسمیں ہیں جو یہ ہیں :۔

۱۔ مُراقبہ باشیخِ خود : جس کا حاصل یہ ہے کہ مُرید یعنی سالکِ راہِ طریقت، اپنے شیخ کا مراقبہ اپنے دل کی آنکھوں سے اپنے اوپر لازم جانے کہ جس ہیئت و صورت پر اپنے شیخ کو بحالتِ حیات و حضور دیکھا ہے "اسی ہیئت و صورت سے اس کا تصوّر پابندی سے کرلے تو اس سے فتوحاتِ غیبی اور نفحاتِ ربّانی شیخ کے مقدّس دل کے راستے سے اُس پر وارد ہوں گی، کیونکہ مِنَ الْقُلُوْبِ اِلَی الْقُلُوْبِ رَوْزَنَۃٌ" مشہور ہے۔ یہ اس لئے کہ مُرید اور سالکِ راہِ طریقت براہِ راست متوجہ بسوئ حق نہیں ہوسکتا۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ۔ جو لوگ ایسے واسطوں کے منکر ہیں وہ حقائقِ اشیاء کے سمجھنے سے بے بہرہ و بے نصیب ہیں کیونکہ جس طرح امورِ طبعیّہ مادیّہ میں اسباب کا تسلسُل علّت و معلول یا سبب و مسبّب کا بیہم اور باہم مربُوط ہوتا ہے اسی طرح وصولِ حق اور دفعِ خطرات و وساوس کے لئے شیخِ کامل کا تصوُّر فی حضورہٖ و فی غیبتہٖ ضروری اور لابدی ہے۔ کہ یہی تصوّر عمل بالسنّۃ و کتابُ اللّٰہ کے لئے بالوسائط سبب بنے گا اور روحانی منازل طے کرنے کے لئے سبب و مسبّب اور علّت و معلول کا ربط ہوتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین کریں کہ تصوّرِ شیخ کا مقصود صرف وصول الی اللّٰہ اور شیطان

رجیم کے شر و وسوسہ سے محفوظ رہنے کے سوا کچھ نہیں اور رسمی پیری و مریدی کو اس سے دور کا بھی لگاؤ نہیں اور ایسا شیخ ملنا بھی بہت مشکل ہے۔

۲۔ مراقبہ کی دوسری قسم: تصورِ شیخ کے بعد سالک راہِ طریقت اسم اللہ کا مراقبہ کرے۔ یہ اسمِ ذاتِ باری تعالیٰ ہے، اس کا بکثرت ذکر کرے۔ اسمِ ذات کے نقش کو اپنے لوحِ دل پر برنگِ زرد تصور کرے اور اس ذاتِ پاک کے بے انتہا ذکر و فکر سے یہاں تک کام لے کہ اس حقیقی دل پر ظاہر و باہر ہو جائے اور میرے خیال میں اسکی نشانی یہ ہے کہ اس وقت ذاکر وہ مقام حاصل کرے جو حدیثِ شریف میں آیا ہے اَلْمُؤْمِنُ یَرٰی بِنُوْرِ اللّٰہِ کہ با ایمان اللہ تعالیٰ کے نور سے حقائقِ علوی و سفلی، مادی و روحانی اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا اور ملاحظہ کرتا ہے۔ افسوس ہے کہ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ ایسے مومن بہت تھوڑے ہیں۔

۳۔ مراقبہ کی تیسری قسم یہ ہے کہ سالک کے دل پر قربِ حق کا علم حاصل ہو جائے یعنی اس کا علم اس یقین و اذعان کے ساتھ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے۔ اس مراقبہ سے دل پر ہیبت طاری اور عبرت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اس خوف سے اپنے پاؤں بھی نہیں پھیلا سکتا اور غیرِ حق تعالیٰ کی بات سننا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ وہ مقام ہے جس کی طرف قرآن کریم میں اشارہ ہے اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی "کیا وہ یہ بات نہیں جانتا کہ حضرتِ حق اسے دیکھتا ہے"۔

۴۔ مراقبہ کی چوتھی قسم "مراقبۂ نفس" ہے۔ یعنی سانسوں کا مراقبہ اور بیداری کہ کوئی سانس ذکر اللہ کے بغیر نہ اندر سے باہر آئے اور نہ باہر سے اندر جائے۔ اس سانس کے بارے میں روزِ قیامت پرسش اور حساب ہوگا کہ کتنے سانس تم نے ذکر اللہ کے بغیر چڑھائے اور باہر سے اندر کیے؟

بعض مفسرین وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ کی تفسیر

اس طرح کرتے ہیں کہ "جو سانس بھی ذکرِ الٰہی سے وابستہ اور مربوط نہ ہو اس سے حساب کے دن پوچھ گچھ ہوگی کہ تم کس گناہِ قتل (ترکِ ذکرِ خدا) کے مجرم ہوئے۔

یہ ان چار اصطلاحی مراقبوں کا خلاصہ اور جوہر ہے جو حضرت شارحؒ نے اپنی شرح میں ذکر کئے حضرت جامی رحمہ اللہ اپنی اس رباعی میں اس کا خلاصہ یوں لکھتے ہیں۔ ع

بر مسندِ فقر چوں نشینی شاہی ٭ زِ اسرارِ حقیقت بیقین آگاہی

گر نقش بلوحِ دل کنی صورتِ او ٭ زاں نقش بنقشبندیاں راہی

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصل موحّدین کا ملین یہی حضرات صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین ہیں جو اس طعنہ زنی اور عیب جینی کے درپے ہیں ان کے دل ربانی اسرار قبول کرنے سے اس طرح بدکتے ہیں جیسا کہ آیا ہے کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ۔ وہ حضرت محبوبُ العالمؒ جیسے مجاہد اعظم اور صوفی اعلم کو کیا جانیں؛ اسی طرح وہ لوگ بھی راہِ حق سے بہت دور ہیں جو آپؒ کی دوستی و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اعمال و اقوال سب کچھ زر طلبی اور نام آوری کے لئے ہے بس۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْمُفَرِّطِيْنَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الْمعتدلين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

التَّحقيق اللغوى: (۱) قَدْ اَخَذْ. ضرورتِ شعری کی بناء پر اَخَذْ کا لام کلمہ ساکن بنایا گیا۔ ومثله ترى كثيرًا فى اشعارهم۔ (۲) طَبَقَةٌ: بڑی پلیٹ بڑی طشتری۔ جمع اَطباق۔ بنات طبق: مصیبتیں، کھچوے، سانپ۔ اُمّ طبق مصیبت (۳) اَحضَرا: یہ حَضَرَهٗ وحَضَّرَهٗ و اَحضَرَهٗ سے مشتق ہے۔ یعنی کسی کو حاضر کرنا۔ اَحضَرَهُ الشَّيْئَ: کسی کے پاس کوئی چیز حاضر کرنا۔ اس میں الف اشباعی ہے۔ شعر کی تقطیع از روئے قواعد اس طرح ہوگی:-

قَدْ اَخَذْ نِی، فاعلاتن۔ سِنْدَوانٍ، فاعلاتن۔ مِنْ طَعَامٍ، فاعلاتن۔ طَبْقَةٌ، فاعلن۔

یک شبے تو دے بکشتی صوفی اللہ داد را
نان دِہ و مُنجی زہولِ موجِ ّپماسر شد است

صُوفِی اللہ داد کَانَ لَیلَۃً فِی زَوْرَقٍ
فَاَتیٰ بِہِ الرَّغِیفَ مِنْ بِمَاسَرْنَا صِرًا

ترجمہ :

"(جب) آنجنابؒ نے رات کی تاریکی میں صوفی اللہ داد کو کشتی کے اندر خطرناک حالت میں دیکھا تو اُن کو رُوٹی پہنچائی اور ّپماسر جھیل کی ہولناک لہروں سے بچایا۔

التّشریح : جھیلِ ّپماسر کشمیر ایک جھیل ہے جہاں صوفی اللہ داد جو مُلّا ہداد کے نام سے مشہور ہیں، حضرت پیر کامل کے حکم سے شالی جمع کرنے گئے تھے، ایک رات وہ جھیل میں کشتی پر سوار تھے کہ اچانک زوروں کی ہوا چلی اور پانی کی موجیں اُٹھنے لگیں صوفی یہ دیکھ کر بہت ڈرے اور اپنے مُرشدِ نامدار حضرت محبوبُ العالم رحمہ اللہ کی طرف رجوع کیا تو اچانک یہ کشتی ایک ویران جزیرہ میں پہنچی، آں جنابؒ جسم بروزی میں حاضر ہوئے، اور صوفی کی گود میں "جو کہ بھوکے تھے" چند روٹیاں ڈال دیں اور فرمایا کہ : فکر و اندیشہ چھوڑ دو۔ آپؒ کی یہ کرامت صفتِ رزاقیت کی تجلّی بھی ہو سکتی ہے، جو در اصل اللہ تعالیٰ کی صفت اور کام ہے جو اس کے مخلص بندوں کے ہاتھوں سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ یہ صفت تجلّی رزّاق ہے اسی طرح آپ سے ظاہر ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو فرمایا وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا کہ "درختِ کھجور کے تنے کو ہلاؤ تو وہ تم کو ہرا اور تر و تازہ میوہ ڈال دے گا۔" اصل میں یہ فعل الٰہی ہے۔ بظاہر حضرت مریمؑ کی حرکت کا اس میں دخل رکھنا ان کا مرتبہ ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ حضرت چاگلی فرماتے ہیں : میں ہر جگہ آپ کو دیکھتا ہوں گیارہ نورانی باخدا انسان آپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔

التّحقیق اللغوی: صوفی اللہ داد: آنجنابؒ کے ایک مُریداور خادم کا نام۔ زَورَق: کشتی جمع زَوَّارق آتی ہے۔ کَانَ میں جو ضمیر مرفوع ہے وہ اسی اللہ داد کی طرف راجع ہے۔ وہ کَانَ کا اسم ہے۔ لَیلَۃً: ظرف زمان اور زورق، کَانَ کی خبر ہے۔ اس کی ۃ وحدت کے لئے ہے نہ کہ تانیث کے لئے۔ کیوں کہ بغیر تا بھی استعمال ہوتی ہے۔ جیساکہ متنبیؔ کہتا ہے۔ ؎

وَلَیلٍ کَیَوْمِ الْعَاشِقِیْنَ کَمَنْتُہٗ ٭ تُخَبِّرُ اَنَّ الْمَانَوِیَّۃَ تَکْذِبُ
وَقَاكَ رَدَی الْاَعْدَاءِ تَسْرِیْ اِلَیْھِمْ ٭ وَزَارَكَ فِیْہِ ذُوالدَّلَالِ الْمُحَجَّبُ

کبھی لیل کو مذکر اور لیلۃ کو مؤنث استعمال کیا جاتا ہے۔ بِہٖ: باحرف جر ہے جو فعل لازم أتی کو متعدی بنانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ الرّغیف: گندھے ہوئے آٹے کا پیڑا، روٹی، جمع اَرْغِفَۃ، رُغْف، رُغُف، رُغفانا اور تَرَاغیف آتی ہے۔ اَرْغَفَ اِلَیْہِ: تیز نظر سے دیکھنا۔ بِمَاسَر: بماسر کا معرب ہے ٭

چند درویشی زسندش دیدہ جویاں آمدند
عاقبت مقصودِ شان حاصل ازیں رہبر شدہ است

صُلَحَاءُ السِّنْدِ لَمَّا قَدْ رَأَوْہُ مِنْ ھُنَاكَ
فَأَتَوْہُ نَائِلِیْنَ مِنْہُ حَظًّا اَوْفَرَا

ترجمہ: "کچھ درویشوں نے آں جنابؒ کو (باجسم بروزی) سندھ میں دیکھا۔ آخرالامر وہ ڈرتے ہوئے آپؒ کے دربار عالی میں پہنچے اور آنجنابؒ کی رہنمائی سے اپنا مقصد اور حظ وافر پایا۔"

التشریح: ملک سندھ میں کچھ اللہ والوں طاہر، ابراہیم اور ابراہوم نے آپ کو جسم بروزی میں دیکھا۔ وہ اتنے متأثر ہوئے کہ سندھ سے کشمیر آئے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے آپؒ کے دربار میں حاضر ہو کر آپؒ کے دیدارِ فیض آثار سے شرف پایا اور۔

آپؒ سے اسرارِ الٰہی کا بڑا حصہ حاصل کر کے اپنے ملک کو واپس روانہ ہوئے۔

التّحقیقُ اللّغوی: (۱) اَلسِّنْدُ: یہاں پر مُلکِ سندھ مُراد ہے، جو اس وقت پاکستان کا اہم صوبہ ہے۔ سِنْدِیٌّ: سندھ کا باشندہ۔

(۲) قَدْ دَاْوَہٗ: اس کا ضمیرِ مفعول حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی طرف راجع ہے۔

(۳) حَظًّا: حَظَّ (س) حَظًّا: حصّہ، بہرہ، حصّۂ خیر و فضل، خوش قسمتی، سعادت جمع حُظُوظ، حِظَاظ، اُحُظ۔

(۴) اَلْاَوْفَر: وفر سے، زیادہ کرنا، پورا کرنا۔ اَلْاَوْفَر، کامل، تام، پورا۔ اَوْفَرَا میں الف اشباعی ہے۔

وھٰھُنا بحثٌ ونظرٌ للّذی لم یَعْثُر علیٰ اَسْرارِ عبادِ اللہ الصّالحین وکمالاتھم العلیّۃ العالیۃ وکراماتھم الباھرۃ۔

اللّٰھمّ اجعلنا من الواصلینَ الی العین دون السامعین الذین قلوبھم خالیۃ من المعانی والاسرار۔ وللہ درُّ مَنْ قالَ ؎

اَتَحْسَبُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ ؎ وَفِیْکَ انْطَوٰی العالمُ الاکبرُ

باتنِ مکتسبہ چوں یک شب سیّاح بود
رہنمائے رُوپ ریشی بر کہِ اُولر شُد است

کَانَ لَیْلَۃً یَسِیْحُ مَعَ جِسْمٍ مُکْتَسَبٍ
فَھَدٰی فِیْ جَبَلِ اُولَرْ رُوْپ رِیشی ذَاکِرًا

ترجمہ: "آں پیرِ کاملؒ ایک رات با جسم بروزی سیر و سیاحت فرما رہے تھے تو اسی دوران اُولر کے پہاڑ پر حضرت رُوپ ریشی کی رہبری و راہنمائی فرمائی۔"

التشریح: رُوپ ریشی ایک مردِ باخدا کا نام ہے جو کہ اُولر کے ایک گاؤں

میں رہتے تھے۔ ان کو حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ آپؒ کے اسمِ گرامی سے بھی نا آشنا تھا۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ روپ ریشی اپنے خلوت خانے سے قضائے حاجتِ بشری کے لئے باہر نکلے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک صاحب مجسّم نورِ ذاتِ گرامی گھوڑے پر سوار ہو کر تنہا تشریف لا رہے ہیں۔ اُن کے دل میں خیال آیا کہ اس وقت کسی آدمی کا آنا ممکن نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ رجالُ الغیب میں سے کوئی مردِ کامل ہو گا لہٰذا میں اس وقت تک کسی کا مُرید نہیں ہوا ہوں، اگر یہ صاحب مجھے مُرید بنائیں اور میری رہبری کریں تو کیا کہنے۔ غرض روپہ ریشی آپؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، اپنے حالات بیان کئے، مُرید بننے کی درخواست کی، آپ نے ان کو جواب دیا کہ آپ میرے گھر تشریف لائیے، جو آپ فرمائیں گے وہ قبول کروں گا۔ اور یاد رکھو میں سرینگر میں رہتا ہوں، میرا نام حَمزہ ہے۔ چنانچہ روپ ریشی فوراً شہر آئے اور دریافت کرتے ہوئے آپؒ کے دربار میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ آپؒ نے جوابِ سلام کے ساتھ مسکراتے ہوئے فرمایا "میں نے تم کو کہیں دیکھا ہے"۔ روپہ ریشی نے عرض کیا کہ: حضور میں نے آپ کو پہچانا، میں فلاں شب فلاں مقام پر آپؒ کے دیدار سے سرفراز ہوا ہوں۔ اس کے بعد فوراً توبہ کر کے آپؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ شعر میں یہی واقعہ بیان ہے۔

اَلتَّحقِیقُ اللُّغوِی: (۱) **کَانَ**: اس کا اسم ضمیر مستتر **ھُوَ** ہے، جو راجع بجانب حضرت شیخ حمزہ ہے۔ (۲) **یَسِیْحُ**: **سَاحَ یَسِیْحُ سَیْحَۃً وَ سَیَاحَۃً**: زمین پر چلنا پھرنا، سیر و سیاحت کرنا۔ (۳) **ھٰذِی** کا فاعل حضرت شیخؒ ہیں۔ (۴) **اُولَر**: **بُحَیرَۃٌ مَعرُوفَۃٌ فِی کَشمِیر**۔ (۵) **رُوْبَ رِیشِی** مُعرّب روپ ریشی، مفعول بہ ماقبل فعل کے لئے۔ (۶) **ذَاکِرًا**: **ذَکَرَ** (ن) و **تَذَکَّارًا**: اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا۔

☆☆☆☆☆

ہمچنین برہان کز وُ مشہودِ ما شُد بارہا
رُتبۂ ابدالی و سیّاحیش اظہر شُد است

قَدْ عَلِمْنَا بِالدَّلِيلِ اَنَّهٗ مِنْ فَضْلِهٖ
رُتْبَةَ الْاَبْدَالِ وَالسَّيَّاحِ حَقًّا اَظْهَرَا

ترجمہ: " ہم نے بسا اوقات آں جنابؒ کی اسی قسم کی قوی دلیلوں (کرامتوں) سے اچھی طرح یقین کیا کہ آپؒ فی الواقع اَبدال اور سیّاح کے مرتبہ پہ فائز ہیں۔

التشریح: اَبدال اور بُدلاء ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ سَیّاح جمع ہے سائح کی، بمعنی مُسافر۔ دونوں کے آخر میں تی مصدری ہے اور نسبت کے لئے بھی ہو سکتے ہیں۔ کما قال الشارح۔

یعنی آں جناب بدنِ بروزی و بدنِ مکتسبہ کے ساتھ بیک وقت عالم کے مختلف اطراف میں گھومتے اور بندگانِ خدا کو بہترین اور کارآمد نصیحتوں سے سرفراز فرماتے ہیں حالانکہ خود بدنِ حقیقی کے ساتھ اپنی جگہ تشریف فرما ہوتے ہیں۔

خُلاصۂ کلام یہ ہے کہ آنجنابؒ مخصوص اَبدال و سیّاحین میں سے ہیں۔ شارح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مولینا نورالدین جعفر نے خلاصۃ المناقب میں اپنے مُرشدِ حقانی حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھا ہے کہ: اولیاء اللہ میں سے ایک جماعت ہے جن کو اَخیار و سیّاح بھی کہتے ہیں۔ یہ سات ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کمالِ معرفت بخشی ہے۔ یہ نیکو کاروں اور طلب گاروں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ اسی کتاب میں موصوف نے حضرت شیخ علی کتابی کی یہ تحقیق قلمبند کی ہے کہ نُقَبَاء = ۳۰۰، نُجَبَاء = ۷۰، بُدَلَا = ۴۰، اَخیار = ۷، عُمَد = ۴ اور غوث = ۱ ہوتا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ نُقَبا کا مسکن مغرب، نُجَبَا کا مصر، بُدلا کا شام

اَخیَار ہمیشہ سیر و سیاحت میں ہوتے ہیں۔ عُمَدَہ زمین کے گوشوں اور زاویوں میں ہوتے ہیں۔ اور غوث کا جائے قرار مکۂ معظمہ ہوتا ہے۔ اور فرماتے ہیں: جب عوام کو کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ پہلے باذن اللہ نُقبا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پھر نُجَبا، پھر بُدَلا، پھر اَخیَار، پھر عُمَدَہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔ اگر ان سے کام نہ ہو جائے تو غوث کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اُن کی دُعا قبول فرماتے ہیں۔ آخر میں مولینا جعفر حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آں سیادت پناہ سیّاحین میں سے تھے بلکہ آں جناب مسافرِ مقیم اور مقیمِ مسافر تھے۔ کسی صفت اور جگہ سے مُقیّد (بالمعنی الاضافی) نہ تھے۔ اور آپؒ کے بارے میں یہ شعر تحریر کیا ہے ؎

تو کانِ گوھر کانی و گوھر نونی ؎ چہ کاف و نون زِ کاف و نون تو افزونی

ترجمہ: تو معمولی نہیں بلکہ کائنات کی کان کا لعلِ بدخشان ہے۔ تو کلمۂ کُن کا قیمتی لعل ہے اور تو کاف و نون کے تمام خلق اللہ سے برتر و بالا ہے۔

اور آں جنابؒ نے غیرت میں آکر فرمایا کہ: اس زمانے میں کسی نے مجھے نہیں پہچانا، لیکن میری وفات کے سو سال بعد ایسے طالب پیدا ہوں گے جو میرا مقام پہچان لیں گے اور میرے رسائل و تصنیفات سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ اِنتھیٰ ما قال ھناکہ قدس سرہٗ۔

کنز العباد میں مرقوم ہے کہ صحاحِ ستّہ کی کتابوں میں ثابت ہے:-

"اَلْاَبْدَالُ قَوْمٌ مِّنَ الصَّالِحِیْنَ لَاتَخْلُوْ الدُّنْیَا مِنْھُمْ اِذَا مَاتَ وَاحِدٌ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ اٰخَرَ"

احادیث سے ثابت ہے کہ اَبدال بندگانِ صداقت نشان کی ایک ایسی جماعت ہے جس سے دُنیا خالی نہیں رہتی جب ان میں سے کوئی وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے شخص کو بدلتا ہے۔ اغلب یہی ہے کہ کسی اَبدال کی وفات پر دوسرا اَبدال بحکم

خداوند تعالیٰ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر یہ حضرات اَبدال کے نام سے موسوم ہو گئے ہیں۔ اسی کنزُ العِبَاد میں مزید لکھا گیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ثابت ہے: "اَلبُدَلَاءُ اَربَعُونَ رَجُلاً اثنان وعشرون بالشام و ثمانیۃ عشر بالعراق کلّما مات منھم واحدٌ اَبدَلَ اللہُ مَکَانَہٗ اٰخرفاِذَا کَانَتِ الْقِیَامَۃُ مَاتَ کُلُّھُمْ" کہ ابدال چالیس بزرگ ہیں، بائیس۲۲ شام میں اور اٹھارہ عراق میں۔ جب ان میں سے کوئی وفات پاتا ہے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرے کو بھیجتا ہے۔ اور قیامت آنے پر سب کے سب مر جائیں گے۔

علماء کو اس حدیث پر یہ اشکال ہوا کہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات صرف شام و عراق کے حصّے میں آئے ہیں اور باقی دُنیا اُن سے خالی ہے؟ اس کا خلاصۂ جواب یہ ہے کہ آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ساری دنیا کو ۲ حصّوں میں تقسیم فرمایا ہے، ایک مشرقی حصّہ اور دوسرا مغربی حصّہ۔ عراق مشرقی حصّہ ہے جس میں خراسان، ہندوستان ترکستان اور دوسرے مشرقی ممالک آئے ہیں۔ اور شام مغربی حصّہ ہے جس میں مصر اور بلادِ مغرب شامل ہیں۔ لہٰذا ملکِ کشمیر بھی ان سے خالی نہیں، جس میں اپنے وقت کے محبوبُ العالمؒ بھی داخل ہیں۔ جس پر حضرت شیخ احمد چاگلؒ کی تحقیق اور حضرت خاکیؒ کی تعبیر شاہدِ عدل ہے۔ لہٰذا شرح کو غور سے مُطالعہ کرنا چاہیئے۔

بہرحال اَبدال یا بُدَلَا اصل میں ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے اخلاقِ ذمیمہ کو چھوڑ کر اپنے آپ کو اخلاقِ حسنہ، طیّبہ و طاہرہ سے آراستہ کیا ہو۔ اور اب اِصطلاحِ صوفیہ میں اُن چالیس۴۰ بندگانِ خدا پر اِطلاق ہوتا ہے جن کو خصوصی اوصاف میں شرکت ہوتی ہے اور دُنیا ایسے نیکو کاروں سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ ان حضرات کو جو کچھ ملتا ہے وہ بہ برکتِ اِتّباعِ حضرت سیّدُ المرسلین خاتمُ النبیّین محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ملتا ہے اور بس۔ وہ دین داری، زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری

کو اپنا پیشہ نہیں بناتے، بلکہ وہ خادم ہوتے ہیں اور اصلاحی مخدوم ہونا پسند نہیں کرتے۔
رہا ہمارا زمانہ تو سمجھ لو: "وَاَیْنَ مِنَ الْمُشْتَاقِ عُنْقَاءُ مُغْرِبٌ"۔

بندہ را تحقیق با علمِ لدُنّی بودنش
اگر اندر بابِ رُویا حِین مَا عَبَّر شُد است

اِنَّ عِلْمَہُ اللَّدُنِّیْ ثَابِتٌ عِنْدِیْ بِحَقّ
ذَالِکَ فِی الرُّؤیَا وَجَدْنَاہُ کَمَا قَدْ عَبَّرَا

ترجمہ: "مجھے آں جنابؒ کے علمِ لدُنّی سے مُشرّف ہونے کا اُس وقت یقین و اعتماد ہوا جبکہ آپؒ خوابوں کی تعبیر اس طرح فرماتے تھے جو آپؒ کے فرمانے کے مطابق ہو بہو آفتاب بن کر منصۂ شہود پر محقّق اور ظاہر ہوتی تھی"۔

التشریح: تفسیرِ خازن میں علمِ لدُنّی کی تفسیر اَلْعِلْمُ الْبَاطِنُ اِلْهَامًا سے کی گئی ہے۔ یعنی علمِ لدُنّی وہ پوشیدہ علم ہے جس کا الہام اللہ تعالیٰ اپنے نیکوکار بندوں پر ڈالتا ہے اور بندوں پر مخفی حقائق کا پردہ چاک کرتا ہے۔ کنزالایمان میں علمِ لدُنّی کی تحقیق اس طرح کی گئی ہے کہ یہ وہ علم ہے جو بندہ کو بطریقِ الہام حاصل ہو۔ واضح رہے کہ تعبیر و تاویل دونوں ہم معنی ہیں۔ یعنی دونوں لفظوں کا حاصلِ معنی یہ ہے کہ کسی خواب کا مطلب بیان کرنا اور اس کا انجام بتانا اور یہ علم یعنی "تعبیر الرؤیا" ایک عجیب و غریب علم ہے اور جب تک درج ذیل علموں میں مہارت نہ ہوگی تب تک یہ مقدّس اور برتر علم میسّر اور ممکن نہیں ہوگا۔

اوّل علمِ حساب، دوم معرفتِ اوقات، سوم معرفتِ طبائع، چہارم حکمت۔ پنجم لغت اور زباندانی سے آگاہ ہو۔ ششم قرآن و سُنّت کا علم۔ مزید برآں تعبیر کرنے والا تقویٰ و پرہیزگاری سے بھی بہرہ ور ہو۔ خوابوں کا علم سب سے پہلے حضرت آدم

علیہ السلام کو حاصل ہوا، آپ کے بعد دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو۔ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام خوابوں کی تعبیر دینے میں ممتاز اور مشہور تھے۔ اس کی تکمیل ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد عربی فداہُ ابی و اُمّی وصلّی اللہ علیہ وسلّم پر ہوئی۔ آپؐ کے طفیل صحابۂ کرامؓ تابعینؒ اور ان کے سچے پیرو اس علم میں سرآمد روزگار ثابت ہوئے۔

وحی اور الہام میں فرق :

الہام کے معنی ہیں اِلقاءُ الشّیئِ فی القلب "دل میں کسی چیز کا ڈالنا" جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰیھَا " اللہ تعالیٰ نے نفس کو بُری باتوں اور نیک باتوں کا الہام کیا ہے۔ وحی اور الہام میں یہ امر تو مشترک ہے کہ دونوں کسی چیز کے معلوم کر لینے کا ذریعہ غیبی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اِلہام ایسا وِجدان ہے جو نفس کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ مطلوب شئے کا علم حاصل ہوتا ہے مگر پتہ نہیں چلتا کہ اس کا مَبدأ کیا ہے۔ برخلافِ وحی کے کہ اس میں علم کا مبدأ پورے طور پر ہوتا ہے۔ پھر وحی و الہام میں بڑا فرق یہ ہے کہ وحی انبیاءِ کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی غیرِ نبی کو یہ ذریعۂ غیبی میسّر نہیں ہو سکتا ہے اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین الہام سے نوازے جاتے ہیں، اور یہ الہام حضرت سرورِ دوعالم خاتم الانبیاء حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کے دین کے مُطابق ہوتا ہے۔

غرض علماءِ اسلام کا اِتّفاق ہے کہ نزولِ وحی کی نسبت غیر نبی کی طرف کرنا سخت گناہ ہے۔ اسی وجہ سے عُلماءِ اسلام نے متّفقہ طور پر مرزائے قادیان مرزا غلام احمد قادیانی کو دائرۂ اسلام سے خارج کیا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی طرف نزولِ وحی کی نسبت کی تھی گو بعد میں اس نے اس کی تاویلیں کی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اب اِدھر اُدھر کی آڑ لیکر مرزا غلام احمد قادیانی کی وحی زندہ کرنے کی در پردہ ناپاک کوششیں کی جاتی ہیں۔ مگر ایسے لوگ ہوشیار رہیں اور ان کی تائید و تاویل کرنے والے اور وہ پستہ قد مولوی جو اسلام

اور مسلمانی کا دعویٰ کرنے کے باوجود مرزائے قادیان کے ساتھ کسی قسم کی عقیدت و احترام رکھتے ہیں اور محلسوں میں اسکی منقبتیں پڑھتے رہتے ہیں، بھی ہوشیار رہیں کہ وہ زبردست غلطی کرتے ہیں۔ ان کا منافقانہ رول بے نقاب ہوگیا ہے۔ اِن شاء اللہ کشمیر کی سرزمین میں قادیانیت کے مسموم جراثیم پھیلانے کی قطعاً اجازت نہیں دی جائے گی۔

کرد پیش از گفتنش اظہار رویائے شبش
پیش او تایب چو مُلّا احمد اَصفر شد است
وَلِمُلّا اَحمدُ اَبدیٰ قَبلَ اِظھارٍ لَہٗ
حُلُمَ لَیلِہٖ مَتیٰ مَا جَاءَہٗ مُستَغفِرًا

ترجمہ: "جبکہ مُلا احمد اَصفر آں مُرشد کامل کے پاس بیعت حاصل کرنے اور توبہ کی غرض سے حاضر ہوئے تو آپ نے انکو انکا شبانہ دیکھا ہوا خواب بتایا کہ تم نے کل رات ایسا ایسا دیکھا ہے۔"

التّشریح: اس شعر میں مُلّا احمد اَصفر کے خواب کی طرف اشارہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مُلّا احمد ابن مُلّا داؤد کھوی ہامی جو اَصفر کے لقب سے ملقب ہیں۔ اَصفر عربی میں زرد رنگ والے کو کہتے ہیں۔ چونکہ مُلّا احمد کے چہرے کا رنگ بھی زرد تھا اس لئے وہ اصفر کہلائے۔ وہ اپنے خواب کا واقعہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: میں اکثر و بیشتر حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کے ید بیضا پر بیعت ہونا چاہتا تھا اور آپؒ سے اپنی خواہش بھی ظاہر کرتا تھا مگر آپؒ کسی وجہ سے میری خواہش پوری نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ "ایک رات میں نے خواب میں ایک نہر دیکھی جس کا پانی رواں دواں تھا اور اُس کے اُوپر ایک پُل نظر آیا، جو اونچا مگر بند تھا، کوئی صاحب کہتا تھا کہ یہ پُل حضرت شیخ حمزہ محبوب العالم ہیں۔ اس نہر سے کچھ آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک کھمبے پر ایک چبوترہ ہے جس پر حضرت شیخ حمزہؒ صاف وشفاف اور بہترین لباس زیب تن فرمائے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں آپ کی طرف آگے

بڑھا اور عرضِ سلام کیا تو آپ نے پوری فرحت و بشاشت کے ساتھ میرے سلام کا جواب عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ "مُلّا اصغر! اوپر آؤ"۔ جب میں چبوترہ کے اوپر آیا اور پابوسی کا شرف حاصل کیا اور میرے زانوں کو اپنے مبارک زانوں سے لگایا۔"

مُلّا صاحب فرماتے ہیں کہ صبح ہوتے ہی آپ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا۔ اس وقت مجلس میں آپ کا ایک تازہ بیعت شدہ مخلص بھی حاضر تھا، اُن کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "جو خواب آج شب مُلّا صاحب نے دیکھا ہے مجھے اس کا علم ہے، اگر یہ چاہیں تو میں بیان کروں"۔ میں نے عرض کی کہ حضور بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: جو تم نے خواب میں دیکھا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں نے آپ کو قبول کیا ہے، لہٰذا اُٹھو، توبہ اور بیعت ہونے سے پہلے غسل کرو، غسل سے فراغت کے بعد آپؒ نے مجھے توبہ کی تلقین فرما کر اپنی بیعت و ارادت میں لیا۔ فالحمدُ للہ۔ چونکہ اس شعر میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس لئے اس میں از روئے علمِ بدیع صنعتِ تلمیح ہے۔ هٰذا مغزما فی الشرح۔

اس شعر کے مصرعہ اوّل میں اِضمار قبل الذکر بظاہر دکھائی دے رہا ہے جو علماءِ نحو کے نزدیک مُنکر ہے، مگر اس کا جواب واضح ہے اور ہمارے مُعرّب شعر میں اِضمار قبل الذکر نہیں ہے۔

التّحقیق اللّغوی: حُلُمٌ: حَلَمَ (ن) حُلمًا وحُلُمًا۔ فی حُلمِہٖ وحَلَمَ بہٖ۔ اس نے اس کو خواب میں دیکھا۔ حَلَمَ الصَّبِیُّ واَحْلَمَ لڑکے کا بالغ ہونا۔ حَلَمَ (حَلْمًا) الجِلْدَ چمڑے میں سے کیڑا نکالنا۔ اَلْحِلْمُ صبر، آہستگی، بُردباری۔ کبھی جہالت و بے وقوفی کے مقابلہ میں آتا ہے، جیسے کہتے ہیں "وَاِنَّ سَفَاہَ الشَّیْخِ لَاحِلْمَ بَعْدَہٗ" یعنی بوڑھے آدمی کی بے وقوفی کے بعد اُس سے عقل و بردباری کی اُمید نہیں کی جاتی۔ حَلِیْمٌ: خدا تعالیٰ کے اسماءِ حُسنیٰ میں سے ایک اسم ہے۔ (باقی ابیات کی تحقیق سابقہ ابیات میں آچکی ہے)

ہمچنیں اکثر مُریداں را خواب و واقعات
مُخبر از رویائے ہر یک قبل ما قرر شُد است

وَكَذَا يُبْدِي ذَوِيهِ مَا رَأَوْهُ فِي الْمَنَام
هٰكَذَا فِي الْوَاقِعَاتِ قَبْلَنَا قَدْ فَسَّرَا

ترجمہ: "اسی طرح آپؒ اکثر و بشیترا پنے مُریدوں کو اُن کے خواب اور واقعات، اُن کے بیان کرنے سے پہلے اُن پر واشگاف کرتے اور خبر دیتے تھے"۔

خُلاصۃ الشعر: حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ علمِ لُدنّی سے بہرہ ور ہونے کی بناء پر اپنے مُریدوں کے خواب اور واقعات اُن کے اظہار سے پہلے اُن سے بیان فرماتے تھے جن میں ذرہ برابر فرق نہ ہوتا تھا۔ زہے سعادت ان لوگوں کے لئے جنہیں ایسے پیرانِ حقائق آگاہ مُیسّر ہوں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ۙ وَلَا الضَّالِّينَ ۙ

اور واقعات اُن احوال کو کہتے ہیں جو مُرید اپنے شیخ کے سامنے بیان کرے۔ کمافی مطالب رشیدی "کہ در اصطلاح صوفیہ حدیث و واقعہ آنچہ کہ مُرید بر شیخ عرض کُند"۔ ص۱۸۳۔ والباقی اَظھر۔

افترا کردہ یکے رویاش گفت وزد جواب
عِندَنا بَا اَبلَہَا مِن بَعدُ لاتفتر شد ست

بَعضُ نَاسٍ اِفتَرٰی حُلمًا فَاَبدَاہُ لَہٗ
فَاَجَابَہٗ بِلَا تَفتَرِ مَنَامًا ذَا امِرًا

ترجمہ: " ایک شخص نے ایک خواب گھڑ کر (فرضی بنا کر) اور آں جناب علیہ الرحمۃ کے پاس آکر ظاہر کیا، آں جنابؒ نے خواب سُنتے ہی اس کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے کم عقل آیندہ اس قسم کی اِفترا پردازی اور جھوٹے خواب بیان کرنے سے احتراز کرو، ایسا کرنا گناہ ہے۔

التشریح: اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ موضع کھوئی ہامہ کے ایک نام نہاد مُلّا صاحب نے اپنی طرف سے ایک خواب گھڑ کر آں جنابؒ کے سامنے بیان کیا اور اس کی تعبیر دریافت کی۔ چونکہ حدیث شریف میں آیا ہے: اَلمُؤمِنُ یَرٰی بِنُوْرِ اللّٰہِ کہ "بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے" اس لئے آپؒ کو اپنے نورِ بصیرت سے معلوم ہوا کہ یہ خواب فرضی اور خود ساختہ ہے۔ پھر اس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم اس قسم کے جھوٹے خواب امیروں اور مالداروں کے پاس لے کر جاؤ گے ممکن ہے کہ تم کو کچھ دُنیوی منفعت حاصل ہو جائے، لیکن مُجھ جیسے فقیر کے پاس ایسے بناوٹی خواب لے کر آؤ گے تو میرے ہاں سے تم کو کیا ملے گا۔؟ یہ شخص سخت شرمندہ ہوا۔ اسی طرح اس نے اس پیر کامل سے اور بھی عظیم کرامتیں مُشاہدہ کیں تو فوراً اپنے حال پر بہت نادم ہوا۔ پھر توبہ کر کے آپؒ کے مُریدوں میں داخل ہوا۔

پیر ہوں تو ایسے ہوں اور مُجرم ہوں تو ایسے ہوں کہ اپنے جُرموں اور گناہوں پر خبر پاتے ہی توبہ اور اِنابت میں آجائیں اور اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دل پر غالب رہے۔

التحقیق اللغوی: لَا تَفتَرِ: صیغۂ نہی واحد مذکر مخاطب۔ فعل مضارع

معروف از باب اِفتعال ہے۔ اِفتریٰ عَلَیۡہِ الکَذِبَ: کسی پر تہمت لگانا جھوٹ بولنا۔ مجرّد میں فَرِیَ یَفۡرِیُ: دہشت زدہ اور متحیّر ہونا۔ فَرَیَ الشَّیئَ، کاٹنا پھاڑنا، چیرنا۔ قرآن کریم میں آیا ہے: اَفۡتَرٰی عَلَی اللہِ کَذِبًا اَمۡ بِہٖ جِنَّۃٌ۔ یہاں باب افتعال کا ہمزۂ وصل مکسور محذوف ہے اور موجودہ ہمزہ استفہامیہ ہے۔ اصل میں اِفۡتَرٰی تھا۔ اور لَاتَفۡتَرَ کا ظرفِ مکان عِنۡدَنَا ہے۔

قولہٗ: ذَامِرًا: یہ ذَمَرَہٗ (ن) ذَمۡرًا سے مشتق ہے جس کے معنی دھمکی دینا۔ ذَمَرَہٗ عَلَی الۡاَمۡرِ کسی امر پر ملامت کرکے اُکسانا، اُبھارنا۔ ذَمَّرَ الشَّیئَ اُس نے اندازہ لگایا۔ اس جگہ ضَامِرًا۔ اَجَابَ کے ضمیرِ فاعل مُستتر سے حال واقع ہے اس لئے یہ منصوب ہے۔

حاصل معنی یہ ہوئے کہ حضرت محبوب العالم نے اس کو جھوٹ خواب پر ملامت کرتے ہوئے لَاتَفۡتَرِ الۡمَنَامَ عِنۡدَنَا فرمایا کہ "ہمارے پاس جھوٹ اور بناوٹی خواب پیش نہ کرو" یہی بعینہٖ مصرعہ دوم کا خلاصہ اور مغز ہے۔ اور ضَامِرًا کا الف اشباعی ہے ؎

آں مُصدّر زادہ خطّاط مولینا حُسین
یک نظر دیدہ زلُطفش مس او چوں زر شُد است

وَکَذَا الۡخَطَّاطُ اِبۡنُ الصَّدۡرِ مَوۡلِیۡنَا حُسَیۡنٌ
فَبِنَظۡرِہٖ نُحَاسُہٗ صَارَ ذَھَبًا اَحۡمَرًا

ترجمہ: "اسی طرح آپ علیہ الرحمۃ نے رئیس زادہ مولینا حُسین خطّاط کو دیکھتے ہی اپنی مہربانی اور نظرِ التفات سے اس کے مِس خام کو اکسیر اور زرِ نایاب بنا دیا۔"

التّشریح: اس شعر میں مشہور خطّاط و خوشنویس مولینا حسین کا واقعہ ہے جبکہ آپ اپنی افتادہ حالی کے ساتھ آپؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو فوراً آپ کی نظرِ عنایت سے اس

کا تانبا سونا بنا۔ یعنی نقص و خامی سے نکل کر درجۂ کمال کو پہنچا۔ یہ اولیاء اللہ کی نظرِ عنایت ہے۔ اولیاء اللہ خدا نہیں ہوتے، وہ آخر کار بندے ہی ہیں۔ ربُّ العالمین کے سامنے عاجز اور بے نوا ہوتے ہیں۔ بایں ہمہ ان کو عبادت اور ربّانی احکام کے بجالانے سے قبولیّت کا وہ درجہ عطا ہوتا ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے۔ ؎

مَردانِ خُدا خُدا نباشند ٭ لیکن ز خُدا جُدا نباشند

التّحقیق اللّغوی: قولہٗ نُحَاسُہٗ۔ اَلنُّحَاس: تانبا، آگ، دھواں، وہ چنگاریاں جو لوہے کو کاٹتے وقت اُڑتی ہیں۔ اس جگہ اس کے مُضاف الیہ ضمیر مجرور حکمی کو ضرورتِ شعری کی بناء پر ساکن کیا گیا ہے۔ باقی الفاظ کی تشریح پیشتر اشعار میں آچکی ہے ؞

ہم تجلّے وحیات وقدرت وعِلم وکلام
شُد بَرو تاثیرِ آں بسیار مُستبصر شُد است

بِتَجَلّیٍ مِنْ حَیَاتِہٖ وَقُدْرَۃٍ وَعِلْمٍ
وَکَلَامٍ مُسْتَفِیْدٌ وَکَثِیْرٌ اُبْصِرَا

ترجمہ: "اسی طرح آں پیرِ پُر تَو مُنیر کے قلبِ مبارک پر حیاتِ جاودانی، الٰہی قدرت اور ربّانی علم کی تجلّی و برکات پڑ چکے ہیں جنکے آثار و علامات کثرت سے دیکھے گئے ہیں۔"

التّشریح: مُرشدِ کامل حضرت محبوبُ العالم رحمۃُ اللہ بسا اوقات اسرارِ الٰہی، رازہائے سربستہ اور خارقِ عادات امور ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے ان چیزوں کے بیان کرنے سے پہلے خود شعور اور ان کی آگاہی نہ تھی بلکہ یہ محض القاءِ ربّانی اور فضلِ ایزدی ہے۔

حضراتِ صوفیہ اَعلَی اللہُ مَقَامَھُمْ نے یہ نتیجہ آنجناب کے اس فرمان سے اخذ کیا ہے کہ آنجناب سے اس قسم کی کرامتوں کے صدور اور خوارقِ عادت امور کا ظہور محض عنایتِ ربّانی ہے کہ آپؒ کے قلبِ مبارک پر ربّانی حیات و قُدرت اور اس کے علم و کلام کی تجلّی اور پرتو پڑ

چکی ہے، ورنہ اس طرح کی کرامتیں ایک عام ولی سے صدور پذیر نہیں ہوسکتیں۔ کیوں کہ حیاتِ ابدی، قدرتِ کاملہ، علم بلا کسب و تحصیل اور تکلّم بلا حرکتِ لسانی حقیقت میں خدا تعالیٰ کی صفتیں ہیں جو اسی کے ساتھ مخصوص ہیں اور انہی خدائی صفات کا کچھ پرتو آپؒ پر پڑ چکا ہے جس کے نتیجہ میں آپ سے اس قسم کے امور صادر اور سرزد ہوتے ہیں۔ جن کو ہم اپنے عامیانہ محاورہ میں اِلقاءِ ربّانی یا شرح صدر یا علم لدُنیّ جیسے لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ شارح کی عالمانہ تحقیق ہے۔

اس کے بعد حضرت شارح علیہ الرحمۃ اس کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک مستورۃ الحال عورت آنجنابؒ کے پاس آئی اور اپنی عصمت و پاکدامنی کی ڈینگیں مارنے لگی، آنجنابؒ کی زبانِ مبارک سے نہایت آہستہ یہ کلمات صادر ہوئے "اگر تو اپنے دعویٰ میں سچّی ہے تو پھر تنہائی میں فُلاں جگہ، فُلاں فُلاں شخص کے ساتھ تیرا رہنا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔؟" یہ سُن کر وہ عورت بہت شرمندہ ہوئی اور آپؒ کی ولایت و بزرگی کا اثر اس کے دل و جگر میں پیوست ہوگیا اور اپنے فِسق و فجور کا اعتراف کر کے توبہ و استغفار میں آئی۔

حضرت خاکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آں جنابؒ نے اس عورت سے یہ کلمات فرمائے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو فقیروں کے سامنے جھوٹ بولنے سے شرمندہ اور رسوا کیا اور اس کی تنبیہہ کے لئے میری زبان پر غیر شعوری طور اور بے اختیاری کی حالت میں یہ کلمات سرزد ہوئے، ورنہ اس کی شرمندگی کے سبب میں خود منفعل ہوں کہ میری زبان سے اس کی عزت ریزی ہوئی۔

حضرت شارحؒ فرماتے ہیں کہ اسی طرح حسبِ حالِ مُریدین و مُخلصین آپؒ کی زبانِ مبارک سے اس نوع کی باتیں اور اس قسم کی کرامتیں صدور پذیر ہوتی تھیں جنکی تصدیق پر دیکھنے والے اور سُننے والے لوگ مجبور ہوجاتے ہیں۔

بہرحال دوستانِ خدا کا الٰہی صفات کے پرتووں کے ساتھ موصوف ہونا کوئی کوئی امر بعید نہیں اور اگر خود فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ .... وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا اور حدیث اِنَّ اللّٰهَ يَنْطِقُ بِلِسَانِ عُمَرَؓ و دیگر آیات واحادیث پر غور کرو گے تو حضرت شارحؒ نے جو کچھ بھی فرمایا وہ شریعت کے موافق ہے البتہ یہ بات پھر یاد رکھئے کہ یہ سب کچھ عطیۂ الٰہی ہے، اپنا کسی کو کچھ بھی نہیں اور جو بھی خوبی ہے اس کا اصل موصوف حضرت اللہ جلّ شانہٗ ہے۔ یہی معنے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے ہیں۔ فَتَفَكَّرْ۔

التَّحقیقُ اللّغوی: بِتَجَلِّی کا بامَعَ معطوفات مُتَفِيْدَةٌ کے ساتھ متعلق ہے۔ حَيَاتِہٖ کی ضمیر راجع بجانب جناب باری تعالیٰ۔ عَزَّ اِسْمُہٗ وَهُوَ مَذْكُوْرٌ فِي اَذْهَانِ الْمُوْمِنِيْنَ۔ اَبْصَرَا کا الف اشباعی ہے۔

گشت از اقوالِ او خاطر نشاں مخلصانش
ہم تجلّیٔ تکلّم را گہے مظہر شد است
اِطْمَأَنَّتْ بِكَلَامِهٖ قُلُوْبُ مُخْلِصِيْهِ
وَكَذَالِكَ تَرَاهُ بِالتَّجَلِّي مُظْهِرًا

ترجمہ: "آں جناب علیہ الرّحمۃ کے اقوالِ مبارکہ (سچے ثابت ہونے) سے آپ کے مخلصوں کے دِل اس بات پر مطمئن ہوئے کہ جو کچھ آپؒ فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ تجلّی کا پرتو پڑ جانے کی بدولت ظاہر فرماتے ہیں۔"

التشریح: آں پیرِ حقائق آگاہ اکثر و بیشتر خارقِ عادت کلام فرماتے تھے۔ کبھی آپؒ سے مذکور قسم کی کرامتیں بے اختیار صادر ہوتی تھیں تو آپؒ کے باخبر اور باشعور مُریدین ومخلصین سمجھتے تھے کہ آپ اس کمال کو اس وجہ سے پہنچے ہیں کہ آپؒ پر

تجلّی کا اثر غالب آچکا ہے۔

یہ بھی درحقیقت مُرشدِ راہِ طریقت کے آداب میں سے ایک ادب ہے کہ اپنے قابل مُریدوں کو اپنے غیر واضح حال سے آگاہ فرماتا ہے۔ حتّٰی کہ جب مُرید کے دل میں کوئی خیال آجائے تو پیر و مُرشد ایسا باکمال ہونا چاہیئے کہ از خود مُرید کے پوچھے بغیر اُس کا جواب اس طرح دے کہ اس کی تسلّی و تشفّی ہو جائے کیونکہ حقیقی پیر زبان سے کہنے کی طرف اِحتیاج بھی نہیں رکھتا۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح مُرشد اپنے سچے مُرید سے کلمۂ حق کا تلفُّظ کراتا ہے اور سالک کے دل کو خُدا تعالیٰ کی طرف متوجّہ کرتا ہے اور پھر اگر شیخ زبان سے ظاہر کرے تو اس میں خواہشاتِ نفس کے داخل ہونے کا احتمال ہے۔ پھر مؤثّر ثابت نہیں ہوگا۔ اسی نکتہ کی طرف عوارفُ المعارف میں اشارہ ہے:۔

"وینبغی اَن تکونَ تطلّعہٗ ای تَطَلُّعُ المرید اِلٰی مُبہمِ من حالہٖ یَستکشفُ عَنہُ بالسُّوال من الشیخ عَلٰی اَنَّ الصَّادِقَ لا یحتاجُ اِلی السُّوال باللّسانِ فی حضرتہٖ بَل یُبادیہٖ بما یُریدُ لِاَنَّ الشیخَ یکونُ مُستَنطِقًا نُطقَہٗ بالحق وھو عندَ حضورِ الصّادقین یرفعُ وقلبُہٗ فی القولِ والنُّطقِ ماخوذین اِلٰی مُھِمِ الوقت من احوال الطالبین المحتاجین الخ

ترجمہ: شیخ اپنے غیر واضح حال کو اپنے مُرید پر روشن کرے تاکہ مُرید صادق اس بات سے باخبر رہے کہ وہ اپنے شیخ کے سامنے سوال کرنے کی ضرورت نہیں رکھتا کیونکہ اس طرح وہ اس اعتماد پر رہیگا کہ اُس کا شیخ اپنے مُرید سے کلامِ حق کا تلفّظ کرانا چاہتا ہے اور اس کے دِل کو اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرانا چاہتا ہے۔ اس طرح شیخ کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنے مُرید کے لیے بارشِ برکات کا طالب بنے۔ پس مُرشد کی زبان و دل اپنے سچّے مُریدوں کے احوالِ خصوصی پر متوجّہ رہتے ہیں۔ یعنی شیخ کی یہ کیفیت دوامی نہیں ہوتی ہے۔ اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بعض اوقات الفاظ میں فساد پایا جاتا

ہے۔ گوکہ شیخ حق پرست کا کلام ہوئی و ہوس اور دنیوی اغراض سے پاک ہوتا ہے مگر امکانِ فساد قال میں عموماً ہوتا ہے اور حال ایسی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے۔ مگر یہ صفت اُس شیخ کی ہے جو مُتّبع کتاب و سُنّت ہو۔ اُسی کے متعلق حدیث میں آیا ہے کُنْتُ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ وَلِسَانَهٗ وَيَدَهٗ وَرِجْلَهٗ فَبِیْ يَسْمَعُ وَبِیْ يَنْطِقُ وَبِیْ يَبْطِشُ کہ جب با ایمان میرے ساتھ مکمّل تقرّب حاصل کرتا ہے تو میں اس کا گوشِ شنوا اور اس کی چشمِ بینا، اس کی بولتی ہوئی زبان، اُس کا قابض ہاتھ اور چلنے والے پَیر بن جاتا ہوں۔ یہی اعضا عبادت کے ہیں۔ بعد اِتمام عبادت کرنے والا ظاہر کی طرف محتاج نہیں رہتا ہے بلکہ اس کے دِل پر صفاتِ الٰہیہ کا عکس و ظہور پڑ جاتا ہے۔

اس قسم کا وصف اللہ تعالیٰ نے حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمایا تھا جس کی طرف حضرت شارحؒ نے مذکورہ شعر میں اشارہ کیا ہے اور اپنی شرح میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ اور مزید معلومات کے لئے دستور السالکین کی طرف رجوع کیجئے۔ ہمارے ذمّہ صرف ابیاتِ شریفیہ کی تعریب ہے۔ ہاں متن کے شعر کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ حضرت محبوبُ العالمؒ صاحبِ حال و قال ہیں۔ قال سے بھی آگاہی پاتے ہیں اور مُریدوں کے حال سے بھی، اور پھر اپنے قال سے اور گاہے اپنے حال سے طالبینِ حق کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ فتفکروا ولا تکن غافلاً۔

التّحقیق اللغوی: قولہ، اِطْمَأَنَّتْ، اِطْمَأَنَّ اِطْمِينَانًا وَطُمَانِيْنَةً -اِلَيْهِ: آرام لینا، قرار پکڑنا، پست ہونا۔ اَلْمُطْمَئِنُّ: ساکن - مِنَ الْاَرْضِ: پست زمین۔ اہلِ عرب کہتے ہیں طَمْأَنَ طَمَانِيَةً و طَأْمَنَ - ظَهْرَهٗ: پیٹھ کو جھکانا - الشَّیْئَ چیز کو ساکن کرنا۔ تَطَامَنَ: پست ہونا۔ قرآنِ مجید میں آیا ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ "اچھی طرح سُنو کہ (سچے) لوگوں کے دل اللہ ہی کی یاد سے چین اور قرار پاتے ہیں" کہ وہ اس یقین پر پہنچ جاتے ہیں کہ اللہ بس باقی ہوس۔ پس

جو لوگ اس کے ذکر و فکر سے قرار و اطمینان نہیں پاتے تو وہ حیوانات سے بھی بدتر ہیں اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ "یہی لوگ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر ہیں"

از دمِ او چند مُخلِص زندہ شُد ز امراضِ موت
زاں یکے خواجہ حُسین ہم والدش یکسر شُد است

مُخلِصُوہ بدُعائِہ نَجوا مِن مَرضِ مَوت
مِنہُم خواجہ حُسینؔ وَ اَبُوہ ذِکرا

ترجمہ:۔ "آپ کے کچھ مخلص آپ کی دُعاؤں سے مُہلک بیماری سے شفایاب ہوئے۔ جن میں سے خواجہ حُسین اور اُن کے والدِ بزرگوار ذکر کیے جاتے ہیں۔"

التشریح: حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کو بیماروں وغیرہ کے لئے احتیاط کی بنا پر تعویذ لکھنے کی عادت نہ تھی، بلکہ رِیا اور عُجب سے بچنے کے لئے اپنے کسی مخلص بیمار کی شفاء کے لئے ایک خاص قرآنی آیت پڑھتے تھے۔ اگر بیمار اس بیماری سے جلد شفا پانے والا ہوتا تو قدرت کی طرف سے شفاء کی اُمید کے الفاظ مبارک زبانِ مبارک پر آتے تھے اور اگر بیمار کا ٹھیک ہونا خُدا تعالیٰ کو منظور نہیں ہوتا تھا تو وہ آیتِ شفا وظیفہ ہونے کے باوجود بروقت آپ کو یاد نہیں پڑتی تھی بلکہ مُخبرِ غیب اس بیمار کے متعلق ڈرانے والے کلمات سُناتا تھا۔ اور جس وقت بیمار کی صحت کا اشارہ پاتے تھے تو اس کے متعلقین کو کچھ خیرات و صدقات کا حکم دیتے تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ خواجہ حُسین اور اس کے والد خواجہ فیروز سخت بیمار ہوئے تو اُن کے رشتہ داروں نے ان کے سامنے سخت گڑگڑاہٹ کی۔ چناں چہ آپؒ نے باری تعالیٰ سے اُن کی شفا کے لئے سخت عاجزی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا بخشی۔ گویا آپؒ کی دُعا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے موت کے کنارے سے

واپس آئے، آپ فرماتے تھے یہ از قسم کرامت اور احسانِ ربّ العالمین ہے۔

اس قسم کی کرامتیں تجلّی الٰہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ تَجَلّٰی لِلنَّاسِ عَامَّۃً وَلِاَبِیْ بَکْرٍ خَاصَّۃً۔ "اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو بقدرِ ان کے ظروف تجلّی اور انوار و پرتوڈالتا ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خصوصیّت کے ساتھ۔

التّحقیق اللغوی: قولہٗ: بکر۔ یہ یک مرتبہ کا مُخفّف ہے۔

قولہٗ: مُخْلِصُوْہُ، جمع مذکر اسمِ فاعل از باب اِفعال۔ یہ اَخْلَصَ الشَّیْئَ سے نکلا ہے، جس کا معنیٰ خُلاصہ نکالنے اور چُن لینے کے آتے ہیں۔ یہاں پر اس سے خاصُ الخاص مُریدین و طالبین مُراد ہیں۔ خَلَصَ (ن) خُلُوْصًا و خَلَاصًا اس کا مادہ ہے۔ معنی خالص ہونا۔ مِنَ الْھَلَاکِ: نجات پانا، محفوظ رہنا۔ خَلَصَ الْمَاءُ مِنَ الْکَدَرِ: پانی کا صاف ہونا۔ اِلَی الْمَکَانِ وَبِالْمَکَانِ: کسی جگہ پہنچنا۔ مِنَ الْقَوْمِ: جُدا ہونا۔ اَخْلَصَ لِلطَّاعَۃِ وَفِی الطَّاعَۃِ: طاعت و عبادت میں ریاکاری نہ کرنا۔ کلمۃ الاخلاص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

قولہٗ مِنْ مَرَضِ مَوْتٍ، مَاتَ یَمُوْتُ مَوْتًا: مَرنا، آگ کا بُجھانا، بُجھنا، کپڑے کا بوسیدہ ہونا، سردی گرمی کا زائل ہونا۔ مَاتَتِ الْحُمّٰی: بُخار کی تیزی کا کم ہونا۔

مَاتَ یَمُوْتُ مَوَاتًا و مُوْتَانًا۔ اَلْمَکَانُ: جگہ کا ویران ہونا۔ اَلطَّرِیْقُ: راستہ چلنا، بند ہونا۔ تَمَاوَتَ: مَرنے کا بہانہ کرنا، خاموشی اور کمزوری دِکھانا۔

اَلْمَوْتُ الْاَحْمَرُ: مقتول ہو کر مَرنا۔ اَلْمَوْتُ الْاَبْیَضُ: طبعی یا اچانک موت۔

اَلْمَوْتُ الْاَسْوَدُ: گلا گھونٹ کر مَرنا۔ اَلْمَوَاتُ: مصدر، بے جان چیز، غیر آباد زمین۔

اَمَاتَ نَفْسَہٗ: اُس نے اپنے نفس کی خواہشات کو مارا۔ نبذۃٌ مِنَ "المنجد"

☆☆☆☆

گُفت مردے را بہنگامِ تجلّے مُمیت
مَن ہلاکت می کُنم شب مُردہ بر بسترِ شد است

قَالَ رَجُلًا لَا مِيْتُكَ فِي تَجَلِّي يَا مُمِيْت
فَرَأَوْهُ فِي الْفِرَاشِ جَوْفَ لَيْلٍ دَاثِرًا

ترجمہ: "آں جناب علیہ الرحمۃ نے یَا مُمِیْتُ کے تجلّی کے وقت ایک شخص سے فرمایا کہ میں تم کو خدا کے حکم سے ہلاک کروں گا. چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ لوگوں نے اس کو رات کے وقت بسترِ مرگ پر مُردہ پایا"

التشریح: اِحیاء و اِماتة، زندگی عطا کرنا اور مارنا درحقیقت اور درہمہ حال صرف ذاتِ پاک کا خاصہ ہے اور بس. مخلوق کی طرف اس کی نسبت مجازی ہوتی ہے.

پس با ایمان کے لئے نسبتِ حقیقی اور مجازی میں فرق کرنا ضروری ہے، یہ ایسا ہے کہ جیسا کسی قریبُ الموت بیمار کو قابل ترین طبیب اور ڈاکٹر مل جائے تو وہ اس کی بدولت ٹھیک ہوتا ہے تو عام و خاص اُس وقت کہتے ہیں کہ اس کو فلانی ڈاکٹر نے موت کے دہانے سے بچایا. یا کسی معمولی بیمار کو کوئی ناقابل ڈاکٹر علاج کرے تو وہ مرجائے گا، تو تب سب واقف لوگ کہتے ہیں کہ اس کو فلاں ڈاکٹر نے مارا حالانکہ دونوں جگہ محُی و مُمیت یعنی زندگی عطا کرنے والا اور مارنے والا مولائے حقیقی ہے اور ڈاکٹر کی نسبت مجازی ہے. قرآنِ مجید میں ہزاروں جگہ نسبتِ حقیقی اور نسبتِ مجازی مُستعمل ہے. اس سے توحید کے اعتقاد میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اَسبابِ ظاہر اور اَسبابِ خُفیہ کا تناسب رہتا ہے. باور نداری تو آیتِ لِاَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا اور فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ پر غور و فکر کیجیے. تو اسی طرح حضرت محبوبُ العالم اُس شخص کی موت کے باعث ہوئے ورنہ اس کا فاعلِ حقیقی صرف اللہ جل شانہ ہے. یعنی اگر اللہ نہیں چاہتا

تو وہ ہرگز نہیں مرتا۔

بہرحال مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ زندہ کرنا یا مارنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا خاص فعل ہے۔ بندوں کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے اور حقیقت و مجاز کا یہ فرق قرآنِ کریم میں موجود ہے۔

رہا شعر کا مفہوم تو شارح کے مطابق اس کا ماحصل یہ ہے :-

" آں جناب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میرا ایک شخص ڈیرے والا تھا، اتفاق سے اُس کو اپنے سُسر کے ساتھ کشیدگی انتہائی صورت اختیار کر گئی۔ اس غریب نے اپنے سُسر کی زیادتی بیان کی اور کہا کہ عدالت میں میری سفارش کیجئے۔ چوں کہ میں ظاہری عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹاتا نہیں ہوں اس لئے میں نے اس سے کہا کہ بارگاہِ الٰہی میں تمہاری خلاصی کے لئے دُعا کروں گا۔ اوّل تو میں نے اس کے سُسر کو اندر آئینِ شریعت سمجھایا، جب وہ ظلم سے باز نہیں آیا تو میں نے اس سے کہا کہ : میں تم کو اللہ تعالیٰ کے حُکم سے ہلاک کردوں گا۔ چناں چہ وہ ظالم واپس گیا، حسبِ عادت رات کو سویا تو صُبح کے وقت دیکھا کہ وہ دَم توڑ بیٹھا تھا۔ حضرت محبوب العالمؒ کو جب اس کی موت کی خبر سُنائی گئی تو فرمایا : یہ میرا کمال نہیں بلکہ یہ یَا مُمِیْتُ کی تجلّی اور اثر ہے۔ واضح رہے کہ یہ لفظ اَسْمَاءِ حُسْنٰی میں سے ہے، اس کے خواص بہت زیادہ ہیں۔ ھٰذا لُبُّ مایتعلق بہ الشعر۔

شارح نے شَمَائِلُ الْاَتْقِیَا میں تجلّیٔ مُمِیْت کی ایک اور مثال اس طرح دی :-

" سُلطان قطب الدین کے بیٹے سُلطان علاؤ الدین خلجی نے سرتاجِ اولیا حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر آپ آیندہ ماہ کی پہلی تاریخ کو میری مبارکبادی کے لئے حاضر نہ ہوں گے تو سختی سے پیش آؤں گا۔ جب آیندہ ماہ کا چاند دیکھا گیا تو خُدّام نے بادشاہ کا پُرعتاب پیغام یاد دلایا۔ سرتاجِ اولیاؒ نے فرمایا کہ "یہ سرکٹا ہوا رنڈوا مجھ سے کیا چاہتا ہے؟" تو اسی رات عِشاء کی نماز کے بعد یہ اِطلاع آئی کہ سلطان قطبُ الدین کا سر کاٹا گیا اور اس کا گھر اور شاہی محل لوٹ لیا گیا۔ بہرحال یہ بھی اَلْمُمِیْتُ کی خاصیت ہے۔"

خاکسار عرض پرداز ہے کہ ایسے وظیفوں پر عمل کرنے والوں کو پوری احتیاط کرنی چاہئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی حلیم و بردبار ہے ورنہ خطرۂ ایمان ہے۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ اجمعین نے بادلِ ناخواستہ عباد اللہ کی منفعت کے لئے استعمال کیا ہے۔ فَافْہم وَلَا تَکُنْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ۔

التّحقیق اللّغوی :۔ قولہٗ، قَالَ اس کا فاعل حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ، پاسبانِ دینِ حضرت سیّدُالمرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم ہے۔

قولہ لَاُمِیْتَنَّکَ : یہ باب اِفعال کا واحد متکلّم ہے اور لَام اس کے شروع میں تاکید کے لئے ہے۔ اَمَاتَ یُمِیْتُ اِمَاتَۃً سے نکلا ہے : دوسرے کو ہلاک کرنا۔ اسی سے یُحْیٖی وَ یُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ : وہی خدا مارتا اور زندہ کرتا ہے اور اسی کے دستِ قدرت میں ہر قسم کا نفع و نقصان ہے۔

مُمِیْتٌ : اسمِ فاعل بابِ اِفعال کا ہے۔

قولہٗ جَوْفَ لَیْلٍ : جَوْف : پیٹ، درمیانی حصّہ، رات کا درمیانی حصّہ۔ اَلْاَجْوَف : کھوکھلا، وسیع کوکھ والا۔ صرفیوں کے نزدیک وہ کلمہ جس کے عین کلمہ کے درمیان حرفِ علّت ہو۔ اور اگر وہ وَاو ہو تو اس کو اَجْوَفِ واوی کہتے ہیں۔ جیسے قَوْلٌ، عَوْلٌ، جَوْلٌ۔ اور اگر وہ یَا ہو تو اس کو اَجْوَفِ یائی کہتے ہیں۔ جیسے : نَیْلٌ، خَیْلٌ، خَیْرٌ۔

والباقی اظہر من ان یّذکر۔

از دعائے مستجابش بہ شدہ بسیار کور
خاصہ از کوری بہ آں فتح اللہ کاچر شد است

رُبَّ عُمْیٍ مِنْ دُعَائِہِ الْکَرِیْمِ اُبْصِرُوْا
کَوْنُ فَتْحِ اللّٰہِ بَصِیْرًا بَعْدَ عُمْیِہٖ اُشْھِرَا

ترجمہ: "آں جناب علیہ الرحمۃ کی دعاءِ مستجاب سے بہت سے اندھے بینا ہوئے. خاصکر فتح اللہ کاچر کا آپؒ کی مقبول دعا سے بینا ہونا شہرۂ آفاق ہے۔"

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آپؒ بفضل اللہ مستجابُ الدعوات ہیں. بڑی سخت مشکلیں آپکی مقدس اور مبارک دعا سے حل ہوتی ہیں. چناں چہ آپؒ کے مریدوں میں سے ایک صاحب فتح اللہ کاچر تھے جو اتفاق سے نابینا ہوئے اور اپنی پوری عقیدت سے آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بینائی سے محروم ہونے کی شکایت کی. چنانچہ حضرت محبوبُ العالم شیخ حمزہ رحمہ اللہ نے اس کی دوبارہ بینائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے عاجزی کی اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو پھر بینا بنایا.

اسی طرح آپؒ کے بہت سے مخلصین نابینا ہونے کے بعد آپ کی دعا و توجہ سے بینا ہوئے.

واضح رہے کہ "کاچر" کشمیری میں نیلگوں آنکھوں والے کو کہتے ہیں.

شعر میں مبالغہ نہیں بلکہ حقیقتِ حال کا ذکر ہے، اگر کسی کو شک ہو کہ کیا ایسا ممکن ہے تو اس کو آیتِ اِذْھَبُوْا بِقَمِیْصِیْ ھٰذَا فَاَلْقُوْہُ عَلٰی وَجْہِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا پر غور کرنا چاہیئے. آخر معجزہ اور کرامت میں فرق صرف اعتبار کا ہے. اچھی طرح سمجھ لیجئے اور آیتِ مبارکہ کی تفسیر و معنیٰ تفسیر کی کتابوں میں مطالعہ کیجئے. لَعَلَّ اللّٰہَ یَشْفِیْکَ عَمَّا اَنْتَ فِیْہِ اَیُّھَا الشَّاکُّ وَالْمُرِیْبُ.

التحقیق اللغوی: قولہٗ عُمْیٌ جمع اَعْمٰی. اندھا اور نابینا.

قولہٗ اُبْصِرُوْا: اِبْصار سے ہے. اَبْصَرَہٗ: دیکھنا، بینا کرنا. اَلرَّجُلُ: کسی کا بصر یا

آنا۔ اَبصَرَ الطَّرِیْقُ: راستہ کا واضح اور نمایاں ہونا۔ تَبَصَّرَ الشَّیْئَ: کسی چیز کی طرف بغور دیکھنا۔ فِی الشَّیْئِ: کسی بات میں سوچ بچار کرنا۔ بَصِیْرًا: دانا بینا۔ اس کی جمع بُصَرَاءُ آتی ہے۔ بُصْر: موٹائی۔ حدیثِ شریف میں آیا ہے: بُصْرُ کُلِّ سَمَاءٍ مَسِیْرَۃُ خَمْسِ مِائَۃِ عَامٍ " ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ہے۔

قولہٗ عُمْیُہٗ: مضاف الیہ۔ ہٗ کو ضرورتِ شعریہ کی بناء پر ساکن کیا گیا ہے۔

قولہٗ اَشْہُرًا: یہ منصوب ہے کَانَ کی خبر ہونے کی بنا پر۔ اس قسم کے مقامات میں فُصحاءِ عرب عموماً کَانَ کو حذف کرتے ہیں۔ آخری الف اِشباعی ہے۔

واضح رہے کہ جس طرح خواجہ فتح اللہ کاچرہ رحمہ اللہ آپؒ کی دُعا و توجہ سے دوبارہ بینائی سے مُشرّف ہوا، اسی طرح اس کے متعلّقین اور رشتہ داروں میں سے ایک نوعمر لڑکا بھی نابینا ہوا، وہ لڑکا آپؒ کے آستانۂ فیض کاشانہ میں نہایت عاجزی و گڑگڑاہٹ سے حاضر ہوا اور آپؒ کی کُلاہِ مُبارکہ کا خواستگار اور طالب ہوا۔ آپؒ نے از روئے عنایت و شفقت اس کو اپنی کُلاہِ مُبارکہ عطا کی۔ اس نے یہ ٹوپی شریف پورے یقین اور اِتّقان سے اپنے سر پر رکھی تو وہ فوراً ہی بینا ہُوا۔

ہاں! ہاں!! اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کے نیک بندے باطنی بیماریوں کے علاج کے ساتھ ساتھ ظاہری یا جسمانی بیماریوں کا بھی علاج فرماتے ہیں۔ اور یہ شرف بھی ان کو بارگاہِ نبوّت صلّے اللہ علیہ وسلّم سے عطا ہوا ہے۔

ولنعم ما قال العَلّامَۃُ البوصیری رحمہ اللہ ؎

کَمْ اَبْرَأَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُہٗ
وَاَطْلَقَتْ اَرِبًا مِنْ رِبْقَۃِ اللَّمَمِ

از دعائے او بسے قلاش می شد بانوا
یک دعا اظہر بہ دولت رینہ نونر شد است

کم فقیر بدعائہ لاضحوا اغنیاء
و دعائہ لدولت رینہ نونر اظہرا

ترجمہ: " اسی طرح بہت سے بے سروسامان فقیر اور مسکین لوگ آں جناب علیہ الرحمۃ کی دعا و توجہ سے مالدار اور دولت مند ہوئے۔ جیسا کہ آپؒ کی دعا سے موضع نونر کے دولت رینہ کے حق میں ظاہر اور مشہور ہے کہ مسکین اور فقیر ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو مالدار بنایا۔"

التحقیق: قلاش فقیر اور مسکین کو کہتے ہیں۔ دولت رینہ آپؒ کے مریدوں میں سے ایک صاحب کا نام ہے۔ نونر شمالی سرینگر تحصیل گاندربل کا ایک گاؤں ہے۔ اتفاق سے یہ پیر تنویر کے پاس آکر طالب دعا ہوئے تو آپؒ نے اُن کے خیر و برکت اور وسعتِ رزق کے لئے دعا فرمائی جو بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی۔ پھر کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آپکی دعا سے مال و دولت سے مالا مال فرمایا۔

التحقیق اللغوی: اَظْھَرَ سے پہلے فعل ناقص صار مقدر ہے۔ کما ھو دابُھُم فی اَمثالِ ھٰذہ المواضع۔ والباقی اَظھر مِن اَن یُذکر۔

رہا یہ امر کہ کیا اولیاء اللہ بعدِ وفات بھی اس قسم کا تصرف کر سکتے ہیں تو وطالع التفسیر لا سِیّما التفسیر المظھری نعم لا بُدَّ ان یکون الطالبُ قویَّ الھمّۃ عزیمَ الارادۃ غیرَ مُفرِطٍ ولا مُفرِّطٍ فی جنبِ اللہ۔

اہلِ دولت گشت وصحت یافت از سرخ باد
پیشِ او تایب چو ابنِ رَبِیْنَہ مُوسِر شُد است

صَارَ ذَا مَالٍ کَثِیْرٍ وَ شُفِیْ مِنْ حُمْرَۃٍ
عِنْدَہٗ مَنْ تَابَ صِدْقًا کَابْنِ رَبِیْنَہ مُوْسِرًا

ترجمہ: " آں جناب علیہ الرحمۃ کے پاس جب ابنِ ربینہ نے سچی توبہ کی تو اُس نے سُرخ باد جیسی مہلک بیماری سے شفا پائی اور مال و دولت سے بھی فائز المرام ہو گیا"۔

التحقیق اللغوی: قولہٗ شُفِیَ یَشْفِیْ شِفَاءً۔ اللّٰہُ فلانًا مِنْ مَرَضِہٖ: مرض کو دور کرنا۔ شَفِیَ شَفًی۔ الھلالُ: ہلال کا غروب ہونا۔ شُفِیَ الْمَرِیْضُ: بیمار کا تندرست ہونا، صحت یاب ہونا۔

قولہٗ سُرخ باد' یہ ایک قسم کی وبائی بیماری ہے' اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے' جس میں بُخار آتا ہے اور بدن پر سُرخ سُرخ دانے پیدا ہوتے ہیں۔ اس بیماری کو عربی میں اَلْحُمْرَۃُ کہتے ہیں۔ کذا فی المنجد۔ حشیشۃُ الحُمرۃ: ایک قسم کا زہریلا پودا۔

قولہٗ مُوْسِرًا: باب اِفعال کا اسم فاعل۔ اَیْسَرَ اِیْسَارًا: مالدار ہونا۔ صفت مُوسِر۔ اس کی جمع مَیَاسِیْرُ آتی ہے۔ اس کا مادہ یَسَرَ، یَیْسِرُ، یُسْرًا و یَسَرًا: نرم ہونا، مُطیع و فرمانبردار ہونا۔ اسی سے اَلدِّیْنُ یُسْرٌ آیا ہے کہ " دین آسان ہے"۔ قرآنِ کریم میں وارد ہے: یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ "خدا تعالیٰ تمہاری آسانی چاہتا ہے"۔ اور سورۂ اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ میں فرمایا: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ "سختی کے بعد آسانی ہے۔ واضح رہے کہ اس سورۂ شریفہ میں مَعَ بمعنیٰ بَعْدَ ہے۔

التَّرکیبُ النَّحوی:۔ صَارَ کا اسم مَنْ تَابَ عِنْدَہٗ صِدْقًا ہے۔

اور ذَا مَالٍ خبرِ مُقدّم، اسی لئے یہ بنا برخبرِ مقدم منصوب ہے۔ اصلی عبارت یوں ہوئی:۔
صَارَ مَنْ تَابَ عِنْدَہٗ ذَا مَالٍ۔ اور مُوْسِر بنا برخصوصیت مقام مزید یا تخصیص ابن دینہ کی صفت ہے۔ والباقی اَظہر مِن اَن یُّذکر۔

صوتِ قرآں خواندنش ہر جا رسیدے ہمچو باد
دیو بگریزندہ و لرزندہ چوں عرعر شدہ است

حِیْنَمَا یَتْلُوْ الْقُرْاٰنَ مِثْلَ رِیْحٍ یَّهْرُبُ
وَیَفِرُّ الْجِنُّ وَ الْخُبُثُ کَشَجَرِ عَرْعَرَا

ترجمہ: "آں جناب رحمۃ اللہ علیہ جب قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے ہیں تو جہاں تک اسکی آواز پہنچ جاتی ہے، وہاں تک کے دیو و جن چیڑ کے درخت کی طرح تھرتھراتے ہوئے بھاگ جاتے اور راہِ فرار اختیار کر جاتے ہیں۔"

التحقیق اللغوی: قولہٗ یَتْلُوْ یہ تَلَا یَتْلُوْ تِلَاوَۃً سے ہے، جس کے معنے پڑھنے کے آتے ہیں۔ تَلَا الْکِتَابَ: اس نے کتاب پڑھی۔ تَلِیَ (س) تَلًی۔ مِنَ الشَّهْرِ یَوْمٌ: مہینہ کا ایک دن باقی رہنا۔

قولہٗ یَهْرُبُ و یَفِرُّ: یہ دونوں فعل مُضارع از قبیلۂ تنازع فعلان ہے۔ جس کی پوری تفصیل علمِ نحو کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور اَلْجِنُّ وَ الْخُبُثُ: معطوف علیہ مع معطوف یَهْرُبُ و یَفِرُّ کے فاعل ہیں۔ ترمذی شریف کی حدیثِ مبارک میں آیا ہے کہ جب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیتُ الخلا میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تھے تو آپؐ یہ دُعا فرماتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔
امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حدیثِ حسن صحیح قرار دیا ہے اور صاحب مرقات نے لکھا ہے: خُبُث بضمّ الباء وکُبکن۔ وھو المؤذی من الجنّ وَ الشَّیَاطِین

وَالْخَبَائِث جمعُ خَبِيْثَة يُرِيد ذُكُورَ الشَّيَاطِين وإِنَاثَهُمْ۔ پس خُبث وخبائث کا اصل معنی موذی جن وشیاطین مرد ہوں یا عورتیں۔

شعر کا مطلب یہ ہوا کہ جب محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن خوانی کی آواز گونجتی ہے تو اس سے تمام ایذا دینے والے جن وشیاطین خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنّث، درخت چیڑ کی طرح مارے خوف کے تھرتھرا کر بھاگ جاتے تھے۔

قولہٗ عَرعَر شُداست۔ مصنّف رحمۃ اللہ علیہ نے عَرعَر کا مفہوم اس طرح فرمایا کہ:
"درختی است کہ لرزندہ می باشد" یعنی ایک درخت جو ہمیشہ متحرک ہوتا ہے۔ یہاں پر ہم نے اس کا ترجمہ لازم معنی صَرصَر سے کیا ہے، جس کے معنی چلّانے اور تیز ہوا چلنے کے آتے ہیں۔ کہتے ہیں: صَرصَرَ الرَّجُلُ آدمی زور سے چلّایا۔ اَلصَّرصَرُ مِنَ الرِّيَاح: تیز چلنے والی یا سخت ٹھنڈی ہوا۔ اَلْقُرآن کا ہمزہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے حذف ہوا۔

خُلاصَۂ شعر: شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کچھ دیوانے اور آسیب رسیدہ بھی آپؒ کی توجہ اور ہمتِ عالی سے ہوش میں آگئے اور جہاں تک آپؒ کی قرآن خوانی کی آواز جاتی تھی وہاں تک کے جن و دیو بھی بھید درخت کی طرح ہراسان و پریشان ہو کر بھاگ جاتے تھے۔ نیز اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ کو روحِ سلیمان علیہ السّلام نے باطنی طور خلافت عطا فرمائی ہے۔ اس لئے دیو و جن بھی آپ کے تابع فرمان ہیں کیوں کہ آپؒ بھی اس سلسلۂ عالیہ کے نورافشان ماہتاب ہیں۔

پیش ازیں در چند جا دیو و بُت و بت خانہ بود
ایں دم از یمنِ قدومش مسجد و منبر شُد است

كَمْ مَقَامٍ أَهْلُ وَثْنٍ ثُمَّ شِرْكٍ قَبْلَهُ
صَارَ أَنفًا بِيُمْنِهِ مَسْجِدًا وَمِنْبَرًا

ترجمہ: "آں جناب رحمت مآب سے پہلے بہت سے مقامات میں دیو، بُت و بُت خانے تھے۔ آج یہی مقامات آپؒ کی برکت سے منبروں اور مسجدوں سے مُتبدل ہو گئے ہیں۔"

التشریح: کشمیر میں بہت سے مقامات سرکش دیووں اور انسان نما شیطانوں کے مرکز بنے ہوئے تھے، جہاں شرک و کفر کے رسوم پورے جوش و خروش سے انجام پاتے تھے اور ہر قسم کی بدکاری اور شراب نوشی عام ہو گئی تھی۔ ان مقامات میں سے موضع نادی ہل، کنزر، اہنہ گام، آرہ گام، ننگہ پال، آہام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے جب حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ ان مقامات میں پہنچے اور اپنے روحانی فیوض و برکات سے کام لیکر سرکش دیو و شیطان ان مقامات سے بھاگے۔ اور پھر آپؒ نے اُن مندروں کو مسجدوں اور منبروں میں بدل دیا۔ والتفصیل فی الشّرح۔ ہاں! حضرات صوفیہ نے اسی طرح خاموش طریقہ اور اخلاص سے دینِ اسلام کی خدمت کی۔ افسوس ہے کہ آج ہم خدا تعالیٰ کی بندگی نہیں بلکہ اپنے نفسانی بُتوں اور دیووں کی بندگی کر کے سَلفِ صالحین کے خِلاف ہرزہ سرائی اور زہر افشانی کرتے ہیں۔ مَعاذ اللہ پھر بھی مُجددین کی فہرست میں اپنے نام لکھواتے ہیں۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

التّحقیق اللّغوی: قولہٗ اَهْلُ وَثْن: بُت پرست۔ وَثْن بُت کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اَوْثَان اور اُثن آتی ہے۔ اَلْوَثَنِی: بُت پرست۔ اس کا مادہ وَثَنَ يَثِنُ وُثُوْنًا ہے۔ جس کے معنی عہد پر جمے رہنا، ثابت رہنا کے آتے ہیں۔

قولہٗ ثُمَّ : یہاں پر یہ تراخی کے لئے نہیں بلکہ خالص عطف کے لئے ہے۔

قولہٗ مِمْبَرا : مِمْبَر اصل میں مِنْبر تھا، نون کو میم سے تبدیل کر کے مِمْبَر ہو گیا اور پھر میمِ اوّل کو میم دوم میں حسبِ قواعدِ ادغام دیا گیا تو مِمبر ہوا یعنی وہ بلند جگہ جس پر چڑھ کر خطیب یا واعظ لوگوں کو خِطاب کرتا ہے۔ اس کی جمع مَنابِر آتی ہے یہ اصل میں نَبَرَ الغُلَامُ نَبَرًا سے نکلا ہے جس کے معنے لڑکے کے بڑھنے کے آتے ہیں۔ نَبَرَ الْمُغَنِّیْ : گویّے کا آواز کو پست کرنے کے بعد اُٹھانا۔

بہ شُد مصروع ہم زِ انفاسِ پُر برکاتِ او
چند جزئیات بشمارم کہ پُر دفتر شُد است

هٰكَذَا الْمَصْرُوْعُ صَحَّ مِنْ اَزَاكِيْ نَفْسِهٖ
نُبْذَةً اِنِّيْ اَعُدُّ قَدْ اَحَاطَ الدَّفْتَرَا

ترجمہ : "اسی طرح آں پیرِ حقائق تنویر کے پاک ترین اور پُر برکت پھونکوں سے مِرگی کے بیمار تندرست اور شفایاب ہوئے ہیں۔ میں تو ابھی آپؒ کی چند کرامتیں اور کمالات گِن رہا ہوں تو ایک بڑا دفتر تیار ہو گیا۔ پھر آپؒ کے کمالات و کرامات کو تفصیل کے ساتھ اور بالاستیعاب لکھنا کس کی مجال اور طاقت ہے۔"

التّشریح : حضرت ناظم علیہ الرحمۃ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ آپؒ کے مبارک اور مقدّس دموں سے بہت سے آسیب رسیدہ لوگوں نے شِفاء اور صحت پائی اور اسی طرح بہت سی بانجھ عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی توجّہ کی برکت سے اولادوں سے نوازا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کو آپؒ کے خاص مخلصین جانتے پہچانتے ہیں۔ اور شرح میں مزید فرماتے ہیں کہ اس جگہ لفظ چند تقلیل کے لئے نہیں بلکہ تکثیرِ کثرت بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

التّحقیق اللّغوی: قولهٗ مصروع. صَرَع کا اسمِ مفعول ہے۔
صَرَع کا معنی مِرگی، مِثل، مُقابل، قسم۔ اس کی جمع اَصۡرَعٌ اور صُرُوۡعٌ آتی ہے۔
اَلصَّرۡعَان: رات دن، صبح و شام کو کہتے ہیں۔ ھُوَ ذُوۡصَرۡعَیۡن: وہ دو قسم کا ہے، یعنی دو رنگ کا ہے۔ تَرَکۡتُھُمۡ صَرۡعَیۡنِ: میں نے انہیں مختلف حال میں چھوڑا۔
قولهٗ اَلدَّفۡتَرَا۔ اَلدّفتر: رجسٹر، حساب کی کتاب، لکھنے کی کتاب۔ آخری معنی اس جگہ مُراد ہے۔ اس کی جمع دَفَاتِر آتی ہے۔ کذا فی المنجد۔

خلاصۂ شعر: حضرت ناظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ابھی تو میں نے آپکی کرامات و کمالات کی چند مثالیں اور چند واقعات بیان کئے کہ کتاب بھر جانے لگی تو پھر کس کی طاقت ہے کہ آپؒ کے کمالات اور روحانی اقدار کو پورے اِستغراق و احاطہ سے بیان کرے۔ ہاں ان ہی چند مثالوں سے آپؒ کے حال اور مقام کا اندازہ کرو:

یافتہ ہر کس بقدر ہمّت از وے ہر چہ جُسْت
قبلۂ حاجات اگر می خوانمش اجدر شد است

نَالَ کُلٌّ مَا ابۡتَغٰی مِنۡهُ بِقَدۡرِ هِمَّةٍ
اِنۡ اَقُلۡهُ قِبۡلَةَ الۡحَاجَاتِ کَانَ اَجۡدَرَا

ترجمہ: "آں جناب علیہ الرحمۃ سے ہر ایک شخص نے اپنی اپنی ہمت و حوصلہ کے مطابق اپنا مطلب پالیا۔ پس اگر میں آں جنابؒ کو قبلۂ حاجات کہوں تو زیادہ لائق اور مناسب حال ہے۔"

التّشریح: فرماتے ہیں کہ سائلوں اور مُریدوں نے اپنی اپنی ہمت و حوصلہ کے مطابق جو کچھ آں پیرِ حقائق تنویر سے ڈھونڈا اور طلب کیا، وہ سب اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں اور کوئی ایک بھی آپؒ کی بارگاہ میں سچے دِل سے حاضر ہو کر محروم اور بے نیلِ مرام

واپس نہیں لوٹتا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔ اس لحاظ سے اگر میں اپنے پیرِ کامل کو حاجتوں اور ضرورتوں کا قبلہ قرار دوں تو زیادہ لائق اور شایانِ شان ہے۔ کیونکہ جس طرح نماز قبلہ کی طرف مُنہ کئے بغیر نہیں ہوتی، اسی طرح مُشکلیں خواہ وہ کیسی ہی سخت سے سخت تر ہوں وہ آپؒ ہی کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کے حُکم سے سہل اور آسان ہو جاتی ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

واضح رہے کہ پیرِ کامل کو قبلہ کے ساتھ یک گونہ تشبیہہ دینا اُن کے مرجعِ خلائق ہونے کی بناء پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ جس طرح مشکلات کے وقت قبلۂ شرعی بھی حاجت مندوں اور مسلمانوں کا مرجع ہوتا ہے کہ اسی کی طرف مُنہ کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھی جاتی اور اپنے لئے دُعاء و عاجزی کی جاتی ہے، اسی طرح حاجتوں کے وقت بھی آپؒ ہی مرجعِ خلائق تھے۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ رحمةً واسعةً۔ اور اسی طرح آپؒ کی نسبت اب بھی وہ شرف رکھتی ہے کہ جو گُفتار میں نہیں آتی۔ شعر

ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شُد بعشق ٭ ثبت است بر جریدۂ عالَم دوامِ ما

افسوس ہے کہ ہم اس شعر کی اس سے زیادہ تشریح کرنے سے قاصر اور عاجز ہیں۔ فَتَفَكَّرُوْا يَا اُولِى الْاَلْبَابِ۔

التَّحقيق اللّغوى:۔ قولهٗ نَالَ۔ نَالَ يَنِيْلُ وَ يَنَالُ نَيْلًا و نَالًا و نَالَةً۔ اَلْمَطْلُوْبَ: مَطلب پانا اور حاصِل کرنا۔ اور قرآنِ کریم میں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ.....الخ اسی سے ہے۔ یعنی یہ اَجوف واوی نہیں ہے بلکہ اجوفِ یائی ہے۔

قولهٗ قِبْلَةَ۔ اَلْقِبْلَةُ۔ اسم نوع، جانب۔ قِبْلَةُ الْمُصَلِّىْ: وہ جانب جس کی طرف نماز پڑھی جاتی ہے۔ كَعْبَه: وہ چیز جس کی طرف مُنہ کیا جائے۔ محاورہ ہے مَالَهٗ فى هٰذَا الْاَمْرِ قِبْلَةٌ وَّلَا دِبْرَةٌ: اس کو آگے پیچھے ہاتھ مارنے کی گُنجائش نہیں۔ اِرشادِ باری ہے فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا۔

قولہٗ اَجْدَرْ: اس کا مادہ جَدَرَ ہے۔ اور جَدَرَہٗ (ن) جَدْرًا: لائق و مناسب بنانا۔ کَانَ کا اسم ضمیر مضمر ہے جو قِبْلَۃَ الْحَاجَات کی طرف راجع ہے۔

اندازہ ہے کہ ہمچو قسم کے ابیاتِ شریفہ معرضِ تحریر میں لاتے وقت حضرت ناظم رح فنا فی الشّیخ کی حالت میں تھے لہٰذا ہم جیسے آدمیوں کو ایسے اشعار میں زیادہ غوّاصی نہیں کرنی چاہیئے۔ فَافْهَمْ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِين ؎

از طوافش یافتہ ایں بندہ بشرِ حاجیاں
کعبۂ صدق و صفاش ار گویم اَولیٰ تر شد است

بِطَوَافِهٖ وَجَدْتُ بُشْرَ حُجَّاجٍ كِرَام
كَعْبَةَ صِدْقٍ وَصَفَا اِنْ اَقُلْهُ اَبْهَرَا

ترجمہ: " اس بندہ نے آں جناب علیہ الرّحمۃ کے اِرد گِرد گھومنے سے حاجیوں کے حج کی بشارت وخوش خبری پائی۔ لہٰذا اگر میں آں جنابؒ کو صِدق و صفا کا کعبہ قرار دوں تو زیادہ بہتر و افضل ہوگا۔"

التّشریح: حضرت ناظم علیہ الرّحمۃ نے اس شعر کے تحت لُبُّ اللُّباب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حج دو قسم کا ہے۔ ایک تو حقیقی دوست کے کوچہ کا ارادہ کرنا، جیسا کہ ظاہری کعبۂ معظّمہ کی زیارت کرنا۔ دوسرا کعبہ با ایمان کا دِل ہے جو مطافِ الطافِ ربّانی ہے پس جیسا کہ ظاہری کعبہ با ایمانوں کے لئے محلّ طواف ہے، اسی طرح دِلِ مومن الطافِ الٰہی اور عنایاتِ ربّانی کی جگہ ہے۔ اس کے اردگرد گھومنا اور اس کے لئے دِل کو پاک و صاف رکھنا اور اس کے اندر رہ کر شرع کی محافظت کرنا اور اس کا قدر شناس بننا، یہ بھی ایک قسم کا لغوی حج ہے۔ اسی کا خیال رکھتے ہوئے حضرت ناظمؒ حضرت پیر روشن ضمیرؒ سے اجازت لئے بغیر اس مکان کے اِردگِرد گردش فرمانے لگے جس میں آں پیرِ حقائق تنویر

رعبادت فرماتے تھے۔ پھر خود پیرِ برحق نے حضرت ناظم سے فرمایا: "میں تمہاری گردش کو دیکھ رہا تھا اور مکان کے در و دیوار میری نگاہوں کے سامنے حائل نہیں بنے۔ چونکہ تم نے درحقیقت اس دل کی قدر دانی کی جو مَہبطِ اَسرارِ الٰہی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس عمل کا وہی ثواب عنایت فرمایا ہے جو شمس الدّین اور اس کے برادر کو حج کے بدلے عطا کیا ہے۔ یہ دونوں صاحبان آپؒ کے مُریدوں میں سے ہیں، اُس سال حج کو گئے تھے"۔ بہرحال یہ کلام عالی ہے اور پھر ایسے صاحب کی زبان سے صادر ہوا جو فنا فی الشّیخ کی حالت میں تھے۔ اس لئے میرے قلم سے اس کی مزید وضاحت نہیں ہو سکتی۔ اور قارئینِ کرام سے بھی گذارش کروں گا کہ وہ ان اَبیاتِ شریفہ کے مَعانی و مفاہیم کے لئے اس طرح غوّاصی نہ فرمائیں کہ حدُودِ شرعیہ مضمحل اور کمزور پڑ جائیں۔ کیوں کہ قال بہر صورت حال کا پہریدار اور نگران ہے۔ ہاں یہ ضرور یاد رکھیں کہ درحقیقت آدمی کا اعتبار اس کے دل سے ہے۔ لہٰذا اپنے دلوں کو بھی خبائث سے پاک رکھ کر عقائدِ شَرعیہ سے آراستہ کریں اور یہ کہ دِل والوں کے بھی دِلدار بنیں اور یاد رکھیں ؎

دردِ دِل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ؛ ورنہ طاعت کیلئے کُچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

التّحقیق اللّغوی؛ حضرت ناظم ؒ نے اپنی شرح میں فرمایا ہے کہ:
اَلبِشْرُ وَ اُلبُشُور و اُلبشْرُ ؛ مژگان دادن۔ یعنی ان تینوں لفظوں کا معنیٰ خوش خبری دینا ہے۔ المُنجِد نے اَلبِشْرُ کا معنیٰ خندہ پیشانی، کُشادہ روئی لکھا ہے اور اَلبَشَرُ کا معنیٰ خوش خبری پہنچانے والا۔ اسکی جمع بُشَرَاءُ آتی ہے۔
قولہٗ صَفَا۔ صَفَا یَصْفُوْ صَفْوًا و صَفَاءً ا و صُفُوًّا؛ صاف ہونا۔ الجَوُّ؛ فضا کا اَبر سے صاف ہونا۔ القِدرُ: ہانڈی کا خالص حصّہ لے لینا۔
قولہٗ اَبھَرَا۔ بَھَرَہٗ بَھْرًا: غالب آنا، فضیلت میں سبقت لے جانا۔
(مِن المُنجِد)

نوٹ: متن کے بعض نسخوں میں زیر بحث شعر اس طرح مرقوم ہے:

از طوافش یافتہ چوں بندہ بشر حاجیاں ٭ کعبۂ صدق و صفاش از خواتم اولیٰ تر شد است

و اَمّا عندی فھو کما رقمتُ۔ والعلمُ الاتمّ عندَ اللہ۔ نعوذ باللہ مِن مَزلّۃِ الاَقدامِ و شططِ الاقلام ٭

۳۹ این شد از انفاس او بے آنکہ تعویذے نوشت
دائما کُتّابِ تعویذات را انذر شد است

قَدْ وَقَعْ ھٰذا بِاَنْفَاسِہٖ تَمِیمَہٗ مَا رَقَمْ
وَلِکُتَّابِ التَّمَائِمْ کَانَ جِدًّا مُنْذِرًا

ترجمہ: "یہ کمالات آں جناب علیہ الرحمۃ سے تعویذ نویسی کے بغیر ہی حاصل ہوئے اور آپؒ تعویذ نویسوں کو بہت تنبیہہ اور ڈانٹ ڈپٹ فرماتے تھے۔"

التشریح: جب آں جنابؒ کے پاس کوئی بیمار یا کوئی ستم رسیدہ اپنی بیماری کی شفایابی یا اپنی مشکل کی سہولت و آسانی کے لئے تعویذ کا خواستگار ہو جاتا تو آپ اس کو تعویذ لکھ کر نہیں دیتے تھے بلکہ اس کے لئے دُعا فرماتے، یا کچھ کلماتِ طیّبات پڑھ کر پھونک مارتے تھے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے بیمار کو شفا بخشتے اور مُشکلات میں مُبتلا شخص کو ان سے خلاصی عطا کرتے تھے۔ شعر میں اَنفَاس سے دُعاء اور پھونک مُراد ہے۔ تعویذوں کا لکھنا خاطر عاطر میں نہ فرماتے تھے۔ اسی پر بَس نہ فرماتے بلکہ تعویذ نویسوں کو تنبیہہ اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ شروع میں مجھے تعویذ نویسی پر پُورا عبور تھا اور میرے پاس اِس فن کی کتابیں بھی تھیں لیکن جب مجھے ایک مُکاشفہ میں تعویذوں کے لکھنے پر سخت تنبیہہ ہوئی تو میں نے اس فن کی کتابوں کو دریا بُرد کیا۔ ممانعت کی وجوہات یہ ہیں:-

۱۔ بسا اوقات جن بیماروں کو قرآنِ پاک کی آیتیں تعویذ بنا کر دی جاتی ہیں ان میں سے اکثر بیمار بے غسل اور ناصاف و ناپاک ہوتے ہیں جس کی وجہ سے آیات اللہ کی بے حرمتی اور بے ادبی ہوتی ہے جو کسی بھی صورت میں بھی جائز نہیں۔

۲۔ کچھ لوگ تعویذوں کو اپنے گلوں میں لٹکاتے ہیں، پھر بے پرواہ بن کر بے ادبی اور بے حرمتی کے مرتکب ہو جاتے ہیں یا اُن سے بنا بر غفلت تعویذ شریف گر جاتی ہے اور پھر وہ لوگوں کے پیروں اور جوتوں سے روندی جاتی ہے، جو کمال بے ادبی اور گستاخی ہے۔

۳۔ تعویذ لکھنے والوں کی عموماً یہ کوشش ہوتی ہے کہ بیمار ٹھیک ہو جائے اور مصیبتوں کا مارا ان سے خلاصی پائے اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے امتحان و ابتلا کا کوئی خیال نہیں رہتا بلکہ اس کے ارادہ کے ساتھ تقابلی صورت کا اشتباہ ہو جاتا ہے۔ یہ بھی نامناسب اور تقویٰ کے برخلاف ہے۔

۴۔ بسا اوقات بیمار اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفایاب ہو جاتا اور مشکلات میں مبتلا شخص راحت و فراغت پاتا ہے۔ اس صورت میں عموماً تعویذ نویسوں کو ایک قسم کا غرور پیدا ہوتا ہے اور وہ نئی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس لئے تعویذوں سے کنارہ کش رہ کر بیمار کو بجائے تعویذ کے صدقہ اور خیرات کا حکم دینا چاہیئے۔ جیسا کہ حدیث مشہور ہے اَلصَّدَقَةُ تَرُدُّ الْبَلَاءَ "خیرات و صدقات مصیبت کو ٹالتے ہیں"۔ یا تنہائی اور غائبانہ صورت میں ایسے اشخاص کے لئے دُعا کرنی چاہیئے۔ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ۔ "تقدیرِ معلّق کو صرف دُعا رد کرتی اور ٹالتی ہے"۔ یہ صورت بہت بہتر ہے۔ یعنی تعویذ نویسی فی حدِ ذاتہٖ دُرست اور جائز ہے مگر مختلف عوارض کی بنا پر خیرات و صدقات اور دُعاءِ غائبانہ پر کفایت کرنی چاہیئے۔ وھٰذا جوھرُ ما قالَ الشارحُ فی شرحہٖ ۔

بہر حال یہ حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ کا دستور تھا جو تو بہ پر موقوف ہے۔ اس مقام تک ہماری رسائی حاصل کرنا بہت مشکل ہے:

۴۰ این ہمہ شد و لی صد ننگ می دارد ازیں
گوید او وفاتم خدایا در چہا منتشر شد است

مَعَ هٰذِهِ الْكَرَامَاتِ يَدُوْمُ نَادِمًا
وَيَقُوْلُ يَا كَرِيْمُ فِيْمَ وَقْتِيْ اُنْشِرَا

ترجمہ: "یہ عظیم الشان حال و مقام رکھنے کے باوجود آپؒ ہمیشہ ندامت میں رہ کر فرماتے ہیں کہ: اے کریم میرے اوقاتِ عمر کن باتوں میں ضایع ہوتے ہیں۔؟ یہ آپؒ کے کمال کی دلیل اور اعلیٰ پایہ متقی ہونے کی علامت ہے۔"

۴۱ ایں قدر صاحب غرض ہائے رذیلہ است وچرا
طالبانِ اللہ بس عالی ہمم اندر شد است

لِمَ اَصْحَابُ الرَّذَالَةِ قَدْ اَحَاطُوْا فِي الزَّمَانِ
وَ لِطُلَّابُ الرَّحِيْمِ يُوْجَدُوْنَ اَنْدَرَا

ترجمہ: "کیوں خود غرض اور رذیلہ خواہشات رکھنے والے جگہ جگہ پائے جاتے ہیں، اور ہمتِ عالی رکھنے والے طالبینِ حق نہایت نادر اور کمیاب ہو گئے ہیں۔"

التشریح: یعنی آں جناب رحمۃ اللہ ان کمالات کے ہوتے ہوئے بھی کسرِ نفسی کے طور پر فرماتے تھے کہ میں اپنے مقصدِ حیات سے دور جا پڑا ہوں کہ میرا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑ رہا ہے جن کا حوصلہ نہایت پست اور حقیر دنیا تک محدود ہے اور طالبینِ حق کا وجود جو بلند ہمت ہیں اور اعلیٰ درجہ کا حوصلہ رکھتے ہیں

رفتہ رفتہ کم اور شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے۔

اللہ اکبر! جب آپؒ نے یہ فرمایا ہے تب سے چار سو سال سے زاید مدّت کا زمانہ گذر گیا۔ اور اگر آپؒ آج ہوتے تو نہ معلوم اہلِ زمانہ کو کیا فرماتے۔ ہاں اُنھیں دیکھ کر روتے اور افسوس فرماتے' یہ کہ آج بھی عُلماءِ دہر دینی انجمنوں اور جماعتوں میں حقیرِ دُنیا کا مَقصدِ پیشِ نظر رکھتے ہیں اور جب اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو کفِ افسوس مَلکر فِتنوں اور فسادوں کے گھوارے بن جاتے ہیں۔

التّحقیق اللّغوی: شعر ۳۹۔ قولہٗ تعویذات : وہ اسماء و آیات جو دفعِ مرض کے لئے گلے میں یا بازو وغیرہ میں باندھے جاتے ہیں' یہ تعویذ کی جمع ہے اور عَوَّذَ اِعْوَاذًا ۔ اَلرَّجُلَ : حِفاظت کرنا ، دُعا کرنا۔ اسی سے اِسْتَعَاذَ بفلانٍ مِنْ کَذَا : پناہ مانگنا۔ باقی الفاظ کی تحقیق پہلے آچکی ہے۔

شعر ۴۰ ؛ قولہٗ مُنتشر شداست۔ شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تحقیق اپنی شرح میں اس طرح کی ہے ؛ "پراکندہ شد' افشاندہ و ریختہ شدہ ، اسم مفعول است از اِنشار کہ معنی افشاندن بینی بود لیکن اینجا تجرید کردہ مُستعمل است"۔ جس کا لازمی معنی ضائع کرنے کے ہے۔ یہی معنی قریب قریب المنجد میں پایا جاتا ہے۔ اَلنَّشِیْر : اِزار' تہبند۔ وہ کھیتی جو کاٹ کر جمع کی گئی ہو۔ اَلتَّنَاشِیْر : مدرسہ کے بچّوں کی بے ترتیب لکیریں جن کے لئے ضایع ہونا لازمی ہے۔

شعر ۴۱ ؛ اَنْدَر شُد است : یہ نَدَرَ یَنْدُرُ نُدُوْرًا کا اسمِ تفضیل ہے جس کا معنے بہت نادِر اور کمیاب ہونے کے آتا ہے۔ یعنے دُنیا پرست تو بہت ہیں اور خُدا طلب شاذ و نادِر ہی پائے جاتے ہیں۔ باقی الفاظ کا معنے ظاہر ہے ؛

ناخوش آید صُحبتش زاں رُو کہ اِخوانُ الزّمانْ
مُعترِض یا عیب چین یا مُنکرِ انکر شُد است

یَکرَہُ صُحبَۃَ اَبناءِ الزَّمانِ لِاَجلِہِم
شَاغِلِینَ بِاعتِرَاضٍ اَوبِلَمزٍ اَنکَرَا

ترجمہ: " آں جناب رحمۃ اللہ علیہ عام لوگوں اور غرض مندوں کی صُحبت ناپسند فرماتے ہیں. کیونکہ یہ لوگ عیب چینی یا سخت مُنکرات (اُمورِ غیر شرعیہ) میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمارے پیرِ کاملؒ اُن سے دُور رہ کر اور احتراز فرما کر خلوت گزینی پسند فرماتے ہیں۔"

التّشریح: خاصانِ خُدا عوامُ النّاس کی صُحبت اور شہرت پسندی سے پرہیز فرماتے ہیں کیونکہ عام لوگ اُن کے اعمال و افعال کے سمجھنے سے کوسوں دُور ہوتے ہیں اس لئے ناسمجھی اور کم فہمی سے ان پر حرف گیری اور اعتراض کرتے رہتے ہیں. یہی وجہ ہے کہ وہ عوام کی صُحبت سے بچکر اپنے آپ کو بھی اور عوام کو بھی گناہ اور وبال سے بچاتے ہیں. اسی عام قاعدہ کے تحت حضرت محبوبُ العالمؒ اخوانُ الزّمان اور خود غرضوں کی صُحبت ناپسند فرماتے ہیں۔

حضرت ناظمؒ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ مقاماتِ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ میں مرقوم ہے کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے اعمال و افعال حکمتِ الٰہی پر مبنی ہوتے ہیں. یہ حکمت عوامُ النّاس کی عقل و فہم سے بہت برتر ہے. اس لئے عوام کالانعام ناسمجھی سے اُن پر اعتراضات اور نکتہ چینی کرتے ہیں. اسی طرحؒ بحوالۂ عوارف لکھتے ہیں کہ ایک مشہور بزرگ ابوحفص نے فرمایا ہے کہ فقیروں کے آداب صحبت میں یہ باتیں شامل ہیں:-

۱. مشائخ اور بزرگانِ دین کے حقوق کی نگاہ داشت رکھنا، یعنے اپنے دل میں اُن

کا احترام رکھ کر اُن کی مُتابعت سے فائدہ اُٹھانا۔

۲۔ ہم عمروں کے ساتھ حُسنِ معاشرہ اختیار کرنا۔

۳۔ کم عمروں اور چھوٹے درجہ والوں کو اپنی اچھّی نصیحتوں سے نوازنا۔

۴۔ اُن لوگوں کی صُحبت سے دُور رہنا جن سے کوئی دینی فائدہ نہ پہونچے۔

۵۔ بندگانِ خدا کے ساتھ ایثار و انفاق کے ساتھ پیش آنا۔ ذخیرہ اندوزی سے دور رہنا۔

۶۔ دین و دُنیا کی عُمدہ چیزوں میں ایک دوسرے سے تعاوُن کرنا۔

یہ تمام باتیں شارحؒ کے مذکورالذکر شعر میں آئی ہیں، بشرطیکہ "اخوانُ الزّمان" کے حالات پر اچھی طرح غور کیا جائے۔ مزید مطالعہ کے لئے دستورالسّالکین کا مطالعہ کیجئے۔

التّحقیق اللّغوی: قولُہٗ: صَحِبَہٗ. صَحَبَہٗ، صُحْبَۃً و صَحَابَۃً و صِحَابَۃً و صَاحَبَہٗ مُصَاحَبَۃً: ساتھی ہونا، دوستی کرنا ساتھ زندگی گزارنا۔ فُلَانٌ مَا یَتَصَحَّبُ مِنْ شَیْئٍ: فُلاں شخص کسی چیز سے شرم نہیں کرتا۔ اَلصَّحَابَۃُ: وہ بزرگ حضرات جن کو آں حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وصحابہٖ وسلّم کا دیدار اور آپؐ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہو اور ایمان لائے ہوں اور ایمان پر ہی تادمِ حیات ثابت قدم رہ چکے ہوں۔ اَلصَّحَابِی: صحابہ کی طرف منسوب ایک صحابی۔

قولُہٗ اَنْکَرَا: فعلِ نَکِرَ کا اسمِ تفضیل: وہ کام جس سے شریعت نے منع کیا ہو۔ اَنْکَرُ: بہت ممنوع اور بہت ناپسند۔ سُورۂ لُقمان میں آیا ہے: اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔ "آوازوں میں سب سے بُری اور ردّی آواز گدھوں کی ہے"۔ اور مُنکرات و مناکیر وہ قول اور فعل ہیں جو حضرت اللہ جَلَّ شانہٗ کو پسند نہ ہوں۔

گر بُود مُخلص غرض آلودہ طالب بوالہوس
گو یداکثر کایں زمان گمنامی اَوْلیٰ تر شُد است

طَالِبٌ اِنْ کَانَ ذَا غَرَضٍ وَعَبْدَ الْھَوَاہُ
فَیَقُوْلُ اَلْخُمُوْلُ فِی الزَّمَانِ اَجْدَرَا

ترجمہ: "اگر مُخلص اور طالب ہدایت نفسانی اغراض وخواہشات سے آلودہ ہوکر آپکی خدمتِ عالی میں آتا ہے تو (اُسے دیکھ کر) آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں گوشۂ تنہائی وگمنامی اختیار کرنا زیادہ اَوْلیٰ اور زیادہ بہتر ہے"۔

التّشریح: شارح رحمۃ اللہ نے اپنی شرح میں اس شعر کی بہت وضاحت فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اگر طالبِ حق میں اخلاص ومحبتِ حق بھی ہو پھر بھی وہ دُنیوی اغراض ومقاصد سے خالی نہیں ہوتا یعنی اپنی ترقی، صحت، شِفایابی، اپنی یا متعلّقین کی سفارش کا خواہشمند ہوتا ہے۔ تو ایسا طالب بھی سچّا طالِب کہلانے کا مستحق نہیں۔ اسی طرح آپؒ خود بھی اپنے مُرید سے کوئی مالی منفعت طلب کرنے سے پرہیز فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر حضرت سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو فرمایا فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا یعنے اے نبیؐ! آپ اُن لوگوں کی طرف کوئی اِلتفات نہ فرمائیں جو دُنیوی زندگی کو ہی اپنی منزلِ مقصود بناکر ہماری یاد سے مُنہ موڑیں۔

حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کُلُّ مَحَبَّۃٍ کَانَتْ لِغَرَضٍ زَالَتْ تِلْکَ الْمَحَبَّۃُ۔ یعنی "جس محبت میں غرضمندی، مطلب پرستی اور دُنیا کی رنگ آمیزی ہو وہ محبت ایک دِن ضرور مِٹ جائے گی۔ اور جس محبت کی بنیاد اسلام اور دینی مصلحت ہو وہ اَمِٹ اور باقیاتُ الصّالحات میں سے ہے"۔

این محقّق پیشِ پیرانِ مُقلِّد سرفراز
درمیانِ رُوبہاں مانندِ شیرِ نرشُد است
شَیخُنَا ھٰذَا المُحَقِّقُ عِندَ شَیخَانٍ فَائِقٌ
وَاَشَدُّ کَالاُسُودِ فِی الثِّعَالِ مَنظَرًا

ترجمہ: "ہمارے پیرِ کامل رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مُقلِّد پیروں کے مقابلہ میں فائق اور سربلند ہیں۔ جیسا کہ گرجتا ہوا شیرِ نر لومڑیوں میں دکھائی دیتا ہے۔"

التشریح: مُقلِّد وہ ہے جو بے سوچے سمجھے دوسروں کی باتوں پر اعتماد کرے اور مُحقِّق وہ ہے جو اپنی کدّوکاوش اور اپنی فہم وفراست سے بات کی تہ اور حقیقت تک پہنچ جائے۔ واضح رہے کہ یہاں پر تقلید و تحقیق سے اس سے زیادہ مُراد نہیں۔ لہٰذا مُقلِّدوں پر کوئی اعتراض نہیں۔ کیونکہ حنفی اور غیر مقلّد صاحبان حقیقت میں مقلّد ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اَحناف قرونِ ثلٰثہ کے عُلماءِ حق کی تقلید کرتے ہیں، وہ بھی نہایت سوچ سمجھ کر اور غیر مُقلِّد اُن کے بعد کے آنے والوں کی تقلید کرتے ہیں۔ گو کہ ہر فریق کے اَلفاظ جُدا جُدا ہیں مگر مَطلب ایک ہی ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آں جناب علیہ الرحمۃ علمِ تصوُّف میں یگانۂ روزگار اور فریدِ فرید ہیں اور صرف سُنی سُنائی باتوں پر عمل نہیں کرتے ہیں بلکہ حقائقِ اشیاء کی تحقیق میں وہی درجہ رکھتے ہیں جو لومڑیوں میں شیرِ نر رکھتا ہے۔

اسی تحقیق کو سامنے رکھ کر بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ جہاں قرآنِ پاک میں لَا یَستَوِی الاَعمٰی وَالبَصِیر آیا ہے، وہاں اَعمٰی (اندھا) سے کورمغز، بے سمجھ اور بَصِیر (بینا) سے صاحبِ علم وصلاحیت مُراد ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔ شعر

اے بسا شیریں کہ چوں شکر بُود ؛ لیک زہر اندر شکر مضمر بُود

بہت سی مٹھاس شکر کی طرح دِکھائی دیتی ہے مگر اس شکر میں زہر پوشیدہ ہوتی ہے۔ لہٰذا صاحب قال اور صاحب حال کے درمیان پورا غور وفکر کرنا چاہیئے۔ خاصکر عصر حاضر کے حقیقی صوفیوں اور بناوٹی صوفیوں میں اچھی طرح فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ حقیقی عالم اور باتونی عالم میں مکمّل غور وفکر کرنے کی حاجت ہے ورنہ سامع یعنی سُننے والے کا دل آفات وبلا میں گرفتار ہوگا۔ کیونکہ ہمارے زمانہ کی کیفیّت یہ ہے : ؎

نفش صوفی لیک اورانیست جاں ؛ صوفیاں بدنام ہم زیں صوفیاں

اُس کا ظاہری کرّ وفر تو صوفیوں کا سا ہے مگر باطن کے اعتبار سے عوام سے بھی گرا ہُوا ہے۔ ایسے ہی بناوٹی صوفیوں سے حقیقی صوفی بدنام ہوگئے ہیں۔ ؎

خوردہ گبرد درسخن بر بایزید ؛ ننگ دارد از درونِ او یزید

یعنی "بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ" پر نکتہ چینی تو کرتے ہیں اور اپنے اُستادوں کو نانِ شبینہ کے لئے بدنام تو کرتے ہیں مگر ایسے صاحب کے رازہائے درون دیکھ کر یزید بھی شرمندہ ہوجاتا ہے۔ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ ؛

اوست عارف دیگراں زاہد بتقلیدی شُدہ

درمیاں فرق از سما تا مرکزِ اَغبر شُد است

هُوَ عَارِفٌ وَغَيْرُهُ بِتَقْلِيدٍ زَهِدْ

اِنَّ بَيْنَ الْعُلْوِ وَالسِّفْلِ لَفَرْقًا اَزْهَرَا

ترجمہ : " بلاشُبہ آں جناب رحمہ اللہ حقیقی عارف ہیں اور آپؒ کے غیر دوسرے رسمی مشائخ تقلید سے زاہد وعارف بنے ہیں۔ دونوں کے درمیان آسمان وزمین کا فرق ہے۔"

التّشریح :- حضرت شارح رحمہ اللہ بحوالہ لُبُّ اللّباب فرماتے ہیں۔ شعر ؎

لاجرم عارف بدیں پیرمی پرد ؛ در دمے از نہ فلک در بگذرد

"چونکہ اہلِ معرفت، معرفت کے پروں سے اُڑتے ہیں اس لئے وہ معمولی وقفہ میں نو آسمانوں سے گُذرتے ہیں"۔ اور فرماتے ہیں۔ شعر

جُملہ در زنجیرِ وہم در ابتلا ؛ می روند این رہ بغیرِ اولیاء

"اولیاءِ رحمٰن کے سوا سب کے سب اس باب میں وہم و زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں"۔

حضرات! اس لئے غفلت چھوڑ کر فکرِ آخرت کیجئے۔ اور فرماتے ہیں۔ شعر

سیرِ زاہد ہر یکے یک روزہ را ؛ سیرِ عارف ہر زمان تا تختِ شاہ

ترجمہ: "زاہد کی سیر اور پہنچ دن میں ایک دِن کی رفتار کے علاوہ نہیں ہوتی ہے جبکہ عارف ہر لمحہ اور ہر گھڑی تختِ شاہی اور قُربِ الٰہی سے سرفراز ہوتا ہے ؛

اوست چوں عارف بمقدارِ عقولِ مردمان
پس بوفقِ کلّموا النّاس سخن گستر شداست

وَهُوَ مِقْدَارَ عُقُولِ النَّاسِ حَتْمًا يَعْلَمُ
فَبِوَفْقِ كَلِّمُوا النَّاسَ لَأَضْحَى مُذَكِّرًا

ترجمہ: چونکہ آں پیرِ پُرنور منیر اپنی روشن ضمیری اور خداداد قابلیت سے لوگوں کی عقلوں کی مقدار و کیفیت سے عارف و نیک آگاہ ہیں اسلئے حدیثِ کلّموا النّاس الخ کی اتباع و پیروی کرتے ہوئے اُن سے ہمکلام اور فیض رسان ہوتے ہیں۔

التّشریح: حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحتاً فرمایا استفتِ قلبک کہ اپنے دل سے پوچھ وہی تمہارے درون و بیرون جانتا ہے۔ ظاہری فتویٰ دینے والوں پر اتنا بھروسہ نہ کر کیونکہ وہ تمہارے بیان کے موافق فتویٰ دیں گے مگر ان کے فتویٰ سے علم اللہ میں کوئی فرق و تبدیلی نہیں ہوگی لہٰذا اُسی خدا کو ہر وقت حاضر و ناظر جان کر حق کو باطل اور باطل کو حق بنانے سے پرہیز اور اجتناب کرو اور ارشادِ باری تعالیٰ یاد رکھو ولِمَن خافَ مقامَ ربّہٖ جنّتانِ ۝ فبایّ الخ اسی حکم کے تحت حضرت پیرِ کامل محبوبُ العالم رحمہ اللہ لوگوں کا علمی مقدار در

اُن کی اِستعداد دیکھ کر اُن سے ہمکلام اور فیض رساں ہونے تھے۔

التّحقیق اللّغوی: قولہٗ: مقدار: قُدرت، ہر چیز کی اِنتہا۔ وہ چیز جسکے ذریعہ کسی چیز کا وزن یا اس کی تعداد ظاہر ہو۔ اس کی جمع مقادیر آتی ہے۔ المقدور طے شدہ معاملہ۔ القدریّۃ: وہ فرقہ جو تقدیر کا مُنکر ہے اور انسان کے مختار ہونے کا قائل ہے۔ فرقۂ جبریّہ کے اعتقادات اسکے بالکل برعکس ہیں۔ قَدَرَ۔ ن، ض۔ قدرًا وقدرًا۔ اللہ خدا کی تعظیم کرنا۔ قدّر اللہ علیہ الامر وقدّرلہ الامر کسی چیز کا فیصلہ کرنا یا اسکا حکم عاید کرنا

قولہٗ: عقول، جمع عقل: روحانی نور جس سے غیر محسوسات کا ادراک ہوتا ہے۔ دل۔ دیت العاقِلُ: سمجھدار، جمع عُقلاءُ۔ عاقلون۔ عُقّال۔ العاقلۃ: مؤنث عاقل

قولہٗ مُذکرًا: باب افعال سے، مذکّر، الف اشباع کے لئے۔ اذکرہ الشیئَ۔ یاد دلانا۔ یعنی آپؒ بھی لوگوں اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگاتے ہیں انکی استعداد کے مطابق۔

پیر محجوب مُقلّد ہست چوں بے معرفت
عاقل و دیوانہ را کورانہ افسوں گر شد است
شَیْخُ مَحْجُوْبٍ بِتَقْلِیْدٍ یَکُوْنُ اَجْوَفًا
وَیَعِزُّ الْعُقَلَا وَالْجُهَلَاءَ سَاحِرًا

ترجمہ: "حجابات میں لپٹا ہوا رہنما مُقلّدِ محض ہونے کی وجہ سے معرفت سے خالی اور کھوکھلا ہوتا ہے لہٰذا اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے کیونکہ وہ ساحرانہ اور مکّارانہ طریقہ سے عقلمندوں اور بے عقلوں پر غالب آتا ہے۔"

خُلاصۂ شعر: جو رہنما خود کثیف اور مکدّر حجابات میں گرفتار ہو، اُس کا دِل ایمانی نور سے کبھی مُنوّر اور معمور نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور بسا اوقات ایسے مُردہ دِل اور نورِ باطن سے خالی پیر اپنی طِلسموں اور جادوگری کے کرتبوں کا مظاہرہ کر کے نہ صِرف بے خبروں کو بلکہ عقلمندوں کو بھی ششدر اور حیران

بناتے ہیں. مگر ایسے اوقات میں بھی باخدا لوگ ایسے بدضمیروں اور کھوکھلے قسم کے لوگوں سے خود بھی بچتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اُن سے بچا کر ساحرانِ فرعون اور آیتِ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے ایمان کو ایسے دَور افتادہ لوگوں کے شر سے بچاتے ہیں. لہٰذا شعر سے معلوم ہُوا کہ ایسا پیرِ کامل تلاش کرنا چاہیئے جو محقّق، خدا رسیدہ اور نورِ معرفت سے سرشار ہو اور ایسے لوگوں کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے کہ وہ اِستدراج اور ساحرانہ طلسموں سے مسلمانوں کے متاعِ ایمان پر ڈاکہ زنی کرتے ہیں، ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں اور حقیقت شناس نہایت کم اور تھوڑے ہیں.

جیسا کہ محقّق دوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں. شعر ؎

خَلِيْلَيَّ قُطَّاعُ الطَّرِيْقِ اِلَى الْحِمٰى
كَثِيْرٌ وَاَرْبَابُ الْوُصُوْلِ قَلَائِلُ

بہرحال رہبر اور رہزن میں فرق کرنا بہت مشکل ہے. یہی تو سب سے بڑی مُصیبت اور اِختلافات کی جڑ ہے. اس موقعہ پر مُعجزہ، کرامت اور اِستدراج میں اچھی طرح فرق کرنا چاہیئے. وقد فرغنا من تحقیقها فی المجلد الاوّل من هٰذا الکتاب. والحمد لله ربّ العٰلمین.

التّحقیق اللّغوی:

۱. قولہٗ مَحْجُوْبٌ: پردہ میں پڑا ہوا، رہبرِ حقائق سے دُور. اصلیت سے بے خبر. حَجَبَهٗ: چھپانا، پردہ کرنا، اندر آنے سے روکنا.

۲. قولہٗ يَعِزُّ: غالب آنا. عَزَّهٗ عِزًّا: قوی کرنا، عزّت کی کوشش میں غالب آنا. اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زمانۂ جاہلیت کی عکّاسی کرتے ہوئے فرماتی ہیں: اِذِ النَّاسُ مِنْ ذٰلِكَ مَنْ عَزَّ بَزَّ کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جس کی لاٹھی اس کی

بھینس کا مصداق تھا۔

۳. قولہٗ بِتَقْلِیْدٍ : کسی معاملہ میں بلا غور و فکر کسی کی پیروی کرنا۔ کہا جاتا ہے : قُلِّدَ حَبْلُہٗ : وہ آزاد کر دیا گیا۔

۴. قولہٗ اَجْوَفْ : کھوکھلا، بے نور و بے حقیقت۔ علماءِ صرف کی اصطلاح میں اَجْوَف وہ لفظ ہے جس کے عینِ کلمہ کے مقابلہ میں حرفِ علّت ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں اَجْوَفِ وَاوِی اور اَجْوَفِ یَائِی۔ جیسے قَالَ اور بَاعَ۔ والباقی اَظْہر من اَن یُذکر۔

نوٹ : اس شعر کا خلاصہ پھر پیشِ خدمت ہے۔ شارحؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص عارفوں اور سالکوں کی چند باتیں سُن کر دوسروں کی رہنمائی کرنے لگے تو ایسے لوگ اندھے اور دِل کے نابینا ہیں۔ وہ خود تو خفتہ ہیں تو دوسروں کو کیسے خوابِ غفلت سے بیدار کر سکتے ہیں۔ مثل مشہور ہے "خفتہ را خفتہ کے کُنَد بیدار" کہ خود نیند میں پڑا ہوا دوسرے خوابیدہ کو کیسے بیدار کر سکتا ہے۔

رہی چار اماموں کی تقلید تو وہ عوام مسلمین پر فرض ہے کیونکہ اُمّت کے سارے عُلماءِ اسلام نے اُن کو اِمام و پیشوائے دین جیسا معزز خطاب عنایت کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے : فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ "اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ کر عمل کیا کرو"۔

علم بانا اہل گفتن تخم ضایع کردن است
در زمینِ شورہ کردے نے امید بر شد است

وَلِتَأدِيبُ الدَّنِيِّ لَيْسَ اِلَّا هُلْكُ بَذْرٍ
وَهُوَ وَاللّٰهِ مِثْلُ جُرُزٍ لَا يَكُوْنُ مُثْمِرًا

ترجمہ: "کمینے اور بد فطرت کی تعلیم و تادیب سے اصلی علم ہی ضایع ہوتا ہے۔ کیونکہ بنجر زمین کبھی میوہ نہیں دے سکتی۔"

التشریح: شارح رحمۃ اللہ علیہ نے بدفطرت اور بدذات کو شورہ (بنجر) زمین سے تشبیہ دی ہے۔ باخدا انسانوں نے اس کا خوب تجربہ کیا ہے، یہ لوگ بظاہر کتنے ہی عالم کیوں نہ ہوں مگر وہ علم ان کے حق میں وبال ہی بن جاتا ہے۔ ؎

پڑھ پڑھ کے بنے پتھر لکھ لکھ کے بنے چور ٭ جس علم سے خدا ملے وہ پڑھنا ہے کچھ اور

التحقیق اللغوی: قولہ هُلْك: بمعنی ہلاکت۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

وَمَا كَانَ قَيْسٌ هُلْكُهُ هُلْكَ وَاحِدٍ
وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

ترجمہ: "قیس کی وفات، تنہا قیس کی وفات نہ تھی بلکہ اس کی موت سے قوم کی مضبوط دیوار ڈھا گئی اور منہدم ہو گئی۔" اہل عرب کہتے ہیں لَأَذْهَبَنَّ فَإِمَّا مُلْكٌ وَإِمَّا هُلْكٌ یعنی "میں جا کر رہوں گا خواہ تخت ملے یا تختہ۔"

قولہ جُرُز: نباتات نہ اگانے والی زمین۔

قولہ مُثْمِرًا: ثَمَرَ، ثُمُوْرًا (ن) أَثْمَرَ۔ الشَّجَرُ: درخت کا پھلدار ہونا۔ أَثْمَرَ الْقَوْمَ: قوم کو پھل کھلانا۔ مُثْمِرٌ: اسم فاعل، اِثْمَار سے مشتق اس میں الف اشباعی ہے۔

ہست نا اہلِ طریقت غیرِ سالک ہر کہ ہست
ہمتِ دونش بچیزی دونِ حق مقصر شد است

اَلَّذِیْ لَا یَصِیْرُ قَطُّ اَھْلًا لِلسُّلُوْکِ
اِنَّ مَسْعٰی عَزْمِہٖ دُوْنَ حَقٍّ اُحْصِرَا

ترجمہ : " غیر سالک جو بھی ہو وہ طریقت اور تزکیۂ نفس کا اہل نہیں ہو سکتا ، کیونکہ اس کی ساری جدّوجہد اور کوشش ماسوی اللہ تک محدود اور منحصر رہتی ہے ۔ پھر وہ کیسے اس علم شریف کا اہل ہوگا "

التشریح : اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں لفظ دوْن دو جگہ آیا ہے ۔ پہلے دُوْن کا معنٰے پست ہمت اور طالب ہوس و خواہشات کے ہے اور دوسرے دُوْنِ کا معنٰے ماسوی اللہ کے ہے ۔ مُقصر باب اِفعال کا اسم مفعول ہے ۔ روکے ہوئے کو کہتے ہیں ۔ یہاں پر مُقصَّر سے وہ شخص مُراد ہے جو کسی مانع کی وجہ سے وصولِ حق سے روکا گیا ہو ۔ یا اس کا معنٰے ہے " کوتاہی کرنے والا " اس معنٰی میں یہ اسم فاعل ہوگا ۔ یہاں دونوں معنٰے مراد ہو سکتے ہیں ۔ مختصر یہ کہ جس شخص کی ساری کوششیں حقیر دنیا کے لئے ہوں وہ طریقت کا اہل نہیں ہو سکتا ۔ کیوں کہ اہلِ طریقت میں سے وہی شخص گنا جا سکتا ہے جس کی تمام کوششیں وصول اِلی اللہ کے لئے ہوں اور طالب دُنیائے فانی کو اہلِ طریقت کہا نہیں جا سکتا ۔ نیز علم سلوک کے اسرار سے نااہل کو واقف کرنا اپنے دشمن کو اپنے اَسرار اور رازہائے سربستہ سے واقف کرنے کے مُترادف ہے ۔

شارح رحمۃ اللہ حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب " میراث التائبین " سے نقل کر کے کہتے ہیں کہ " اکابر اولیاء و اہلِ عرفان عاجز اند از تفہیم مُقلّدانِ فاسر و عالمِ نامانِ فاخر " ۔ بڑے بڑے اولیاء اور اہلِ معرفت کم عقل مُقلّدوں اور اپنے علم سے

فخر وتکبّر کرنے والے عالموں کی تربیت کرنے سے قاصر اور عاجز ہیں۔ اس لئے حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: اِرْحَمُوْا ثَلٰثَةً عَالِمًا بَیْنَ الْجُهَّالِ وَعَزِیْزَ قَوْمٍ ذَلَّ وَغَنِیًّا اِفْتَقَرَ یعنے "تین شخصوں پر رحم کرو، ایک اُس عالم پر جو نادانوں میں پھنس گیا ہو، دوسرے قوم کے اُس صاحبِ عزّت پر جس کو زمانہ کی ستم ظریفی نے ذلیل بنایا ہو اور تیسرے اُس شخص پر جو مالدار ہونے کے بعد اِفلاس و غُربت کا شکار ہو۔

مطلب حدیث ظاہر ہے۔ حضرت سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ؎

فہم سخن گر نہ کند مُستمع ⁂ قوّتِ طبع از متکلّم مجوے

یعنی اگر طالب سچا نہ ہو تو رہبر اُس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

التّحقیق اللّغوی:-

قولہٗ دُوْن، پست، کمتر، نیچے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ھُوَ دُوْنَهٗ وہ اس سے درجہ میں کم ہے۔ اور بمعنی غیر اور حائل ہونے کے بھی آتا ہے۔ کہتے ہیں مَشٰی دُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اَنْ یَفْعَلَ کہ وہ اس کے آگے چلا بغیر اس کے کہ وہ ایسا کرے۔ اور دُوْنَكَ اسم فعل بمعنے خُذْ پکڑ لے۔ اور دُوْنَكَ زَیْدًا: زید کو پکڑ لے۔

قولہٗ مقصِر شد است: اسم فاعل باب افعال کا۔ کہتے ہیں اَقْصَرَهٗ اس نے اس کو چھوٹا کیا، کوتاہ اور مختصر کر لیا۔ اور مُقصَر شد است: متروک اور چھوڑا ہوا۔ وغیر ذٰلک۔ بہرحال یہ از روئے لغت دونوں معنیٰ دیتا ہے اور اس جگہ بھی دونوں کا احتمال ہے۔ کما لا یخفٰی۔

ہم نے اس کا ترجمہ اُحْصِرَ سے کیا ہے جس کے معنی روکنے کے ہیں۔

ہمّتِ کوتہ بر آں دُوں گشتہ و پس گوش دل
از سُخن ہائے سلوکِ راہِ حقش کر شُد اَسْت

عَزْمُهُ اَضْحٰى لِاَدْنٰى خَالِصًا لِغَيْرِ حَقٍّ
اُذْنُ قَلْبِهٖ لِاَجْلِهٖ مِنْ سُلُوْكٍ وُقِّرَا

ترجمہ: "اس کا عزم و ارادہ سارے کا سارا ماسوی اللہ تک محدود اور منحصر ہے۔ اس لئے اس کے دل کے کان علمِ سلوک کے اسرار و معارف سُننے سے بہرے اور گونگے ہو گئے ہیں۔"

التّشریح: یہ شعر اپنے ماقبل شعر کے لئے علّتِ موضحہ کے درجہ میں ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ علمِ سلوک کا طالب صرف وہ ہو سکتا ہے جس کے پاس "اُذُنٌ وَاعِيَة" یاد رکھنے والے اور توجّہ سے سُننے والے کان" ہوں۔ جب وہ پہلے ہی اس فنِ شریف سے غافل ہو گیا ہے تو وہ لاعلاج مریض و بیمار بن گیا ہے۔ تو وہ بے چارہ شیخ کیا کرے۔ شارح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جب آیتِ اُذُنٌ وَاعِيَة نازل ہوئی تو حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ: "میں نے تمہارے لئے دُعا کی تاکہ تمہاری قوتِ سماع (سُننے کی قوت) ایسی کامل ہو کہ کوئی چیز تم سے فراموش نہیں ہو سکے"۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ "بعد میں ایسا ہی ہُوا"۔

التّحقیق اللّغوی: قولہٗ سُلُوْك: علمِ تصوف جس کے ذریعہ تزکیۂ نفس حاصل ہوتا ہے اور اس کی بدولت انسان اَسرارِ الٰہی سے واقف ہو جاتا ہے۔

قولہٗ وُقِّرَا: یہ وَقِرَتْ اُذُنُهٗ سے نِکلا ہے جس کے معنیٰ بھرا ہونا، اُونچا سُننا آتا ہے۔ اس میں الف اشباعی ہے۔

نیست در مجلس حقائق گفتن اکثر خصلتش
از حقائق پُر اگر چوں لجۂ ازخر شد است

لَيْسَ اِظْهَارُ الْحَقِيْقَةِ دَابُهُ فِيْ مَجْلِسٍ
وَلَئِنْ كَانَ بَيَانُهُ كَمَوْجٍ أَزْخَرَا

ترجمہ: "عموماً آپ علیہ الرحمۃ کی عادتِ شریفہ محفلوں میں حقائقِ اشیاء اور تصوّف کے اسرار و رموز بیان کرنا نہیں ہے۔ گو کہ آں جناب کا بیان (ماشاء اللہ) لہریں مارتے ہوئے سمندر سے کچھ کم نہیں ہے۔"

حضرت شارح علیہ الرحمۃ "رسالۂ قشیری" کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

"رُبَمَا يَقَعُ السُّكُوْتُ عَلَى الْمُتَكَلِّمِ لِمَعْنًى فِي الْحَاضِرِيْنَ وَهُوَ اَنَّهُ يَكُوْنُ هُنَاكَ مَنْ لَيْسَ لِاَهْلِ السَّمَاعِ لِذٰلِكَ الْكَلَامِ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِذْ لَا يَخْلُوْا مَجَالِسُ الْقَوْمِ مِنْهُمْ فَيَصُوْنُ اللّٰهُ لِسَانَ الْمُتَكَلِّمِ غَيْرَةً وَصِيَانَةً لِذٰالِكَ الْكَلَامِ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهٖ"۔

ترجمہ: "بسا اوقات متکلم پر خاموشی پڑتی ہے۔ جس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس مجلس میں کوئی ایسا شخص جنوں یا انسانوں میں سے ہوتا ہے جو اُس کلام کا اہل اور لائق نہیں ہوتا، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کے کلام کو نااہل سے بچاتا اور محفوظ رکھتا ہے"۔

اندر اخذِ ہر مُرید و نیز در تلقینِ ذکر
تا مجاز رُوحِ پیراں یا زِ پیغمبر شُد است

وَلِبَیْعَةٍ وَ اِرْشَادِ مُرِیْدِیْن یَقْبَلُ
بَعْدَ اِذْنٍ مِنْ شُیُوْخٍ اَوْ نَبِیٍّ عَطِرًا

ترجمہ: " آں جناب رحمۃ اللہ علیہ ہر ارادتمند کو بیعت و ارشاد کے لئے قبول نہیں فرماتے بلکہ صرف اُن ارادتمندوں کو قبول فرماتے ہیں جن کے بارے میں آپ کو مشائخ کرام کی ارواحِ طیبہ یا نبیِّ معظم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف سے اِذن و اجازت مِل جائے"۔

التحقیق اللغوی: قولہٗ بَیْعَة: عہد و پیمان، مُرید بن جانے کے لئے کسی پیرِ کامل کا تابعِ فرمان ہونا۔ قولہٗ اِرْشَاد: رَشَدَهٗ و اَرْشَدَهٗ اِلٰی کَذَا، وَعَلَیْهِ وَلَهٗ: ہدایت و رہبری کرنا۔ قولہٗ مُرِیْدِیْن: مُرِید کی جمع، باب اِفعال سے۔ یہ اَرَادَ اِرَادَةً الشَّیْئَ سے ہے جس کے معنے چاہنے اور طلب کرنے کے ہیں۔ اور اَرَادَ عَلَی الْاَمْرِ کسی بات پر اُکسانے اور رغبت دلانے کے آتے ہیں۔ اور اس جگہ مُریدِیْن کا نون ضرورتِ شعریہ کی وجہ سے ساکن ہے۔

التشریح: آں جناب علیہ الرحمۃ طالب کو مُرید نہیں بناتے بلکہ پہلے اُس کے بارے میں اَرواحِ مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم یا روحِ مبارک حضرت سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اجازت چاہتے ہیں۔ اگر اس رُوحانی دربار سے اِجازت مِل جائے تو اس کو قبول فرما کر اپنا مُرید بناتے ہیں اور اگر اس کے بارے میں اجازت نہ ملے تو اس کو واپس کرتے ہیں۔

یہ آنجنابؒ کے کمالِ احتیاط کی دلیل ہے کیونکہ بسا اوقات غیر سلیم الطبع کی تربیت کرنے سے بجائے فائدہ نقصان ہی اُٹھانا پڑتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ شعر ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ✤ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

استخارہ کرد ازبہر بجد آیندگان
زود ملہم بہر من یقبل ومن ویدبر شد است

یستخیر للذی یاتیہ جدًّا للرّشاد
فلمقبلٍ ومدبرٍ من اللہ اخبرا

ترجمہ: "آں جناب رحمۃ اللہ علیہ راہِ حق طلب کرنے والوں کے لئے اچھی طرح استخارہ فرمایا کرتے تھے، پھر فورًا من جانب اللہ تعالیٰ آپؒ کو الہام سے خبر دی جاتی تھی کہ اُن میں قابلِ قبول کون اور قابلِ ردّ و علاج کون ہے؟"

التّحقیق اللّغوی: قولہٗ مُقبِلٌ ومُدبِرٌ : یہ اہلِ عرب کے اس محاورہ سے ماخوذ ہے کہ کہتے ہیں "اِذھب بہٖ فاَقبِلہُ الطّریقَ" اس کو لے جا اور راستہ بتلا، اور آگے رکھ۔ یہاں اسی مناسبت سے مُقبِلٌ سے مقبول بارگاہِ الٰہی اور مُدبِرٌ سے مردود اور محروم اسرارِ رحمانی مُراد ہے۔

التّشریح: حضرت شارح رحمۃ اللہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ: اس شعر میں آں جناب رحمۃ اللہ علیہ کے اس محقّقانہ قاعدہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک آپؒ طالب کے اعتقاد اور اس کی کوشش اور اس کے ضروری احوال پر واقف نہیں ہوتے تھے اُس وقت تک آپؒ اس کو تربیت کے لئے قبول نہیں فرماتے تھے، بلکہ آپؒ پہلے اس کے بارے میں استخارہ فرماتے تھے۔ اگر ارواحِ مشائخ کرام رحمہم اللہ اجمعین یا براہِ راست حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اجازت پاتے تب اس کو قبول فرماتے ورنہ نہیں۔ ایسا ہی طریقہ دوسرے مشائخ کبار رحمہم اللہ کا بھی تھا۔ چنانچہ مولینا یعقوب چرخیؒ، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمہم اللہ کے پاس مُرید ہونے کے لئے آئے تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا: "آج رات ہم استخارہ اور توجّہ کرتے ہیں، اگر اوپر سے

مشائخ نے تمہیں قبول کیا تو ہم بھی قبول کریں گے، ورنہ نہیں۔" چنانچہ حضرت یعقوب چرخی رح فرماتے ہیں کہ وہ رات میرے لئے فکر و اندیشہ کی تھی کہ نہ معلوم کل صبح میں قبول ہوں گا یا مردود۔ پھر اگلے روز سویرے اپنے پاس بلا کر فرمایا: "تم کو مبارک ہو کہ تم قبول کئے گئے ہو۔" (والتّفصیل فی الشّرح)

طالبان را تخمِ ذکر آنگاہ آنگارد بدل
چوں زشوق و ترس اللہ زم آں مبذر شد است

حَبَّ ذِکْرٍ فِي فُؤَادِ الطَّالِبِيْنَ يَزْرَعُ مَتٰى
يَعْلَمُ فِيْهِ لَاضْحٰى قَلْبُهٗ لَهٗ مُبْذَرًا

ترجمہ: " آپ یعنی حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ اذکار و اوراد کا بیج اُس وقت خواہشمندوں کے دلوں میں بوتے ہیں جب آپؒ کو یقین ہو جاتا تھا کہ اب فی الواقع اُن کے دل اس کے اہل ہو گئے ہیں۔"

التّحقیقُ اللّغوی: قولہٗ مُبْذَر: یہ باب اِفعال کا اسم مفعول ہے یہ اہلِ عرب کے اس محاورہ سے نکلا ہے بَذَرَ (ن) بَذْرًا، اَلْحَبَّ: بیج بونا۔ اَلْمَالَ: مال فضول خرچی میں اُڑانا۔ کہا جاتا ہے: اِنَّهٗ بَذْرُ سُوْءٍ: وہ بُری نسل کا ہے۔ جمع بُذُوْر و بِذَار آتی ہے۔ اَلْمُبَذِّر: فضول خرچی کرنے والا۔

بہرحال باعتبارِ اصل لغت مُبَذَّر باب تفعیل کا اسم مفعول ہے جس کے بہت معنی آتے ہیں اور حضرت شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ اس لفظ کو بابِ اِفعال میں استعمال کیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے ایسا کیا ہو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ اور اگر مُبْذَر کو مَبْذَر سے ظرفِ مکان لیا جائے اور باب نَصَرَ سے ہو جیسا کہ شرح سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے تو اس صورت میں کوئی اِشکال ہی نہیں۔

التشریح : اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت محبوبُ العالم قُدّس سرّہٗ رہبری کرنے میں حکیمانہ طور وطریقہ اختیار فرماتے تھے کہ جب تک آپؒ کو یقین نہ ہوتا تھا کہ طالب کا دل خوفِ خُدا سے ابھی معمور اور سرشار نہیں ہوا ہے اُس وقت تک اُس کو اذکار واوراد کی تلقین نہیں فرماتے تھے کیونکہ بنجر زمین میں بیج بویا نہیں جاتا اور اگر کوئی اس میں بیج بونے کی کوشش کریگا تو بیج کے ضایع ہونے کا قوی خطرہ رہتا ہے۔ اسی طرح جو دل خوفِ الٰہی اور عشقِ ربّانی سے خالی ہو اس میں پیرانِ طریقت ذکرِ الٰہی کا بیج بونے سے احتراز فرماتے ہیں۔ اس باب میں ان کا استدلال آیتِ

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً

سے ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے : ایسے ایسے واقعات کے بعد بھی تمہارے دل سخت ہوگئے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پتّھر جیسے بلکہ سختی میں پتّھر سے بھی زیادہ سخت۔

ہر یکے را وِرد فرماید بقدرِ حوصلہ
چوں بر استعدادِ تقدیری شاں اُنظر شُد است

وَيُجِيْزُ كُلَّ وَاحِدٍ بِوِرْدٍ قَدْرَهٗ
اِذْ بِاسْتِعْدَادِهِ الْحُكْمِيّ قَبْلُ اُخْبِرَا

ترجمہ : "آں جناب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مُریدوں کو اُن کی طبعی استعداد کے موافق اذکار واوراد کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں کیونکہ آپؒ پہلے ہی سے مِن جانب اللہ اُن کی طبعی استعداد سے آگاہ کئے جاتے ہیں۔"

التشریح : جس طرح حکیم حاذق اور لائق ڈاکٹر بیمار کو مختلف اوقات میں اس کے حالات ملحوظ رکھ کر نُسخے بدلتا رہتا ہے، اسی طرح آں پیرِ روشن ضمیر قُدّس سرّہٗ بھی پہلے طالب سے توبہ و استغفار کراتے ہیں، پھر تدریجی طور پر اُس کے دل میں اذکار د

اَوراد کی تعلیم فرماتے ہیں اور اِرشاد و تعلیم میں مُرید کی اِستعدادِ طبعی ملحوظ فرماتے ہیں اور جس میں جتنی اِستعداد دیکھتے ہیں اُسی کے مُطابق اُس کو تعلیم و تلقین فرماتے ہیں۔ یہ آپؒ کے کامل و مکمّل ہونے کی علامت ہے۔

چنانچہ شیخُ الشیوخ حضرت شیخ شہابُ الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وَیَنْبَغِی لِلشَّیخِ اَنْ یَعتَبِرَ حَالَ المُرِیدِ وَ یَتفرَّسَ فِیهِ بِنُورِ الایمان وَقُوَّۃِ العِلمِ وَ المعرِفَۃِ مایاتی منه وَمِن صَلاحِیَّتِه۔۔۔۔۔ الخ

ترجمہ: "مُرشِد اور رہبرِ کامل کو چاہیئے کہ وہ مُرید اور طالب کا حال اور اسکی استعداد مدِنظر رکھے کہ وہ ایمان کے نور، علمی قوّت وطاقت اور معرفت سے مُرید کی اندرونی کیفیت وحال ملحوظِ نظر رکھ کر ہی اَذکار و اَوراد کی تعلیم دے۔ اور میں کہتا ہوں اس لیئے قرآن دفعۃً نازل نہیں ہوا بلکہ تئیس (۲۳) برس میں اُس کا نزول بقدرِ ضرورت و حاجت ہوا ہے۔ اور اگر دفعۃً نازل ہوتا تو مخاطبین کے تحمّل اور برداشت سے باہر ہوتا۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:۔

ذکر کی دو قسمیں ہیں: (۱) ذکرِ تقلیدی (۲) ذکرِ تحقیقی

ذکرِ تقلیدی وہ ہے جو رسمی طریقہ سے قوّتِ سامعہ کے ذریعہ دل میں پہنچ جاتی ہے وہ چنداں مؤثّر نہیں ہوتی۔

ذکرِ تحقیقی وہ ہے جو اَربابِ وِلایت اور باکمال حضرات کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے وہ یقیناً موثّر اور ثمردار ہوتی ہے۔ جس مُرید کا رہبر جتنا کامل ہو اس کی تلقین بھی اسی کے مُطابق زیادہ نفع رساں ہوتی ہے۔

(نُبذَۃٌ مِنَ الشرح)

بوالہوس ہر چند کرد الحاح و ننمودش ادب
چوں بہ بے توفیقیٔ تقدیرش انظر شد است

لَوْ اَتَاہُ عَبْدُ نَفْسٍ لِاِهْتِدَاءٍ مَا هَدَاہُ
فِیْ جَبِیْنِہِ الشَّقَاءَ قَبْلَہٗ قَدْ قَدَّرَا

ترجمہ: "آں جناب رحمۃ اللہ علیہ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جب خواہشاتِ نفسانی کا غلام آپؒ سے اذکار و اوراد کی اجازت لینے کی کوشش کرتا تو آپؒ اس کو اجازت نہ دیتے تھے کیونکہ آپؒ نے پہلے ہی سے اس کی شقاوت و محرومیٔ بخت کا اندازہ فرمایا ہوتا تھا۔"

التحقیق اللغوی:- بوالہوس: خواہشاتِ نفسانی کا بندہ، ثابت قدم نہ رہنے والا اور ہر وقت نئے نئے خیالات میں مبتلا ہونے والا۔ الحاح: اصرار کرنا۔ اَلَحَّ عَلَیْہِ اس نے اس پر اصرار کیا۔ مبالغہ سے کسی چیز کے درپے ہونا۔ ادب: طریقت کے آداب اور تزکیۂ نفس کی مقدس تعلیمات مراد ہیں۔

اَلشَّقَاءَ: محرومی و بدبختی۔ اَشْقٰی و اَتْقٰی اور شقی و سعید ایک دوسرے کے متضاد و متقابل ہیں۔ تقدیر: اندازہ کرنا۔ اسکے اور بھی معانی ہیں۔ قَبْلَہٗ کی ضمیر عبدِ نفس کے سوال و اصرار کی طرف لوٹتی ہے جو کلام کے سیاق و سباق سے سمجھ میں آتا ہے۔ قَدَّرَا کا الف اشباعی ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ پیرانِ روشن ضمیر طالبوں کو دیکھتے ہی اُن کی شقاوت و سعادت کا اندازہ فرماتے ہیں، ان کی نظر میں جو بدقسمت ہوتا ہے اسکی رہنمائی نہیں فرماتے کیوں کہ وہ جانتے ہیں ؎ زمینِ شورہ سُنبل بر نیارد ٭ در و تخمِ عمل ضائع مگردان

یعنی بنجر زمین میں سُنبل نہیں اُگ سکتے لہٰذا اس میں اذکار کا بیج ہی تباہ ہو جائے گا اور اسلام بھی بدنام ہوگا۔ اور فرماتے ہیں۔ شعر ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ٭ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

ہمیں اس پر پورا ایمان ہے۔ باقی اگر آپ تفصیل چاہتے ہیں تو ہماری کتاب "بصیرۃ السلوک شرح ذخیرۃ الملوک" کے تیسرے باب کا مطالعہ فرمائیے۔ ان شاء اللہ کوئی اشکال پیدا نہیں ہوگا ٭

ہر کہ بود از جذبۂ حقیہ صاحب واقعہ
دیدہ احوالش مرید جان و فرماں بردار است

اَلَّذِیْ مِنْ جَذْبِ حَقٍّ صَدْرُہٗ قَدْ اِنْجَلٰی
فَیُطِعُہٗ بَعْدَ مَا شَہِدَ سِرَّہٗ شَاکِرًا

ترجمہ: "جو کوئی حق تعالیٰ کی کشش سے صاحب واقعہ اور کشف و حال سے سرشار ہوا وہ آں جناب علیہ الرحمۃ کے حالاتِ مبارکہ دیکھتے ہی دل و جان سے آپ کا مرید اور تابع فرمان ہوا۔"

التحقیق اللغوی: از جذبۂ حقیہ: خدائی کشش و عنایت۔ اصل میں جذبہ جَذَبَہٗ جَذْبًا (ض) و اِجْتَذَبَہٗ سے نکلا ہے جس کے معنی کھینچنے کے آتے ہیں۔ یہاں پر اس سے عنایتِ الٰہی مراد ہے۔ حقیّہ حق کی طرف منسوب ہے اور حق خدا تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک اسم پاک ہے۔

قولہٗ: صاحب واقعہ: یہاں پر اس سے صاحب حال اور پاک ضمیر مراد ہے۔ واقعات و حالات جو سالک راہِ طریقت کو پیش آتے ہیں اس کی کئی صورتیں ہیں: اگر اس کو اثناءِ ذکر میں کوئی ایسی حالت پیش آجائے جس سے اس کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ یہ تجلّیٔ حق ہے یا اس کی طرف منسوب ہے تو اس حالت کو تجلّی کہتے ہیں، اور اگر اس کو ایسی حالت پیش آجائے جسے وہ ارواحِ طیّبۂ مشائخ کی طرف منسوب کرے یا اس کو اس حالت سے دل کی کشادگی اور مسرّت پیدا ہو جائے تو اس حالت کو "واقعۂ ملکی"

کہتے ہیں۔ اور اگر اس کو اثنائے ذکر انقباض و بندش اور وحشت و شبہات پیدا ہوں تو وہ واقعہ شیطانی ہے اور اس قسم کی حالت میں سالک کے دل پر کوئی کیفیت ظاہر نہ ہو تو اس کو "خیالات طبعیہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور واقعہ پیش آنے کے تین فائدے ہیں: (۱) اپنے احوال کی کمی بیشی پر واقف ہونا۔ (۲) منازلِ راہِ طریقت کے درجات پر واقف ہونا۔ (۳) حق و باطل سے باخبر ہونا۔ (نبذۂ من مطالب الرشیدی)

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ جب علی صوفیؒ، ملا ابراہیمؒ اور ملا احمد چاگلؒ نے آپؒ کے حالاتِ طیبات اور معارف و کمالات دیکھے تو پورے اخلاص سے آپؒ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہوئے۔ رحمہم اللہ۔ مختصر یہ ہے۔ شعر ؎

تا تو نہ بینی جمالِ را نگیرد کمال ⁂ می شنوی وصف یار راست نباید شنید

بود بابا ہردریشی تابع پیران غیب
باہمہ صحب آخر از تبعیش افخر شد است

هَرْدِرِيشِي لِرِجَالِ الْغَيْبِ كَانَ تَابِعًا
آخِرَ الْأَمْرِ اقْتَدَاهُ مَعَ صُحْبِهٖ فَاخِرًا

ترجمہ: "حضرت بابا ہردریشی علیہ الرحمۃ اگرچہ غیبی رہبروں کے پیرو اور تابع تھے مگر وہ بھی آخر کار اپنے ساتھیوں سمیت فخر و مباہات کرتے ہوئے آنجنابؒ کے مریدوں کے حلقہ میں داخل ہوئے۔"

خلاصۂ شعر: یہ شعر پہلے شعر کے لئے بمنزلۂ دلیل ہے کہ حضرت بابا ہردریشی رحمۃ اللہ اسلام آبادی بہت بڑے صاحب کمال اور صاحبِ حال و کشف و کرامات تھے اور رجال الغیب یعنی غیبی رہنماؤں سے مستفید ہونے کے باوجود حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں پہنچے اور آپؒ کے بے پناہ کمالات مشاہدہ کئے تو فوراً فخر و مسرت سے اپنے ساتھیوں کے سمیت آپؒ کے مریدین میں داخل ہوئے، کیونکہ صاحب کمال ہی

کمال والے کی قدر و قیمت سمجھتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ؎

قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری ؂ قدرِ گُل بُلبُل شناسد قدرِ دُلدُل شاہ علی

سالکاں را می کُند اجلاسِ خلوت جا بجا
پس تجلّی واقعاتِ ہر یکے اَعْبَر شُد است

یُجَالِسُ مُسْتَرْشِدِیْہِ فِی الْخَوَانِقِ خَلْوَۃً
فَلِحَلِّ وَاقِعَاتِھِمْ لَاَضْحٰی اَعْبَرًا

ترجمہ: " آں پیرِ روشن ضمیر حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ اہلِ سلوک کو جگہ جگہ خانقاہوں میں چلہ کشی کے لئے بٹھاتے ہیں۔ پھر آپؒ ان کے پیش آنے والے واقعات و وارِدات کو حل فرمانے کے لئے بہترین تعبیر و تشریح فرماتے ہیں۔"

التحقیق اللّغوی: قولہٗ: اِجلاس، بابِ اِفعال کا مصدر، بٹھانا۔ خَلْوَۃ: تنہائی یعنی گوشہ نشینی اور اِعتکاف کرانا۔ قرآنِ کریم میں آیا ہے: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ یعنی آپ (حضرت محمد) صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے بھی پیغمبر گذرے ہیں"۔ اور جس نے اس کا ترجمہ "مرنے کے" کئے ہیں۔ جیسے قادیانیوں اور مرزائیوں نے، اس نے سخت غلطی کی ہے کیونکہ وہ اس ترجمہ سے وفاتِ حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام ثابت کرنا چاہتے ہیں جو سراسر اصولِ دین کے برخلاف ہے۔

قولہٗ: حَلّ: حَلَّ یَحِلُّ، کھولنا۔ کبھی مُشکل بات صحیح ڈھنگ میں پیش کرنے کے معنٰی میں بھی آتا ہے، چنانچہ سورہ طٰہٰ میں آیا ہے: وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ کہ "میری زبان کی گرہ اور بندش کھول کر اس کو روان فرمائیے"۔

قولہٗ اَعْبَرْ: اس کا لغوی معنٰی بہت گذرنے والے کے آتا ہے۔ یہاں اس کا معنٰی میدانِ حلِّ واقعات میں بہت گذرنے والے اور خداداد فہم و فراست کی بنا پر اپنے

مُریدوں کے واقعات کی خوب گرہ کشائی کرنے اور بہترین طریقہ سے تعبیر فرمانے والے" کے ہیں۔ اس جگہ اَعْبَرْ بصیغۂ اسم تفضیل ہے۔ قرآنِ حمید میں بھی اس لفظ کا مادّہ موجود ہے، جیساکہ اَحْسَنُ الْقَصَصِ میں فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُوْنَ۔ " اگر تم خوابوں کی تعبیر کرتے ہو" اُمّتِ مرحومہ میں علامہ محمّد بن سیرینؒ اس علم کے امام اور فرزانۂ دہر تھے۔ اس کے لئے ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی علوم اور روشن ضمیری بھی شرط ہے۔

اندر آں خلوت زیُمنِ ہمّت و اِرشادِ او
ہر یکے را واردات و واقعات آئیسَر شُد است

فَبِيُمْنِ حَالِهٖ فِيْهَا وَ اِرْشَادَاتِهٖ
وَاقِعَاتِ الْعَاكِفِيْنَ مِنْ سُلُوْكٍ يَسَّرَا

ترجمہ: " آں جناب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت و اِرشاد سے سالکوں کو اُن کے اعتکاف گاہوں میں پیش آئے ہوئے واردات اور واقعات کا سمجھنا نہایت آسان بن جاتا ہے۔"

التّحقیق اللّغوی: قولهٗ فَبِيُمْنِ يُمْن: مُبارک، حال، دل کی کیفیّت۔ قولهٗ وارِدات: وہ مُبارک خیالات جو سالِک کے دِل پر اُترتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) وارداتِ سرور، مَسرّت (۲) وارِدِ خوف (۳) وارِدِ قبض۔ یہ تو اس سالِک کو وقتاً فوقتاً دِل میں آتے ہیں جو اَوراد و اَذکار کے ساتھ مشغول رہتا ہے، اور جو اَوراد و اَذکار سے تہی دامن ہو اس کے دِل پر اس قسم کے واردات نہیں آتے۔ اور واقعات وہ ہیں کہ جب سالِک مُجاہدہ، ریاضتِ نفس اور تصفیۂ قلب کے کام میں لگ جاتا ہے تو اُس کا عبور اور گذر ملک و ملکوت سے ہوتا ہے۔ اس کے حال کے مُناسب جگہ جگہ اچھے خواب کی صورت میں واقعات اور حالات کا دروازہ

کھلنے لگتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ روحِ بشری صفات سے خالی ہو کر اُن کا اِدراک کرے۔

بہرحال یہ مقام مشکل ہے، حقیقت یہ ہے کہ آدمی صرف گوشت اور پوست کا لوتھڑا نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا مخلوق ہے جس میں تمام کائنات مضمر اور پوشیدہ ہے۔ جیسا کہ ایک دانائے راز نے کہا ہے:

اَتَزْعَمُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ ﴿ وَفِیْکَ انْطَوَی الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ

ترجمہ: "کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تو ایک معمولی جسم ہے اور بس، حالانکہ کائنات کے تمام راز اور اسرار تم میں ودیعت رکھے گئے ہیں"۔ علمِ تصوّف ان ہی روحانی اور معرفت کے اسرار کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور جو لوگ بلاوجہ اس کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ یقیناً نہ صرف خود سرِ الٰہی سے نابلد اور ناآشنا ہیں بلکہ وہ انسانی تحقیق و تفتیش کے پورے مخالف ہیں اور بنی نوعِ انسان کو حقیقت تک پہنچنے نہیں دیتے۔

متن میں لفظ اَیْسَرَ آیا ہے جو یُسْر کا اسمِ تفضیل ہے۔ یعنی بہت آسان۔ شعر کی تعریب میں قافیہ کی رعایت سے یَسَّرَ، بابِ تفعیل کا فعل ماضی استعمال کیا گیا ہے۔ اور چونکہ بیشتر اشعار میں خلوتوں کا ذکر آیا ہے اس لئے اُن کے مناسب تعریبی شعر میں عَاکِفِیْنَ، سُلُوْک، حَال اور اِرْشَادَات کے الفاظ جمع کرنا باہم بہت متناسق اور مناسب ہیں۔ کما لا یخفٰی علٰی مَنْ ذَاقَ حَلَاوَۃَ عِلْمِ البدیع۔ فالحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ میں مُرشدانہ صفات بدرجۂ کمال پائی جاتی ہیں۔

زُود اَز تلقینِ او محفوظ شیرینیٔ ذِکر
خدمتِ خواجہ حسن قاریؒ بلدیمر شُد است

لِاَجْلِ تَلْقِیْنِہٖ اَحَسَّ حُلْوَ ذِکْرٍ سُرْعَۃً
وَاحْتَظٰی الشَّیْخُ الْحَسَنُ مِنْہُ حَظًّا وَافِرًا

ترجمہ: " آں جناب علیہ الرحمۃ کی تلقین و ارشادِ ذکر کی تاثیر سے خواجہ حسن قاری بلدیمر نے ذکرِ الٰہی کی لذّتِ شیرینی کا بہت بڑا حصہ پایا۔"

اَلتَّحقیق اللّغوی: قولہٗ: تَلْقِیْنِہٖ، لَقَّنَہُ الکلامَ سے مشتق ہے بمعنیٰ کلام سمجھانا، جلدی سے حفظ کر لینا۔ مضاف الیہ ضمیر کا مرجع حضرت محبوب العالمؒ ہیں اور ضرورتِ شعری کی وجہ سے ضمیر کو ساکن کیا گیا ہے۔

قولہٗ: اَحَسَّ: اس کا فاعل شیخ حسن ہے۔ اسی طرح وَاحْتَظٰی کا فاعل بھی شیخ حسن ہی ہے۔ لہٰذا دونوں فعل (اَحَسَّ، اِحْتَظٰی) از قبیلۂ تنازع فعلان ہیں جیساکہ یُفْنِیْ و یُمَوِّتُ کُلَّ شَیْئٍ بھی از قبیلۂ تنازع فعلان ہے۔ لاجلِ لَحَظًّا وافِرًا کے شروع میں وزنِ شعر اور تاکید کے لئے لامِ تاکید بڑھایا گیا۔ جیساکہ قرآنِ پاک میں آیا ہے: لَاِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ۔ یہاں بھی لامِ تاکید کے لئے آیا ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ جب ذاکر ذکر کی حقیقت تک پہنچے تو اُس کے منہ میں ذکر کے وقت ایسی شیرینی پیدا ہو جاتی ہے جو شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔ اُس کی بدولت ذاکر کو شریعت و طریقت کی پابندی نہایت آسان بن جاتی ہے۔

چنانچہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب اللہ جل شانہٗ کسی کو ولایت کے درجہ پر فائز کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کے لئے ذکرِ حق کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور جب وہ ذکر میں حلاوت و شیرینی پائے تو قوت و طاقت کا دروازہ اس کے لئے وا کیا

جاتا ہے، اس کے بعد اُس کو مجلسِ اُنس میں توحید کی کرسی پر بٹھاتے ہیں۔ پھر اُس سے حجابات اور پردہ ہائے غفلت دور کئے جاتے ہیں، اس کے بعد اس کو فردانیت اور عظمت و جلال پر فائز بنا کر فانی بحق بناتے ہیں۔

ذکرِ حق سے مشغول رہنا اور اس کی حلاوت سے بہرہ ور ہونے کا اگر شریعت کی روشنی میں مُطالعہ کرنا منظور ہو تو آیئے ان احادیثِ مُبارکہ پر غور کیجیئے جن میں آیا ہے کہ : جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے غُفْرَانَكَ "اے اللہ! مغفرت فرما" کیونکہ وقتی مانع کی وجہ سے آپؐ ذکرِ لسانی نہیں فرماتے تھے جس پر آپ استغفار فرماتے تھے۔ پس جو لوگ اَذکار و اَوراد سے دور رہتے ہیں، وہ ولایت اور کمالِ ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ سچّا صوفی وہ ہے جو ہر وقت ذکرِ قلبی اور ذکرِ لسانی سے بہرہ ور ہو اور پابندِ شریعت رہنا ہی صوفی کی خاصیت ہے۔

غنچۂ دِل ہر کہ پہلوئے دِلش ایں خواجہ وَش
ماندوزود آں از دمش بشگفتہ و اَزہَر شُد است

مِثْلُ خَوَاجَہْ مَنْ یُّرِدْہُ صَادِقًا فِیْ قَلْبِہٖ
فَیَنْفَتِحْ فُؤَادُہٗ لَاَضْحٰی اَنْوَرَا

ترجمہ : " جو بھی کوئی اس خواجہ (شیخ حسن قاریؒ) کی طرح سچّے دِل سے آپ کا عقیدتمند بن جاتا ہے تو فوراً اس کے دِل کی کلی کھل جاتی ہے۔ یعنی اُس کا دِل مُنوّر ہو جاتا ہے"۔

اَلتَّحقِیقُ اللُّغوی :۔

قولہٗ اَزْھَرْ : سپید اور روشن تر چیز کو کہتے ہیں۔ اِسی سے سورج اور چاند کو بھی اَزھَران کہتے ہیں۔ اور اَنْوَرْ بھی تقریباً یہی معنیٰ دیتا ہے۔ مگر لفظ

شگفتہ کی رعایت سے انور زیادہ مناسب ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

خلاصہ: اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر وہ ذاکر جو غنچۂ دل فکر و مراقبہ میں خواجہ حسن قاریؒ کی طرح رکھتا ہو تو اس کا غنچۂ دل بھی آن پیر روشن ضمیر کے پھونک سے کھلنے لگے گا اور منزلِ مقصود تک واصل ہوگا۔ شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک دن حضرت محبوبُ العالم رحمہ اللہ نے قاری حسن کے بارے میں فرمایا کہ جب وہ ذکر سے فارغ ہوئے اور فوراً اپنے شیخ کی طرف توجہ کیا تو میں نے اس کے دل کو دیکھا کہ وہ شگوفہ کی طرح کھلنے لگا تھا۔ اور جب دِل کھلنے لگتا ہے تو اس کی کیفیت اِن دُو شعروں کی طرح ہو جاتی ہے :- ؎

۱۔ غنچۂ دِل چوں شگفتن گیرد   در ولے آفاق نہفتن گیرد

۲۔ عالَم و عالمیاں دَروی گُم   ہمچو یک قطرۂ نم در قُلزم

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے عجائبات دِل پر جو بحث کی ہے' اُسے بھی سامنے رکھا جائے تو مطلب اور واضح ہوگا۔

اور یہی سے مومن اور کافر کے دِل یا ذاکر کے دِل اور غیر ذاکر کے دل میں بھی فرق واضح ہوگا۔ اور آیتِ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰى وَأَضَلُّ سَبِيْلًا کا انکشاف بھی ہوگا اور خالص اربابِ حال و اصحاب قال کا فرق سامنے آتا ہے۔ اور آیتِ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ بھی سمجھ میں آ جائے گا۔

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ
وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

ہمچنیں بعضے مُریداں را کہ گشت ایں ذکر حل
گاہ ذکر از کام پیدا منبعِ سُکر شُد است

وَکَذَا بَعْضُ مُرِیْدِیْہِ یَحُلُّ الذِّکْرُ فِیْہِ
فَتَرٰی فَاہُ لِحُلْوِ وَقْتِ ذِکْرٍ مَصْدَرًا

ترجمہ: " اسی طرح تم دیکھو گے، آپؒ کے اُن بعض مُریدوں کو جن کے رگ و ریشہ میں آپؒ کے بتائے ہوئے اذکار سرایت کر گئے ہیں کہ ذکرِ الٰہی کے وقت اُن کے مُنہ مٹھاس اور شیرینی کے مَنبع و مَصدر ہو گئے ہیں۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی:۔

قولہٗ: حَلَّ: یہ حَلَّ (ن، ض) حَلًّا وحَلَلًا وحُلُوْلًا۔ المکانَ: (کسی کا کسی جگہ اُترنا) سے مشتق ہے۔ یا حَلَّ (ض) حِلًّا۔ اَلشَّیْئُ فعلِ لازم ہے، کسی چیز کا حلال ہونا۔ پہلا معنیٰ زیادہ قریب ہے۔ فلاسفہ کے ہاں حلول کی دو قسمیں ہیں: (۱) حلولِ سَریانی (۲) حلولِ تَریانی۔ یعنی اگر محل کی تقسیم سے حال بھی تقسیم ہو جائے تو اوّل ہے۔ جیسے بگوئی ہوئی روئی کی تقسیم کے وقت حال بھی منقسم ہو جاتا ہے۔ جبکہ حُلولِ تَریانی میں محل کی تقسیم سے حال منقسم نہیں ہوتا ہے۔ جیسے مُنہ کی سُرخی یا زردی ختم ہونے یا کم کرنے سے اصل (مُنہ) باقی رہتا ہے۔ اسی سے مَحَلَّہ ہے یعنی "اُترنے کی جگہ"۔

قولہٗ مَنْبَع: چشمہ، جمع مَنَابِع آتی ہے۔ اور یَنْبُوْع، بہت پانی والا چشمہ۔ اس کی جمع یَنَابِیْع آتی ہے۔

خُلَاصَۃُ الشِّعْر: حضرت شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مُرشدِ حقّانی حضرت مخدوم حمزہ قدس اللہ سرّہٗ کے ارشادات کی تاثیر و برکات کی کوئی نہایت نہیں،

چنانچہ آں مُرشدِ حقّانی کے بعض مُریدوں نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ جب ہم آپ کے بتائے ارشادات و اذکار کو رُوبعمل لاتے ہیں تو اس وقت ہماری کیفیّت یہ ہوتی ہے کہ گویا ہمارے مُنہ کھانڈ اور شیرینی سے بھر دئیے جاتے ہیں۔ اس سے اس بات کا اندازہ لگانا آسان ہوگا کہ خود مُرشدِ کامل کا حال کس قدر راسخ اور مضبوط ہے۔

اسی طرح مولینا نورالدین جعفرؒ اپنے پیرِ بزرگوار حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص مُریدوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ذکر کے وقت اُن کے مُنہ شہدِ مُصفّٰی سے زیادہ لذیذ ہوتے تھے اور یہ کہ ان کے اعضاء سے ایسی خوشبو آتی تھی جو نافہ اور کستوری کو شرماتی تھی۔

حقیر مُترجم کہتا ہے کہ حضرت شارحؒ کے اس بیان میں ذرّہ برابر مبالغہ نہیں ہے۔ بے شک ذکرِ الٰہی کی یہی تاثیر اور برکت ہے۔ یہ بھی بندگانِ خدا کو حضرت نبی رحمت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے وراثت کے طور پر ملی ہے۔ چنانچہ حدیث بخاری شریف وغیرہ میں آیا ہے اِنَّمَا اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ کہ "میں اپنے ربّ کے پاس رات گذارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے"۔ اس دعوٰی پر بُرہانِ قاطع ہے۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ وصف درحقیقت پیرانِ حق کی برکت ہے ؎

شکر کایں بیچارہ ناظم ہم بخلوت از دہانش
از حصولِ بوی ذِکر و اُنس مُستبشر شُد است

شُکْرًا لِلّٰهِ اَنَّ هٰذَا النَّاظِمَ فِیْ خَلْوَةٍ
شَمَّ نَفْحَ الذِّكْرِ مِنْ لِّسَانِهٖ وَاسْتَبْشَرَا

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا شکر و سپاس ہے کہ اس عاجز (ناظمِ قصیدہ مبارکہ) نے بھی تنہائی میں آپؒ کی زبانِ مبارک سے ذکر و فکر اور اُنس و محبّت کی شیرینی حاصل کی۔ اور

مژدۂ جاں فزا کی بشارت سے محظوظ اور بہرہ ور ہُوا۔

اَلتَّحقیق اللّغوی :-

قولہٗ۔ شُکْرًا : یہ فعلِ محذوف کا مفعول بہ ہے۔ ای اَشْکُرُ شُکْرًا لِلّٰہِ

حمد اور شکر میں تھوڑا فرق ہے کہ حمد باعتبارِ موردِ خاص اور باعتبار متعلق عام ہے کہ نعمت کے مقابلہ ہو یا نہ۔ اور اس کے برخلاف شُکر، حمد کا برعکس ہے کہ باعتبارِ موردِ عام ہے کہ زبان سے ہو یا اعضاء سے، اور باعتبارِ متعلّق خاص ہے کہ نعمت ہی کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔

قولہٗ۔ فِی خَلْوَۃٍ : خلوۃ ، جلوت کی ضِد ہے۔ خلوت سے خاص کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اِس میں رِیا اور دِکھاوے کا احتمال نہیں ہوتا۔

خُلاصہ یہ کہ شارِحؒ فرماتے ہیں : مجھے جو کچھ حاصل ہوا وہ پیرِ باتمکین حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی کا نتیجہ ہے اور اپنا کچھ بھی نہیں۔ پس جسقدر بھی ہم اپنے مُرشدِ کامل کی شکر گذاری کریں گے وہ آپ کے احسانات کے مقابلہ میں نہایت کم ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں : ؎

مَن بے تو دَمی قرار نتوانم کرد ۔۔۔ احسان تُرا شُمار نتوانم کرد

گر بر تنِ مَن زبان شود ہر مُوئی ۔۔۔ یک شکرِ تو از ہزار نتوانم کرد

بہرحال تزکیۂ قلب اور صفاءِ ذہنی کے لئے ذکرِ الٰہی نسخۂ کیمیا اثر ہے، خواہ ذکرِ مجرّد ہو جیسے اللہ اللہ، یا ذکرِ نفی و اثبات ہو یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یا اور کوئی کلمہ ہو۔ اور کثرتِ ذکر مومنوں کی شان اور اعلیٰ درجہ کی صفت ہے۔

مولوی فیروز از فیروزئ تلقینِ او
زود از انتاجِ نورِ ذکر فرّخ فرشد است

مَولوِیْ فَیرُوز مِنْ بَرَکَاتِ اِرْشَادَاتِہٖ
بِفُیُوضِ نُوْرِ ذِکْرٍ عَاجِلاً قَدْ وُقِّرَا

ترجمہ: " مولوی فیروز آپ علیہ الرحمۃ کے ارشادات کی بدولت ذکرِ الٰہی کے انوار و برکات سے بہت جلد کامیاب و مُعزّز ہو گئے"۔

التّحقیق اللّغوی:

مولوی فیروز: ایک جواں سال طالب تھے۔ شرح جیبی کتاب کے مطالعہ سے بہرہ وَر تھے۔ فرّخ فر: مُبارک حال، معزّز و محترم۔ وُقِّرَ۔ وَقَّرَ الشَّیخ سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنیٰ تعظیم اور عزّت کرنے کے آتے ہیں۔ وَقَّرَ الدَّابَۃَ: سواری کو آرام دینے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ وَقَّرَ لِلشَّیْئِ: نشان بنانا۔ وَقَّرَتْنِی الْاَسْفَارُ: سفروں نے مجھے مَشّاق بنایا۔

خُلاصۃُ الشّعر: جب مولوی فیروز نے حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کے مُریدوں سے آپؒ کے حالاتِ مُبارکہ سُنے تو آپ بہت جلد آں جنابؒ کے آستانۂ عالیہ پر پہنچے اور کچھ وقت آں جنابؒ کے پاس گُذار کر آپؒ کی کرامات کا مشاہدہ کیا۔ پھر آپؒ سے مُرید ہونے کی درخواست کی تو مطابق دستور ہر دو جانب پیر اور مُرید نے اِستخارہ کیا اور اس سے دونوں حضرات مطمئن ہو گئے تو مولوی فیروز نے آپؒ سے بیعت کی اور طریقت کے آداب آں جنابؒ سے اس طرح حاصل کئے کہ مختصر مُدّت میں اپنے ساتھیوں پر سبقت لے گئے اور تنہائی و یکسوئی میں اذکار و اَوراد میں مشغول ہو گئے اور رفتہ رفتہ اس کے انوار و آثار مشاہدہ کرنے لگے جن کا تذکرہ موصوف نے آں پیرِ روشنضمیر رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔ پھر کچھ مدّت

کے بعد آپؒ ہی کے ارشاد سے مولوی فیروز نے حرمین شریفین کے سفر کا ارادہ کیا۔

خلاصۃ المناقب میں لکھا ہے کہ جب سالک اپنے رہبرِ کامل کی شرطوں کے مطابق مداومت کرے تو وہ اس ذکر کے بہت سے انوار مشاہدہ کرے گا۔ اور ابتداء میں وہ انوار تجلی کی طرح نمودار ہو کر غائب ہو جائیں گے، اُن کو لوامح کہتے ہیں۔ پھر وہ انوار وقت بوقت نمودار ہوتے ہیں تو اُن کو لوامع کہتے ہیں۔ اور آخر کار یہ انوار قرار کر کے علی الدوام سالک کے ساتھ رہتے ہیں تو ان کو طوالع کہتے ہیں۔ ہاں! یہ ذکر اور یادِ خدا کرنے کی ہی شان ہے کہ ؎

از ذکر ہمی نور فزاید مہ را ٭ در راہِ حقیقت آورد گمراہ را

ہر صبح و نمازِ شام وِردِ خود ساز ٭ خوش گفتن لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ را

یعنی ذکر ہی وہ دولت ہے کہ جس سے چاند کی خوبصورتی بڑھتی ہے اور ذکر ہی گمراہوں کو حقیقت کے راستے پر لاتی ہے۔ لہٰذا اے صاحبِ اعتقاد ہر صبح و شام ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاؤ اور اذکار میں تو کلمۂ نفی و اثبات لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی نرالی شان ہے ؎

کرد در بہرام رینہ صحبتش تاثیر زود
نفسِ نحسِ شوم را قتّال چوں خنجر شد است

صُحْبَتُہٗ قَدْ اَثَّرَتْ بِھْرَام رَیْنَہْ دَفْعَۃً
مِثْلَ خَنْجَرٍ اَبَادَتْ شُوْمَ نَفْسِہٖ زَاجِرًا

ترجمہ: "آں جناب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت فیض اثر نے بہرام رینہ میں بہت جلد اس قدر اثر کیا کہ اس نے خنجر کی طرح اپنے نفس کی نحوست کو ٹوک کر ہلاک کرنے میں کامیابی حاصل کی۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی:-

قتّال: صیغۂ صفت، مبالغہ کے لئے، بہت زیادہ قتل کرنے والا۔ نحس: منحوس۔

شُوْم : بدبخت۔ خَنْجَر : اَلْخَنْجَرُ و اَلْخِنْجَرُ : چھری، چھرا، کٹار (من المنجد)
زَاجِرًا : یہ زَجَرَعن کذَا ، کوّے کی کنیت ہے۔

خُلاصۂ شعر : خواجہ بہرام رینہ اپنے زمانے کے مشہور تاجر تھے۔ کھانے پینے اور عیش و عشرت میں اپنے کُنبے میں مشہور تھا۔ کچھ ان کو سوادِ کتاب سے بھی واقفیت تھی۔ جب یہ آں جناب علیہ الرحمۃ کے آستانہ میں پہنچے اور کچھ تھوڑا سا وقت آپ کی صحبتِ بابرکت میں گذارا تو پیرِ کامل کی صحبت نے اُن میں اس قدر اثر کیا کہ بہت جلد تجارت کے پیشہ سے دستبردار ہو گئے۔ ہمیشہ روزہ دار رہتے تھے۔ اپنی بیوی کو طلاق دی اور گھر بار اپنے وارثوں کے سُپرد کیا اور آں جناب کے وظائف میں مشغول ہوئے۔ دائم الصوم ہونے کے باوجود ذکرِ الٰہی میں اتنے محو ہو گئے کہ ایک مرتبہ پندرہ دن شب و روز ذکرِ الٰہی میں برابر محو ہو گئے۔ ہاں! یادِ الٰہی کی یہی شان ہے۔ باور نداری تو حدیث اَیُّکم مِثْلِی یُطْعِمُنِی رَبِّی وَ یَسْقِیْنِی یاد کیجیے۔ کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ : "تم میں سے کون میری برابری کر سکتا ہے، مجھے اپنا پروردگار کھلاتا اور پلاتا ہے"۔ (مطلب غذائے روحانی ہے۔)

اب ہم فضیلتِ ذکر کے متعلق چند آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ پیشِ خدمت کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ ان آیتوں اور احادیثِ شریفہ کو مُطالعہ فرما کر یادِ خدا کی طرف اور بھی زیادہ توجہ مبذول فرمائیں گے۔ وباللہ التوفیق۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے : وَلَذِکْرُ اللہِ اَکْبَرُ "ہر چیز سے بڑھ کر اور زیادہ بہتر یادِ الٰہی ہے"۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے : فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ "میرے بندو تم مجھے یاد کرو تو میں بھی تم کو یاد کروں گا۔ سورۂ اعراف میں آیا ہے :
وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ۔ "صبح و شام کے اوقات

میں اپنے پروردگارِ رحمان کو عاجزی سے اور اس سے ڈرتے ہوئے حدِ اعتدال سے چیخ و پکار کے بغیر خوب یاد کرو اور غافلوں میں سے نہ بنو۔ اور عوام کی غفلت اور ان کی تعلیم کی خاطر درمیانی درجہ کی آواز سے ذکرِ الٰہی کرنا بھی درست ہے بلکہ اس پاک مقصد کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں کے دلوں پر غفلت اور بے علمی غالب آگئی ہے۔ البتہ رفعِ صوت میں اِفراط اور حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔ اور سورۂ جمعہ میں فرمایا: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ " کثرت سے خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور امید رکھو کامیاب ہونے کی"۔ یعنی کامیابی کا دار و مدار یادِ خدا کی کثرت پر ہے۔ اور سورۃ الاحزاب میں آیا ہے: اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقَاتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصّٰٓئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔

ترجمہ:۔ بے شک مُسلمان مرد اور مُسلمان عورتیں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنے شرمگاہوں کو حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور بہت یاد کرنے والی عورتیں۔ ان سب کے لئے اللہ وحدہٗ لاشریک نے بہت بخشش، مغفرت اور بڑا ثواب تیار کیا ہے۔

احادیثِ شریفہ کی روشنی میں فضیلتِ ذکر:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہِ صلّی اللہ علیہ وسلّم لا تُکثروا الکلامَ بِغَیرِ ذِکرِ اللہِ فاِنَّ کثرۃَ الکلامِ بِغَیرِ ذِکرِ اللہِ تعالیٰ قسوۃٌ للقلب و اِنَّ اَبعدَ النّاسِ مِنَ اللہِ القلبُ القاسی۔ رواہ الترمذی وقال حدیثٌ حسنٌ۔

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی رحمت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یادِ خدا کے بغیر زیادہ کلام نہ کیا کرو کیونکہ یادِ خدا کے بغیر زیادہ باتیں کرنے سے دل میں قساوت اور سختی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور سب سے زیادہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دور ہیں جن کے دِل سخت اور رِقتِ قلب سے خالی ہوں"۔ اس حدیثِ شریف کی روایت حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

اس حدیثِ مبارک سے ذِکر اور یادِ الٰہی کی فضیلت اچھی طرح عیاں ہوتی ہے مگر افسوس ہے کہ پھر بھی کچھ لوگ مسلمانوں کو یادِ خدا سے دُور رکھتے ہیں۔ مگر شاباش اور مرحبا ہے ان مسلمانوں کے لئے جو صُبح وشام نمازوں کے بعد مسنون اَذکار و اوراد اور اَوْرادِ فتحیہ میں مشغول رہتے ہیں۔

اِجتماعی طریقہ پر یادِ خُدا کرنے کی فضیلت

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسولُ اللہِ صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم لا یَقعُدُ قومٌ یذکرونَ اللہَ اِلّا حفّتھمُ الملٰئکۃُ وغشیتھمُ الرّحمۃُ ونزلت علیھمُ السّکینۃُ وذکرھمُ اللہُ فیمن عندہٗ۔ (ریاض الصّالحین للامام النووی الشافعیؒ)

ترجمہ: "حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: کوئی جماعت (کسی جگہ) یادِ خدا کرنے کے لئے نہیں بیٹھتی مگر

فرشتے اس جماعت کو گھیرتے ہیں اور رحمتِ خداوندی اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس پر قرار و اطمینان نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُن کا تذکرہ اُن کے پاس کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں"۔ یہ یادِ خدا اور ذکرِ الٰہی کی فضیلت ہے۔ دوسری طرف ہماری غفلت اور کبر و غرور! پناہ بخدا!!

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً مِّنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشادِ مُبارک ہے کہ میرا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو فجر نماز پڑھ کر طلوعِ آفتاب ہونے تک ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوں، وہ مجھے زیادہ پسند اور محبوب ہیں حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے چار فرزند آزاد کرنے سے، اسی طرح مجھے زیادہ محبوب ہے اُن لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو عصر نماز پڑھ کر غروبِ آفتاب تک ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوں۔ بمقابلہ اس امر کے کہ میں حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی چار اولاد کو آزاد کر دوں"۔ ابو داؤدؒ نے اس حدیث کی روایت کی۔

خُلاصہ تبصرہ:-

مَن بے تو دمی قرار نتوانم کرد — احسان ترا شمار نتوانم کرد
گر بر تنِ من زبان شود ہر مُوئی — یک شکرِ تو از ہزار نتوانم کرد

از ذکر ہمی نور فزاید مہ را — در راہِ حقیقت آورد گمراہ را
ہر صبح و نمازِ شام وِردِ خود ساز — خوش گفتن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ را

۶۶۔ یک نظر بر خواجہ عثمان قول از لطفش فتاد
حاصل او زود کشفِ حالِ ہر مقبر شد است

نَظْرَۃً اَلْقٰی عَلٰی عُثْمَانَ قَوْلِ رَأفَۃً
فَبِھَا اَضْحٰی بِاَحْوَالِ الْقُبُوْرِ مُخْبِرًا

ترجمہ: "آں جناب علیہ الرحمۃ کی لطف وکرم کی نظر عثمان قول پر جب پڑی تو وہ فورًا قبرستانوں کے مُردوں کے برزخی احوال کی خبریں دینے لگے۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی:

قولہٗ نَظْرَۃً، یہ اَلْقٰی کا مفعولِ بہٖ مقدم ہے۔ اور رَأفَۃً مفعول لہٗ ہے۔

قولہٗ مُخْبِرًا۔ یہ اَضْحٰی کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

۶۷۔ آں مُصَدَّر زادۂ خطاط مولینا حسین
یک نظر دیدہ ز لطفش مسِّ او چوں زر شد است

ھٰکَذَا الْخَطَّاطُ مَوْلِیْنَا حُسَیْنُ بْنُ الْحَدَر
اِذْ بِلُطْفِہٖ نُحَاسُہٗ صَارَ ذَھَبًا اَحْمَرَا

ترجمہ: "آں پیرِ حقیقت تنویر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وقت کے رئیس زادے خوش نویس مولینا حسین بن الحدر پر لطف وکرم کی ایسی نظر ڈالی کہ ان کا تانبا سونا بن گیا۔ یعنے وہ درجۂ کمال تک پہنچے۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی:-

قولہٗ نُحَاسُہٗ: اَلنُّحَاس، تانبا، آگ، دھواں، طبیعت، چنگاریاں جو لوہے کو کوٹتے وقت اُڑتی ہیں۔ یہاں نُحَاسُہٗ کی ضمیر مولینا حسین کی طرف لوٹتی

ہے اور اس ضمیر کو محض ضرورتِ شعریّہ کی وجہ سے ساکن کیا گیا ہے۔ کما لایخفیٰ عندھم۔
اور نحس، نَحَاسَۃً، نُحُوْسَۃً: منحوس ہونا، نامبارک ہونا۔ بدقسمت ہونے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

۶۸۔ نیز ازوے مفخرُ السّادات سیّد شمس میر
پرتوِ نورِ ولایت شمس وار اظہر شد است

ھٰکَذَا السَیِّد شمس میر فَخْرُ سَادَاتٍ اَخَذْ
مِنْہُ اَنْوَارَ الْوِلَایَۃْ فَکَشَمْسٍ اَزْھَرَا

ترجمہ: "اسی طرح فخرِ سادات شمس میر صاحب پر جب آں جناب رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت کا عکس اور پرتو پڑا تو وہ انوار و برکات میں آفتاب عالمتاب کی طرح چمکنے لگے۔"

بیلم پیر شمس الدین

اَلتَّحقِیقُ اللُّغوی:

قولہٗ اَخَذْ: فعل ماضی، ذ کو ضرورتِ شعری کی وجہ سے ساکن بنایا گیا۔
قولہٗ اَزْھَرَا: یہ اَزْھَرَ النَّبَاتُ سے ہے: پودے کا شگوفہ نکلنا۔
اَلْاَزْھَرُ: صاف، روشن رنگ والا۔ زَھْرَۃُ الدُّنْیَا: دُنیا کی زینت۔

شیخ سُلطان پور آں سیّد محمّد زاہلِ کشف
رفعت و قدرش چو دیدہ لب بہ ثنا گُستر شد است

شَیْخُ سُلْطَانُ بْنُ سَیِّد مُحَمَّدٌ مِنْ اَھْلِ کَشْف
شَانَہٗ لَمَّا رَأی اَضْحیٰ بِقَلْبٍ شَاکِرَا

ترجمہ: "اسی طرح شیخ سیّد محمد سُلطان پوری نے جب حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کا فضل و کمال دیکھا تو سچے دل سے آپؒ کی تعریف و مدّاحی میں سرگرم ہو گیا۔"

اَلتَّحقِیقُ اللّغوی :-

قولہٗ سَیِّدُ مُحَمَّدْ : عربی ترجمہ بیں مُحَمَّدْ مُخفّف پڑھیں. یعنی ایک میم سے۔ اگر آپ کو اس میں اِشتباہ ہو تو علم العروض کی کتابوں کا مُطالعہ فرمائیے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ سارے شکوک دُور ہوں گے۔

قولہٗ الشَّانُ : قال فی المنجد : اَلشَّانُ جَ شُئُوْن، شِاٰن، شِئِین : بڑے بڑے امور و احوال، معاملہ، حالت۔ مِنْ شَأْنِہٖ کَذَا : ایسا کرنا اس کی فطرت و طبیعت سے ہے ؛

۷۰۔ کردہ زِ اِتّباعِ اُو تاثیرِ ارشادش ظہور
پَس وِلایت بُودنِ مُتعدّیَش اَشہر شُد اَسْت

بِاِتّبَاعِہٖ لَاَضْحیٰ مُخْلِصُوْہُ کُمَّلًا
فَلَجَرَیَانُ الوِلَایَۃِ مِنْہُمْ قَدْ اَکْثَرَا

ترجمہ : " آں پیرِ روشن ضمیر علیہ الرّحمۃ کی پیروی کرنے سے آپؒ کے مُخلص مُرید بھی ولایت کے کمال تک پہنچ گئے ہیں۔ اس لئے آں جنابؒ کی ولایت کا متعدّی ہونا اور دوسروں کو درجۂ کمال تک پہنچانا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔"

التّحقیق اللغوی :-

قولہٗ کُمَّلًا : کامل کی جمع۔ جیسے رُکَّعٌ، رَاکِعٌ کی جمع.

ان پانچ ابیاتِ شریفہ کا خُلاصہ :-

گذشتہ پانچ اَبیاتِ شریفہ (۶۶۔تا۔۷۰) کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ناظم رَحمۃُ اللہ علیہ اپنے پیرِ کامل حضرت محبوبُ العالم قُدِّسَ سِرُّہٗ کی کرامات و کمالاتِ عالیہ بیان کر کے وضاحت فرماتے ہیں کہ : آں جنابؒ کا فیضِ انتساب گاہے گاہے اپنی نظرِ

فیضِ کرم سے غافلوں اور تقویٰ سے دُور بندگانِ خدا کو راہِ ہدایت پر لاتے تھے۔ راہِ ہدایت پر ہی نہیں بلکہ ان کو وِلایت کے درجۂ کمال تک پہنچاتے تھے، جیسے خواجہ عثمان علی قول جو بڑے تاجر تھے لیکن تقویٰ اور طہارت سے بے بہرہ بلکہ نمازِ پنج گانہ کے بھی پابند نہیں تھے۔ مگر مقبولِ ازلی ہونے کی وجہ سے ایک دن خود اپنی عمرِ عزیز پر غور کیا اور اپنے انجام و عاقبت پر اتنے روئے کہ بے ہوش ہو گئے۔ بے ہوشی کی حالت میں ہی حضرت محبوبُ العالم شیخ حمزہ رحمۃُ اللہ علیہ کو تنبیہہ کرتے اور یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ "اے عثمان علی قول! اگر تم اس غفلت سے باز نہ آئے تو اور زیادہ عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ لہٰذا فوراً توبہ کر کے میرے پاس حاضر ہو جاؤ"۔ جوں ہی ہوش میں آئے اور خواب یاد آیا تو فوراً آں جناب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؒ نے بھی خواجہ صاحب کی طرف نظرِ رحمت و شفقت سے دیکھا، چنانچہ اس حقّانی نظر سے خواجہ صاحب رفتہ رفتہ ولایت کے بلند مرتبہ پر پہنچے، آپ کا شمار اہلِ کشف میں سے ہونے لگا اور مقبروں کے مُردوں کا حال ان پر عیاں ہوتا تھا۔ آخر میں حرمینِ شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً کی زیارت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔

اسی طرح شیخ سیّد شمسُ الدین اندرابی رحمۃ اللہ بڑے بزرگِ زمان تھے، جب آپ نے حضرت مخدوم شیخ حمزہ رحمۃُ اللہ علیہ کے کمالات مشاہدہ کئے تو آنجنابؒ کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہوئے جس سے آپ رحمۃُ اللہ علیہ آفتابِ عالمتاب کی طرح نور افشانی کرنے لگے۔

یہی حال سُلطان پور کے شیخ بیدا اور مولینا حُسین خطّاط کا ہے کہ حضرت پیر روشن ضمیرؒ کی تعریف و توصیف میں رطبُ اللّسان اور شکر گذار ہوتے تھے۔

ہاں! یہ بات یاد رکھئے کہ کچھ مشائخ و اولیاء خود تو صاحبِ کرامات و فضائل ہوتے ہیں مگر اپنے مُریدوں کو ایسی صلاحیت بخشنے میں عاجز ہوتے ہیں یعنی ان کی ولایت ان کی ذات تک محدود ہوتی ہے اور آگے بڑھنے سے قاصر جبکہ بعض اولیاء اللہ کی ولایت

مُتعدی ہوتی ہے یعنی وہ اپنے مُریدوں کو بھی ولایت اور کرامات کے درجہ تک پہنچاتے ہیں
جیسے کہ ہمارے مخدوم محبوبُ العالم حضرت شیخ حمزہ رحمۃُ اللہ علیہ کی ولایت متعدّی ہے۔ اور
بہت سے حضرات آپؒ سے مستفیض ہو کر درجۂ ولایت و کرامت تک پہنچ گئے۔ یہ یاد رہے
کہ سلوک میں شیخ کی متابعت لازمی ہے۔ کما قیل۔ شعر

بمی سجّادہ رنگین کُن گرت پیرِ مغاں گوید ٭ کہ سالک بے خبر نبود راہ و رسم منزلہا

کار شُد عکس و اَدَب برخواسُت زاں وعظ و پند
پیر رہ بین از مُریدِ کور دِل مُزجَر شُد اسُت

صَارَ اَمْرُ النَّاسِ مَعْکُوْسًا بِتَفْوِیْتِ الْاَدَبِ
وَتَرَی الشَّیْخَ بِوَعْظٍ عَنْهُمْ قَدْ زُجِّرَا

ترجمہ: "جب لوگوں کا اصل مقصد معکوس ہو گیا اور اس نے پلٹا کھایا اور اخلاق و
ادب کو رخصت کیا گیا تو دل کے ایسے اندھوں سے وعظ و پند کے باوجود پیرِ حق آگاہ
تنگ اور عاجز ہو جاتا ہے۔"

التّحقیق اللّغوی: قولہٗ مُزجَر: زجر سے ہے جس کے معنے
روکنے اور توبیخ کرنے کے آتے ہیں۔ یہاں پر مُزْجَرْ سے حضرت ماتنؒ نے واو کو
ضرورتِ شعری کی وجہ سے حذف کیا ہے۔ ہم نے عربی میں اسے بابِ تفعیل سے لیا ہے جو
فعلِ ماضی مجہول ہے، جس کے معنیٰ ڈانٹنے، روکنے، چلّا کر ہنکا لینے کے آتے ہیں۔
زَجّار: بہت ڈانٹنے والا۔ اَبو زاجِر: کوّے کی کنیت ہے۔ اَلمزجَر: ڈانٹنے
کی جگہ۔ زُجِّرَ: وہ ڈانٹا گیا۔

قولہٗ عکس: بات کو اُلٹ دینا، آخر کو اوّل کر دینا۔ یہاں مُراد حالات کے
دگرگون ہونے سے ہے۔ قولہٗ: ادب برخواست: یعنی لوگوں نے آداب و اخلاق اور

مشائخ کا احترام چھوڑ کر اپنی قدرتی صلاحیتیں کھوئی ہیں۔ اس کا ترجمہ ہم نے تعریب میں تَفْوِیْتُ الْاَدَبْ (علم وادب ضایع کرنا) سے کیا ہے۔

خُلاصۂ شعر یہ ہے کہ زمانہ بدل گیا، دین اور معرفت سے غفلت برتی جاتی ہے، واعظوں کا وعظ بے اثر رہ گیا ہے، اس لئے ایک صاحب بصیرت مُرشِد کو بے بصیرت مُرید کے لئے توبیخ کی جاتی ہے۔ شعر ؎

زمینِ شورہ سُنبل برنیارد ٭ درو تخمِ عمل ضایع مگرداں

بہرِ دل پیرِ محقّق چوں طبیبِ حاذق است
کش بہرِ علّت مجرّب داروی دیگر شد است

شَیْخٌ حَقٌّ لِلْقُلُوْبِ کَالطَّبِیْبِ الْحَاذِقِ
وَلِکُلِّ سُقْمِ قَلْبٍ کَالدَّوَاءِ قُدِرَا

ترجمہ: "پیرِ حق شناس مُریدوں کی روحانی بیماریوں کے لئے اس طبیبِ حاذق کی طرح ہے جو دل کی بیماریوں کے لئے آزمودہ کار اور تجربہ کار ہوتا ہے۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی:

قولہٗ حَاذِق: وہ جو اپنے کام میں اُستاد اور ماہر ہو۔ قولہٗ قُدِرَا: یہ قَدَرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْاَمْرَ، و قَدَّرَ لَہُ الْاَمْرَ کا فعلِ ماضی مجہول ہے۔ کسی چیز کا فیصلہ کرنا یا اس کا حُکم عائد کرنا۔ اور قَدَّرَ الرَّجُلُ کے معنٰے کام کی درستی میں تدبیر کرنا۔ تقدیر اندازۂ الٰہی کو بھی کہتے ہیں۔ علماءِ نحو کے نزدیک تقدیری عبارت سے یہ مراد ہوتا ہے کہ عبارت میں لفظ محذوف ہو مگر نیت میں مراد ہو۔ باقی الفاظ کا معنی ظاہر ہے۔

خُلاصۂ شعر یہ ہے کہ پیرِ محقّق حکیم حاذق کی طرح ہونا چاہیئے کہ جس طرح ظاہری طبیب پہلے بیمار کی بیماری کی تشخیص کرتا ہے اور پھر بیماری کا علاج کرنے میں

کامیاب ہو جاتا ہے، اسی طرح پیرِ کامل بھی اپنے مُرید کی نفسانی بیماریوں سے واقف اور ماہر ہونا چاہیئے۔ تب ہی وہ اپنے مُرید کا نفسانی علاج کرنے میں کامیاب ہو گا۔ اگر وہ مرض کی تشخیص نہ کر سکا تو جاہل طبیب کی طرح وہ بھی خطرناک بن سکتا ہے۔ غرض یہ کہ ظاہری بیماری کا علاج کرنا باطنی بیماری کے علاج کے مقابلہ میں نہایت سہل اور آسان ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے شعر

تن اگر بیمار شُد بر سر میار یدم طبیب
ای طبیب آں کار تن سہلست فکرِ دل کُنید

لہٰذا شیخ و رہبر کو سوچ سمجھ کر تلاش کرنا چاہیئے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو خود دینی علوم و معارف سے بہرہ وَر ہونے کی وجہ سے پیر و رَہبر کی طرف محتاج نہیں ہیں تو ان کو مختصر لفظوں میں یہ جواب دینا چاہیئے کہ ڈاکٹر خود کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو، اپنی بیماری کے وقت دوسرے لائق و فاضل ڈاکٹر کا محتاج ہوتا ہے۔ اور نفسانی خطرات وہ بیماری ہے جس کے عِلاج کے لئے رہبرِ کامل کا ہونا ضروری ہے وَرنہ وہ شیطان کے پھندے میں گرفتار ہو گا۔ اور یہ مثال اس عالم پر صادِق آئے گی۔ شعر

عالمے خفتہ است تو خفتہ ❊ خفتہ را خفتہ کے کُند بیدار

طِفلِ راہ آمد مُقلّد کم رَسد یاری ازو
در ہزیمت اُفتد آں لشکر کہ طِفلش سَر شُد است

اِنَّ شَیْخًا غَیْرَ کَامِلٍ کَطِفْلٍ قَاصِرٍ
وَالْھَزِیْمَۃُ لِجُنُوْدٍ طِفْلُھَا قَدْ صُدِّرَا

ترجمہ: "سلوک اور تزکیۂ باطن میں غیر محقّق رہبر اپنے مُرید کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ وہ اس راہ میں بچّہ کی طرح عاجز ہے۔ اور یاد رکھو کہ جس لشکر کا سردار اور سرخیل بچّہ

ہو تو اس لشکر کی شکست یقینی ہو گی۔"

التّحقیق اللّغوی :-

قولہٗ صُدِّرَا : یہ تصدیر سے نکلا ہے۔ کہتے ہیں صَدَّرَہٗ واپس کرنا، آگے بڑھا کر صدرِ مجلس بنانا۔ صَدَّرَ الکِتَابَ بِکَذَا : کتاب میں دیباچہ لگانا۔ اَلصَّدْرُ الْاَعْظَمُ : وزیرِ اعظم۔ صدر کی جمع صُدُور آتی ہے۔ بَنَاتُ الصُّدُور : افکار و خیالات۔ (من المُنجِد)

خُلاصۂ شعر :- یہ ہے کہ غیر محقّق پیر و رہبر راہِ سلوک میں بچّہ کی طرح ناکام اور عاجز ہے۔ اگر بچّہ کسی لشکر کا سردار یا کمانڈر بنا یا جائے تو اس لشکر کے لئے شکست لازمی اور یقینی ہے۔ اس لئے رہبر کا طریقت کے آداب سے اور اس کے اصول سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو عموماً چالیس سال کی عُمر سے پہلے اعلانِ نبوّت کے لئے مُکلّف نہیں فرمایا۔

راہ بنمایند اَہلِ حق بِرہ جوئی بصدق
کردنِ اعلامِ مُریداں پیش شاں مُنکر شد است

اَهْلُ حَقٍّ يُرْشِدُوْنَ الطَّالِبِيْنَ جَوْدَةً
وَافْتِخَارًا بِالْمُرِيْدِيْنَ قَدْ رَأَوْهُ مُنْكَرًا

ترجمہ : "پیرانِ حق پرست دل کھول کر اور پوری مہارت سے اپنے سچّے مُریدوں کی رہبری فرماتے ہیں۔ البتہ اپنے مُریدوں کا فخراً اعلان کرنا ان کے ہاں نہایت ناپسند ہے کیونکہ اس میں ریا کی آلائش کا خطرہ رہتا ہے۔"

اَلتَّحقیقُ اللّغوی :- قولہٗ جَوْدَةً : جَادَ جَوْدَةً و جُوْدَةً : عُمدہ ہونا، اچھا بنانا۔ قولہٗ مُنْکَر : باب تفعیل کا اسمِ مفعول ہے : اِنکار کرنا۔

قولہٗ رَاَوْہُ : ہٗ ضمیر، رَاَوا، مفعول اوّل، راجع بجانب اِفْتِخَارًا۔ اور مُنکَرًا مفعولِ دوم ہے۔

خُلاصۂ شعر : اہلِ حق راہنما اور راہِ حق دکھانے میں پیش پیش ہوتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی سُستی نہیں کرتے بلکہ اس کو اپنے لئے باعثِ سعادت جانتے ہیں اور مُریدوں کی کثرت پر فخر و تعلّی کرنے کو وہ نہایت ہی ناپسند کرتے ہیں۔ یہ وہ آفت ہے جو عصرِ حاضر کے پیرانِ ہوا پرست کی خاصیت بن گئی ہے۔

اہلِ حق اَندرِ حق پیرِ مُقلّد گفتہ اند
گمرہ و گم کُن چو دجّالِ بد اَعْوَر شُد اَست

قَالَ اَھْلُ الْحَقِّ فِیْ شَیْخٍ مُقَلِّدٍ لِغَیْرٍ
اِنَّہٗ ضَالٌّ مُضِلٌّ کَمَسِیْحٍ اَعْوَرَا

ترجمہ : " اہلِ حق نے غیر محقّق مُرشد کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کے لئے کانے بدبخت دجّال کی طرح گمراہی کا باعث بن جاتا ہے۔"

التَّحقیق اللّغوی : قولہٗ اَعْوَرْ : یہ عَوِرَ یَعْوَرُ عوارًا سے صیغۂ صفت ہے، کانا ہونا۔ مذکر کے لئے اَعْوَرْ اور مؤنث کے لئے عَوْرَاءُ بولتے ہیں۔ عَوْرَاء کی جمع عُوْرٌ اور عُوْرَانٌ آتی ہے۔

اَعْوَرْ مسیح دجّال کی صفت ہے جس کے بارے میں احادیثِ شریفہ میں آیا ہے کہ وہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نمودار ہوگا اور ہزاروں بندگانِ خدا کو گمراہ کریگا بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اس کو قتل کریں گے۔ وہ نہایت طلسم باز ہوگا، حقیقت سے ناآشنا اور معرفت سے کوسوں دور ہوگا۔

قولہٗ مَسِیْح : تیل لگا ہوا، بہت سیاحت کرنے والا، خوب صورت۔ یہ

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا لقب ہے۔ اس کی جمع مُسَحَاءُ آتی ہے۔ اور مسیح جھوٹے کو بھی کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔

خلاصۂ شعر: جو پیر بذاتہٖ حقیقت سے ناآشنا ہے اور صرف ناپاک خواہشات حاصل کرنے کے لئے دوسروں کی رہبری کرنے لگتا ہے وہ درحقیقت رہبر نہیں بلکہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی میں ڈالنے والا ہے۔ اس کے برخلاف پیرِ محقّق وہ ہے جس نے بزرگوں سے تربیت پائی ہو اور طریقت میں تحقیق کرچکا ہو اور خود بھی پابندِ شرع ہو اور دوسروں کو بھی اوّلاً شریعت کی پابندی کی تاکید کرتا ہو، وہی دوسروں کی رہبری کا حق رکھتا ہے۔

شارح علیہ الرحمۃ نے اس شعر کی شرح میں آیت اَلَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللہِ وَیَبْغُوْنَہَا عِوَجًا وَّھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کَافِرُوْنَ سے استدلال کیا ہے۔ واقعتاً زمانۂ ہٰذا میں ایسے نقالوں کی کثرت ہے جو خود بھی نماز، روزہ سے دور ہیں اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے گمراہ کرتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللہُ مِنْ ذٰلِکَ۔

شیخ کو اذنِ شفاعت از خدا حاصل نہ کرد
گر مُریداں را دہد دست از ہوا مغتر شد است

اِنَّ شَیْخًا لَمْ یَنَلْ اِذْنَ الشَّفَاعَۃِ مِنْ اِلٰہٖ
اِنْ یَّمُدَّ یَدَہٗ لِلْمُرِیْدِیْنَ غُرِّ رَا

ترجمہ: "جس پیر نے خدا تعالیٰ سے اپنے مُریدوں کے لئے شفاعت کی اجازت حاصل کئے بغیر بیعۃ کے لئے اپنے ہاتھ پھیلائے وہ پیر دھوکہ میں پڑ گیا ہے۔"

التحقیق اللغوی: قولہٗ یَمُدُّ، مَدَّ۔ ن۔ مَدًّا۔ الشیئ و

بالشَّیئِ : پھیلانا، کھینچنا، دراز کرنا۔ مَدَّ اللّٰہُ عُمُرَہٗ : خدا تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے۔

قولہٗ غُرَّ : یہ غرور سے ہے، جس کے معنے دھوکہ دینے کے ہیں۔ اسی سے قرآنِ کریم میں مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ آیا ہے۔ کہ تم کو اپنے مہربان خداوند تعالیٰ جل شانہٗ سے کس چیز نے دھوکہ میں ڈالا ہے۔ یہاں ضرورتِ شعری کی بناء پر باب تفعیل سے لیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے باب افتعال سے لیا ہے۔ والمآلُ واحدٌ ؂

معتکف در خانقہ بودہ قریب بست سال
مُعسر العشرین بعیش قرب حق اعشر شد است

فِیْ رِبَاطٍ اِعْتَکَفْ عِشْرِیْنَ سَنَوَاتٍ زُھَاءً
مُعْسِرًا فِیْھَا وَلٰکِنْ قُرْبَ حَقٍّ یَسَّرَا

ترجمہ: "حضرت محبوب العالم شیخ حمزہ مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے پورے تسلسل کے ساتھ خانقاہ ملک شمسی چک میں تقریباً بیس برس تک اعتکاف فرمایا۔ ہر چند کہ اس غیر معمولی زمانہ اعتکاف کو آپ نے نہایت تنگ دستی میں گذارا ہے، مگر قربِ الٰہی کی بدولت آپ معنوی اور قلبی اعتبار سے بہت خوش حال تھے۔"

التحقیق اللغوی : قولہ : خانقہ، اس کا معرب خانقاہ ہے۔ وہ جگہ جو صرف عابدوں، زاہدوں اور یادِ خدا کرنے والوں کے لئے بنائی جائے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کے مطابق اس کو عربی میں رِبَاط کہتے ہیں۔ اسی تحقیق کی بناء پر میں نے خانقہ کا ترجمہ "رباط" سے کیا ہے۔ اور لفظ رِبَاط جو قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں کسرہ (ــِـ) کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں اور رَبَاط بفتح را اسے میں معنوی مناسبت ظاہر ہے۔

قولہ: معتکف، یہ عَکَفَہٗ (ن) عَکْفًا عن الامر: منع کرنا۔ علی الامر کسی چیز سے روکے رکھنا۔ عَکَفَ الْقَوْمُ حَوْلَہٗ وبہٖ: گرداگرد چکر لگانا۔ اِعْتَکَفَ فی المکان: کسی جگہ بند رہنا۔ اَلْعَاکِفُ: مقیم، جمع عاکفون، عَکَّفٌ، عُکُوْفٌ آتی ہے۔ قرآن کریم میں کئی مقامات میں عاکف مذکور ہے جیساکہ سورۂ حج میں آیا ہے سَوَاءَ نِ الْعَاکِفُ فِیْہِ وَالْبَادِ ط کہ اس میں سب برابر ہیں، اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی۔ اور سورۂ بقرہ میں آیا ہے، وَعَہِدْنَا اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَہِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ "ہم نے حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل (علیہم السلام) کی طرف حکم بھیجا کہ میرے گھر کو خوب پاک رکھا کرو، بیرونی لوگوں اور مقامی لوگوں اور رکوع وسجود کرنیوالاں کے لئے۔" غرض اسی عکوف سے اعتکاف مستعمل ہے۔ اس مقام پر اِعْتَکَفَ کا فاء کلمہ ضرورت شعریہ کی وجہ سے ساکن رکھا گیا او شریعت میں اعتکاف کے یہ معنی ہیں کہ روزہ اور نیت کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنا۔

حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اعتکاف کا خلاصہ یہ ہے کہ اعتکاف کرنیوالا اپنی سانسوں کو ماسوی اللہ کے دور رکھ کر اپنے بدن کے اعضاء کو حرام اور بُرے کاموں سے باز رکھے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے خانقاہوں کی فضیلت قرآن وحدیث سے اچھی طرح ثابت کی ہے۔ تفصیل شرح میں مذکور ہے۔ ہاں اس جگہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ علماء اور عرفاءِ دین کا خانقاہوں کی تعمیر سے نیکو کاروں اور نفس امارہ سے جہاد کرنے والوں کی ایک جماعت تیار کرنا مقصود تھا۔ تو کون بے ایمان انکی افادیت سے انکار کرسکتا ہے؛ مگر ہمارے زمانے کی خانقاہیں اس مقدس مقصد سے خالی ہیں اور اب عوام مسلمین کو ٹھگانے کے مرکز بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم پھر ان

خانقاہوں کو اذکار و اوراد، درسِ قرآن و حدیث اور مجاہدہ اور تصوّف کے رموز و اسرار سے عوام مسلمین کے مردہ دلوں کو پھر تازگی بخشیں اور اس شعر کو مقصدِ زندگی بنائیں۔ ع

از اں محراب ابرو دل مگرداں
اگر در مسجدی گر در خرابات

ایں زماں بر وحدت و تفویض راضی بر قضاء
ہمنشیں با نیک و بد از ہمہ مخبر شُد است

آنِفًا فِی الْوَحْدَةِ بِاللّٰهِ رَبًّا رَاضِیًا
وَجَلِیْسًا بِسَعِیْدٍ وَ شَقِیٍّ مُخْبَرًا

ترجمہ: آنجناب تقدس مآب رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت بھی خلوت گزین اور اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر رکھا ہے اور فیصلۂ الٰہی پر راضی رہ کر ظاہری طور نیک و بد کے ہمنشین ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ ان سب کے حالات سے آگاہ اور واقف ہیں۔

التّحقیق اللّغوی: وحدت، کثرت کی ضد ہے۔ یہاں پر غالباً آں پیرِ حقائق تنویر کا وحدتُ الوجود میں مستغرق ہونا مراد ہے جس پر بعد کا لفظ تفویض اور رضا بر قضا ہونا قرینہ ہے۔ اور موحّدِ کامل کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ وحدۃُ الوجود کے دریای عمیق میں غواصی کرتے ہوئے راضی بحکمِ الٰہی ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ حضرات صوفیہ کے اس رازِ پنہانی کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔

بِاللّٰهِ رَبًّا رَاضِیًا میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل میں رَاضِیًا بِاللّٰهِ رَبًّا تھا۔ مصرعہ دوم میں جَلِیْسًا کا آنِفًا پر عطف ہے۔ نیک و بد کی ہمنشینی اختیار کرتے میں بہت سی حکمتیں ہیں، ایک یہ کہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

جیسا کہ آنے والے شعر سے یہ توجیہہ آشکارا ہوتی ہے۔ اور پھر آدمی اس قسم کے طریقہ سے لوگوں کی تعریف سے بچنا چاہتا ہے یا لوگوں کے احوال پر اطلاع پا کر عوام الناس کو نیک لوگوں کی طرف دعوت دیتا ہے اور بُرے لوگوں کی صحبت سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا مُخبر بصیغۂ اسم فاعل و اسم مفعول دونوں ہوسکتا ہے۔ فافہم۔

خلاصۂ شعر: شارح فرماتے ہیں گو اس وقت آپ بظاہر متکلف نہیں ہیں لیکن معنوی لحاظ سے آنجناب اس وقت بھی معتکف ہیں اور کثرت میں رہ کر وحدت کے مشاہدے میں رہتے ہیں اور تمام امور اور معاملات اپنے خدا کی طرف تفویض کئے ہیں۔

جو نما گندم فروش و مر ملامت مشتری
در لباس اغنیاء بر فقر خود استر شد است

خَیرُ مَحضٍ سِرُّہٗ اِمَّا الملامہ مُشتَرِی
فی لِبَاسِ الاَغنِیَاءِ وَالفُقُورِ سَاتِرًا

ترجمہ: "آں پیر روشن ضمیر رحمۃ اللہ مصلحت اور کسرِ نفسی کے طور پر اپنے تئیں کو جَو کے دانے کے برابر پیش فرماتے ہیں اور حقیقت میں اپنے مُریدوں اور طالبین حق کو اپنے بے مثال فیوض و برکات سے بہرہ ور فرماتے ہیں اور مالداروں کے لباس میں رہ کر اپنے فقر حقیقی کو چھپائے ہوئے ہیں۔"

التحقیق اللغوی: مردِ کامل اور واصل الی اللہ جب اپنے آپکو معمولی صورت میں دکھاتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ پاک باطن اور مرد خدا ہے۔ اس لئے ہم نے فارسی عبارت کا لازمی ترجمہ خَیرُ مَحضٍ سِرُّہٗ سے کیا ہے کہ اس کا باطن خیر ہی خیر ہے اور جب کوئی اپنے آپ کو طمطراق سے پیش کرتا ہے تو جان لے کہ اُس کا دل اور درون

خوفِ خدا سے خالی ہوگا۔ مردِ کامل ریا و شہرت سے بچنے کے لئے ایسا کام کرنے لگتا ہے جس سے لوگوں کو نفرت ہوتی ہے بلکہ وہ اُن کی توبیخ و ملامت کا خریدار بن جاتا ہے چنانچہ حضرات صوفیہ رحمہم اللہ کی ایک جماعت ملامتیہ کہلاتی ہے۔ اسی لئے کہ وہ اس طرح شہرت، ریا اور مکر و فریب سے خلاصی پا جاتا ہے۔ اسی طرح آنجناب عمدہ لباس پہن کر اپنے فقر حقیقی اور کمالاتِ معنوی کو چھپاتے رہتے ہیں تاکہ لوگ ان پر فریفتہ اور گرویدہ نہ ہو جائیں۔

قولہٗ : الفقور یہ فقر کی جمع ہے۔ کذا فی المنجد۔

قولہٗ : ساتراً یعنی چھپانے والا۔ یہ اسم فاعل ہے، منصوب اس لئے ہے کہ مفعول بہ ہے اس کا حضرت شیخ رحمۃ اللہ۔ والباقی اظہر من ان یذکر۔

خُلاصۂ شعر : آں پیر روشن ضمیر رحمۃ اللہ علیہ ظاہر و باطن میں خیرِ محض ہیں کہ ظاہر میں وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جسے دیکھ کر ان کو عوام ناپسند نظروں سے دیکھتے ہیں اور لباس مالداروں کا سا پہنتے ہیں)۔ اپنا ذاتی فقر، احتیاج اور فکر و پریشانی لوگوں سے چھپا کر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد کی درخواست فرماتے ہیں۔ یعنی با خدا لوگ اپنا دین فروخت نہیں کرتے بلکہ وہ دنیا طلبی اور ریا و حشمت سے کوسوں دور بھاگتے ہیں اور قربِ الٰہی چاہتے ہیں۔ اس کے برعکس آپ کو موجودہ زمانے کے نوّے فیصد مذہبی ٹھیکیدار ایسے ملیں گے جو فقیروں کا سا لباس پہن کر مکاری اور بدتہذیبی کا شرمناک مظاہرہ کرتے ہیں اور بندگانِ خدا کی کھال اُتارنا اپنا وظیفہ بنائے ہوئے ہیں۔ معاذ اللہ من ذالک۔ پھر بھی ان کے باطل دعاوی سے خدا کی پناہ۔ واضح رہے کہ یہاں فقر سے فقرِ اختیاری مراد ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے الفقرُ فخری کہ فقرِ اختیاری میرا طرّۂ امتیاز ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

سلطانِ من کہ بود فقرِ اختیارِ او ٭ ہستم بجان غلام وی و جاں نثارِ او

(یعنی میرا بادشاہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں جو اپنے فقر پر فخر کرتے ہیں۔ لہٰذا میں دل و جان سے

آپ کا اور آپ کے چار یار با صفا کا ادنیٰ غلام ہوں۔) آنیوالے دو شعر اسی مفہوم کی وضاحت ہیں:۔

گوئیا عشق و ملامت توأمان زائیدہ اند
زانکہ حق را ہر کہ عاشق شُد ملامت خر شُد است

فَكَأَنَّ عِشْقَ رَبِّ وَالْمَلَامَةَ تَوْأَمَان
فَالَّذِي يَعْشِقُ رَبًّا يَشْتَرِيهَا فَاخِرًا

ترجمہ: "پس گویا عشق و ملامت دو ہمزاد یعنی دو جُڑواں بھائی ہیں۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کا عاشق صادق ہو، وہ نہایت فخر سے ملامت کا خریدار بن جاتا ہے۔ لوگوں کی ملامت سے وہ منزل سرمدی تک پہنچتا ہے۔

شیخے از اہلِ ملامت پہلوان محمود نام
بودہ و از بہرِ این معنیٰ بہر مضجر شد است

إِنَّ شَيْخًا مِنْ مَلَامِيِّينَ مَحْمُودٌ اسْمُهُ
كَانَ يَشْتَرِي الْمَلَامَةَ فِي الْمَفَاجِرِ سَائِرًا

ترجمہ: ملامت اختیار کرنے والوں میں سے ایک رہبر طریقت بزرگ جن کا اسم مبارک محمود تھا، انکی عادت تھی کہ وہ لوگوں کی ملامت خریدنے کے لئے فسق و فجور کی جگہ سے گذر فرماتے تھے تاکہ لوگ اُن کو اچھا اور نیک نہ سمجھیں۔ مطلب یہ ہے کہ بلند پایہ بزرگ دُنیا کی شہرت سے بچکر خالص عباد اللہ الصالحین بن جانے کی کوشش فرماتے تھے۔ اس کے برخلاف اہلِ زمانہ کو دیکھئے کہ وہ ناپائیدار دُنیا کے لئے کس طرح اپنا دین و ایمان خراب کرتے ہیں۔ ع "ببیں تفاوتِ راہ از کجا تا بکجا۔"

خامُش وگویا وساہِر نائمُ وصائمُ بخورد
مست وہشیاراست ازاں احوالِ اواضمرشدست

وَهُوَ صَامِتٌ وَنَاطِقٌ وَ سَاهِرٌ وَصَا
ئِمٌ بِفِطْرٍ غَيْرَ سَكْرَانٍ وَحَالَهٗ اَضْمَرَا

ترجمہ : " آپ علیہ الرحمۃ بظاہر خاموش رہتے ہیں اور حقیقت میں گویا ہیں۔ رات کو بیدار اور دن کو معنوی اعتبار سے روزہ دار ہوتے ہیں۔ بایں ہمہ متضاد کمالات کے باہوش ہوکر اپنا باطنی جمال وجلال چھپائے ہوئے ہیں۔"

التحقیق اللغوی :-

قولہٗ سَکران : مست ومدہوش۔ سکران کی تانیث سکریٰ آتی ہے۔ لہٰذا غیرسکران باہوش ومرد ہوشیار کو کہتے ہیں۔ قولہ اَضْمَرَا : اِضمار سے نکلا ہے : چھپانا۔ اَضْمَرَ الْاَمْرَ : اس نے معاملہ چھپایا۔ اَضْمَرَ فِیْ نَفْسِہٖ شَیْئًا : اُس نے اپنے دل میں کسی چیز کا عزم وارادہ کیا ہے۔ اَضْمَرَتِ الْاَرْضُ فُلَانًا : زمین نے فلاں شخص کو موت یا سفر کی وجہ سے غائب کردیا۔

خُلاصۂ شعر : حضرت محبوبُ العالم شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کو نفس مطمئنہ حاصل ہوگیا ہے اور آپؒ کے تمام احوالِ متضادہ قہرمانِ نفس مطمئنہ کے کنٹرول اور تصرف میں ہیں۔ لہٰذا آپؒ کی خاموشی کے وقت آپ کا قلب مبارک گویا ہوتا ہے۔ لہٰذا بیک وقت آپ خاموش بھی ہوئے اور گویا بھی (بولنے والے) ثابت ہوئے۔ اسی طرح خوفِ خدا سے قلب مبارک جاگتا رہتا ہے اور چشمانِ مبارک آرام میں ہوتی ہیں۔ جیساکہ حدیثِ شریف میں آیا ہے کہ حضور اقدس حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : تَنَامُ عَیْنَایَ وَ لَا یَنَامُ قَلْبِیْ کہ "میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتا ہے۔"

اسی طرح حالتِ صوم (روزہ داری) میں بھی خوانِ الٰہی تناول فرماتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: "اَیُّکُمْ مِثْلِیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ": تم میں سے کون میرے برابر ہو سکتا ہے، مجھے تو میرا پروردگار (روزوں کی حالت میں بھی) کھلاتا اور پلاتا ہے"۔

لہٰذا اولیاء اللہ رحمہم اللہ اجمعین کے یہ کمالات نورِ نبوت سے ہی پہنچتے ہیں تو پھر کس کو انکار کی گنجائش رہے گی۔ شارحؒ مزید فرماتے ہیں کہ احوالِ متضادہ اور صفاتِ متبانیہ میں بھی آپ مست، ہوشیار اور تابعِ شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے ہیں۔ رَحِمَہُ اللہُ رَحْمَۃً وَاسِعَۃً۔

ظاہرش خنداں و لے لرزاں دلش از ترسِ حق
ہمچو برگِ بید کو لرزندہ از صرصر شدہ است

ظَاهِرًا يَضْحَكُ أَمَّا قَلْبُهُ مِنْ خَوْفِ حَقْ
مِثْلَ أَوْرَاقِ الصَّفَاصِفِ مِنْ عَوَاصِفِ صَرْصَرَا

ترجمہ: "ظاہر میں تو آں پیرِ روشن ضمیر ہنستے ہیں لیکن آپؒ کا دلِ مبارک اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس طرح تھرتھراتا ہے جیسے درختِ بید کے پتے تیز ہوا سے تھرتھراتے ہیں"۔

اللہ اکبر! سب عباد اللہ کا یہی حال ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے از خود ہو جاتے ہیں اور دوسرے ہم ہیں خوش اعتقاد کہلانے والے۔ "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"۔

التَّحْقِيقُ اللُّغَوِي:

قولہٗ ظَاهِرًا: یہ یَضْحَكُ کا مفعولِ مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا معنی ہے "پوشیدہ نہ ہونا"۔

قولہٗ أَوْرَاق: یہ وَرَق اَلْكِتَاب سے مشتق ہے۔ کتاب کا ورق۔ اس کا واحد

وَرَقَہ ہے۔ وَرَقَہ کی جمع ورقات آتی ہے۔ اَلْوَرَّاق : کاغذ ساز

قولہٗ صَفَاصِف : صفاف کی جمع ہے : درخت بید

قولہٗ عواصف، والعَوِیصُ مِنَ الامور : دشوار۔ مِنَ الکلام : جس کا سمجھنا دشوار ہو۔ عَوَایِص : تیز ہوائیں۔ قولہٗ صَرْصَرَ : الصرصرُ من الریح : تیز چلنے والی یا سخت ٹھنڈی ہوا۔ (المنجد)

حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر ظاہری طور آں پیر کامل رحمۃ اللہ علیہ ہنستے اور تبسّم بھی فرماتے رہتے ہیں مگر آپؒ کا قلب مبارک اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہراساں رہتا ہے۔ اور خود آندھی کی طرح تھرتھراتے رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے جیسا کہ احیاء علوم الدین میں ہے کہ حضرت رسولِ رحمت محمّد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا : "میری اُمّت کے نیکو کاروں میں سے ایک جماعت خدا تعالیٰ کی رحمت دیکھ کر ہنستی رہتی ہے اور پوشیدہ طور اس جماعت کے دِل خوفِ خدا سے ہراساں ہوتے ہیں، ان کی شان اتنی اونچی ہوتی ہے کہ اُن کے بدن زمین پر اور اُن کے دِل آسمان میں ہوتے ہیں، ان کی روحیں دُنیا میں اور اُن کی عقل و فکر آخرت میں لگی رہتی ہیں۔ وہ اطمینان و سکون سے چلتے ہیں اور وسیلہ اور ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں۔ احیاء العلوم کی اصلی عبارت یہ ہے :-

"اِنَّ مِنْ خِیَارِ اُمَّتِیْ قَوْمًا یَضْحَکُوْنَ جَهْرًا مِنْ سِعَةِ رَحْمَةِ اللہِ وَیَبْکُوْنَ سِرًّا مِنْ خَوْفِ عَذَابِهٖ اَبْدَانُهُمْ فِی الارضِ وَقُلُوْبُهُمْ فِی السَّمَاءِ وَاَرْوَاحُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَعُقُوْلُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ یَمْشُوْنَ بِالسَّکِیْنَةِ وَیَتَقَرَّبُوْنَ بِالْوَسِیْلَةِ۔"

اس مضمون کی مناسبت سے کیا خوب کہا گیا ہے ؎

خنداں شدہ با دلِ ہزار درد ٭ این است نشانِ آں جواں مرد

کہ "اس کا دل ہزاروں بیماریوں سے دوچار ہے مگر کیا کہنے کہ پھر بھی وہ ظاہر میں ہنستا ہے۔ یہی اس جواں مرد کی جواں مردی کی علامت ہے۔"

بر توکّل خوردن و پوشیدنش بودہ ولے
چوں رسیدے نذر باشبہ ورآں مُنذر شُد است

كَانَ مِنْ مُتَوَكِّلِيْنَ فِي الطَّعَامِ وَ اللِّبَاس
حِيْنَمَا يُعْطَى بِسَيِّئٍ غَيْرُطَيِّب اُنْذِرَا

ترجمہ: " ہمارے پیر کامل حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کھانے پینے اور لباس میں مُتوکّل علی اللہ تھے۔ اور جس وقت آں جنابؒ کو کوئی مُشتبہ نذرانہ پیش کیا جاتا تو آپ اس سے فوری طور من جانب اللہ آگاہ کئے جاتے تھے۔"

اَلتَّحقِيقُ اللُّغوِی:

قولہٗ برتوکّل: بابِ تفعّل کا مصدر ہے۔ اس کا مادہ وَکَلَ یَکِلُ وکلاً ہے وَكَّلَ اِلَيْهِ الْاَمْرَ: کوئی کام کسی کے سپرد کرنا۔ وَكِّلْنِيْ اِلٰى كَذَا: یہ کام مجھے کرنے دو۔ اِنَّهٗ وَكَلَ عَلَى اللهِ تَعَالٰى: اس نے اللہ پر بھروسہ کیا اور اس کا مُطیع و فرمانبردار ہوا۔

قولہٗ مُنذَر: باب افعال کا اسم مفعول اِنْذَار سے نکلا ہے، بمعنی واقف و باخبر کرنا نتائج سے آگاہ کرنا۔ شارحؒ کی تحقیق کے مُطابق اِنْذار کی تعریف یہ ہے اَلْاِنْذَارُ اَلْاِبْلَاغ وَلَا يَكُوْنُ اِلَّا فِي التَّخْوِيْفِ وَيُعَدّٰى اِلَى الْمَفْعُوْلَيْن۔

خُلاصۂ شعر یہ ہے کہ آں جنابؒ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے رُشد و ہدایت کے لئے منتخب فرمایا تھا اس لئے آپ بکثرت ریاضت اور عوام کی رہبری میں دن رات گذارتے تھے اور پھر آپ صاحب عیال نہ تھے اس لئے ظاہری اسباب کو چھوڑ کر اسبابِ باطنی پر بھروسہ کرتے تھے اور اسباب باطنی میں سب سے بڑا قوی سبب اعتماد

علی اللہ ہے۔ لہٰذا آپ بقدرِ ضرورت وکفایت ہدایا او رعطایا قبول فرماتے تھے۔ اس میں بھی عوام وخواص کے دینی فائدے پیشِ نظر فرماتے تھے۔

بایں ہمہ اگر کسی وقت آپؒ کو کوئی مُشتبہ نذرانہ پیش کیا جاتا تو آپ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر آگاہ کئے جاتے تھے۔ اس قسم کے احکام خالص صلحاء اور رہبروں کے لئے ہیں۔ ورنہ اسلام کا عمومی حُکم یہ ہے کہ آدمی خود اپنی ضروریات کے لئے کسب وسعی اور تلاش کرے تاکہ خود کفیل بن کر لوگوں کے لئے بوجھ نہ بنے۔ جیساکہ انبیاء کرام علیہم السّلام کا طریقہ تھا۔ ہاں کاروبار کرتے وقت دُنیا کے ساتھ ساتھ دین کا بھی خیال رکھے اور دنیوی کاروبار میں اتنا غوطہ زن نہ بن جائے کہ دین کی رحمت سے محروم ہو جائے۔ بلکہ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً ...الخ پیشِ نگاہ رکھے۔ شرح میں توکّل کے درجات اور عبادُ اللہ کی قسمیں پورے شرح وبسط کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ فَارْجِعْ اِلَیْہِ ؂

مُوردِ اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ حل شُد از حالش مرا
کز دِل اکثر درمسائل مُلْہَم و مُشعَر شُد است

سَہُلَ لِیْ مِنْ حَالِہٖ اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ اَلْحَدِیْث
فَلَاضَحٰی فِی الْمَسَائِلْ مُلْھَمًا وَّ مُشْعَرًا

ترجمہ: " آں حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اس ارشاد کا راز اور رمز اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ " حضرت پیرِ روشن ضمیر علیہ الرّحمۃ کے حال سے حل اور آسان ہوگیا ہے۔ کیونکہ آپؒ اکثر شرعی مسئلوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعۂ الہام باخبر اور آگاہ کئے جاتے ہیں۔

التّحقیق اللّغوی:

قولہٗ سَھُلَ: قال فی المنجد، سَھُلَ (ک) سُھُوْلَۃً وَسَھَالَۃً

اَلْاَمْرُ : آسان ہونا۔ صفت سَہْلٌ و سَہِلٌ۔ سَہَّلَ الْاَمْرَ لَہٗ وَعَلَیْہِ : آسان کرنا۔ اَدعیۂ ماثورہ میں آیا ہے : اَللّٰھُمَّ لَا سَھْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَہٗ سَھْلاً "یا اللہ! کوئی چیز آسان نہیں جب تک کہ آپ اُسے آسان نہ بنائیں گے۔"

قولہٗ اِسْتَفْتِ : اِستفتاء سے نکلا ہے، صیغۂ امر ہے : دریافت کر اور پوچھ حدیث شریف میں آیا ہے : اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ وَاِنْ اَفْتَاکَ اَفْتُوْکَ کہ اپنے دل سے دریافت کر کہ اگر وہ مجھے فتویٰ دے تو لوگ بھی تجھے فتویٰ دیں گے۔

قولہٗ مُلْہِمًا : باب افعال کا اسمِ مفعول، اِلہام سے مشتق ہے۔ اَلْہَمَہُ الشَّیْئَ : نگلوانا۔ اَلْہَمَ اللّٰہُ فُلَانًا خَیْرًا : وحی کرنا، توفیق دینا، سِکھلانا۔

قولہ مُشْعَرًا : اِسم مفعول اِشعار کا۔ بمعنیٰ آگاہ کیا ہوا۔

قولہ فَلَا تَضِحُّ : اس کا فاعل حضرت پیر کامل رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

خُلاصۂ شعر : حضرت خاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جناب رسالت مآب محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ : کَیْفَ نَفْعَلُ اِذَا جَائَنَا اَمْرٌ لَمْ نَجِدْہُ فِیْ کِتَابٍ وَلَا سُنَّۃٍ فَقَالَ سَلُوْا الصَّالِحِیْنَ وَالشُّوْرٰی بَیْنَہُمْ۔

(ترجمہ) "یا رسول اللہ! جب ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حکم ہمیں قرآن و حدیث میں نہ ملے تو اُس وقت ہم کیا کریں گے؟ آپؐ نے جواب فرمایا کہ نیکوکار عُلماء سے پوچھو اور اُن کے ساتھ مشورہ کر کے اُسی کے مطابق عمل کرو۔"

دوسری حدیث شریف میں حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ وَاِنْ اَفْتَاکَ اَفْتُوْکَ یعنے اپنے دل سے دریافت کرو۔ اگر وہ تم کو کسی معاملہ میں رائے دے تو لوگ بھی وہی رائے دیں گے۔ یعنے صاحب واقعہ اپنے نورِ ایمان اور فہم و فراست سے اپنے معاملہ کو "کہ حرام ہے یا حلال"

اوروں سے زیادہ باخبر ہوتا ہے بشرطیکہ آدمی آدمی ہو، حیلہ بہانہ کا بندہ نہ ہو۔
چناں چہ زیر بحث شعر میں حضرت شارح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہمارے پیر کامل رحمۃ اللہ علیہ کو اگر کوئی مشتبہ نذرانہ پیش کرتا یا ایسی چیز پیش کرتا جس کے طیّب اور پاک ہونے میں اشتباہ ہوتا تو آں جنابؒ من جانب اللہ آگاہ کیے جاتے ہیں کہ یہ چیز نہ کھاؤ۔ اس میں یہ عیب اور قصور ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ صفاءِ قلبی کے حاصل ہونے کے لیے "صدقِ مقال" اور اکلِ حلال شرطِ اوّل ہے۔ پس جس کا کھانا پینا، لکھنا اور جھوٹ بولنا فطرت میں ہو اُسے تصوّف اور تزکیۂ قلب سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ میں نہ اکلِ حلال ہے اور نہ صدقِ مقال۔ اس لیے ہمارا قال وحال قابلِ مذمّت ہے۔ ھٰذِہٖ نَبذَۃٌ مِمّا قال الشّارح العلّام فی ھٰذا المقام ؎

اُو بتفویضِ حق و بس حق کہ بہتر حافظی اُست
حافظِ اُو زانچہ نامرضیّہ ومقہر شُد اُست

لِیُفَوِّضُوا اِلَی اللہِ وَھُوَ خَیرٌ حَافِظًا
حَفِظَہٗ عَنْ مُنْکَرَاتٍ بَلْ وَعَمَّا مَقْھَرًا

ترجمہ: " آں پیر پُر تو مُنیرؒ علیہ الرحمۃ نے اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کیے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہترین حافظ ونگران ہے۔ اسی نے آپؒ کو ممنوع و منکرات اور باعثِ قہر وغضب چیزوں کے ارتکاب سے حفاظت فرمائی ہے۔"

التّحقیق اللّغوی :

قولہٗ: حَفِظَ، عَنْ : مدافعت کرنا، ہٹانا۔ تَحَفَّظَ عَنْہُ وَمِنْہُ بچنا۔ وَبِہٖ : کسی کو یاد کرنے کی تکلیف دینا۔ حَفِظَ کے فعلِ ماضی کو شعر میں

بسکونِ عینِ کلمہ پڑھئے۔

قولہٗ مَقْہَرْ: شارح علیہ الرحمۃ نے اس لفظ کو ظرفِ مکان قرار دیکر اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ مَقْہَرْ جای فرود آمدنِ قہر یعنی چیزی کہ سزاوارِ قہر و غضب حق سبحانہٗ باشد۔ یعنی "قہر نازل ہونے کی جگہ۔ یہاں پر دوسرے مصرعہ سے مراد ہے کہ حرام و شبہات کے کھانے پینے سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بچایا۔ کیونکہ حرام و مشتبہات غذاؤں اور لباس سے آدمی پر خدا کا قہر نازل ہوتا ہے۔ اصل میں قہر کے معنی جھڑکنے اور ناراض کرنے کے آتے ہیں، جیسے: فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔

خُلاصۂ شعر یہ ہے کہ آں جناب رحمۃ اللہ علیہ متوکلانہ زندگی گذارتے ہیں، بایں ہمہ اگر کسی وقت آپ کو تحفے، ہدایا اور نذرانوں میں سے کوئی حرام، مکروہ یا مشتبہ چیز از قسمِ غذا و لباس پیش کی جاتی ہے تو بفضل اللہ آپؒ اس پر بہت جلد واقف ہو کر ان چیزوں کو واپس کرتے ہیں۔ یہ آپؒ پر الٰہی عنایت اور ربّانی حفاظت ہے جو بہت کم متوکلوں کو نصیب ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ ہدیہ اور نذرانہ قبول کرنا سنّت ہے۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: مَنْ جَاءَهٗ مِنْ اَخِيْهِ مَعْرُوْفٌ مِنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ وَلَا اِشْرَاقِ نَفْسٍ فَلْيَقْبَلْهُ فَاِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ وَ رَزَقَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ یعنی "جس کو سوال اور نفس کے جھانکنے کے بغیر اپنے بھائی کی طرف سے کوئی تحفہ اور ہدیہ پہنچ جائے تو وہ اسے قبول کرے کیونکہ وہ ایسا رزق ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے پہنچا ہے"۔

ابو علی دقّاق علیہ الرحمۃ بحوالۂ رسالۂ قشیریّہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوَكُّلُ صِفَةُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالتَّسْلِيْمُ صِفَةُ الْاَوْلِيَاءِ وَالتَّفْوِيْضُ صِفَةُ الْمُوَحِّدِيْنَ۔ یعنی "خدا تعالیٰ پر توکّل کرنا مومنوں کی صفت ہے اور تسلیم و

رضا اولیاء اللہ کی صفت ہے اور اپنے تمام معاملات سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا موحدین کی شان ہے"۔ اس سے حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی شان عالی ظاہر ہے۔ اور باقی چار اشعار میں اسی مضمون کی مزید وضاحت ہے۔ فرماتے ہیں :-

محضر ار شدُ شبہ و یا ما حبش منّت نہ است
گاہ اکل از حفظ حقش عقدہ بر خنجر شدُ است

اِنْ یَّکُنْ مَا یُحْضَرُ مِنْ شُبْہَۃٍ اَوْ مِنَّۃٍ
فَبَرِیْ فِی الْحَلْقِ عُقْدَۃً بِحِفْظِہٖ مُنْکِرًا

ترجمہ : " اگر ما حضر کھانا مشتبہ یا اس کا پیش کرنے والا احسان جتانے والا ہو، تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے آنجناب علیہ الرحمۃ اس کھانے سے یا اس کھانے کے نگلتے وقت اپنے پاک حلق میں گرہ اور پھندا سا محسوس فرما کر اس کے نگلنے سے پرہیز فرماتے۔"

التحقیق اللغوی :

قولہٗ مَا یُحْضَرُ : یہ ہر دو اپنے متعلقات سمیت جملہ شرطیہ کا فاعل ہے اور لفظ مَا بمعنی الّذی ہے۔ قولہٗ مُنْکِرًا : یہ بَرِیْ کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہے یہ نَکِرَ (ک) نَکَارَۃً ، الْاَمْرُ سے ہے۔ بمعنی مشکل اور دشوار ہونا۔

قولہٗ بِحِفْظِہٖ : ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے، گو وہ عبارت میں مذکور نہیں لیکن دلوں میں مذکور ہے۔ یہ ضمیرہٗ بحر اور ضرورتِ شعری کی وجہ سے ساکن ہے اور وزن سالم۔

خلاصۂ شعر : ایمان اور قبولیت کا دار و مدار اکلِ حلال اور صدقِ مقال پر منحصر ہے۔ اس لئے حضرت سلطان العارفین علیہ الرحمۃ اس کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے۔ اگر اتفاق سے مشتبہ غذا اور کسی نالائق کی طرف سے کوئی نذرانہ پیش ہوتا تھا تو قدرتِ الٰہی سے وہ غذا آپ کے حلق میں اٹک جاتی تھی۔ یہ تھی آپ کی احتیاط اور خدا پرستی۔ لہٰذا ہر

وہ شخص جو مخدومی کہلائے اور آپؒ کا مُرید ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے بھی اسی طرح پاک غذا اور اکلِ حلال حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، تب اس کی عبادت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوگی۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے لوگ مسلمان اور خوش اعتقاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر غذاے حلال وحرام میں فرق نہیں کرتے۔ اس لئے ان کے دِل اندھے اور بے نور ہیں اور آیت فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَ لٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ کے مِصداق ہیں ؏

اینست حالش صاحبِ دعوت چو شد بے اعتقاد
ہمچنیں ہم کاسہ اش ناگاہ اگر افجر شد است

ذَاكَ شَانُهٗ حِيْنَمَا يَدْعُوهُ مَنْ لَا يُوْقِنُ
اَوْ شَرِيْكُهٗ يَكُوْنُ فِي الْكُئُوْسِ اَفْجَرَا

ترجمہ: "آں جناب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی حال اس وقت بھی ہوتا ہے جب کہ آپ کا داعی (دعوت دینے والا) بے اعتقاد اور بے یقین ہو۔ یا آپؒ کا ہم کاسہ (کھانے میں شرکت کرنیوالا) سخت بدکار و سیاہ کار ہو۔"

التَّحقیقُ اللّغوی: قولہ شَانُہٗ: ای حالہٗ۔ قولہٗ اَفْجَر: بہت جھوٹ بولنے والا، سخت فاسق، گناہ کرنیوالا، کمزور نگاہ رکھنے والا۔ قولہٗ کُئُوس۔ کأس کی جمع، یہاں وہ بڑی پلیٹ مراد ہے جس میں کشمیری مُسلمان ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ کأس کی جمع کئوس، کأسات اور کئاس بھی آتی ہے اور کأس الزھرۃ: سبز پتّوں کا غلاف جو پھول کے چاروں طرف ہو۔ الکأس شراب کو بھی کہتے ہیں۔

خُلاصۂ شعر: یہ کہ فسق و فجور اور فاسقوں اور سیاہ کاروں سے بچنا قبولیّت کی شرط اوّل ہے

۵ صحبتِ صالح تُرا صالح کند ؏ صحبتِ طالح ترا طالح کند

ناگہی گر خوردہ شد بے اختیار اور لقمہ
در زمان از معدۂ پاکش بہ بیروں بر شد است

بَغْتَةً لَوْ يَبْلَعُ اللُّقْمَةَ مِنْهُ سَاهِيًا
عَاجِلًا يَذْرَعُهُ قَيْئٌ صَارَ مِعْدُهُ طَاهِرًا

ترجمہ : " اگر آں جناب علیہ الرحمۃ اچانک اور سہواً مشتبہ چیز تناول فرماتے ہیں تو فوراً آپکو قے آتی ہے اور تناول کی ہوئی غذا باہر آتی اور معدہ پاک ہو جاتا ہے۔"

التّحقیق اللّغوی :

قولہ یَبْلَعُ : بَلَعَ اللُّقْمَةَ : لقمہ نگلنا۔ البلعور و البلعوم : حلق، کھانا نگلنے کی نالی۔ اَلْبَالِعُ : بہت کھانیوالا، بسیار خور۔

قولہ یَذْرَعُهُ : یہ ذَرَعَهُ قَيْئٌ سے ماخوذ ہے : بے اختیار قے آجانا۔
ذَرَعَ عَنْهُ الرَّجُلُ وَ اِلَيْهِ : سفارش کرنا۔

خلاصۂ شعر : آں جناب علیہ الرحمۃ اگر کبھی سہو سے مشتبہ اور مالِ حرام سے بنایا ہوا لقمہ تناول فرماتے ہیں تو فوراً آپ کو قے آجاتی ہے اور وہ مشکوک لقمہ واپس آجاتا ہے اور معدہ شریف پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ یہ درحقیقت آپ پر ربّانی عنایت ہے جو آپ کے معدہ شریف کو حرام اور شک آور غذا کھانے سے محفوظ رکھتی ہے۔

اس شعر میں شو کوبٹ ہندو کے منافقانہ رول کی طرف اشارہ لطیفہ ہے کہ وہ ظاہر میں مسلمان اور پسِ پردہ بُت پرست اور سخت کفر میں مبتلا تھا۔ عوام اس کو مسلمان سمجھتے تھے۔ چناں چہ ایک دن خادموں نے مالِ حلال سے آں جنابؒ کے لئے کھانا تیار کیا اور شو کوبٹ کو بھی آپؒ کا ہم کاسہ بنایا جس کی وجہ سے آپؒ کو قے آگئی اور جو کچھ معدہ میں تھا واپس آگیا اور معدہ صاف و پاک ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ قے آنے کے وقت آپ نے مناجات

فرمایا کہ یا اللہ! یہ مجھے کس گناہ کی سزا ہے؟ تو آواز آئی کہ یہ کھانا ایک منافق ہندو کے ناپاک ہاتھ سے آلودہ ہوا تھا جسے ہم نے آپ کے لئے پسند نہ کیا اور اس سے آپ کو پاک وصاف بنایا۔

اسی طرح ایک اور شخص نے کھانا لایا مگر اس کی نیت خراب اور ناپاک تھی تو فورًا وہ کھانا شبانہ واپس آیا۔

بہرحال ایسے بہت واقعات ہیں کہ مکدّر اور ناصاف غذا کا اگر آپ ایک ہی لقمہ تناول فرماتے تو وہ ہضم نہیں ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولایت، صفائی باطنی اور مالِ حرام میں دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جہنّم اس جسم و بدن کے لئے زیادہ سزاوار ہے جو حرام اور مشکوک مال سے نشو و نما پائے۔ پس سچّا صوفی وہ ہے کہ جو اپنے ہاتھ سے کسب و کار کرے اور حرام و مشتبہات سے دُور رہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہماری شکم سیری اور پُرخوری مالِ حرام ہی کی مرہونِ منّت ہے، پھر بھی ہم سیّد، پٹھان، مجبوبی و مخدومی اور دینِ اسلام کے ٹھیکیدار ہیں۔ معاذ اللہ من ذٰلک۔

ورنہ عارض زحمتے شد باثوابِ صبر آں
یا باستغفارِ آں نقصاں بدم مجبر شد است

أَوْ يُقَاسِيْ بُرْهَةً مَا فَتَدَاوَاهُ بِصَبْر
أَوْ بِتَوْبَةٍ يُدَاوِيْ وَتَلَافِيْ جَابِرًا

ترجمہ: "اور اگر آپ علیہ الرحمۃ کو مشتبہ کھانے سے قے نہ آئے تو پھر بھی آپ کوئی تکلیف اٹھاتے ہیں جس پر صبر کرنے سے آپ ثوابِ عظیم سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔ توبہ اور استغفار سے تلافیٔ مافات فرماتے ہیں۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

التحقیق اللغوی: قولہ يُقَاسِيْ: تکلیف برداشت کرتا ہے: مشارع ہے

کہ كَمْ اُقَاسِىْ فِيْكَ جُهْدَ الْبَلَاءِ: "میں کب تک تیرے بارے میں سخت مصیبتیں برداشت کروں"۔

قولہٗ بُرْهَةً: عرصہ، زمانہ کا کچھ حصہ۔ جمع بُرَة و بُرهات آتی ہے اور اس کے بعد جو حرف مَا آیا ہے، وہ زائد اور تاکید کے لئے ہے۔ اس طرح یہ کثرت سے اشعار میں آیا ہے۔ جیسا کہ امرأالقیس کہتا ہے ؎

اَلَا رُبَّ يَوْمٍ كَانَ مِنْهُنَّ صَالِحٍ ❊ وَلَا سِيَّمَا يَوْمٌ بِدَارَةِ جُلْجُلٖ

اور فرزدق حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف میں کہتا ہے ؎

يَكَادُ يُمْسِكُهٗ عِرْفَانَ رَاحَتِهٖ ❊ رُكْنُ الْحَطِيْمِ اِذَا مَاجَاءَ يَسْتَلِمُ

خُلاصہ شعر:۔ اگر مشتبہ غذا کے تناول کرنے سے آنجناب علیہ الرحمۃ کو قے نہیں آتی تو پھر کسی سخت تکلیف میں مبتلا ہو جاتے اور اس پر صبر و تحمل فرما کر تلافیٔ مافات کرتے ہیں۔

غرض آپؒ کی ریاضت و عبادت جس طرح بے شمار ہے اسی طرح آپؒ کا ورع و تقویٰ اور حرام و مشتبہات غذاؤں سے کنارہ کشائی بھی بہت زیادہ اور حصر و شمار سے بالاتر ہے۔ واضح رہے کہ بیماری اور جسمانی تکلیف بھی خدا تعالیٰ کی عنایت و مہربانی ہے کہ اس سے بندہ فوراً اپنے گناہوں پر اطلاع پاکر توبہ و استغفار کی طرف مشغول ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیحت فرمائی کہ اِذَا مَرِضْتُمْ فَلَا تَطْلُبُوا الْعَافِيَةَ فَاِنَّ الْمَرَضَ هَدِيَّةُ اللّٰهِ عَلٰى عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ کہ "جب تم بیمار ہو جاؤ گے تو صحت و عافیت کے حد سے زیادہ طلب گار نہ بنو، کیونکہ بندۂ مومن کے لئے بیماری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بیش بہا تحفہ اور ہدیہ ہے" تفصیل شرح میں مذکور ہے ❊

روز و شب از بہرِ خویش و از برائے مخلصاں
با زبان و با دلِ استغفار را مکثر شد است

وَلِنَفْسِہٖ یَکُوْنُ وَ ذَوِیْہِ دَائِمًا
بِاللِّسَانِ وَالْفُؤَادِ مُکْثِرًا مُسْتَغْفِرًا

ترجمہ : " آں پیر ہمایوں پرتو مُنیر علیہ الرحمۃ رات دن کثرت سے اپنے اور اپنے مُریدوں اور مخلصوں کے لئے دل و جان سے بارگاہِ الٰہی میں مغفرت کی درخواست کرتے رہتے ہیں "۔

التحقیق اللغوی :

قولہٗ ذَوِیْہِ : ذُوْ کی جمع ہے۔ اس سے آپؒ کے خاص مخلصین و مُریدین مراد ہیں۔ جیساکہ کہا جاتا ہے : اِنَّمَا یَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ ذَوُوْہُ کہ " اہلِ علم ہی صاحبِ فہم و فراست عالم کے قدر شناخت ہوتے ہیں۔

قولہٗ اَللِّسَانُ : زبان۔ جمع اَلْسِنَۃٌ اور لُسُنٌ آتی ہے۔ قولہٗ یَکُوْنُ ؛ اس میں ھُوَ پوشیدہ ہے جو حضرت شیخؒ کی طرف راجع ہے۔ قولہٗ دَائِمًا : یہ یَکُوْنُ کی خبر ہے اور مُکْثِرًا مُسْتَغْفِرًا دَائِمًا سے حال واقع ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ مُرشدِ حقّانی کی ذمّہ داری یہ بھی ہے کہ اپنے سے وابستہ مُعتقدوں اور مُریدوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ دُعاءِ استغفار فرماتا ہے جیساکہ اللہ جلّ شانہٗ نے حضرت نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حکم دیا ہے : فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمْ کہ " ان صحابۂ کرامؓ کی کوتاہیوں سے درگذر فرماتے رہیں اور ان کے لئے بارگاہِ ربّانی سے مغفرت مانگتے رہیں "۔ یعنی ان سے کوئی کوتاہی سرزد ہو تو نہ صرف خود معاف کریں بلکہ وسیلہ بن کر ان کے لئے استغفار بھی فرماتے رہیں۔ اس آیت کریمہ سے آنحضرتؐ اور صحابۂ کرامؓ کی رفعتِ شان بالکل واضح ہے مگر افسوس اُن نام نہاد مسلمانوں پر جو صحابہؓ کا بغض رکھیں یا انکی تنقید و تنقیص سے اپنا ایمان برباد کریں ۔

خوردنش زیں واقعات اکثر بوقتِ مخمصہ است
شاہدِ قولم تنش بنگر کہ چوں لاغر شد است

لِاَجلِ هٰذِهِ الْمَوَانِعْ عِنْدَ جُوْعٍ يَأكُلُ
كَوْنُ جِسْمِهِ النَّحِيْفِ هِمْ قُلْتُ مُخْبِرًا

ترجمہ: "ان ہی موانع وعوارض کی بنا پر آں جناب علیہ الرحمۃ بھوک کے وقت ہی غذا تناول فرماتے ہیں۔ میری اس بات کی صداقت پر آپ کا نحیف ولاغر جسم مبارک خبر دے رہا ہے۔"

التّحقیق اللّغوی: قولہٗ جُوْعٍ: جَاعَ (ن) جَوْعًا و مَجَاعَةً بھوکا ہونا۔ صفت جَائِعٌ و جَوْعَانُ۔ مؤنث کے لئے جَائِعَةٌ و جَوْعٰی آتی ہے اور جمع الجمع جِيَاعٌ و جُوَّعٌ ہے۔ اور جَاعَ اِلَيْهِ: وہ اس کی طرف مشتاق ہوا۔

قولہٗ النَّحِيْفُ: نَحُفَ نَحَافَةً، باب کَرُمَ سے آتا ہے۔ بمعنی دُبلا ہونا۔ صیغۂ صفت نَحِيْف جمع نُحَفَاءُ، نِحَافٌ، نَحِفُوْن آتی ہے۔

اَلْمَوَانِعْ کا آخری حرف عْ ضرورت کی وجہ سے ساکن ہے۔

خلاصۂ شعر: آں جناب علیہ الرحمۃ بقدر کفایت کھانا بھوک کے وقت تناول فرماتے ہیں یعنی شکم سیر ہو کر نہیں۔ کیونکہ بعض حضرات صوفیہ کثّر اللہ امثالہم کا قول ہے: تَرَكْتُ الدُّنْيَا لِخِسَّةِ شُرَكَائِهَا کہ "میں نے دنیا کو اس کی خست اور اسکے ناپائیدار شریکوں کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔" اور فرماتے ہیں: اَلدُّنْيَا حَرَامٌ عَلٰى اَهْلِ الْاٰخِرَةِ وَالْاٰخِرَةُ حَرَامٌ عَلٰى اَهْلِ الدُّنْيَا وَهُمَا حَرَامَانِ عَلٰى اَهْلِ اللّٰهِ۔ یعنی "دُنیا آخرت کے طلب گاروں پر حرام ہے اور آخرت دُنیا کے طلب گاروں پر

حرام ہے اور یہ دونوں اہل اللہ پر حرام ہیں"۔

تنبیہ: اس سے شارح علیہ الرحمۃ رہبانیت اور بالکل ترکِ دُنیا کی تعلیم نہیں دیتے ہیں بلکہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مؤمنِ کامل کا کمال یہ ہے کہ دُنیا میں رہ کر آخرت کو مقدم رکھے اور دُنیاوی تقاضوں پر آخرت کے تقاضوں کو ترجیح دے۔ یہ شان انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اُن کے خاص پیرؤں، صحابۂ کرام رض، اولیاءِ عظام رح اور عُلماءِ حق کا ہے۔ اور اس ریاست میں اس کا پورا اہتمام حضرت محبوبُ العالم الشیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حرام و مشتبہات کے کھانے سے بالکُل بچ نکلے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ احْشُرْنِی مَعَھُمْ۔

ہیچگہ فوق الشبع اصلاً طعام و نان نخورد
گر ادامش مُرغ بِریان کردہ یا سُعتر شُد است

اِنَّہٗ بِالشِّبْعِ لَمْ یَأْکُلْ طَعَامًا اِنْ یَکُنْ
اَلْاِدَامُ مِنْ دُیُوْکٍ شُوِّیَتْ اَوْ سُعْتَرًا

ترجمہ: "ہمارے رہبرِ طریقت حضرت محبوبُ العالم علیہ الرحمۃ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا، خواہ سالن مُرغِ بریان ہو یا معمولی چٹنی"۔

التحقیق اللغوی:۔

قولہٗ اِدام: اَدَمَ، اَدْمًا (الخبز) روٹی کو سالن سے تر کرنا۔

اَلْاِدَامُ: ہر موافق و ملایم چیز جس کا سالن بنایا جاسکے۔ **اَلْاُدَمُ:** گندم گون، مونث **اَدْمَاءُ** آتی ہے۔ اس کی جمع **اُدْمٌ** آتی ہے۔ **اَلْاُدْمَۃُ:** قرابت، وسیلہ، گندم گونی۔ اور **آدم:** حضرت آدم علیہ السلام کا اسمِ گرامی ہے۔ افرادِ جنس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ **اَدِیْمُ الضُّحٰی:** شروعِ چاشت۔ **اَدِیْمُ اللَّیْلِ:** رات کی تاریکی۔

قولہ مِنْ دُیُوْکٍ: دِیْکٌ کی جمع ہے: مُرغا۔ دِیْکٌ کی جمع دُیُوْکٌ، اَدْیَاکٌ،

دُبَکَۃٌ آتی ہے۔ اَرْضٌ مُدَاکَۃٌ، مُدبِکَۃٌ : بہت مرغوں والی زمین۔

قولہ سُعْتَر : چٹنی۔ وسیأتی تحقیقہٗ۔ قولہ لَمْ یَأکُلْ : فعل منفی اور اس کا فاعل حضرت محبوبُ العالم علیہ الرحمۃ ہیں۔

خُلاصۂ شعر : اس شعر میں حضرتِ پیر کاملؒ کی کم خوری کا ذکر ہے خواہ سالن مُرغ بریان ہو یا چٹنی۔ باخدا انسان ہمیشہ کم خور ہوتے ہیں۔ اس سے وہ نفس امّارہ پر قابو پا کر عبادت اور ذکرِ الٰہی میں اِنہماک رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر خسروؒ فرماتے ہیں ؎

نفس را بند از گلو کُن گر زنانِ سُعتری ٭ فارغست آنکس کہ قوتِ او زنانِ سُعتر است

کہ نفس کو گلے سے بند کر اگرچہ روٹی اور چٹنی ہی ہو اور جس کی روزی روٹی اور چٹنی ہو وہ بہت آزاد اور بے فکر ہے۔ اس سلسلہ میں اولیاء اللہؒ کے حالات مشہور و متواتر ہیں۔ بلکہ حضرت سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپؐ کے اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے متعلق آیا ہے :

مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ لَیَالٍ مُتَوَالِیَات (بخاری)

یعنی "آل حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے تین رات مُسلسل سیر ہو کر کھانا کبھی تناول نہ فرمایا۔" ہاں یہ فقر اختیاری ہے۔

آج کل جتنے سیاسی اور مذہبی فسادات پائے جاتے ہیں وہ سیر شکمی اور حرص و آز کے سبب پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اولیاء اللہؒ، حضراتِ انبیاء کرام کی متابعت میں نہایت قلیل الغذا اور بے تکلّف ہوتے تھے۔

حالِ اُو در مَلبَس از حفظِ خدا ایست اینچنین
ناگہی مَلبَس زنا وجہش اگر در بر شُد اُست

هٰكَذَا مِنْ حِفْظِ رَبِّ فِي اللِّبَاسِ شَانُهٗ
تَارَةً مَا إِنْ لَبِسَهٗ بِاشْتِبَاهٍ حُذِّرَا

ترجمہ : " ہمارے مُرشدِ کامل علیہ الرحمۃ کا لباس میں بھی یہی حال ہے اور اگر کبھی آپ نے مُشتبہ لباس زیب تن فرمایا تو اللہ تعالیٰ فوراً اس پر آں جنابؒ کو متنبہ فرماتا ہے۔"

التّحقیق اللّغوی :- قولہٗ تَارَةً. اصل میں تَأْرَةً تھا. ہمزہ کو کثرتِ استعمال کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے. بمعنیٰ "کبھی". جمع تارات. ما زائد ہے۔

قولہٗ حال او : الحال : کیفیت، ہیئت. صفت (مذکر و مؤنث کے لئے یکساں) گرم راکھ، کالی مٹی. حالُ مَتنِ الفرس گھوڑے کی پیٹ کا وسطی حصّہ. الحول (مص)، قدرت، طاقت، اسی سے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه ہے. حول : ہوشیاری دور بینی، سال وغیرہ. قولہٗ مَلْبَس : لِبَاس سے نکلا ہے. بمعنیٰ "پوشاک پہننا". لِبَاس کی جمع لُبُسٌ اور اَلْبِسَةٌ آتی ہے. لَبِسَ (ض) لُبْسًا : کپڑا پہننا. لَبَسَ عَلَيْهِ الْاَمْرُ (ض) کسی پر کوئی چیز مُشتبہ بن جانا.

باقی الفاظ کی تحقیق پیشتر اشعار میں آچکی ہے ۔

خُلَاصَةُ الشِّعر : چونکہ آں جناب علیہ الرحمۃ نے اپنے تمام اندرونی، بیرونی ظاہری اور باطنی حالات اللہ تعالیٰ کو سپرد کئے تھے اور اسی کی تفویض میں رہ کر زندگی بسر فرماتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو حرام اور مشتبہ غذاؤں سے محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ مُشتبہ لباس اور غیر مناسب کپڑے پہننے سے بھی بچا دیا. اور اگر کسی وقت ظاہر پر اعتماد کر کے ایسا لباس زیب تن فرماتے جو مشتبہ ہوتا تو آپؒ فوراً مِن جانب اللہ اس پر

مُتنبہ کیے جاتے ہیں اور غیبی الہام سے حقیقتِ اصلیہ پر مُطلع کیے جاتے ہیں کہ جس سے جسمِ مبارک میں کھجلی یا گرانی محسوس فرماتے تھے، جس سے آپ فوراً چونک جاتے تھے کہ لباس میں کوئی شرعی قصور و فتور ہے۔ سُبحَانَ اللّٰہ!

دوستانِ خدا کھانے، پینے اور پہننے میں کتنے اونچے پایہ کے محتاط تھے۔ اسلئے اُن کی دُعاؤں اور ذِکروں میں وہ اثر تھا کہ ظاہری تیروں کی بارش بھی اُن کے روحانی تیر باران کے سامنے شرمندہ ہو جاتی تھی۔

مگر صد افسوس! کہ اب حلال و حرام میں کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔

شُد یقین محفوظیٔ اُو پیشِ ما احوالِ او
چون مجرّب ایچنیں بے مرو بیش اَذکر شُد اُست

قَدْ عَلِمْنَا بِالْیَقِیْنِ مِنْ بُدُوِّ حَالِہٖ
اَنَّہٗ فِیْ حِفْظِ رَبٍّ لِّکَثِیْرًا اُبْصِرَا

ترجمہ: "ہم نے آں جناب علیہ الرحمۃ کے شاندار حالات کے ظہور سے، آپؒ کے محفوظ ہونے کا یقین حاصل کیا ہے۔ کیونکہ ہم نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے کہ آپؒ فیض انتساب اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگرانی میں ہیں۔

التَّحقیق اللّغوی:

قولہٗ بَدَا (ن) بُدُوًّا و بَدَاءً و بَدَاءَۃً: ظاہر کرنا۔ صفت بادٍ، جمع بادُوْن۔ یعنی یہ مُعتل اللام واوی ہے۔ قولہٗ اُبْصِرَا: فعلِ ماضی مجہول از بابِ اِفعال۔ بَصَرَ اس کا مادہ ہے۔ یعنی دیکھنا، بینا کرنا، کسی کا بصرہ میں داخل ہونا۔

ابصر الطریقُ: راستہ کا واضح اور نمایاں ہونا۔ اسکے آخر میں الف اِشباعی ہے۔

حاصلِ شعر یہ ہے کہ حضرت ناظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہم نے بارہا آپؒ

کے حالاتِ شریفہ اور واقعاتِ عظیم پر غور کیا تو بعدِ غور وفکر ہم اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ آپ من جانب اللہ محفوظ ہیں۔ اس لئے آپ سے مالایلیق لِشانہٖ العظیم صادر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ آپ کو ناملائم امر پر جمنے نہیں دیتا۔ اور اگر کسی وقت آپ ایسی بات میں بغیر قصد و ارادہ مبتلا ہو جاتے ہیں جو شانِ ولایت کے خلاف ہو تو فوراً حضرت حق کی عنایت آپ کی ٹھیک ٹھیک رہبری فرماتی ہے کہ جس سے وہ اپنی حالت و کیفیت شریعت کے تابع فرماتے ہیں۔ چنانچہ شارحؒ فرماتے ہیں کہ نفحات کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ولی کو گناہ سے محفوظ رکھنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس کو قدرتِ الٰہی اور حکمتِ الٰہی گناہ پر ڈٹے رہنے سے محفوظ رکھتی ہے۔ باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ولی سے گناہ کا صادر ہونا محال ہے، اور نہ ہی اس کا یہ مطلب ہے کہ ولی بشریت سے بالاتر ہے۔ اس تقریر سے اولیاء اللہؒ کی عظمت اچھی طرح سے عیاں ہوتی ہے کہ وہ محفوظ ہوتے ہیں اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ان کو فوراً غلطی پر مُتنبہ فرماتے ہیں

اَنبیاء معصوم بودند اولیاء محفوظ ہم
معنیٔ ایں حکمین را ایں نوع مُستفسر شُد اَست

عِصۡمَةُ الۡاَنۡبِیَاءِ حَقٌّ مَعَ حِفۡظِ الۡاَوۡلِیَاءِ
لِکِلَی الۡحُکۡمَیۡنِ مَعۡنًی هٰکَذَا قَدۡ فُسِّرَا

ترجمہ: "حضرات انبیاء و مُرسلین علیہم السّلام کا گناہوں سے معصوم ہونا اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ کا گناہوں سے محفوظ ہونا مُسلّم اور ناقابلِ تردید امر ہے اور ان دونوں معنوں کی تفسیر اسی طرح کی گئی ہے۔

التّحقیق اللّغوی: قولہٗ اَنبیاء: نبی کی جمع۔ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبر دینے والے کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اَنبیاء، نبیون

نُبَاءٌ آتی ہے۔ اصطلاح میں نبی وہ صاحب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرماتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق کا طریقہ بتاتے ہیں۔

ان کی ابتداء حضرت آدمؑ سے ہوئی اور انتہاء حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوئی جو آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہ آیا نہ آئے گا۔

قولہ' اولیاء: جمع ولی' اس دوست کو کہتے ہیں جو تقویٰ و پارسائی اختیار کرے اور گناہوں سے پاک رہ کر شریعت کا پابند ہو۔ اگر پابندِ شرع نہ ہو تو دوستِ خدا نہیں بلکہ دشمنِ خدا ہے

خُلاصۂ شعر: نبیوں اور رسولوں کے گناہوں سے معصوم ہونے کے یہ معنے ہیں کہ وہ ارادہ کر کے گناہ نہیں کرتے ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ سہواً خلافِ اولیٰ کے مرتکب ہوسکتے ہیں۔ ایسے امور ان کے نامۂ اعمال میں نہیں لکھے جاتے ہیں۔ اور اولیاء سے گناہ کا صادر ہونا محال نہیں اور اگر ان کو ایسی صورت پیش آجائے تو اللہ تعالیٰ فوراً ان کو باز رکھتا ہے اور انہیں توبہ کی توفیق عنایت کرتا ہے۔ شارح رحمہ اللہ نے اس مقام پر محققانہ بحث ثبتِ قلم کی ہے' ہم نے اسی سے ایک قطرہ لیکر اپنے قارئین کرام کے لئے اسے کافی سمجھا ہے۔ شائقین اصل شرح کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

نوٹ، لِکلی الحکمین سے عصمتِ انبیاء و محفوظیتِ اولیاء مراد ہے ؂

باوجودِ آنکہ محبوبیّتش ہم مُثبت است
نبُود اورا اخذ گر جرُمی ازو مصدر است

کَوْنُہٗ مَحْبُوْبَ حَقٍّ ثَابِتٌ لَا رَیْبَ فِیْہِ
فَالرَّجَاءُ مِنَ الْاِلٰہِ عَفْوُ مَا قَدْ قَصَّرَا

ترجمہ: " آں جناب علیہ الرحمۃ کا محبوبِ الٰہی ہونا امرِ یقینی ہے اور اگر پھر بھی آں جناب سے

بنابرِ بشریّت کوئی فروگذاشت ہوتی ہو تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی باز پُرس آں جنابؒ سے نہ فرمائے گا بلکہ آپ کو عفو و درگذر سے نوازے گا۔"

اَلتَّحقِیقُ اللُّغوی: قولہ اَخَذَ: یہ عربی لفظ ہے اور اس جگہ اَخَذَہٗ بِذَنْبِہٖ سے مشتق ہے، بمعنیٰ "کسی کو گناہ پر سزا دینا اور کسی سے مُواخذہ کرنا۔"

قولہٗ مَصْدَرٌ: اس کا معنیٰ مشہور ہے۔ یہاں پر اس کا استعمال صَدَرَ الْاَمْرُ سے ہے یا صَدَرَ مِنْہُ سے، بمعنیٰ صادر ہونا، ظاہر ہونا۔ صَدَرَ عَنْہُ کے معنی پیدا ہونے کے ہیں۔ یہ معنیٰ اس مقام پر قریب تر ہے۔ قولہٗ قَصَّرَ: یہ قَصَّرَ عَنِ الشَّیْئِ سے مشتق ہے۔ عدمِ قدرت کی وجہ سے کسی کام سے باز رہنا وغیرہ۔

خلاصۃُ الشّعر: حضرت محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کا محبوبِ حق سبحانہٗ ہونا مسلّم اور طے شُدہ امر ہے۔ اس سلسلہ میں خود حضرت بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ بحوالۂ فتاوائ فیروز شاہ رقمطراز ہیں کہ محبوبِ حق ہونے کا یہ مَطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کی لغزشوں کو درگذر فرماتا ہے اور اُنہیں گناہوں سے بچاتا ہے اور ان سے کوئی گناہ سرزد ہونے کی صورت میں ان کو فوراً توبہ و استغفار کی توفیق سے نوازتا اور اپنی اِطاعت و فرمانبرداری کی طرف متوجّہ فرماتا ہے۔ مُحبِّ حق ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ بندہ اللہ جلّ شانہٗ کی فرمانبرداری میں لگ جائے اور جس سے اللہ تعالیٰ نے اُسے منع کیا ہے اس سے باز رہے اور رضا بقضاء اور صبر علی البلا کا حامل ہو۔ اور مزید فرماتے ہیں کہ یہی اس حدیث کا مَطلب ہے جس میں آیا ہے کہ محبوبِ حق کو گناہ ضرر نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فوراً توبہ و استغفار کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ میں وہ داخل ہوتا ہے جو فوراً اپنے گناہوں پر سچّے دِل سے توبہ کرے تو وہ اس شخص کی طرح بن جاتا ہے جس نے گناہ ہی نہ کیے ہوں۔

لہٰذا شعر کا صحیح مطلب یہی ہے، نہ یہ کہ محبوبِ الٰہی سے گناہ سرزد ہونا عقلاً و شرعاً محال ہے بلکہ یہ صرف انبیاءِ کرام علیہم السلام ہی کی شان ہے کہ اُن سے قصداً و عمداً گناہوں کا سرزد ہونا محال ہے، کیونکہ وحیِ الٰہی ہر وقت ان کی حفاظت فرماتی ہے اور وحی کا دروازہ ہمارے رسولِ برحق حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بند ہوچکا ہے۔

اس مختصر تشریح سے محفوظ و معصوم میں فرق سمجھ میں آگیا ہوگا اور مزید تفصیل چاہتے ہو تو شرح اور علمِ کلام کی کتابوں کی طرف مراجعت فرمائیں۔

بُود شیخے نذرِ سُلطان گیر دے نے ز اخوان وگُفت
اکثرِ اخوان است مِنّت بہ از ان مُنکر شُد است

كَانَ شَيْخٌ يَقْبَلُ مِنْ نَذْرِ سُلْطَانٍ فَقَطْ
قَالَ النَّاسُ يَمُنُّوْنَ بِهٖ فَاسْتَنْكَرَا

ترجمہ: "ایک بزرگ صوفی صرف بادشاہ کی نذر و نیاز قبول فرماتے تھے اور عوام النّاس کی نذر و نیاز قبول کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے تھے کہ عام لوگ نذرانہ پیش کر کے احسان جتاتے ہیں اس لئے اُن کا نذرانہ و نیاز قبول کرنا امرِ مُنکر میں داخل ہے۔"

اَلتَّحقِیقُ اللُّغَوِی:

قولہٗ نَذَرَ: اَلنَّذْرُ: مصدر، تاوان، زخم، اللہ کے لئے مانی ہوئی چیز۔ اس کی جمع نذور آتی ہے: نذر ماننا۔ قولہٗ اَلْمِنَّۃُ: احسان۔ اَلْمِنَّۃُ تَھْدِمُ الْمَعْصِیَۃَ: احسان گناہوں کو مٹاتا ہے۔ مَنَّ مَنًّا و مِنَّۃً، وَامْتَنَّ اِمْتِنَانًا عَلَیْہِ بِکَذَا: بھلائی کرنا، انعام دینا۔

خُلَاصَۃُ الشِّعر: اس شعر میں مُریدوں کے آداب کی طرف اشارہٴ لطیف ہے کہ مُرید کو چاہیئے کہ ایسے مُرشدِ حقّانی کے معاملات میں دخل نہ دیا کرے خاص کر کہ

پیرِ حقّانی کے نذر و نیازوں اور تحفوں و ہدایا کے ردّ و قبول کرنے میں غوّاصی اور حکمت طلبی سے کام نہ لے کیونکہ پیرانِ طریقت کے احوال ہی مُریدوں کے فہم و فراست سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اسی کے قریب یہ شعر بھی ہے ؎

بمے سجّادہ رنگین کُن گرت پیرِ مغاں گوید ٭ کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم و منزلہا

یہ شعر بھی اصل میں متابعتِ مُرشدِ حقّانی کی تعلیم دیتا ہے اور شعر فرضِ محال کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ہاں جب مُرشدِ ظاہری و باطنی علوم کا مَخزن و مَعدن ہو تو بھلا وہ کب شریعت کے خِلاف کوئی کام کرنے کو بتائے اور جب اُس سے ایسا حُکم صادر ہو جائے تب اُس کا مُرید اُس کے ظاہری حال اور باطنی کمال سے واقف ہی نہ ہو گا۔ بہرحال شیخ سلطان سے شیخ مخلد بن حسن مُراد ہیں اور اسی زمانہ میں یوسف بن بن اسباطؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور ابواسحاق الفزاریؒ جیسے اولیاء تھے۔ چاروں کا طریقہ یہ تھا: یوسف بن اسباطؒ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ نہ بھائیوں سے ہدیہ قبول کرتا تھا اور نہ بادشاہ سے۔ اس نے اپنی وراثت کے ستر ہزار روپے بھی واپس کئے اور اپنی کمائی پر گذر اوقات کرتا تھا۔ ابواسحاق الفزاریؒ بھائیوں اور بادشاہ سے ہدایا قبول کرتا تھا۔ بھائیوں سے قبول کیا ہوا نذرانہ مَستورُ الحال غریبوں پر صَرف کرتا تھا اور جو بادشاہ سے ملتا تھا اس کو طرطوس کے مُجاہدین پر صَرف فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ شاہانہ نذرانہ اور عطایا قبول کرنے سے انکار فرماتے تھے۔ البتہ اپنے بھائی بندوں کے نذرانے اور تحفے قبول فرماتے تھے پھر ان کو ان نذرانوں کا معاوضہ بھی دیتے تھے۔ چوتھے مخلّد بن حسن المذکور فی المتن ہیں۔ یہ عوام کا نذرانہ قبول نہیں کرتے تھے "بہت غیور تھے" فرماتے تھے کہ عوام احسان کر کے مِنّت رکھتے ہیں اور بادشاہ اپنے احسانوں سے مِنّت نہیں رکھتے لہٰذا ان بادشاہوں کے تحفے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لہٰذا عصرِ حاضر کے مشائخ زادوں کو اپنے ہاتھوں سے کسب محنت کرنی چاہیئے۔ اسی سے انکی اور اسلام کی عزّت برقرار رہے گی ٭

مالِ مخلص مالِ شیخ است زانکہ شیخ رُودبار
قفل بشکستہ بہ بیتِ مخلصے اندر شُد است

مَالُ مُخْلِصٍ یَکُونُ مَالَ شَیْخٍ لِاَجْلِہٖ
شَیْخُ رُوْدْبَارٍ کَسَرَ قُفْلَ الْمُرِیْدِ جَابِرًا

ترجمہ: "مُخلص مُریدوں کا مال حکماً شیخ کا ہی مال ہوتا ہے، اس لئے شیخ رودبار نے (ضرورت کے وقت) اپنے مُرید کے کمرہ کا تالا توڑ دیا اور اس کے اندر داخل ہوئے۔"

التحقیق اللغوی:

قولہ، شیخ رودبار: اس سے شیخ عبداللہ رودباریؒ مراد ہیں۔ قولہٗ: قفل: یہ خالص عربی لفظ ہے۔ اَقْفَلَ الْبَابَ وَعَلَی الْبَابِ سے ماخوذ ہے۔ معنی ہیں "مکان کو قفل لگانا۔ اور اَقْفَلَ الْقَوْمَ کے معنیٰ ہیں "اپنی نظر کو قوم کے پیچھے جمانا۔" اور قَفَلَ قَفْلاً و قُفُوْلاً (ن وض) کے معنیٰ ہیں "سفر سے واپس آنا۔" قولہٗ جَابِرًا: زبردستی سے کام کرانے والا۔ اسی سے جَبَّار ہے جو اللہ تعالیٰ کا ایک اسم پاک ہے: تسلّط رکھنے والا، قہر و غضب والا۔ اَبُوْجَابِرٍ: روٹی اُمِّ جَابِرٍ: ہریسہ۔

خُلاصۃُ الشّعر: ایسا لگتا ہے کہ یہ شعر اپنے ماقبل سے اِستثناء کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے پہلے کے شعر میں مُخلد بن حسینؒ کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائی بندوں اور اپنے دوستوں کا نذر و نیاز قبول نہیں فرماتے تھے کہ لوگ احسان کر کے منّت رکھتے ہیں۔ اور اس شعر میں فرماتے ہیں: ہاں! شیخ کامل ہو اور اسے اپنے مُریدوں اور مخلصوں پر اعتمادِ کامل ہو تو تب پیر برحق مجبوری کے وقت زبردستی کر کے اپنے مُرید و مُخلص کے مال کو اس کی ظاہری اجازت کے بغیر بھی استعمال کر سکتا ہے کیونکہ روحانی مُرشد باپ کا سا درجہ رکھتا ہے۔ جیسا کہ شیخ عبداللہ رودباریؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ

اپنے صوفی کے ہمراہ اپنے ایک خاص مُخلص کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں مخلص کا مکان مُقفّل تھا، آپ نے یہ دیکھ کر اپنے صوفی سے فرمایا کہ تالا توڑ دو۔ اس نے تعمیلِ حُکم کرتے ہوئے تالا توڑ دیا اور پیرِ انور اندر داخل ہوئے، بقدرِ ضرورت گھر کی چیزیں اپنے اور اپنے مُریدوں کے لئے استعمال کیں۔ شارح ؒ نے یہ واقعہ رسالۂ قشیریہ سے نقل کیا ہے مگر یاد رہے کہ ہمارے زمانہ میں نہ تو ایسے پیرانِ طریقت ہیں اور نہ ہی ایسے مُریدانِ باتمکین پائے جاتے ہیں۔ پس اس شعر میں مُریدین کے کچھ آداب بتائے گئے ہیں۔ فافہم ولاتکن من الغافلین۔

می کند ایثار بر ہر مخلصِ خود مایلیق
چون بایثارِ فتوحات از خدا مُوثر شُد اشت

لِذَوِیہٖ یُؤثِرُ الشَّیْخُ بِمَالٍ مَا یَلِیقْ
وَلِذَا مِنْ فَضْلِ رَبٍّ بِالْفُتُوحِ مُوثَرَا

ترجمہ: "آں آفتابِ ولایت علیہ الرحمۃ اپنے خاص مخلصوں اور ارادتمندوں پر ان کے حسبِ حال مال خرچ فرماتے ہیں اس لئے فتوحات و نذرانوں کے بارے میں بھی قدرت کی طرف سے عزت و ترجیح سے نوازے گئے اور غنیُّ القلب بنائے گئے ہیں۔"

التّحقیق اللّغوی:

قولہٗ ایثار: یہ اٰثَرَہٗ اِیثَارًا سے ہے جس کا معنی ہے عزت کرنا، پسند کرنا، فضیلت و برتری دینا۔ اٰثَرَ کَذَا بِکَذَا: پیچھے لگانا۔ اَلْاَثَرِی: ماہرِ آثارِ قدیمہ۔ اَلْاَثِیْرُ: قُدماء کے ہاں نویں آسمان کو کہا جاتا ہے اور علماءِ طبعیّات کی اصطلاح میں اَثِیْر ایتھر کو کہا جاتا ہے، یہ دراصل وہ مادہ ہے جس کے تموّج سے گرمی بڑھتی ہے اور آواز دور تک جاتی ہے۔ شارح رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مُطابق اس جگہ مُؤثَر بصیغۂ اسمِ مفعول ہے، فرمایا: "ایثار کردہ شُدہ و بخشیدہ شُدہ"۔ قرآنِ کریم میں وارد ہے: وَیُؤثِرُوْنَ

عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" یعنی: "یہ انصار مہاجرین کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں گو وہ خود محتاج ہوتے ہیں"۔

قولہٗ مَا یَلِیْقُ: مَا موصولہ ہے۔ یہ لَاقَ یَلِیْقُ لیقًا و لیاقةً و لیقانًا بفلانٍ: کسی سے پناہ لینا، چمٹنا، موزون و مناسب ہونا۔ لہٰذا مَا یَلِیْقُ کا معنی ہُوا "جو مناسب اور لائقِ حال ہو"۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: ھٰذا الامرُ لایَلِیْقُ لَکَ: یہ تمہارے مُناسب نہیں۔ والتفصیل فی المنجد۔

قولہ فتوحات: یہ فتوح کی جمعُ الجمع ہے اور فُتُوح، فَتْح کی جمع ہے وہ روزی جو اللہ تعالیٰ عالمِ غیب سے عطا فرمائے۔

خُلاصۃُ الشّعر: حضرت محبوبُ العالم علیہ الرّحمۃ فِطرۃً بہت سخی اور دریا دِل تھے اور آپ ہر ایک کو فتوحاتِ الٰہی سے اس کے حسبِ حال عنایت فرماتے تھے۔ غرض یہ کہ جس طرح آپؒ اپنے مخلصین کی رُوحانی تربیت فرماتے اور دریا دلی دِکھاتے ہیں اسی طرح آپؒ ان فتوحات سے بھی اپنے مخلصوں اور مُریدوں کو نوازتے ہیں جو آپؒ کو عالَمِ غیب سے عِنایت ہوتی تھی۔ اور پھر کمال یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے حسبِ حال وضرورت عِنایت کرنے میں پوری دسترس رکھتے ہیں۔ شارح علیہ الرّحمۃ فرماتے ہیں کہ مردِ مومن میں سخاوت عُمدہ صفت ہے۔ کیونکہ حضرت نبی اکرم صَلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَقَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ وَقَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ وَبَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰهِ وَبَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ وَبَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ وَقَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ۔ یعنی: "سخاوت کرنے والا اللہ سے بھی قریب ہے اور لوگوں سے بھی، جنّت کے قریب ہے اور جہنّم سے دُور ہے۔ اس کے برعکس بخیل اللہ سے بھی دُور ہے اور لوگوں سے بھی۔ جنّت سے دُور اور جہنّم کے بالکل قریب ہے"۔

سخاوت کے وقت پیرِ روشن ضمیر علیہ الرّحمۃ اس بات کا پورا دھیان رکھتے تھے کہ سخاوت مستحقوں کو ملے اور یہ کہ کوئی چیز ضائع نہ ہونے پائے۔ تنبیہ: ترغیب الصلوٰۃ میں دیکھیے۔

ہم بما یحتاج ایں داعی را کفایت او کند
ز آنکہ اسم کافیٔ اللہ را مبہر شد است

وَکَذٰلِکَ لِھٰذَا الدَّاعِیْ یَکْفِیْ اَرَبَہٗ
لِاَجْلِ اَنَّہٗ لَاَضْحٰی اِسْمَ کَافِی مَظْھَرًا

ترجمہ: "اسی طرح آنجناب فیض مآب رحمۃ اللہ علیہ اس دعا گو ناظم کی حاجتوں کی بھی کفالت فرماتے ہیں۔ کیوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اسم کافی کے مظہرِ اتم ہیں۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیُّ:

قولہٗ: مبھر: بمعنی مظہر کے ہے۔ جیسا کہ ظاہر بمعنی باہر آتا ہے اور المنجد نے بھرہٗ (ف) بَھْرًا: غالب آنے اور فضیلت میں غالب آنے کے لکھے ہیں۔ یہ معنی اس جگہ زیادہ مناسب ہے۔

قولہٗ: کافی: کفایت کرنے والا۔ "کَفَیْتُہٗ شَرَّ عَدُوِّہٖ" میں نے اس کو اس کے دشمن کے شر سے بچایا اور عربی میں کبھی کفیٰ کے فاعل پر حرف "باء" زائد بھی آتا ہے جیسے کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا۔ یعنی اللہ کی شہادت دوسرے کی شہادت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

خلاصۂ شعر: اصل میں کفایت کرنے والا اور حاجت براری فرمانے والا صرف ذاتِ پاک حضرت اللہ جل شانہٗ ہے اور مجازاً جس پر اللہ تعالیٰ کی یہ صفت تجلی ہو جائے اور جس کو وصف کفایتِ الٰہی کا پرتو پڑے، وہ دراصل اسی کے نام بلند نشان کا پرتو ہے اور یہ وصف دوسرے اوصاف کی طرح نہایت محمود ہے۔ خاص کر جبکہ اس کا یعنی کفایت کرنے والے کا تعلق مومنین اور صالحین سے ہو تو پھر یہ وصف نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت محبوب العالم رح پر کافی وصف

حقیقی اللہ کا پرتو پڑا تھا۔ اپنے مخلصوں محبّوں اور دوستوں کی ضرورتوں اور حاجتوں کا بھرپور خیال فرماتے ہیں۔

چنانچہ رسالہ "والدیہ" میں لکھا ہے:

"کہ معاونت کردن برادرانِ مومن بدست و سائر جوارح در چیزے کہ ایشاں محتاج باشد بآں چیز ہمہ نور و صفا است علی الخصوص معاونتِ طائفہ کہ ایشاں را حق سُبحانہٗ و تعالیٰ از برائے محبّت خود ظاہر گردانید است و دوست میدار کہ ایشاں را عَلَی الدّوام توجّہ بجنابِ اُو باشد چرا کہ دلِ ایشاں بجنابِ اُو باشد ...." الخ

باایمان کی ذمہ داریوں میں سے یہ بھی ایک ذمہ داری ہے کہ وہ مومن کی ضروری چیزوں میں ممد و مددگار ہو۔ اپنے ہاتھوں سے ہی نہیں بلکہ اپنے سارے بدن سے اُن کی خدمت بجا لانا نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہے، خاص کر اس جماعت کی امداد کرنا جن کو خدائے ربّ العزت نے اپنی محبّت کے لئے منتخب فرمایا ہے اور زیادہ موجبِ رحمت اور ایمان کی نشانی ہے، کیونکہ ایسے حضرات کے قلوب جمالِ الٰہی یا جامِ جہاں نما ہیں۔ لہٰذا اُن کی خدمت کرنا اور بھی باعثِ برکت و ازدیادِ محبّتِ الٰہی ہے۔

اِس وصف میں بھی حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ ممتاز اور اپنے زمانہ کے اخوان الصفاء پر گوئی سبقت لئے ہوئے ہیں ۔۔۔ شارح فرماتے ہیں: مجھے بھی اپنی امداد سے نواز تے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اسم کافی کے مظہرِ اتم اور تجلّی اعظم ہیں:

گفت از یاران طلب گاہے بنا بر حکمتے است
ورنہ گاہے میل رانے خاطرم محظر شد است

قَالَ اِنِّیْ اَطْلُبُ مِنْ رُفَقَائِیْ حِکْمَۃً
وَالْحَقِیْقَۃُ مَیْلُ دُنْیَا مِنْ فُؤَادِیْ اُحْصِرَا

ترجمہ: "آں پیر پر تو منیر فرماتے ہیں۔ کہ میں بناء بر مصلحت گاہے کبھی کوئی چیز اپنے دوستوں سے طلب کرتا ہوں، ورنہ دنیا کی ہوس میرے دل سے کب کی بندش ہوئی ہے۔"

التَّحقیقُ اللُّغوی:

قولہٗ : خاطر: دل میں کھٹکنے والا امر یا تدبیر، خیال، کبھی دل اور نفس پر بھی مجازاً اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ "وَقَعَ فِیْ خَاطِرِیْ" میرے دل میں یہ خیال آیا، کہتے ہیں۔ بہرحال مخطر کا حاصل مطلب دل میں کسی بات کے گذرنے اور دل میں خیال آنے کو کہتے ہیں۔

خُلاصۃُ الشّعر: یہ ہے کہ حضرت بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر کامل کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں: مجھے نفسانی خواہشات اور حرص و آز کا خیال تک نہیں آتا ہے اور اگر کبھی اپنے دوستوں اور اپنے مخلصوں سے کوئی چیز طلب کرتا ہوں، تو اس میں حکمت و مصلحت ہوتی ہے۔ کہ نفس کو پندار و غرور اور ریا و شہرت سے بچاتا ہوں اور اسے بھی اپنے قلب و نفس کی پاکی و سلامتی کا ذریعہ بنا دیتا ہوں ــــ امید ہے کہ میرا یہ خیال میرے لئے باعثِ عفو و کرم بن جائے۔

سُبحان اللہ! دوستانِ خدا کی کتنی پاک نفسی اور بلند ہمتی ہوتی ہے کہ واقعی اُن کے زہد و فقر سے ان کا نفسِ اَمّارہ نفسِ مُطمئِنّہ کی صورت اختیار کرتا ہے اور وہ اپنے علم سے قربِ الٰہی حاصل کرتے ہیں ــــ اور دوسرے ہیں ہم مُدّعیانِ بے معنی کا علم ایسا ہے جیسا کہ ایک بندۂ خدا فرماتے ہیں:

پڑھ پڑھ کے بنے پتھر، بنے لکھ لکھ کے چور
جس علم سے خدا ملے وہ پڑھنا ہے کچھ اور!

بہرحال آپ رحمۃ اللہ علیہ گاہے مصلحتاً اپنے دوستوں سے کوئی چیز طلب فرماتے تھے۔ اِس سلسلہ میں مرشدینِ کاملین سے تین مقصدوں کی خاطر سوال کرنا جائز ہے:۔

۱= فراغت ملنے کے لئے، کہ دل بالکل اللہ کی طرف متوجہ ہو اور معمولی گذرِ اوقات کے لئے زندگی کا قیمتی وقت ضائع نہ ہونے پائے۔

۲۔ نفس کُشی کے لئے، کہ دستِ سوال دراز کرکے اپنی قدر وقیمت پہچان سکیں اور کبر وغرور سے نجات مل جائے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے احترام کے لئے کہ اللہ نے مالداروں کو مال دیا ہے۔ اب یہ خدائے جلیل کے وکیل بن کر ان سے مال کا حق طلب کرتے ہیں اور ان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ مال کا اصلی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اس طرح وہ دینی تبلیغ فرماتے ہیں اور احیاءِ علوم دین میں بحث کسب میں لکھا ہے کہ چار شخصوں کے لئے کسب وتجارت نہ کرنا جائز ہے۔

(۱) اس عابد کے لئے جو عباداتِ بدنیہ میں ڈوبا ہوا اور غوطہ زن ہو۔

(۲) اس سالک کے لئے جس کا دل احوال اور مکاشفات میں سیر کر رہا ہو۔

(۳) وہ عالم دین جو علومِ دینیہ سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہو۔ جیسے مفتی، مدرس، مفسر محدث وغیرہم۔

(۴) جو مسلمانوں کے مصالح اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں لگا ہو جیسے بادشاہ، قاضی، مبصر اور ان کے معاون — اور باقی لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے گزراوقات کے لئے کسب وکار کریں اور لوگوں پر وبالِ جان نہ بنیں — میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں دین کا احترام ختم ہو گیا ہے۔ لہذا مذکورہ حضرات کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے روزمرہ اوقات کی تقسیم کرکے کچھ وقت خدمتِ دین اور کچھ وقت کسب وتجارت کے لئے وقف کیا کریں۔ :

گفت مسنون بے تکلف بودن اندر ما حضر اب
ہست ورنہ قصد من نے ازرق واحمر شد است

قَالَ كَوْنُ الْمَرْءِ سَمْحًا فِي الْهَدَايَا سُنَّةٌ
وَفُؤَادِي لَا يَوَدُّ أَزْرَقًا أَوْ أَحْمَرَا

ترجمہ: "آں پیر روشن ضمیر نے فرمایا کہ مسنون ہے کہ آدمی ہدیہ قبول کرنے میں بے تکلف ہو۔ اسی

بناء پر میں ہدیہ قبول کرتا ہوں ورنہ سیم و زر اور دنیا کی ہوس کی آرزو میرے دل نے کبھی نہیں کی۔

التحقیق اللغوی:

قَوْلُهٗ: سَمْحًا: سَمُحَ (ك) سَمَاحًا وَسُمُحًا وَسَمَاحًا: فیاض سخی ہونا جس کا لازمی معنی بے تکلف ہونے کے ہے۔

قَوْلُهٗ: اَصْفَرَ: زرد رنگ کا۔ مؤنث کے لئے صفراء اور اس کی جمع الجمع صُفْر ہے: دینار۔

قَوْلُهٗ: اَحْمَرَ: سرخ رنگ کا مراد سونا ہے۔

قَوْلُهٗ: مَا اَصَابَ: جو کچھ وہ پالے۔ یہ اَصَابَ السَّهْمُ سے نکلا ہے کہ تیر نشانہ پر ٹھیک طور سے لگا۔ اَصَابَ الرَّجُلُ: درست کرنا۔ اصاب الشیئ: درست پانا۔ اَصَابَ مِنَ الشَّیْئِ: پانا۔ حاصل کرنا۔ اس سے تحفہ ہدیہ مراد ہے۔ اس لئے ہم نے لازمی معنی ہدایا سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

خُلَاصَۃُ الشِّعْرِ: یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے سونا، چاندی اور دنیوی مال و متاع حاصل کرنے کا خیال تک کبھی نہیں آیا اب جو تم بعض اوقات دوسرے مخلصین کے ہدیوں اور تحفوں کو قبول کرتے ہوئے مجھے دیکھتے ہو تو اس میں بھی شرعی حکمت ہے کہ،

اَوَّلًا: ہدیہ قبول کرنا، خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، سنّت ہے۔ لہٰذا اس کے ذریعہ سُنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل ہو رہا ہے۔

ثَانِیًا: تکبّر اور ریاء اور لوگوں کی غیبت سے نجات ملتی ہے۔

ثَالِثًا: میں ہدیہ قبول کر کے مستحق فقراء اور خدا رسیدہ بزرگوں پر صرف کرتا ہوں۔

رَابِعًا: ہدیہ دینے والوں کی خواہشات کا احترام کرتا ہوں۔

خَامِسًا: دینِ اسلام خود آسان ہے اور تکلف نما چیزوں سے پاک ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جِئْتُکُمْ بِمِلَّۃٍ سَهْلَۃٍ سَمْحَاءَ: کہ میں تمہارے

پاس وہ دین لے کر آیا ہوں جو آسان اور بے تکلف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وصیت فرمائی کہ: "قُلْ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔" "فرمائیے کہ میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں"۔

سَادِسًا: کہ اگر ہدیہ قبول نہ کروں تو ہدیہ پیش کرنے والا شکستہ دل ہو جائے گا پھر خطرہ ہے کہ وہ دین ہی سے برگشتہ ہو جائے ـــــ فرماتے ہیں: کہ ان باتوں کی وجہ سے میں ہدیہ قبول کرتا ہوں۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ نے تکلف کی بحث کرتے ہوئے بحوالہ روضۃ الاحباب لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لباس میں بھی تکلّف نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ جو کچھ کُرتہ، قمیص، شلوار، چادر، تہ بند، چھینٹ کا لباس یا سادہ لباس، قبائے مبارک، موزہ، نعلین شریفین میں سے جو کچھ ممکن ہوتا تھا اس کو پہنتے اور استعمال فرماتے تھے اور خاص موقعوں پر قیمتی لباس بھی زیبِ تن فرماتے تھے۔ عیدوں، وفدوں اور دیگر موقعوں پر۔

اور زبدۃ الفقہیہ میں لکھا ہے: کہ اگر ولی نفیس لباس پہنے تو اس میں کوئی قباحت نہیں جبکہ غرور و پندار مقصود نہ ہو اور جب کہ اس سے کوئی فرض ضائع نہ ہو۔ اور حقوق اللہ پامال نہ ہوں اس سلسلے میں شارح نے بحوالہ "ذخیرۃ الملوک" اور بھی تفصیلی واقعات آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تحریر فرمائے ہیں۔ وہ انشاء اللہ تعالیٰ ہماری شرح بصیرۃ السلوک شرح ذخیرۃ الملوک میں تفصیل سے آئیں گے۔

خلاصۂ شعر تو بس یہ ہے کہ حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سُنتِ مبارکہ کی بہت زیادہ پیروی کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کے ہاں خوامخواہ کا تکلّف روا نہ تھا ـــــ اور رہے وہ لوگ جو غریب غرباء کا ہدیہ قبول کر کے بڑی بڑی جائیدادیں بناتے ہیں اور شادی بیاہ کے موقعوں پر ان ہدیوں کو بیجا استعمال کرتے ہیں۔ تو ان کو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت محبوب العالم رح کے ساتھ دُور کا بھی لگاؤ نہیں پھر طرفہ یہ ہے

کہ اس بے جا رسم و رواج کو وہ خوش اعتقادی کا جامہ پہناتے ہیں۔ ہم پھر ایسے حضرات کو یوم الجزاء یاد دلا کر غالب کا یہ شعر بطور ہدیہ و تحفۂ خاص پیشِ خدمتِ اقدس کرتے ہیں۔ ؎

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تجھ کو مگر نہیں آتی

نوٹ:- بعض نسخوں میں شعر ہیٰ بجائے ازرقٍ، اصفر مذکور ہے۔ حاصلِ مطلب ایک ہی ہے۔

ایضاً ــــ ہر چند کہ ازرق و احمر غیر منصرف ہیں لہٰذا ان پر تنوین نہیں آنی چاہیئے تھی۔ مگر ضرورت شعری کی وجہ سے ہیچو قسم کے الفاظ پر تنوین آتی ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں، جو اس موقعہ پر علماءِ نحو نے پیش کیا ہے۔ وَھُوَ ھٰذَا:-

شعر: مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَۃَ اَحْمَدٍ ۔ اَنْ لَّا یَشُمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا
صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا ۔ صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

گفت معذورم من و ناچار باید مرکبے
فخر و حظّے نے مرا پیدا ازیں جو در شد است

قَالَ مَعْذُوْرٌ اَنَا لَا بُدَّ لِیْ مِنْ مَرْکَبٍ
لَسْتُ قَطُّ لِلسَّبُوْحِ رَاغِبًا اَوْ فَاخِرًا

ترجمہ:- "آن پیرِ کامل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ میں جسمانی طور کمزور ہوں اس لئے مجبوراً سواری کی ضرورت پڑتی ہے۔ میں ہرگز عمدہ گھوڑے کی طرف طبعی خواہش و رغبت نہیں رکھتا ہوں ــــ"

التحقیق اللغوی: قَوْلُہٗ: مَعْذُوْرٌ۔ اسم مفعول یہ عُذر سے مشتق ہے

جس کے معنی بہانہ اور مانع آنے کے آتے ہیں۔ اس سے العُذرَیٰ، والمعذِرۃ والمعذُرۃ، وَالمعذَرۃ۔ بہانہ کے معنی میں آتے ہیں۔ ان کی جمع معاذیر آتی ہے اور العَذراء۔ "باکرہ دوشیزہ ناسفتہ" اور العُذر حجت: جس کی بناء پر عُذر کیا جائے۔ یہی معنی یہاں پر مراد ہے اور عُذر غلبہ اور غلبہ کے معنی میں آتا ہے اور جنگ کے موقعہ پر بولتے ہیں۔ "لِمَنِ العُذرُ الیَوم: آج کس کا غلبہ ہے؟" اور "ابوعُذر هٰذا الکلام" کہتے ہیں کہ وہ اس کلام کا پہلا بولنے والا ہے۔ العَذراء، حضرت مریم علیہا السلام کا لقب ہے۔

احادیث شریفہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلقِ عظیم کی بحث میں آیا ہے: "کانَ یقبلُ المعذِرۃ" کہ آپ عذر معذرت کرنے والوں کی معذرت اور بہانہ قبول فرماتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

قولُہٗ: جودر: آپ کی تیز رفتار سواری کا علَم اور نام ہے۔ ہم نے عربی میں اس کا ترجمہ سَبُوح کیا ہے۔

عربی میں ایسی تیز رفتار سواری گھوڑے یا گھوڑی کو سَبُوح کہتے ہیں۔ جیسے شاعر عبقری ابوالطیب احمد المتنبی کہتے ہیں: شعر ؎

وَتُسعِدُنی فی غمرۃٍ بعد غمرۃٍ ٭ سَبُوحٌ لَهَا مِنهَا علیهَا شَوَاهِدُ

بہرحال سَبُوح بمعنی سابح بولتے ہیں۔ اس کے جمع سُبحاء آتی ہے۔ رفتار میں ادھر اُدھر نہ ہلنے والا گھوڑا ــــ فی هٰذا الشعرِ بحثٌ طویلٌ لِعُلماءِ المعانی وَالباقی اشهرُ مِن ان یُذکر۔

خُلاصۃُ الشعر: حاصل شعر ــــ یعنی آں پیر پرنور منیر کو زمانہ طفولیت میں پائے مبارک میں یا کچھ تکلیف و پیچیدگی پیدا ہو گئی تھی اور شروع زمانہ میں تو آپ گوشہ نشینی اور

تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت فرماتے تھے، پھر آپ کو حکمِ الٰہی ہوا کہ کشمیر کے اہل اللہ، رجال الغیب کی ملاقات سے شرف یابی حاصل کرلیں۔ تاکہ مزید روحانی اسرار اور رازہائے نہانی حاصل ہوں گے، نیز عبرت انگیز مقامات بھی مشاہدہ فرماویں تاکہ:

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ "پر عمل ہوجائے یعنی زمین کی سیر کرو اور جھٹلانے والوں کے انجام و عاقبت چشمِ عبرت بین سے دیکھا کرو۔"

پس اس الہام کے بعد لوگ خود بخود آپ کو ہر سال عمدہ سواریاں بھیجتے تھے۔ چنانچہ بہت سواریاں آپ کے پاس جمع ہوتی تھیں جو آپ اپنے مُریدوں اور ارادت مندوں میں تقسیم فرماتے تھے اِس طرح سواری کا حق ادا فرماتے تھے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں لکھا ہے کہ جب آپ کے پاس مہمان سواری پر آتے تھے تو آپ اپنے مہمان کی سواری، اس کے چارے اور اس کی ضروریات کا خود اہتمام فرماتے تھے تاکہ مہمان کا دل اپنے سواری کے بارے میں مطمئن رہے۔ ان حضرات کے ہاں یہ حدیث مشہور ہے۔ "هَمُّ الْمُؤْمِنِ دَابَّتُهٗ۔" مومن کا خیال اور فکر اس کی سواری کی طرف رہنا اس کی فطرت میں داخل ہے، کہ یہ بھی اللہ پاک کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے کہ کہیں سے کہیں اپنے سوار کو پہنچاتی ہے ـــ لہٰذا مومن کا اس کی ضروریات کی طرف متوجہ ہونا اس کی فطرت میں داخل ہے۔

بہرحال حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مذکورہ عوارض و ضروریات کی وجہ سے میں سواری پر پھرتا ہوں، اس سے فخر و مباہات اور دِکھاوا اور شان ظاہر کرنا مقصود نہیں ـــ سُبْحَانَ اللہ! کیا شان اور نرمی و تواضع ہے اولیاء اللہ رحمہم اللہ سواری پر بلا ضرورت و حاجت سوار ہونا بھی ناپسند کرتے ہیں ـــ دوسرے ہیں ہم کہ ان برگزیدگانِ الٰہی کی محبت کو اپنی عیش و فریب کاری کا ذریعہ بناتے ہیں۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

گفت نے میلِ مُریداں دارم امّا چوں کنم
از برائے ردِّ سائِل منع لاتنھر شُد است

قَالَ اِنِّیْ لَا اُرِیْدُ الطَّالِبِیْنَ بَیْدَ اَنْ
حُکْمُ لَاتَنْھَرْ لِرَدِّ السَّائِلِیْنَ ذُکِّرَا

ترجمہ: "آں پیر حقائق تنویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ مجھے مُریدوں اور طالبوں کے بنانے کی خواہش نہیں ہے۔ لیکن کیا کروں کہ سائلوں کے جھڑکنے کے بارے میں قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْھَرْ" کہ سائلوں کو جھڑک کر بے نیل و مرام واپس نہ کیا کیجئے۔ یہی آیت مجھے یاد دلائی جاتی ہے۔ تو مُریدوں کو قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں ۔"

التّحقیقُ اللّغوی:

قولہٗ: بَیْدَ: یہ ہمیشہ اَنَّ اور اس کے معمول جملہ کی طرف مضاف ہو کر آتا ہے، سوائے اور مگر کے معنی میں آتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:
"فُلَانٌ کَثِیْرُ الْمَالِ بَیْدَ اَنَّہٗ بَخِیْلٌ" فلاں شخص بہت مالدار ہے مگر ہے بخیل۔
اس مقام پر "اَنْ" مخففہ من المثقلہ ہے۔

قولہٗ: لَاتَنْھَرْ: یہ سورۂ وَالضُّحٰی کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہیں: کہ "مانگنے والے کو نہ جھڑک" یہ عام ہے کہ دنیوی سائل ہو یا سعادتِ ابدی کا متلاشی اور طلب گار ہو۔

خلاصۃُ الشّعر: حضرت محبوب العالم شیخ حمزہ مخدوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ میں مُریدوں کے بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا ہوں مگر مجھے سورۂ والضحیٰ کی مذکورۃ الذکر آیت یاد آتی ہے کہ یہ اپنے عموم پر ہے۔ اس لئے راہِ حق دکھانے کے لئے مُریدین کو بھی اختیار کرتا ہوں۔ اسی لئے

سب علماءِ اسلام نے کہا کہ ہر گاہ کسی کو کوئی شرعی راز و حکمت معلوم ہو جائے اور پھر اس سے دوسرے لوگوں کو آگاہ نہ کرے تو وہ گُناہ گار ہوگا۔

اور ارشادِ ربّانی ہے:

"یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ" اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کچھ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور وہ سب بندگانِ خدا کو پہنچایئے اس سے ایسے فرقوں کی تردید ہو رہی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ نے بہت سی باتیں اظہار نہیں کیں ایسے لوگ بھی آیت مذکورہ کے تحت غیر اسلامی ہیں۔

اور ارشادِ حق ہے:

"فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ ۝"

ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہر بڑی جماعت سے چھوٹی جماعت علمِ دین کی تلاش اور دینی تعلیمات میں فہم و فراست پیدا کرنے کیلئے سفر کرے پھر واپس آکر اپنی قوم کو دینی احکام سکھایا کرے ـــ کیونکہ اس سے باقی لوگ بھی غضبِ الٰہی سے ڈریں گے اور دینِ حق پر چلنے لگیں گے۔

افسوس ہے کہ کشمیر کے مسلمانوں نے اس سنہری تعلیم کو چھوڑ دیا ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ وہ مسجدوں کی امامت کے لئے دوسرے ملکوں سے کرایہ پر اماموں کو لاتے ہیں جن کے بھید سے خدا ہی واقف ہے۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی ـــ

حالتے دارم کہ نتوانم نہفت و نیز گفت!
می ندانم لقمۂ شیریں است یا خود مرشد است

حَالَۃٌ لِیْ لَا اَسْتَطِیْعُ کَتْمَھَا وَعَلَنَھَا
لَسْتُ اَدْرِیْ لُقْمَتِیْ اَرْیٌ وَّ نَشْرِیْ ظَاھِرًا

ترجمہ: "مجھے ایسی حالت وکیفیت پیدا ہوتی ہے کہ مجھے نہ اس کے چھپانے کی طاقت ہے اور نہ اسکو ظاہر کرنے کی، حتیٰ کہ اپنے کھانے کے لُقمہ کو بھی اس وقت نہیں جانتا ہوں کہ یہ میٹھا ہے یا کڑوا۔"

التحقیقُ اللُّغوی:

قولُـہ: اَرْیٌ وَشَرْیٌ: اَرْیٌ: میٹھی چیز کو، اور شَرْیٌ: کڑوی چیز کو کہتے ہیں۔ جیسے نابَطَ شَرًّا، کہتا ہے۔ شعر:

لَہٗ طَعْمَانِ اَرْیٌ وَشَرْیٌ وَکِلَا الطَّعْمَیْنِ قَدْ ذَاقَ کُلٌّ

اور اس کی دو قسم کی لذتیں ہیں۔ میٹھی اور کڑوی اور دونوں لذتوں کو دوستوں اور دشمنوں میں سے ہر ایک نے چکھا ہے۔ یعنی وہ دوستوں کے لئے میٹھا اور دشمنوں کے لئے کڑوا ہے اور معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان جو واوِ عطف ہے یہ اَوْ کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ:

یعنی تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں، دو دو، تین تین اور چار چار۔ اتفاقاً۔ اس آیت میں واؤ بمعنی اَوْ ہے۔ کَذٰلِکَ فِیْ شِعْرِنَا:۔

خُلاصۂ شعر: یہ ہے جیسا کہ حضرت شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ پر بعض اوقات یک گونہ بے خودی سی پیدا ہوتی ہے۔ آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کیلئے ایک قسم کی کرامت ہے کہ غلبۂ حال کی وجہ سے کڑوی اور میٹھی چیزوں میں فرق نہیں کر سکتے ہیں ایسے اوقات میں آپ پر روحانیت غالب ہوتی ہے۔ یہ کیفیت آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں ہے کہ حضرت خواجہ رح کی نظر کرم سے خانقاہ کے درویشوں کے حالات ایسے پابند ہوتے تھے کہ بشری اور نفسانی صفتوں سے آزاد ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ کڑوی اور میٹھی چیزوں کے درمیان فرق نہیں کر پاتے تھے۔ یہ اصل میں اولیاء اللہ کی قبض و بسط کی نشانیوں میں سے ایک علامت ہے۔ بھلا جو ربّانی الطافِ

عنایات اور اسرار و معارف سے سرشار ہو، وہ کس طرح مادی اور فانی غذاؤں کی طرف مائل اور راغب ہو جائے؟ اور کس طرح؟ —:

میخورم حیف آنکہ از حالاتِ دیگر گونِ من
دوزخی در بد گمانیِ مُردم اکثر شُداست

اِنِّیْ اَسِفٌ لِاَجْلِ حَالَاتِیَ الَّتِیْ تَتَقَلَّبُ
ظَنُّ سُوْءٍ اَوْقَعَ النَّاسَ السَّعِیْرَ اَکْثَرًا

ترجمہ:- "پیرِ حقانی حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے اپنے بدلتے ہوئے حالات و کیفیات پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ کیوں کہ کچھ لوگ ان میرے خیالات کی تاب نہ لا کر مجھ سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اور ناحق بدگمانی نے ہی بہت سے لوگوں کو دوزخی بنایا ہے۔"

التحقیق اللغوی:

قَوْلُہٗ: حَیْفَ: اس جگہ یہ لفظ فارسی لغت کے مطابق افسوس کرنے کے معنے میں آیا ہے۔ حیف میخورم: افسوس کرتا ہوں اور عربی میں حَافَ (ض) حَیْفًا عَلَیْہِ: کسی پر ظلم اور زیادتی کرنا۔ صفت حَائِفٌ، اس کی جمع حَیَفٌ، حُیَّفٌ، حَافَۃٌ آتی ہے اور تحییف الشئ چیز کو اطراف سے گھٹانے کے معنی میں آتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: حالات: یہ حَالَۃٌ کی جمع ہے۔ حَالَۃُ الشَّیْءِ: کسی چیز کی حالت، جمع حالات۔ حَالَاتُ الدَّھْرِ: انقلاباتِ زمانہ، گردش ہائے ایام۔

خُلَاصَۃُ الشِّعْرِ: یہ شعر بھی آنجناب رحمۃ اللہ علیہ فیضِ انتساب کے بعض اونچے حالات کی طرف مشیر ہے کہ جب ان حالاتِ طیبات کو کچھ منکرین سنتے ہیں۔ تو وہ اور بھی زیادہ آپ کی بدگمانی اور بہتان تراشی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی مجلسوں میں قیل و قال میں لگ جاتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں پیرِ کامل حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ایسے بدگمانی

قولہٗ :۔ اقصر، یہ یہاں پر قصر نفسہٗ علی کذا : کسی چیز پر اقتصار کرنا اور اس سے تجاوز نہ کرنا کے معنی میں ہے۔ لفظ کے اعتبار سے یہ اسم تفضیل ہے، اس کی جمع اَفَاصِر اور اَقْصَرُون آتی ہے اور مونث کے لئے قُصْرَای و قُصْریٰ بولتے ہیں اور بعض نسخوں میں اَقْصَر کی جگہ اَخْصَرُ ہے بہت مختصر۔

خُلاصۂ شعر: شارح قدس سرہٗ اس شعر میں اپنے عجز و انکساری کا اظہار کرکے فرماتے ہیں کہ بھلا میری کیا مجال اور طاقت ہے کہ آں یگانہ روزگار پیرِ برحق کی کرامات و مقامات بیان کروں، بلکہ میں نے اپنی استعداد و علم نارسا کے مطابق آپ کے حالاتِ طیّبات کا کچھ حصّہ بیان کیا ہے اور آپ کے اونچے حالات کا اِستیعاب کرنا میری بس کی بات نہیں۔ چنانچہ خود حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ بفضل اللہ میرے حالات و مقامات تمہارے بیان سے کہیں اونچے ہیں اور چونکہ جو کچھ آپ نے میرے حالات بیان کئے ہیں اُن میں کچھ تصوّف کے نکات و اسرار بھی آ گئے ہیں، جو طالبینِ حق کے لئے شفا بخش ثابت ہوسکتے ہیں، اس لئے میں آپ کے ان اشعار کو پسند کرتا ہوں ورنہ میرے حالات کچھ ایسے بلند ہیں جن کے سامنے آپ کے بیان کردہ حالات شرماتے ہیں ـــــ مَاشَاءَ اللّٰہُ! آپ کا یہ اظہارِ تحدیثِ نعمت کی بناء پر ہے اور کسی اور مقصد کے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بھی فرمایا ہے:

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔

کہ مجھے ربّ کریم کے ساتھ ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ اس میں میرے ساتھ بڑے سے بڑا فرشتہ اور اونچے درجے کے نبی کو بھی ساتھ رہنے کی گنجائش نہیں۔

مگر یاد رہے کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کو یہ عنایات محض اتباعِ محمدی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے حاصل ہوتی ہیں۔ اَللّٰھُمَّ احْشُرْنِیْ مَعَھُمْ۔

بَارَکَ اللّٰہ مَن مقاماتِ مشائخ خواندہ اَم
حَالِ اُو با حالِ ایشاں مُسْتوِی یکسر شُدہ است

بَارَكَ اللّٰهُ قَدْ تَلَوْتُ حَالَ اَشْيَاخٍ كِرَامٍ
فَقَدْ نَسَاوٰى حَالَهٗ بِالطَّيِّبِيْنَ ظَاهِرًا

ترجمہ: "اللہ تعالٰی آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سی برکتوں سے نوازے، کہ میں نے بہت سے دوسرے مشائخ کرام کے حالات اور اُن کے واردات کے واقعات پڑھے ہیں (تو بعدِ تحقیق معلوم ہوا) کہ آپؒ کے واقعات و مقامات دوسرے مشائخ کے مقامات و کیفیات کے مقابلہ کچھ کم نہیں ہیں، بلکہ پوری مساوات و برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔"

التّحقیق اللّغوی:

قَوْلُهٗ: بَارَكَ: یہ "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَفِيْكَ وَعَلَيْكَ وَبَارَكًا! اللہ تجھ کو مبارک کرے اور بَارِكْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَاٰلِهِمْ: "یعنی اے اللہ! تو نے انبیاء علیہم السلام اور ان کی اولاد کو جو شرافت و بزرگی اور عزت بخشی ہے وہ ہمیشہ برقرار رکھ اور بُوْرِكَ فِيْكَ: یہ دُعا نہیں بلکہ اس سے اُس سائل کو خطاب کیا جاتا ہے جس کو دفع کرنا اور ٹالنا مقصود ہوتا ہے اور اَلْبَرَكَةُ: بڑھاؤ، زیادتی، نیک بختی کے معنی میں ہے باقی الفاظ کی تحقیق جلدِ اول میں آچکی ہے وفیما ذکرنا کِفَایَةٌ لِلنَّاظِرِیْنَ۔

خلاصۃ الشّعر: حضرت خاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دوسرے اولیاء اللہ کے حالاتِ طیبات کتابوں میں ملاحظہ کئے ہیں چنانچہ دستور الجمہور و مقاماتِ المعروف بخلاصۃ المناقب ہیں مقاماتِ حضرت علی ثانی میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ، مقاماتِ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، ملفوظاتِ شیخ علاؤ الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

کرنے والے مجھے خواب میں دکھائی دیتے ہیں کہ وہ اس بدگمانی اور افترا پردازی کی وجہ سے جہنم میں جلتے ہیں — تو میں افسوس کرتا ہوں کہ یہ میری بدگمانی کرنے کی وجہ سے عذابِ الٰہی میں مُبتلا ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے باری تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

(سُوْرَةُ الحجرات)

ترجمہ: "اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، کیونکہ گُمان گناہ اور بے اصل ہوتے ہیں۔"

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی بناء پر کسی سُنی مسلمان کی غیبت کرنا یا اس پر بہتان تراشی کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور ایسے گناہوں پر اصرار کرنا اور اُن کو حلال جاننا موجب کفر ہے۔ اور کُفر دوزخ میں داخل ہونے کے لئے ایک بڑا سبب ہے۔

مسئلہ: مومنِ صالح کے ساتھ بُرا گُمان ممنوع ہے اسی طرح اس کا کوئی کلام سُن کر فاسد معنی مُراد لینا باوجودیکہ اس کے صریح معنی موجود ہوں، اور مسلمان کا حال اُن کے موافق ہو، یہ بھی گمانِ بد میں داخل ہے۔ (دیکھو کنز الایمان)

میں کہتا ہوں کہ بہت سارے لوگ اس گناہ کی وجہ سے روزِ قیامت دوزخ میں جائیں گے۔

حضرت مولینا رُومی رح کیا خوب فرماتے ہیں ؎

از خدا جوئیم توفیقِ ادب ۔۔۔ بی ادب محروم ماند از لُطفِ رب

بی ادب تنہا نہ خود را داشت بد ۔۔۔ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ہر چہ بر تو آید از ظلماتِ غم ۔۔۔ آں ز بیباکی و گستاخیست ہم

از ادب پُر نور گشت است ایں فلک ۔۔۔ وز ادب معصوم و پاک آمد ملک

اللہ تعالیٰ ہم کو سلفِ صالحین کے نقشِ قدم پر رکھ کر بدگمانی، افترا پردازی، مکر و فریب اور دغا بازی سے بچائے۔ ہمارے دلوں کو اخلاص و ایمان کے نُور سے منور فرمائے۔ آمین:

من کجا شرحِ کرامات و مقاماتش کجا
باز در نظمِ قصیدہ کا ضیق و اقصر شد است

لَا اُطِیْقُ اَنْ اُشَرِّحُ مَقَامَاتٍ لَـهٗ
ثُمَّ فِیْ نَظْمٍ بَیَانُهَا یَكُوْنُ اَقْصَرَا

ترجمہ: "ناظمِ قصیدہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں کہاں اور آنجناب فیض مآب کی کرامات و مقامات کہاں؟ تو پھر میں اُن کی پُوری تشریح وہ بھی نظم و قصیدہ میں کیونکر کرسکوں گا۔ کیوں کہ نظم و شعر کا دائرہ بمقابلہ نثر بہت تنگ اور نہایت محدود ہوتا ہے۔"

التحقیق اللغوی:

قولہٗ: کرامات: یہ کرامۃ کی جمع ہے، خلافِ عادت کام کو کہتے ہیں جو اولیاء اللہ کی طرف سے ظاہر اور صادر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: افعل ذٰلكَ حُبًّا لَكَ وَ كَرَامَةً لَكَ "میں اسے تمہاری محبت اور تعظیم کے خیال سے کرتا ہوں ـــــ لہٗ علیّ کرامۃ: اُسے مجھ پر بزرگی و کرامۃ حاصل ہے۔ باقی میں نے معجزہ، کرامت، ارہاص اور استدراج کی تفصیل اپنی بعض تالیفات میں اچھی طرح کی ہے۔ فَرَاجِعْ اِلَیْہِ۔

قولہٗ: مقامات: یہاں پر مقامات سے سالک و صوفی کے مراتبِ عالیہ پر واقف اور باخبر ہونے کا نام ہے۔ یعنی مدارج و مراتبِ سالک۔

قولہٗ: قصیدۃ: القصیدۃ من الشعر، وہ اشعار جو تین یا اس سے زائد ہوں۔ بعض نے کہا ہے کہ سولہ[16] اور اس سے زائد وہ اشعار جو عمدہ اور مہذب کہے ہوں۔

قولہٗ: اَضیق: بہت تنگ۔ مؤنث کے لئے ضیقیٰ و ضوقیٰ کہتے ہیں۔
اَلضیق: تنگ جگہ، مشکل کام، درہ، گھاٹی۔ اس کی جمع مضایق آتی ہے
الضِّیق؛ والضیقُ: سختی، شدت، رنج اور افسوس۔

"تذکرۃ الاولیاء" "نفحات الانس" اور "مثنوی حضرت پیر رومی" رحمۃ اللہ علیہ و دیگر کتابوں کا مطالعہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ الفقراء کنفس واحدۃ سب اہل اللہ اور بزرگانِ دین یک جان اور لانعدا ذا لبوں کے مصداق ہیں کہ یہ سب ربانی اسماء کے مظاہر ہیں، تو اپنے مرشدِ کامل آقائے نامدار کو کسی سے کم نہ پایا۔ بلکہ آپ متقدمین اولیاء سے کرامتوں میں کچھ کم نہیں ہیں۔ اس لئے بطور شکرانۂ نعمت صحبتِ مرشدِ کامل یہ قصیدہ میں نے لکھا ہے یعنی آنجناب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ہم سر اور ہم رتبہ ہیں۔ گو کہ یہ سب حضرات کرامتوں کے اظہار میں ممنوع اور مختلف ہیں۔ اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ اور انبیاء عظام علیہم السلام کو یہ کمال خلاقِ عالم نے عطا فرمایا ہے۔

رباعی:

ہر ولی جملہ کرامت داشت	گرچہ ہر یک یکے دو زاں افراشت
ہر یکے را ہزار چنداں بود	اند کے گر زبہرِ خلق نمود!!

منکر ار باور ندارد ایں کرامت دور نیست
کہ بہ بوجہلِ سیہ دل معجزہ باور شد است

مُنْكِرٌ اِنْ لَّمْ يُسَلِّمْ خَرْقَ عَادَاتٍ لَّهُ
لَا عَجَبْ بُوْجَهْلُ مِنْ اِعْجَازِ اَحْمَدَ اَنْكَرَا

ترجمہ: "منکرینِ حق اگر آپ کی کرامتوں اور امورِ خارقہ للعادات کے صدور سے انکار کرتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کیونکہ سیاہ دل ابوجہل نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزاتِ شریفہ قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔"

التحقیق اللغوی: قولہ: معجزہ: وہ خارقِ عادت امر ہے

جس کو اللہ تعالیٰ کسی نبیؑ کے ہاتھ پر ظاہر کرے، اور دوسرے لوگ وہ امر یعنی وہ بات نہ کر سکتے ہوں اور معجزہ، کرامت اور استدراج و ارہاص کی تحقیق ابیاتِ سابقہ میں آ چکی ہے اور "محبوب العالم" بیرمائح میں آ چکی ہے۔ اصل میں اس کا مادہ عجز ہے جس کا معنی قادر نہیں ہونا، طاقت نہ رکھنا، عاجز ہونا آتا ہے۔ معجزہ جو دوسروں کو بہت عاجز بنائے اس کے مقابلہ کرنے سے، اس کی تائید مبالغہ کے لئے ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ــ بوجہل شقی اصل میں ابوجہل تھا۔ الف، ضرورت شعری کی وجہ سے گرایا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت مولینا عبدالرحمٰن جامیؒ یہی معنی درجِ ذیل تحتانی شعر میں فرماتے ہیں۔ وھو ھٰذا ؎

منکراں را وارداتِ اولیاء نبود قبول ☆ کافراں را معجزاتِ انبیاء کی باور است

خلاصۂ شعر: یعنی منکرین و متعصبین اولیاء اللہ کے واردات اور حالات و کرامات قبول کرنے میں جھجک محسوس کرتے ہیں اور منکرینِ نبوت انبیاء کے معجزات پر یقین ہی نہیں رکھتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں: کہ خواجہ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں لکھا ہے کہ اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ ہر ولی کی کرامت حقیقت میں اس کے نبی کا معجزہ ہے اور ولایت کا ثبوت بطریق کرامت اور متابعتِ سُنّت کا نتیجہ ہے، یعنی اولیاء اللہ کی کرامتیں نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنّت سنیہ کی اتباع و پیروی ہی سے حاصل ہوتی ہے یعنی اولیاء اللہ کے کمالات اتباعِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتے ہیں۔

اور دوسرے ہیں مرزا غلام احمد قادیانی جس نے کہا ہے ؎

آنچہ داد است ہر نبی را جام ☆ داد آں جام را مرا بہ تمام

مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ تِلْکَ الْھَفَوَاتِ وَالْخُرَافَات ــ

اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اعلام الھدیٰ وعقیدہ ارباب التقیٰ میں لکھا ہے:

"وَ یَعتقِدُ اَنَّ لِلاَولیاءِ مِن اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کراماتٍ وَاِجاباتٍ وَھٰکَذا کانَ فِی زَمَنِ کُلِّ رَسُولٍ کانَ لَھُم اِتباعٌ ظَھَرَت لَھُم کَراماتٌ وَ مخرِقاتُ العاداتِ وَالکَراماتُ مِن تَتِمَّۃِ مُعجِزاتِ الاَنبیاءِ وَمَن ظَھَرَ لَہٗ عَلٰی یَدِہٖ مِنَ المخرِقاتِ وَھُوَ عَلٰی غَیرِ التزامٍ بِاَحکامِ الشَّریعَۃِ یُعتَقَدُ اَنَّہٗ زِندیقٌ وَاَنَّ الَّذِینَ ظَھَرَ لَہٗ مَکرٌ وَاِستِدراجٌ۔"

اس عبارت کا خلاصہ :۔

"کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھیں۔ اُمتِ مرحومہ کے اولیاء اللہ کو کرامات اور بہت بڑی قبولیت حاصل ہوتی ہے یہی حال ہے سابقہ انبیاءؑ اور اولیاء کا، کہ ان سے بھی کرامتیں اور امورِ خارقہ للعادات صادر ہوتے ہیں ــــ اور اصل یہ ہے کہ کرامتیں معجزاتِ شریفہ کے لئے "تتمہ" اور خلاصہ ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر کسی ایسے شخص سے کرامتوں اور امورِ خارقہ للعادات ظاہر ہو جائیں جو پابندِ شرع نہ ہو تو مسلمان کو اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا شخص زندیق ہے، اور اس سے ایسے امور کا صدور بطریق مکر و استدراج ہوتا ہے۔"

حضرت شیخ کی اس تحقیقِ انیق کو سامنے رکھ کر ماننا پڑے گا کہ عصرِ حاضر میں کچھ لوگ جو جوہر فروش دکھائی دیتے ہیں وہ اصل میں پیلہ ور ہیں۔ (ھذا)

نفرت ناقص زعز صحبتش از بغض اوست
آرے آرے وحشی و دد از آدمی متنفر شد است

يَنْفِرُ النَّاقِصُ مِنْهُ مُبْغِضًا مِنْ عِزِّهٖ
هٰكَذَا وَحْشِيْ وَخِرْسٌ مِنْ اَنَاسِيْ اُنْفِرَا

ترجمہ: "کم عقل لوگ آپ رح سے بغض وعداوت کی وجہ سے آپ کی شرفِ صحبت سے بھاگ جانے اور نفرت کرتے ہیں۔ (تو اس میں بھی تعجب نہیں) کیونکہ وحشی جانور اور ریچھ بھی آدمی دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں، یا آدمیوں سے بھگائے جاتے ہیں۔"

التّحقیق اللّغوی:

قولہ: نفرت: یہ نَفَرَ: نَفرًا عن کذا سے ہے: نفرت کرنا، ناپسند کرنا، اعتراض کرنا۔ نَفَرَ القَوم: منتشر ہونا۔ النَّفر، مصدر: تین سے لے کر دس تک کی جماعت اور نفرۃ الرَّجل: آدمی کا خاندان۔

قولہ: ناقص: اسم فاعل نامکمل شخص کو کہتے ہیں۔

قولہ: عزّ: بمعنی عزّت، سخت بارش۔ رَجُلٌ عِزٌّ، قَوِیٌّ کے معنی ہیں بولا جاتا ہے۔ جِئْ بِہٖ عِزًّا بِزًّا، جس طرح ہو سکے تو اسے لے آؤ۔

قولہ: بغض، البغض: عداوت ونفرت۔ بَغَّضَہٗ اِلَیہ: کسی سے نفرت دلانا، کسی کا دشمن بنانا۔

قولہ: مُنفرًا: شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح میں اس کی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بابِ انفعال کا اسم مفعول ہے۔ فرماتے ہیں: مُنفر رسیدہ شدہ اسم مفعول ست، از اِنفار کہ بمعنی رمانیدن است۔ یعنی مُنفَر، انفار سے نکلا ہے جس کے معنی بھگانے کے ہیں۔ مُنفَر بھگایا ہوا۔ اس جگہ ہم نے اس کا ترجمہ اُنْفِرا سے کیا ہے کیوں کہ اُنفرا صیغہ تثنیہ مذکر اسم مفعول ہے۔

ازبابِ افعال، اُنفِرا بروزن اُفعِلا ہے، اور تثنیہ مذکر کی ضمیر وحش

وَ دَدُ کی طرف باعتبار کُلّ واحدٍ لوٹتی ہے۔ لہٰذا (اُنفِرا) تثنیہ مذکر کا صیغہ ہے اور اس کا الف اشباعی نہیں ہے اور معنی یہ ہوئے کہ وحشی جانور اور ریچھ آدمیوں سے بھگائے گئے ہیں گویا کہ جو لوگ پیران حقیقت کی کرامات و کمالات کے منکر ہیں ان کی مثال "وَحش و دَد" کی مثال ہے یعنی مُرشد کا منکر مردود ہے کہ مُرشد اس کو قبول نہیں کرتا۔ ورنہ حقیقی شیخ سرتاپا نور ہے۔ وہ مردود بارگاہِ الٰہی کو قبول نہیں کرتا۔ جیسا کہ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیلٌ یُحِبُّ الجَمَالَ سے یہی معنی مترشح ہوتا ہے۔

اور مولینا سُلطان فرماتے ہیں کہ:

"منکرِ شیخ، منکرِ شیخ نیست، شیخ از وَ منکر است و آنکہ نزدِ شیخ نمی آید ردِّ شیخ است. و آنکہ کرامت از شیخ نمی بیند ایں نیست کہ شیخ را کرامت نیست، شیخ از سرتاپا کرامت است .... الی آخر ــــــ"

یعنی، کہ جو شخص شیخ کا انکاری ہے وہ دراصل شیخ کا انکاری نہیں بلکہ شیخ ہی اُس سے انکاری ہے۔ اس کے غیر مقبول ہونے کے سبب اور جو کوئی شیخ کے پاس نہیں آیا وہ شیخ کے ہاں مردود ہے اور جو کوئی شیخ کی کرامت نہیں دیکھتا اسکی وجہ یہ نہیں کہ شیخ کی کرامت نہیں بلکہ اُس کا اپنا قصور ہے اور شیخ سرتاپا کرامت ہی کرامت ہے۔ مشکل ہے کہ اس پر اچھی طرح غور کریں ــــــ ؎

مُنکر از انکارِ حالش سوئے کُفرت می کشد!
کو زخود فانی است زِ اوصافِ حق مظہر شد است

یَا اَبِیْ بِاِبَاءِ حَالِہٖ فَقَدْ تَکْفُرُ
اِنَّہٗ فِی اللّٰہِ فَانٍ وَصِفَاتُہٗ مَظْھَرًا

ترجمہ:- "اے پیرِ پُر نور منیر کے مقاماتِ عالیہ اور کمالاتِ سامیہ سے انکار کرنے والے! مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارا بے جا غرور، وپندار اور تکبر و انکار کفر کی حد تک تم کو پہنچا کر رہے گا۔ کیونکہ وہ ظاہری غرور و پندار سے خالی ہو کر فنا فی اللہ کے مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ اور اس کے صفات کے مظہر اتم ہیں۔"
اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ مشہور ہے: شعر ؎

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیئے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

التحقیق اللغوی:

قولہٗ: الآبیُّ: نفرت کرنے والا جس کا لازمی معنی منکر ہونے کے ہیں، کمینہ باتوں سے اپنے آپ کو دور رکھنے والا۔ "رَجُلٌ اَبَّاءٌ" خوددار مرد، مادہ اس لفظ کا۔ اَبٰی اِبَاءً سے ہے: ناپسند کرنا، مکروہ جاننا، کسی چیز سے ناخوش ہونا، معتل اللام یائی ہے کذا فی المنجد۔

خُلاصَۃُ الشِّعر و مغزہٗ:

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شعر کے مصرعہ دوم میں ولایتِ خاصہ کی طرف اشارہ ہے پھر "نقدُ النصوص" کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) "وِلایتِ عامّہ" عام طور پہ مومنوں کو اُن کے درجوں اور مرتبوں کے مطابق حاصل ہے
(۲) "وِلایتِ خاصّہ" یہ اہلِ سلوک میں سے صرف واصلوں کو (اعلیٰ درجہ کے خدا رسیدہ حضرات کو) شامل ہے۔

اور مزید فرماتے ہیں کہ بندہ کا ذاتِ باری میں فنا ہونے سے یہ مطلب ہے کہ بندہ اپنی ذات کو مولیٰ کی ذات میں اپنی صفتوں کو خدا تعالیٰ کی صفتوں میں فانی پائے کہ اپنی ذات اور صفات کو خدا کا ظہور سمجھ کر اُس آفتابِ تاباں کے احکام میں اس طرح محو اور مشغول ہو جائے کہ اپنے سے بے خبر ہو جائے۔

یعنی :- فَالْوَلِیُّ هُوَ الْفَانِیْ بَاقِیٌ بِاللّٰہِ وَالظَّاھِرُ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ۔

پس ولی وہ ہے جو اللہ میں فنا ہو اور اللہ سے بقاء پائے اور اللہ کے ناموں اور صفتوں سے عملاً ظاہر ہو جائے اور تفسیر القشیری میں آیت : " اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ط الخ " کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو اولیاء اللہ کی کرامت کے منکر ہوں۔ اور واضح رہے کہ منکرین کرامات کو شریعت میں کافر نہیں کہتے، اس لئے ہم نے سوچ سمجھ کر شارح رح کی تحقیق ملحوظ رکھ کر قدر تکلف سے اس کا ترجمہ کیا۔ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ؟

منکرِ فضلِ ولایت از زمان و جا مشو!
فضلِ حق را حق بہر جا ہر زماں اقدر شد است

کَیْفَ تَاْبیٰ لِلْوَلِیِّ مِنْ زَمَانٍ اَوْ مَکَانٍ
وَعَلٰی کِلَیْھِمَا الْحَقُّ لَاَضْحٰی اَقْدَرَا

ترجمہ :- " اے منکر ولایت تو کس طرح زمان و مکان کی آڑ لے کر ولایت اور اسکی فضیلت سے انکار کرتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی زمان و مکان سے بہت بے نیاز اور ان دونوں پر بہت قدرت و طاقت رکھتی ہے۔

التَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیْ:

قَوْلُهٗ : اَقْدَرَ : یہ اسم تفضیل کا صیغہ واحد مذکر ہے۔ اس کا مادہ قُدْرَةٌ، مَقْدُرَةٌ، مَقْدِرَةٌ وغیرہ ہے۔ یہ تینوں باب " ن " " ض " " س " سے بولا جاتا ہے۔

" قَدَرَ عَلَی الشَّیْءِ ": کسی چیز پر قوی (قادر ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ اسی سے فرقہ قدریہ بولا جاتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو تقدیر کے منکر ہیں۔ اور ہر شخص کے مختار ہونے کے قائل ہیں اور فرقہ جبریہ

سے اعتقادات ان کے بالکل برخلاف ہیں۔ تقدیر الٰہی اندازۂ الٰہی کو کہتے ہیں۔ بنی قدراء مالدار لوگوں کو کہتے ہیں۔

خلاصۂ شعر: شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس شعر میں: "ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ" "اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے، عنایت کرتا ہے، اور اللہ کا بہت بڑا فضل ہے"

اور یہ شعر ان لوگوں کے رد میں فرمایا کہ جو زمانہ اور جگہ کی آڑ لیکر ولایت اور مرشدانِ طریقت سے انکار کرتے ہیں۔ اس طرح محروم ہو جاتے ہیں۔ یعنی ولایت تو اتباعِ سنّتِ مقدسہ حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اسے زمان و مکان، نسب و دولت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس جب کوئی بھی شخص کسی زمانہ اور کسی بھی وقت اتباعِ سنّت میں کامل ہو تو وہ ولایت کا فضل و شرف حاصل کر سکتا ہے — اور شارح رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

"اتباعِ شریعت و سنّت کا دروازہ کھلا ہے اور اسماء اللہ کے خواص برابر موجود ہیں پھر ولایت کے دروازے کو بند کرنے کے کوئی معنی نہیں۔"

اور خود "مَنْ لَّمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً" کی حدیث ثابت ہے۔ کہ ولایت کا دروازہ بند نہیں — اس کا ترجمہ یہ ہے: "جس نے اپنے زمانہ کے امام یعنی مرشد کامل کو نہیں پہچانا۔ اس کی موت زمانۂ جاہلیت کی سی ہوتی ہے۔"

لہٰذا ہمیشہ مرشد کی طلب میں رہنا چاہیئے

در تعز من تشاء تخصیص وقت و جائے نیست
پس عزیز حق چرا پیشِ تو مستحقر شد است

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ مِنْ قُیُوْدٍ قَدْ عَلَا
فَرُبَّمَا مَحْبُوْبٌ بِعَوْنٍ لَا تَرَاہُ اَحْقَرَا

ترجمہ:۔ "آیتِ کریمہ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ ..... الخ زمان و مکان کی قیود سے اور تخصیص سے بالاتر ہے تو اے منکر پھر تو کس بناء پر اللہ تعالیٰ کے پیارے اور محبوب یعنی پیر کامل کو حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے ——" :

التحقیق اللّغوی:

قولہ: تُعِزُّ: یہ قرآن کریم کی ایک آیتِ کریمہ کا ٹکڑا ہے جس کا حاصل ترجمہ یہ ہے: کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ یہ دعا فرمایا کیجئے: کہ اے مولا! تو ہی ملک کا مالک ہے جسکو تو چاہتا ہے اسے ملک کی سرداری عطا فرماتا ہے —— اور جسے تو ملک کی دی ہوئی سرداری چھیننا چاہتا ہے تو اس کو بے عزت بنانے میں کوئی چیز تم کو روک نہیں سکتی۔ بے شک تو ہر چیز پر بے پناہ طاقت رکھتا ہے۔

واضح رہے کہ عزت کے اصلی معنی "قوی اور عزیز" ہونے کے آتے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زمانۂ جاہلیت کے حالات کی تصویر اس مصرعہ سے کھینچتی تھیں:

" اِذَا النَّاسُ مِنْ ذَالِكَ مَنْ عَزَّ بَزَّ —— کہ لوگوں کی حالت زمانۂ جاہلیت میں اس قسم کی تھی کہ جو قوی اور طاقتور ہوتا ہے وہ کمزور سے سب کچھ چھین لیتا تھا۔

" مَاخُوذٌ مِنَ الْمُبَرّدْ" یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس —— اور عزیز اس بادشاہ کو بھی کہتے ہیں۔ جسے کوئی عاجز نہ کر سکے۔ اور "عزیز" اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے بھی ہے اور "یَا عَزِیْزُ" کے ورد کرنے کے رنگا رنگ اور گونا گون فائدے ہیں۔

حضرت شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر کی شرح میں عزت و کبر میں فرق کرتے ہوئے فرمایا کہ عزت یہ ہے کہ آدمی اپنا مقام پہچان کر غلط رویہ اختیار کر کے اس کو بے قدر نہ بنائے اس کے برخلاف کبر ہے کہ آدمی اپنے حقیقت نہ پہچانے اور پھر اپنے آپکو اپنے مافوق کے مقابلہ میں پیش کرے۔ —— عزت محمود ہے اور کبر مذموم —— اسی لئے "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ" قرآن کریم میں وارد ہے۔

قولہٗ؛ عَلَا : یہ فعل ماضی ہے : عَلَا یَعلُو عُلُوًّا کے معنی بلند ہونے اور غالب آجانے کے ہیں۔ وَالباقی اظہرُ ؎

خلاصۂ شعر یہ ہے : کہ عزت، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ملتی ہے۔ اُس میں زمان و مکان کی کوئی تخصیص نہیں اور اللہ پاک ولایت و کرامت سے جسے چاہیے، نواز سکتا ہے نہ اس میں جگہ کی قید ہے اور نہ زمانہ کی اور نہ قومیت کی اور نہ ہی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اللہ کو اس کے ارادہ سے آڑے آسکتی ہے۔ اُس کی صفت ہے :" فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیدُ " لہٰذا اس نے محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ کو ولایتِ خاصہ کے شرف سے نوازا ہے، تو انکار کرنے والا کون ہوتا ہے؟

؎ حسنؓ زِ بصرہ بلالؓ از حبش صُہیبؓ از رُوم
زِ خاکِ مکّہ بوجہل ایں چہ بوالعجبی است

حضرت شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر کی بہت تشریح فرمائی ہے لہٰذا اُن کی شرح کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور ہماری ذمہ داری صرف تعریب ہے۔ ؎

ہم بہ یہدی من یشاء مطلقاً تقیید نیست
از چہ در انکار نفست سخت چوں مرمر شداست

حُکمُ یَهدِی مَن یَّشَآءُ مُطلَقٌ لَارَیبَ فِیهِ
مِمَّ بِالاِنکَارِ یَقسُو لِفُؤَادُکَ مَرمَرًا

ترجمہ:" اس طرح قرآن کریم کا یہ فیصلہ کہ " اللہ جسے چاہیے اُسے ہدایت فرماتے ہیں " مطلق اور عام ہے اور اس میں زمان و مکان کی کوئی خصوصیت نہیں تو پھر اس ناطق علم کے ہوتے ہوئے بھی حضرت پیر رح روشن ضمیر کی کرامات و مقامات دیکھ کر تمہارا دل کیوں سنگِ مرمر کی طرح سخت ہو گیا ہے۔ اور آپ کی ہر اچھی چیز کا انکار کر بیٹھتے ہو۔"

التحقیق اللغوی:

قولہ: مُطلق: وہ چیز جس میں تخصیص نہ ہو۔

قولہ: تقیید: مُقید کرنا، مخصوص کرنا ـــــ قولہ: مَرمَر،

اَلمَرمَر: سنگِ مرمر، المِرمار: نرم گوشت والا، بہت رس والا انار، المُرامِر: باطل ـــــ اَلمَرمَرَۃ: بہت بارش۔

قولہ: یقسُو: سخت ہوجاتا ہے ـــــ یہ قَسَا، یَقسُو، قَسوًا وقَسَاوۃً سے ہے۔ سخت اور ٹھوس ہونا ـــــ اسی سے قرآن کریم میں ثُمَّ قَسَت قُلُوبُکُم آیا ہے یہ "معتل اللام واوی" ہے۔ خوب سمجھ لو۔

خلاصۂ شعر: یہ ہے کہ حضرت شارح رحمۃ اللہ علیہ اُن لوگوں کو اصلاح فرماتے ہیں جو اولیاء اللہ اور ان کی کرامتوں کی اس بناء پر انکار کرتے ہیں کہ اس ناہنجار زمانہ میں اور ناہنجار جگہ کیوں کر ولی اللہ ہوگا۔ اور اولیاء کے وجود کے انکار کرنے کے بعد ان کی کرامتوں کے منکر ہو کر خسر الدُّنیا والآخرۃ حاصل کرتے ہیں۔

حضرت شارح رح ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہدایت از خدا ہے اس میں قرب زمانۂ نبوت یا بُعد زمانہ کی کوئی قید نہیں ہے اسی طرح اس میں جگہ کی بھی کوئی تخصیص نعیتن نہیں۔ لہٰذا تمہارا انکار تم کو بچا نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا دل سنگ مرمر کی طرح سخت ہے اب وہ کوئی عُمدہ سے عمدہ کرامت سے بھی متاثر نہیں ہوگا اور "ثُمَّ قَسَت قُلُوبُکُم" کا مصداق بن کر مُردہ ضمیر ہو چکا ہے۔ شعر میں صنعت تقابل ہے۔ اللہ کی پناہ ــ:

آیتِ لَاتَیئَسُوا را خواندۂ اے بدگمان
پس بہ نومیدی چرا نفسِ تو مستحجر شدہ است

یَا ظَانَّ السُّوْءِ اَنْتَ قَارِیٌ لَا تَیْئَسُوْا
فَبِمَا ذَا الْقُنُوْطُ قَلْبُكَ قَدْ حَجَرَا

ترجمہ: "اے بدگمان تو نے تو قرآن کریم میں بار بار پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ پھر یاس و ناامیدی نے تمہارے دل کو پتھر کے مانند کیوں سخت بنایا ہے۔"

التحقیق اللغوی:

قولہ: لَا تَیْئَسُوْا: صیغہ جمع مذکر فعل حاضر معروف ہے۔ یہ اصل میں اَیِسَ اِیَاسًا (س) سے مشتق ہے، کسی سے ناامیدی ہونا۔ صیغہ صفت آیِسٌ آتا ہے۔ آیِسَۃٌ: پچاس یا پچاس سال سے زائد عمر رکھنے والی عورت۔ اس کے بعض فقہی احکام بمقابلہ نوجوان عورتوں کے جدا گانہ ہیں۔ یہ قرآنِ پاک کی آیت کا ایک حصہ ہے۔

قولہ: اَلْقُنُوْطُ، یہ قَنِطَ، قَنْطًا، قُنُوْطًا (س) اور قَنُطَ، قَنَاطَۃً: ناامیدی اور مایوس ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ صیغہ صفت۔ قَنِطٌ، قَانِطٌ، قَنُوْطٌ آتا ہے۔ اَقْنَطَہٗ: ناامید کرنے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے: کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا، قرآن پاک کی تعلیم کے برخلاف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے: لَا تَیْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ ط اِنَّہٗ لَا یَیْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ناامید نہ رہو، کافروں کے سوا اس کی رحمت سے کوئی بھی ناامید نہیں۔ پھر اولیاء اللہ اور دوستانِ خدا رحمہم اللہ اجمعین سے ان کی کرامات و مقامات دیکھنے کے بعد ان سے بدگمان رہنا اور بھی زیادہ گناہ ہے۔ لہٰذا دوستانِ خدا رحمہم اللہ سے بدگمان رہنا نہ صرف ایک جرم عظیم ہے بلکہ ایک گونہ آیاتِ قرآنی کا انکار بھی ہے۔ نعوذ باللہ من القساوۃ والجہالۃ۔

نوٹ: واضح رہے کہ عربی شعر کے مصرعۂ دوم میں قلب کے مضاف الیہ کو ضرورت شعری کے سبب ساکن کیا گیا ہے، اور یہ حَجَّرَ کا مفعول بہ مقدم ہے اور اس کے معنی پتھر کی طرح بنانے

اور چاند کا ہالہ ہونے کے ہیں۔ ماخوذ من المنجد :

این قدر از وے کرامت دیدہ و بشنیدہ شد
از چہ بدبختیست چشم و گوش کور و کر شد است

کم کرامات رأیت و سمعت انت من
ہ، بماذا قد عمیت و سماعک وقرا

ترجمہ: "اے منکر حق! تو نے آنجناب ہمایوں خطاب کی بہت سی کرامتیں خود دیکھیں اور اپنے کانوں سے سُن لی ہیں، تو پھر کس شقاوت اور بدبختی کی وجہ سے تمہاری آنکھیں اندھی اور تمہارے کان قبولِ حق سے بہرے ہو گئے ہیں۔"

خُلاصۂ شعر: مقاماتِ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی قدس سرہٗ میں مرقوم ہے کہ بلا وجہ انکارِ کرامت، انکارِ معجزہ کے لئے مستلزم ہے اور انکارِ معجزہ مستلزم کفر ہے۔ اور اگر ولی کی کرامت ظاہر ہونے کے بعد بلا وجہ کوئی اس سے انکار کرے تو وہ کتمانِ حق میں گرفتار ہو گا۔ اور ایسا شخص قرآنِ پاک کی اس آیتِ بلند پایہ کا منکر متصور ہو گا۔ کہ :

ارشادِ الٰہی: "وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۝
(البقرۃ) اس آیۂ کریمہ کا ترجمہ: "کہ حق سے باطل نہ ملاؤ اور دیدہ و دانستہ حق نہ چھپاؤ"۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں جناب محمد راعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ لکھا ہے: کہ مذکور اپنے شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات اور ان کے حالاتِ طیبات لوگوں سے بیان فرماتے تھے۔ تو بعض بے اعتقاد اشخاص ان کرامات و مقامات کا انکار کرنے لگے۔ اور حضرت بایزید رح کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اپنے مرید محمد راعی رح کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا: کہ تم میرے اسرار لوگوں سے بیان کرتے ہو ــــ جاؤ ایک دفعہ وہ اسرار اونٹوں کے سامنے بیان کرو

وہ منکرین کے مقابلہ بہت اہلیت و استعداد رکھتے ہیں، اور حق یہ ہے کہ ایسے ہی منکروں کو قرآن کریم میں صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝ فرمایا گیا ہے۔

مصرعۂ ثانی میں "لَهٗ" کا مرجع حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہ اپنے ماقبل سے مل کر مِنْهُ ہو جاتا ہے۔

کارِ اَبدالانِ حق را رو قیاس از خود مگیر
نفسِ شاں با دل بدل شد حکمِ شاں دیگر شد است

لَا تَقِسْ اَبْدَالَ حَقٍّ بِزْ وَا یَا قَلْبَکَا
نَفْسُهُمْ عَادَتْ اِلٰی بَالٍ وَّحُکْمٍ آخَرَا

ترجمہ:۔ "خدا تعالیٰ کے ابدال یعنی اولیاء کاملین رحمہم اللہ کو اپنے اوپر قیاس کرنے اور اپنے دل کے گوشوں سے ماپنے سے پرہیز کرو۔ کیوں کہ ان کے نفوس ان کے مقدس قلوب کے ساتھ بدل گئے اور ان کے بعض جزئی احکام جداگانہ بن گئے ہیں۔"

التَّحقِیقُ اللُّغَوِی:

قولہٗ ابدالان: وہ مقدس لوگ جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہتی، جب کوئی ان میں سے دنیا سے اٹھتا ہے تو دوسرا اس کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اصل میں یہ (ن) بَدَّلَ وَ اَبْدَلَ لِشَیْئٍ مِنْهُ: بدلنا، بدلہ میں لینے سے ہے۔

قولہٗ قیاس، یہ مصدر ہے اور کہتے ہیں: هٰذَا قِیَاسُ ذٰلِکَ؛ یہ اُس کے مشابہ ہے۔ القیاس فی المنطق: چند قضیوں سے مرکب قول جس کو تسلیم کرنے سے ایک اور قول لامحالہ تسلیم کرنا پڑے۔ القَیَّاس: بہت قیاس کرنے والا۔ یہ اَجوف یائی ہے اور لَا تَقِسْ صیغۂ واحد مذکر نہی حاضر معروف ہے۔

قولہٗ: زوایا، زاویہ کی جمع ہے، کونہ۔ یہاں پر دل کے کونے مراد ہیں۔ اور زاویہ بڑھئیوں کی اصطلاح میں دو مستقیم ضلعوں کا ایک آلہ جن کے میلان پر زاویہ قائمہ پیدا ہوتا ہے۔

قولہٗ: بال: دل کو کہتے ہیں۔ "مَاخَطَرَ الْاَمْرُ بِبَالِی" یہ بات میرے دل میں نہیں کھٹکی۔ اور کہتے ہیں: فُلَانٌ رَخِیُّ الْبَالِ: فلاں آسودہ حال ہے۔ اور فُلَانٌ کَاسِفُ الْبَالِ، فلاں برے حال والا ہے، اور کہتے ہیں: لَیْسَ ھٰذَا مِنْ بَالِی: یعنی یہ وہ چیز نہیں جس کی میں پرواہ کروں۔ "اَمْرٌ ذُوْبَالٍ": ایک مہتم بالشان کام، مَابَالُكَ: تمہاری کیا حالت ہے؟

حدیث شریف میں کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ ..... الخ آیا ہے۔

قولہٗ: آخر: غیر منصرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ورنہ محلاً مجرور ہے کیونکہ "حکیمٍ" کی صفت ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے: آدمی کو چاہیئے کہ وہ یا خدا انسانوں کو اپنے اوپر قیاس اور اندازہ نہ کیا کرے۔ کیونکہ یہ حضرات نفس امارہ کی مخالفت کی وجہ سے اونچے درجہ کے اولیاء میں داخل ہو گئے ہیں ـــــ چنانچہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں لکھا ہے کہ وہ فرماتے تھے:۔

"اِذَا اَرَدْتَ مَقَامَ الْاَبْدَالِ فَعَلَیْكَ بِتَبْدِیْلِ الْاَحْوَالِ:

کہ جب تم ابدال کے مقام تک پہنچنے کا ارادہ کرو گے تو اپنے احوال کی تبدیلی تمہارے لئے ناگزیر ہے۔" ـــــ اس میں مخالفت نفس کی طرف اشارہ ہے اور نفسانی خواہشات اور بشری صفتوں میں تبدیلی لانا مراد ہے۔ شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ سب کچھ مرشد کامل کی عنایت سے حاصل ہوتا ہے۔ شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت پیرِ کامل محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ ابدال کے درجہ تک پہنچے ہوئے

ہیں اور شارح نے کنز العباد کے حوالہ سے لکھا ہے: "اَلْاَبْدَالُ قَوْمٌ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ لَا تَخْلُو الدُّنْیَا مِنْھُمْ اِذَا مَاتَ وَاحِدٌ مِّنْھُمْ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ اٰخَرَ" ۔۔۔ اس کا ترجمہ:-

"کہ ابدال نیکو کاروں کی ایک جماعت ہے کہ اُن کے مقدس وجود سے دنیا خالی نہیں رہتی اور جب ان میں سے کوئی وفات پاتا ہے تو حضرت حق جلّ شانہٗ اُن کی جگہ دوسرے کو مقرر فرماتے ہیں۔"

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جب اولیاءِ کاملین رحمہم اللہ کے نفوس ان کے قلوبِ مبارک سے تبدیل ہوئے تو ایسے حضرات کو اپنے اُوپر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے۔ جو عقلاً و نقلاً قبیح و مردود ہے ۔۔۔ اس لئے سلامتی اسی میں ہے کہ ایسے حضرات کی پیروی و محبت اپنی سلامتی کے لئے ضروری سمجھنا چاہیئے۔

اس جگہ حضرت شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ درجہ کی علمی بحث کا دروازہ کھول دیا ہے جس کو ہم اس مختصر تعریب میں ذکر کرنے سے قاصر ہیں ۔۔۔:

مستِ می در شرع چوں معذور قول و فعل شُد
باطریقِ اولویت مستِ عشق اعذر شد است

قَوْلُ سَکْرَانٍ وَفِعْلُہٗ فِی الشَّرِیْعَۃِ بَاطِلٌ
فَلِکَوْنِ عَاشِقِ الرَّحْمٰنِ اَوْلٰی اَعْذَرًا

ترجمہ:- "شریعت میں نشہ میں پڑے ہوئے شخص کا قول و فعل باطل اور ساقط الاعتبار ہے۔ کیونکہ وہ اس حالت میں زوالِ عقل کی وجہ سے غیر مکلف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جو کوئی عشقِ الٰہی میں ڈوبا ہوا ہو تو اس کا عذر بطریقِ اَولیٰ قابل قبول ہونا چاہیئے۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیُّ:-

قولہٗ: سَکْرَان: شراب وغیرہ سے مدہوش ہونے والا مرد۔ عورت کے لئے سَکْرَانَۃ: بولتے ہیں ـــ اَسْکَرَہُ الشَّرَاب: شراب نے اس کو مست کیا۔

قولہٗ: عَشِق: یہ عَشِقَہٗ، عِشْقًا وَعَشَقًا وَمَعْشَقًا: محبت میں حد سے تجاوز کرنا اور عشق محبت کی زیادتی پارسائی اور غیر پارسائی دونوں طرح ہوتا ہے اس لئے قرآن کریم نے اس لفظ کو استعمال نہیں کیا۔

قولہٗ: اَعْذَر: بمعنی معذور تر۔

خلاصۂ شعر: یہ ہے کہ حضرت خاقانی رحمۃ اللہ علیہ منکرین ولایت و متعصبین ارباب حال و کرامات کو سمجھاتے ہیں کہ بالفرض اگر تم کسی دوستِ خدا سے کوئی نامناسب فعل دیکھو گے تو پھر بھی صبر و تحمّل سے کام لو کیونکہ مست و مدہوش شخص شرعًا اس حالت میں، یعنی نشہ اور مستی میں مُکلّف نہیں کیونکہ اس کی عقل زائل ہو گئی ہے، اگر اسے حد بھی دینا ہو، تو ہوش میں آنے کے بعد اُسے حد دی جا سکتی ہے۔ اور اگر وہ مدہوشی میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی طلاق علی الصحیح واقع نہیں ہوگی۔ پس جب شریعت مست و سکران کو اس حال میں معذور جانتا ہے۔ جو لوگ محبتِ الٰہی میں ڈوب گئے ہیں اور عشقِ الٰہی اُن پر غالب آ کر وہ از خود رفتہ اور بے خبر ہو گئے ہیں۔ تو وہ بطریقِ اَولیٰ عذر پذیرائی کے قابل ہیں اور اُن کو معذور جاننا زیادہ مناسب ہے۔ لہٰذا ان کو مُجرم اور گُناہ گار کہنا درست نہیں ہے۔

اور واضح رہے کہ ایسے حضرات بہت کم ہیں اور شرع مقدّم ہے اور حاکم ہے اور قال حال پر مقدّم ہے ـــ دستور السالکین میں شارح رحمۃ اللہ علیہ کی پوری تحقیق ملاحظہ فرمائیے:۔

وقتِ مغلوبیّتِ عاشق چو زائل گشت عقل
نیست تکلیفش ذہولِ امری از وے گر شدست

حِیْنَ زَالَ عَقْلُ عَاشِقٍ بِمَغْلُوْبِیَّۃٍ
لَیْسَ مَسْئُوْلًا بِسَھْوٍ الَّذِیْ قَدْ اَصْدَرَا

ترجمہ:۔ "مغلوبُ الحال ہونے کے وقت جب عاشق کی ظاہری عقل زائل ہو جاتی ہے تو وہ ایسے وقت کسی امرِ شرعی سے غافل ہو جانے یا اُس سے کوئی سہو یا اَمرِ ناپسندیدہ صادر ہو جانے سے مؤاخذہ اور سزا و عتاب کا مستحق نہیں رہتا۔"

التَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی:

قَوْلُہٗ؛ تکلیف: مشکل کام کا حکم دینا۔ اَکْلَفَہٗ بِکَذَا: کسی چیز کا شوقین بنا دینا۔ شریعت میں تکلیف کے معنی کسی کو پابندِ شرع بنانا، اس کے لئے سنِ بلوغ اور عقل کا ہونا ضروری ہے اسلئے نابالغ اور دیوانے احکامِ شرع کے پابند نہیں ہیں۔ متن میں اس کی ضمیر (ش ع) عاشقِ صادق کی طرف لوٹتی ہے۔

قَوْلُہٗ: ذھول: خالص عربی ہے۔ ذَھَلَ (ن) ذُھُوْلًا۔ الشَّیْئَ وَعَنْہُ: بھول جانا، غافل ہونا ___ اَذْھَلَہٗ: بھلا دینا۔

قولُہٗ؛ اَصْدَرَا، اَصْدَرَہٗ عَنْ کَذَا: واپس کرنا۔ اَصْدَرَ الْاَمْرَ: ظاہر کرنا ؛

پیرِ ما مغلوب مشکور است زاں رُو اکمل است
زانکہ از بہرِ عبادت ہوش را یاور شد است

شَیْخُنَا الْمَغْلُوْبُ مَشْکُوْرٌ لِکَوْنِہٖ کَامِلًا
لِاِیْتِمَارِ اَمْرِ رَبٍّ صَارَ سُکْرُہٗ نَاصِرًا

ترجمہ:۔" حضرت پیرِ حقیقت تنویر محبوبُ العالم رحمۃ اللہ علیہ حالتِ مغلوبیت میں بھی صد شکر د

صد تحسین کے سزاوار ہیں کہ آپ غلبۂ حال میں بھی احکامِ الٰہی کی بجا آوری کے لئے تیار ہوتے ہیں۔
گویا حالتِ سُکر ہی آپ کو عبادت کے لئے مددگار ثابت ہوتی ہے۔"

التحقیق اللُّغوی:

قولہٗ؛ ایتمار، باب انتعال کا مصدر ہے۔ "اِیْتَمَرَ الْاَمْرَ وَبِہٖ"
فرماں برداری کرنا۔ حکم بجالانا۔

قولہٗ؛ سُکر: شراب یا کسی اور نشہ آور چیز کے استعمال سے مدہوش ہونا۔
اِسکار، مدہوش کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

خلاصۂ شعر: خلاصۂ شعر یہ ہے کہ اربابِ طریقت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مغلوبوں کی
جو محبتِ الٰہی میں ڈوب کر ظاہری طور حواس باختہ ہوجاتی ہے۔ وہ دیوانوں کے حکم میں ہیں۔ وہ
شریعت کے مکلّف نہیں رہتے ـــــ دوسرے مشکورین ہیں جو نشۂ یار میں بھی عبادت
اور احکامِ شرع کے پابند رہتے ہیں۔

اِس لئے شعر کے اندر بطریقِ دلالتِ التزامی حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کی
عظمت و فضیلت اور رفعت و بزرگی اپنے زمانہ کے مشائخ کرام پر واضح اور ہویدا ہوجاتی
ہے کہ آپ حالتِ سُکر میں بھی پابندِ شریعت و احکامِ الٰہی رہتے ہیں۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

ہیچو شیطان گشت مُدبر ہر کہ با خاصانِ حق
چشمِ سر پوشیدہ بیند بچشمِ سر شُد است

مَنْ رَاٰی مَحْبُوْبَ رَبٍّ بِعُیُوْنِ رَاْسِہٖ
غَامِضًا لِعَیْنِ سِرِّہٖ کَاِبْلِیْسَ مُدْبِرًا

ترجمہ:۔ "جو شخص اولیاء اللہ رحمہم اللہ کو چشمِ سر یعنی ظاہری آنکھوں سے دیکھنے پر کفایت

کر کے اپنے دل کی آنکھیں بند کر لے تو یاد رکھیئے وہ شیطان کی طرح بدقسمت اور بدنصیب ہے۔"

التحقیق اللغوی:

قولہٗ: چشمِ سر: دل کی آنکھیں نورِ بصیرت چشمِ سر، سر کی آنکھیں یعنی ظاہری آنکھیں

قولہٗ: شیطان: اس کی جمع شیاطین ہے، بُری رُوح، ہر سرکش نافرمان، انسان ہو یا جنّ یا جانور۔ شیطانُ العرب: عرب کے نافرمان و سرکش لوگ، سانپ۔ شیطانُ الفلاۃِ: پیاس۔ رَکِبَہٗ شیطانُہٗ: شیطان اس پر سوار ہوا یعنی وہ غضبناک ہوا ــــ شریعت میں بالذّات شیطان اُس ناری مخلوق کا نام ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو رد فرما کر اپنی لعنت میں گرفتار کیا۔

بہرحال اس مختصر تحقیق سے شیطان کا مادہ "شطن" ہے جس کے معنی دُور کرنے، دُور ہونے اور رسی سے باندھنے کے ہیں۔ وَفِیہِ اقوالٌ اُخَر۔

قولہٗ: مُدبِرًا: پیٹھ پھیرنے والا یعنی بدنصیب بدقسمت، اس کی ضد مُقبِل ہے اور یہ لفظ قرآنِ پاک میں بھی موجود ہے۔ قولہٗ کا بلیس: ابلیس، علمِ جنس ہے۔ اس کی جمع اَبالیس و اَبالِسَۃٌ ہے۔

خلاصۂ شعر: یہ ہے کہ دوستانِ خدا کو ان کے ظاہری احوال اور ان کی ظاہری شان و شوکت سے نہیں دیکھنا چاہیئے، جیسا کہ عوام کی عادت ہے بلکہ اولیاء اللہ رح کو ان کے باطنی احوال اور ان کے مقامات کی طرف نظر کر کے دیکھنا چاہیئے۔ تب سالک و طالب مقصدِ اصلی کی طرف پہنچ جائے گا۔

مگر حضرات! یہ بہت مُشکل ہے۔ کیونکہ اس کے لئے دینی واقفیت اور سعادتِ ازلی ہمکنار ہونی چاہیئے۔ شعر ؎

قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری!
قدرِ گُل بُلبل شناسد قدرِ دُلدُل شاہِ علیؓ

گر بظاہر بینی از وے ناپسندی دم مزن
کو ولئے حق شد امینش قبہ و چادر شد است

فَاصْطَبِرْ اِنْ تَرَ مِنْهُ مُنْكَرًا فِي الظَّاهِرِ
وَهُوَ مَحْبُوْبُهٗ بِقُبَّةٍ وَشَوْزَرٍ سُتِّرَا

ترجمہ :۔ بالفرض اگر تم اس پیر روشن ضمیر سے کوئی بات خلاف شرع ظاہری طور دیکھو گے تو اس پر صبر کرو اور چون و چرا نہ کیجیو۔ کیونکہ وہ محبوبِ حق ہے جو ظاہر میں چوغہ اور چادر میں لپٹا ہوا ہے اور حقیقت میں محبوبِ خدا ہے :۔

التحقیق اللغوی:

قَوْلُهٗ : قُبَّة : چوغہ ۔ قَوْلُهٗ : شَوْزَر : چادر۔ مراد پردہ ہے۔ قَوْلُهٗ : سُتِّرَا ۔ سَتَرَ الشَّيْئَ : ڈھانکنا، پردہ کرنا، سُتِّرَ بصیغہ مجہول : ڈھانکا گیا، اور چھپایا گیا ۔ از باب تفعیل ۔ مجرد میں باب ضرب سے استعمال ہے۔ اَلسَّتَّارُ : پردہ پوش ۔ بہت چھپانے والا ۔ اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے۔ مَحْبُوْبُهٗ : کی ضمیر ضرورت شعری سے ساکن ہے :۔

خلاصۂ شعر: یہ ہے کہ اے طالبِ حق! اگر تو کسی وقت مرشدِ کامل سے کچھ خلافِ شرع محسوس کرو گے۔ تو کچھ دیر کے لئے صبر کر، یہاں تک کہ حقیقت آشکارا ہو جائے۔ کیونکہ مرشدِ کامل کو اللہ تعالیٰ نے بظاہر چوغہ اور چادر میں لپیٹ رکھا ہے مگر اس کا قلب و دماغ سراپا ہی اور سچی روحانیت کا مخزن و منبع بنایا ہے ۔ ایسا شخص کب منکرات اور خلافِ شرع امور کا مرتکب ہو گا، ہاں یہ تمہاری کم فہمی ہے کہ تم حقیقت تک نہیں پہنچتے ہو لہٰذا حقیقت کے متلاشی بنو ۔ اور عندو تعصّب اور جہالت و نادانی و الزام تراشی سے باز آجاؤ۔

اِس جہالت و تعصب نے بڑے بڑے اہلِ دانش کو عرشِ اعلیٰ سے اُتار کر تحت الثریٰ پہنچایا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْ قَلْبِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَالشَّحْنَاءِ ٭

حق ز غیرت اولیاء پنہاں کند زیرِ قباب
تا نہ بیند غیر کاندر دوستی اغیر شد است!

یَسْتُرُ الْحَقُّ الْوَلِیَّ فِی الْقُبَابِ غَیْرَۃً
کَیْ سِوَاہُ لَا یَرَاہُ وَھُوَ اَضْحٰی اَغْیَرَا

ترجمہ:۔ ”اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ اپنے دوستوں کو پردوں میں چھپاتا ہے تاکہ اغیار کی نگاہیں اُن پر نہ پڑ جائیں ہاں ربّ العٰلمین اپنے دوستوں کے بارے میں بہت غیرت مند واقع ہوا ہے۔“

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیُّ:۔

قَوْلُہٗ: غَیْرَۃً۔ مفعولِ لہٗ بنزعِ خافض اَیْ لِاَجْلِ الْغَیْرَۃِ: غَارَ یَغَارُ غَیْرَۃً وَغَیْرًا وَغَارًا غیرت کرنا ناروا چیز روا نہ رکھنا، اَغَارَہٗ اِغَارَۃً: غیرت پر اُبھارنا۔ اس جگہ اَغْیَرْ اَضْحٰی کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اُس کا الف اشباعی۔

خُلَاصَۃُ الشِّعْرِ:

جمع کی دو قسمیں ہیں ۱۔ جمع سالم ۲۔ جمع تکسیر۔ اسی طرح مردانِ خدا کی دو قسمیں ہیں ۱۔ ایک گروہ وہ ہے کہ جو غلبۂ حال اور کمالِ عشق و اضطراب میں بھی محفوظ رہ کر شریعت کا پابند ہوتا ہے اور ہر وقت ریاضت، فرماں برداری اور مجاہدہ سے آراستہ ہوتا ہے جیسے سہلؒ بن عبداللہ تستری، ابو حفص حدّاد نیشا پوری، ابو العباس مروزی،

أبو یزید بسطامی، ابو بکر شبلی، ابو الحسن بصری ہمیشہ مغلوب الحال اور بے خود رہتے تھے۔ مگر جونہی نماز کا وقت شروع ہوتا تو وہ ہوش میں آکر حکمِ الٰہی پورا کرتے تھے۔ دوسرا گروہ جمع تکبیر کی طرح ہے کہ وہ غلبۂ حال میں مفتون اور دیوانہ لوگوں کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر وہ بے خود ہو کر دیوانوں کے حکم میں آجاتا ہے۔ پہلا گروہ مشکور ہے اور دوسرا گروہ معذور ہے۔ خوب سمجھ لیجئے۔

پردگی بین دمکن با پردہ ہرگز التفات

پردۂ احوالِ او این جامہ و استر شد است

أُنظُرْ فِي السِّتْرِ إِلَيْهِ وَالْحِجَابَ عَنْكَ دَعْ

إِنَّ ثَوْبَهُ وَفَرْشَهُ لِجَنَابِهِ سَتَّرَا

ترجمہ:۔ "پردہ اور دل کے حال سے اُن کی طرف دیکھ لے کہ صاحبِ پردہ کن بڑی خوبیوں کا مالک ہے اور اس کے پردوں کی طرف توجہ نہ کر۔ کیونکہ یہ کپڑے اور استر اُن کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مانع اور حائل واقع ہوئے ہیں۔"

التحقیق اللغوی:

قولہ: دَعْ: صیغۂ واحد مذکر امر حاضر معروف ہے۔ اُس کا معنی ہے چھوڑ دو۔ یہ مثالِ واوی وَدَعَ یَدَعُ سے ہے اور الحجاب اس کا مفعولِ بہ مقدم ہے۔

قولہ: فَرْش۔ اَلْفَرْشُ: بچھونا۔ کشادہ زمین۔ چھوٹے چھوٹے درخت وغیرہ وغیرہ۔ اَلْفَرْشَۃُ فرش کا اسم مَرَّۃ ہے۔ بچھونا۔ اَلْفِرَاشُ: بچھونا، اَلْفَرَّاشُ بہت بچھانے والا۔

قولہ: سَتَّرَ: یہ باب تفعیل کا فعل ماضی ہے اس کی ضمیر ثوب و فرش کی طرف باعتبار کل واحدٍ لوٹتی ہے۔ المنجد (ن ض) سَتَرَ (ن ض) سَتْرًا۔ وَسَتَرَ الشَّیْءَ کے معنی ڈھانکنے اور چھپانے کے لکھے ہیں۔ اور باب تفعیل سے ہے وَاللَّفْظُ مَشْہُوْرٌ۔

خلاصۂ شعر یہ ہے: کہ جب سچے پیرانِ طریقت کے پاس جایا کرو گے تو اُن کے ظاہری احوال اور اُن کی ظاہری شان و شوکت اور اُن کے لباس کی طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ یہ چیزیں تمہیں اصلی مقصد میں حائل آئیں گی۔ ہاں تو صاحبِ پردہ کے حال اور اُن کے طریق کار کی طرف دھیان دے۔ تب اُمید ہے کہ تو کسی اچھے نتیجہ پر پہنچ جاؤ گے۔

بہرِ تادیبِ کلام تُند لُطف آمیزِ اُو
مُخلصاں را نوش بہرِ مُنکراں نشتر شُد است

وَلِتَادِیبٍ مِنِّیْ مَا یَنْطِقُ قَھْرًا بِلُطْفٍ!
لِـذَوِیْہِ الْعَسَلُ فِیْہِ وَالْجَرْحُ مَنْ اَنْکَرَا

ترجمہ:۔ ”پیر کامل کا تیز و تُند ادب آموز کلام اپنے مخصوص طالبوں کے لئے شہدِ مُصفا کا کام کرتا ہے اور منکرینِ حق کیلئے زخم و نشتر ہوتا ہے۔“

التحقیق اللغوی:

قولہٗ:۔ تادیب: باب تفعیل کا مصدر۔ مہذب بنانا۔ شائستہ بنانا۔ اچھی تربیت دینا۔ اخلاق سکھانا، کسی جُرم پر سزا دینا۔ اس کا مادہ ادب ہے۔ اَدُبَ اَدَبًا۔ اچھی تربیت والا، شائستہ ہونا، صاحبِ ادب ہونا، صیغۂ صفت ادیب ہے۔ اس کی جمع اُدَبَاءُ آتی ہے۔ مختصرًا۔

قولہٗ: الجَرْحُ: یہ مصدر بمعنی جارح زخمی کرنے والا' نشتر: جراحات: بہت سے زخم ——— شاعر کہتا ہے: ؎

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَھَا الْتِیَامٌ ٭ وَلَا یَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

ترجمہ:۔ نیزوں کے زخم بھر جاتے اور ٹھیک ہو جاتے ہیں مگر زبان کے زخم ٹھیک نہیں ہوتے وہ ہمیشہ

یاد رہتے ہیں۔ والباقی اظہر:

خلاصۂ شعر: کہ اگر مرشدین کاملین یا بالخصوص پیر کامل محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے خاص مخلصوں اور مریدوں کو مہذب اور شائستہ بنانے کے لئے تیز و تند کلام فرماتے ہیں۔ وہ کلام ایسا ہوتا ہے کہ وہ بظاہر طالب کو کڑوا دکھائی دیتا ہے مگر اسی میں حقیقی مٹھاس اور شیرینی ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسے تیز و تند لطف آمیز کلام سے سالک راہِ طریقت غفلت و غلطی سے بیدار ہو کر بہت سے فائدے حاصل کرتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ہے کہ طالب طالب ہو اور مرشد مرشد ہو۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک مثال پیش کی، وہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خِیَارُ اُمَّتِیْ اَحِدَّائُھَا۔ میری امت کے بہترین لوگ تیز و تند ہیں۔ کہ ایسے لوگ دل کے صاف ہوتے ہیں۔ اگر مرشد طالبوں کو ڈھیل دے تو طالب کچھ حاصل نہیں کرے گا۔ ورنہ مرشدِ کامل کی تیزی اس کے طالب کے لئے باعثِ ہدایت ہوتی ہے وہی بچہ بالغ ہونے کے بعد کامیابی کے مراحل سے گذرتا ہے جس کو ماں باپ لڑکپن میں ادب دیں گے گاہے کھلائیں اور پلائیں اور گاہے ضرورت کے وقت تنبیہہ اور ڈانٹ ڈپٹ کر کے اس کو رلائیں۔ اسی لئے مرصادُ العبادْ میں مرشدِ کامل کی بیسویں صفت میں لکھا ہے کہ وہ بارعب ہو اور اس کے مریدوں کے دل اسکی شان و شوکت، اس کے جلال و جمال اور اس کی بزرگی و عظمت سے مرعوب ہوں۔

نبذۃٌ مِنَ الشَّرحِ:

ذاتِ اُوصاف اَز ہمہ اَوصاف چوں آئینہ است
ہست آں نیک و بدرائی کز و مُبصر شد است

کَالسَّجَنْجَلِ ذَاتُہٗ مِنْ کُلِّ وَصْفٍ قَدْ عَلَتْ
فَالَّذِیْ یَنْظُرُ مِنْہُ فَھُوَ مَا قَدْ اَبْصَرَا!

ترجمہ: "حضرت پیر کامل رح کی ذاتِ مبارک کہ ہر وصف سے بالاتر، اونچی اور صاف و شفاف ہے،

پس دیکھنے والے نے اُس مقدس آئینہ سے جو دیکھا وہ وہی ہے جو اُس نے خود دیکھا ہے۔

اَلتَّحقِیقُ اللُّغَوِی:

قَولُہٗ: سجنجل: آئینہ کو کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

مُهَفْهَفَةٌ بَيْضَاءُ غَيْرُ مُفَاضَةٍ ٭ تَرَائِبُهَا مَصْقُولَةٌ كَالسَّجَنْجَلِ

قَولُہٗ: اَبْصَرَ، ابصار سے ہے یعنی باب افعال سے ہے معنی اس کا مشہور ہے۔

خُلاصۂ شعر: آئینہ کا قاعدہ یہ ہے کہ دیکھنے والے کو خود اُس سے اپنی اچھی یا بُری صُورت دکھائی دیتی ہے وہ آئینہ کا قصُور نہیں ہے بلکہ وہ اُس کا اپنا قصور ہے لہٰذا جو مُرشدِ کامل کو عیب کی نظروں سے دیکھے تو درحقیقت وہ عیب دیکھنے والے میں ہی پائے جاتے ہیں۔ مُرشدِ کامل کا کوئی قصور نہیں ہے ۔۔۔:

چُوں تُو بی پیری دریں گمراہیت شیطاں کند
پیرِ بی پیر است شیطاں از نبی مخبر شُد است

اِنْ تَكُنْ مِنْ غَيْرِ شَيْخٍ فَيُضِلُّكَ الْمَرِيْدُ
بَلْ يَكُوْنُ هُوَ شَيْخُكَ اَلنَّبِيُّ بِهٖ اَخْبَرَا

ترجمہ:۔ "اگر تو بے پیرو بے مُرشد ہے تو شیطان تجھے ضرور گمراہ کرے گا کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ بے پیر کا پیر شیطان ہے ۔۔۔":

اَلتَّحقِیقُ اللُّغَوِی:۔

قَولُہٗ: اَلْمَرِیْدُ: مَرِیْدٌ: خبیث، شریر۔ پانی سے ملا ہوا دودھ۔ دُودھ میں بھگوئی ہوئی کھجور ۔۔۔ اس کی جمع مُرَدَاءُ آتی ہے۔ عام طور پر اس سے شیطان ہی مراد لیتے ہیں۔ حضرت سعدی رح فرماتے ہیں: "خر بیخ برطاق دیوے مَرِیدٌ":

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ شعر ؎

ما آئینہ ایم وہر کہ در ما نگرد

ہر نیک و بد کہ بیند از خود بیند

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (سلوک کی اکثر کتابوں میں ہے کہ) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:" مَنْ لَّا شَیْخَ لَہٗ فَالشَّیْطَانُ شَیْخُہٗ "۔ جس کسی کو مرشد کامل حاصل نہ ہو۔ تو اُس کا رہبر شیطان ہے اور فرمایا ہے "اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ" "مرشد کامل اپنے مریدوں میں نبی کی طرح رہبری کرتا ہے ہاں اسکی رہبری مطابقِ سنتِ حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم ہونی چاہیئے۔

اِن دونوں حدیثوں کی تائید اس صحیح اور مُسلّم الثبوت حدیثِ صحیح سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا" عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ "یعنی میری اُمت کے علماءِ حق بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ آدمی کو اپنے شیخ اور رہبر طریقت کا احترام ہو اور دل میں اِس بات کا خیال رکھے کہ مرشد کامل نبی کا قائم مقام ہے اور اُس کو دینِ حق کی طرف رہبری فرماتے ہیں اور اُن کی عزت واحترام میں کسی قسم کی فروگذاشت نہ کرے۔ ورنہ اُسے کچھ حاصل نہیں ہوگا بلکہ خسارہ میں پڑ جائے گا۔

چنانچہ سرخیلِ حضراتِ صوفیہ حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ثُمَّ یَجِبُ عَلَی الْمُرِیْدِ اَنْ یَّتَأَدَّبَ بِشَیْخِہٖ فَاِنَّ مَنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ اُسْتَاذٌ لَا یُفْلِحُ اَبَدًا وَاَبُوْ یَزِیْدَ یَقُوْلُ مَنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ اُسْتَاذٌ فَاِمَامُہُ الشَّیْطَانُ ـ (ماخوذ من الشرح)

" کہ ہر مُرید پر اپنے شیخ کا ادب واحترام کرنا فرض ہے۔ کیونکہ بے اُستاد و بے مُرشد کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ ابو یزید رح فرماتے ہیں جس کا کوئی اُستاد نہیں اُس کا پیشوا ابلیس ہے ـــ پھر یاد رکھئے مُرید۔ اِرادۃ سے اور مَرِید مرد سے سرکش ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ وَاِنْ شِئْتَ التفصیل

فَارْجِعْ إِلٰی شَرْحِهٖ رَحِمَہُ اللّٰہُ:

چوں رسول اللہ گفتا پیر ماننْد نبی است
کی بود مومن کسی کز وی نبی منکر شد است

قَالَ طٰہٰ الشَّیْخُ لِلْمُسْتَرْشِدِیْنَ کَالنَّبِیّ
کَیْ یَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ مِنْہُ النَّبِیّ قَدْ اَنْکَرَا

ترجمہ:۔ "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیر کامل اپنے سچے مُریدوں کے لئے نبی کی طرح رحمت و رہبر ہے، بھلا جس کے ایمان کو آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ناپسند فرمایا۔ وہ کیسے مُومن کہلائے گا___"؟

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی:۔

قَوْلُہٗ: طٰہٰ :یہ حروف مقطّعاتِ قرآنیہ میں سے ہے اس کا حقیقی معنی ربّ العلمین ہی جانتا ہے تاہم مفسّرین کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ طٰہٰ ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماءِ مبارکہ میں سے ہے۔ اُسی لحاظ سے مُعرّب نے اس لفظ کو اس جگہ استعمال کیا ہے چنانچہ بعض اربابِ سلوک فرماتے ہیں۔ وَھُوَ مِنْ اَسْمَائِہِ الشَّرِیْفَۃِ صلّی اللہ علیہ وسلم۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ یَا رَجُلُ سے کیا ہے۔ کہ اے شخص! بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ انسانِ کامل سے کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: مُسْتَرْشِدِیْن :مُسْتَرْشِد کی جمع: ہدایت طلب کرنے والے۔ اس کا مادہ رُشد، رشاد ہے: ہدایت پانا۔ راہِ راست پر چلنا___ قَوْلُہُ الْمُؤْمِنُ: وہ ہے جو سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا تعالیٰ کی طرف سے لائی ہوئی اُن تمام باتوں کی تصدیق کرے جن کا ثبوت بدیہاتِ اسلام سے ہے۔ مسلمان خاص و عام اُسے جانتے ہیں۔

بہر حال مُسترشد باب اِستفعال کا اسم فاعل ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے:۔

کہ جس نے مُرشدِ کامل کے سامنے زانوئے ادب سے بیٹھنا ناپسند کیا۔ اُس کی موت زمانۂ جاہلیت کی سی ہوئی۔ اہلِ سلوک اسی دعویٰ پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ کہ حدیث میں ہے۔

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً ؕ

(جو شخص امام زمان یعنی مُرشدِ کامل کو پہچانے بغیر مرا تو اُسکی وفات زمانۂ جاہلیت کی سی ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَيْكُمْ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا: اپنے امیر کا حکم بجالانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھو۔ گو تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضُور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ هُوَ الْبَغْيُ۔ امام کی اطاعت وفرمانبرداری سے نکلنا ہی بغاوت ہے۔ جس کی سزا قتل ہے۔ واضح رہے اِس قسم کی احادیث سے علماءِ شرع نے سلطانِ وقت یعنی بادشاہِ اسلام مراد لیا ہے اور صوفیائے کرام ایسی احادیث مبارکہ سے مُرشدِ کامل مراد لیتے ہیں۔

شارح رحمۃ اللہ نے ان اشعار کی ضمن میں یہ بحث چھیڑی ہے کہ ائمۂ دین، امام اعظم رضؓ، امام شافعی رح، امام مالک رح اور امام احمد بن حنبل رح (رضوان اللہ علیہم اجمعین) بھی مرشدانِ کاملین کے قائل تھے یا نہ؟ جواب میں فرمایا ہاں یہ اصحاب بھی صوفیائے عظام اور باخدا انسانوں کی بہت قدر کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کے شاگردوں میں ابراہیم ادہم، فضیل ابن عیاض، داؤد طائی اور بشر حافی تھے آپ نے ان حضرات کو نہ صرف دیکھا تھا بلکہ اُن کی صحبت سے بہرہ اندوز تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کا قول لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ، مشہور ہے کہ اگر امامِ باقر کے دو سال ہاتھ نہ آتے تو نعمان ہلاک ہو گیا ہوتا۔ اس زمانہ میں کچھ لوگ کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث ہوتے ہوئے مُرشد کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بھی بہت سے

مستشرقین یورپ قرآن وحدیث کے ماہر ہیں مگر ہدایت سے محروم ہیں۔ اسی طرح جو لوگ مصلحین امت کے بغیر ذاتی طور قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو آخر وہ بہک جاتے اور گمراہ ہوتے ہیں۔

کما قال ی۔ صرف ڈاکٹری کتاب سامنے رکھکر آدمی ڈاکٹر نہیں بنتا بلکہ کسی تجربہ کار استاد سے کتاب پڑھنے ہی سے کتاب کا صحیح علم حاصل ہوتا ہے۔

مردِ بی پیر بازِ ندیق و کافر شد شبیہ!
نیست پروا اینکہ موتت در چہ ملّت بر شد است

مَنْ بِغَیْرِ الشَّیْخِ مَاتَ مُلْحِدٌ اَوْ کَافِرٌ
اَنْتَ لَا تَدْرِیْ عَلٰی مَا الْمَوْتُ آخِرًا

ترجمہ:۔ " جو کوئی بے پیر اور بغیر رہبر کے مرا وہ ملحد و کافر کے مشابہ ہے۔ اے بے پیرو بے رہبر! تم کو اپنی موت کا کچھ علم نہیں کہ وہ کس ملت پر ہو گی؟ ——"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیُّ:۔

قَوْلُهٗ: زِنْدِیْق: بے دین کو کہتے ہیں اور اس کی جمع زَنَادِقَه اور زَنَادِیْق آتی ہے اور باب تَدَحْرَجَ سے مستعمل ہے۔ تَزَنْدَقَ: بے دین ہوا، بداعتقاد ہوا۔ علامہ کشمیری رحنے زِنْدَقَه کی تعریف دین کی حقیقت بدلنے، یا شریعت کے لفظ کو بحال رکھ کر اسکی حقیقت بدلنے سے کی ہے۔ ایسے شخص کو زندیق کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں یہ کفر و نفاق سے سخت ہے —— اَلزَّنْدَقَة: باطن میں کفر اور ظاہر میں ایمان۔ زَنْدَقِی: بہت کنجوس، مکھی چوس کو کہتے ہیں —— قَوْلُهٗ: مُلْحِدٌ: مذہب سے پھر جانے والا۔ لَاحَدَ مُلَاحَدَةً: ہر ایک کا دوسرے سے کجی اختیار کرنا —— عَنِ الدِّیْنِ: وہ دین سے پھر گیا۔ اِلْحَاد: کفر، اَللَّحُوْدُ: مائل ہونے والا —— اَللَّاحِد: گورکن ——

لَحَدَ المَیِّتَ : میت کو دفن کرنا۔

قولہٗ؛ کَافِر : یہ کُفر سے ہے۔ حق ناشناسی، منکر ہوجانا، مکر جانا۔ شریعت میں کافر اُس کو کہتے ہیں جو دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار نہ کرے یا متواتراتِ دینی سے کسی چیز کا انکار کرنا کُفرِ صریح ہے۔

اَلکَافِرُ : تاریک رات، کُفِّرَ لِلمَلِکِ : بادشاہ کو تاج پہنایا گیا۔

کَفَّرَ اللّٰہُ لَہٗ الذَّنبَ : اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں کو معاف کیا۔ غرض اس کا اصلی معنی چھپانے کے ہے، منکرینِ خدا اور کسانوں اور تاریک رات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے

خُلاصۂ شعر یہ ہے : کہ نفسِ امارہ بڑے سے بڑے عالم و فاضل کو گمراہ کرسکتا ہے۔ اس لئے اس کے شر اور اُس کے وسوسے سے بچنے کے لئے کسی مافوق مصلح اور تجربہ کار پیرِ کامل کی ضرورت ہے۔ جو شیطان کے وسوسہ سے نجات دلائے۔ جیسا کہ ہوشیار اور دانا آدمی ڈاکٹر کو ساتھ رکھتا ہے جو کہ اُسے روزانہ ٹیسٹ کرتا ہے اور اس کے نبض سے اُس کی صحت و بیماری کا اندازہ لگا کر اس کے موافق اُسے اَدویّہ اور اَغذیّہ تجویز کرتا ہے اُسی طرح رُوح و قلب کے بچاؤ کے لئے رُوحانی ڈاکٹر کا ہونا ضروری ہے اسی نکتہ کو مُرشدِ کامل کہتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں :

احمدِ حنبل رح امام عصر بود — شرحِ فضلِ او بروں از حصر بود
چونکہ او از درس صافی آمدی — زود پیش بشرِ حافی آمدی
ہر کہ اندر پیش بشرش یافتے — در ملامت کردنش بشتافتے
گفتے آخر تو امام عالمی — از تو دانا تر نخیزد آدمی
احمدِ حنبل جنیں گفتے کہ من — گوئے بُردم در احادیث و سخن
علم از و بہ من بدانم نیک نیک — او خدا را بہ ز من داند و نیک

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط ان ابیاتِ شریفہ کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے امام و پیشوا تھے اور ان کے فضائل و علمی کمالات کو احاطۂ تحریر میں لانا خارج از امکان ہے، بایں ہمہ عظمت جب آپ درس و تدریس سے فراغت پاتے تو مشہور صوفی صافی جناب بشر حافی کی خدمت میں دوڑتے تھے۔ جب لوگ آپ کو بشر جیسے ظاہری بے علم کے پاس زانوئے ادب تہ کرتے ہوئے دیکھتے تھے تو وہ آپ کو کوستے تھے کہ بھلا آپ جیسے یگانۂ روزگار امامِ وقت کا بشر حافی رح کے پاس کیا کام ہے؟ اور ان کے پاس کیا دھرا ہے جس کے پیچھے آپ دوڑتے ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میں واقعی قرآن و حدیث کا ماہر ہوں اور علم اُس سے بہتر جانتا ہوں مگر بشر رح کا کمال یہ ہے کہ وہ مجھ سے بہتر خدا تعالیٰ کو جانتے ہیں۔ اسی معرفت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ! کیا عجیب شان ہے اللہ والوں کی! ـــــ اس سے مدعیانِ اعتقاد سبق حاصل کریں۔ اور منکرینِ حق عبرت حاصل کرکے اپنے انجامِ نیک فرجام کی فکر کریں۔

موتِ بے پیرے بموتِ جاہلیّت شُد شبیہ
خوش کسی کو مرِ امام و پیر فرمان بر شُد است

مَوْتُ مَنْ لَّا شَیْخَ لَہٗ یَشْبَہُ بِالْجَاھِلِیْ
فَسَعِیْدٌ مَّنْ بِطَوْعٍ شَیْخَہٗ قَدْ آثَرَا

ترجمہ: ”بے پیر کی موت جاہلی شخص (کافر) کی موت کے مشابہ ہے۔ لہٰذا وہ شخص کتنا بڑا خوش نصیب ہے جو دلی رضا و رغبت سے پیرِ حق مُنیر کو ترجیح دے کر اُس سے روحانی فیوض و برکات حاصل کرے ـــــ“

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی:-

قولہٗ؛ جاھلیت: جہالت کی حالت، بُت پرستی جو قبلِ ظہورِ اسلام بلادِ عرب میں

رائج تھی ـــــ جاہلیت کا اطلاق عرب کے اُن حالات پر بھی ہوتا ہے جو زمانہ اسلام سے پہلے عرب پر طاری تھے ۔ یہ اصول میں جَهِلَ (س) جَهْلاً وجَهَالَةً : نہ جاننے اور ان پڑھ ہونے کے معنی میں آتا ہے ۔ اسی سے فرقانِ حمید میں اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ آیا ہے ۔ وہ حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے والا اور اپنے ذمہ لئے ہوئے کام کے انجام و عواقب سے ناواقف تھا ـــــ

قولہٗ : اِمَام ، اَمَّ (ن) اَمًّا وَ اَمَمًا وَ تَاَمَّمَ وَ ائْتَمَّ : قصد و ارادہ کرنے کے معنی میں آتا ہے نیز اُس کا معنی دماغ پر صدمہ پہنچانے کے آتا ہے ، اَمَّ بِالْقَوْمِ : قوم کا پیشوا بننا ـــــ ، اُمٌّ : والدہ ، ماں ۔ اس کی جمع اُمَّهَاتٌ وَ اُمَّاتٌ ہے ، اُمُّ الطَّرِيْق : شارعِ عام ، اُمُّ الْخَبَائِث : شراب ، اُمِّ حُبَاب : دُنیا ـــــ اُمُّ رَاشِد : چوہا ـــــ ؛

خلاصۂ شعر :۔ یہ ہے کہ بے پیر و بے رہبر کی موت زمانہ جاہلیت کی موت کے مشابہہ ہے ۔ جس کا مختصر ذکر مذکورہ احادیث میں مختصر لفظوں میں آچکا ہے ۔ اس لئے وہ شخص بہت نیک بخت ہے جو پہلے ہی سے اپنے مرشد و پیشوائے حق کا تابع فرمان اور منقاد ہو جائے ۔

نوٹ : شرح کے بعض نسخوں میں مذکور الذکر شعر نہیں پایا گیا ۔ چنانچہ وِرْدُ الْمُرِيْدِيْن کے حاشیہ میں اس شعر پر یہ ۱ نشان دیکر لکھا ہے کہ "این شعر در شرح مسطور نیست" ۔ مگر میرے خیال میں یہ شعر ابیاتِ سابقہ کا تتمہ ، تنبیہ اور خلاصہ ہے ۔

فَافْهَمْ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ ۝

عیبِ پیراں ہر کہ از کوری و بے شرمی گزید
در دو عالم روسیاہ و زار و حال ابتر شد است

مَنْ تَصَدّٰى عَيْبَ شَيْخَانٍ مِّنْ عَمَايَةٍ وَّجَهْلٍ
صَارَ فِي الْكَوْنَيْنِ مُسْوَدًّا وَّحَالًا اَبْتَرًا

ترجمہ:۔ "جو شخص اندھے پن اور بے شرمی سے مُرشدانِ حق کی نکتہ چینی اور عیب جوئی کے درپے ہو جائے، وہ دونوں عالموں میں رُوسیاہ اور بدترین حالت میں جا گرا۔ ـــــ"

اَلتَّحقِیقُ اللُّغوِی:

قَولُہٗ ؛ عَمَایَۃً : اصرار کرنا، گمراہ ہونا، عَمِہَ، عَمَہًا، عَمُوہًا: حیران ہونا، گمراہ ہونا، گمراہی میں بھٹکنا ـــــ قَولُہٗ ؛ اَبتَر : یہ بَتَرَہٗ بَترًا (ن) کاٹنا، بَتِرَ، بَتَرًا (س) اِنبَتَرَ: کٹ جانا، اَبتَرَہُ اللّٰہُ: اللہ تعالیٰ نے اُسے بے اولاد بنایا، اَلبَاتِرُ، وَالبَتَّارُ، وَالتَّبَّارُ: شمشیر بران: تیز دھار والی تلوار، جمع بَوَاتِر: اَلاَبتَرُ: کٹا ہوا، دُم کٹا مِنَ الحَیَّاتِ: چھوٹا زہریلا سانپ۔ اَلاَبتَرَانِ: غلام، جنگلی گدھا، مؤنث کے لئے بَترَاءُ ہے۔ اور اَلبَترَاءُ مِنَ الخُطَبِ: وہ خطبہ جو حمدِ الٰہی سے خالی ہو۔

خلاصۂ شعر: شارح رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کی شرح میں بحوالہ لُبُّ اللُّبَاب لکھتے ہیں۔ کہ ارادت مندی کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ طالبِ ارادت عیب ٹٹولنے کی آنکھیں بند کرے اور طعنہ زنی سے پرہیز کی جائے کیونکہ مُرشدِ حقانی ظاہر میں جو کرتا ہے اُس کے سامنے اس کے مصالح ہوتے ہیں، سب سے بڑی مصلحت اُس کے سامنے یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی ملامت مُول لینے کے اسباب تلاش کرتا ہے تاکہ عوام اس سے نفرت کرنے لگے۔ ایسے حضرات کو لَوَّامِیَہ کہتے ہیں ہم نے فِرقۂ لَوَّامِیَہ پر پیشتر کسی شعر میں نوٹ لکھا ہے ـــــ

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کشفُ المَحجُوب میں فِرقَۂ لَوَّامِیَہ کے حالات تفصیل سے قلمبند فرمائے ہیں۔ بہرحال خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسلمان کو خاص کر طالبِ ارادت کو مُرشد کی عیب جوئی سے اپنی زبان بند کر لینی چاہیئے۔ اور پیر کی اتباع کے لئے ہمہ وقت کمربستہ رہنا چاہیئے۔

اِس لئے حضرت پیرِ رُومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

چُوں خدا خواہد پردہ کس درد ٭ مَیلش اندر طعنۂ پاکان زند ٭

چوں خدا خواہد کہ پوشد عیبِ کس :: کم زند در حقِ معصوماں نفس ::
عیب ہا از عیبِ پیراں عیب شُد :: غیب ہا از غیبِ پیراں غیب شُد ::

اَللّٰھُمَّ احْشُرْنِی مَعَ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ::

بدگمانی را رہا کُن از فضولی توبہ کُن
کز فضولی رافضی مردود و مُستنکر شدہ است

ظَنَّ سُوْءٍ اِجْتَنِبْہٗ وَالْفُضُوْلِیَّاتِ دَعْ
مِنْ فُضُوْلِیَّاتِ رَافِضِیْ لَاضْحٰی اَخْسَرَا

ترجمہ:۔ "پیرانِ باصفا کی بدگمانی سے دُور رہو اور فضولیات و خرافات سے توبہ کرو کیونکہ فضول اور بے معنی باتوں کے باعث ہی رافضی ناداں و خُسران میں پڑ گیا۔"

التَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی:۔

قولہٗ: ظَنَّ سُوْءٍ: بدگمانی۔ پہلے اس کی تحقیق آچکی ہے۔ اِجْتَنِبْ: صیغہ واحد مذکر امر حاضر معروف ضمیر ہٗ راجع بجانب ظَنَّ سُوْءٍ۔ یہ عبارت سورۃ الحجرات کی درج ذیل بارہویں آیت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا الی اٰخر الاٰیۃ:

اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتے ہیں۔ ....

قولہٗ: فضولیات: لغو اور بے فائدہ باتیں۔ عربی میں فضولی: بے فائدہ چیزوں میں مشغول ہونے والے یا دو شخصوں کے معاملہ میں خود بخود دخل دینے والے کو کہتے ہیں اصل میں یہ فضل (ن) و فَضِلَ (س) فضلاً: باقی رہنا، زائد ہونے کے معنی میں آتا ہے باقی الفاظ کے لغوی تحقیق سابقہ ابیات میں حسب مناسب حال و مقام آچکی ہے۔ فلا نُعیدہٗ

خُلاصۃُ الشّعر:- آیت سے دوسروں کے عیبوں کا ٹٹولنا اور بیجا نکتہ چینی کرنا خاصکر بزرگوں کے درپئے ایذا ہونا حرام اور گناہ ثابت ہوا ہے۔

شارح رح نے بحوالۂ "کیمیاء سعادت" یہ حدیث نقل کی ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مومن ہمیشہ معافی کا خواستگار ہوتا ہے اور منافق ہمیشہ عیب جوئی کے درپے ہوتا ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے تھے اس دوست سے جو کوئی عیب یا بُرائی دیکھے تو اس کا ڈنڈورا پیٹے اور خوبی و نیکی دیکھے تو اسکو چھپائے رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کے لئے چار چیزیں حرام کیں۔ ۱ مال، ۲ خون، ۳ عزت اور ۴ ناموس۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مرشدِ کامل کی اطاعت و فرمانبرداری بے چون وچرا کرنی چاہیئے اور گمانِ بد سے بچنا چاہیئے۔

ہاں یہ مقام وہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا۔ شعر

"بمے سجّادہ رنگین کن گرت پیرِ مُغاں گوید :: کہ سالک بےخبر نبود زراہ و رسم منزل ہا"

ہاں یاد رکھو اس سے شرابِ طہورا اور شرابِ معرفت اور اس کے حصول کے منازل و مقامات کو طے کرنا اور کرانا مراد ہے۔ لہذا شعر خلافِ شرع نہیں ہے:

پیشِ ہر درویش رو وخذ ما صفا دع ما کدر
ورنہ بہرِ عیب چینی ہر کہ رفت اخسر شدہ است

اِرْغَبِ الاَبْرَارَ بَلْ خُذْ مَا صَفَا، دَعْ مَا کَدِرْ
اِنَّ ھَمَّازًا لَاَضْحیٰ عِنْدَ رَبِّہٖ خَاسِرًا

ترجمہ:- "نیک لوگوں کی رغبت کر کے اُن کی صحبت سے بہرہ ور ہو اور اُن کی اچھی باتیں قبول کرو۔ اور اگر بشریت سے ان سے غلطی ہو جائے تو اُسے درگذر کرو اور یاد رکھو کہ جو کوئی مُرشدانِ حق کی عیب جوئی میں گرفتار ہوا وہ دربارِ الٰہی میں بڑے نقصان میں گرفتار رہا۔"

التّحقیقُ اللّغوی:-

قولہٗ: ھَمَّاز: بڑا عیب گر۔ ھَمَزَ الشَّیْطَانُ الْاِنْسَانَ: شیطان نے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ ھَمَزَاتُ الشَّیْطَانِ: شیطان کے وسوسے۔ اَلْھُمَزَۃُ: عیب گر اور نکتہ چین، طعن و تشنیع کرنے والے اور قرآن کریم میں: وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃٍ وارد ہے۔

قولہٗ: صَفَا: صفا، یصفو صفوًا، صَفَاءً، صُفُوًّا: صاف ہونا، اَلْجَوُّ: فضا کا ابر سے صاف ہونا، اس کی ضد کدِرَ آتی ہے جس کا معنی گدلا ہونے اور میلے ہونے کے آتا ہے، کَدِرَ عَلٰی فُلَانٍ: وہ فلاں پر ناراض ہوا، حرف مَا۔ دونوں جگہ بمعنی اَلَّذِیْ کے ہے۔

قولہٗ: اَخْسَر: صیغہ واحد مذکر اسم تفضیل، بہت خُسران، نقصان میں پڑنے والا۔ پیشتر اس کی تحقیق آچکی ہے (ربہٗ) کی ضمیر مجرور ضرورت شعری کی وجہ سے ساکن ہے۔

خلاصۃ الشعر:۔ شارح رحمۃ اللہ علیہ نے لُبُّ اللُّبَاب کے حوالہ سے اس شعر کی تشریح اس طرح فرمائی کہ:۔

"ای عزیز چوں دانستی کہ اولیاء پنہانند پس در شخص حقیر خلقت خلقان بنظر حقارت منگر کہ شاید کہ یکی از اولیاء باشد و بہ ویرانی از آبادانی معنیٔ او غافل مشو کہ گنج در ویرانی باشد و چوں دانستی کہ گنجے است اگر طالب آنی در ہر ویرانی بطلب تا باشد کہ جانی بیابی ــــ"

ترجمہ:۔ "اے عزیز جبکہ تو نے جان لیا کہ دوستانِ خدا پوشیدہ رہتے ہیں انہیں دکھاوے سے کوئی مطلب نہیں تو پھٹے پرانے کپڑے پہننے والوں کو حقارت کی نظروں سے مت دیکھ کہ ہو سکتا ہے کہ ان میں کوئی ولی اللہ پوشیدہ حال ہو۔ اور اس کی ظاہری شکست حالی سے اس کے دل میں معرفت سمائے ہوئے خزانہ سے غافل نہ ہو۔ کہ خزانہ عموماً ویران جگہوں میں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر سچے طالب ہو تو اس نوع کے ویران مقامات میں پھرا کرو۔"

چوں ترا آں چشمِ باطن خود نبود ۔۔۔۔ گنج می پندار اندر ہر وجود

اور خاص کر یہ شعر یاد فرمایئے اور بار بار پڑھا کریں :۔

دل نگہدارید اے بے حاصلاں ۔۔۔۔ در حضورِ حضرت صاحبدلاں

ترجمہ :۔ " اے زادِ راہ آخرت سے بے خبر رہنے والو! اولیاء اللہ کے سامنے جب جاؤ گے تو اپنے دلوں کی حفاظت کرو اور پورے اخلاص و حسنِ ظن سے اُن کی خدمت میں رہا کرو "

تو کجا دانستنِ احوالِ درویشاں کجا!

ہمچو موسیٰ ہیں زِ حالِ بَرَّخ چوں اَحَیرَّ شُدَ است

اِنَّ اَحْوَالَ عِبَادِ اللّٰہِ کَیْفَ تَعْلَمُ!

مِثْلُ مُوْسیٰ ھٰھُنَا مِنْ حَالِ بَرْخٍ حَیِّرًا!

ترجمہ :۔ " تو کہاں اور بندگانِ خدا کے احوال کہاں؟ یہاں تو حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی برخ کے حالاتِ عجیبہ دیکھ کر حیران رہ گئے ۔"

التحقیقُ اللُّغوی :۔

قولُہٗ : مُوسیٰؑ : مشہور پیغمبر کلیم اللہ کا اسم مبارک ہے اور اَلمُوسیٰ : اُسترا کو کہتے ہیں اس کی جمع مَوَاسٍ ، مُوسیَاتٌ ، اَلموسیقی : گانے کا فن ، برخ : ایک دوستِ خدا کا نام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا ۔ حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذخیرۃ الملوک میں ان کے کچھ حالات لکھے ہیں ۔ دیکھو ہماری کتاب بصیرۃ السُّلوک شرح ذخیرۃ الملوک مصنفہٗ حضرت سیدنا میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ

خلاصۂ شعر : اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ایک نیک اور صالح اُمتی کا حال لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ بھی بظاہر پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھا مگر

اللہ کا پیغمبر وہ بھی کلیم اللہ جیسا اُن سے بارش کے لئے بحکم خدا الناس دُعا فرماتے ہیں اور اُن کی دعا قبول ہو کر اللہ تعالیٰ بارانِ رحمت نازل فرماتے ہیں۔

نوٹ:۔ یاد رکھو اس سے پیغمبر کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ میں نے واقعہ بصیرۃ السّلوک شرح ذخیرۃ الملوک میں مفصّل لکھا ہے:۔

عیب پوشی خرقہ پوشی مر علیؓ را شرط کرد
آنکہ اُو مبعوث بہر اسود و احمر شدہ است

سَتْرُ عَیْبٍ لُبْسُ خِرْقَۃٍ لِعَلِیٍّ قَدْ شَرَطْ
مَنْ بُعِثْ لِلنَّاسِ طُرًّا اَسْوَدًا وَ اَحْمَرًا

ترجمہ:۔ "اللہ تعالیٰ کے عظیم الشّان پیغمبر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو عرب و عجم کی طرف مبعوث ہیں۔ آپ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے لئے عیب پوشی اور خرقہ پوشی کی شرط لگائی ہے:۔"

التّحقیقُ اللّغوی:۔

قولہٗ؛ خِرقَۃ: کپڑے کا چیتھڑا، دھجی اس کی جمع خِرَق آتی ہے عموماً مشائخ جو اپنا زیبِ تن کیا ہوا لباس اپنے خاص خلیفوں کو عطا کرتے ہیں، کو خرقہ کہتے ہیں ــــ قولہٗ؛ اَسْوَدُ وَ اَحْمَر: اسود و احمر سے تمام روئے زمین کے لوگ مراد ہیں۔ ہو سکتا ہے اسود سے صرف انسان اور احمر سے صرف جن مراد ہوں۔ اول باعتبارِ کثافتِ مادۂ خاکی، دوم باعتبارِ مادۂ ناری کے کما قال الشّارح مبعوث سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ آپؐ ہی تمام انسانوں اور جنّوں کی طرف مبعوث ہیں، (صلی اللہ علیہ وسلم) مصرعۂ اوّل کا آخری حرف ضرورتِ شعری کی وجہ سے ساکن ہے۔

خلاصۂ شعر:۔ شارح رحمۃ اللہ اس شعر کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ:۔

شمائل الاتقیاء میں شیخ الاسلام نظام الدین رح نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج شریف سے واپس جلوہ گر ہوتے ہیں تو آپؐ کو جنت کے دروازہ پر ایک لباسِ فاخرہ پہنایا گیا۔ تو آپؐ نے تمنا کی میرے اُمتیوں کو بھی یہ شرف حاصل ہو۔ اتنے میں جبرئیل امین علیہ السلام آئے۔ عرض کیا کہ آپؐ کے اُمتیوں میں سے اس کو یہ سعادت نصیب ہوگی جس میں ایک مُعیّن شرط پائی جائے۔ یہ سُن کر جب آپؐ واپس تشریف فرما ہوئے تو آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بُلا کر فرمایا۔ کہ اگر میں وہ لباسِ فاخرہ تم کو عطا کروں تو تم کیا کرو گے؟ آپؓ نے عرض کیا۔ سخاوت، سچائی اور زُہد و تقویٰ اختیار کروں گا۔ یہ سُن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ اگر تمہیں وہ لباسِ فاخرہ دوں تو تم کیا کرو گے؟ حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا کہ عدل گستری اور انصاف پروری سے کام لوں گا۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر تمہیں وہ لباسِ فاخرہ دوں، تو تم کیا کرو گے؟ تو آپؓ نے جواب دیا۔ یا رسُول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بندگانِ خدا سے سچائی سے پیش آؤں گا۔ عیب خود پہن لوں گا یعنی اُنکے عیوب اپنی طرف منسوب کروں گا۔ اور کسی کی بدگمانی نہیں کروں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ وہ شرط یہی تھی۔ تو آپؐ نے وہ خرقۂ مبارکہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو عنایت کیا۔ یہاں تک کہ وہ خرقۂ مبارکہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا۔ ہائے افسوس! دوستانِ خدا کا ارشاد ہے:

شعر
گر بد باشی بد نگوئی نیکی ؛ ور نہ عیبی عیب نجوئی نیکی

شارح رح فرماتے ہیں کہ اس شعر سے ان لوگوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ مشائخ کے خرقے اور اُن کا لباس تو زیب تن کر کے اپنے ظاہر کو سجاتے ہیں۔ مگر وہ خرقہ پوشی کی شرطوں کا خیال نہیں رکھتے بلکہ وہ باطن کے کورے ثابت ہوئے ہیں اور یہی حال ہے ہمارے زمانہ کا۔

"تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

رو ز حفظِ چند قولِ بے عمل چندیں مناز
در کلامُ اللہ نہ بینی نسبتت با خر شدُ است

رُح وَلَا تَطِرْ بِحِفْظِ قَوْلِ مَا لَا تَعْلَمُ
فِی کِتَابِ اللّٰہِ مُثِّلْتَ حِمَارًا سَافِرًا

ترجمہ: "اے بے عمل واعظ ومفتی جاؤ اپنا کام کر اور ان چند باتوں کے یاد کرنے پر اکڑ نہ جاؤ جن پر تو خود عمل نہیں کرتا ہے۔ کیا تمکو معلوم نہیں کہ قرآن مجید میں تیری مثال گدھوں سے دی گئی ہے"۔

التحقیق اللغوی: قولہٗ رَاحَ: صیغہ واحد مذکر امر حاضر معروف۔ راح ان رَوْحًا شام کے وقت آنا جا۔ وقت کی پابندی کے بغیر مطلق جانے کے معنی میں آتا ہے۔ قولہٗ: سَافِرًا: اونٹ کی ناک میں نکیل ڈالنا۔ قولہٗ: مُثِّلْتَ: صیغہ واحد مذکر فعل ماضی مثبت مجہول۔ از باب تفعیل مَثَّلَ تَمْثِیلًا، الشَّیْئَ بِالشَّیْئِ: تشبیہ دینا، مانند بنانا۔ مَاثَلَہٗ: مشابہت دینا۔

قولہٗ: حِمَارًا۔ الحمار: گدھا۔ پالتو گدھا۔ جنگلی گدھے کو حمارُ الوحش یا الحمارُ الوحشی کہتے ہیں۔ اسکی جمع حمیر، اَحْمِرَہ، حُمُرٌ، حُمُوْر، حُمُرات اور مؤنث حِمَارَۃٌ جمع حَمَائِر آتی ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے:۔ کہ عالم دین وہ نہیں جو چند مسائل جاننے پہ ناز کرتا ہو اور عمل و تقویٰ سے خالی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے عالموں کو قرآن کریم میں اُن گدھوں سے تشبیہ دی ہے جو کتابوں کے بوجھ لادتے ہیں اور توریتؔ اُن لوگوں کی مثال ہے جن پر رکھی گئی تھی۔ پھر انہوں نے حکم برداری نہیں کی جو گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے اور چلتا پڑے۔ کیا ہی بری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔

حضرات! یہی عالم بے عمل کی مثال ہے کہ اس نے علم دین پڑھکر اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

شارح رح بحوالہ ذخیرۃ الملوک فرماتے ہیں۔ کچھ لوگ صورت کے لحاظ سے تو انسان دکھائی دیتے ہیں، لیکن وہ حقیقت میں کتے، خنزیر، چیونٹیاں اور چوہے ہیں۔ عوام کو تو ان کی حقیقت قیامت کے دن کھل جائے گی۔ لیکن اہل معنی اور ارباب کشف دنیا میں ہی نور فراست اور ایمانی بصیرت سے

اُن کو ان کی اصلی صورت میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات قیود زمانیہ سے بالاتر ہو کر مقامِ شہود میں پہنچے ہوئے ہیں۔ اور ان حضرات کی شان ہے کہ لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یقیناً اگر پردے ہٹائے جائیں اور حقائق برسرِ بام آجائیں تو میرے یقین و ایمان میں کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

رُباعی :۔

حالِ خُلد و جحیم دانستم | بیقین آں چناں کہ می باید
گر حجاب از میانہ برخیزد | زاں یقین ذرّۂ نیفزاید !

خُلاصہ اور جوہرِ کلام یہ ہے کہ علم از برائے عمل است، علمِ دین، عمل، اخلاص، تقویٰ اور پرہیزگاری کے لئے ہوتا ہے، یہ رعونت، دنیا طلبی اور وجاہت دکھانے کے لئے نہیں ہوتا۔

اس شعر کی مزید تفصیل — حضرت شارح رح آنے والے شعر میں فرماتے ہیں۔ کہ :ــ

دم بہ بحث اندر کلام این شہانِ دین مزن
زانکہ محبوط العمل للشیخ من کابر شد است

لَا تُمَارِ فِیْ کَلَامِ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ قَطْ
صَارَ مَحْبُوْطَ الْعَمَلِ مَنْ شَیْخَهٗ قَدْ کَابَرَا

ترجمہ : دینِ حق کے بادشاہوں یعنی مُرشدانِ راہِ طریقت کے ارشادات و تعلیمات میں دورازکار بحثیں چھوڑ کر اُنکی ھدایات پر کاربند ہو جاؤ کیونکہ جس نے اپنے شیخ کامل کے ساتھ مکابرہ اور مجادلہ کا دروازہ کھول دیا تو اسکے اعمالِ صالحہ ضائع ہو کر خاک میں مل گئے ہیں۔

خلاصۂ شعر: مریدِ صادق کا کام صرف یہ ہے کہ اپنے مُرشدِ کامل کی ہدایات پر بے چون و چرا عمل کرے۔ مُرشد کے ساتھ بحث و مباحثہ کا دروازہ کھولنا بے ادبی اور جہالت ہے۔ ایسے لوگ اپنا مقصد کھوتے ہیں اور عنداللہ بدقسمت ہوتے ہیں۔ چنانچہ نظیری کہتا ہے ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل ۞ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

از بنی آدم ہر آں کو معرفت حاصل نکرد
درحقیقت کمتر از گاؤ خر واستر شد است

اِنَّ مَنْ لَّمْ یَعْرِفِ اللّٰہَ مِنْ اَنَاسِیْ اَحْقَرُ
مِنْ اَبَاقِرٍ وَّحَمِیْرٍ وَّبِغَالٍ اَبْتَرَا

ترجمہ :- "بنی نوع انسان میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا وہ حقیقت میں گائے گدھوں اور خچروں سے حقیر اور اُن سے بدتر اور گیا گذرا ہے۔" ــــ (پناہ بخدا)

التحقیق اللغوی :-

قولہٗ : مِنْ اَبَاقِرٍ : اَلْبَقَرُ : گائے، بیل، اسم جنس، واحد بقرہ جمع بقرات بَقَرٌ، بُقُرٌ، اَلْبُقُرُ، اَبْقَارٌ ـ اَبَاقِرُ، اَبَاقِیْرُ، جُوْعُ الْبَقَرِ : سخت بھوک

خلاصۂ شعر :- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ط بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ہ

ترجمہ :- اس شعر کی تفصیل سابق شعر میں آگئی ہے کیونکہ یہ شعر اپنے ماقبل کے لئے بمنزلہ تاکید ہے اور شارح رح بحوالہ نقد النصوص فرماتے ہیں کہ نام انسان کبھی کامل پر بھی بولتے ہیں۔ اور کبھی ناقص آدمی پر بھی مثلاً زید اس پر حقائق الٰہی اور معارف کا دروازہ وا ہوگیا ہے اسلئے ایسے باکمال پر لفظ انسان اطلاق کرنا حقیقتاً ہے اور یہی انسان جب عمرو جیسے جاہل و بے علم پر محض مثلاً کلت صوری کی وجہ سے بولا جائے تو یہ مجاز ہے جیسے لفظ گرۂ : گیند پر بھی بولا جاتا ہے اور آسمان پر بھی صرف اس لئے کہ یہاں مشبہ اور مشبہ بہ میں گولائی کے اندر اشتراک ہے۔ ورنہ کہاں آسمان اور کہاں گیند۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک :
عرفاء اور اہل حق کے نزدیک ظاہر کا اعتبار نہیں۔ بلکہ باطن اور حقیقت و معنویت کا لحاظ ہے۔ جو

ان حضرات باصفا قلوب پر دنیا میں ہی منکشف ہوتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ ؂

فتوٰی و درس و قضا فی نفسہٖ خوب است لیک
فتنہ گردد چوں بدستِ مردِ بد گوہر شد است

اِنَّمَا فَتْوٰی وَدَرْسٌ وَقَضَاءٌ اَحْسَنُ !
بَیْدَ اَنَّھَا فَتَنٌ اِنْ دَنِیٌّ صُدِّرَا !

ترجمہ:۔ " فتوٰی نویسی، درس وتدریس اور دینی فیصلہ جات کا اہتمام و انصرام فی ذاتہا تو بہت اچھی چیزیں ہیں، لیکن جب یہی چیزیں بداصل و بدفطرت کے ہاتھوں میں لگ جائیں تو سمجھ لیجئے کہ یہی چیزیں موجبِ فتنہ و فساد ہوں گی ـــ" کما فی زماننا ھذا۔ حَلَّلُوا ما حرم اللّٰہ ثُمَّ بالعکس:

التحقیقُ اللُّغوی:

قولہٗ: فتوٰی: الفُتوٰی والفَتوٰی، والفُتیا: شرعی مسائل میں ماہرِ شریعت کا فیصلہ، اسکی جمع الفتاوٰی والفتاوِی آتی ہے۔ اَفْتٰی یُفْتِی اِفْتَاءً: فتوٰی دینا۔ اور اِسْتَفْتَی العَالِمَ کے معنی، اس نے عالمِ دین، ماہرِ شریعت سے فتوٰی طلب کیا۔ یہ معتل اللام واوی ہے۔ جس پر یہ قرینہ ہے کہ اہلِ عرب فَتُوَ، یفتو، فَتْوًا بولتے ہیں کہ آدمی جوان مردی میں غالب ہوا۔ اور اجوفِ یائی بھی ہے، کہ کہتے ہیں۔ فتی (ن) فتًی، تفتی، تفتیًا: جوان ہونا۔

قولہٗ: درسٌ: دَرَسَ (ن) دُرُوْسًا، الرَّسمُ: نشان مٹنا۔ دَرَسَ دِرَاسَةً العلمَ والکتبَ۔ کتاب یا علم یاد کرانے کے لئے متوجہ ہونا۔ ومنہ قولُ الشیخ رضی اللّٰہ عنہ: دَرَسْتُ العِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا
وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَوْلَی الْمَوَالِی

قولہٗ: قضا۔ قضیٰ یقضی قضاءً الشیئ: مضبوطی کے ساتھ بنانا اور اندازہ کرنا

قضی حاجتہٗ: اُس نے اپنی ضرورت پوری کی اور اس سے فارغ ہوا۔

قرآن کریم میں ہے: فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا: پس جب زید نے اس سے (حضرت زینب) سے اپنی حاجت پوری کی۔ یہاں قضا سے مُراد مُفتی کے فتوٰی کو عملی جامہ پہنانے کے احکام نافذ کرنا ہے۔ قولہٗ: صُدِّرَ: صدر بنایا گیا کہتے ہیں واپس کرنا آگے بڑھاکر صدر مجلس بنانا۔

خُلاصۂ شعر یہ ہے:۔ کہ فتوٰی، درس و تدریس اور شرعی احکام اجرا فرماکر فی ذاتہٖ محمود و مبارک ہیں اور جو ان امور کو ایمانداری سے انجام دے اس کے سعید و نیک بخت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ ہاں جب بدگوہر اور بدفطرت کو ان امور کا مُتولی اور منتظم بنایا جائے اور وہ ان دینی امور کی رعایت نہ رکھے تو باعثِ فتنہ و فساد اور موجبِ شر و طغیان بن جائے گا۔ کیونکہ درحقیقت ایسے شخص کی فطرت و طبیعت نے ان امور کی اہمیت نہیں جانی۔ باقی یہ علوم اور اساتذہ کا قصور نہیں۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎ شعر:

"باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس"

اور اسی مضمون کو عربی شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے:۔ شعر ؎

"اِذَا کَانَ الطِّبَاعُ طِبَاعَ سُوْءٍ ؛ فَلَا اَدَبٌ یُفِیْدُ وَلَا اَدِیْبٌ ؛
وَمَنْ یَّصْنَعِ الْمَعْرُوْفَ فِیْ غَیْرِ اَھْلِہٖ ؛ یُلَاقِیْ کَمَا لَاقِیْ مُجِیْرُ اُمِّ عَامِرٍ"

مطلب یہ ہے کہ علوم مذکورہ کی لطافت و نظافت میں کوئی شک نہیں البتہ بدذات و بدفطرت کو اُن سے فائدہ کیا پہنچے بلکہ علوم اسلامیہ ہی کو اُن سے نقصان پہنچتا ہے۔

لطیفہ:۔ خاکسار نے کم و بیش بارہ سو ۱۲۰۰ سے زیادہ حضرات کو کچھ نہ کچھ پڑھایا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت خاکی رحٖ کا یہ شعر بندہ پر بھی اسی طرح صادق آیا۔ کچھ حضرات کے تیر کمترین کو ان کے ہدفِ تیر و کمند کا نشانہ بننا پڑا اور آئندہ کا علم اللہ ہی کو ہے کہ مجھ پر

کیا گذرے گی۔ سچ ہے ؎ "اِتَّقِ شَرَّ مَنْ اَحْسَنْتَ اِلَیْہِ"

مگر بعد غور و فکر اپنی ہی کوتاہی و کم علمی نظر آتی ہے کیونکہ ہم نے حضرت سعدی رحمۃ اللہ کے اس شعر کی نہایت بے قدری کی تھی۔ شعر فرماتے ہیں: ؎

زمین شورہ سنبل بر نیارد   در و تخم عمل ضائع مگرداں

باایں ہمہ قصور راقم السطور ہی کا ہے۔ شعر: ؎

من بعجز و قصور معترفم   نے چو نادان و احمق و خرفم

چارۂ دفع ربا حرفی نہ معمول فقیہ
حیلۂ اخذ ربا صد باب چوں فر فرشد است
لَا عِلَاجَ لِفَقِیْہٍ لِاِزَالَۃِ الرِّبَاءِ
مِائَۃَ بَابِ حِیْلَۃِ اَخْذِ الرِّبَا اِسْتَحْضَرَ

ترجمہ:۔ "بڑے سے بڑے فقیہ کے پاس ریا سے بچنے اور سود کا کاروبار مٹانے کے لئے کوئی علاج اور دوا نہیں ہاں اس نے سودی کاروبار اور ریا جائز بنانے کے لئے حیلہ بہانہ کے سینکڑوں باب ذہن میں یاد کر رکھے ہیں۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیُّ:

نوٹ؟ نقہ: اَلْفِقْہُ وَالْفَقُہُ وَالْفَقِیْہُ: بہت سمجھدار، ذکی، عالم علم فقہ کا جاننے والا۔ جمعہ اَلْفُقَہَاءُ ہے۔ مؤنث کے لئے فَقِیْہَۃٌ بولتے ہیں۔

نوٹ؛ حیلہ: بہانہ سازی، اَلْحِیَلُ وَالْاَحْوَالُ: بہت بہانہ ساز اَلْحِیْلَۃُ: ہوشیاری، دور بینی، کاموں میں تصرف کی قوت۔ جمع حِیَلٌ ہے۔

نوٹ؟ اَلرِّیَاءُ: مکر۔ فریب۔ دکھاوا۔

قولہٗ؛ الرِّبَاء: زیادتی۔ سُود۔ بیاج۔ نسبت کے لئے رِبَوِی آتا ہے۔

خلاصۂ شعر:۔

یہ ہے کہ علوم دینیہ کی تحصیل و تعلیم سے اپنی آخرت بہتر بنانے اور سنوارنے کے سوا کچھ مقصود نہیں۔ اور علوم اسلامیہ کو حیلہ، بہانہ، دنیوی مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا۔ دین اسلام کی حقیقت سے بے خبری کی علامت و نشانی ہے اور پھر غلط سلط فتویٰ دینا یا چند ٹکوں کے عوض میں اس کو فروخت کرنا خالص دلیری اور بے معنی جسارت ہے۔ افسوس ہے کہ عصر حاضر میں کچھ ارباب فتویٰ کی غلط کاری سے دینی تعلیم و احکام کے حقیقی خد و خال مٹنے لگے ہیں، صرف چند مسائل کی یاد کی رٹ لگانا علم و فقاہت کی نشانی نہیں ہاں علم دین تھوڑا ہی پڑھا جایا۔ مگر اس سے تقویٰ، پرہیزگاری اور اس کو زادِ راہِ آخرت بنانا عالم و فقیہہ، دانا و دانشور ہونے کی محکم دلیل ہے۔ جیساکہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے کشمیری زبان میں فرمایا:۔ "اَلحَمدُ تہ قُل ھُوَ اللّٰہ بیہ التحیات پا لکھے تہ تی چھی قرآنس پا تو۔ تتہٗ ابلیس پرا یو کو نو لگوس یتھران سنگتہٗ موکلن دُوونو"۔ شارح رح نے بحوالۂ احیاء علوم الدین لکھا ہے۔ کہ علوم دینیہ کا مقصد خداشناسی تھا۔ مگر لوگوں نے اس میں اتنی باریک بینی سے کام لیا ہے کہ اصلی مقصد ہی فوت ہو رہا ہے: مثلاً عصرِ اول میں علم فقہہ علم الآخرہ اور اسکی معرفت نفوس انسانی کی باریک آفتیں دنیا کی حقارت، آخرت کی نعمتوں کی تلاش و جستجو اور خوف خدا کے غالب آنے پر بولتے تھے جس میں یہ صفتیں پائی جاتی تھیں۔ اسکو فقیہہ کہتے تھے جیساکہ آیت: لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ" سے ظاہر ہے اور مذکورہ چیزیں صرف نکاح و طلاق، لعان و سلم اور اجارہ داری کی تعریفوں کے یاد کرنے سے آیت مذکورہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا ہے

غرض امام غزالی رح اپنے زمانہ کے فقہاء و علماء پر نوحہ اور افسوس کرتے ہیں اور اگر وہ ہمارے عہد کے فتویٰ نویسوں اور فقہاء کو دیکھتے تو وہ یہ مصرعہ ضرور پڑھتے ع "فَلْيَبْكِ عَلَى الْاِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًا" کہ جو رونا اور اظہار افسوس کرنا چاہیے تو وہ ہمارے زمانہ کے فقہاء اور علماء دین پر کرلے۔ ——— اَلْاَمْرُ ظَاهِرٌ ؛

نیست عالم آنکہ بہر رشوت و الزام خلق
حیلہ ہائے نادرش محفوظ و مستحضر شد است

لَا يَكُوْنُ عَالِمٌ مَنْ لِارْتِشَا أَوْصَيْدِ خَلْق
مِنْ نَوَادِرِ الْمَسَائِلِ وَعَى مُسْتَحْضِرًا

ترجمہ:۔ "وہ شخص عند اللہ عالم نہیں ہے جس نے رشوت لینے اور لوگوں کو الزام و تسکار کرنے کے لئے عجیب و غریب سینکڑوں مسائل یاد اور مستحضر کئے ہوں"

التحقیق اللغوی:۔

قولہٗ ؛ اِرْتِشَاء : رَشَاۃ ؛ رَشْوًا : رشوت دینا، اِرْتَشٰی : رشوت لینا، رشوت طلب کرنا، اِسْتَرْشٰی فی حُکْمِہٖ : فیصلہ پر رشوت طلب کرنا۔ اَلرِّشْوَۃُ۔ وَالرُّشْوَۃُ، وَالرَّشْوَۃُ، وَالرِّشْوَۃُ : رشوت اسکی جمع رُشًی۔ وَرِشًی ہے

قولہٗ ؛ اَلنَّوَادِرُ ؛ اَلنَّادِرَۃُ کی جمع، نوادر الکلام، عجیب کلام، شاذ، فصیح عمدہ ھُوَ نَادِرَۃُ الزَّمَانِ : وہ یکتائے روزگار ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے:۔ کہ علم دین، سیم و زر اور جاہ و حشمت کے لئے نہیں ہے بلکہ علم دین کے حصول کا مقصد خوفِ الٰہی حاصل کرنا ہے اور ربانی اور سچا پکا بندۂ خدا بننا ہے۔

چنانچہ "عوارف المعارف" میں لکھا ہے کہ سب سے بڑھکر جاہل وہ ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے اور بہترین عالم وہ ہے کہ جو علم پر عمل پیرا ہو اور سب سے بڑھکر بزرگ و برگزیدہ وہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتا ہو اور جب عالم علم کے مطابق عمل نہ کرے تو اس کی پند و نصیحت، اس کے مناظرے اور مباحث اور اسکی لچھے دار تقریروں سے تمہیں دھوکا اور فریب نہ لگے۔ کیونکہ ایسا شخص علم پڑھکر بھی جاہلِ محض رہا یعنی گفتار کا غازی اور کردار کا بازی گر۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ اُسے توبہ کی توفیق دے تو اور بات ہے کیونکہ علمِ دین نورِ الٰہی ہے۔

بعض عرفاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وقت ایسا آئے گا کہ ابدال بظاہر دکھائی نہیں دیں گے کیوں کہ وہ زمانہ کے علماءِ سوء کی حرکات بد دیکھ کر ان کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ کریں گے۔ لہٰذا وہ روپوش رہیں گے۔

اللہ اکبر ۔ چون بدن از قحط جان ارزان شود ۞ مرد حق در خویشتن پنہاں شود

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اسی معنی میں فرماتے ہیں:

شَکَوْتُ اِلٰی وَکِیْعٍ عَنْ سُوْءِ حِفْظِیْ ۞ فَاَوْصَانِیْ اِلٰی تَرْکِ الْمَعَاصِیْ

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنَ الٰہٖ ۞ وَنُوْرُ اللّٰہِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِیْ

نیست عالم آنکہ غافل گشتہ از روز حساب

طالب و طامع بہ اوقاف زر و زیور شد است

لَیْسَ عَالِمٌ یَکُوْنُ غَافِلاً مِنْ یَوْمِ حَشْرٍ

یَبْتَغِیْ تِبْرًا وَ زِیْنَۃً بِوُقُفٍ جَائِرًا

ترجمہ:۔ "وہ ربانی عالم نہیں جو غفلت میں ڈوب کر حساب یعنی قیامت کے دن کو بھول جائے اور اوقاف کے مال و دولت اور اس کے سونے چاندی پر زبردستی چھا جائے اور غالب ہو کر رہے"۔

التحقیق اللغوی:

قولہ: یوم حشر: یعنی قیامت کا دن، اصل میں حَشَرَ (ن) حَشَرَ النَّاسَ: جمع کرنے کے معنی میں آتا ہے حُشِرَ عَنْ وَطَنِہٖ: جلاوطن کرنا، حَشَرَ الْجَمْعَ: ایک جگہ سے دوسری جگہ نکالنا، حُشِرَ فِیْ بَطْنِہٖ: بڑے پیٹ والا ہونا، اَلْحَشَرَۃُ: جمع حشرات کیڑے مکوڑے یا چھوٹے چھوٹے جانور۔

قولہ: اوقاف: وَقْف کی جمع ہے۔ جس کے لغوی معنی ٹھہرنا، کھڑا ہونا، چپ چاپ کھڑا ہونا۔ وَقَفَ الْقَارِیُٔ عَلَی الْکَلِمَۃِ: پڑھنے میں آخری حرف کو ساکن کرنا —

وَقَفَ عَنِ الشَّیْءِ: روکنا، منع کرنا۔ فقہائے اسلام کے نزدیک وقف کا معنی کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت قرار دے کر اس کے عوائد و فوائد کو اپنے پسندیدہ لوگوں یا اپنی چاہت کے مطابق جائز چیزوں میں سے کسی چیز کے لئے مقرر اور معین کرنا۔ (والباقی فی الدّر)

قولہٗ: طَامِع۔ طَمِعَ (س) طَمَعًا وَطَمَاعَةً فِی الشَّیْءِ۔ وبہ۔ حرص کرنا۔ لالچ کرنا۔ صفت طَامِعٌ، طَمِعٌ، طَمُعٌ۔

قولہٗ: زِینَۃ: آرائش؛ اَلزَّانُ: بدھی، الزَّوْنُ، وَالزُّوْنُ وَالزُّوْنُ: بت یا مندر۔ الزَّوْنَۃ: زینت، عقل مند عورت، قولہٗ: جَائِرًا: ظلم کرنے والا۔ کہتے ہیں۔ جار (ن) جَوْرًا عَنِ الشَّیْءِ: کسی چیز سے ہٹ جانا، جائر: ظالم

خلاصۂ شعر:۔ قیامت کے ناموں میں سے ۱: یَوْمُ الدِّیْنِ: بدلہ کا دن ۲: یَوْمُ الْآخِرَۃِ: پچھلا دن ۳: یَوْمُ الْحَشْرِ جمع ہونے کا دن ۴: یَوْمُ الْقَارِعَۃِ: دستک دینے والا دن۔ ۵: یَوْمُ الْبَعْثِ ۶: یَوْمُ النُّشُوْرِ ہیں: اس دن کے اور بھی بہت سے نام ہیں جو اس کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں۔ مَا شَاءَ اللّٰہُ! اس دن کی عظمت و اہمیت کے کیا کہنے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ شِبْتَ قَبْلَ اَوَانِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ وقت سے پہلے آپ پر بڑھاپے کے آثار نمودار ہوئے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا: شَیَّبَتْنِی الْھُوْدُ وَالْمُرْسَلٰتُ عُرْفًا وَعَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ۔ کہ مجھے سورۂ ہود، سورۂ والمرسلات عرفا و عم یتساءلون نے بوڑھا بنایا۔ محدثین نے فرمایا۔ کہ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان تینوں سورتوں میں قیامت کے ہولناک واقعات کا ذکر ہے۔ شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عالم دین تو نائب پیغمبر ہوتا ہے۔ پس اس کا عمل و اعتقاد، تقویٰ و پرہیزگاری مطابق شریعت ہونی چاہیئے بھلا وہ بھی عالم ہے جو روزِ حساب سے غافل ہو کر مالِ دنیوی اور جاہ و حشم پر اپنی عمر قربان کرے اور شارح رح بحوالۂ احیاء علوم الدین فرماتے ہیں جو عالم دنیا میں غوطہ زن ہو جائے وہ اس قابل

ہی نہیں کہ اُسکی بات سُنی جائے بلکہ اس سے بدگمان رہنا چاہیئے تاکہ وہ بندگانِ خدا کو بھی گمراہ نہ کر پائے اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو سورۃ الکھف میں فرماتا ہے۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔

"اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی بات نہ مانیئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل بنایا اور وہ اپنی خواہشات کا پیرو بن کر حد سے تجاوز کرنے لگا۔ (مختصراً التفصیل فی الشرح)

عالم است او ہم مرید انش کہ دائم می کُند
از عملہا آنچہ کار آئندہ در محشر شُد است

اِنَّمَا هُوَ عَالِمٌ حَقًّا بِاَتْبَاعِهٖ يَدُوْمُ
عَامِلًا لِيَوْمِ حَشْرٍ خَاشِعًا مُسْتَذْخِرًا

ترجمہ:۔ "حضرت محبوب العالم رح عالم حقیقی ہیں کہ آپ اپنے مریدوں اور مخلصوں کے ساتھ قیامت کے دن کام آنے والے اور فائدہ بخش عملوں میں مشغول رہتے ہیں۔"

اَلتَّحْقِيْقُ اللُّغَوِی:۔

قَوْلُهٗ : مُسْتَذْخِرًا : اسم فاعل۔ از باب استفعال : ذخیرہ طلب کرنا، ترکیب میں مفعول لہٗ بنزعِ حرفِ جر ہے۔ اس کا مادّہ ذُخر ہے۔ ضرورت کے وقت کے لئے جمع کرنا۔ ذخیرہ کی جمع ذخائر آتی ہے۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں۔

اَعْمَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ ذَخَائِرُ عِنْدَ اللهِ : مومنین کے اعمال اللہ تعالیٰ کے پاس ذخیرہ ہیں۔

قولہٗ : بِاَتْبَاعِهٖ : اَتباع کا مضاف الیہ ضمیر مجرور ضرورت شعر کی وجہ سے ساکن ہے۔

خلاصہ شعر یہ ہے:۔ کہ حضرت پیرِ حقائق تنویر جناب محبوب العالم رحمۃ اللہ خود پیرِ حقانی اور عالمِ ربانی ہیں۔ اور آپ کے طالبین اور مریدین بھی پورے اخلاص کے ساتھ روزِ قیامت کے لئے عمل پیرا ہیں

زہے سعادت و توفیق الٰہی۔

شارح رحمۃ اللہ بحوالہ "کنز العباد" رقمطراز ہیں کہ عالم وہ ہے کہ جس کے دل میں خوفِ خدا ہو۔ ورنہ وہ حمّال کتابوں کا بوجھ اٹھانے والا ہے اور شرعاً اور عند اللہ عالم نہیں ہے۔ گو اُسے ہزاروں مسائل یاد ہوں جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ صرف حقیقی عالم دین ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ جو علوم دینیہ کے حامل ہوں پھر علم دین کو فتنہ، فساد اور خون کا بازار گرمانے کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے ہاں عالم نہیں ہیں بلکہ وہ اشقی عباد اللہ ہیں۔

شارح فرماتے ہیں مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک چوپایہ سے دریافت کیا کہ تم نے خدا شناس بننے کے لئے علم کیوں نہیں سیکھا؟ اس نے جواب دیا میں نے کل علم سے پانچ باتیں حاصل کی ہیں۔ رُوح اللہ نے فرمایا وہ کیا ہیں چوپایہ نے کہا۔ وہ یہ ہیں:۔

۱۔ جب بندہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے پر طاقت رکھتا ہے تو پھر اُس کی نافرمانی کیوں کرے۔

۲۔ سچ بولنے پر قدرت رکھنے کے باوجود جھوٹ بول کر اپنی زبان کو کیوں گندہ کرے۔

۳۔ حلال روزی چھوڑ کر حرام روزی کی طرف کیوں رغبت کرے۔ ۴۔ اپنے عیبوں پر واقف ہونے کے باوجود دوسروں کے عیبوں کی فکر میں کیوں پڑے ۵۔ جب بندہ خدا تعالیٰ کی یاد میں رہے تو مخلوق خدا کے ذکر و فکر میں کیوں غوطہ زنی کرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر اس کو فرمایا۔ یہ پانچ باتیں نہ صرف تمہارے لئے کافی ہیں بلکہ تمام خلق اللہ کے لئے شفا بخش ہیں۔ کیونکہ انہی پانچ باتوں میں علمِ آخرت سمویا ہوا ہے۔ ——— (فاعتبروا یا اولی الالباب)

چُوں خدائے عالمین اکبر و اصغر شناخت
بے نیاز از اصطلاحِ اَصغر و اکبر شُد است
قَدْ عَرَفَ خَلَّاقَ اَصْغَرَ مَعَ اَکْبَرَ بِالْفُؤَادِ
لَا یَضُرُّہٗ عَدَمُ عِلْمِہٖ اَصْغَرًا وَّ اَکْبَرًا

ترجمہ:۔ "جبکہ پیر کامل رح نے چھوٹے بڑے مخلوقات پیدا کرنے والے معبودِ برحق کو دل سے پہچانا تو اُن کو منطقی

اصطلاحوں صُغریٰ و کُبریٰ نہ جاننے کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں بلکہ ان کے جاننے سے بے نیاز ہوئے

التحقیق اللغوی :-

اصغر و اکبر : المقدمۃ التی فیہا الصُغریٰ تُسمّی اَصْغَر وَالتی فیہا الاکبر تسمی کُبریٰ عند المناطقہ -

قولہٗ : عَالَمِین : عالم کی جمع - ماسوی اللہ کو کہتے ہیں - عالم کو اس لئے عالم کہتے ہیں کہ یہ علامت سے نکلا ہے - چونکہ ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے خالق و مالک ہونے پر دلالت کرتی ہے - اس لئے مخلوقاتِ الٰہی کو عالمین کہتے ہیں - مخلوقات کی صحیح تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اس کی مزید تحقیق سورۂ فاتحہ کی تفسیر بزبانِ کشمیری انشاء اللہ تعالیٰ آپ ضرور مطالعہ فرمائیں گے - قال الشاعر ؎

وَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیَۃٌ ☆☆☆ تَدُلُّ عَلیٰ اَنَّہٗ وَاحِدٌ

ترجمہ : "ہر چھوٹی بڑی چیز میں نشانی ہے کہ اللہ پاک ایک اور بے نیاز ہے"۔

بہر حال ماسوائے انسان سب کو عالم اکبر کہتے ہیں اور انسان کو عالم اصغر - مگر حضرات صوفیہ کَثَّرَ اللہُ اَمْثَالَھُمْ انسان کو ہی عالمِ اکبر کہتے ہیں - چنانچہ علی المشہور حضرت شاہنشاہِ ولایت راہنمائے اربابِ کشف و کرامات حضرت علی رضؓ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے - شعر

دَوَائُکَ فِیْکَ وَمَا تَشْعُرُ ☆☆☆ وَدَائُکَ مِنْکَ وَمَا تُبْصِرُ
وَتَزْعُمُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ ☆☆☆ وَفِیْکَ انْطَوَی الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ

ترجمہ :- کہ تیری بیماریوں کی دوا تجھ ہی میں پائی جاتی ہے اور اس بیماری کا علاج بھی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور کیا تو نے یہ خیال کر رکھا ہے - کہ تو معمولی جسم کا لوتھڑا ہے نہیں نہیں بلکہ عالم اکبر کے عجائبات تجھ ہی میں پائے جاتے ہیں - فسبحانہٗ ما اعظم شانہٗ ::

بہر حال آدمی آدمی ہونا چاہیئے اس لئے ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اَلْمَرْءُ بِاَصْغَرَیْہِ ۔ کہ آدمی کی قدر و منزلت دو چھوٹی چیزوں دل اور زبان سے ہے - اور جب دل بھی حسد اور خیالاتِ

فاسدہ اور بد اعتقادی کی وجہ سے ناپاک ہو اور زبان گندہ ہو اور ذکر الٰہی سے نفرت ہو تب وہ شخص حقیقت میں آدمی ہی نہیں بلکہ جو پیشتر شعر حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہم نے نقل کیا ہے تو وہ اسی کا مصداق ہے یعنی ایسا شخص صرف صورت کے لحاظ سے انسان ہے اور حقیقت میں ریچھ، خوک، بندر، سانپ سے بھی بدتر ہے۔

تنبیہ:۔ اسی حدیث کی روشنی میں یہ سمجھنا چاہیئے کہ حقیقی صوفی کی صفت دل و زبان کو کثافت ظاہری سے پاک رکھ کر پابند شرع ہونا چاہیئے۔ حقیقی صوفی کو حسد، غیبت، نکتہ چینی سے کوئی جوڑ نہیں پس جس کے دل میں نفاق کی بیماری اور زبان میں کثافت ہو تو وہی شخص علم تصوف حاصل کرنے سے لوگوں کو نفرت دلانا ہے تاکہ اس کے عیب بر سرِ منظرِ عوام و خواص نہ آجائیں کیونکہ چور ہمیشہ پہرہ دار سے ڈرتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؀

روح را مرفوع و نفس تند را مجرور ساخت
چیست غم گر عاری از تعریفِ رفع و جر شد است

صَارَ رَافِعًا لِرُوْحِهٖ وَكَاسِرًا لِلنَّفْسِ
لَا حَرَجَ لَوْ لَمْ يَكُنْ لِلرَّفْعِ وَالْجَرِّ مَاهِرًا

ترجمہ:۔ "آنجناب فیض انتساب نے اپنی روحِ شریف کو سخت ریاضت سے بلند و بالا بنایا اور نفسِ امارہ کی تیزی و تندی کو نرمی سے بدل دیا تو اس حال میں کوئی حرج نہیں کہ اگر آنجناب نحویوں کی اصطلاحِ رفع و جر کی باتوں کے ماہر نہیں ہیں۔

التحقیق اللغوی:

علماءِ نحو عموماً اعراب اسم سے بحث کرتے ہیں اور یہ کہ اسم معرب ہے یا مبنی، منصرف ہے یا غیر منصرف اور یہ کہ اسم مرفوع ہے یا منصوب یا مجرور۔ مرفوع وہ ہے کہ جس کے آخر میں پیش ہو

اگر ایک پیش ہو تو اس کو مرفوع غیر مُنوّن کہتے ہیں جیسے اَلرَّجُلُ۔ اگر آخری حرف پر دو پیش ہوں تو اس کو مرفوع مُنوّن کہتے ہیں جیسے زَیدٌ۔ اسی طرح اگر اسم کے آخر میں ایک زبر ہو تو اسکو مفتوح یا منصوب غیر منوّن کہتے ہیں۔ جیسے رَأَیتُ الرَّجُلَ۔ اگر دو زبریں ہوں تو اس کو منصوب مُنوّن کہتے ہیں جیسے رَأَیتُ رَجُلاً۔ اگر اسم کے آخر میں ایک زیر ہو تو اسکو مکسور یا مجرور غیر منوّن کہتے ہیں۔ اگر دو زیریں ہوں تو مجرور منوّن کہتے ہیں۔ اول کی مثال بالرّجل، دوسرے کی مثال ۔۔۔لہ بِرَجُلٍ ہے اور رفع کے لغوی معنی بلند کرنے کے ہیں۔ وَرَفَعنَا لَكَ ذِكرَكَ۔ ہم نے آپؐ کا ذکر بلند کیا اور کسر کے لغوی معنی توڑنے کے ہیں۔ اسی سے کسرِ نفس، نفس کی بیجا خودی توڑنے کے معنی ہیں۔

خلاصۂ شعر: شارح رحؒ اپنے پیر برحق رحؒ کی طرف سے دفاع یا معذرت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پیر برحق رحؒ منطقیوں کی اصطلاحات، بحث صُغرٰی و کُبرٰی اور اشکالِ اربعہ یا نحویوں کی اصطلاحات رفع و نصب و جر، بالفرض نہیں جانتے تو کیا ہوا۔ آپ نے سخت ریاضتوں سے اپنی رُوح شریف کو اونچے مرتبہ تک پہنچایا آسمانوں کو بھی زیرِ اقدام بنایا اور اگر نحوی کسرہ نہیں جانتے تو آپ نے کسرِ نفسی، بے جا خودی و بے پروائی حسد، بغض، ریا، مکر، خدع چھوڑ کر اپنے نفس کو وہ مقام عطا کرایا کہ نحویوں کی یہ اصطلاحیں آپ کے مقاماتِ عالیہ دیکھکر کفِ افسوس مل رہی ہیں۔

؎ گرچہ نحو و فِقہ را بگذاشتند ☆☆ رایتِ علمُ الیقین افراشتند

اگر اہلِ دل اور باصفا حضرات نے نحو اور علم فقہ کے غیر ضروری مسائل چھوڑ دئے ہیں تو کوئی عیب نہیں، کیونکہ انہوں نے علم الیقین کا وہ جھنڈا بلند کیا جس کے لئے اُن کی آفرینش ہوئی تھی۔

کیا اس شعر میں نام نہاد اسلام پسندوں کے لئے درسِ عبرت نہیں ہے؟ کیا ہمچو قسم کے صوفیانہ اشعار آخرت کی طرف متوجہ نہیں کرتے مگر افسوس ہے کہ مجھ جیسے سیاہ کار نے اپنی عمر صرف رسمی اصطلاحوں کے پڑھنے پڑھانے میں صرف کی اور آخرت سے بے پروائی برتی۔

اَللّٰھُمَّ اغفِرلِی وَتُب عَلَیَّ اِنَّكَ اَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِیمُ

اَبرۂ درّاعہ عالِم را بود زیبا ولے
لُبسِ صوفی را زِ ابرہ پُربہا استر شداست

اِنَّ اِسْتَبْرَقْ یَکُوْنُ زِیْنَۃً لِّلْعَالِمِ
بَیْدَ اَنَّ لُبْسَ صُوْفِیْ خِرْقَۃٌ اَعْلیٰ مَفْخَرًا

ترجمہ:۔ "ظاہری نام نہاد عالم کی قبا، ریشمی لباس تو ظاہر میں باعثِ زینت ہے لیکن حقیقی صُوفی کی گدڑی ازروئے حقیقت اُن کے زرق و برق لباس سے کہیں زیادہ قابلِ فخر و مباہات ہے۔

التحقیقُ اللّغوی:۔

قولہٗ ؛ اِسْتَبْرَقْ : موٹا ریشمی کپڑا۔ ریشم اور سونے کے تاروں کا بُنا ہوا کپڑا۔

قولہٗ ؛ دَرَّاعَہ : زِرہ۔ مذکر و مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اسکی جمع دَرُوْعٌ ، اَدْرُعٌ ، دِراعٌ آتی ہے اور اسکی تصغیر دُرَیْع ہے۔ قولہٗ ؛ بَیْدَ اَنَّ ، بَیْدَ : یہ ہمیشہ اَنَّ اور اُس کے معمول جُملہ کی طرف مضاف ہو کر آتا ہے اور سوائے اور مگر کے معنی دیتا ہے جیسے کہتے ہیں "فُلَانٌ کَثِیْرُ المالِ بَیْدَ اَنَّہٗ بَخِیْلٌ" فلاں شخص بہت مالدار ہے مگر ہے تو وہ بخیل۔

اور اباد : ہلاک کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

خُلاصۂ شعر:۔ کہتے ہیں دنیوی عالم کے لئے ریشمی چمکدار قبا نہایت خوبصورت اور خوشنما ہے۔ مگر صُوفی کا خرقہ اور اُس کا استر اُس عالم کے لباس سے زیادہ بہتر اور بہت شاندار ہے

مزید تشریح :۔ صوفی کی تحقیق :۔ صوفی کا نام زمانۂ نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم میں عام زبانوں پر نہیں تھا حتیٰ کہ قرآنِ کریم نے نیکو کاروں کو مختلف ناموں سے یاد کیا چنانچہ کہیں تو اِن حضرات کو اَبْرَار : نیکوکار کہا گیا۔ بعض حضرات کو مقربین جو بارگاہِ ربانی میں قرب و نزدیکی کا درجہ رکھتے ہیں۔ بعض کو صابرین و صادقین سے یاد کیا گیا کہ با ایمان دنیوی تکلیفوں پر صبر و ضبط کرنے والے ہیں۔ اور اپنے کلام میں سچے ہیں اور کچھ حضرات ذاکرین و محبّین کے لقب سے ملقب ہوئے کہ وہ یادِ خدا کرنے والے اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے ہیں اور لفظ صوفی اِن سب حضرات پر مشتمل ہے کیونکہ صوفی ان سب اچھی صفتوں سے آراستہ ہوتا ہے۔ یہ تحقیق حضرت شیخ شہاب الدین سُہروردی کی ہے۔

زمانۂ نبوت میں اس نام کے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ نبوت میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اور معزز لقب صحابہ تھا پھر ان کے بعد تابعین، اُن کے بعد تبع تابعین کے نام درجہ وار دیئے گئے مگر بدقسمتی سے جب رفتہ رفتہ مختلف سازشوں کے تحت ان حضرات سے عوام الناس کو بدظن بنانے کی کوشش کی گئی تو ایسے باخدا حضرات کو صوفی، شیخ اور ہمچو قسم کے القاب دیئے گئے۔ فافهم۔

حُبِّ دُنیا راسِ ہر جُرم است قولِ مُصطفےٰؐ
ترکِ دنیا ہر عبادت را مثالِ سرِ شد است

حُبُّ دُنیا رَأسُ کُلِّ الذَّنبِ قولُ المصطفےٰؐ
تَرکُ دُنیا لِلعِبَادَۃِ مِثلُ رَأسِ عَنبَرا!

ترجمہ:۔ "حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے اور ترکِ دنیا بھی ہر عبادت کے لئے جوہر اور عطر ہے۔"

التحقیقُ اللّغوی:۔

قولہٗ؛ عَنبَر: عِبارۃ۔ عَبَر کا اسم ہے معنی پر دلالت کرنے والے الفاظ کو کہتے ہیں هٰذہٖ عبارۃ عَن کذا: یہ چیز اُس کے ہم معنی ہے۔ عِبرَۃٌ: حوال میں غور و فکر، تعجب اور وہ اصل جو نظائر کا مرجع ہو۔ اَلعَبَّارُ۔ عَابِر: کا مبالغہ بہت تعبیر کے لئے جواب دینے والا۔ عَبَّرَ الرُّؤیا خواب کا تعبیر بیان کیا۔ عَبرَ عَبرًا: آنسو بہانا۔ العُبُور: راستہ طے کرنا وغیرہ وغیرہ۔ باقی الفاظ کی تحقیق کتاب میں آ چکی ہے۔

خُلاصۂ شعر:۔ یہ ہے کہ تقوٰی و پرہیزگاری صرف روزہ نماز سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ حدیثِ مشہور کو سامنے رکھنے سے وہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حُبُّ الدُّنیا رأسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ" تمام جرموں اور گناہوں کا اصل اور جوہر دنیا کی محبت ہے کیونکہ جس نے دُنیا کو محبوب بنایا۔ وہ ضرور اس پر فریفتہ ہو کر باقی ہدایات و اعمالِ صالحہ سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ ہاں اصلی محبوب مطلوب

اور مقصود رب العلمین کو بناؤ۔ پھر سب کچھ حاصل ہو گا۔ باقی تشریح آنے والے شعر میں ملاحظہ فرماویں۔

حُبِّ دُنیا ہست شرک و پس مُحِبّش مشرک است
ایں سخن مروی ہم از یک عارفِ آخر شد است
حُبُّ دُنْیَا شِرْكٌ مَحْضٌ فَالْمُحِبُّ مُشْرِكٌ
قَدْ رَوٰی هٰذَا الْكَلَامَ بَعْضُ عُرَفَاءَ آخِرًا

ترجمہ:۔ "دنیا کی محبت شرکِ محض ہے۔ پس اُس سے دل لگاؤ رکھنے والا بھی مُشرک ہے۔ یہ بات بعض متاخرین عارفوں سے مَروی اور منقول ہے۔"

التَّحقِیقُ اللُّغوِی:۔

قولُہٗ: دُنیا: دَانَ یَدُوْنُ دَوْنًا خسیس ہونا، کمزور ہونا، دُونَ: پست، نیچے، ھُوَ دُوْنَہٗ: وہ اس سے درجہ میں پست ہے۔ مَشٰی دُوْنَہٗ: وہ اُس کے آگے چلا۔ دنیا کو بھی اس لئے دنیا کہتے ہیں کہ یہ آخرت کے مقابلہ میں بالکل پست اور حقیر ہے۔ یہ ادنیٰ کی مؤنث ہے اور دَوِّنْ زَیدًا: زید کو پکڑ لے، الدِیوان وَالدِّیْوَانُ کتابوں کا مجموعہ۔

قولُہٗ: آخَر: بمعنی دیگر اور دوسرا۔ عارف سے عام معنی مراد ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔

قولُہٗ: شِرْکٌ: یہ توحید کی ضد ہے ہر وہ کام جو توحید کے برخلاف ہو یعنی شرک یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود مانا جائے یا اس کے سوا کسی کو کسی کام کا فاعلِ مختار علی الاطلاق مانا جائے۔ اور ہمارے نزدیک فاعلِ مُختار قادرِ مطلق صرف ذاتِ پاکِ حضرت اللہ ہے۔

اَشْرَکَہٗ: کسی کو اپنے کام میں شریک بنانا۔

خلاصۂ شعر:۔ شارحؒ بحوالہ کیمیائے سعادتؔ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا دنیا کو اپنا آقا نہ بناؤ تاکہ وہ تم کو اپنا غلام نہ بنا سکے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مال و

دولت اور جاہ و حشمت دل میں نفاق اس طرح اگاتی ہے جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے۔

اور صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدترین لوگ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ وہ جو میرے بعد آئیں گے اور ان کا یہ حال ہوگا کہ رنگا رنگ لباسوں، قسم قسم کے کھانوں، خوبصورت عورتوں اور عمدہ گھوڑوں کے متوالی ہوں گے، یعنی بدترین لوگ وہ ہیں جن کی تمام ہمتیں دنیا کے لئے محدود ہوں گی اور آخرت کو پس پشت ڈالا ہوگا۔ جیسا کہ اس زمانہ کے لوگ ہیں۔ حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک شخص قیامت کے دن پیش پروردگار حاضر ہوگا۔ وہ دنیا میں روزہ دار بھی ہوگا۔ نمازی بھی، تہجد گذار بھی اور زکوٰۃ دینے والا بھی، پھر بھی حکم باری تعالیٰ ہوگا۔ کہ اس کو جہنم میں لے جاؤ۔ وجہ یہ ہے کہ جب وہ دنیا کی کوئی اچھی چیز دیکھتا تھا۔ تو وہ اس کی طرف کود جاتا تھا۔
اسی طرح دنیا کی محبت بُخل کی خصلت پیدا کرتی ہے اور یہ خصلت بالاصالہ کفر کی طرف پہنچاتی ہے جیسا کہ حدیث مبارک میں آپؐ نے فرمایا۔ اَلْبُخْلُ مِنَ الْکَافِرِ وَالْکَافِرُ مِنَ النَّارِ۔ کنجوسی کافر کی خصلت ہے اور کافر کی جگہ جہنم ہے۔ اور فرمایا ہے "خَصْلَتَانِ لَا یَجْتَمِعَانِ فِی الْمُؤْمِنِ الْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ"۔ کنجوسی و بد خلقی ایسی دو خصلتیں ہیں جو مومن کامل میں جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔

حضرت شیخ عطارؒ فرماتے ہیں:

حُبِّ دُنیا ذوقِ ایمانت بُرد ☆☆ آرزو و آز تو جانت بُرد

کہ دنیا کی بے جا محبت تمہارے دین و ایمان کو فنا کرے گی۔ اور تمنائیں اور لالچ تمہاری جان کے درپئے ہلاکت رہیں گے۔

سیدنا حضرت شیخ سید عبد القادر الجیلانی رضی اللہ عنہ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں کہ اگر روپیہ جیب میں رکھو گے تو عیب اور جرم نہیں ہاں اگر روپیہ کو دل میں جگہ دو گے تو عیب کی چیز ہے۔ اس سے تمہارا ایمان متزلزل ہوگا۔

حُبِّ دیندارں و دین فرض و کلیدِ جنّت است
حُبِّ اموال است مار و حُبِّ جاہ اژدر شدا ست

حُبُّ اَهْلِ الدِّیْنِ وَ دِیْنِ الْفَرْضُ مِفْتَاحُ الْجِنَانِ
حُبُّ مَالٍ حَیَّةٌ وَ حُبُّ جَاهٍ مُثْبِرًا !

ترجمہ :۔ " دین داروں اور دین کی محبّت فرض اور جنّت کی چابی ہے ۔جیساکہ مال وجاہ وحشمت کی بے جا محبّت سانپ کی طرح مُہلک ہے ۔ "

التّحقیق اللّغوی :۔

قولُہٗ : حُبّ ۔ حَبَّہٗ ، حُبًّا وَحِبًّا الشَّیئَ : محبت کرنا ، رغبت کرنا ، اِسْتَحَبَّہٗ : اس نے اس سے محبت کی اور اس کو پسند کیا : اِسْتَحَبَّ الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ : اس نے کُفر کو (معاذ اللّٰہ) ایمان پر فضیلت دی ۔ اَلْحَبُّ : دانہ اسکی جمع حُبُوْبٌ : حُبَّانٌ آتی ہے حَبُّ الْغَمَامِ اور حَبَّۃُ الْقَلْبِ : دِل کا دانہ یا روح ، اَلْحَبِیْبُ : دوست ۔

قولُہٗ : جنّت ، اَلْجَنَّۃُ : درختوں سے ہرا بھرا باغ یہ باغ ارضی ہو یا سماوی ، جمع جِنَان اور جنّات آتی ہے ـــــ قولُہٗ : اژدر : اژدہا خطرناک سانپ اور واضح رہے مِفتاح الجِنان سے پہلے حرفِ عطف واو محذوف ہے ۔

قولُہٗ : مُثْبِرًا : یہ فعلِ مقدر کَانَ ۔ کی خبر ہے یہ ثُبُور سے نکلا ہے ۔ مُثْبِرًا : ہلاک کرنیوالا ۔ اس کا مادہ ثبور ہے ۔

شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر عاقل و بالغ مسلمان پر دینی اور دینداروں کی محبت فرض اور جنّت کی چابی ہے جیساکہ دنیوی مال و دولت کی بے جا محبت اور جاہ و حشمت میں غوطہ زنی کرنا سانپ کی طرح مہلک اور خطرناک ہے ۔

چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ

فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ہ ۔۔۔ (اور جو کوئی اسلام کے سوا اور کوئی مذہب تلاش کرلے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں ہوگا اور آخرت میں ایسا شخص نقصانِ عظیم کا شکار ہوگا)۔

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اُس وقت تک ایمان والا نہیں جب تک اُسے اپنے باپ، اپنی اولاد اور سارے لوگوں سے میری محبت زیادہ نہ ہو۔ اس پر حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے نفس کے سوا آپ تو مجھے اپنے باپ اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ آپؐ نے سُنکر فرمایا۔ نہیں یعنی ایسا ایمان معتبر نہیں جب تک کہ میں تم کو تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہیں ہوں گا۔ یہ سُن کر حضرت فاروق اعظم رضؓ نے عرض کیا۔ آپؐ تو مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اَلْآنَ یَا عُمَرُ تَمَّ اِیْمَانُكَ۔ اے عمر! اب تیرا ایمان مکمل ہوگیا ہے۔

شارح رح فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں پہلے حق پہچاننا چاہیئے۔ اور اصل و فرع اور حق و باطل میں امتیاز کرنے کا سلیقہ پیدا کرنا چاہیئے۔ اس لئے حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں لَا تَعْرِفِ الْحَقَّ بِالرِّجَالِ۔ اِعْرِفِ الْحَقَّ تَعْرِفُ اَھْلَہٗ۔ کہ لوگوں سے حق نہ پہچان بلکہ حق کے ذریعہ اہلِ حق کو پہچانو۔

اسی طرح بحوالۂ شمسیہ شارح رح رقمطراز ہیں۔ کہ پہلے مُرشد و رہنما کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دے کیونکہ مُرشدِ پاک ہی تم کو خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ حق کی محبت کی طرف رہنمائی فرمائے گا۔ اسی کی طرف حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں: لِکُلِّ شَیْءٍ مِفْتَاحٌ وَمِفْتَاحُ الْجَنَّۃِ حُبُّ الْفُقَرَاءِ الصَّابِرِیْنَ ھُمْ جُلَسَاءُ اللّٰہِ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔۔۔ (ترجمہ) ہر چیز کے لئے چابی ہے اور جنّت کی چابی باخدا صبر و ضبط کرنے والے حضرات کی محبت ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے جلیس و ہمنشین ہوں گے۔

افسوس ہے کہ اب اہلِ زمانہ حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ کی اس عظیم اور دُور رس نصیحت کو

نہ صرف بھول گئے بلکہ کچھ حضرات جان بوجھ کر اس کے خلاف کرنے لگے ہیں یعنی پہلے تو حق وصداقت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ تب تو اہلِ حق اور اہلِ باطل خود بخود سمجھ لیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہم حق و باطل کو اپنے اپنے معبودانِ باطل کی سمجھ کے مطابق جاننا چاہتے ہیں۔ یعنی ہم نے حق کو لوگوں کے تابع بنا دیا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ :

یُحْشَرُ المرأُ علیٰ دِینِ خَلیلِهٖ مُخبِر است
ہم خطاب اَنْتَ مَعَ مَنْ جانبِ بُوذر رضؓ شد است

یُحْشَرُ الْمَرْأُ عَلیٰ دِیْنِ خَلِیْلِهٖ ثَابِتٌ
وَخِطَابُ اَنْتَ مَعَ مَنْ لِاَبِیْ ذَرٍّ رضؓ اُصْدِرَا

ترجمہ :۔ " حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن آدمی اپنے دوست کے دین پر اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ " کے خطاب سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضؓ کو مشرف فرمایا ہے " :

الْتَحقیقُ اللّغوی :۔

قولُهٗ : المرأُ : انسان۔ آدمی۔ اس کی جمع رِجَالٌ آتی ہے۔ ایسی جمع کو علماء نحو کے نزدیک جمع بغیر لفظہ کہتے ہیں اور مَرْءُوْنَ بھی کچھ علماء کہتے ہیں نسبت کے لئے مَرْئِیٌّ کہتے ہیں۔ اور مؤنث کے لئے اِمْرَأَةٌ کہتے ہیں۔ اس کی جمع نِسَاءٌ اور نِسْوَةٌ آتی ہے یہ بھی جمع بغیر لفظہ میں داخل ہے۔ اور هَنِیْئًا مَرِیْئًا کا معنیٰ خدا کرے کہ یہ خوراک تم کو مفید ہو۔ (بالاختصار)

قولُهٗ : دِین ۔ الدّین : مصدر، حساب، یومُ الدّین : قیامت کا دن۔ اسی سے ہے ملکیت۔ قدرت۔ حکم۔ مذہب۔ ملّت۔ حالت۔ عادت۔ سیرت۔ تدبیر۔ نافرمانی، گناہ مجبوری، فرماں برداری۔ قہر، غلبہ۔ قومٌ دِیْنٌ : اطاعت شعار لوگ ، دانَ یَدِیْنُ

دِیَانَۃً وَتَدَیَّنَ بِالْمِلَّۃِ الْاِسْلَامِیَۃِ: دینِ اسلام قبول کرنا اور دَانَہٗ، یُدِیْنُہٗ، دَیناً: قرض دینا، صفتِ فاعلی دَائِنٌ، صفت مفعولی مَدْیُوْنٌ ہے۔ یہ از روئے قواعدِ علم صرف اَجوف یائی ہے۔

قولہٗ: خلیل: اَلْخَلِیْلُ: خالص دوست، اس کی جمع اَخِلَّاء وَخُلَّانٌ آتی ہے اور مؤنث کے لئے خَلِیْلَۃٌ، خَلِیْلَاتٌ، خَلَائِل آتی ہے۔ اَلْخَلَّالُ: سرکہ فروش، اَلْاَخَلُّ: دوسرے سے زیادہ محتاج۔

قولہٗ: خِطَاب: اَلْخِطَاب: گفتگو، فَصْلُ الْخِطَاب: نصاحت خوش بیانی، فیصلہ جو قسم یا دلیل کے ساتھ دیا جائے۔ اَلْخَطَّاب: خطیب کا الحمدللہ کے بعد اَمّا بَعْدُ کہنا۔ ابوذر رض مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔

قولہٗ: اُصْدِرَ: بصیغہ مجہول از باب افعال، اَصْدَرَ الْاَمْرُ سے مشتق ہے جس کے معنی ظاہر کرنے کے ہیں۔ تَصَدَّرَ: صدرِ مجلس بیٹھنا وغیرہ وغیرہ کے۔

شعر کا ماحصل یہ ہے کہ آدمی دنیا میں جس سے محبت اختیار کرے گا وہ اُسی کے ساتھ قیامت کے دن اُٹھایا جائے گا اور جن لوگوں کے دلوں میں اللہ والوں کی نفرت اور ضد ہوگی اور جاہلوں، اور خدا نا رسیدہ لوگوں کی محبت پر مرمٹنے کیلئے تیار ہوتے ہیں وہ اچھی طرح سوچیں قیامت کے دن اُن کا حال کتنا بُرا ہوگا۔ پناہ بخدا۔

اس سلسلہ میں شارح رح خلاصۃ المناقب کے حوالہ سے مولینا نورالدین جعفر رح کا قول نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میں (نورالدین جعفری) نے حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ حضرت خُلّان کے دور دراز اطراف میں ایسے بھی لوگ ہوں گے جن کے قلوب آپ کی محبت سے معمور و سرشار ہیں لیکن مختلف اسباب موانع کی بناء پر وہ دنیا میں آپ کی خدمت اقدس میں نہیں پہنچتے۔ ان کے احوال قیامت کے دن کیسے ہوں گے۔ حضرت میر رح نے جواب میں فرمایا وہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ ہوں گے کیونکہ حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یُحْشَرُ الْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُخَالِلُ" ترجمہ:۔ فرمایا۔ کہ قیامت کے دن آدمی اپنے دوست کے دین پر اٹھایا جائے گا۔ پس تم

ہیں سے ہر ایک دیکھے کہ وہ دنیا میں کس سے دوستی کرتا ہے اور دوسری حدیث میں فرمایا "اَنْتَ مَعَ مَنْ خَالَلْتَ یَا اَبَاذَر۔ "تم اپنے دوست کے دین پر اٹھو گے اے ابوذر رضؓ۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ نے حضرت اَبُوذَرِ غِفَارِی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو فرمایا کہ اگر تم نیک ہو گے تو ہمارے ساتھ ہو گے اور تو نیک نہ ہو گے تو ہمارے سپرد کئے جاؤ گے۔ دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ نیک ہوں گے تو ہمارے ساتھ ہوں گے اور اگر نیک نہیں ہوں گے تو تم کو ہمارے طفیل بخشیں گے ؛ فالحمد للّٰہ رب العلمین خلاصہ کے آخری روایت کے الفاظ گرامی یہ ہیں : "و بلفظ جمع نیز فرمودہ است کہ اگر نیک باشید باما باشید و اگر بد باشید شمارا بما بہ بخشند۔"

واضح رہے کہ مذکور الذکر حدیث متعدد سندوں اور مختلف الفاظ سے منقول ہے۔ اور یاد رکھو کہ محبت کی چار قسمیں ہیں : (۱) خُلَّتِ تامہ حقیقی روحانیہ (۲) محبتِ قلبیہ (۳) محبتِ عقلیہ (۴) محبتِ نفسانیہ۔ اول کی مثال متناسبِ ارواح اور ان کی محبت جیسے انبیاء و مرسلین اور صدیقین و شہداء و صالحین کی ارواحِ طیبہ کا باہمی روحانی ایتلاف و محبت ہے۔

سَروِ آزاد از زر آمد دائما سر سبز است
زُود از شومیتِ زر ابتر آں عبہر شد است
اِنَّ شَمْشَادٍ حُرٍّ مِنْ تِبْرٍ یَدُومُ اَخْضَرَا
وَبِشُوْمِ الذَّھَبِ عَبْھَرٌ سَیَعُوْدُ اَصْفَرَا

ترجمہ :- درختِ سرو مال و دولت اور طمع و لالچ سے آزاد اور بے نیاز ہونے کی وجہ سے ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ اس کے برخلاف نرگس کی رغبت سونے اور مال و دولت کی طرف ہے۔ اسی دولت کی نحوست سے اس پر زردی فوراً چھا جاتی ہے اور اس کی سبزی و شادابی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

قولہٗ : عَبْھَرٌ، اَلْعَبْھَرُ : نرگس کا پھول، چنبیلی۔ اَلْعَبَاھِرُ : بھرے جسم والا۔ لمبا۔ قولہٗ : اَخْضَرُ : بہت سرسبز شاداب ہونے والا۔ صیغہ اسم تفضیل۔ مؤنث کے لئے خَضْرَاءُ آتا ہے۔ اس کا مادہ خَضِرَ خَضَرًا سے ہے سرسبز ہونا۔ خضر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کا اسم مبارک۔

ہے جس کا ذکر سورۂ کہف میں پایا جاتا ہے اس نام سے وہ اس لئے مشہور ہوئے کہ جہاں تشریف فرما ہوتے تھے تو وہ جگہ سرسبز و شاداب ہوتی تھی۔ ان کی کنیت ابوالعباس ہے
قولہٗ: اَصفر: زرد رنگ والا، مؤنث کے لئے صَفراءُ آتا ہے اس جگہ اس کا مادہ اَلصفرۃ ہے سنہری رنگ، زرد رنگ، سیاہی

شُد گر دل حرصِ مالت خارشِ آں جستجوے!
مُستمر تا وقتِ مرگت خارشِ ایں گر شُد است

طَمعُکَ لِلمالِ جَربٌ فِکرُہٗ ذَنبٌ عَظِیمٌ
وَیکُونُ ذَالِکَ الجَربُ اِلَی المَوتِ مُثبِرًا

ترجمہ:۔ "اگر تمہارا دل مال و دولت کی ہوس میں پڑا۔ تو سمجھ لے یہ ایک قسم کی خارش ہے اور مرتے دم تک یہ خواہش تمہارے ساتھ چپٹ جائے گی۔ یہاں تک تجھے ہلاک کریگی۔"

اَلتَّحقِیقُ اللُّغوِی:

قولہٗ: جَربٌ، جَرِبَ (س) جَربًا: خارش والا ہونا۔ کھجلی والا ہونا صیغۂ صفت اَجرَبُ آتا ہے۔ اَجرَبَ القَومُ = قوم کے اونٹوں کا کھجلی کی بیماری میں مبتلا ہونا۔ اَلجِربیاءُ: شمالی ہوا یا اس کی ٹھنڈک قولہٗ: مُثبِرًا: ہلاک کرنے والا اسم فاعل باب افعال کا۔ پہلے اس کی پوری تحقیق آچکی ہے۔ مادہ اس کا ثبور ہے بمعنی ہلاکت۔ خدا تعالیٰ بچائے۔

قولہٗ: مُستمر = باقی رہنے والا، جاری رہنے والا، یہ باب اِستفعال کا اسم فاعل ہے جس کے معنی گذرنا۔ جانا۔ ایک حالت یا طریقہ پر باقی رہنا۔ ہمیشگی کرنا۔

باقی الفاظ کے معانی واضح اور ظاہر ہیں۔

خُلاصۂ شعر:۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
یَشِیبُ ابنُ اٰدَمَ وَتَشِیبُ فِیہِ خَصلَتَانِ الحِرصُ وَطُولُ الاَمَلِ:

آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کی دو خصلتیں جوان ہوتی جاتی ہیں۔ایک مال و دولت کی لالچ۔
دوسری خصلت امیدوں اور بے فائدہ آرزؤں کی فراوانی و زیادتی کا پیدا ہونا۔

قطعہ:۔ آدمی را زپیری افزاید ہر زمان در بنای عمر خلل
لیک در وی جوان شود دو صفت حرص بر جمع مال و طول امل

یعنی آدمی جتنا بوڑھا ہو جاتا ہے تو اسی کے مطابق جسمانی قوتوں میں کمزوری اور خلل پیدا ہوتا ہے
مگر اس کی دو صفتیں بڑھتی ہی جاتی ہیں ۱۔ لالچ اور ۲۔ لمبی امیدیں

نیست عاقل آنکہ عمری در غرور و غافلی
بودہ و غافل ز توبہ تا دم غرغر شد است

فَالْغَبِیُّ مَنْ اَضَاعَ عُمْرَہٗ فِیْ غَفْلَۃٍ!
ثُمَّ اَضْحٰی نَاسِیًا مِنْ تَوْبَۃٍ حَتّٰی غَرْغَرَا

ترجمہ:۔ ”وہ شخص عین نادان ہے کہ جس نے اپنی عمر عزیز فریب و غفلت میں گذاری یہاں تک کہ اسکی موت بھی بغیر توبہ واقع ہوئی ہے۔“

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیْ:۔

قولہٗ؛ غُرُوْر: دھوکہ دینا، باطل کی طرف رغبت دلانا، محاورہ میں بولتے ہیں:۔ مَا غَرَّكَ بِفُلَانٍ: یعنی تو نے اس کے خلاف کیسے جرأت کی۔ قرآن مجید میں بھی آیا ہے: یَا اَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْم۔ غرض کہ یہ لفظ عربی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے
قولہٗ؛ غَرْغَرَ: کہتے ہیں۔ اَلدُّنْیَا الْغَرُوْرُ: غرغرہ کی دوائیں یہاں زندگی کے آخری لمحات مراد ہیں۔ اسی سے ما لم یُغَرْغِرْ آیا ہے ”جب تک آخری سانس نہ لے“۔ باب دَحْرَجَ سے بولا جاتا ہے۔ قولہٗ نَاسِیًا: نسیان سے بھولنے والا۔ قولہٗ؛ اَلْغَبِیُّ؛ غَبِیَ (س) غَبَاوَۃً = اَلشَّیْ وَعَنْہُ: کسی کی بات نہ سمجھنا، ناواقف رہنا۔ غَبِیَ الشَّیْئُ عَلَیْہِ: کسی امر کا

مخفی رہنا، اَلْغَبِیُّ: کم سمجھ، جاہل اسکی جمع اَغبیاءُ، اَغباءُ بھی آتی ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ آدمی کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے اس لئے آدمی کا بالکل گناہوں سے بچنا ناممکن ہے۔ ہاں فرشتے گناہوں سے پاک ہیں۔ اس لئے مریدوں اور سالکوں کا پہلا قدم توبہ اور رُجوع الی اللہ ہوتا ہے۔ اُن کو اس کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ نسبت قوی ہوتی ہے اور توبہ و استغفار نہ کرنے والوں کی نسبت شیطان کے ساتھ قریب ہوتی ہے۔ پس سب سے بڑا نادان وہ ہے جو مرتے دم تک استغفار اور توبہ سے غافل رہ کر دھوکہ اور خواب غفلت میں سو پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی توبیخ کرکے فرمایا "آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ کیا عذاب دیکھ کر تو ایمان لاتا ہے۔ ہم نے تمکو بہت مہلت دی تھی تو معلوم ہوا عقلمند وہ ہے جو شروع ہی سے ندامت، استغفار اور توبہ میں رہے۔

شعر:

کار ما چیست گناہ ورزیدن
عادتِ تو گُنہ آمرزیدن

اس لئے احادیث شریفہ میں آیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بایں عظمت ستر مرتبہ روزانہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی استدعا فرماتے تھے (صلی اللہ علیہ وسلم)

شُد گرفتارِ پشیمانیٔ اکبر تا اَبد!!
ہر کہ زیرِ چشمش گُناہِ خویش مُستصغر شد است!

صَارَ نَدْمَانًا عَظِيمًا آسِفًا حَتَّى الْأَبَدْ
اَلَّذِي فِي عَيْنِهِ الذَّنْبُ لَا ضْحَى اَصْغَرًا

ترجمہ:۔ "جس شخص کو اپنا گناہ حقیر اور معمولی دکھائی دیا ہے وہ قیامت تک پشیمان ہوگا ـــــ"

اَلتَّحْقِيقُ اللُّغَوِيُّ:

قولہٗ: مُستصغر: باب استفعال کا اسم مفعول کسی چیز کو حقیر اور معمولی جاننا صِغَرٌ اس کا اصل ہے۔ صَغَارٌ: ذلت کو کہتے ہیں پناہ بخدا۔ باقی الفاظ کی تحقیق سابق اشعار میں آچکی ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے۔ کہ وہ شخص ہمیشہ پشیمان رہے گا۔ جس نے اپنے گناہ کو حقیر اور معمولی جانا۔ بلکہ مومن کامل کی علامت یہ ہے۔ کہ اپنے معمولی گناہ سے لرزہ براندام ہو جائے اور فوراً اس سے تائب ہو جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مومن اپنے چھوٹے گناہ کو بھی پہاڑ کی طرح دیکھتا ہے کہ کہیں اس کے نیچے دب کر فنا نہ ہو جائے۔ اور آپ نے فرمایا: منافق اپنے گناہ کو مکھی کی طرح دیکھتا ہے جو گھاس کے تنکہ پر بیٹھکر اڑ جاتی ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ گناہ صغیرہ پر مداومت کرنے سے وہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے۔ کبیرہ گناہ وہ ہے جس کی ممانعت کتاب و سنت میں صراحت کے ساتھ آئی ہو۔ کبیرہ گناہوں کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابوطالب مکی کے نزدیک سترہ ہیں۔ میں نے **بصیرۃ السلوک شرح ذخیرۃ الملوک** اور خود کتاب ہذا میں بھی انکی تعداد پیش خدمت کی ہے۔ لہذا اس جگہ ان کے پھر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف یاد رکھئے کہ اگر کسی وقت گناہ صادر ہو جائے تو خوف میں رہئے کہ کہیں یہی گناہ میرے لئے باعث خسران و شقاوت نہ ہو جائے لہذا کثرت سے استغفار اور توبہ میں رہا کیجئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہمہ وقت استغفار کی دولت مانگا کیجئے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے: "اِنْ تَغْفِرِ اللّٰھُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا فَاَیُّ عَبْدٍ لَکَ لَا اَلَمَّا۔" کہ اے مولیٰ! جب آپ مغفرت کرنے پر آئیں گے تو تمام گناہوں کی مغفرت فرمایئے وہ کون سا شخص ہوگا جو گناہ و لغزش میں آلودہ نہ ہوا ہو؟ اَللّٰہُ اَکْبَرُ!

> از گنہ گشتہ پشیمان ہر کہ استغفار کرد!
> پیش پیراں آں گناہِ اکبرش اصغر شد است
>
> اَلَّذِیْ اسْتَغْفَرَ رَبَّہٗ نَادِمًا لِذَنْبِہٖ
> ذَنْبُہُ الْاَکْبَرُ اَضْحٰی عِنْدَ شَیْخَانٍ اَصْغَرَا

ترجمہ:۔ "جو شخص پوری پشیمانی و ندامت کے ساتھ اپنے گناہوں سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا دست بدعا ہوا اور آئندہ محتاط رہنے کا عزم بالجزم کیا تو مشائخ کرام اور پیرانِ طریقت کے نزدیک اس کے بڑے گناہ بھی حقیر اور معمولی بن جاتے ہیں۔ کہ یہ سچے توبہ کی خاصیت ہے۔"

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ جو کوئی گناہوں میں مبتلا ہونے کے بعد پوری ندامت و پشیمانی کے ساتھ پچھلے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے طالبِ مغفرت ہو اور یہ کہ آئندہ کے لئے گناہوں اور معصیت سے باز رہنے کا عزم و یقین کرے تو اس کے بڑے گناہ بھی عموماً بن جاتے ہیں کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ کہ گناہوں سے سچی توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے کہ گویا اُس نے گُناہ ہی نہیں کیا تھا۔ اور آپ کا (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بھی ارشادِ عالی ہے:۔ "اَلتَّوْبُ النَّدَامَۃُ" توبہ ندامت اور پشیمان ہونے کا نام ہے۔ مگر شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ توبہ قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ مرشدِ کامل کے پاس کرے اور اُن کو اپنے گناہ سے واقف کرے۔ اُس کی عقلی وجہ تو یہ ہے کہ پیرانِ طریقت اور مرشدین راہِ ہدایت بمنزلۂ طبیبِ حاذق ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کی مغفرت و قبولیتِ توبہ کے لئے دعا فرمائیں گے اور آئندہ محتاط رہنے کے طریقے فرمائیں گے۔ اور توبہ کرنے والے کو احساس ہو جائے گا کہ میں نے مُرشدِ کامل کے سامنے توبہ کی ان پر میرا حال پوشیدہ اور مخفی نہیں رہیگا۔ لہٰذا توبہ تو مرشدِ کامل کے پاس کرنا نہایت سود مند ہے اور نقلی وجہ یہ ہے کہ پیرانِ طریقت اور رہنمایانِ طریقت نائبِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صحابہ کرام رضؓ بھی عموماً اپنی مزعومہ کوتاہیوں پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر استغفار اور توبہ کرتے تھے۔ یہ طریقہ تب سے اب تک برابر جاری ہے اور شارح رح نے آیت وَلَوْ اَنَّھُمْ سے اس پر استدلال کیا ہے۔ ھٰذِہٖ نُبْذَۃٌ مِّمَّا قَالَ الشَّیْخُ فِیْ شَرْحِہٖ فَاِنْ تَشْتَ التَّفْصِیْلَ فَرَاجِعِ اِلَیْہِ فَاِنَّ وَظِیْفَتِیْ ھُوَ التَّعْرِیْب فقط

توبہ مقبول آں باشد کہ با ذکرِ گناہ!
غافر الذنب از زبانِ شیخ مُستغفر شد است

اِنَّ مَقْبُوْلَ الْمَتَابِ مَنْ یَّقُلْہُ شَیْخُہٗ!
اِنَّ غَفَّارَ الذُّنُوْبِ مَا ارْتَکَبْتَ غَفْرًا!

ترجمہ:۔ غفار الذنوب پروردگار کے پاس اس شخص کی توبہ مقبول ہوتی ہے جس کو اپنا مُرشد رجوع فرمائے

کہ جا تیرے گناہوں کو ربِ غفور نے مغفرت فرمایا ہے یا یہ کہ مرشدِ کامل بھی اس کے لئے بارگاہِ ایزدی میں مغفرت کا خواستگار ہو جائے۔"

التحقیق اللغوی:۔

قولہ؛ المتاب: تَابَ (ن) تَوْبًا وَتَوْبَۃً وَتَابَۃً وَمَتَابًا وَتَتْوِبَۃً إِلَی اللّٰہ گناہ سے روگردانی کر کے اللہ تعالیٰ کیطرف متوجہ ہونا، نادم و پشیمان ہونا، صفت تائبٌ۔ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کے گناہ معاف کر کے اُس کو اپنے فضل و کرم سے نوازا۔ اِسْتَتَابَہٗ: توبہ کی ترغیب دینا۔ **قولہٗ؛** غَفَرَ۔ غَفَرَ الشَّیْءَ = ڈھکنا، چھپانا۔ اَلرَّجُلَ = کسی کو غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ کہنا۔

خلاصۂ شعر:۔ دراصل یہ شعر اپنے ماقبل شعر کے لئے تاکید ہے یعنی از روئے علم معانی یہ شعر تاسیس کا درجہ نہیں رکھتا بلکہ تاکید ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ توبہ کرنے والا اس طرح ندامت کے ساتھ مرشدِ کامل کے سامنے توبہ کرے کہ مرشد کامل کو بھی اسکی حالت دیکھکر یقین ہو جائے کہ اسکی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے لہذا وہ اپنی مقدس زبان سے کہتے کہ جا تیری توبہ قبول ہوئی یا یہ مطلب ہے کہ شیخ کامل بھی اپنی زبان سے اس کے لئے دعاءِ مغفرت فرمائے تب توبہ قبول ہو گی۔

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں:۔ شعر:۔

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم　　بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

ہاں غافر الذنب: گناہوں کا بخشنے والا صرف باری تعالیٰ ہے مرشدِ کامل اس کے لئے وسیلہ اکبر ہے۔ اور مرشدِ کامل سے مراد واقعی اور حقیقی مرشد ہے نہ کہ بازاروں میں پھرنے والے دُزدانِ عرب کا قافلہ ہے۔

از معاصی پاک شد با توبۂ پاکِ نصوح
ہر کہ بعد از توبہ ہمچوں میّتِ مقبر شُد است

قَدْ تَزَکّٰی مِنْ مَعَاصِیْ کَالنَّصُوْحِ بِالْمَتَابِ
مَنْ یَکُوْنُ بَعْدَ تَوْبَۃٍ مِثْلَ مَیِّتٍ اُقْبِرَا

ترجمہ:۔ "توبۂ نصوح کی بدولت وہ شخص گناہوں سے پاک وصاف ہوگیا ہے جو توبہ کے بعد اس مردہ کی طرح ہوا ہو کہ جس کے لئے قبر کھودی گئی اور اس میں اس کے دفنانے کا انتظام کیا گیا ہو۔"

التَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیْ:۔

قولہٗ: معاصی، مَعْصِیَۃ کی جمع، گناہ، لغزش۔ اَلْعَصِیُّ = نافرمان، گنہگار (ج) عِصْیَانٌ اور اَعْصِیَاءُ آتی ہے۔ قولہٗ: نصوح، نَصَحَ۔ (ن) نُصْحًا، نُصْحًا، نَصَاحَۃً نِصَاحَۃً۔ فلانًا وبفلانٍ نصیحت کرنا، خالص ہونا، صاف ہونا۔ نَصَحَ تَوْبَتَہٗ: سچی اور پختہ توبہ کرنا۔ اَلْعَمَلَ: خالص طریقہ سے کرنا۔ العسل: شہد صاف کرنا، الثوب: کپڑا سینا۔ نَصَحَ الْغَیْثُ الْبَلَدَ: بارش کا زمین کو سیراب کر کے سبزہ سے ڈھک دینا۔ سورۂ تحریم میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو تاکید فرمائی "تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ط" اے ایمان والو! اللہ کی طرف اپنے گناہوں پر سچی توبہ کرو۔" توبۂ نصوح یہ ہے کہ توبہ کرنے والا اس بات کا پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنے سے پرہیز کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ توبۂ نصوح یہ ہے کہ دل میں پشیمان ہو جائے زبان سے مغفرت مانگے اور جسم سے گناہوں سے پاک رہے اور دل میں نیت کرے کہ آئندہ ہر قسم کے گناہوں سے دور رہے یہ بھی مشہور ہے کہ نصوح ایک شہوت ران شخص کا نام تھا جس کو حق تعالیٰ نے توبہ کی توفیق ارزانی کی اور ارشاد الم یدین میں مذکور ہے کہ توبہ کرنے والے پر واجب ہے کہ اس کا کھانا پینا، اور پوشش ولباس حلال ہو اور ریاضت ومجاہدہ کی بقدر طاقت کوشش کرے اور لوگوں سے جو زور زبردستی کے مال لوٹا ہو اس کو ان کی طرف واپس کرے تب توبہ کرنے والے کی توبہ سچی مانی جائے گی۔ پوری تفصیل شرح میں دیکھئے قولہٗ: مَیِّتٍ: اسکی جمع اَمْوَات۔ مَوْتٰی۔ مَیِّتُوْن آتی ہے۔ المَیِّتُ کی جمع مَیِّتُوْن آتی ہے

جس کے معنی مُردہ اور مُردے کے آتے ہیں۔ اور مؤنث کے لئے مَیْتَۃٌ، مَیْتَات اور مَیِّات آتی ہے۔ قولہٗ: اَقْبَرَ۔ اَقْبَرَہٗ، کسی کو دفن کرنے کے لئے قبر بنانا۔ اَقْبَرَ الْقَوْمَ، قوم کو مقتول کے لئے دفن کرنے کی اجازت دینا۔ اَلْمَقْبَرُ: آدمی کے دفن کرنے کی جگہ۔ جمع قبور آتی ہے۔ مَقْبَرٌ: قبروں کی جگہ۔ قبور اسکی جمع آتی ہے۔ قبر کا ہم معنی لفظ جَدَثٌ بھی ہے۔ جمع اَجْدَاث۔ قرآن کریم میں ہے: فَاِذَا هُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۔

خُلَاصَۃُ الشِّعْر: یہ ہے کہ گناہوں سے سچی توبہ کرنے والے کی علامت یہ ہے کہ وہ آئندہ گناہوں سے اس طرح ڈرتا ہو جس طرح وہ شخص لرزہ براندام اور خوف زدہ ہوتا ہے جس کے دفنانے کا انتظام و انصرام ہو رہا ہے۔ ایسے ہی توبہ کرنے والے پکے تائب ہوتے ہیں۔ کہ گویا انہوں نے کبھی گناہ ہی نہیں کئے اور ایسے لوگوں کے لئے مغفرت کا وعدۂ الٰہی ہے۔

این تنِ آلودۂ غر بسپرید اُورا کہ چوں!
فرِ ارشادش زغر شوید چوں فرغر شداست

فَوِّضُوْا جِسْمِی الْكَثِيْفَ اِلَى الشَّيْخِ اِنَّمَا
فَرُّ اِرْشَادِهٖ مِنَ الْغِرِّ كَمَاءٍ طَهَرَا

ترجمہ:۔ "اس میرے غفلت و غرور سے بھرے ہوئے جسمِ کثیف کو میرے آقا مرشدِ کامل کے سپرد کردو تاکہ ان کی قیمتی رہنمائی اور اُن کے ارشاداتِ عالیہ میری روحانی کثافت اور اندرونی آلودگی کو آبِ رواں کی طرح دھو ڈالیں گے۔"

التَّحْقِيْقُ اللُّغَوِی:۔

قولہٗ: غر = اس سے غفلت اور روحانی آلودگی وکثافت مراد ہے۔ قولہٗ: فرٌ زیب و زینت مقصود ہے۔ محاورہ ہے هُوَ فَرُّ قَوْمِهٖ وَ فُرَّتُهُمْ: کہ وہ اپنی قوم کا بہترین آدمی ہے

دوسرے غش، سے کبر و غرور مراد ہے۔ قولہٗ؛ فرغر: یہ مضاعف رباعی ہے مجرد میں فرغ (س) فراغاً سے بولا جاتا ہے چنانچہ فرغ الماءُ کا معنی پانی کے گرنے کے ہے۔ افرغ و فرّغ کا معنی ہے اس کا پانی گرایا ہے۔ اسی سے قرآن کریم میں "ربنا افرغ علینا صبراً" آیا ہے۔ مولیٰ! ہم پر صبر و استقامت انڈھیل دے۔

خلاصۂ شعر: جیسا کہ لب اللباب میں ہے کہ اولیاء اللہ کی سرپرستی اور آپ رحمت لوگوں کی گندگیوں اور آلودگیوں کو پاک کرتا ہے پھر اللہ جل شانہٗ کی رحمت سے سب آلودگیاں پاک ہوتی ہیں اور شعر مذکور میں اپنے مرشد کامل حضرت شیخ حمزہ قدس اللہ سرہٗ کی مکمل رہنمائی کی طرف اشارہ اور آنجناب پر مکمل اعتماد کا اظہار ہے۔ اللّٰھم احشرنی معھم ط

شارح رحمہ اللہ نے اس موقع پر جناب مولینا احمد گنائی حاجی کا واقعہ لکھا ہے کہ موصوف حضرت شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیعت اور مرید ہونے کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے حسب عادت اُن کو استخارہ کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ مولینا احمد گنائی نے استخارہ کیا۔ اور خواب میں اپنے آپ کو مختلف پلیدگیوں سے آلودہ دیکھا اور فوراً خواب میں اُٹھے اور خانقاہ معلی کے دریا کے کنارہ پر غسل کرنے لگے۔ اور اپنی آلودگیوں کو صاف کرنا چاہا۔ اتفاقاً وہاں سے ایک صاحب گذرے۔ انہوں نے شیخ موصوف کو فرمایا کہ تم فوراً دربار صداقت آثار حضرت شیخ حمزہ مخدومی رح میں حاضر ہو جاؤ وہی تم کو ان پلیدیوں اور آلودگیوں سے صاف و پاک فرمائیں گے۔ چنانچہ اس خواب سے بیدار ہوتے ہی مولینا احمد گنائی حاضر دربار اقدس ہوئے اور خواب کا ماجرا کما جری بیان کیا۔ تو آنجناب نے ان کو بیعت کے لئے قبول فرمایا۔ اللّٰہُ اکبرُ:

اشعار:۔ رحمت اہل خصوصند اولیاء | مظہر غفران او بند اولیاء
تا فروشویند مارا از الم! | از ضیا گیرند رحمت دمبدم

اور یاد رکھنا چاہیئے:۔

چوں رُوم آلودہ بانہ آنجا روم | سوی اصل اصل پاکی ہا رُوم

(والتفصیل فی الشرح)

جُفتِ اِرشاد و ارادت را وِلایت زادہ است
ورنہ ہیچ زن عادۃً زایندہ بے شوہر شُد است

اَلْوِلَایَۃُ زُوِّجَتْ مِنْ اِرْتِشَادٍ وَالرَّشِیْد
غَیْرُ عَذْرَاءَ لَمْ تَلِدْ مِنْ دُوْنِ زَوْجٍ قُنْبَرًا

ترجمہ:۔ "اولیاء اللہ کی ولایت مُرید صادق کی سچی ارادت اور رہبر کامل کی کمال توجہ یعنی ان دونوں کی باہمی آمیزش ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ سُنّتُ اللہ یہی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے بغیر کسی عورت نے خاوند کے بغیر بچہ یا بچی کا جنم نہیں دیا اور نہ دیگی۔

التَّحقِیقُ اللُّغوی:۔

قولُہٗ: اِرْتِشَاد: مصدر۔ ہدایت و رہنمائی طلب کرنا۔ قولُہٗ: اَلرَّشِیْدُ: سیدھی راہ چلنے والا، ہدایت یافتہ، ہدایت کرنے والا یعنی مُرشد۔ مزید تفصیل المنجد میں ملاحظہ فرماویں۔ قولُہٗ: دُوْنَ: سوا کے معنی میں آتا ہے۔ قولُہٗ: زوج: خاوند، بیوی دونوں پر اُس کا اطلاق ہوتا ہے علم الحدیث میں کثرۃ سے عن عائشۃ رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم مذکور ہے۔ قولُہٗ: قُنْبَر، القُنْبَرۃ = ایک پرندہ جس کو چنڈول اور چکاوک کہتے ہیں۔ اُس کی جمع قنابر ہے۔ القُنْبُرۃ = پرندہ کے سر پر کھڑے ہوئے زائد بال یعنی کلغی کو کہا جاتا ہے۔ دجاجۃٌ قُنْبَرانیۃٌ کلغی والی مُرغی یہاں مجازاً اولاد مراد ہے۔ کہ حقیقت اور مجاز میں علاقہ ظاہر ہے۔ یعنی جس طرح ازدواجی تعلقات سے نوع انسانی کا مقصد بقا و تحفظ ہے۔ اس کے لئے مرد و زن کی آمیزش اور صحبت ضروری ہے اسی طرح ولایت بھی مرید صادق کی سچی ارادت اور مرشد کامل کی پوری توجہ کی ضرورت ہے ورنہ ولایت عموماً حاصل نہیں ہوگی۔

خلاصۂ شعر:۔ کہ جس طرح اولاد مرد و زن کی آمیزش و میل جول سے پیدا ہوتی ہے

اسی طرح ولایت اولیاء اللہ مرید صادق کی سچی ارادت اور اس کے رہبر کی کمال توجہ کے بغیر ممکن نہیں
ہے۔ لہذا مرید اور پیر کو اپنی اپنی ذمہ داری کا پورا احساس رکھنا چاہیئے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:۔ اعتراض یہ ہے کہ شارح رحمہ اللہ نے بایں علم و کمال یہ کیسے فرمایا
کہ کوئی عورت خاوند کے بغیر بچہ یعنی اولاد کا جنم نہیں دے سکتی۔ حالانکہ بالاتفاق اللہ تعالیٰ نے حضرت
مریم علیہا السلام کو خاوند کے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام عطا فرمایا۔ اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ شارح رح
نے ہیچ زن زایندہ فرمایا۔ یعنی شعر میں مرد و عورت کو جمع کیا گیا ہے۔ اس جمع میں ہر ایک صنف کی جنسی
خواہشات و لوازم داخل ہیں اس لئے رَجُلٌ کا مقابل اِمْرَأَۃٌ آتا ہے اور مرد کا مقابل زن ہے پھر
اس لفظی تقابل میں دونوں کی خواہشات داخل ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت مریم ؑ کا سوال ہی پیدا نہیں
ہوتا۔ اس ہمارے تحقیقی جواب پر یہ قرینہ کافی ہے کہ قرآن مجید نے حضرت مریم ؑ کی نظافت و پاکدامنی ظاہر
کرنے کے لئے اُن پر اِمْرَأَۃٌ کا لفظ اطلاق نہیں کیا ہاں اُن پر اُنثیٰ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس سے
جنسی مباشرت متبادر فی الذہن نہیں ہوتی یا یوں کہیئے کہ مَا مِنْ عَامٍ اِلَّا خُصَّ عَنْہُ الْبَعْضُ
مگر ہمارا جواب یہ ہے کہ دنیا کی عورتوں میں سے صرف حضرت مریم ؑ کا لقب عَذْرَاءُ ہے۔ یعنی بے خاوند۔
بہر حال شارح رح کے علمی کمالات کی داد دیجیئے۔

ہر کہ خود را کرد تسلیم چنیں پیری بصدق
در امان از مکر نفس ظالم امکر شد است

نَفْسَہٗ مَنْ فَوَّضَ صِدْقًا لِمِثْلِ شَیْخِنَا
قَدْ نَجَا مِنْ شَرِّ خَنَّاسِ الظَّلُوْمِ اَمْکَرَا

ترجمہ:۔ "جس شخص نے اپنے آپکو سچے دل اور پورے اخلاص سے ہمارے جیسے پیر کامل کے سپرد کیا
تو اُس نے نفس ظالم مکار شیطان صفت کے شر سے نجات پائی۔"

التحقیق اللغوی:۔ قولہٗ: تسلیم = کسی کے سپرد کر دینا، حوالہ کرنا۔ اس کا

ہم معنی تفویض ہے اور وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

قولہٗ : ظالم = یہ ظلم سے ہے کسی چیز کا غلط استعمال، کسی چیز کو غیر محل میں رکھنا۔ شرارت، حق کی کمی، وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ۔ قولہٗ : امکر (ن) مکرًا الرَّجُلَ۔ دبہٖ : دھوکا دینا۔ مکر اللّٰہ فلانا = اللہ نے اسے مکر کی سزا دی۔ المکار والمکر = بہت مکر و فریب کرنے والا۔ الامکر = محلاً مجرور اور لفظاً منصوب ہے۔

خلاصۂ شعر :۔ لبّ اللباب میں لکھا ہے کہ پیرِ پُر تو منیر کی رہنمائی اور توجہ کے بغیر نفسِ امّارہ کے شر و ضرر سے بچنا محال اور ناممکن ہے۔ کیونکہ خود ظاہری بیمار یا باطنی بیمار اپنی بیماریوں پر مطلع ہو کر ان کا علاج نہیں کر سکتا ہے۔ لہٰذا مرشدِ کامل بمنزلہ طبیبِ حاذق کے ہے۔ اس لئے اس کے روحانی نسخۂ کیمیا اثر کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ وہ بھی قرآن و حدیث اور اہلِ قرآن و اہلِ حدیث ہی سے ماخوذ یا مستنبط ہو گا۔

دُرِّ عرفان گر بخواہی جو چنیں دریا دلے
دُر جیاں یا بد کسی کو مقصدش جعفر شد است

اِنْ تَمَنَّیْ دُرَّ عِرْفَانٍ فَابْغِ شَیْخًا کَالْبَحْرِ
لَنْ یَنَالَ الدُّرَّ قَطُّ مَنْ یَغُوْصُ جَعْفَرًا

ترجمہ :۔ ”اگر تم معرفتِ الٰہی کے موتیوں کے حاصل کرنے کی تمنا اور خواہش رکھتے ہو تو ایسے مرشدِ کامل کی تلاش میں رہو جس کی قلبی وسعت سمندر جیسی ہو اور وہ شخص موتیاں کیسے پائے گا۔ جو ندی نالوں میں غواصی و غوطہ زنی محدود رکھے گا۔“

التحقیق اللغوی :۔

قولہٗ : دُرِّ عرفان۔ دُرّ = بڑے موتی۔ واحد دُرَّۃٌ ہے۔ اس کی جمع دُرَرٌ و دُرّات آتی ہے۔ دَرٌّ کے معنی دودھ اور خیرِ کثیر کے آتا ہے۔ جیسے دَرَّ لِلّٰہِ دَرُّہٗ، وَلِلّٰہِ

درّتْ ابیلہ: ابن قیم رح نے اعلام المعوقین میں بکثرت یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

قولہٗ: جعفرؔ ۔ الجعفر: دریا، ندی، بہت دودھ دینے والی اونٹنی یہاں پر قرینہ سے ندی مراد ہے۔ اس کا تیسرا معنی خربوزہ اور چوتھا معنی گدھے کے آتا ہے۔

فارسی شاعر کہتا ہے: ؎

جعفر اندر معانی آمد چار ... جوئے، خربوزہ، نام مرد، حمار

خلاصۂ شعر یہ ہے کہ اگر کوئی معرفت و روحانیت کے انمول موتیوں کا طالب اور خواستگار ہو تو اسے ایسے مرشد کامل کی تلاش و جستجو میں رہنا چاہیئے کہ جس کا قلب مبارک سمندر جیسا وسیع اور کشادہ ہو اور جو اپنی پاک و پاکیزہ تربیت و سرپرستی سے مسِ خام کو کیمیا بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور جو اناڑی رہبر پر قناعت کرے وہ طالب کو فائدہ نہیں بلکہ نقصان پہنچائے گا۔ رہبر کامل کو سمندر سمجھو جس میں موتیاں اور لعل و جواہر ہوتے ہیں۔ اناڑی پیر کو ندی نالہ سمجھو اس میں تیراکی کرنے سے حسرت و افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

ہر سعیدے را کہ عشق و شوق حق در سر فتاد
عشقِ پیرش گو کہ بہرِ عشقِ حق قنطر شد است

وَالَّذِیْ فِیْ سِرِّہٖ عِشْقُ الْکَرِیْمِ جَاوَرَا
قُلْ لَہٗ قَدْ صَارَ عِشْقُ الشَّیْخِ لِلّٰہِ قَنْطَرَا

ترجمہ:۔ "اور وہ نیک بخت جس کے دل میں ربّ کریم کا عشق و محبّت جاگزیں ہو جائے تو اس سے کہہ دو کہ اپنے مُرشد کے عشق و محبت میں فنا ہو جائے، کیونکہ پیرِ کامل کی محبت عشقِ الٰہی کے لئے مانند پل کے ہے"۔

التّحقیقُ اللّغوی:۔

قولہٗ: اَلسِّرُّ: ج اسرار: بھید، راز کو کہتے ہیں۔ صدورُ الاحرار قبورُ الاسرار: شرفاء کے سینے بھیدوں کے لئے قبریں ہیں۔ رَجُلٌ سِرِّیٌّ = کاموں کو خفیہ طریقہ سے کرنے والا۔

اور کہتے ہیں۔ فُلَانٌ سِرّ ھٰذَا الْاَمْرِ کہ فلاں شخص اس معاملہ سے واقف ہے عیسائیوں کے یہاں ایک علامت و نشانی ہے جس کے متعلق اُن کا گمان ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تزکیہ نفوس کے لئے متعین فرمایا تھا۔ قولہٗ: جَاور۔ مُجَاوِرۃ سے متصل اور پیوست ہونا، یہاں اس سے عشقِ الٰہی کا دل میں جم جانا مُراد ہے۔

قولہٗ: عشق، محبت کرنا، محبت میں حد سے بڑھ جانا۔ مذکر کے لئے صیغہ صفت عاشق۔ جمع الجمع عُشَّاق مؤنث کے لئے صیغہ صفت عَاشِقَۃ اور جمع الجمع عَوَاشِق آتی ہے۔

قولہٗ: قنطرۃ: آخر سے ضرورت شعری کی وجہ سے ۃ حذف کی گئی ہے۔ بمعنی پُل اور بلند عمارت اس کی جمع قَنَاطِر آتی ہے۔ اَلْقِنْطَارُ: ایک وزن جس کی مقدار مختلف اوقات میں مختلف ہوتی رہی ہے۔ خُلَاصۂ شعر یہ ہے:۔

کہ عشق کی دو قسمیں ہیں (۱) عشقِ حقیقی اور (۲) عشقِ مجازی۔ عشقِ حقیقی حق تعالیٰ کے کمال محبت کو کہتے ہیں اور عشقِ مجازی ماسوی اللہ کی محبت پر فریفتہ ہونے کا نام ہے۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ کچھ مفید اور کچھ قسمیں مُضر اور گناہ ہیں۔ یہاں پر مرشد کامل عشق و محبت اس سے مراد ہے۔ کیونکہ مُرشد کی سچی محبت و ارادت ہی اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی طرف پہنچاتی ہے اسی کو کہتے ہیں اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ کہ مجاز کی مثال پُل جیسی ہے۔ جو ایک پار سے دوسرے پار تک پہنچاتا ہے اور اسی جگہ آیتِ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ۝ پر اچھی طرح غور فرما کر آیت کا صحیح مطلب سمجھنے کی کوشش کریں:

ہمدمیِ پیرِ خویش و صحبتِ ہم پیرگاں!
نافع آمد صحبتِ اغیار بس با مرشد است

اَلْمَعِیَّۃُ مَعَ شَیْخِہٖ ثُمَّ بِاَصْحَابِہٖ!
نَافِعٌ جِدًّا دَرِ فَوْقِ الْغَیْرِ اَضْحیٰ ثَابِتًا!

ترجمہ:۔ "اپنے رہبرِ کامل کی صحبت و رفاقت اور پیر بھائیوں کی دوستی و محبت بہت نفع رساں اور فائدہ مند ہوتی ہے اور ان کے علاوہ غیروں کی صحبت مُضر اور تکلیف دہ ہے۔

التحقیق اللغوی:۔

قولہٗ: المعیّتہٗ: ساتھ، تعلّق، شاہزادہ کا پرائیوٹ مکان، یہاں پر الف لام تعریفی داخل کرنے سے تعلقِ خاص یا مرشدِ خود مقصود ہے جیسا کہ ظاہری عبارت سے واضح ہے۔ اسی سے سورۂ فتح کی آیت وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ الخ۔ سیّدنا حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد لئے گئے ہیں کہ موصوف رضی اللہ عنہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور صحبت و رفاقت خاصہ حاصل تھی۔

قولہٗ: اَصْحَابِہٖ = ضمیر راجع بجانب شیخ ہے اور اصحاب صاحب کی جمع ہے، ساتھی کو کہتے ہیں اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں۔ جنہوں نے آپؐ کو دیکھا اور پھر آپ پر ایمان لے آئے۔ اور ایمان ہی پر وہ دُنیا سے رخصت ہوئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۵

قولہٗ: رِفْق: یہ رَفُقَ، رَفَاقَۃً۔ الرَّجُل = رفیق و ساتھی ہونا اور رِفق نرمی سے و مہربانی سے پیش آنے کو بھی کہتے ہیں۔ قولہٗ: ثَابِرًا: یہ ثَبَرَہٗ (ن) ثَبْرًا، لعنت کرنا، دھتکارنا، ناکام کرنا، ہلاک کرنا۔ ثَبَرَہٗ عَنْ کَذَا۔ منع کرنا، روکنا، باز رکھنا ثُبُورًا = ہلاک ہونا۔ باقی الفاظ کے معانی پیشتر الفاظ میں بار بار ذکر کئے گئے ہیں۔ وَلِلْعَاقِل

تکفیہ الاشارۃ:

خلاصۂ شعر یہ ہے:۔ مُرید کو چاہیئے۔ کہ اپنے پیر روشن ضمیر ہی پر کفایت کرے اور اپنے ارادہ اور اپنی خواہش کو اپنے پیر برحق کے ارادہ و خواہش کے تابع بنائے جیسا کہ حضرت سلطان ولدؒ نے فرمایا پیر کامل کی سرپرستی میں مرید صادق بے مشقت و بے محنت اپنے بلند مقاصد تک پہنچ سکتا ہے اور برگزیدہ حضرات نے فرمایا کہ پیرِ برحق کی نظر آفتاب جیسی ہے کہ جس طرح آفتاب کی روشنی پتھر کو لعل بنا دیتی ہے۔ اسی طرح پیر کامل کی نگاہ سے مُرید کا دل لعل بدخشان بن جاتا ہے (رحمہم اللہ اجمعین)

حضرت پیر رومی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحبت عزیز اور بہترین چیز ہے فلا تصحبوا غیر ابناء الجنس لہٰذا اپنے ہم جنسوں اور اپنے بہترین ہم خیالوں کے سوا کسی دوسرے کی صحبت اختیار نہ کرو۔ اور حضرت

شمس الدین تبریزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مُرید کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ بیگانہ اور جوہر ناشناس لوگوں سے علیحدہ اور الگ تھلگ رہا کرے ۔ اس لئے حضرت پیر رومی رحمہ اللہ نے فرمایا

اَبیات

هر که خواهد همنشینی با خدا ! گو نشین اندر حضورِ اولیاء !!
چوں شوی دُور از حضورِ اولیاء در حقیقت گشتۂ دُور از خدا
مهر پاکان درمیانِ جان نشان دل بده اِلّا بمهرِ دل خوشان

اسکی باقی تشریح آنے والے شعر کے ذیل میں ملاحظہ فرمایئے :۔

ہفت روزہ خدمتِ پیرِ محقّق دَر ثواب !
مَر عبادت ہائے ہفت صد سالہ راہمبر شُد است

خِدْمَۃُ سَبْعَۃِ اَیَّامٍ لِشَیْخٍ کَامِلٍ
مِنْ عِبَادَۃِ سَبْعَ مِائَۃٍ سَنَۃٍ قَدْ خُیِّرَا

ترجمہ :۔ مُرشدِ کامل کی سات دِن کی خدمت میں وہ برکت ہے جو بے پیر کی سات سو سالہ عبادت و ریاضت سے بھی بہتر اور افضل ہے ۔

التحقیق اللّغوی :۔

قولہ ؛ ہمبر : اصل میں ہم برابر شد است ۔ اس سے باقی حروف تخفیفاً حذف کئے گئے ہیں ۔ قولہٗ ؛ مُحقّق ۔ یہ تَحْقِیْقٌ یعنی باب تفعیل کا اسم فاعل ہے بمعنی تاکید کرنا ۔ واجب کرنا ۔ حَقَّقَ الْقَوْلَ اَوِ الظَّنَّ = کسی قول یا گمان کی تصدیق کرنا ۔ علماء کی اصطلاح میں مُحقّق وہ ہے جو دعوی کی دلیل پر اچھی طرح واقف ہو اور مُدقّق وہ ہے جو دلیل کی علّت سے بھی نیک آشنا ہو یعنی مُدقّق کا درجۂ علم مُحقّق سے زیادہ اور برتر ہے ۔

قولہٗ: خیرًا: اس میں الف اشباعی ہے اس کا نائب فاعل ضمیر محذوف ہے جو خدمت کی طرف باعتبار مذکور راجح ہے۔ فاحفظہٗ:
بہرحال خیرًا الشیٔ علیٰ غیرہٖ کا معنی ایک شئے کو دوسری چیز پر فضیلت دینے کے آتے ہیں۔

خلاصۂ شعر:۔ سلطان ولدؒ کی بعض تصنیفات میں لکھا ہوا ہے کہ مرید پیر کی دیدبانی و رہنمائی میں بے مشقت و بے کدو کاوش مقصد تک پہنچ سکتا ہے اور مرشد کی رہنمائی کے بغیر مقصد تک اس کا پہنچنا بہت دشوار ہے۔ یعنی جس طرح دانا آدمی جسمانی صحت کیلئے طبیب ڈاکٹر ساتھ رکھتا ہے۔ اسی طرح روحانی بیمار کو بھی مرشد و رہبر کی رہنمائی میں رہنا چاہیئے اور اس سے علیحدہ نہیں رہنا چاہیئے۔ اس کے بعد موصوف رقمطراز ہیں کہ جب تک باخدا لوگوں کی خدمت نہ کروگے تب تک تمہارا کسی منزل تک پہنچنا ناممکن ہے اس لئے خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتی رحمہ اللہ نے بیس سال اپنے پیر بزرگوار کا مبارک گرتہ سر مبارک پر رکھکر حج کیا اور انہوں نے اس وقت کے نیک لوگوں کو جمع کرکے فرمایا کہ خلوص کے ساتھ ایک دن کیلئے مرشد کی خدمت کرنا بے خلوص ہزار سالہ عبادت سے بہتر ہے۔

حاصلِ عبارت یہ شعر ہے:۔

شعر:۔ آفتابے بدیں بزرگی را ذرۂ ابر ناپدید کند

(کہ اتنے بڑے آفتاب کو بادل کا ایک چھوٹا سا پارہ ڈھانپ لیتا اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیتا ہے) اسی طرح پیر کامل سے دور رہنے والے کو بھی شیطان اپنے وسوسوں سے بہکاتا اور اس کے نورِ ایمان پر بادل کی طرح محیط ہوتا ہے: اَللّٰھُمَّ احفظنی مِنَ الشّیاطین

پیر چوں خواندت جوالبش گو بقطع نافلہ
زانکہ ایں دم در جوابِ او ثوابِ او فراست

شَیْخَکَ اُحْضُرْ اِنْ دَعَاکَ لَوْ بِقَطْعِ نَافِلَہٗ
اِنَّ فِیْ ذَاکَ الْحُضُوْرِ لَثَوَابًا اَوْفَرَا

ترجمہ :- "جب تمہیں مرشدِ کامل بُلائے تو فوراً اُن کی ہمایوں خدمت میں حاضر ہو جاؤ اگرچہ تم نفل نماز میں بھی ہو تو اُسے بھی چھوڑ کر آؤ۔ کیونکہ اس حضور میں تم کو ثواب کا بہت بڑا درجہ حاصل ہوگا۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیْ :-

قولہٗ : شَیْخَکَ : یہ از روئے ترکیب نحوی اپنے مابعد فعل امر اُحْضُرْ کا مفعول بہ مقدم ہے اس لئے منصوب بھی ہے "دَعَاکَ" کا مفعول بہ مرید صادق ہے۔ نَافِلَہ سے نفل نماز مُراد ہے۔ یہ نفل سے نکلا ہوا ہے۔ واجبات اور ضروریات سے زائد کام۔ اور النفل مالِ غنیمت ہبہ، بخشش، جمع نوافل آتی ہے۔ لَثَوَابًا اَوْفَرَا: اسم اِنَّ مؤخر ہے لہذا منصوب ہے۔ اور ثواب پر جو لام داخل ہے وہ محض تاکید کے لئے ہے۔

دعاک کا فاعل شیخ ہے

خُلاصۂ شعر :- کتاب اسرار الاولیاء میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے پیر برحق پر اعتقاد رکھنے والا درحقیقت مریدوں کے زُمرہ میں داخل نہیں اس پر وہ اس واقعہ سے اِستدلال کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بُلایا وہ دونوں نفل نماز میں تھے اسلئے فوراً حاضرِ خدمتِ ہمایون نہ ہو سکے۔ نفل نماز سے فارغ ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے میرے صحابو! جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف بُلایا کرے تو فوراً حاضر ہوا کرو اگرچہ تم نفل نماز ہی میں مشغول ہو تمہارا اس طرح جواب دینا نفل نماز سے بہتر اور اولیٰ ہے۔ اسی قبیلہ سے شیخ علی سنجریؒ درویش کا واقعہ ہے کہ نفل نماز میں اُن کے کانوں میں اپنے پیر و مُرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ کی آواز سُننے میں آئی۔ آپؒ نفل نماز توڑ کر اپنے مرشدِ کامل کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے بطور امتحان شیخ علی سے فرمایا کہ پہلے نفل نماز پڑھتے

تب حاضر ہونے۔ شیخ علی نے جواب دیا "نفل نماز سے مرشد کا جواب دینا کہیں زیادہ بہتر ہے کیوں کہ سلوک کی کتابوں میں لکھا ہے۔ جب پیرِ حق مرید کو آواز دے تو اُسے حاضر ہونا چاہیئے۔ کہ اس طرح کی حاضری ایک سالہ نفلی عبادت سے بہتر ہے۔ ھٰذا معنیٰ ما قال الشارح فی شرح الشعر المذکور؛

ہر کہ با اخلاصِ جان و دل رعایت ادب کرد
در حضورِ شیخ و زود از صحبتش برخور شُد است

مَنْ یُّرَاعِیْ دَابَ شَیْخِہٖ بِقَلْبٍ مُّخْلِصٍ
لَیَنَالُ عَاجِلًا مِّنْہُ نَصِیْبًا وَّافِرًا!

ترجمہ:۔ "جو شخص پورے اخلاص و نیک نیتی کے ساتھ جان و دل سے اپنے مرشدِ کامل کے آداب بجالائے اور ان کے احترام میں کوشش کرے۔ وہ بہت جلد اُن کی صحبت کے طفیل اُن سے سعادت و نیک بختی کا بڑا حصہ پائے گا۔"

التحقیق اللغوی:۔

قولہٗ: آدَب: وہ اخلاقی ملکہ جو انسان کو ہر ناشائستہ بات سے باز رکھے، اچھی روش دانش، اس کی جمع آداب آتی ہے اور آداب کا اطلاق ہر قسم کے علوم وفنون پر بھی ہوتا ہے یا اُن کے کسی دلچسپ حصّہ پر اور کسی شخص کے مخصوص قوانین کو بھی آداب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً آدابُ الدرس، آدابُ القاضی وغیرہ۔ علم الادب وہ علم جس کے ذریعہ بول چال اور تحریری غلطیوں اور لغزشوں سے بچایا جاسکے۔ اَلْاَدْبَۃُ۔ وَالْمَأدُبَۃُ، دعوت یا کسی تقریب کا کھانا جمع مَآدِب: برخور: لائق، حقدار، مستحق، فائدہ اٹھانے والا۔

خلاصۂ شعر:۔ مُریدِ صادق اپنے شیخ کے ساتھ جس قدر آداب اور اس کے احترام کا خیال رکھے اُسی قدر وہ شیخِ کامل کے فیوض و برکات کا بڑا حصّہ پائے گا۔ رسالۂ قشیریہ کی عبارت نقل کرتے ہوئے حضرت شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَلنَّاسُ فِی الْاَدَبِ عَلٰی ثَلٰثِ طَبَقَاتٍ

اَھْلُ الدُّنْیَا وَ اَھْلُ الدِّیْنِ وَ اَھْلُ الْخُصُوْصِ الخ کہ لوگ در بارۂ آداب تین قسموں پر ہیں
دنیا والوں کے آداب فصاحت و بلاغت، علوم، بادشاہوں کے نام اور اشعارِ عرب کے حفظ و یاد رکھنے
تک محدود ہوتے ہیں۔ ۲۔ اہلُ الدّین کے آداب: ریاضتِ نفس، تادیبِ جوارح، حفظ اور
ترکِ شہوات تک رہتے ہیں۔ ۳۔ اہلُ الخصوص کے آداب: طہارتِ قلوب، اسرارِ حق کی رعایت
حفاظت، عہد و میثاق کی وفاداری، وقت کی نگاہ داشت، خطرات و خواطر کی طرف بے توجہی
مقاصدِ حسنہ کے حصول کے لئے وجہد اوقاتِ حضور اور مقاماتِ قرب کے ساتھ مخصوص ہوتے
ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے تصوّف پورا کا پورا رعایت آداب کا نام ہے اور اس میں مختلف درجات ہیں
عوام مسلمین کا ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کریں اور ہر وقت اور ہر کام کرتے
وقت اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانیں۔ خواص کا ادب یہ ہے کہ سارے کام اللہ کے سُپرد کریں۔ اور
ہمیشہ اُسی ربِ جلیل کی طرف متوجّہ ہو جائیں اور جو کچھ از قسم نفع و نقصان اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچ
جائے اُس پر خوش اور راضی ہو جائیں اور سچے معنی میں فنا فی اللہ ہونے کا ثبوت دیں اور آنحضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ حُسن و ادب رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ تمام احوال میں پوری عاجزی اور پوری زاری سے
قوتِ قُدسیہ کے ذریعہ آپؐ سے روحانیت کے خواستگار ہو جائیں۔ اور آپؐ کی تمام کوششوں
پر عمل پیرا ہو جائیں۔

مشائخِ کرام رح سے رعایت ادب کے یہ معنی ہیں کہ جب کسی باخدا انسان کے دل میں محبتِ
اولیاء کا داعیہ پایا جائے یا اُن کی صحبت سے حاصل ہو جائے یا اُن کی نصیحتیں سُن کر بالواسطہ یا
بلا واسطہ سُننے سے تو اپنے دل کو اعتراض و انکار سے پاک و صاف بنا دے بلکہ ان کی محبت و
نصیحت عمل میں لانے میں پیش تابی کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص الخاص بندوں میں ہی ایسی
رُوحانی انمول موتیاں ڈالتا ہے۔ لہٰذا پہلے اپنے دل کو صاف و پاک بنانے کی بہت ضرورت ہے
بلکہ اپنے دل کو آئینہ جیسا بنائے تاکہ شیخ برحق کا عکس دیر تو اُس کے دل پر پڑے۔ ھٰذِہٖ نُبْذَۃٌ

مانی شرحہ رحمہ اللہ وقدس اسرارہٗ:۔

ہائے افسوس ہے یہی ادب ہم میں نابود ا ہوا۔ تو ہم نہ دین کے رہے اور نہ دنیا کے۔

حضرت پیر رومی رحمہ اللہ کیا خوب فرماتے ہیں:۔

اشعار:۔

از خدا جوئیم توفیقِ ادب ☆ بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد ☆ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ہر چہ بر تو آید از ظلمات غم ☆ آں ز بے باکی و گستاخیت ہم

ہر کہ بے باکی کند بر راہِ دوست! ☆ رہزنِ مردان شد و نامرد اوست

از ادب پرنور گشتہ است ایں فلک ☆ واز ادب معصوم و پاک آمد ملک

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق! ☆ گردد اند وادئ حسرت غریق

جلہ گمرہ تر کند بے پیر را گفتند ازاں
کاریک صحبت پیر از چل چلہ بہتر شد است
لَتُضِلَّ اَرْبَعِينَاتٌ بِغَيْرِ حُكْمِ شَيْخٍ!
صُحْبَتُهٗ مِنْ اَرْبَعِينَاتٍ لِنَفْعٍ اَجْدَرَا

ترجمہ:۔ "بے پیر کو چلہ کشی اور بھی زیادہ گمراہ کرتی ہے اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ مرشد کی ایک صحبت ورفاقت چالیس چلوں پر شرف وبرتری رکھتی ہے۔"

التَّحْقِيقُ اللُّغَوِی:۔

قولہٗ: چل چلّہ: اصل چہل چل تھا۔ قولہٗ: لَتُضِلُّ: اس میں لام مفتوح تاکید کے لئے ہے۔ یہ باب افعال کا واحد صیغہ مونث غائب ہے۔ اصل یُضِلُّ اِضْلَالًا بگمراہ کرنا راہِ حق سے دور کرنا۔ قولہٗ: اَجْدَرَا: یہ فعل مصدر۔ اَصْبَحَتْ کی خبر ہونے کی وجہ سے

منصوب ہے۔

خلاصۂ شعر:۔ وہ ہے جو رسالۂ لطیفۂ غیبیہ میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ پیر برحق کی صحبت چالیس چلّوں سے بہتر ہے اور "پیر تواند کہ بیک لحظہ مرید را بخدا رساند"۔ پیر برحق مرید کو ایک لحظہ میں اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکتا ہے اور وہ مرید جو خود اپنی خواہش سے چالیس چلّے پورے کرے، گمراہ ہوگا۔ پھر کہتے ہیں کہ "این نوع بسیار واقع شدہ است" لہٰذا مرشد کی صحبت کو غنیمت جاننا چاہیئے اور جو بھی مشکل سالک راہِ طریقت کو پیش آ جائے اُسے چاہیئے وہ مشکل اپنے پیر کے سامنے پیش کرے اور جو لوگ مُرشد کی اجازت کے بغیر اس راہ میں چلنے لگے۔ انہوں نے سینکڑوں غلطیاں کی ہیں۔ یعنی جیسا ظاہری بیمار اپنے کو علاج نہیں کر سکتا۔ اسی طرح باطنی اور روحانی مقامات طے کرنے والا بھی باطنی تجربہ کے ڈاکٹر کی طرف محتاج ہے، وہ صرف رہبرِ کامل ہے:۔

رَو طہارت کردہ تو خاص از پئے دیدارِ خویش!
زانکہ رُویش یادِ حق را بہترین مذکر شد است

رُحْ تَطَهَّرْ، اِهْتِمَامًا زَائِرًا الشَّيْخَ كا!
اِنَّ وَجْهَهُ لِذِكْرِ الْحَقِّ اَضْحٰى مُذَكِّرًا

ترجمہ:۔ "جاؤ تو پاکی حاصل کر کے آجاؤ تب اپنے مرشدِ کامل کی زیارت سے مُشرف ہو جاؤ کیونکہ مُرشدِ کامل کا چہرۂ انور یادِ خدا کے لئے بہترین یاد دلانے والا اور عمدہ پیمانۂ ڈر ہے"۔

التَّحْقِيْقُ اللُّغَوِی:۔

قولہٗ: رُحْ، رَاحَ (ن) رَوْحًا۔ شام کے وقت آنا یا جانا یا کام کرنا، وقت کی قید کے بغیر مطلق جانے کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ اس جگہ بھی آخری معنی مراد ہے۔

قولہٗ: تَطَهَّرْ: صیغۂ واحد مذکر امر حاضر معروف از باب تَفَعُّل، میل کچیل سے صاف ستھرا ہونا، پاک ہونا، نہانا۔ باب اِنْفِعَال سے بھی مستعمل ہے۔ قولہٗ: اِهْتِمَامًا۔ اِهْتَمَّ الرَّجُل

غمگین ہونا۔ باب انفعال کا مصدر۔ اِهْتَمَّ لَهٗ بِأَمْرِهٖ: اپنے کام کے انتظام میں بہت محنت کرنا۔
اس کا اصل هَمَّ (ن) هُمُوْمَةً، وَهَمَامَةً۔ هَمَّ الرَّجُلُ: بہت بوڑھا ہو گیا۔
شیخ کا آخری الف اشباعی ہے۔ قولہٗ: مُذْكِرًا: یاد دلانے والا۔ یہ باب افعال کا اسم فاعل
ہے۔ فعل اضحی کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کا مادہ ذِکر ہے۔ الذِّكْرٰى: یاد دہانی، ذکر
لسانی یا قلبی۔ اَلذِّكْرَةُ: شہرت، کلہاڑی کے سرے پر لگا ہوا فولاد کا ٹکڑا۔ وَالْبَاقِیْ اَظْهَرُ
مِنْ اَنْ يُّذْكَرَ:

خلاصۂ شعر:۔ اس شعر میں آداب زیارت مُرشد کامل و اولیاء کاملین رح کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) وہ یہ ہیں کہ جب بزرگوں کی زیارت کے لئے کوئی جائے تو کم از کم پہلے وضو کرلے۔

(۲) شیخ ابوعلی دقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کبھی اپنے رہبر کامل کی خدمت میں اس وقت تک حاضر نہیں ہوا جب تک پہلے قصداً غسل نہ کیا۔ چنانچہ حضرت محبوب العالم رحمہ اللہ کے مُرید خاص حضرت شیخ احمد چاگلی آپ کی زیارت کے لئے گھر سے نکلے ابھی آپ کی خانقاہ سے سات میل دور تھے۔ کہ انہیں ایک غیبی آواز آئی کہ جب تم ایسے بلند پایہ شیخ کی زیارت کے لئے جا رہے ہو تو اس قدر پانی کی فراوانی کے باوجود تم نے غسل کیوں نہیں کیا۔

(۳) حضرت بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ آں پیر روشن ضمیر نے ہمیں وصیت کی ہے کہ جب تم کسی عزیز بزرگ کی زیارت کے لئے جایا کرو گے تو پہلے غسل کیا کرو اور غسل نہ ہو سکے تو کم از کم تجدید وضو کرلیا کرو۔ بہر حال مصرعۂ ثانی میں تعظیم مُرشد کی طرف خصوصی اشارہ ہے۔

(۴) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:۔
کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ کہ حضرت! اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟
آپ نے فرمایا "وہ لوگ اولیاء ہیں جب ان کی طرف نظر پڑے تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔"

ابیات: سہ نشان بود ولی را نخست آں بمعنی ☆ کہ چو روی او بہ بینی دل تو بذکر آید
☆
دوم آنکہ در مجالس چو سخن کند ز معنی ☆ ہمہ را ز ہستی خود بحدیث می رباید

سیوم آں بود بمعنی وَلیِ اخص عالِم کہ زِ ہیچ عضو او حرکات بَد نیابد

خلاصہ:۔ (۱) ولی کی یہ علامت معنوی ہے کہ جوں ہی تیری نظر اُن کے چہرے پر لگی تو ان کی طرف فوراً تیرا میلان اور رغبت ہوگی۔

(۲) یہ نشانی ہے جب وہ بات کرنے پر آجائے تو اس کی بات میں کہربائی کشش ہو۔

(۳) ولیِ عالم خاص کی یہ علامت ہے کہ اس کے بدنی اعضاء سے کوئی بُری حرکت صادر نہ ہوگی۔

بہرحال اولیاء اللہ کی شان نہایت بلند ہے اُن کے دل آخرت کی فکر سے بالا ہوتے ہیں کہ وہ صرف اپنے محبوبِ حقیقی ربّ العلمین کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ حضرات محبتِ الٰہی میں سرشار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اُن کی خدمت میں زندگی مابعد وفات کے حاضری دیتے وقت وضو یا غسل اور اعمالِ صالحہ دیگر بہترین تحائف پیش کرنے چاہئیں۔ شیئٌ قلیلٌ اَخذتُہٗ مِن شرحِ الشیخ رحمہ اللّٰہ

متّصف ملحوظ کُن ذاتش بہ اوصاف کمال
پس یقین کُن آنکہ فیضش سوئے تو منجر شد است

دِ بِاَوصَافِ الکَمَالِ لَاحِظ ذَاتَہُ العُلیٰ
ثُمَّ اَیقِن فَیضَہٗ یَجرِی اِلَیکَ مَاطِراً

ترجمہ:۔ "مُرشد کامل کی ذات بابرکات میں اس بات کا خوب خیال رکھو کہ اس نے کمالات اور صفاتِ عالیہ پر مکمل احاطہ کر رکھا ہے۔ پھر یقین رکھو کہ اُن کا فیض و کرم تمہاری طرف موسلادھار بارش کی طرح برسے گا۔"

التَّحقِیقُ اللُّغوِی:۔

قولہٗ: مَلحُوظ۔ اسم مفعول۔ لَاحَظَہٗ لِحَاظًا وَمُلَاحَظَۃً: انتظار کرنا، ایک دوسرے کو دیکھنا۔ اللَّحظ: مصدر۔ آنکھ کا باطن، اندرونی حصّہ، اس کی جمع لِحَاظ وَاَلحَاظ

اَلملحظ: دیکھنا۔ دیکھنے کی جگہ جمع ملاحظہ ہے۔

خلاصۂ شعر یہ ہے۔ حضرت شارح شیخ اور رہبر کامل کی زیارت کرنے والے کو نصیحت کرتے ہیں کہ پیر برحق کی زیارت کرتے وقت اُن کی طرف باطنی آنکھوں سے دیکھو اور پھر اس بات کا تصوّر کرو کہ حضرت شیخ کمالاتِ عالیہ اور صفاتِ سنیّہ سے موصوف اور اُن کے مخزن و معدن ہیں۔ تب خود بخود اُن کے فیوض و برکات سے تم فائدہ اٹھاؤ گے۔ اگرچہ اپنی کمزوری سے تمہیں ان کے کمالات دکھائی نہ دیں۔ چنانچہ حضرت شیخ شہاب الدین سُہروردی قدّس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک دن اپنے عمِّ بزرگوار نے حضرت سیّدنا شیخ سید عبد القادر الجیلانی رضی اللہ عنہ کے پاس لیا اور راستہ میں مجھے نصیحت کی کہ اپنا دل بیدار رکھو کہ ہم ایسے صاحب کے پاس جاتے ہیں جن کا قلبِ مبارک خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ حالات و اخبار سُناتا ہے اور آدابُ المُریدین میں ہے کہ شیوخ کے پاس خالی الذہن ہو کر حاضر ہونا چاہیئے اور اس انتظار میں رہنا چاہیئے کہ اُن کے دیکھنے اور اُن کی صحبت سے میرے دل پر کیا اثر پڑتا ہے۔ فَسُبْحَانَہٗ مَا اَعْظَمَ شَانُہٗ:

پیر را ایں ریش و سر دیدن زِ ضُعفِ بینش است
اکثر ایں طور اعتقاد جاہل چوں خر شد است

نَظَرُكَ بِاللِّحْيَةِ وَالزِّيِّ اِلَى الشَّيْخِ مِنْ سَفَهٍ
اَكْثَرُ الْجُهَّالِ يَنْظُرُوْنَ فِيْهِ ظَاهِرًا

ترجمہ:۔ ”تمہارا پیرِ کامل کی طرف داڑھی اور اس کی ظاہری شکل و صورت ملحوظ رکھ کر دیکھنا نادانی ہے۔ جیسے کہ اکثر جاہل لوگ پیر کی ظاہری شکل و صورت دیکھ کر اندازہ لگاتے ہیں اور اس کے معنوی کمالات سے غافل ہوتے ہیں۔“

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیُّ:۔

قولہٗ: لِحْیَۃً۔ داڑھی۔ اس کی جمع لِحیٰ۔ وَلُحیٰ: نسبت کیلئے لحوی آتا ہے۔ اَللِّحیان تھوڑا پانی۔ سیلاب کے بنائے ہوئے گڑھے۔ قولہٗ: زِیاً۔ اَلزِّیُّ: ہیئت۔ شکل۔ پوشاک پہنے ہونے کی شکل۔ اَقبَلَ بِزِیِّ الْعَرَبِ۔ وہ عرب کے لباس میں آیا۔ جاءَنا بِزِیٍّ غَرِیبٍ: وہ ہمارے پاس عجیبہ لباس میں آیا۔ حُمُرٌ: حمار کی جمع ہے۔ وَالبَاقی فی ظاہر:

خلاصۂ شعر: حضرت شارح رح فرماتے ہیں کہ "دریں بیت اشارت است بداں کہ پیررا بچشم باطن باید دید نہ بچشم ظاہر" یعنی رہبر کامل کو باطنی آنکھوں سے دیکھنا چاہیئے نہ عوام کالانعام کی طرح ظاہری آنکھوں سے اسکی طرف دیکھنا چاہیئے۔ ایسا کام تو گدھوں اور چارپایوں کا ہے۔

ع ہمچو شیطان گشت مُدبر ہر کہ با خاصان حق "میں اسکی تشریح آچکی ہے مزید بحوالۂ مرصاد العباد شارح فرماتے ہیں کہ جب مُرید شیخ کے کمال وجمال پر فریفتہ ہوجائے تو شیخ کے تصرف ولایت کی قبولیت کے آثار اُس میں نمایاں نظر آنے لگیں گے۔ کیونکہ اولیاء اللہ کی شناخت ومعرفت حاصل کرنا معمولی بات نہیں کہ ان کی شان ہے۔ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِیْ میرے دوست میرے قبا میں مشہور ہیں ان کو صرف میں ہی جانتا ہوں۔ لہٰذا ان کے ظاہر احوال سے بحث کرنا ناعاقبت اندیشوں کا کام ہے۔

خود حضرت شارح رحمہ اللہ اولیاء اللہ کی عظمت اس رُباعی میں اس طرح بیان کرتے ہیں آپ بھی وہ رُباعی ملاحظہ فرماویں۔ —— رُباعی یہ ہے:-

مَردانِ رہش زندہ بجان دگرند ۔۔۔ مرغانِ ہوااش ز آشیانِ دگرند
منگر تو بدیں دیدہ بریشاں کاایشاں ۔۔۔ بیرون ز دو کون در جہان دگرند

اسلئے بعض اربابِ حال نے فرمایا: مَنْ لَّمْ یَنْفَعْ لَحْظَۃً لَمْ یَنْفَعْ لَفْظَۃً کہ جس نے پیر برحق کی مقدس صورت دیکھ کر فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اس نے حقیقتاً پیر برحق کے ارشادات سے بھی کوئی استفادہ نہیں کیا۔

پیر می بین شمع سان نورے بفانوسِ بدن!
کز پئے ارشادِ خلق از لطفِ حق معشر شداست

تَشَبَّهَكَ اُنْظُرْ مِثْلَ شَمْعٍ ضَاءَ فِيْ سِرِّ الْبَدَنْ
وَبِلُطْفِ اللّٰهِ لِلْاِرْشَادِ اَضْحٰى مُعْشَرًا

ترجمہ:۔ اپنے مرشد کامل کو جسم کے فانوس میں شمع کی طرح سمجھو جو اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے بندگانِ خدا کے ارشاد و رہبری کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

اَلتَّحْقِيْقُ اللُّغَوِيْ:۔

قولہٗ: مُعْشَرًا: یہاں پر اسم مفعول ہے۔ از باب افعال اَعْثَرَ يُعْثِرُ اِعْثَارًا اس کا اصل عَثَرَ (ن) عثرا عثورا علی السر وغیرہ۔ بھید پر مطلع ہونا۔ عثرہ و اعثرہ: پھسلایا۔ اعثر بہ عند الامیر: امیر کے پاس اس نے اُس کا عیب لگایا۔ اَلْعُثُرُ، عُقَاب، اَلْعَثْرُ: جھوٹ، اَلْعَثْرَةُ: لغزش، جہاد، لڑائی کرنا، جمع عثرات ہے، باقی الفاظ کی تشریح کتاب میں وقتاً فوقتاً آچکی ہے۔

خلاصۂ شعر:۔ قطب تین قسم کے ہیں۔ قطب حقیقی، قطب اضافی، قطب مجازی ان تینوں حضرات پر مبدأ فیاض رب کریم سے فیض نازل ہوتا ہے۔

بہر حال قطب کے یہ درجات جاننے کے بعد یہ بھی سمجھ لیجئے۔ کہ قطب بظاہر بندگانِ خدا سے بابتِ رہنمائی صحبت و ہمنشینی رکھتا ہے اور دوسری طرف اللہ رب العلمین کا جلیس اور انیس ہوتا ہے۔

قطب کے کمال کے کیا کہئے۔

(۱) قطب آں باشد کہ گرد خود تند — گردش افلاک گرد او بود!
(۲) آں یکی نقشش نشستہ در جہاں — واں دگر نقشش چو مہ بر آسماں

۳۔ ایں دہانش نکتہ گویاں با جلیس   واں دگر باحق بگفتار و انیس

قطب کا لغوی معنیٰ :۔

اصل میں "اَلْقُطْبُ" : ایک ستارہ جو جدی اور فرقدین کے مابین واقع ہے۔ اس پر قبلہ مخصوص کیا جاتا ہے اور قُطب کا معنی ہر چیز کا مدار بھی آتا ہے۔ چنانچہ اہلِ عرب کا محاورہ ہے : "هُوَ قُطْبُ ذٰلِكَ الْاَمْرِ" وہ اس معاملہ کا مدار ہے۔ اور اَلْقُطْبُ : اہلِ جغرافیہ کے نزدیک زمین کے محور کے کنارہ کو کہتے ہیں۔ اور یہ قطب دو ہیں۔ ایک قطبِ شمالی اور دوسرا قطبِ جنوبی اور اَلقطب اہلِ ہندسہ کے نزدیک متحرک کرّہ پر ایک نقطۂ ثابتہ ہے اور علماءِ تصوّف کے نزدیک وہ مردِ مقدس ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عالم خلق کے انتظام و انصرام کے لئے مقرّر کیا ہے۔ یہ خالص اللہ کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔ اور یہ دنیوی اغراض سے بہت دور ہوتا ہے۔ قطب کا معنی اس حدیث شریف سے سمجھنا چاہیئے : لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔

قُطبِ حقیقی پر براہِ راست مبدأ فیاض رب العالمین کی طرف سے فیض رسانی ہوتی ہے۔

قطبِ مجازی پر قطبِ حقیقی کی طرف سے فیض رسانی ہوتی ہے اور قطبِ اضافی پیر و مرشد اور باکمال آدمی کو بھی کہا جاتا ہے۔ مگر مجازاً و تعظیماً کل ذٰلِكَ بِاَمْرِ اللّٰہِ :

نوٹ : حضرت شیخ احمد سرہندی کی طرف جو منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی قطب نہیں ہوا اس سے غالباً قطبِ حقیقی مُراد ہے ۔

ایضاً قطب کا ہمہ وقتی وظیفہ اللہ اللہ ہوتا ہے۔ غالباً جلد اول کے شعر ۳۳ میں راقم نے کچھ بحث قطب پر لکھی ہے ۔ یہ بحث دقیق ہے اور اس کتاب میں ہماری ذمہ داری صرف تعریب ہے۔ باقی جو کچھ ہم لکھتے ہیں۔ وہ طردًا للباب ہے ۔ بس تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بپاسِ حضرت محبوب العالم و حضرت خاکی رحمہم اللہ قبول فرمائے۔ آمین :

باتن ملکتسبہ بر کنگر عرشش مسیر !!
یک تنش باخلق و یادیگر برآں کنگر شدست

مَعَ جِسْمٍ کَسْبِیٍّ فَوْقَ عَرْشٍ سَیْرُہٗ
وَاحِدٌ مِنْہُ بِخَلْقٍ وَثَانِی طَائِرًا

ترجمہ:- "مرشد کامل جسم مثال کے ساتھ عرش الٰہی کی سیر و سیاحت میں ہوتا ہے اور اُس کا جسم ظاہری خلق اللہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا خلاصہ پیشتر ابیات میں آچکا ہے۔"

از خدا و از رسول ﷺ او خلافت یافتہ!
دستِ پاکش مرید اللہ نایب و مظہر شد است

اِنَّہٗ نَالَ الْخِلَافَۃَ مِنْ اِلٰہٖ وَالرَّسُوْل
یَدُہُ الْبَیْضَاءُ اَضْحَتْ لِیَدِ اللّٰہِ مَظْھَرًا

ترجمہ:۔ "ہاں پیرِ حقائق تنویر نے اللہ اور اس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت پائی ہے اور آپ کا دستِ مبارک اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت کا نائب اور جائے ظہور ہے۔"

اَلتَّحقِیقُ اللُّغوِی:۔

قولُہٗ: خلافۃ : جانشین، قائم مقام، سب سے بڑا بادشاہ۔ یہ مذکر و مؤنث پر بولا جاتا ہے۔ ھٰذَا خَلِیفَۃ۔ وخَلِیفَۃٌ اُخرٰی، دونوں صحیح ہیں۔

قولُہٗ یَدُہٗ۔ ید سے مراد جاہ، مرتبہ، قدرت، طاقت، کہتے ہیں مَالَکَ عَلیہِ یَدٌ۔ تم کو اس پر طاقت نہیں۔ خُلاصَۃُ الشعر:۔

شارح رحمہ اللہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں: مصرعہ اول سراج الحفظ ہے۔ اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ نے فرمایا مَن اَمَرَ بالمعرُوفِ وَنَھیٰ عَنِ المنکرِ فھُوَ خَلِیفَۃُ اللّٰہِ وَخَلِیفَۃُ رَسُولِہٖ۔ جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا وہ زمین پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے۔ باقی رہا شرعی خلیفہ تو اُسکی ذمہ داری یہ ہے کہ خلقِ خدا کی رہبری قرآن و سنت اور خاص کر خلفائے راشدین رضی کے عمل کے مطابق کی جائے۔

امتحانِ پیر جُستن عِصمت و طاعت ازو
شُومُ باشد گر مُریدے را ایں سرشد است

اِبتلَائُہٗ لِشَیخِہٖ عِصمَۃً وَطَاعَۃً
لَشُومٌ لِلمُرِیدِ لَو بِرَاسِہٖ اَسبَرَا

ترجمہ:۔ "مُرشد کامل کو عصمت و پاکدامنی اور طاعت و عبادت میں امتحان و آزمائش کرنا

مُرید کے لئے انتہائی بدقسمتی اور بدبختی ہے اگر وہ ہیچ قسم کا خیال اپنے دل میں لائے تو محروم ہوگا۔

التحقیقُ اللّغوی:۔

سَبَرَ (ن) مِن، سَبراً وَاَسبَرَ وَاستبرج الجرح او البئر او الماء= جانچ کرنا تجزیہ کرنا۔ آزمانا، مُرید کا امتحان پیر کرنا اور اسکی معصومیت کا اعتقاد اور اس کے جسم کا ہر ہر عضو عبادت میں مشغول ہے کہ نہیں مُرید کی محرومیت کی نشانی ہے شعر میں سرِاوّل سے سرادر سرِ دُوم سے خیال مقصود ہے۔ آنے والا شعر اس کی دلیل ہے۔

مُنتہی را گہے گہے ترکِ ریاضت نافع است!
مبتدی بے امرش ار تارک شدہ از غرشد است

یَنفعُ لِلمُنتھی ترکُ الرّیاضۃ تَارۃً
ان ترکھا المُبتدِئ مِن دُونِ اَمرِہ اَزعَرا

ترجمہ:۔ "مُنتہی کے لئے کبھی ترکِ ریاضت غیر مفروضہ نفع بخش بن جاتا ہے اور مُبتدی اگر مرشد کی اجازت کے بغیر ایسا کرے تو اس کی حالت خراب ہوگی اور وہ بے خیر و برکت ہوگا

التحقیقُ اللّغوی:۔

قولُہٗ: مُنتھی۔ اسم فاعل۔ از باب انفعال اِنتھی۔ اِنتھاءُ الشیئِ نہایت تک پہنچنا۔ قولُہٗ: الرّیاضۃ= جسمانی ورزش، بُری حالت سے اچھی حالت کی طرف تبدیلی۔ نفسانی اخلاق کی عبادت ، مُراقبہ کے لئے عُزلت گزینی و گوشہ نشینی۔

قولُہٗ: اَزعَرَ: آدمی کا لاخیر محض ہونا۔ فعل متعدی ہے وہ یکُون ہے۔

خلاصۂ شعر:۔ یہ ہے کہ مبتدی کو منتہی کی تقلید سے بچنا چاہیئے۔ ہاں اگر پیر و مُرشد اس کی اجازت دے تو کرسکتا ہے کیونکہ مبتدی اور منتہی میں بڑا فرق ہے۔ یہ بحث وظائف و نوافل

مباح ہے اور فرائض کی بجا آوری میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

کار و بار واصل بینا بہر طوری سزاست
لائق طالب نیاز و ترک کرّ و فر شُداست

وَلِوَاصِلٍ يَجُوزُ كَيْفَ شَآءَ يَعْمَلُ
وَيُرَاعِي الْمُبْتَدِي عَجْزًا وَأَدَبًا وَافِرًا

ترجمہ:۔ " واصل باللہ یعنی خدارسیدہ مُرشد کے لئے درست ہے کہ وہ جس طرح چاہیے اپنے اعمال اور وظائف کی ترتیب مطابقِ شرع دے البتہ مبتدی کو چاہیئے کہ وہ اپنا کرّوفرّ اور کمال و جلال چھوڑ کر عجز و انکساری اور ادب و احترام کے ساتھ اپنے رہبرِ طریقت کی اِتباع و پیروی کے دُھن میں لگے رہے۔"

اَلتَّحْقِيقُ اللُّغَوِی:۔

قولہٗ ؛ واصل: وصل سے مشتق ہے۔ جوڑنا اور جمع کرنا۔ وَصَلَ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ اس نے ہزار دینار جمع کئے۔ اس جگہ اس سے وہ شخص مراد ہے جس نے علمِ سلوک کے مقامات طے کئے ہوں۔ قولہٗ ؛ یُراعی: رَاعَىٰ مُرَاعَاةً اَلنُّجُوْمَ: ستاروں کو دیکھنا، اَلْاَمْرَ: حفاظت کرنا، نتیجہ و انجام پر نظر کرنا۔

خُلاصۂ شعر:۔

یہ ہے کہ علمِ سلوک جیسے اہم علم میں قدم رکھنے والے کو چاہیئے کہ وہ ہر صورت میں اپنے رہبرِ طریقت کی پیروی اور اتّباع کرے تب کسی مقام تک وہ پہنچنے کی اُمید رکھے اور واصل یعنی مُرشد اور علم سلوک کے مقامات طے کرنے والے کو اجازت ہے کہ وہ جیسا چاہیے تو اپنے اعمال اور وظائف کی ترتیب دے۔

شارح رح فرماتے ہیں کہ اس شعر میں سلطان ولد کے اس بیان کی طرف اشارہ ہے کہ اولیاء اللہ کے ظاہری ناپسند افعال بھی عام آدمیوں کی طاعت سے بہتر ہیں۔ اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ" نیکوں کی نیکیاں مقربین بارگاہِ الٰہی کے ہاں گناہ ہوتی ہیں۔ اس لئے کہا گیا:۔

بیت ؎ دور دور نداین عوام از حال شاں
زاں گذشت از حد و عدا اہمالِ شاں

حضرت خواجہ حافظ رح فرماتے ہیں:۔

زاہدِ ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست
در حقِ ما ہر چہ گوید جای ہیچ اکراہ نیست

بودنِ خالی ولی مُطلق زِ اَوصافِ بشر
نیست ممکن سجنِ جان تا آدمی پیکر شد است

کَوْنُ اَحَدٍ مِنْ وَلِیٍّ خَالِیًا مِنْ ضُعْفِ اِنْسٍ
مِنْ مُحَالَاتٍ مَتٰی مَا الْجِسْمُ لِلرُّوْحِ مُحْجَرًا

ترجمہ:۔ "جب تک روح کے لئے بدن انسانی قید خانہ ہے اس وقت تک اولیاء اللہ کا بالکل بشری کمزوریوں سے خالی ہونا ناممکن اور محال ہے۔"

التحقیق اللغوی:۔

قولہٗ: وَلِی : قریب۔ نزدیک۔ بارش کے بعد بارش۔ دوستِ خدا۔ اس کی جمع اولیاء اللہ آتی ہے جیسے کلام اللہ میں اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ آیا ہے۔ قولہٗ: بَشَر، آدمی، اسکی جمع اَبْشَار ہے اور لفظ بَشَر مفرد و جمع پر بھی بولا جاتا ہے۔ قولہٗ: مُحْجَر = اور مَحْجَرٌ مِنَ الْعَیْن = آنکھ کا خانہ، باغیچہ۔ اسکی جمع مَحَاجِر آتی ہے۔

قولہٗ: سِجنٌ: قید خانہ، اس کی جمع سُجُونٌ ہے اور السَّجّانُ داروغہ جیل جیلر۔ السّجِینُ قیدی۔ مذکر کے لئے، اس کی جمع سُجَناءُ اور سَجناءُ۔ اصل میں سَجنَہٗ سَجنًا۔ قید کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ والتحقیق الکامل فی المنجد ۔

مُخلاصۂ شعر:۔

رسالۂ اقبالیہ سے ماخوذ ہے :۔

"حق تعالیٰ بشر را چناں آفریدہ کہ ہرگز از مرتبۂ بشری قدم بالا نہد۔ و اینکہ بشر در عالم کون و فساد پاک و بے عیب تواند بود ممکن نیست کہ آں صفت خداوند است۔ انتہیٰ"۔ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ بشریت سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا اور یہ کہ اس عالم کون و فساد میں بے عیب بھی نہیں ہو سکتا اور بالکل بے عیب ہونا صفتِ باری تعالیٰ ہے۔ لہٰذا مرشدِ کامل کی کوتاہیوں پر غور کرنا نادانی و ناکامی کی علامت ہے۔ شاعر نے اسی معنی کو اس شعر میں ادا کیا ہے :

شعر ؎ نکو بین باش اگر غفلت بجا یست
اگر بے عیب جوئی خدا یست

مُصطفیٰ کو اَحسَنُ الخلق از ہمہ مخلوق بود
گاہ گاہے در غضب چشمانِ او محمر شد است

مُصطفَانا اَحسَنُ الاَخلاقِ فِی خَلقٍ وَّ کَان
یَغضِبُ فِی بَعضِ اَحیانٍ وَیُضحِی اَحمَرًا

ترجمہ:۔ "ہمارے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقِ عالیہ میں سارے مخلوقات سے افضل تھے باایں ہمہ گاہے گاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمانِ مبارکہ غضبناک اور سرخ ہو جاتی تھیں۔

موجبِ لطف آں غضب بودے بمغضوبٌ علیہ
ہمچنیں زِ اتباعِ او داں گرکشش مظہر شد است

کَانَ ذَالِكَ الغَضَبُ رَحْمَۃً عَلٰی مَغْضُوْبِہٖ
ھٰکَذَا مِنْ تَابِعِیْہِ مَنْ یَکُنْ لَہٗ مَظْھَرًا

ترجمہ:۔ "ہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبِ مبارک جس پر کبیدہ اور ناراض ہوتا تھا وہ ناراضگی اس پر لطف اور رحمت ہوتی تھی۔ یہی حال آپؐ کے ان پیروؤں کا ہے جو آپکے مظہر اور آپؐ کے اخلاقِ عالیہ کے عکس و پرتو ہوتے ہیں۔

التحقیقُ اللّغوی:۔ قولہٗ: کَشَش (ش) اس میں ضمیر مفعولی ہے یہ راجع ہے

غضب کی طرف۔ قولہٗ: اَتباع: تابع کی جمع ہے۔ پیروؤں کو کہتے ہیں۔ شارح رح نے اگرچہ مظہر کو بمعنی اسم ظرف لیا ہے مگر یہ اسم فاعل بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی ظاہر کرنے والا غصہ و غضب بہرحال یہ یَکُنْ کی خبر ہے اور اس کا اسم ضمیر ہے جو مَنْ کی طرف راجع ہے۔

ان دو شعروں کا خلاصہ:-

یہ ہے کہ غیظ و غضب کرنا اللہ تعالیٰ کے حقوق پر عمل کرانے کے لئے بشری لوازم میں سے ہے چنانچہ حضرت میر سید علی ہمدانی رح فرماتے ہیں: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَغْضِبُ حَتّٰی تَحْمَرَّ عَیْنَاہُ وَوَجْنَاہُ وَکَانَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ بَشَرٌ فَاَیُّمَا مُسْلِمٍ سَبَبْتُہٗ اَوْ لَعَنْتُہٗ اَوْ ضَرَبْتُہٗ فَاجْعَلْھَا مِنِّیْ صَلٰوۃً ــــ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (اللہ کے لئے) اتنا غصہ ہوتا تھا کہ آپؐ کے رخسارِ مبارکہ اور چشمانِ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی پر گلاب نما سرخی دکھائی دیتی تھی۔ اور پھر آپؐ بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہو کر فرماتے تھے۔ مولا! میں بشر ہوں۔ پس اگر میں نے غصہ کی حالت میں کسی مسلمان کو کوسا یا لعنت کی یا اس کی ضرب کاری فرمائی تو اس کے لئے وہ میری طرف سے سامانِ مغفرت بنا دے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ ہائے یہ ہمارے نبیؐ کی حالت ہے۔ دوسرے ہیں ہم کہ شیطان بھی ہماری حالت دیکھکر شرماتا ہے اور پھر دعویٰ اتنے بلند کہ سننے والا اگر عقلمند ہو تو شرماتا ہے۔

شعر:- ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند
کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

نوٹ:- متن میں لفظ اتباع کا الف نہ پڑھئے ورنہ شعر کا وزن ٹوٹ جائے گا۔

قول تلخ پیر جانرا صد شفا بخش آمدہ است
در مذاقِ نفس تلخ از مثلِ عاقرقرشدہ است

شَرِیُ قَوْلِ الشَّیْخِ لِلرُّوحِ لَیَشْفِیْ مِاۃَ مَرَض
ذَوْقُہٗ لِلنَّفْسِ لَوْ کَانَ کَالْعَقَاقِرِ ظَاھِرًا

ترجمہ:۔ "مرشدِ کامل کی تیز و تند نصیحت روح کی سینکڑوں بیماریوں کے لئے موجبِ شفاء ہے۔ گو ظاہر میں اس نصیحت کی لذت نفس کے لئے عاقر قرحا جیسی کڑوی اور سخت تلخ ہوتی ہے۔

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی:۔

قولہٗ: عاقر قرا ایک جڑی بوٹی جو نہایت کڑوی ہوتی ہے۔ عربی میں اسکو عقاقیر کہتے ہیں۔ یہاں ضرورت شعری کی وجہ سے ایک "یا" حذف کی گئی ہے۔ قولہٗ: شَرِیُ کڑوی اور تلخ چیز کو کہتے ہیں۔ جیساکہ تأبط شرًا کہتا ہے۔

شعر:۔ وَلَہٗ طَعْمَانِ اَرْیٌ وَشَرِیٌ وَکِلَا الطَّعْمَیْنِ قَدْ ذَاقَ کُلٌّ

خلاصۂ شعر:۔ یہ ہے کہ جیسے دانا باپ اور سمجھدار والدہ کی نصیحت اولاد کو تلخ اور ناگوار گزرتی ہے اسی طرح مرشدِ کامل کی تلخ نصائح میں بھی مرید کی بہتری اور سعادت ہوتی ہے بشرطیکہ مرید مرشدِ برحق کی نصائح پر عمل کرے اس لئے عقلمندوں نے کہا ہے کہ "جورِ استاد بہ ز مہرِ پدر" استاد کی سختی باپ کی محبت سے کہیں زیادہ بہتر ہوتی ہے اور علمِ تصوف کے ماہرین کے ہاں یہ شعر شہرۂ آفاق ہے۔

بمی سجّادہ رنگین کن گرت پیرِ مغان گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

مہربانی فرما کر رہبر اور رہ بُر میں فرق کیجئے تب شعرِ مذکور پر بحث فرماویں۔

مار را آوازِ شیرین است امّا مہلک است
لطف و خیر است آب اگر آوازہ اش شر شدہ است

صَوْتُ حَيَّةٍ تَجْذِبُ الْبَالَ وَلٰكِنْ مُهْلِكَه
لُطْفُ مَاءٍ طَيِّبٌ لَوْ كَانَ ذَالِكَ جُرَّرًا

ترجمہ:۔ سانپ کی آواز ظاہر میں دلکش اور شیریں ہے لیکن حقیقت میں جان لیوا ہوتی ہے اور پانی نرم و شیریں ہوتا ہے اگرچہ اُس کی آواز میں تیز و تندی اور شر شر سنائی دیتی ہے۔"

التَّحقِيقُ اللُّغَوِی:۔

قَولُہٗ: حَیَّۃٌ = سانپ۔ مذکر و مونث، جمع حَیّاتٌ۔ اَلحَیُّوتُ = نر سانپ الحیّ = محلہ، قبائل عرب میں سے چھوٹا سا قبیلہ، جمع احیاءُ۔ الحَیُّ = زندہ، نسبت کیلئے حَیَوِیٌّ، مونث حَیَوِیَّۃٌ۔ اَرضٌ حَیَّۃٌ = سرسبز شاداب زمین، کہا جاتا ہے، لَا یَعرِفُ الحَیَّ مِنَ اللَّیِّ۔ یعنی وہ بیوقوف ہے۔ قولُہٗ: جُرَّرًا یہ جَرَّ رَ بِہٖ سے ایک محاورہ ہے۔ زور سے کھینچنا، جھٹکا مارنا۔ یعنی جب کوئی زور سے چلے یا چلا جائے تو اُس کی تیز و تند آواز پر یہ لفظ بولتے ہیں باقی الفاظ کے معانی ظاہر ہیں۔

خُلاصَۂ شَعر:۔ کسی کے ظاہری حُسن و قُبح اور اُس کی نرمی و گرمی پر نالاں یا فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اُس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر لینی چاہیئے ورنہ آدمی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گا۔ ہائے افسوس ہے کہ میں خود اس بلا میں مُبتلا ہوا ہوں تو اس لئے میرا قلم یہاں پر مزید لکھنے سے تھرتھراتا ہے۔ سچ یہ ہے ؎

قسمت کی بدنصیبی کو صیاد کیا کرے
سر پر گرا پہاڑ تو فریاد کیا کرے

اللہ بس باقی ہوس۔

اعظمُ الارکان ارادت را فنا فی الشیخ ہست
ہر کہ را این نیست بخر مش کن کہ اُو مدبر شد است

اَعظَمُ رُکنِ المُرِیدِ الفَنا فِی شیخہ !
وَاعلَم اَنَّ مَن خَلا مِنہُ یَقِینًا مُدبِرًا

ترجمہ:۔ "ارادت مندی اور مُریدِ صادق ہونے کی سب سے بڑی شرط یعنی رُکنِ اعظم یہ ہے کہ پہلے مُریدِ صادق فنافی الشیخ ہوجائے۔ اور پھر اُس کے احکام و تعلیمات کا سرِمُو خلاف نہ کرے اور اچھی طرح سمجھ لے کہ جس مرید میں یہ صفت نہ ہو بلکہ اس سے بالکل خالی ہو تو اس کے بدنصیب اور بدبخت ہونے میں کوئی شک نہیں :۔

التحقیقُ اللغوی :۔

اس شعر کے الفاظ کے لغوی معنی ظاہر ہیں۔ پھر ضروری لفظوں کی تحقیق پہلے ابیات میں آچکی ہے۔ البتہ شارح رحہ نے مُدبِر باب افعال سے اسم مکان و زمان کے معنی میں لیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ مُدبَر: اسم مکان و زمان است از اِدبار کہ ضدِ اِقبال است یعنی پشت دادن و پس رفتن است۔ یعنی ہر کہ را فناء فی الشیخ نیست جای اِدبار است دسزاوار اِقبال نیست الخ

خلاصۂ شعر:۔ یہ ہے کہ سچے مرید کے لئے زیبا ہے کہ وہ فناء فی الشیخ کا مقام حاصل کرے اسکی برکت سے وہ فناء فی اللہ کے مقام تک پہنچ جائے گا۔ اور اپنے دل میں اپنے پیر کے ساتھ صدق و اخلاص پیدا کرے، اسی سے اسکی مشکلات آسان ہوں گی اور خواجہ بہاءالدین نقشبندی رحمہ اللہ کے مقامات میں ہے کہ مرید کو کوئی مشکل پیش آئے تو صبر و ضبط سے کام لے اور پھر مریدوں کے درجے بیان کئے ہیں۔ ہر ایک کے لئے جدا گانہ احکام ہیں۔ فَرَاجِعُ اِلیہ :

ہست مُرتدِ طریقت ناقبول ہر ولی
ہر کہ از فرمانِ شیخِ راستیں منفر شد است

قَدِ ارْتَدَّ فِی الطَّرِیْقَۃِ وَسَحِیْقًا مِنْ وَلِیْ
اَلَّذِیْ مِنْ شَیْخِہِ الْکَامِلِ اَضْحٰی مُنْفَرًا

ترجمہ:۔ "وہ شخص طریقت میں مُرتد اور تمام اولیاء سے دُور ہو گیا جو اپنے شیخِ کامل سے دھتکارا گیا ہے۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی :۔

قولہٗ : الطَّرِیْقَۃ : عادت، حالت، مذہب، دھاری دار کپڑے کا لمبا ٹکڑا۔ لمبا درختِ خرما۔ خیمہ کا ستون۔ سائبان کا ستون۔ قوم کا شریف و افضل آدمی۔ جمع طرائق۔ اس جگہ اس سے وہ علم مراد ہے جس میں نفسِ انسانی کو پاک و صاف رکھنے سے بحث ہوتی ہے۔

قولہٗ : سَحِیْق بمعنی دور۔ اسی سے فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ آیا ہے۔ احادیث میں اس کی تحقیق ملاحظہ کریں۔ قولہٗ : مُنْفَر : اسم مفعول از باب افعال۔ دھتکارا ہوا، بھگایا ہوا۔

خُلاصۂ شعر :۔ تمام اولیاء اللہ کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ یک جان دو قالب کے مصداق ہیں یعنی جس کو ایک مُرشدِ کامل نے رد کیا وہ سب اولیاء اللہ کے دربار سے رَدّ اور مرتد ہوا۔ پس مرید کو ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اپنے مُرشدِ حقانی کی بیزاری سے پرہیز کرے اور اس سے بدگمان نہ ہو۔ ہائے! اب نہ تو ایسے پیر ہیں اور نہ ایسے مُریدین۔

گور بردو ہم رسالہ خوان و ہم شیخ آزما
بے رہنہ جز آنکہ فرمانِ شیخ اصبر شد است

لِصُوقُ اَجْدَاثٍ وَقِلَّۃُ الْعِلْمِ مَعَ مَنْ یَبْتَلِیْ
تَسْبُغُہُ الصَّنَا لُوْنَ نَمَبْرَمَنْ یُطِعْہُ صَابِرًا

ترجمہ:۔ "شیخ کامل کی اجازت کے بغیر قبروں سے چمٹنے والا، بے علم رسالہ خوان اور وہ جو اپنے شیخ کو امتحان کرتا ہو، یہ سب حیران و سرگرداں ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو اپنے شیخ کے فرمودات پر بہت صابر ہوں"۔

التحقیق اللغوی:۔

قولہٗ: لصق، اَللَّصِقُ وَاللَّصُوْقُ: نزدیک رہنے والا۔ چمٹنے والا اساقی۔ اصل میں لَصَقَ مصدر۔ چپکنے کے معنی میں آتا ہے، قولہٗ اَجْدَاث جمع جَدَث بمعنی قبر۔ قرآن کریم میں فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ وارد ہے۔ قولہٗ قَلّ، اَلْقِلُّ وَالْقُلُّ: قلیل، کسی چیز کا کم از کم حصہ اور کہا جاتا ہے هُوَ قُلُّ ابْنُ قُلٍّ کہ وہ بھی غیر معروف ہے اور اس کا باپ بھی غیر معروف ہے۔ اصل میں قَلَّ، قِلًّا، قُلَّةً وقِلَّةً کم ہونے کے معنی میں آتا ہے یہاں ضَالُّوْنَ سے حیران ہونے اور ششدر رہنے والے مراد ہیں۔

قولہٗ: اَصْبَرُ: اسم تفضیل بہت صبر کرنے والا۔

خلاصۂ شعر:۔

جناب شیخ نورالدین صاحب طرفانی رح کی تحقیق کے مطابق اس شعر میں تین اہم باتیں ہیں:۔ (۱) مُرشد کی اجازت کے بغیر زیارت کی جگہ پر رہبری کی اُمید سے بیٹھنا (۲) تصوف کے کچھ رسالے پڑھ کر دھوکہ اور فریب میں پڑنا کہ میں کامل ہوں (۳) مشائخ کے امتحان و ابتلا میں عمر گذارنا یہاں تک دنیا سے رخصت ہونے کا وقت پہنچ جائے۔ ایسے لوگ بے راہ ہیں اور ان سے کسی مسلمان کو علم سلوک میں فائدہ نہیں ہوگا۔

شکر للہ کاں ظہیرالدین پناہ و پشتِ ما
قوتِ مُستظہر از پشتی مُستظہر شد است

شُکْرُ رَبٍّ ھُوَ ظَھِیْرُ الدِّیْنِ مَاوَاءٌ لَنَا
قُوَّۃُ الطَّالِبِ وَفْقَ مَنْ بِہٖ اِسْتَظْھَرَا

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ ہمارے پیر کامل حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ دینِ حق کے مددگار اور ہمارے ماوی اور جای پناہ ہیں۔ اور طالب اور مُریدِ صادق کی طاقت و قوت اس کے اس مددگار کے موافق ہوتی ہے جس کا وہ طالب اور مُرید ہو اور جس سے وہ سچے دل سے مدد کا خواستگار اور طلبگار ہو۔

التشریح : شارح رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر فخر و مباہات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ ہمیں ایسا رہبر کامل عنایت فرمایا ہے جو بے پناہ روحانی قوت اور سچی رہبری کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس لیے ہم نے آپ کی طاقت اور اپنی سچی ارادتمندی سے آپ سے اپنا جھولا بھر دیا ہے اور سچ ہے آپ دینِ حق کے بھی مددگار ہیں۔

خُلاصۂ شعر :-

حضرت شارح رح اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے پیر کامل جس طرح دینِ حق کے مددگار ہیں اور ہمارے سہارے اور جائے پناہ بھی ہیں اور مدد مانگنے والے کی طاقت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ کس سے مدد مانگتا ہے۔ یہ شعر بطورِ فخر و مباہات ہے۔ اپنے مُرشد کامل پر مکمل بھروسہ اور اعتماد ہے :

کاش قُربانم کُند ہستم چو در تسلیم اُو
ہمچو اسماعیلؑ کو را والدہ ہاجرؑ شد است

لَیْتَمَا شَیْخِیْ لِیُضَحِّیْنِیْ فَاِنِّیْ مُسْلِمَہٗ
مِثْلَ اِسْمٰعِیْلَؑ اُمُّہٗ تُسَمّٰی ھَاجَرَا

ترجمہ:۔ "کاش حضرت پیر کامل (حضرت محبوب العالمؒ) مجھے قربان کریں۔ کیونکہ میں ہر حال میں آنجنابؒ کے ہر حکم کا تابع ہوں۔ اسی طرح جیسے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدۂ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السّلام کے تابعِ فرمان تھے۔"

التّحقیقُ اللّغوی:۔

قولُہٗ مُسْلِمَۃً: مُسلم اسلام سے نکلا ہے۔ جس کے کئی معنی آتے ہیں۔ مثلاً مطیع و فرمان بردار ہونا، مذہبِ اسلام قبول کرنا۔ اَسْلَمَ العَدُوَّ۔ دشمن کو چھوڑنا۔ اَسْلَمَ اَمْرَہٗ اِلَی اللہِ۔ اس نے معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ اُسْلِمَ۔ سانپ سے ڈسا جانا۔

خُلاصۂ شعر:۔

اِس شعر میں مرشد کامل پر مکمّل اعتماد کا اظہار و افتخار ہے۔ اسی کو حضرت پیر رومی رحمہ اللہ نے اس شعر میں اس طرح ادا کیا ہے ؎

ہمچو اسماعیلؑ پیشش سر بنہ ۔ پیشِ تیغش شاد و خنداں جان بدہ

"اپنے پیرو رہبر کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو اور اسکی تلوار کے سامنے خندہ پیشانی سے اپنی جان نثار کر۔"

شکر لِلّٰہ گشت پیدا در مَن انواعِ فرح
تا وے از محضِ کرم غمخوارِ ایں غمخور شُداست

شُکْرًا لِلّٰہِ قَدْ تَبَدَّتْ فِیَّ اَنْوَاعُ السُّرُوْرِ
مُنْذُ بِلُطْفِہٖ تَوَلّٰی دَفْعَ هَمِّیْ نَاصِرًا

ترجمہ:۔ "اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر و احسان ہے کہ جب سے آنجناب مجھ غمزدہ کے غمخوار اور آقا ہوئے۔ اس وقت سے مجھ میں فرحت و سُرور کے انواع و اقسام پیدا ہوتے ہیں۔"

خلاصۂ شعر:۔
اس شعر میں صراحتاً اپنے مرشد کامل کی توجّہ خاص اور عنایت بے غایت کا بیان ہے مگر یہاں پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اخلاص و محبّت یہ ہے کہ زبان سے بھی اپنی محبّت ظاہر نہ کرے پھر شارح رح کو اس کے ظاہر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی اپنے بھائی سے محبّت رکھے تو زبان سے اس کا اظہار کرے تاکہ طرفین اس سے زیادہ لطف اندوز ہوں گے۔

خاکِ پایش چشمِ مارا بہتر ست از توتیا
گردِ راہش در دماغِ ما بہ از عنبر شدست

وَتُرَابُ رِجْلِهٖ لِلْعَيْنِ خَيْرٌ مِنْ كُحْلٍ
وَغُبَارُ طُرُقِهٖ مَسَّنِي مَشَامِيْ عَنْبَرًا

ترجمہ:۔ "آں پیرِ دستگیر کی پائے مبارک کی مٹی میری آنکھوں کے لئے سُرمہ سے بھی زیادہ بہتر ہے اور آنجناب کے راستوں کے گرد و غبار نے میرے دماغ کو عنبر سا مشک دار بنایا۔

التحقیقُ اللغوی:۔
قولُہٗ وَتُرَابُ: اس میں واو عاطفہ نہیں بلکہ استینافی ہے۔ تُراب مٹی کو کہتے ہیں اس کی جمع تِربان آتی ہے۔ جیساکہ مُتنبّی کے اس شعر میں ؎

نَقَلْتُ لَهَا أَيْنَ أَرْضُ الْعِرَاقِ ۔۔۔ فَقَالَتْ وَنَحْنُ بِتِرْبَانِهَا

قولُہٗ غبار: الغبرۃ والغبارۃ: خاک یا خاک کے باریک ذرّات۔
قولُہٗ عنبر: ایک قسم کی خوشبو۔ زعفران = ایک بڑی قسم کی مچھلی۔ جمع عَنَابِر آتی ہے۔

خلاصۂ شعر:۔ اس میں اپنے مُرشدِ کامل سے کمالِ عقیدت و احترام کا بیان

اور منافق مریدوں کو نصیحت ہے کہ ان کا نفاق اور ان کی اندرونی خباثت پیرانِ حقائق آشنا سے پوشیدہ نہیں ہوتی۔

از کرم خواہد مرا در دین امان از ہر خطر
حالِ من چون واضح آں خاطرِ اخطر شد است

اِنَّهُ یَحْفَظُ لِیْ مِنْ کُلِّ خَطَرٍ مِنْ کَرَمٍ
اِنَّ حَالِیْ عَلٰی بَالِهٖ لَاَضْحٰی اَزْهَرًا

ترجمہ:۔ "مجھے آپ کے کرم و فضل سے امید ہے کہ آپ مجھے تمام خطرات سے محفوظ رکھنے میں ممد و مددگار ثابت ہوں گے۔ کیونکہ میرا ناکارہ حال آپ کے قلبِ مبارک پر روشن اور تاباں ہے۔

التحقیقُ اللغوی:۔

قولہٗ خاطر، دل۔ جاش الشعرُ فی خاطری = میرے دل میں شعر کی آمد ہوئی

قولہٗ خطر۔ الخطرۃ = قریب بہلاکت، اس کی جمع اخطار آتی ہے۔ قولہٗ: ازھر روشن، صاف رنگ والا۔ زَھَرَ، زُھُوْرًا۔ السِّرَاجُ اَوِ الْقَمَرُ اَوْ وَجْهُهٗ کہ چراغ یا چاند یا چہرے کا چمکنا اور روشن ہونا۔

خلاصۂ شعر:۔

رہبرِ کامل کا یہ بھی مقصدِ اعلیٰ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مرید کو خطرات اور نفسانی خواہشات سے بچائے۔ حضرت خاکی رح شعر مذکور میں اپنے پیر کامل سے اسی کی استدعا کرتے ہیں۔

پا برہنہ چون ز شوق اندر رکابش میدوم
خار و خاشاکِ طریقم بہتر از گلہا شد است

فِیْ رِکَابِهٖ مِنِّیْ اَعْدُوْ بِشَوْقٍ رَاجِلًا
شَوْکُ مَمْشَایَ طَرِیْقِیْ مِنْ وُرُوْدٍ اَخْیَرَا

ترجمہ:۔ "جب میں اپنے پیر کامل کی سواری کے آگے ننگے پاؤں دوڑتا ہوں تو اس راستے کا خس و خاشاک مجھے سبزہ زار اور گلابوں سے زیادہ بہتر دکھائی دیتا ہے۔"

التَّحقِیقُ اللُّغوی:

قولُهٗ اَعْدُوْ۔ واحد متکلم از باب نَصَرَ یعنی عَدَا، یَعدُوْ عَدْوًا وَعَدْوَانًا وتَعْدَاءً، دوڑنا۔ فلاناً عَنِ الامرِ = معاملہ سے باز رکھنا۔

خلاصۂ شعر:۔

اس شعر میں اپنے مرشدِ کامل کی عقیدت و احترام کا بیان و اظہار ہے جس کی برکت سے اقبال مندمرید درجۂ سعادت و نجات حاصل کرلیتا ہے۔ خواجہ بایزید بسطامی رح کے مقامات میں مذکور ہے کہ آپ کا خادم ابوموسیٰ پر جب وجد طاری ہوتا تھا تو یہ رباعی پڑھتے تھے ؎

آنرا کہ چوں تو نگار دلبر باشد — شاخ طربش ہمیشہ پُر بر باشد

اس شعر کا ترجمہ:۔ ابوموسیٰ خادم حالت وجد میں اپنے رہبر حضرت بایزید بسطامی رح کو کہتے ہیں۔ کہ جس کو آپ جیسا محبوب ہو اس کی شاخِ فرحت و شادابی ہمیشہ ہری بھری رہ جائے گی۔

یک نظر بر حالِ زارِ خاکی بے چارہ کُن!
کاں نظرہائے کہ خاکِ تیرہ زاں چوں زر شد است

اَلْقِ نَظْرَةً اِلَى الْخَاکِیِّ سُوْءَ حَالِهٖ
نَظْرَةً تَجْعَلُ تُرْبَانَهٗ کَذَهَبٍ اَحْمَرَا

ترجمہ:۔ "اے میرے آقا اس خستہ حال خاکی پر ایسی نظرِ کرم فرمائیے جس سے اس کی سیاہ مٹی اور کھوٹی چیز زرتاب بن جائے۔

التَّحقِیقُ اللُّغوی:۔

قولہٗ : خاکی : یہ حضرت ناظم رحمۃ اللہ کا تخلّص ہے۔ اصلی نام مبارک داؤد ہے جو بعد میں بابا کے محترم لقب سے زبان زدِ خلائق ہوا۔ اور لفظ بابا کی لغوی تحقیق جلد اوّل میں آچکی ہے۔ اور تربان کی تحقیق پیشتر ابیات میں آچکی ہے۔

خلاصۂ شعر:۔

حضرتِ حافظ شیرازی رحمہ اللہ اپنی دیوان میں فرماتے ہیں۔ شعر

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند — آیا بود کہ گوشۂ چشمی بما کنند

رہا یہ امر ممکن ہے؟ تو اس کی تحقیق جلد اول میں آچکی ہے۔ یہ اولیاء اللہ کے ہاں کوئی بڑا کمال نہیں۔ ہاں جب سے لوگوں کے دلوں میں اعتقاد میں زوال آیا ہے۔ اس وقت سے اس میں شکوک پیدا ہونے لگے ہیں۔ ورنہ اس پر حدیث جبرئیلؑ بھی گواہ ہے:

جیب و دامانِ دلش پُر شوق حق سازای کریم
چوں گدائی درگہت اَیں مُفلسِ افقر شُداست

جَیبَ قَلبِہٖ بِعِشقِ الحقِّ اِملَأْ یا کَرِیم
عِندَ بابِکَ قَدْ اَتیٰ ھٰذَا الضَّعِیفُ اَفقَرا

ترجمہ:۔ "اے مہربان آقا! خاکی کا جیب اور اس کا دامن دل اللہ کے عشق و محبّت سے پورے طور سے بھر دے کیونکہ یہ گدا آپ کی درگاہ میں فقیر و مفلس بن کر آیا ہے۔"

التحقیق اللغوی:۔

قولہٗ جیب۔ اَلجَیبُ مِنَ القَمِیصِ: گریبان، دل، سینہ۔

قولہٗ: کریم۔ الکریم: بخشش کرنے والا، درگذر کرنے والا، سخاوت کرنے والا۔ کریم کی جمع کرام اور کُرَماءُ آتی ہے۔ کِتابٌ کریمٌ "پسندیدہ کتاب"، رِزقٌ کریمٌ "عمدہ روزی"

یہ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی میں تمام عمدہ صفتیں پائی جاتی ہیں۔

خلاصۂ شعر :۔

یہ ہے کہ اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ مرشد کامل کی اتباع و پیروی اور ان کی عقیدت و خدمت سے دنیا طلبی مقصود نہیں ہونی چاہیئے بلکہ اس سے حقیقت رسائی اور عشق حقیقی مراد و مقصود ہونا چاہیئے۔ اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ۔

مولا! تم سے تیری محبت اور تیرے محب کی محبت مانگتا ہوں اور اس عمل کی محبت جو مجھے تیری محبت سے قریب کر دے۔

افسوس ہے کہ آج کل پیروں اور مریدوں کے ہاں عشق الٰہی کا سوال ہی نہیں۔ پھر بھی عشاق و معتقدین کی صف میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ سچ ہے ؎

ای مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز　　　کان سوختہ را جان شد آواز نیامد

لطف فرما از کرم یک جرعۂ ایں تشنہ را
چوں ز جلّاب محبّت پُر ترا ساغر شد است

وَبِلُطْفٍ اَعْطِ جُرْعَۃً لِّھٰذَا الْعَاطِشِ
اِذْ بِجُلَّابِ الْمَحَبَّۃِ مُلِئَتْ سَاغِرًا

ترجمہ :۔ "ای مرشد حقانی از روئے لطف و مہربانی اس پیاسے کو بھی عشق و محبت الٰہی کا ایک گھونٹ عنایت فرما کیونکہ عشق الٰہی سے آپ کا پیالہ (سینہ مبارک) بھرا پڑا اور چھلک رہا ہے۔"

التحقیق اللغوی :۔

قولہٗ؛ جُلَّاب : قال فی المنجد : الجُلَابُ وَالجُلَّابُ : عرق گلاب میں شہد یا شکر سے تیار کیا ہوا شربت۔ قولہٗ ؛ مُلِئَتْ۔ مَلَأَ بمَلْأً بھرنے کے معنی میں آتا ہے

اور ساغر مجرور ہے محلاً ۔ اصل میں مُلبیِّنَ بالسّاغِرِ کما قال الشیخ الجیلانی رضی اللہ عنہ

فَسَاقِی الْقَوْمِ بِالْوَافِی مَلَالِیْ ۔

خلاصۂ شعر :۔

مذکور الذکر تین شعروں میں التفات من الغیبوبۃ الی الخطاب ہے جس کی تفصیل علم المعانی کی کتابوں میں پوری تفصیل سے پائی جاتی ہے نیز اس بات پر تنبیہ ہے کہ علم تصوّف اور پیر مُریدی سے عزت و جاہ طلبی مقصد نہیں بلکہ اس کا مقصود وصول الی اللہ ہے اور مرشدِ کامل اس تک پہنچنے کا بڑا وسیلہ ہے ۔ اگر کوئی انگریزی دان ڈاکٹری کی ہزاروں کتابیں سامنے رکھے مگر کسی ڈاکٹر کے پاس شرفِ تَلَمُّذ نہ کرے تو وہ بیماروں کے لیے اور بھی جان لیوا ثابت ہوگا ۔

مدحِ شیخ ایں نظم من وِردُ المریدین نام یافت
زانکہ وِردش ساختن بر ہر مُرید اَجدر شُدست

نَظمِی هٰذَا اِسْمُهٗ وِرْدُ الْمُرِیْدِیْنَ مَدْحُ شَیْخٍ
وِرْدُهٗ لِلْمُخْلِصِیْنَ صَارَ جِدًّا اَجْدَرَا

ترجمہ :۔ میں نے پیر کامل کی مدح میں جو یہ قصیدۂ مبارکہ لکھا ہے اس کا نام وِردُ المُرِیدِین قرار پایا ہے ۔ کیونکہ اس کا پڑھنا اور وِرد کرنا آپ کے تمام مخلصوں اور مُریدوں کے لئے لائق اور بہت زیبا ہے ۔

التَّحقیقُ اللُّغوِیُّ :۔

قولہٗ : اَجْدَرَ : اسم تفضیل ، بہت لائق ، یہ اصل میں جَدُرَ (ل) جَدَارَۃً بِکَذا : لائق داخل ہونا ، اس سے صیغۂ صفت جَدِیرٌ آتی ہے جس کی جمع جَدِیرُونَ و جُدَرَاءُ اور مونث کے لئے جَدِیرَۃٌ و جَدِیرَاتٌ وجَدَائِرُ ہے ۔ قولہٗ وِرْد

وظیفہ۔ اس کا اصلی معنی پانی پر آنے یا پہنچنے کے ہے۔ کہتے ہیں۔ وَرَدَ، یَرِدُ، وُرُوْدًا الماءَ وغیرہ۔ یانی وغیرہ کی طرف متوجہ ہونا، لہذا لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت ظاہر ہے کہ اس قصیدہ کا پڑھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا دریائے رحمت الٰہی پر پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ اس خاکسار کو بھی اس رحمتِ خاصّہ میں داخل فرمائے۔ آمین ؛

خلاصۂ شعر:۔

چونکہ یہ قصیدہ مبارکہ ایمان و اسلام و ارادت کے مضامین پر مطابق سلفِ صالحین مشتمل ہے۔ اس لئے اس کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے سے پڑھنے والا سچا سُنی مسلک مسلمان ہوگا۔ اور مبتدعین اور گمراہ فرقوں سے ممتاز ہوگا۔ اور اہلِ سُنّت والجماعت میں اس کا نام لکھا جائے گا۔ سارے اولیاء اللہ صبح و شام وہ کلمات پڑھتے چلے آئے ہیں جن کی برکت سے غیر سُنیوں اور گمراہ فرقوں سے الگ اور ممتاز ہو گئے۔ مثلاً حضرت میر سید علی الہمدانی رحمۃ اللہ نے اسی نیک مقصد سے اَوراد فتحیہ کے آخر میں یہ کلمات رکھے ہیں تاکہ صبح و شام پڑھے جائیں اور سچے مومنوں میں پڑھنے والا اشمار ہوگا۔ کیونکہ ان کلمات میں اصول اعتقاد کا بیان ہے۔ جیسے رضینا باللہِ تعالیٰ ربًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا وَّرَسُوْلًا وَبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا وَبِالْکَعْبَۃِ قِبْلَۃً وَبِالصَّلٰوۃِ فَرِیْضَۃً وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ اِخْوَانًا ط وَبِالصِّدِّیْقِ وَبِالْفَارُوْقِ وَبِذِی النُّوْرَیْنِ وَبِالْمُرْتَضٰی اَئِمَّۃً ط رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ ہ اور سلسلۂ قادریہ والے یہ کلمات بھی صبح و شام پڑھتے ہیں۔ وَاَشْہَدُ اَنَّ الْجَنَّۃَ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالْمَوْتُ حَقٌّ، وَالْقَبْرُ حَقٌّ، وَالسُّؤَالُ حَقٌّ، وَالْحِسَابُ حَقٌّ، وَالْبَعْثُ حَقٌّ وَالْمِیْزَانُ حَقٌّ وَالصِّرَاطُ حَقٌّ وَالْمُرُوْرُ عَلَی الصِّرَاطِ حَقٌّ وَالْحَوْضُ حَقٌّ وَالشَّفَاعَۃُ حَقٌّ وَرُؤْیَۃُ اللّٰہِ مِنَ الْجَنَّۃِ لِلْمُؤْمِنِیْنَ حَقٌّ وَجَمِیْعُ اَوَامِرِ اللّٰہِ وَنَوَاہِیْہِ حَقٌّ وَالْخَیْرُ وَالشَّرُّ کُلُّہٗ بِقَضَاءِ اللّٰہِ وَاِرَادَتِہٖ وَاَنَّ السَّاعَۃَ لَا رَیْبَ فِیْہَا وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ وَصَلّٰی

اللہ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین ہ ان کلمات کا پڑھنا اور ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ انہی کلمات سے باطل فرقوں سے نجات مل جاتی ہے۔

نوٹ: چونکہ کلماتِ بالا کا معنی عوام و خواص مسلمان جانتے ہیں اس لیے ان کے ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہم بُود نامش سزا بحرالحکم کز فیضِ اُو !

میوہ زارِ اعتقادِ ہر مُرید اَنضر شُد است

وَکَذَا البَحرُ الحِکَم یَحرِیٰ اِسمُہٗ مِن فَیضِہٖ

رَوضُ اِیقَانِ المُرِیدِین صَارَ جِدًّا اَنضَرَا

ترجمہ:۔ "اسی طرح اس کا نام بحرُ الحِکَم بھی لائق و زیبا ہے کیونکہ اُس کے فیض و برکت سے ہر مُرید کے یقین و اعتقاد کا باغ تر و تازہ اور سر سبز و شاداب ہے۔"

التَّحقِیقُ اللُّغَوِی:۔

قولہٗ: بَحرُ الحِکَم: اس کا لفظی ترجمہ حکمتوں کا سمندر ہے۔ البحر: سمندر، کھاری پانی، بڑا دریا، اس کی تصغیر، بُحَیرٌ اور جمع اَبحُر و بُحُور و بِحَار ہے۔ البَحرُ المتوسّط اَو بحر الرّوم، یورپ، ایشیا اور افریقہ کے درمیان کا سمندر۔ البحر المحیط: پانچ برّ اعظموں کو گھیرنے والا سمندر، بحرِ اتلانتک جو سمندر یورپ، افریقہ اور امریکہ کے درمیان ہے۔ الحِکَم حکمت دانائی، فہم و فراست عطا کرنے والی باتیں، ہم نے حِکَم کی تفسیر "شفاءُ البشر" شرح کبریتِ احمر کے جلد اول میں متوسط طریقہ پر کی ہے۔ لہٰذا شفاء کی طرف رجوع کریں۔ بہر حال اس میں کیا شک ہے کہ واقعی یہ کتاب حکمتوں اور علمِ تصوف کے نکتوں کا سمندر ہے۔ قولہٗ: یَحرِیٰ: لائق اور مناسب ہے، اس کا اسم تفضیل اَحرٰی: زیادہ لائق و زیادہ سزاوار ہے بکثرت استعمال کیا جاتا ہے قولہٗ: اَنضَر: یہ اسم تفضیل ہے، بہت تر و تازہ، نَضَّرَہُ اللہ۔ اللہ تعالیٰ اس کو بہت تر و تازہ بنائے۔ جملہ دعائیہ۔

خلاصۂ شعر:۔

یہ ہے کہ جس طرح سمندر نہایت وسیع و عریض ہوتا ہے اور ہمہ قسم کی نادر اور عمدہ چیزیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ یہی حال وِردُ المریدین کا ہے کہ اس میں علمِ دین خاص کر تصوّف و سلوک کے تمام نکات۔ و اسرار اور معارف کے خزانے پائے جاتے ہیں:

سہ صد و شصت نیز چند ابیات گوہر وار او

بہرِ ہر صوفی بمعنی سُبحۂ گوہر شد است

عُدَّ نَیِّفاً وَ سِتِّیْنَ وَ ثَلاَثَ مِأۃٍ شِعْرٍ

سُبْحَۃَ اللُّولُوءِ بِمَعْنیٰ لِلْمُرِیْدِیْنَ مُثْمِراً

ترجمہ:۔ "اس مبارک قصیدہ کے تین سو ساٹھ سے کچھ زائد موتی جیسے اشعار تابدار ہیں جو ہر صوفی کے لئے موتیوں کی تسبیح ہے اس لئے اس کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیئے۔"

نوٹ:۔ جلد اوّل کے مقدمہ میں ہم نے اس شعر کی اصلیت پر بحث کی ہے بعد تحقیق بندہ کو اسمیں بھی کچھ خامی نظر آئی ہے تو اس لئے اس شعر کو نیا لباس پہنا کر پیش کیا۔ یہ محض اس وجہ سے ہے کہ ایک شعر کی وجہ سے ساری کتاب مشکوک نہ ہونے پائے۔ اور آج سابقہ شعر کی تبدیلی کی وجہ یہ ہے کہ وِردُ المُرِیدین کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ "ہمگی و تمامی ۳۶۴ بیت شمارۂ این قصیدہ است" اور جب میں نے ان کو شمار کیا تو یہ تعداد ٹھیک دکھائی دی۔ اور اگر چند ایک اشعار مذکورہ گنتی سے زیادہ ہوں گے تو سمجھ لیجئے وہ از قبیلہ مُلحقات و تحریفات ہیں۔ یہ محض اس لئے کرنا پڑا کہ باتفاق اہلِ تاریخ ۹۴۱ سنہ ھ میں قصیدۂ مبارکہ پایۂ تکمیل کو پہنچا اور حضرت ناظم کی تاریخ وفات ۹۷۴ سنہ ھ ہے یعنی تکمیل قصیدہ کے بعد حضرت خاکی قدس سرہٗ تینتیس ۳۳ سال بحیات تھے۔ اس اثنا میں شرح بھی آپ نے اپنے ہاتھوں سے لکھی پھر یہ کہنا کہ تقریباً ایک سو شعر قصیدۂ وِردُ المریدین کے ضائع ہوئے ہیں' ناقابلِ فہم ہے اور پھر اس کا تواتر

اس کی شرح دستور السالکین پر پڑھنا لازمی ہے۔ لہٰذا اس کا واحد حل یہ ہے کہ جو ہم نے اختیار کیا۔ چار صد والے شعر کے پڑھنے لکھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہے باقی اصلی کتاب بدستور بحمد اللہ اپنے حال پر قائم ہے اور یہ غلط شعر کتابوں میں اس طرح مذکور ہے ؎

چہار صد با چہل و چند ابیات گوہر وار او

بہر ہر صوفی بمعنی سُبحۂ گوہر شُدہ است

اور مُصنّف کا اور کوئی قصیدہ اس قصیدہ کے ساتھ ملانا محض بے علمی کا نتیجہ ہے اور بالفرض اگر اسے بھی اصلی کتاب کے ساتھ ملایا جائے تب بھی یہ عدد پُوری نہیں ہوگی۔

بہر ایں نظمیکہ قاری را بمُرشِد رہبر است

فہم کُن تاریخ سالش مُرشدی رہبر شُدہ است

اِنَّ ھٰذَا النَّظْمَ یُفْضِیْ کُلَّ تَالٍ مُرْشِدًا (۱۶۱)

عَامَ تَارِیْخِہٖ تَامَّلْ مُرْشِدِیْ نِدُّ خِرًا

ترجمہ:۔ "یہ قصیدۂ مبارکہ ہر پڑھنے والے کو مُرشد کی طرف رہبری کرے گا لہٰذا اس کی تکمیل کی سال تاریخ بھی مُرشد کی رہبر (۱۶۱) سے نکلتی ہے۔"

التَّحقِیقُ اللُّغَوِی:۔

قولُہٗ؛ تاریخ: یہ اَرَّخَ، تَارِیخًا وَ آرَخَ مُؤَارَخَۃً الکتاب۔ تاریخ ڈالنا۔ التَّارِیخ: وقت کا بیان کسی چیز کے واقع ہونے کا وقت یا اس کی تاریخ۔ جمع تواریخ ہے علم التاریخ۔ وہ علم جو واقعات و حادثات کے بیان اور ان کی تاریخ پر مشتمل ہو۔ الاَرخ: بیل، اسکی جمع اَرُوخ ہے۔ الارخ: نیل گائے واحد ارخۃ۔ جمع اراخ آتی ہے۔ الاُرْخِیَۃ: پہاڑی بکری کا بچہ۔

خلاصۂ شعر:۔ یہ ہے کہ کتاب دُرّمُ المُرِیدِین میں بالذّات وبالاصالۃ حضرت

محبوب العالم رح کی عبادت و ریاضت اور آپ کے رُوحانی علو و برتری کا بیان ہے اور بالتبع سینکڑوں اولیاء اللہ اور ان کی کتابوں کے عجیب واقعات اور ان کی پاکی و تقویٰ کا بھی ذکر ہے لہٰذا جس طرح ظاہر کا اثر باطن پر اور باطن کا اثر ظاہر پر پڑنا لازمی ہے تو قدرتی طور پر جو اس کتاب کو خلوص و نیک نیتی سے پڑھے گا تو وہ ضرور مرشدِ کامل اور رہبرِ فاضل کے تجسس اور تلاش میں پڑے گا۔ اللّٰھم اجعلنی منھم۔

وصفِ شیخان ست اندر ضمن وصفِ شیخنا
شیخنا تاریخ او شیخاں ہمیں دیگر شُد است

مَدْحُ شَیْخَانِ لَتَرٰی فِیْ ضِمْنِ مَدْحِ شَیْخِنَا
شَیْخُنَا تَارِیْخُہٗ شَیْخَانِ کَذَا قَدْ عُبِّرَا

ترجمہ:۔ "تم اس کتاب میں یہ بات ضرور پاؤ گے کہ ہمارے پیرِ روشن ضمیر کی مدح و تعریف میں دوسرے مشائخ کرام کا بھی ذکر آیا ہے لہٰذا اس قصیدۂ مبارکہ کی مدح و تاریخ کے ضمن میں دوسرے مشائخ کرام کے حالاتِ طیبہ بھی آئے ہیں اس لئے اس کا سالِ تاریخ شیخنا اور شیخان بھی زیبا اور قابلِ ذکر ہے۔"

خلاصۂ شعر:۔

یہ حضرت مصنّفِ قصیدۂ علامہ خاکی رحمۃ اللہ کی کمال نیک نیتی اور انتہائی خلوص ہے کہ اپنے پیر و مرشد کی طرح دوسرے مشائخ کا بھی احترام ملحوظ خاطر رکھا۔ ایسا اخلاص ہم لوگوں میں مفقود اور ناپید ہے۔

فیضناک است از برائے سامعان و قاریان
فیضناکش گر کنم تاریخ آں ہم مُرشد است

اِنَّہٗ لِلسَّامِعِیْنَ وَالْقَارِئِیْنَ فَیْضُنَاک
فَیْضُنَاکَ اِنْ اُؤَرِّخُہٗ لَاَضْحٰی اَجْدَرَا

ترجمہ :- "یہ مقدس قصیدہ سننے والوں اور پڑھنے والوں کے لئے فیضناک ہے یعنی بہت فیض رساں پس اگر میں اس کی تاریخ مکمل فیضناک قرار دوں تو وہ بھی لائق اور زیبا ہے۔"

التحقیق اللغوی :-

فیضناک :- بہت فیض رساں۔ جس طرح خطرناک اور ہیبناک اور ہولناک مبالغہ کا معنی دیتے ہیں۔ یہ عربی بھی بن سکتا ہے۔ جیسا کہ محاورہ میں کہتے ہیں۔ مَاءٌ فَیْضٌ :- بہت پانی اور اہل عرب کہتے ہیں۔ اَعْطَاهُ غَیْضًا مِنْ فَیْضٍ :- اس نے اس کو بہت میں سے تھوڑا دیا۔ رَجُلٌ فَیْضٌ بہت سخاوت کرنے والا۔ رَجُلٌ فَیَّاضٌ :- بہت بخشش کرنے والا، حَدِیْثٌ مُفَاضٌ :- پھیلی ہوئی بات، تو اس لحاظ سے اس کا معنی ہوئے فیضناک۔ ہماری تمہاری طرف فیض رسانی، زیادہ سے زیادہ فَیْضُنَالَكَ ہونا چاہیئے۔ مگر شعر کی تنگ دامانی کی وجہ سے حرفِ جر حذف کیا گیا۔ ولا باس فیہ۔

خلاصۂ شعر :-

مُصنّف رح مختلف طریقوں اور مختلف کلمات و اشعار میں تکمیلِ کتاب کی تاریخی اہمیت بیان کرتے ہیں۔ کہ ہولناک سیاسی حالات اور دینی فتنوں میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اور اس میں مجھ جیسے آدمیوں کی بے حسی اور دینی کاموں میں سُستی برتنے پر تنبیہہ فرماتے ہیں۔

رُوحِ پیراں در دلِ مَن باز تاریخی فگند
مفخرِ ما کوشش چوں اُو بہرِ ما مفخر شُد است

ثُمَّ اَلْقَتْ رُوحُ شَیْخَانِ فَخْرِ اُمَمٍ فِی الْفُؤَادِ
لِاَجْلِ اَنَّہٗ تَرَاہُ لِلْمُرِیْدِیْنَ مَفْخَرًا

ترجمہ :- "مرشدین باتمکین کی ارواحِ مقدسہ نے میرے دل میں ایک اور تاریخ ڈال دی ہے

وہ مَفْخَرِ مَا ہے۔ کیونکہ ہمارے مُرشدِ برحق ہمارے لئے باعثِ فخر و سعادت ہیں۔"

التَّحقیقُ اللُّغوی:۔

اس شعر میں مَفخَرِ ما۔ ہمارا فخر۔ تاریخ تکمیلِ کتاب نکلتی ہے اگر اس لفظ یعنی مفخرِ ما کا بامحاورہ عربی میں ترجمہ کریں گے تو مَفْخَرُنا ہوگا۔ مگر اس مادہ میں پرایا حرف "نون" داخل ہوگا جس سے مادۂ تاریخِ کتاب بگڑ جائے گا اس لئے ہم نے مفخرِ ما کے حروف یعنی م۔ف۔خ۔ر۔م۔ا کو باقی رکھ کر ان کی ترتیب بدل دی جس سے مقصد میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور مادۂ تاریخ بھی برقرار رہے گا۔ وہ فَخرُ اُمَم ہے۔ اُمتوں اور باایمان جماعتوں کا فخر و مباہات۔ دریں چہ شک۔ آنجناب فخرِ اُمم تھے ہی۔ اس میں بھی وہی م، ف، خ، ر، م، ا ہیں۔ فالحمد للہ ربِّ العلمین۔

خواستم تاریخ دیگر از پئے ایں مدحِ شیخ
بعد سالی لفظ مدحِ شیخ ہم موفر شد است

وَلِهٰذَا الْمَدْحِ شِئْتُ عَامَ تَارِيخٍ سِوَاهُ
بَعْدَ سَنَةٍ لَفْظُ مَدْحِ شَيْخٍ اَيْضًا يُسِّرَا

ترجمہ:۔ "میں نے اپنے شیخ کی مدح کیلئے دوسری تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تو ایک سال کے بعد ہی مدحِ شیخ میرے لئے آسان بنایا گیا۔"

التَّحقیقُ اللُّغوی:۔

قولہٗ: مُوْفَر اسم مفعول۔ تمام کردہ شدہ پورا کیا گیا۔ یہ شارح کی تحقیق ہے اس اعتبار سے یہ باب افعال سے ہے۔ اور المنجد نے لکھا ہے۔ اَوْفَرَ فلان الشیئ = زیادہ کرنا۔ پورا کرنا۔ تَوَفَّرَ علیٰ کذا = اپنی ہمت صرف کرنا۔ یُسِّرَ۔ فعل ماضی مجہول ہے اس کا مادہ یُسْر ہے جس کا معنی آسانی ہے۔ اسی سے اَلدِّیْنُ یُسْرٌ آیا ہے۔ کہ دین اسلام آسان ہے۔

خلاصۂ شعر :-

شارح رحمۃ اللہ خود فرماتے ہیں کہ مدح شیخ میں ایک عدد زیادہ ہے مگر اس میں اس سال کا بھی خیال رکھنا چاہئیے جو کتاب کی اصلی تکمیل کے بعد یہ مادہ تاریخ یعنی مدحِ شیخ عمل میں آیا۔ ورنہ ایک سال کا خوامخواہ زیادہ ہونا لازم آئے گا۔ دیکھئے کس قدر یہ عمیق النظر اور باریک بین تھے۔

فَرَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً ط

بہرحال تمام باصلاحیت شعرأ اپنے قصیدوں کے آخر میں اپنے پسندیدہ ممدوح کی مادۂ تاریخ کو ختام المسک بناتے تھے۔

مدحِ شیخاں است طاعت زاں بہ مولانائے روم

مدحِ پیرِ خویشتن مقصود شش دفتر شد است

مَدْحُ شَیْخَانَ طَاعَۃٌ ع شَیْخُ رُوْمِیٍ لِاَجْلِہٖ

مَدْحُ شَایِخٍ فِیْ سِتَّۃِ الدَّفَاتِرِ قَدْ زَبَرَا

ترجمہ: " اپنے مرشدوں کی تعریف بھی یک گونہ عبادت ہے۔ اسے یاد رکھو اس لئے حضرت رومی رحمۃ اللہ نے اپنے پیر حضرت شمس تبریزی رح کی چھ دفتروں میں مدح سرائی فرمائی ہے۔"

التَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیْ :-

قَوْلُہٗ : اَلدَّفَاتِرُ = جمع دفتر، رجسٹر، حساب کی کتاب۔ لکھنے کی کتاب۔

قَوْلُہٗ : زَبَرَا۔ زَبَرَ وَازْدَبَرَ الکتاب = اس نے کتاب لکھی۔ اَلزَّبْرُ = عقل، قوی مضبوط، پتھر، تحریر، کلام، اَلْمِزْبَرُ = قلم، زبور (حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب)، زَبِیْرٌ = بہادر کو کہتے ہیں۔

خُلَاصَۂ شعر :- فرماتے ہیں کہ اپنے سچے اور واقعی مرشد کی تعریف بھی عبادت میں شامل ہے۔ کیونکہ اس سے مرید کے دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے اور اس سے حجاب غیبی غائب ہو کر قلب و دماغ پاک

ہو کر اہل اللہ کی فہرست میں قدم رکھتا ہے۔ اس لئے حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بالذات بالاصالۃ اپنے رہبر کامل حضرت شمس الدین تبریزی قدس اللہ سرہٗ کی مدح و تعریف مثنوی شریف کے چھ دفتروں میں لکھی ہے۔ گو اس میں دوسرے پیرانِ طریقت کے بھی حالات لکھ کر کتاب کو سونے پر سہاگا بنایا۔ مگر اصلی مقصود تو پیر کامل کی تعریف تھی۔ خود فرماتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد حدیثِ دلبراں

گفتہ آید در لباس دیگراں

اگر محبوبوں کے بیان میں دوسرے حضرات کا بھی ذکر آجائے تو وہ بھی غنیمت اور مبارک ہے۔ یہ وہ حضرت رومی رح ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے۔ شعر: ؎

من چہ گویم وصف آں عالیجناب　　نیست پیغمبر ولی دارد کتاب

افسوس ہے کہ عصرِ حاضر کے نام نہاد عالموں نے مدح سلفِ صالحین کی جگہ ان پر قدح و جرح کرنا اپنا ایمان اور دستور بنایا ہے اِس لئے ایسے عالم بھی اُمتِ مرحومہ کے اسبابِ زوال میں سے ایک سبب گِنے جا سکتے ہیں۔

ہم زِ فرزند و مُریدِ مولوی سلطان ولد

اندریں معنی کلامِ بی شمار اشہر شُد است

هٰكَذَا ابْنٌ لَّهُ الْمُخْلِصُ سُلْطَانِ وَلَد

صَارَ فِي هٰذَا الْبَيَانِ وَالْمَقَامِ اَشْهَرَا

ترجمہ:۔ "اسی طرح حضرت پیر رُومی رح کے مرید بالتخصیص اور فرزندِ ارجمند مولوی سلطان ولد بھی اس بیان میں بہت مشہور اور معروف ہیں۔"

التحقیق اللغوی:۔

قولہٗ:۔ اشھرا = یہ اسم تفضیل ہے لیکن معنائے مفعولی ادا کرتا ہے یعنی مشہور تر، بہت زیادہ، مشہور۔

خلاصۂ شعر، مولینا سلطان اپنی بعض تصنیفات میں فرماتے ہیں کہ میں حسبِ عادت دوسرے اولیاء اللہ کی مدح و تعریف کرتا تھا۔ تو ایک دن شیطانِ رجیم نے سامنے آ کر کہا کہ تمہیں دوسروں کی مدح و تعریف سے کیا ملے گا۔ اس طرح اس نے چاہا کہ مجھے راہِ حق سے اغوا کر لے اور فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی عادت یارب، یارب، اے میرے مولا! اے میرے مولا کرنے کی تھی تو شیطانِ لعین نے اس سے کہا کہ تیری عمر گذر گئی، یارب، یارب کرتے ہوئے، مگر کبھی جواب نہ آیا۔ اس طرح وہ مدتوں تک خاموش رہا اور ذکرِ الٰہی سے غافل رہا۔ آخر کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے حالِ زار پر جوش میں آئی۔ حضرت حق نے اس کو خواب کی حالت میں فرمایا۔ تو نے یارب، یارب کہنا کیوں چھوڑ دیا۔ اس نے جواب دیا۔ "مجھے اُس کا جواب کہ میں حاضر ہوں، کبھی نہیں آیا" حضرت حق جل ذکرہٗ نے اسکو فرمایا۔ تیرا یارب یارب کہنا، یہی میرا حاضر ہونا تھا کیونکہ اس کے کہنے کی توفیق تم کو میں نے ہی دی تھی۔ اور لوگ اس طرح کیوں نہیں مجھے پکارتے تھے۔ تب وہ سمجھ گیا کہ اس کو شیطان نے یارب یارب کہنے سے روکا تھا۔ غرض شیطان کے اغوا کے مختلف طریقے ہیں۔ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ بندہ کے دل میں اللہ والوں، دوستانِ خدا کی محبت ہو، وہ بھی اس طرح کہ نہ اُس میں افراط ہو اور نہ تفریط۔ مگر افسوس ہے کہ عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے دلوں میں دینداروں اور بزرگانِ دین کی محبت نہیں رہی۔

بہرحال تو مولوی سلطان ولد رحمہ اللہ اپنے مرشد کے نقشِ قدم پر چل کر دوستانِ خدا کے اذکار اور ان کے حالاتِ طیبات بیان کرنے کے بہت گرویدہ تھے۔ فرحمہُ اللہُ رحمۃً واسعۃً۔

بندہ زیں شعرے کہ فیضِ صحبتِ فیاضِ او
با بشارت ہا ز مُلکِ غیب مُستبشر شُد است

صِرتُ مِمَّا قَدْ نَظَمْتُ صُحْبَةً مِنْ فَيْضِهِ
مِنْ مَعَالِي مُلْكِ غَيْبٍ بِالْبِشَارَةِ مُبْشَرًا

ترجمہ:۔ "بندۂ خاکی اس قصیدۂ مبارکہ کی بدولت (جو کہ درحقیقت آپ کی فیاض طبیعت اور صحبتِ فیض پُر اثر کا نتیجہ ہے) ملکِ غیب کی بلندیوں سے مختلف قسم کی بشارتوں اور خوشخبریوں سے نوازا گیا ہے۔"

التَّحقِیقُ اللُّغوِی:۔

قولہٗ: مُستَبشَر: یہ باب استفعال کا اسم مفعول ہے۔ بروزن مُستَفعَل۔ بشارت دادہ شُدہ۔ اِستَبشَرَ بِہٖ: کسی شے سے خوش ہونا۔ بَشَّرَہٗ: کسی کو خوش کرنا اور اس کو خوشخبری سُنانا۔ بَشَائِرُ الصُّبحِ: آغازِ صبح، بَاشَرَ الاَمرَ: کسی کام کو خود سنبھالنا، مُبشَرًا منصوب ہے۔ کیونکہ یہ صَارَت کی خبر ہے باقی الفاظ کی تحقیق پیشتر آ چکی ہے۔

خُلاصۂ شعر:۔

اس مخلصانہ دینی کوشش اور جد و جہد کا کوئی معاوضہ ہونا چاہیئے۔ چونکہ یہ حضرات دُنیا طلب نہیں تھے۔ ہاں آخرت کی بہتری و کامیابی کے خواہاں اور طالب تھے۔ اس لئے کچھ بشارتیں خود آپ کو اپنے پیر کامل نے سُنائیں۔ اور کچھ بشارتیں اپنے برادرانِ باصفا سے سُنی ہیں چونکہ حضرت شارح رح نے ان کا انکشاف نہیں فرمایا۔ اسلئے یہ حقیر بھی مزید تشریحِ شعر سے گریز کرتا ہے:

کاتب و قاری و سامع ہم بشارت یافتند
زانکہ رحمت بر سرِ ایں ہر سہ مُستَمطَر شُد است

وَکَذَا الکَاتِبُ وَالقَارِئُ وَالسَّامِعُ لَھَا
فَعَلٰی کُلِّ الثَّلَاثَۃِ جُودُ رَبٍّ مُمطِرًا

ترجمہ:۔ "اسی طرح اس قصیدۂ مبارکہ کے لکھنے والے پڑھنے والے اور اس کے سُننے والے نے بھی بشارت و خوشخبری پائی کہ ان پر رحمتِ الٰہی کی بارش برس رہی ہے۔"

التحقیق اللغوی،

قولہ: رحمت، رحمۃ، رحمۃ ومرحمۃ ورحما ورحما: ترس کھانا۔ رحم دل ہونا، مہربانی اور شفقت کرنا، معاف کرنا، مغفرت کرنا۔ رحمہ وترحم علیہ رحمۃ اللہ کہنا۔ قولہ: مستمطر: اسم مفعول: بارش کے لئے کھلا میدان، یہ کتاب بھی رحمتِ ایزدی کے لئے کھلا میدان ہے۔ استمطر فلان من فلان: کسی سے بخشش کیلئے التجا کرنا۔ قولہ: ممطر باب افعال کا اسم مفعول ہے، بارش برسایا ہوا، امطرت السماء: آسمان کا بارش برسانا، امطر المکان: کسی جگہ کو بارش برسایا ہوا پانا۔ مادہ اس کا مطر ہے' بارش۔

خلاصۂ شعر:۔

حضرت شارح رح کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح میں حضرت خاکی رح اس قصیدۂ مبارکہ کی تصنیف کی برکت سے قسم قسم کی بشارتوں اور خوشخبریوں سے بہرہ ور ہوا ہوں تو مجھے امید ہے کہ اسی طرح اب اس مبارک قصیدہ کے لکھنے، پڑھنے اور اس کے سننے والے بھی بشارتوں سے لطف اندوز اور ان پر بھی رحمتِ الٰہی کی بارش برس پڑے گی۔ کیونکہ اس قصیدہ میں جہاں اولیاء اللہ اور عباد الرحمٰن کے حالات و فرمودات کا بیان ہے وہاں اس میں بالخصوص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بھی ذکر خصوصی ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ عند ذکر الصالحین تتنزل الرحمۃ کہ نیکو کاروں کے روح افزا حالات بیان کرتے وقت رحمتِ الٰہی نازل ہوتی ہے اور حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے بھی جب امن حاصل کرنے کے بعد حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قصیدۂ بانت سعاد سنایا۔ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار صحابہ رض اور اہلِ بیتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وتعریف ہے تو آپ نے بہت محظوظ ومسرور ہو کر قصیدۂ مذکورہ کے اختتام پر فرمایا۔ انا ضامن لقائلها وسامعها وكاتبها وحافظها بدخول الجنة کہ میں اس کے مصنف، اس کے باادب سننے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کو یاد کرنے والے کیلئے جنت میں داخل ہونے کا ضامن اور ذمہ داری لیتا ہوں۔ اور آپ نے خود کعب بن زہیر رض کو اپنا

رداءِ مبارک انعام کے طور پر عطا فرمایا۔ آپ بھی اب اس قصیدہ بانت سعادت کے صرف تین شعر ملاحظہ فرمادیں جن میں خاص طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہے ۔

ع۱ اُنْبِئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْعَدَنِیْ
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَامُوْلُ

ترجمہ:۔ "مجھے خبر دی گئی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے قتل کی دھمکی دی ہے حالانکہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عفو و کرم اور جود و احسان کی زیادہ اُمید ہے۔"

ع۲ اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ
مُھَنَّدٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ

ترجمہ "بے شک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑے ربانی نور ہیں۔ جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اور اندھیری دور کی جاتی ہے اور آپ ربانی ساخت کی سونتی ہوئی تیز تلوار ہیں۔"

ع۳ وَقَدْ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُعْتَذِرًا
وَالْعُذْرُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَقْبُوْلُ

ترجمہ:۔ "میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عُذر خواہ ہو کر آیا ہوں اور عُذر خواہی اور معذرت خواہی دربارِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبول ہے"۔

حضرت کعب بن زہیر رضؓ نے اسلام لانے سے پہلے آپؐ کی ہجو کی تھی جس سے آپ کا خاطر عاطر کبیدہ تھا۔ اور آپؐ نے کعب کے قتل کا حکم فرمایا تھا لیکن جب وہ مسلمان ہو کر توبہ کر کے حاضر ہوئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معذرت قبول فرمائی۔ مگر اب علماءِ اسلام نے بابُ التوبہ بند کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا حدِ شرعی سے بچ نہیں سکتا۔

شارح رحمۃ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ زیرِ بحث متن کا شعر کاتب و قاری الی آخر لکھنے کا داعیہ اُس روز ہوا جبکہ پیرِ حقائق تنویر حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ کی متبرک مجلس میں بعض مخلصین حضرات وِرد المریدین کی کتابت، کچھ قرأت میں مشغول ہوئے اور بعض حضرات پورے شوق و ذوق سے

یہ مبارک قصیدہ سنتے تھے۔ پیر کامل رحمۃ اللہ نے ان کو فرمایا۔ آپ اس مشغولیت، کتابت، قرأت اور اس کی سماعت کو معمولی مشغولیت نہ جانیں بلکہ یہ مشغولیت از قبیلۂ طاعت وعبادت ہے وجہ یہ ہے کہ مجھے اس وقت محسوس ہوتا ہے کہ آپ میں سے پڑھنے والوں، لکھنے اور اس کے سننے والوں پر رحمت الٰہی نازل ہو رہی ہے حضرت شارح رح فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً آپ کے ان کلمات کو شعر کی شکل دے کر بطور تبرک اس کتاب میں درج کیا کیونکہ آپ کا ارشاد از قبیلۂ کشف ہونے کے علاوہ عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ یاد آیا۔ نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقدم الذکر ارشاد بھی یاد آیا جو آپ نے حضرت کعب بن زہیر رض کے قصیدہ بانت سعاد کے اختتام پر فرمایا کہ اناضامن الخ یعنی حضرت محبوب العالم رح کا کشف مطابق عقل ونقل ہونے کی وجہ سے فوراً وہ بصورت شعر قصیدہ میں درج کیا گیا سبحان اللہ ط ایسے ربانی پیروں کے کیا کہنے، ان کے مریدوں کی قدر دانی کس قدر قابل داد وستائش ہے۔

اَللّٰھُمَّ احْشُرْنِیْ مَعَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ہ ھٰذِہٖ نُبْذَۃٌ مِمَّا قَالَ الشَّارِحُ تَحْتَ ھٰذَا الشِّعْرِ۔

اندریں وقت اینچنیں شعر مبارک کس نگفت
گرچہ از ابنائے جنسم ہر یکے اشعر شدہ است

اِنَّ فِیْ ھٰذَا الزَّمَانِ مِثْلَ شِعْرِیْ الطَّیِّبِ
مِنْ ذَوِیَّ لَمْ یَقُلْ اَحَدٌ وَّلَوْ ھُوَ اَشْعَرَا

ترجمہ:۔ بے شک اس زمانہ میں میرے ہم جنس علماء وشعراء نامدار میں سے کسی نے میرا جیسا قصیدہ نہیں کہا۔ اگرچہ وہ علم وادب اور سخن دانی کے اعتبار سے بڑے شاعر و فاضل ہیں۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِیْ:۔

قولہٗ: اَلزَّمَان = وقت۔ اس کی جمع اَزْمِنَۃٌ اَلزَّمَنُ

آتی ہے۔ ازمنۃ السنۃ = سال کی چار فصلیں۔ بہار۔ گرمی۔ برسات۔ جاڑا۔

ازمنۃ اللہ: اللہ نے اس کو لنجے پن میں مبتلا کیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ زمانہ کی اصلی حقیقت کیا ہے اور یہ کہ یہ حادث ہے یا قدیم۔ دونوں سوالوں کو اب تک کسی نے حل نہیں کیا صرف متکلمین اسلام نے قرآن کریم کی روشنی میں دونوں سوالوں کا جواب دیا ہے کہ جن مادی اسباب کے تحت یہ پیدا ہوتے ہیں ان کا خالق حضرت اللہ ہے۔ لہذا یہ بھی مخلوق اور حادث ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ پر اچھی طرح غور کیجئے تو حقیقت سامنے آئے گی۔ قولہٗ؛ شعری شعر مادہ ہے۔ منظوم کلام، موزون کلام یعنی وہ بامعنی کلام جو ان اوزان پر ہو جو ماہرین فن مانند خلیل بن احمد نے مقرر کئے ہیں۔ بہرحال۔ اشعر = بہت اور لمبے بال رکھنے والے مرد کو بھی کہتے ہیں۔ مؤنث کے لئے شعراء بولتے ہیں۔ قولہٗ؛ مِنْ ذَوِیَّ = یعنی میرے ابناء جنس جیسے اِنَّمَا یَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ ذَوُوْہُ۔ کہ اہل علم ہی علم والوں کی قابلیت کا اندازہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

شعرِ مَن اندر بیانِ اصل و فرعِ شرع شُد
زاں زِ مَن راضی خدا و روحِ پیغمبر شد است

اِنَّ شِعْرِیْ فِیْ اُصُوْلِ الشَّرْعِ ثُمَّ فَرْعِهٖ
فَبِذَالِكَ الْاِلٰهُ وَالنَّبِیْ لِیْ شَکَرَا

ترجمہ:-

اس قصیدہ میں میرے ابیات سب کے سب شریعت کے اصول و فروع کے بیان میں ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی اور شکر گذار ہیں۔

خلاصۂ شعر: حضرت ناظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میرے اشعار شریعت اسلامیہ کے قواعد اور اصول و فروع کی تشریح کے بیان میں ہیں اور گویا میں نے اپنے قصیدہ میں اپنے ذاتی خیالات کی وضاحت نہیں کی بلکہ شریعت کے احکام اور اس کے اصول و فروع کی

تشریح کی ہے اور قرآن و سنّت اور اجماع امت و قیاس شرعی کی ترجمانی کی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ اور اس کا پیغمبر مجھ سے خوش اور شکر گذار ہیں۔ اور مجھے اس کے عوض میں بہترین صلہ مل جائیگا کیونکہ اس کا وعدہ ہے ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ کہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی اُن کو بھی ملے گی جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں گے اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ قصیدہ فریدہ تقویٰ باللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ انتہیٰ مختصرًا۔

نوٹ: شعرِ معرّب میں بجائے واو عطف حرف ثُمَّ لانے میں یہ حکمت ہے کہ اصول کی اہمیت واضح ہوجائے اور ان لوگوں کی توبیخ ہوجائے جو فروع سے کنارہ کشی اختیار کرکے اصول کو بھی بگاڑنے کے درپے ہیں۔ یا یہ کہ ثُمَّ حرف عطف کے لئے ہے تراخی کے لئے نہیں۔ واللہ اعلم

ہم شریعت ہم طریقت ہم حقیقت اندرو
شد مبیّن فہمد آنرا منصفے کافکر شد است

لِلشَّرِيعَةِ وَالطَّرِيقَةِ وَالْحَقِيقَةِ جَامِعٌ
يَفْهَمُ تِلْكَ الْمَعَانِيَ مُنْصِفٌ إِنْ فَكَّرَا

ترجمہ: ”میرے اشعار شریعت، طریقت اور حقیقت کے اسرار و معانی کے لئے جامع ہیں جنکو انصاف پسند آدمی ہی سمجھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ بھی میرے اشعار پر غور و فکر کرے۔“

التحقیق اللغوی:۔

شریعت: اوامر و نواہی، اور وعدہ و وعید کا نام شریعت ہے۔ ان چیزوں کے مطابق عمل کرنا وہ بھی بلا تکلّف طریقت کہلاتا ہے۔ پھر جب ایمان کے رنگ سے اعمال رنگین

ہو جائیں سلف صالح کی طرح اس وقت مقصد اعلیٰ اور منزل لایعنی حاصل ہونے کو حقیقت کہتے ہیں

کَمَا قَالَ فِیْ فَیْضِ الْبَارِیْ: "ثُمَّ مَا نُقِلَ اِلَیْنَا مِنَ الْاَوَامِرِ وَالنَّوَاهِیْ وَالْوَعْدِ وَالْوَعِیْدِ تُسَمّٰی شَرِیْعَةً. وَالتَّخَلُّقُ بِهَا یُسَمّٰی طَرِیْقَةً وَحِیْنَئِذٍ تصبغ الاعمال بصبغ الایمان کما فی السّلف ثُمَّ الفوز بِالمقصد الاسنیٰ وَالنیل بمآرب الاعلیٰ تُسَمّٰی حَقِیْقَةً."

نوٹ:- جامع بصیغۂ مذکر اس لئے لایا گیا کہ متن کے ماقبل شعر میں لفظ شعر کی ہی تعریف ہے،

خلاصۂ شعر:-

پھر حضرت ناظم اشعارِ حق اور اشعارِ باطلہ میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے اشعار شریعت، طریقت اور حقیقت کی وضاحت و بیان میں ہیں اور یہ دینِ حق کے اسرار و معارف سمجھنے میں معین و مددگار ہیں۔ اس لئے جن شاعروں کی مذمت قرآن کریم میں آئی ہے وہ میرے اس قصیدہ پر حاوی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ مجھے اس قصیدۂ مبارکہ سے رضاءِ ربّانی اور شفاعتِ پیرانِ حقّانی نصیب ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

رہا شریعت، طریقت اور حقیقت کے معانی میں کیا فرق ہے تو اس کی وضاحت میں نے اپنی کتاب "محبوبُ العالم پیرِ ما" میں کی ہے۔ یہاں پر مختصر فیض الباری کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے۔

ہم مقاماتِ سلوک وہم مقاماتِ اصول
گفتم اینجا در تصوّف حافظش آمہر شد است

وَمَقَامَاتِ السُّلُوْكِ وَمَقَالَاتِ الْاُصُوْلِ
قُلْتُ فِیْهَا مِنْ تَصَوُّفٍ مَنْ حَفِظَهَا اُمْهِرَا

ترجمہ:۔ "میں نے اس قصیدۂ شریفہ کے ابیات میں علمِ سلوک کے مقامات اور اصولِ شرع کے اقوالِ طیبہ کہے اور پیش کئے ہیں لہٰذا میں بہت زیادہ ثوابِ دارین کا حقدار و امیدوار ہوں۔"

اَلتَّحقِیقُ اللُّغوِی:۔

قَولُہٗ؛ تَصَوَّفَ : وہ صوفی ہوا صوفیوں جیسے اخلاق اختیار کرنا۔ اُون کا لباس پہننا۔ صُوفِیہ : عبادت گذاروں کی جماعت۔ اس کا واحد صوفی ہے۔ صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے اللہ سے تعلق رکھے جس میں اعلیٰ درجہ کا خلوص اور حقائق کی لیاقت ہو۔

قَولُہٗ؛ اَمْھَرَ : بہت ماہر ہونا۔ مَھَرَ : مَھْرًا، مَھَارَۃً اَلشَّیْءَ وَفِیْہِ وَبِہٖ = ماہر ہونا تجربہ کار یا واقف ہونا۔ مَھَرَ وَاَمْھَرَ الْمَرْأَۃَ : عورت کو مہر دینا۔

ہست اکثر معنی آیات و مضمون حدیث!
یا اثر یا وصف آں صاحب دل مہتر شُد است
رُبَّمَا نَحوِی عَلٰی مَا فِی الکُتُبِ وَالحَدِیث
اَو عَلٰی اَثَرٍ وَ وَصْفِ لِوَلِیٍّ اَبْصَرَا

ترجمہ:۔ "اس قصیدۂ مبارکہ میں قرآن وحدیث یا اثر کا بیان ہے یا صاحب بصیرت ولی کامل کے حالات کی وضاحت ہے۔ مراد اس سے محبوبُ العالم رح ہیں۔"

اَلتَّحقِیقُ اللُّغوِی :۔

قَولُہٗ ؛ مہتر = برگزیدہ، کامل و افضل۔ قَولُہٗ ؛ نَحوِی، حَوَایَۃً وحیًا الشَّیءَ جمع کرنا۔ حَوَاہُ تَحوِیَۃً = قبضہ کرنا۔ قَولُہٗ؛ الحَدِیث ———

باتدبُّر ہر کہ خواندش رہ بہرِ مقصود بُرد
کز محقّقہای دین مروی تدبُّر تر شدست

مَنْ بِإِمْعَانٍ تَلَاهُ فَالْمَرَامَ حَصَّلَا
مِنْ شُيُوخِ دِيْنِ حَقٍّ التَّفَكُّرُ ذُكِّرَا

ترجمہ:۔ "جس نے اس قصیدۂ مبارکہ کو باہوش و گوش پڑھا تو وہ ہر نوع اپنے ہر نیک مقصد میں کامیاب ہوا اور محقّقینِ دین سے مذکور ہے کہ ہر بات میں تفکّر و تدبر ضروری ہے۔

التّحقیق اللّغوی:۔

قولہٗ: تدبُّر = باب تفعّل کا مصدر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی امر کے نتائج پر غور و فکر کرنا اور قرآن مجید نے اسی کی طرف اس آیتِ مبارکہ میں اشارہ فرمایا ہے: "اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا"

"کیا یہ لوگ قرآن مجید پر غور و فکر نہیں کرتے اگر یہ خدا کا کلام نہ ہوتا تو وہ اس میں زبردست اختلاف دیکھتے۔"

قولہٗ: تدبُّر۔ تَدَبَّرَ الْاَمْرَ: کسی امر کے نتائج پر غور و فکر کرنا، اَدْبَرَتِ الدُّنْیا = اقبال مندی کا ختم ہونا۔ اَدْبَرَ الْاَمْرُ: معاملہ ختم ہوا۔ امعان کا معنی بھی غور و فکر کرنا ہے۔

خلاصۂ شعر:۔

مقصد شعر یہ ہے کہ اِس قصیدۂ متبرکہ پر غور کرو اور دیکھو کہ حضرت حق جلّ شانہٗ نے کیسے باکمال اور باشان مخلوق کو پیدا کیا تم بھی ان کی اطاعت و فرمان برداری کرو۔ اور ان سے تعلق قائم کرکے اس شعر کا مصداق بن جاؤ۔

شعر:۔ ؎ "جمالِ ہمنشین درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم"

قاریا ار منصفی فانظر الی ماقال خواں
قول لاتنظر الی من قال ہم ابہر ندا ست
قَارِیٔ اِنْ مُنْصِفٌ فَانْظُرْ اِلیٰ مَاقَالَ فِیْہِ
قَوْلُ لَا تَنْظُرْ اِلیٰ مَنْ قَالَ اَضْحیٰ اَبْھَرَا

ترجمہ:۔ "اے اِس قصیدۂ مبارکہ کے پڑھنے والے اگر تم انصاف پسند ہو تو اس کے کہنے والے کی طرف نہ دیکھو بلکہ اس بات کا لحاظ رکھو کہ اس نے کیا کہا۔ کیونکہ یہ بات ضرب المثل ہے کہ کہنے والے کی طرف نہیں بلکہ اسکی بات کی طرف دیکھنا چاہیئے۔"

اَلتَّحْقِیْقُ اللُّغَوِی:۔

قَوْلُہٗ؛ اَبْھَرَ ۔ روشن، شریف تر اور مشہور چیز۔ عجیب کام کرنا۔ فقر کے بعد غنی ہونا۔ گرمی میں داخل ہونا۔ عربی شعر کی نحوی ترکیب یوں ہوگی۔ قول لا تنظر الی من قال صار عند العقلاء واھل الانصاف مقبولاً واعمّ لعظمۃ ھذا القول۔

خلاصۂ شعر:۔

حضرت ناظم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قصیدۂ مبارکہ کو پڑھتے وقت میری طرف نہیں بلکہ جو میں نے اولیاء اللہ رح کے حالات اور سینکڑوں کتابوں کے نقول پیش کئے۔ اور خاص کر آفتابِ تابان حضرت محبوبِ

یزداں محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات قلم بند کئے ہیں ان پر انصاف سے غور کرو اور حق و باطل میں امتیاز کرنے کے اصول زیر نظر رکھکر میرے قصیدۂ مبارکہ کو پڑھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔"

بعد ایں وردِ مبارک فاتحہ ختمے کنید
ای عزیزاں بہر ایں ناظم کہ بس مضطر شد است

غِبَّ ھٰذَا الوِرْدِ ذِی الشَّانِ اُتْلُوْنَّ الفَاتِحَۃ
یَا اَحِبَّتِیْ لِنَاظِمٍ عَلَیْہِ عُسِّرَا

ترجمہ:۔" ای میرے عزیزو! اس عظیم الشان وظیفہ کے مطالعہ کے بعد میرے لئے فاتحہ پڑھو کیونکہ یہ ناظمِ قصیدہ انتہائی تنگی اور پریشان حالی میں مبتلا ہے۔"

التحقیق اللغوی:۔

قولہٗ: غِبَّ بمعنی بَعْدَ۔ کما فی ابدع الاسالیب۔ قولہٗ: ذِی الشَّانِ یعنی شاندار ذکر اور وظیفہ۔ قولہٗ: الشَّاْن: بڑے بڑے امور و احوال، معاملہ — وَمَا شَاْنُكَ: تمہارا کیا حال ہے یا تمہارا کیا کام ہے، شأن کی جمع شُئُوْن۔ شأن شئین۔ قولہٗ، اُتْلُوْنَّ: صیغۂ جمع مذکر امر حاضر معروف بانونِ ثقیلہ پڑھنے کے معنی میں ہے۔ اس کا اصل تِلَاوَۃٌ ہے۔ یہ لفظ یعنی اس کا مادہ فرقانِ حمید میں جگہ جگہ آیا ہے۔ قولہٗ: عُسِّرَ: یہ باب تفعیل کا صیغۂ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول ہے۔ یہ عَسَّرَ الاَمْرَ: دشوار کرنا، مخالف کرنا۔ بائیں طرف سے آنا — مزید مطالعہ کے لئے المنجد مطالعہ فرمائیے۔ اضطرار اور تعسیر میں معنوی مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ اضطرار میں بھی دشواری ہوتی ہے اور تعسیر کا مادہ اور اصل عُسر ہے جس کی ضد یُسر ہے کہ دشواری و آسانی۔ فَاِنَّ مَعَ

اَلْعُسْرِ یُسْرًا یاد کیجئے۔

خُلاصۂ شعر:۔

حضرت ناظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔کہ یہ قصیدۂ مبارکہ علم تصوف کا عطر اور جوہر ہے اور یہ کہ اس میں تصوف کے اصول مسائل کے علاوہ اس کے لوازم و مبادیات بھی آگئے ہیں۔ اور ساتھ ہی سینکڑوں حضراتِ صوفیہ کے حالات و مقامات اور پند و نصائح بھی اس میں موجود ہیں —— اس سے میرا مقصود نام و نمود اور فخر و مباہات کا اظہار نہیں، ہاں اسکے مطالعہ کے بعد میرے لئے فاتحہ خوانی کرکے میری رُوحِ مُعلّیٰ کو تازگی بخشا کرو اور ضمناً اس سے ظاہری تنگی و زبوں حالی بھی انشاءاللہ دُور ہوگی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولٰینا محمدٍ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ط

ضروری اعلان

چونکہ حیاتِ مستعار پر کوئی بھروسہ نہیں اس لئے میں مندرجۂ ذیل اہل علم حضرات پر مشتمل ایک علمی بورڈ کا اعلان کرتا ہوں جسے میرے بعد میری تصنیفات و تالیفات میں اپنی صوابدید کے مطابق مناسب ترمیم اور تلافیٔ مافات کا مکمّل اختیار ہوگا۔ بورڈ کے ارکین کو میری وصیّت ہے کہ میری کتابوں میں اگر کبھی کسی کوتاہی یا خامی کی نشاندہی کیجائے تو سچی بات قبول کرنے میں پس و پیش نہ کریں۔ بورڈ مندرجۂ ذیل ارکین پر مشتمل ہوگا:۔

۱۔ جناب محمّد امین واجدی
۲۔ جناب پروفیسر محمّد طیّب کاملی
۳۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر رشید نازکی
۴۔ جناب میر سیّد غلام احمد قادری منطقی
۵۔ جناب الحاجّ شوکت حسین کینگ
۶۔ عزیز القدر ڈاکٹر سیّد محمّد فاروق بُخاری

(مصنّف)

تعاقب

وِردُ الموحّدین

۱۹۷۳ء میں کشمیر میں ایک مختصر منظوم فارسی رسالہ قصیدۂ وِردُ المریدین کے رد میں شایع ہوا۔ غالباً اس کا نام وِردُ الموحّدین رکھا گیا تھا۔ اس تُک بندی کے ذریعہ حضرت علّامۂ خاکیؒ کے بعض اشعار پر تنقید کی گئی تھی۔ اُن دنوں حضرت مولینا بخاری صاحب کے زیر ادارت ماہنامہ "التبلیغ" نکلتا تھا چنانچہ ماہِ مارچ ۱۹۷۳ء کے شمارہ میں آپ نے وادی کے مشہور عالمِ دین اور مبلّغ و خطیب جناب مولینا سیّد غلام رسول صاحب قمری (سجّادہ نشین درگاہ سیّد قمر الدین شیر گڈھی سرینگر) کے استفسار پر رسالہ کے بابُ المسائل میں مذکورہ تُک بندی کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دیں اور قصیدۂ وِردُ المریدین پر ایک فاضلانہ و عالمانہ نوٹ شایع کیا اور نوٹ کے آخر میں ساتؔ ابیاتِ شریفہ بیں مسئلہ موت و حیات و شانِ اولیاءِ کرام کے متعلق سفِ صالحین کا نکتۂ نظر پیش کیا۔ چونکہ نوٹ میں درج تمام باتیں تاج العارفین میں آگئی ہیں لہٰذا صرف مولینا بخاری صاحب کے منظوم ساتؔ اشعار یادگاری طور پر شایع کئے جارہے ہیں: (ناشر)

در دماغِ شاں نیامد معنیٔ موت و حیات ★ قاصر اند غافلانند جہلِ شاں اَشہر شُد است
قولِ غزّالی یدُلُّ اَنّھم لا یعقلون ★ پس چنیں کس در شریعت کمتر و ابتر شُد است
مرگِ مومن نیست اِلّا نقل مِنْ دارٍ اِلیٰ ★ دارِ اُخریٰ دارِ حیوان در قرآں مذکر شد است
شیخ خاکی کان علّامًا فرید دھرہٖ ★ قولِ او را کے بفہمد ہر کہ در محجر شد است
مُستعانِ ما حقیقی جز خُدا قیّوم نیست ★ گو توسُّل بالمشائخ قولِ ما منجر شد است
اولیاء را خندہ کردن در شریعت کے رواست ★ نورِ خورشید الہٰ اند ہمچناں مخبر شد است

پیرِ رومی دُر چہ سُفت است در کتابِ مثنوی
بے ادب محروم ماند از فضلِ ربّ اَز ہر شُد است

ایضاً

ہر دلِ کورا بہ بینی پُر ز بُغضِ صالحین ★ بالیقیں داں نورِ یزداں از دلش منفر شد است
نور و نار و حُبّ و ضِد و سبّ و شتم و معرفت ★ کے تو یابی در دلِ مومن اگر کہتر شد است

خاتمۃ الکتاب

از: دبیر شیرین سخن رمز آشنای طریقت مولینا خواجہ شوکت حسین کینگ
رکن انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر و مدیر ماہنامہ الاعتقاد سرینگر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شکر للہ فارغم از باب ہر افسر شد است
کز طفیل شیخ حمزہؒ شان من برتر شد است

اوست سلطان ولایت نائب حق بر زمین
وارث علم نبیؐ و شاہ بحر و بر شد است

منتہائے بایزیدؒ و شیخ شبلیؒ و جنیدؒ
ابتدائے آن شہ عرفا کہ کامل تر شد است

بد اویسی نسبت و گر سلسلہ نامہ گرفت
در طریق سہروردی سید معشر شد است

آن شہاب الدین والملۃ امام الاولیاء
بانیٔ این سلسلہ بد ہمچنان مخبر شد است

شیخ ما چون شیخ کبریؒ ہم ولی تراش بود
صد ہزاران را ز لطفش عاقبت بہتر شد است

در محبانش پیر خاکیؒ رتبۂ السابقون
یافتہ وزان سبب ممتاز و مستبشر شد است

مجتہد در مذہب نعمان ثابتؒ آمدہ
ثانیٔ نعمانؒ ز القابش مشتہر شد است

سید اسماعیل شامی مرشدش ہم آمدہ
لطف سلطان عرفش دمبدم یاور شد است

غوث الاعظمؒ کہ کراماتش تواتر را رسید
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بما مخبر شد است

بودہ ہر فاضل دہر مادح محبوب ما
خاصۃً آن پیر افلاکی ثناگستر شد است

اوّلاً در ہمہ خلفائے شان سبقت نمود
از دل و جان مادح آن نیکو مظہر شد است

ہمچنان میرم بزاز و شیخ زینہؒ و حسنؒ
ہم نصیب الدینؒ ہم مشکواتیؒ و جعفرؒ شد است

خواجہ مسعودؒ و حبیبؒ و اکمل الدینؒ رہنما
شیخ نوریؒ از دل و جان ہم ثناگستر شد است

شیخ احمدؒ و مریدش سید سیف الدینؒ کہ بود
ہم حسین منطقیؒ مداح آن سرور شد است

محو مدحش باوجود رفعت علم و کمال
حجۃ الاسلام جناب شیخ دین انورؒ شد است

یاد ایامے مشرف از فیوض روضہ اش
حضرت اقبالؒ آن علامۂ ابہر شد است

رفتہ رفتہ بعد ازین چون دور استادم رسید
آفتاب آمد دلیل آفتاب اظہر شد است

قاسم فیضان علم قاسم اول کہ ہست
از فیوضش بہرہ ور ہر فرد این کشور شد است

ظلِ حق چشم و چراغ دودۂ عبد الکبیر

مفتیٔ دین آن فقیہ اُمّتِ خیر البشرؐ

پیر ترکستان نزیلِ ارضِ خیر المرسلینؐ

شیخ من آن بوالحسن[1] چون مستِ مدحِ پیر خویش

ہمچنان استاذِ من این عالمِ شیرین بیان

انتخابش شد میانِ عالمانِ این زمان

بَارَكَ اللهُ کُتبِ پاکِ اولیاء را خواندہ ام

شرح و تحقیقات و ہم تعریبِ اشعارش نمود

جُزءِ اوّل پیش ازین بابِ دوم چون طبع شد

آن امین الواحدی کو در اشاعت سعی کرد

پس رجا داریم ما از بارگاہِ قطبِ حق!

غم نداریم ذاتش چون حصنِ حصین است بہرِ ما

آن شہےؓ رازِ سلونی را کہ کردہ آشکار

فخر داریم گر شمارد از سگانِ خود چنانک

تا شود در روزِ محشر باعثِ رفعِ عتاب

آستانش قبلہ گاہِ قدسیان و عارفان

شکر للہ از خدّامِ سلسلش ہستم بجان

بعدِ این وردِ شریف و تاج ختمُ العارفین

"واہ نغمۂ مریدان"[3] آمدش سالِ ختام

"وہ چہ حاصلِ خیرُ الکتُب"[3] بین ہم سالِ او

"مدحِ مرغوبِ آقائے"[3] مے سزد گر خوانمش

کز میانِ فاضلان او چون شہِ خاور شد است

اوستادش زان بہر فن فردِ کاملتر شد است

سیّد محمودُ الطرازی مرشدش اَشہر شد است

شاہ ابوالخیرؒ در سلوک کو عالِمِ اکبر شد است

مستِ مدحِ شیخ حمزہؓ مرشد و رہبر شد است

وتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ را از حق مظہر شد است

شانِ این وردِ مبارک بہرِ سالک اظہر شد است

ہم نکاتِ زُبدۂ احسان از و ایسر شد است

بہرِ اربابِ سلوک چون کبریتِ احمر شد است

فاتحہ[x] از خامہ اش چون رائحۃ انتشر شد است

شیخ حمزہؓ خاصِ یزدان ناصر و یاور شد است

قطبِ ارشاد جانشینِ ساقیٔ کوثر شد است

خازن و مفتاح و بابِ علمِ پیغمبرؐ شد است

پیرِ بصرہؓ در صفاتِ سگ ثنا گستر شد است

مقصدِ استاذِ ما و ناشرِ دفتر شد است

خاکِ راہش کحلِ چشمِ والہان اَبصر شد است

سیّد علاؤ الدین[2] بخاری مرشدم اَشہر شد است

بے نیازم از فتوحات و فصِ اکبرؒ شد است

زان زمدحش ہر مرید را مشکلے ایسر شد است

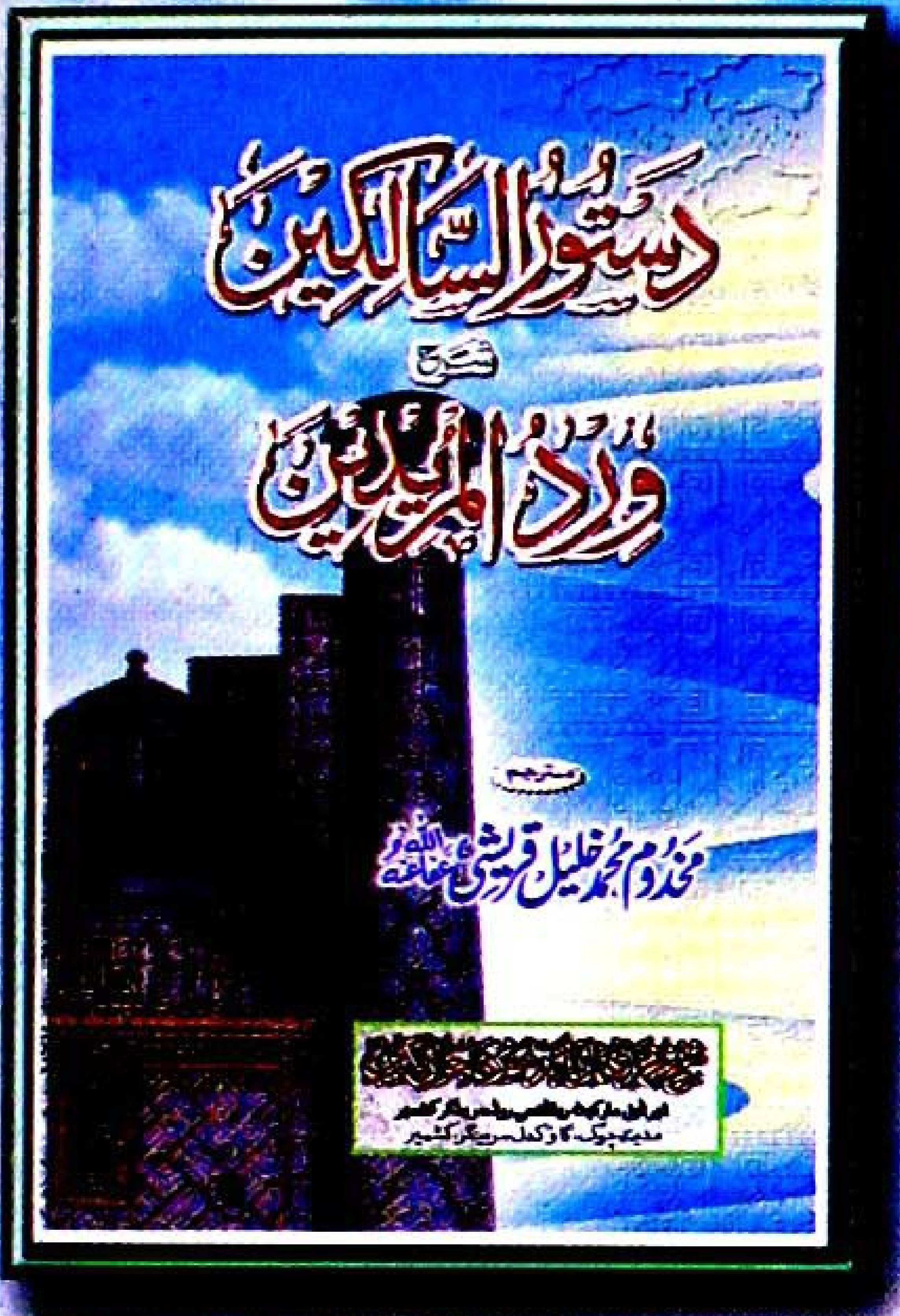
کہ لسانِ وردِ خیرالکتب را مظہر شد است

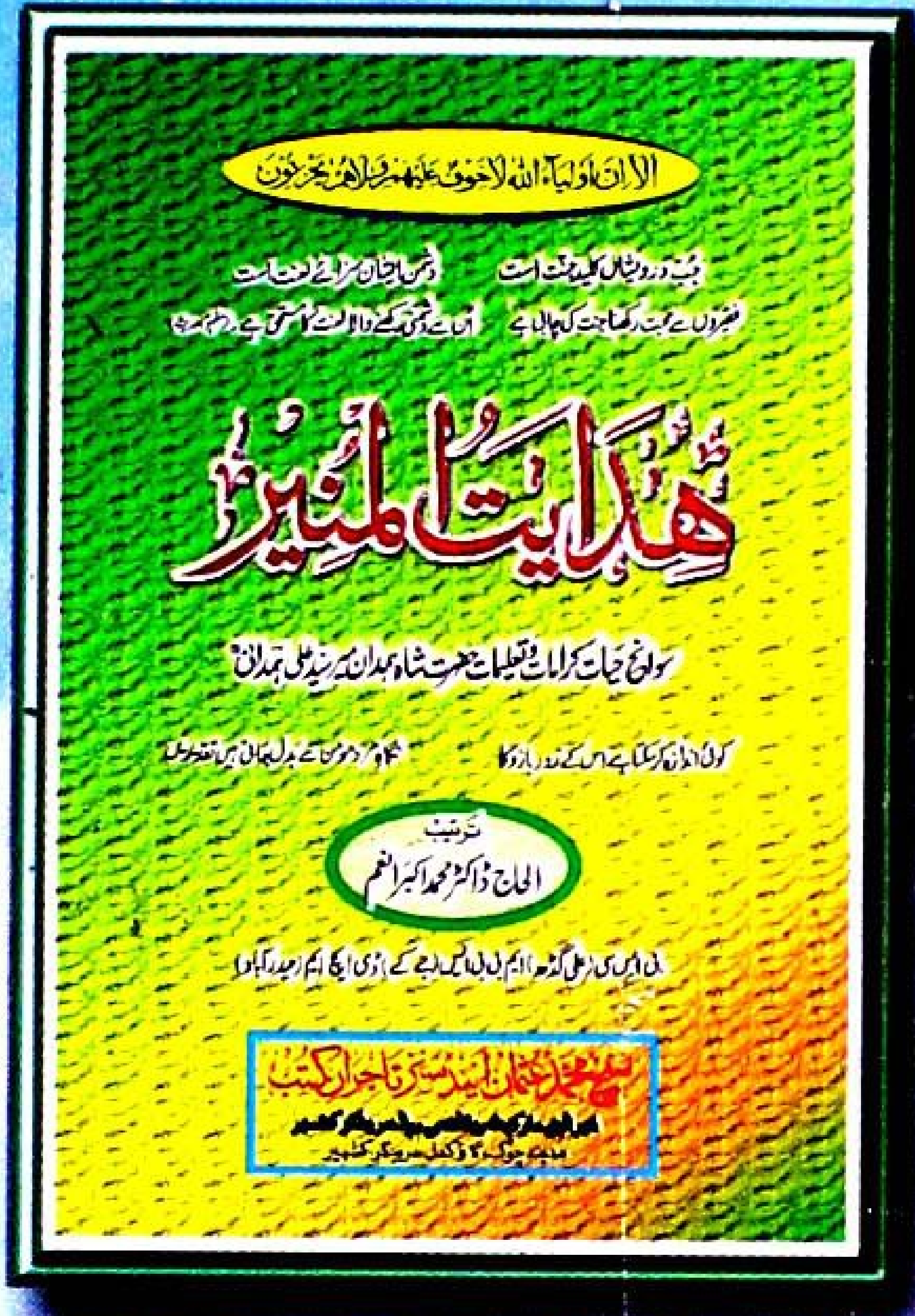
ہر مریدِ سلسلہ را وردِ نیکوتر شد است

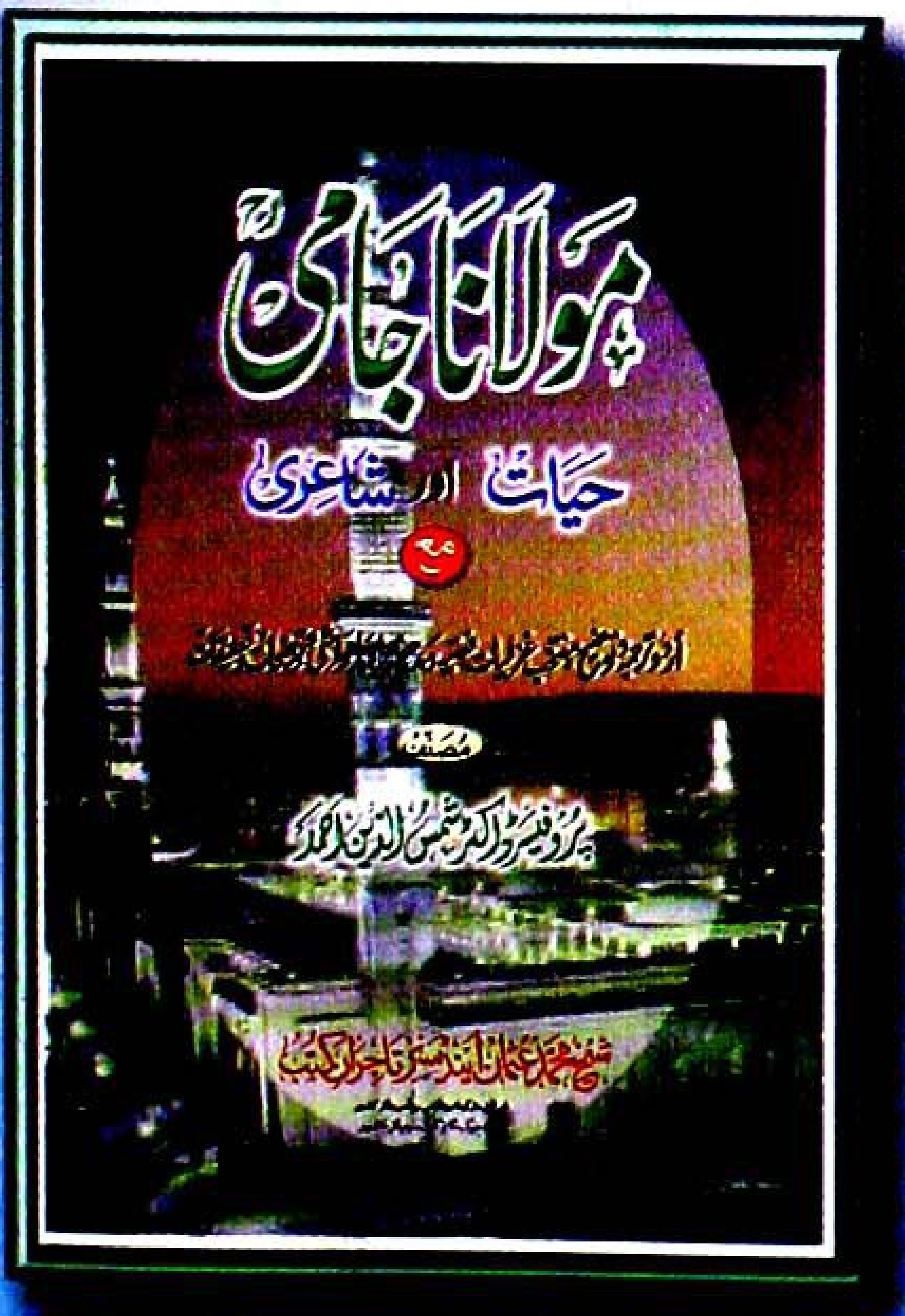
یک نظر کن از عنایت بر منِ نامہ سیاہ

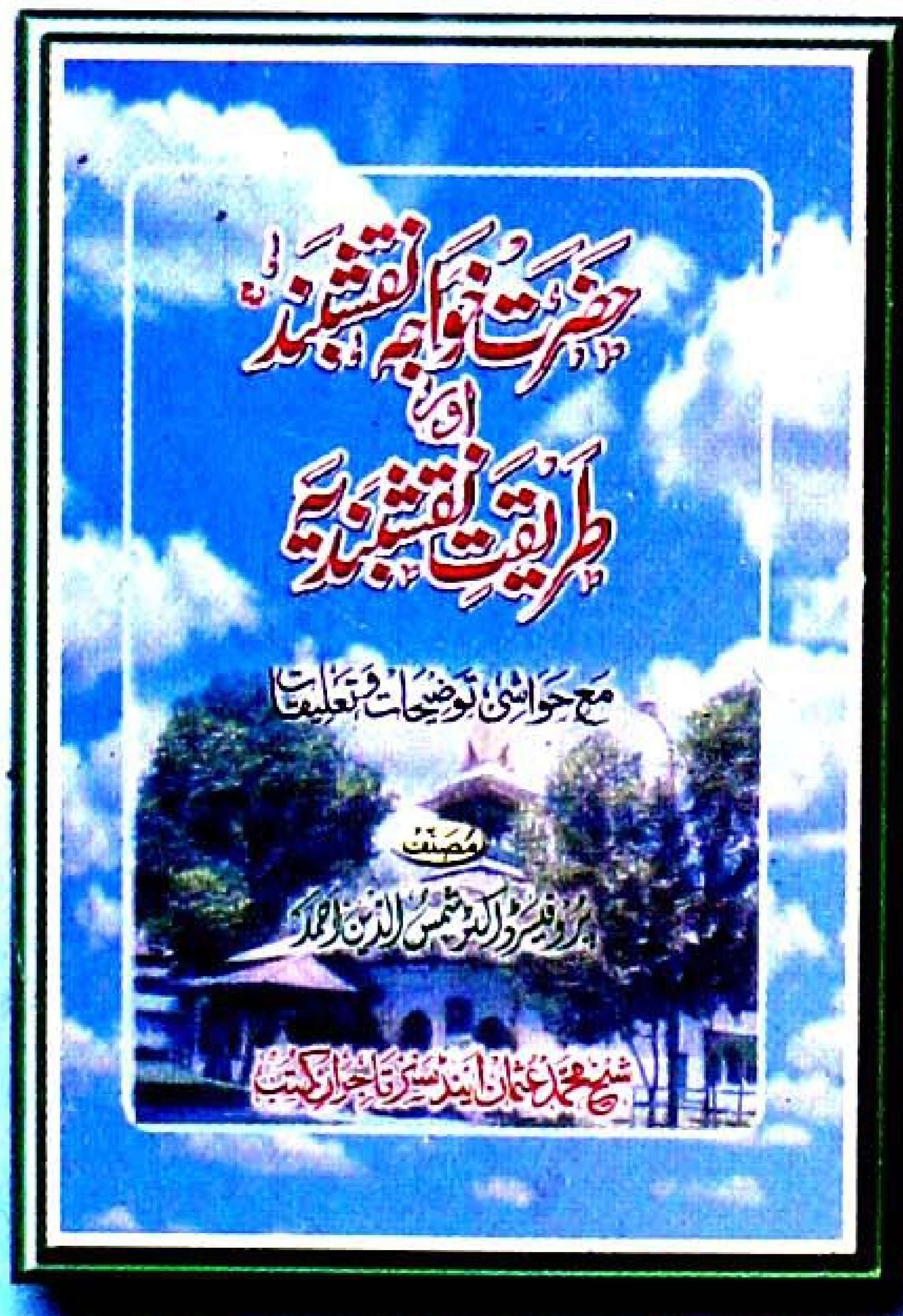
کز نگاہت خاکِ خاکیؔ کیمیا و زر شد است

[1] حضرت مولینا شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی فاضلِ ازہر مدظلہ۔ [2] حضرت مولینا سید علاؤالدین بخاری (فاضلِ دیوبند) استاد حنفیہ عربی کالج سرینگر۔ [3] تینوں مادہ ہائے تاریخ کا حاصل ۱۴۱۲ھ۔ [x] مراد فاتحۃ الکتاب جو صفحہ ۲۴ پر درج ہے۔


دستور السالکین
شرح
ورد المریدین


ہدایت المنیر


مولانا جامی
حیات اور شاعری


حضرت خواجہ نقشبند
اور
طریقت نقشبندیہ
مع حواشی توضیحات و تعلیقات